

یوں لکھو کہ دنیا کی کجی اور تیرے حیرت  
یوں لکھو کہ دنیا کی کجی اور تیرے حیرت

# فہمائے ہند

محمد اسحاق چٹپی



دارالانوار



# فتاویٰ ہمند

پہلی صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری تک

محمد اسحاق بھٹی

محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

بہ اشتراک

دارالافتاء

المحمدیہ ریسرچ، اردو بازار، لاہور فون: ۸۸۹۸۶۳۹ ۰۳۰۰

۲۰۹۱۳۹۱۳۱  
۱۱۶۹۸۶

جملہ حقوق محفوظ

۱۳۳۳/۲۰۱۳ء

۱۱۶۹۸۶

فہمائے ہند	_____	جلد اول نام کتاب:
محمد اسحاق بھٹی	_____	مصنف:
محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ	_____	اہتمام:
بہ اشتراک جلال النواذ	_____	مطبع:
شفیق پریس	_____	حروف خوانی:
محمد رفیع الدین حجازی	_____	صفحات:
۲۵۰	_____	جلد ساز:
بنیامین	_____	سرورق:
ضیاء الرحمن	_____	کمپوزنگ:
محمود فرید	_____	

ڈسٹری بیوٹرز

فضلی کتاب

فاضلہ اسلامیہ کراچی

اردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔

فون: 32212991-32629724

کتاب سرائے

پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز،  
مشیران کتب خانہ جات

کتاب سرائے

فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ  
اردو بازار، لاہور فون: 37239884، 37320318  
ای میل: Ktabsaray@hotmail.com

## ترتیب

صفحہ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر	موضوع
	الف	۱۳	مقدمہ
۴۵	۱۔ ابن اسید بن اخنس	۱۴	عہد حضرت ابو بکر صدیق <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۵	۲۔ ابوشیبہ جوہری	۱۴	عہد حضرت عمر فاروق <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۵	۳۔ اشی ہمدان	۱۶	عہد حضرت عثمان <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۶	۴۔ ابویوب بن یزید ہلالی	۱۷	عہد حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small>
	ت	۱۸	عہد حضرت امیر معاویہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
۴۶	۵۔ تاغر بن وعر	۱۹	عہد یزید بن معاویہ
	ح	۱۹	پچیس صحابہ کرام <small>رضی اللہ عنہم</small> وارد ہند ہوئے
۴۷	۶۔ حاتم بن قبیصہ بن مہلب مہلبی ازدی	۲۱	ہند میں اسلام دو راستوں سے آیا
۴۷	۷۔ حارث بیلمانی	۲۱	محمود غزنوی اور اس کے اخلاف
۴۷	۸۔ حارث بن مرہ عبدی	۲۵	غوری سلطنت
۴۸	۹۔ حباب بن فضالہ ذہلی	۲۷	قطب الدین ایبک
۴۹	۱۰۔ حری بن حری بابلی	۳۰	ناصر الدین قباچہ
۴۹	۱۱۔ حکم بن منذر عبدی	۳۱	سلطان شمس الدین ایلتمش
	ر	۳۳	سلطان ناصر الدین محمود
۴۹	۱۲۔ راشد بن عمرو جدیدی عبدی ازدی	۳۶	غیاث الدین بلبن
	ز	۳۹	جلال الدین خلجی
۵۰	۱۳۔ زائدہ بن عمیر طائی کوفی	۴۰	علاؤ الدین خلجی
۵۰	۱۴۔ زیاد بن حواری عمی	۴۱	سلطان غیاث الدین تغلق
۵۰	۱۵۔ ابو قیس زیاد بن رباح قیسی بصری	۴۱	سلطان محمد تغلق
		۴۲	سلطان فیروز شاہ تغلق
		۴۲	سلاطین بہمنی
		۴۵	پہلی صدی ہجری

صحنہ

۱۵۵۹/۱

س		س	
۵۱	۱۶۔ سعد بن ہشام انصاری	۶۱	۳۵۔ یزید بن ابوکبشہ سلکسکی
۵۱	۱۷۔ سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی	۶۲	۳۶۔ یزید بن مفرغ حمیری
۵۲	۱۸۔ سعید بن کنذیر	۶۳	دوسری صدی ہجری
ش		الف	
۵۲	۱۹۔ شمر بن عطیہ اسدی	۶۳	۱۔ ابو عیینہ بن مہلب ازدی
ع		۶۳	۲۔ اسرائیل بن موسیٰ بصری
۵۳	۲۰۔ عباد بن زیاد بن ابوسفیان	۶۴	۳۔ اسماعیل بن ابراہیم قیقانی
۵۳	۲۱۔ عبدالرحمن بن ابوزید بیلمانی	ج	
۵۴	۲۲۔ عبدالرحمن بن عباس ہاشمی قرشی	۶۵	۴۔ جنید بن عمرو عدوانی کئی
۵۴	۲۳۔ عبدالرحمن سندھی	ح	
۵۴	۲۴۔ عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کندی	۶۵	۵۔ حکم بن عوانہ بن عیاض کلبی
۵۵	۲۵۔ عمر بن عبید اللہ بن معمر قرشی تیمی	ر	
ق		۶۶	۶۔ ربیع بن صبیح سعیدی بصری
۵۵	۲۶۔ قطن بن مدرک کلابی	ع	
۵۵	۲۷۔ قیس بن ثعلبہ	۶۷	۷۔ عبدالرحمن بن عمرو اوزاعی
ک		۶۸	۸۔ عبدالرحیم بن حماد ثقفی دیلمی
۵۶	۲۸۔ کرز بن ابی کرز عبدی حارثی کوفی	۶۸	۹۔ عبداللہ بن محمد علوی
۵۶	۲۹۔ کہس بن حسن قیسی بصری	۷۰	۱۰۔ عطیہ بن سعد عوفی
م		۷۰	۱۱۔ عمرو بن مسلم باہلی
۵۶	۳۰۔ مجاہد بن سعری تیمی	ف	
۵۷	۳۱۔ ابوالیمان معالی بن راشد نبال ہذلی بصری	۷۱	۱۲۔ فتح بن عبداللہ سندھی
۵۸	۳۲۔ موسیٰ سیلانی	م	
۵۹	۳۳۔ موسیٰ بن یعقوب ثقفی	۷۲	۱۳۔ محمد بن زید عبدی
۶۰	۳۴۔ مولائے اسلام دیلمی	۷۲	۱۴۔ معاویہ بن قرنہ منزلی بصری
		۷۳	۱۵۔ مکحول بن عبداللہ سندھی شامی

۸۵	ع	۵۔ علی بن موسیٰ دیلمی
۸۵	م	۶۔ محمد بن ابراہیم دیلمی
۸۵		۷۔ محمد بن محمد دیلمی
۸۶		پانچویں صدی ہجری
۸۶	ح	۱۔ حسین زنجانی
۸۶	ع	۲۔ ابو الفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمن اشعثی لاہوری
۸۷		۳۔ حضرت شیخ علی ہجویری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
۸۹	م	۴۔ سلطان محمود غزنوی
۹۲		چھٹی صدی ہجری
۹۲	الف	۱۔ قاضی اسماعیل بن علی سندھی
۹۷	ب	۲۔ ابو الحسن بختیار بن عبداللہ صوفی ہندی
۹۷		۳۔ بختیار بن عبداللہ ہندی فساد
۹۸	ع	۴۔ ابو الحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری
۹۹		۵۔ عمرو بن سعید لاہوری
۹۹	م	۶۔ شیخ محمد بن عبدالملک جرجانی

۷۳	ن	۱۶۔ نجیح بن عبدالرحمن سندھی مدنی
۷۴	ی	۱۷۔ یزید بن عبداللہ قرشی بیسری سندھی
۷۶		تیسری صدی ہجری
۷۶	الف	۱۔ ابو علی سندھی
۷۷	خ	۲۔ خلف بن سالم
۷۷	س	۳۔ سندھ کا ایک گم نام عالم و مفسر
۷۹	ش	۴۔ شعیب بن محمد دیلمی
۷۹	ع	۵۔ عبداللہ بن جعفر منصور
۷۹	م	۶۔ محمد بن ابوالشوارب
۸۰		۷۔ محمد بن ابو معشر
۸۱		چوتھی صدی ہجری
۸۱	الف	۱۔ ابراہیم بن محمد دیلمی
۸۱		۲۔ احمد بن عبداللہ دیلمی
۸۲		۳۔ احمد بن محمد منصور
۸۳	خ	۴۔ خلف بن محمد دیلمی

	_____ ر _____	◆	۱۰۰	۷۔ ابوالقاسم محمد بن خلف لاہوری	◆
۱۱۴	۱۶۔ قاضی رفیع الدین گاذرونی	◆	۱۰۰	۸۔ مخلص بن عبداللہ ہندی	◆
۱۱۴	۱۷۔ شیخ رکن الدین دہلوی	◆		_____ ی _____	◆
۱۱۵	۱۸۔ قاضی رکن الدین سامانوی	◆	۱۰۱	۹۔ یوسف بن ابوبکر گز دیزی	◆
	_____ ز _____	◆	۱۰۲	ساتویں صدی ہجری	◆
۱۱۵	۱۹۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی	◆		_____ الف _____	◆
۱۱۸	۲۰۔ شیخ الاسلام زکی الدین بن احمد لاہوری	◆	۱۰۲	۱۔ شیخ احمد بن محمد ہانسوی	◆
			۱۰۲	۲۔ شیخ اسحاق بن علی بخاری	◆
۱۱۸	۲۱۔ مولانا زین الدین بدایونی	◆		_____ ب _____	◆
	_____ س _____	◆	۱۰۳	۳۔ شیخ بدر الدین دلموی	◆
۱۱۹	۲۲۔ مولانا سدید الدین دہلوی	◆	۱۰۴	۴۔ شیخ بدر الدین سمرقندی	◆
	_____ ش _____	◆	۱۰۴	۵۔ شیخ بدر الدین غزنوی	◆
۱۱۹	۲۳۔ مولانا شرف الدین ولوالچی	◆	۱۰۵	۶۔ مولانا برہان الدین بزاز	◆
۱۱۹	۲۴۔ قاضی شرف الدین اصفہانی	◆	۱۰۵	۷۔ شیخ برہان الدین بلخی	◆
۱۲۰	۲۵۔ مولانا شمس الدین خوارزمی	◆	۱۰۶	۸۔ مولانا برہان الدین فسفی	◆
۱۲۲	۲۶۔ قاضی شمس الدین مراچی	◆		_____ ج _____	◆
۱۲۲	۲۷۔ قاضی شمس الدین مارہروی	◆	۱۰۷	۹۔ قاضی جلال الدین کاشانی	◆
۱۲۳	۲۸۔ قاضی شمس الدین بہراچی	◆		_____ ح _____	◆
۱۲۳	۲۹۔ مولانا شہاب الدین اجودھنی	◆	۱۰۷	۱۰۔ شیخ حسام الدین ملتانی	◆
	_____ ص _____	◆	۱۰۸	۱۱۔ خواجہ حسن معین الدین اجمیری	◆
۱۲۴	۳۰۔ قاضی صمصام الدین فرغانی	◆	۱۱۱	۱۲۔ شیخ حسن بن محمد صغانی لاہوری	◆
	_____ ظ _____	◆	۱۱۳	۱۳۔ شیخ حسین بن علی بخاری	◆
۱۲۴	۳۱۔ قاضی ظہیر الدین دہلوی	◆	۱۱۳	۱۴۔ شیخ حسین بدایونی	◆
	_____ ع _____	◆		_____ د _____	◆
۱۲۴	۳۲۔ قاضی عثمان بن محمد جوزجانی	◆	۱۱۴	۱۵۔ داؤد بن محمد اودھی	◆



۱۴۱	۵۵۔ شیخ ابوبکر یوسف بن حسین سقرانی	◆
۱۴۲	آٹھویں صدی ہجری	◆
	<u>الف</u>	◆
۱۴۲	۱۔ قاضی ابوحنیفہ بھکری سندھی	◆
۱۴۳	۲۔ شیخ ابوعلی قلندر پانی پتی	◆
۱۴۶	۳۔ شیخ احمد بن یحییٰ منیری	◆
۱۴۸	۴۔ سید احمد غزنوی	◆
۱۴۸	۵۔ شیخ اسحاق مغربی	◆
۱۴۸	۶۔ شیخ اسمعیل فقیہ	◆
۱۴۹	۷۔ شیخ اسمعیل بن محمد ملتانی	◆
۱۴۹	۸۔ مولانا افتخار الدین رازی	◆
۱۴۹	۹۔ مولانا افتخار الدین برنی	◆
۱۵۰	۱۰۔ مولانا افتخار الدین گیلانی	◆
۱۵۰	۱۱۔ شیخ امام الدین دہلوی	◆
	<u>ب</u>	◆
۱۵۰	۱۲۔ مولانا بدر الدین معبری	◆
۱۵۰	۱۳۔ مولانا بدر الدین اودھی	◆
۱۵۱	۱۴۔ مولانا برہان الدین بھکری	◆
۱۵۱	۱۵۔ قاضی بہاء الدین اوچی	◆
	<u>ت</u>	◆
۱۵۲	۱۶۔ امیر تاتار خاں دہلوی	◆
۱۵۵	۱۷۔ قاضی تاج الدین کڑوی	◆
۱۵۶	۱۸۔ ولانا تاج الدین کلاہی	◆
۱۵۶	۱۹۔ مولانا تاج الدین مقدم دہلوی	◆
	<u>ج</u>	◆
۱۵۶	۲۰۔ مولانا جلال الدین رومی	◆

۱۲۷	۳۳۔ شیخ عزیز الدین لاہوری	◆
۱۲۷	۳۴۔ خواجہ عزیز کڑکی	◆
۱۲۷	۳۵۔ شیخ علاء الدین اصوی بدایوانی	◆
۱۲۷	۳۶۔ شیخ علی بن اسحاق بخاری	◆
۱۲۷	۳۷۔ شیخ علی بن حامد کونی	◆
۱۲۸	۳۸۔ قاضی علی بن عمر محمودی	◆
	<u>ق</u>	◆
۱۲۸	۳۹۔ قاضی قطب الدین کاشانی ملتانی	◆
۱۲۹	۴۰۔ قاضی کمال الدین جعفری	◆
	<u>م</u>	◆
۱۲۹	۴۱۔ شیخ محمد بن احمد ماریکی دہلوی	◆
۱۳۰	۴۲۔ شیخ محمد بن احمد مدنی	◆
۱۳۱	۴۳۔ شیخ محمد بن مامون لاہوری	◆
۱۳۲	۴۴۔ شیخ محمد بن محمد بھکری سندھی	◆
۱۳۲	۴۵۔ شیخ محمد شقور قانی	◆
۱۳۲	۴۶۔ شیخ محمد ترکمانی	◆
۱۳۳	۴۷۔ شیخ مسعود فرید الدین	◆
۱۳۶	۴۸۔ مولانا منہاج الدین ترمذی ملتانی	◆
	<u>ن</u>	◆
۱۳۷	۴۹۔ شیخ نجم الدین صغریٰ	◆
۱۳۹	۵۰۔ نجیب الدین متوکل	◆
۱۳۹	۵۱۔ شیخ نصیر الدین دہلوی	◆
۱۴۰	۵۲۔ شیخ نظام الدین فرغانی	◆
	<u>و</u>	◆
۱۴۰	۵۳۔ قاضی وجیہ الدین کاشانی	◆
	<u>ی</u>	◆
۱۴۰	۵۴۔ شیخ یعقوب بن احمد نہروالی	◆

۱۶۸	۴۵۔ شیخ رکن الدین ملتانی ظفر آبادی	۱۵۸	۲۱۔ قاضی جلال الدین دلواہی
۱۶۸	۴۶۔ مولانا رکن الدین بدایونی	۱۵۸	۲۲۔ شیخ جلال الدین دہلوی
	_____ ز _____	۱۵۹	۲۳۔ شیخ جلال الدین اودھی
۱۶۹	۴۷۔ مولانا زین الدین دیوی	۱۵۹	۲۴۔ قاضی جلال الدین کاشانی
۱۶۹	۴۸۔ شیخ زین الدین اودھی	۱۵۹	۲۵۔ قاضی جلال الدین کرمانی
۱۶۹	۴۹۔ قاضی زین الدین ناقد دہلوی	۱۶۰	۲۶۔ شیخ جمال الدین مغربی
۱۷۰	۵۰۔ قاضی زین الدین مبارک گوالیاری	۱۶۱	۲۷۔ شیخ جمال الدین کوٹلی
	_____ س _____	۱۶۱	۲۸۔ شیخ جمال الدین اوچی
۱۷۰	۵۱۔ قاضی سماء الدین دہلوی	۱۶۲	۲۹۔ شیخ جمال الدین اودھی
۱۷۰	۵۲۔ مولانا سراج الدین ثقفی دہلوی		_____ ح _____
۱۷۰	۵۳۔ شیخ سعید الدین قندھاری	۱۶۲	۳۰۔ شیخ حسین بن احمد بخاری اوچی
۱۷۱	۵۴۔ شیخ سلیمان بن زکریا ملتانی		مخدوم جہانیاں جہاں گشت
۱۷۱	۵۵۔ قاضی سماء الدین بجنوری	۱۶۳	۳۱۔ شیخ حسین بن محمد کرمانی
	_____ ش _____	۱۶۳	۳۲۔ شیخ حسین بن عمر غیاث پوری
۱۷۱	۵۶۔ قاضی شرف الدین دہلوی	۱۶۴	۳۳۔ مولانا حجت الدین ملتانی قدیم
۱۷۲	۵۷۔ مولانا شمس الدین باخرزی	۱۶۴	۳۴۔ مولانا حسام الدین ابن شادی
۱۷۲	۵۸۔ مولانا شمس الدین ترک	۱۶۴	۳۵۔ مولانا حسام الدین سرخ
۱۷۳	۵۹۔ مولانا شمس الدین گاڈرونی	۱۶۴	۳۶۔ مولانا حماد الدین کاشانی
۱۷۵	۶۰۔ مولانا شمس الدین دمشق	۱۶۵	۳۷۔ شیخ حمید الدین دہلوی
۱۷۵	۶۱۔ مولانا شمس الدین تمر دہلوی	۱۶۵	۳۸۔ مولانا حمید الدین بنیانی دہلوی
۱۷۵	۶۲۔ مولانا شمس الدین دھارا سیونی		_____ د _____
۱۷۵	۶۳۔ مولانا شہاب الدین خلیل دہلوی	۱۶۵	۳۹۔ شیخ دانیال بن حسن سترکھی
۱۷۶	۶۴۔ شیخ شہاب الدین صوفی دہلوی	۱۶۶	۴۰۔ شیخ داؤد بن حسین شیرازی
۱۷۶	۶۵۔ مولانا شہاب الدین ملتانی		_____ ر _____
۱۷۷	۶۶۔ شیخ شہاب الدین زاہدی میرٹھی	۱۶۶	۴۱۔ قاضی رکن الدین کڑوی
	_____ ص _____	۱۶۷	۴۲۔ قاضی رکن الدین کاشانی ملتانی
۱۷۷	۶۷۔ شیخ صدر الدین کھراہی دہلوی	۱۶۸	۴۳۔ مولانا رکن الدین سنای
		۱۶۸	۴۴۔ مولانا رکن الدین اندرپتی

۱۹۱	۹۳۔ شیخ علی بن حمید ناگوری	◆
۱۹۱	۹۴۔ شیخ علی بن شہاب الدین ہمدانی	◆
۱۹۲	۹۵۔ مولانا عماد الدین حسام دہلوی	◆
۱۹۳	۹۶۔ مولانا عماد الدین غوری	◆
۱۹۴	۹۷۔ شیخ عمر بن محمد ہندی	◆
۱۹۴	۹۸۔ شیخ عمر بن اسعد لاہوری پنڈوی	◆
۱۹۵	۹۹۔ شیخ عمر بن اسحاق غزنوی	◆
۱۹۶	۱۰۰۔ شیخ عمر بن محمد سنائی	◆
۱۹۷	۱۰۱۔ شیخ عین الدین بیجاپوری	◆
	_____ ف _____	◆
۱۹۸	۱۰۲۔ مولانا فخر الدین زراوی	◆
۲۰۳	۱۰۳۔ شیخ فخر الدین مروزی	◆
۲۰۳	۱۰۴۔ مولانا فخر الدین ناقلی	◆
۲۰۳	۱۰۵۔ مولانا فخر الدین ہانسوی	◆
۲۰۳	۱۰۶۔ مولانا فخر الدین شتاق	◆
۲۰۴	۱۰۷۔ قاضی فخر الدین بجنوری	◆
۲۰۴	۱۰۸۔ شیخ الاسلام فرید الدین اودھی	◆
۲۰۴	۱۰۹۔ شیخ فرید الدین ناگوری	◆
۲۰۵	۱۱۰۔ شیخ فرید الدین دولت آبادی	◆
۲۰۵	۱۱۱۔ شیخ فضل بن محمد ملتانی	◆
۲۰۵	۱۱۲۔ مولانا فصیح الدین دہلوی	◆
۲۰۶	۱۱۳۔ قاضی فصیح الدین ہروی	◆
۲۰۷	۱۱۴۔ شیخ فیروز دہلوی	◆
	_____ ق _____	◆
۲۰۸	۱۱۵۔ شیخ قاسم بن عمر دہلوی	◆
	_____ ک _____	◆
۲۰۸	۱۱۶۔ شیخ کریم الدین جوہری	◆

۱۷۸	۶۸۔ شیخ صدر الدین بھکری	◆
۱۷۸	۶۹۔ مولانا صدر الدین تاری	◆
۱۷۸	۷۰۔ مولانا صدر الدین گندھک	◆
	_____ ض _____	◆
۱۷۹	۷۱۔ قاضی ضیاء الدین برنی	◆
۱۷۹	۷۲۔ قاضی ضیاء الدین بیانوی	◆
۱۸۰	۷۳۔ قاضی ضیاء الدین سمٹانی	◆
	_____ ظ _____	◆
۱۸۳	۷۴۔ مولانا ظہیر الدین بھکری	◆
۱۸۳	۷۵۔ مولانا ظہیر الدین لنگ دہلوی	◆
	_____ ع _____	◆
۱۸۳	۷۶۔ مولانا عالم بن علا اندرپتی	◆
۱۸۴	۷۷۔ شیخ عبدالعزیز اردبیلی	◆
۱۸۵	۷۸۔ مولانا عبدالکریم شردانی	◆
۱۸۵	۷۹۔ قاضی عبداللہ بیانوی	◆
۱۸۵	۸۰۔ شیخ عثمان بن داؤد ملتانی	◆
۱۸۶	۸۱۔ شیخ عثمان اودھی	◆
۱۸۶	۸۲۔ قاضی عثمان مالاباری	◆
۱۸۶	۸۳۔ شیخ عز الدین زبیری	◆
۱۸۷	۸۴۔ مولانا عقیف الدین کاشانی	◆
۱۸۸	۸۵۔ شیخ علاء الدین الندی	◆
۱۸۸	۸۶۔ شیخ علاء الدین اودھی	◆
۱۸۹	۸۷۔ شیخ علاء الدین سندیلوی	◆
۱۹۰	۸۸۔ مولانا علاء الدین دہلوی	◆
۱۹۰	۸۹۔ مولانا علاء الدین تاجر	◆
۱۹۰	۹۰۔ مولانا علاء الدین کرک	◆
۱۹۰	۹۱۔ مولانا علاء الدین لاہوری	◆
۱۹۰	۹۲۔ مولانا علاء الدین اندرپتی	◆

۲۲۸	۱۴۰۔ شیخ محمود بن یوسف کرانی	۲۰۸	۱۱۷۔ مولانا کمال الدین سامانوی
۲۲۸	۱۴۱۔ شیخ مخلص بن عبداللہ دہلوی	۲۰۹	۱۱۸۔ مولانا کمال الدین دہلوی
۲۲۹	۱۴۲۔ شیخ موسیٰ بن جلال ملتانی	۲۰۹	۱۱۹۔ مولانا کمال الدین سنتوسی
۲۲۹	۱۴۳۔ قاضی محی الدین کاشانی	۲۰۹	۱۲۰۔ شیخ کمال الدین مالوی
۲۳۱	۱۴۴۔ مولانا معین الدین عمرانی دہلوی		— م —
۲۳۱	۱۴۵۔ قاضی مغیث الدین بیانوی	۲۱۰	۱۲۱۔ شیخ محمد بن احمد بدایونی نظام الدین اولیا
۲۳۱	۱۴۶۔ شیخ منتخب الدین ہانسوی	۲۱۶	۱۲۲۔ شیخ محمد بن احمد معبری
	— ن —	۲۱۶	۱۲۳۔ قاضی محمد بن برہان ہانسوی
۲۳۱	۱۴۷۔ مولانا ناصر الدین خوارزمی	۲۱۶	۱۲۴۔ شیخ محمد بن عبدالرحیم رموی دہلوی
۲۳۱	۱۴۸۔ مولانا نجم الدین انتشار دہلوی	۲۱۸	۱۲۵۔ شیخ محمد بن محمد صغانی
۲۳۲	۱۴۹۔ مولانا نجم الدین سمرقندی	۲۱۹	۱۲۶۔ شیخ محمد بن محمود ہانسوی
۲۳۲	۱۵۰۔ مولانا نصیر الدین صابونی	۲۱۹	۱۲۷۔ شیخ محمد بن محمد کابلی
۲۳۲	۱۵۱۔ مولانا نصیر الدین کڑوی	۲۲۰	۱۲۸۔ شیخ محمد بن محمد ہندی
۲۳۲	۱۵۲۔ مولانا نظام الدین کلاہی	۲۲۰	۱۲۹۔ شیخ محمد بن محمد بلخی
۲۳۳	۱۵۳۔ شیخ نور الدین ہانسوی	۲۲۰	۱۳۰۔ شیخ محمد بن یحییٰ اودھی
	— و —	۲۲۲	۱۳۱۔ شیخ محمد بن محمد مراجمی ہندی
۲۳۳	۱۵۴۔ مولانا وجیہ الدین رازی	۲۲۲	۱۳۲۔ شیخ محمد شیرازی
۲۳۳	۱۵۵۔ مولانا وجیہ الدین پاکلی	۲۲۳	۱۳۳۔ مولانا محمد دامغانی
۲۳۳	۱۵۶۔ مولانا وجیہ الدین بیانوی	۲۲۳	۱۳۴۔ شیخ محمد بن محمود کرانی
	— ی —	۲۲۳	۱۳۵۔ شیخ محمد بن شمس عثمانی
۲۳۴	۱۵۷۔ مولانا یعقوب بن مولانا خواجگی	۲۲۳	۱۳۶۔ شیخ محمود بن محمد دہلوی
۲۳۵	۱۵۸۔ شیخ یوسف بن جمال الدین حسینی ملتانی	۲۲۴	۱۳۷۔ شیخ محمود بن یحییٰ اودھی نصیر الدین چراغ دہلی
۲۳۵	۱۵۹۔ شیخ یوسف چندیروی	۲۲۷	۱۳۸۔ شیخ محمود بن محمد دہلوی
۲۳۶	۱۶۰۔ شیخ یوسف چشتی دہلوی	۲۲۸	۱۳۹۔ شیخ محمود بن حسین حسینی بخاری اوچی
۲۳۷	مراجع مصادر		

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## جلد اول

### مقدمہ

یہ خطہ ارض جو تاریخ میں ”ہند“ کے نام سے موسوم ہے اور عرف عام میں جسے برصغیر سے تعبیر کیا جاتا ہے اب تین ملکوں (ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش) کے مجموعے کا نام ہے۔ یہ خطہ ابتدائی صدی ہجری ہی میں اسلام کے روح پرور پیغام سے آشنا ہو گیا تھا، بلکہ کچھ ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ہند کا ذکر فرمایا اور اس کے بعض امور سے متعلق دلچسپی کا اظہار کیا۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد خلافت راشدہ قائم ہوئی اور اسلامی تعلیمات نے بلا د عرب سے نکل کر بیرونی ممالک کا رخ کیا اور ان میں اپنے اثر و رسوخ کے جھنڈے گاڑنا شروع کیے تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیار ہند کی طرف بھی عنان توجہ مبذول کی اور وہ اس کو دین فطرت کے تہذیبی و ثقافتی دائرے میں شامل کرنے کے لیے کوشاں ہوئے، جس کے نتیجے میں بہت جلد برصغیر کے کئی حصوں پر برکات اسلامی کا شامیانہ سایہ فگن ہو گیا اور پھر آہستہ آہستہ یہ سارا علاقہ اسلام کی روشنی سے چمک اٹھا۔ آئندہ سطور میں اسی حقیقت کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے اور اسی سلسلے کے چند واقعات اختصار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ کتاب جو ”فقہائے ہند“ کے نام سے موسوم ہے اور آپ کے زیر مطالعہ ہے، ابتدائی صدی ہجری سے لے کر تیرھویں صدی ہجری تک کے طویل زمانے میں پھیلے ہوئے فقہائے کرام کے حالات کی اولین کڑی اور پہلی جلد ہے۔ اس میں آٹھویں صدی ہجری تک کے فقہائے ہند کے حالات درج ہیں۔ اس کے مقدمے میں موضوع کی مناسبت کے پیش نظر دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

ایک یہ کہ دور خلافت راشدہ ہی میں اسلام کا عالم گیر پیغام باشندگان ہند کے کانوں تک پہنچ گیا تھا اور بعض صحابہ کرام اور ائمہ دین اسلامی اقدار کی تنفیذ کے لیے اس ملک میں تشریف لائے تھے۔

دوسرے یہ کہ مختلف فقہائے کرام اور علمائے عظام ہندوستان کے جن جن ملوک و سلاطین کے عہد میں پیدا ہوئے، تفصیل میں جائے بغیر ان ملوک و سلاطین میں سے اہم شخصیتوں کا عہد بہ عہد تعارف کرایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ بادشاہ علمی اور مذہبی اعتبار سے کس مرتبے کے حامل تھے، فقہائے ہند سے ان کے مراسم کا کیا انداز تھا، ان کے نزدیک وہ کس درجہ احترام کے مستحق تھے اور علمی و دینی معاملات میں ان کی رائے کو وہ کتنی اہمیت دیتے تھے۔

## عہد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:

ہند میں ورودِ اسلام کے ضمن میں ہم کو سب سے پہلے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ان کے دورِ خلافت کی کسی ایسی مہم کا ذکر تو کتب رجال میں ہماری نظر سے نہیں گزرا جس کا تعلق براہ راست سرزمین برصغیر سے ہو البتہ تاریخ کی ورق گردانی سے یہ پتا چلتا ہے کہ ان کے عہدِ خلافت (ذی الحجہ ۱۱ھ) (مارچ ۶۳۲ء) میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے زیرِ کمان یمامہ کے مقام پر مرتدین کے خلاف جو جنگ لڑی گئی اس میں ہند اور سندھ کے ان ہندوؤں اور جاٹوں نے حصہ لیا تھا جو بحرین اور بلادِ سواحل میں متوطن تھے۔ یہ لوگ یمامہ گئے وہاں مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں شریک ہوئے اور شکست کھائی۔ پھر ان میں سے جو لوگ زندہ بچ گئے اور شکست کھا کر واپس آئے انھوں نے اپنی قوم کو ان حالات سے آگاہ کیا جن سے وہ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے دوچار ہوئے تھے۔ یہ گویا مسلمانوں کے خلاف اہل ہند کی پہلی فوجی چڑھائی یا پہلی دعوتِ جنگ تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق کا دورِ خلافت نہایت مختصر تھا۔ ان کے بعد مسلمان ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے اور یوں سمجھیے کہ پھر باقاعدہ کبھی بڑے اور کبھی چھوٹے پیمانے پر جنگی معرکوں کا آغاز ہو گیا۔<sup>①</sup>

## عہد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جمادی الاخریٰ ۱۳ھ (جولائی ۶۳۴ء) میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز ہوا۔ ان کے دور میں باشندگان ہند کو اسلام اور مسلمانوں سے باخبر ہونے کے متعدد مواقع پیش آئے اور ان بلاد میں توحید کی آواز گونجنا شروع ہوئی۔

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ فاروقی کے ابتدائی دور میں جزائرِ سراندیپ کا ایک وفد مدینہ منورہ پہنچا اور ارکانِ وفد نے احکامِ اسلام اور خلیفۃ المسلمین کی سیرت و کردار سے متعلق معلومات حاصل کیں۔ اس موقع پر اہل عرب نے ان کا اس طریق سے خیر مقدم کیا اور اس درجہ احترام سے پیش آئے کہ عرب مسلمانوں کی محبت ان کے دلوں میں جاگزیں ہو گئی۔ یہ درحقیقت دو آدمی تھے اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت و رسالت کا واقعہ سن کر عازم عرب ہوئے تھے لیکن جب یہ مدینہ منورہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ بھی اس دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی سفرِ آخرت پر روانہ ہو چکے تھے۔ وفد کے ارکان حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان کی زندگی کے بعض پہلوؤں کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔<sup>②</sup>

اس کے بعد ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں جنگِ فارس کے دوران میں اہل ہند کی اچھی خاصی تعداد حضرت

① قاضی اطہر مبارک پوری۔ العقد الثمین فی فتوح الہند ومن ورد فیہا من الصحابة والتابعین۔ ص ۳۲

② ۳۳ بحوالہ تاریخ طبری جلد ۳، ص ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۹۔ تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۳، ص ۱۴۱۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۹۸۔

② بزرگ بن شہریار عجائب الہند ص ۱۵۷۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر نعمت اسلام سے بہرہ ور ہوئی۔ یہ وہ ہندی تھے جو فارس میں مقیم تھے اور جنگ میں اہل فارس کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے۔ پھر ان میں کچھ لوگوں کو قیدی کی حیثیت سے بصرہ لے جایا گیا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں ان کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا کہ اس سے اثر پذیر ہو کر وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔<sup>①</sup>

ہند پر عرب مسلمانوں کی طرف سے فوج کشی کا آغاز ۱۵ھ (۶۳۶ء) سے ہوا، جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن ابوالعاصی ثقفی رضی اللہ عنہ کو بحرین اور عمان کا والی مقرر کر کے بھیجا۔ عثمان بن ابوالعاصی نے اپنے بھائی حکم بن ابوالعاصی کو ایک لشکر دے کر ہندوستان کی ایک بندرگاہ تھانہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ بندرگاہ بمبئی کے قریب واقع تھی۔ لشکر واپس آیا تو عثمان نے اس حملے کی اطلاع حضرت عمر کو دی۔ حضرت عمر نے ان کو لکھا:

((یا احناف! حملت دودا علی عود وانی احنف باللہ ان لو

اصیبوا لا خذت من قومک مثلہم))<sup>②</sup>

(اے ثقفی! تو نے چیونٹی کو لکڑی پر چڑھا دیا۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، اگر یہ فوجی مارے

جاتے تو تجھ سے تیری قوم میں سے اتنے ہی آدمی لے لیتا)

ایک روایت کے مطابق عثمان بن ابوالعاصی نے اپنے ایک بھائی حکم بن ابوالعاصی کو تھانہ اور بہرائچ کی طرف بھیجا اور دوسرے بھائی مغیرہ بن ابوالعاصی کو فوج دے کر دیہل پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ تینوں بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور عثمان خیار صحابہ میں سے تھے۔ یہ وہی عثمان بن ابوالعاصی ہیں، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا والی مقرر کیا تھا۔ فارس میں بھی انھوں نے جہاد کیا۔ علاوہ ازیں ان کی کوشش سے عساکر اسلامی نے ہندوستان کی طرف بھی رخ کیا اور تھانہ، بہرائچ اور دیہل پر حملے کیے جو اس زمانے میں بلاد ہند کے تین اہم مقام تھے۔<sup>③</sup>

چچ نامہ کی روایت کی رو سے اس زمانے میں ہند کے ان علاقوں کا بادشاہ چچ بن سیلاچ تھا جو پینتیس سال سے حکومت کر رہا تھا اور اس کی طرف سے دیہل کا حکمران سامہ بن دیوانچ تھا۔ دیہل ایک مشہور تجارتی شہر تھا۔ جو سندھ کے موجودہ شہر ٹھٹھہ کے مقام پر واقع تھا۔ جب مسلمان اور غیر مسلمان فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے پر میدان جنگ میں اتریں تو مغیرہ بن ابوالعاصی رضی اللہ عنہ نے تلوار میان سے نکالی اور بسم اللہ فی سبیل اللہ کا نعرہ لگا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ ربیع بن زیاد حارثی مذحجی رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے۔ انھوں نے عہد فاروقی میں کرمان اور مکران کے علاقے میں جنگ لڑی۔ یہ علاقے اس زمانے میں حدود سندھ میں شامل تھے۔

عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ کو بھی شرف صحابیت حاصل تھا۔ انھوں نے نواحی سندھ اور سجستان کے گرد نواح

① العقد الثمین صفحہ ۳۵، ۳۶۔ بحوالہ فتوح البلدان ص ۳۶۶، ۳۶۸

② فتوح البلدان ص ۴۲۰۔

③ جمہورۃ انساب العرب۔ ابن حزم طبع مصر ص ۲۶۶۔

کے علاقے فتح کیے۔

عبداللہ بن عمیر اشجعی صحابی نے علاقہ سندھ کے بعض شہر زیرنگیں کیے اور شہادت پائی۔ بلوچستان پر بھی رسول اکرم ﷺ کے ایک صحابی نے پرچم اسلام لہرایا جن کا اسم گرامی سہل بن عدی بن مالک خزرجی انصاری تھا۔<sup>①</sup> ان کے علاوہ نسیر بن دیسم بن ثور غجلی بھی جو مخضرم تھے بلوچستان کی فتح میں شریک تھے۔ اس طرح عہد فاروقی میں بارہ صحابی جن کے نام آگے آئیں گے ہندوستان تشریف لائے۔

### عہد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد محرم ۲۲ھ (نومبر ۶۴۴ء) میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین مقرر کیا گیا۔ یہ ذی الحجہ ۳۵ھ (جون ۶۵۶ء) تک بارہ دن کم بارہ سال منصب خلافت پر فائز رہے۔ ان کے دور خلافت میں فارس، خراسان، سجستان، افریقہ، سواحل شام، بحر روم اور بلاد ہند میں سے مکران اور بلوچستان فتح ہوئے۔ انھوں نے امیر المومنین مقرر ہونے کے بعد احوال ہند سے متعلق واقفیت حاصل کی۔ پھر سندھ، مکران اور بلوچستان کی طرف عساکر اسلام روانہ کیے۔

اس ضمن میں بلاذری نے یہ دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان منصب خلافت پر متمکن ہوئے تو عبداللہ بن عامر بن کریم کو عراق کا والی مقرر کیا اور ان کو ایک مکتوب کے ذریعے حکم دیا کہ کسی واقف حال شخص کو ہندوستان بھیجا جائے اور وہ جو معلومات وہاں سے حاصل کر کے لائے، ان سے دربار خلافت کو مطلع کیا جائے، چنانچہ عبداللہ بن عامر نے حکیم بن جبہ عبدی کو ہندوستان بھیجا۔ وہ واپس آئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کچھ معلومات لائے؟

عرض کیا۔ امیر المومنین میں دیار ہند میں گھوم پھر کر مکمل معلومات لایا ہوں۔

فرمایا۔ کچھ بیان کرو۔

کہا:

((ماء هاوشل و ثمرها وقل و لوصها بطل ان قل الجیش فیها ضاعوا

وان کثروا جاعوا))<sup>②</sup>

(ہندوستان کی حالت یہ ہے) کہ پانی کم، پھل ردی، چور بے باک، لشکر کم ہو تو ضائع ہو

جانے کا اندیشہ، زیادہ ہو تو بھوک سے مر جانے کا خطرہ)

فرمایا: واقعہ بیان کر رہے ہو یا شاعری کر رہے ہو؟

کہا واقعہ بیان کر رہا ہوں۔

① تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۲، ص ۱۸۰۔ الکامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۷۔ العقد الثمین ص ۵۲۔

② تفصیلات کے لیے دیکھیے فتوح البلدان بلاذری ص ۴۲۱۔



بہر حال یہ حقیقت ہے کہ سندھ کا کچھ علاقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ امام ابو یوسف امام زہری کی روایت سے کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

((ان افریقیة و خراسان و بعض السند فتحت فی زمن عثمان)) ①

یعنی افریقہ، خراسان اور سندھ کے بعض حصے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح ہوئے۔

۳۱ھ (۶۵۲ء) میں مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ سلمی نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے خراسان و سجستان کی مہم کے دوران میں بلاد قفص یعنی بلوچستان کے علاقوں پر حملہ کیا۔ پھر وہ مکران گئے اور دشمن کی بہت بڑی فوج سے معرکہ آرا ہوئے۔ اس اثنا میں اسلامی فوجیں خاصی مدت تک علاقہ بلوچستان میں مقیم رہیں، جس سے اس علاقے کے غیر مسلم اور اہل عجم کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ② کہتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ عرب فوجیں طویل مدت تک دیار ہند کے کسی علاقے میں قیام پذیر رہیں ③۔

۳۳ھ (۶۵۴ء) میں ایک اور صحابی حضرت عبدالرحمن بن سمرہ بن حبیب قرشی رضی اللہ عنہ نے ہند کے نواحی علاقوں پر حملے کیے اور کچھ کا علاقہ جو آج کل بلوچستان میں شامل ہے فتح کیا اور اسی اثنا میں وہ زرنج پہنچے اور زرنج اور کچھ کے نواح پر بزور شمشیر قبضہ کیا ④۔ انھوں نے سجستان، کابل اور ہند کے بعض علاقوں پر بھی فتح حاصل کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پانچ صحابی (رضی اللہ عنہم) وارد ہند ہوئے۔

### عہد حضرت علی رضی اللہ عنہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ذی الحجہ ۳۵ھ (جون ۶۵۶ء) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت کو زینت بخشی اور وہ ۷۱ رمضان ۴۰ھ (۲۳ جنوری ۶۶۱ء) کو شہید ہوئے۔ ان کی مدت خلافت چار سال نو مہینے بنتی ہے۔ ان کے زمانے میں جیوش اسلامی بالائے مکران سے ہوتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے اور قیقان اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ فتح کیا۔ قیقان، گیگان کا معرب ہے جسے اب قلات کہا جاتا ہے اور پاکستان کا حصہ ہے۔ وہاں سے لشکر اسلامی نے ہند کی طرف حرکت کی اور فتوحات حاصل کیں۔ یہ ۳۸ھ کے آخر اور ۳۹ھ (۶۵۹ء) کے ابتدا کا واقعہ ہے۔

اس علاقے میں یہ جنگیں حارث بن مرہ عبیدی کی کمان میں لڑی گئی تھیں۔ اہل قلات نے بیس ہزار فوج کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کیا، لیکن ناکام رہے اور مسلمانوں کے زبردست حملے کی تاب نہ لا کر پہاڑوں کی

① امام ابو یوسف کتاب الخراج، ص ۲۱۶ (طبع ثانی قاہرہ ۱۳۵۲ھ)

② فتوح البلدان بلاذری ص ۳۸۴۔

③ العقد الثمین، ص ۸۴۔

④ فتوح البلدان ص ۳۸۶۔

گھاٹیوں اور غاروں میں جا چھپے۔ بعد ازاں قلات کی منتشر فوج پھر جمع ہوئی اور مسلمانوں پر آمدورفت کے راستے بند کر کے ان کو چاروں طرف سے پہاڑی علاقے میں محصور کرنے کی کوشش کی، لیکن جب اسلامی فوج کو ان کے اس ارادے کا علم ہوا تو انھوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر اس زور سے اہل قلات پر حملہ کیا کہ وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے بعض مسلمان بھی ہو گئے تھے۔

((وقطعوا الطريق على المسلمين فلما رأهم المسلمون كبروا الله حتى يسمع صوائهم جنوبا و شمالا و خاف منه اهل القيقان و هربوا و اسلم بعضهم))<sup>①</sup>

یعنی جب مسلمانوں نے دیکھا کہ قلات کی فوجیں ان کے راستے تنگ کر رہی ہیں تو انھوں نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا کہ ان کی آواز جنوب و شمال میں گونج اٹھی، جس سے ڈر کر اہل قلات بھاگ کھڑے ہوئے اور کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

یہ پہلا نعرہ تکبیر تھا جو اس نواح میں بلند ہوا اور جس سے دشمن کے دل دہل گئے اور وادی قلات کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ انہی ایام میں مسلمانوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملی اور وہ واپس مکران چلے گئے۔ عہد علی رضی اللہ عنہ میں تین صحابی داخل ہند ہوئے۔

### عہد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں بھی عرب مسلمانوں نے ہند کے کئی علاقوں پر حملے کیے اور ان کو زیر نگین کیا۔ مثلاً عمر بن عبید اللہ بن معمر تیمی نے سندھ کے ایک شہر آرمائیل (یا ارمن بیلہ) پر فتح حاصل کی۔ یہ اس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا اور سرزمین سندھ میں مکران اور دیبل کے درمیان واقع تھا۔ آج کل یہ شہر علاقہ قلات میں ہے اور لس بیلہ کے قریب ہے۔ کہتے ہیں عمر بن عبید اللہ نے وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ اسی زمانے میں قلات کے ایک علاقے میں بھی جہاد کیا گیا اور اس طرف سے ہند کی سرحدوں پر بھی جھڑپیں ہوئیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے زمانے ۴۴ھ (۶۴۴ء) میں مہلب بن ابو صفیر نے ارض ہند میں بہت دور تک آگے بڑھ کر جنگ کی اور وہ لاہور اور بنوں کو ہاٹ تک جا پہنچے۔ انھوں نے سندھ کے ایک شہر قندابیل میں بھی دشمن کو ہزیمت دی۔

مہلب بن ابو صفیر کی تگ و تاز کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے کابل اور ملتان کا تمام درمیانی علاقہ روند ڈالا۔ یہ مدرک تھے، یعنی وہ صحابی جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تو پایا مگر آپ سے لقا یا آپ کی رویت کا شرف حاصل نہ کر سکے۔

① العقد الثمین ص ۱۰۱۔

۵۳ھ (۶۷۳ء) میں عباد بن زیاد بن ابوسفیان بھتان کے والی تھے۔ انھوں نے اپنے زمانہ ولایت میں قندھار اور کچھ کے علاقوں میں دور تک اندر گھس کر دشمن کو شکست دی ①۔

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں سرزمین ہند کو چار صحابہ رسول (ﷺ) کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔

### عہد یزید بن معاویہ:

یزید بن معاویہ کا زمانہ حکومت ۶۰ھ سے لے کر ۶۴ھ (۶۸۰ء سے ۶۸۴ء) تک یعنی تین سال کچھ مہینے ہے۔ اور اوراق تاریخ ناطق ہیں کہ اس زمانے میں بھی سرحدات سندھ و ہند پر مسلمانوں کی تک و تاز جہاد بدستور جاری رہی ②۔

یزید کے دور حکومت میں ایک صحابی ہندوستان تشریف لائے۔ تفصیل کا یہ محل نہیں۔ نہایت اختصار کے ساتھ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ برصغیر پاک و ہند وہ خطہ ارض ہے جو پہلی صدی ہجری یعنی خیر القرون ہی میں مسلمانوں کے وجود اور ان کی طاقت سے آشنا ہو گیا تھا اور اسلام نے اپنی رداے پر نور اس پر پھیلا دی تھی۔ اس سرزمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کی مقدس جماعت کے قدم میمنت لزوم سے بہرہ یاب ہوئی۔

### پچیس صحابہ کرام وار و ہند ہوئے:

کتب تاریخ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان میں رسول اللہ ﷺ کے پچیس صحابہ کرام تشریف لائے۔ بارہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں، پانچ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں، تین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں، چار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام حکومت میں اور ایک یزید بن معاویہ کے زمانے میں۔ ان میں مخضرم اور مدرک بھی شامل ہیں۔

یہاں صحابی، مخضرم اور مدرک کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہیے۔ محدثین اور اصولیین کے نزدیک صحابی کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسلام قبول کیا، آپ ﷺ کی صحبت و رویت سے بہرہ ور ہوا اور بحالت اسلام وفات پائی۔

مخضرم وہ صاحب اسلام ہے، جس نے زمانہ جاہلیت بھی پایا اور دور رسالت مآب ﷺ بھی، لیکن کسی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت سے مستفیض نہ ہو سکا۔

مدرک، اس کو کہا جاتا ہے جس نے حضور کا زمانہ پایا ہو۔ اسلام اگرچہ آپ کی زندگی میں قبول کیا ہو یا بعد میں۔ ذیل میں ان پچیس صحابہ کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں جو ارض ہند میں تشریف لائے۔

① العقد الثمین ص ۱۲۰-۱۲۱۔

② ایضاً ص ۱۳۸-۱۳۳۔

عہد عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں:

- حضرت عثمان بن ابوالعاصی ثقفی رضی اللہ عنہ: خیبر صحابہ میں سے تھے۔ انھوں نے بلاد ہند میں تین جنگیں لڑیں۔
- حکم بن ابوالعاصی ثقفی: بندرگاہ تھانہ اور بہرائچ فتح کیے۔
- منیرہ بن ابوالعاصی ثقفی: انھوں نے دیہل فتح کیا۔
- ربیع بن زیاد حارثی مذحجی: انھوں نے کرمان اور مکران کے علاقوں میں جہاد کیا۔
- حکم بن عمرو بن مجدع ثعلبی غفاری: فاتح مکران
- عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان انصاری: فتح مکران میں شامل ہوئے۔
- سہل بن عدی بن مالک خزرجی انصاری: جنگ مکران میں شرکت کی۔
- شہاب بن مخارق بن شہاب تمیمی یا مازنی رضی اللہ عنہ: یہ مد رک ہیں، فتح مکران میں شامل ہوئے۔
- صحار بن عباس عبدی رضی اللہ عنہ: جنگ مکران میں شمولیت کی۔
- عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ: نواحی سندھ اور سجستان کے اردگرد کے علاقے فتح کیے۔
- عبداللہ بن عمیر اشجعی رضی اللہ عنہ: بعض بلاد سندھ فتح کیے۔
- نسیر بن دہسم بن ثور عجمی: مخضرم تھے۔ بلوچستان کا کچھ حصہ فتح کیا۔

عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں:

- حکیم بن جبلة عبدی رضی اللہ عنہ: یہ مد رک ہیں اور بلاد ہند کے پہلے مسلم سیاح اور یہاں کے حالات کے عالم۔
- عبید اللہ بن معمر بن عثمان قرشی تمیمی رضی اللہ عنہ: فاتح مکران اور اس کے امیر۔
- عمیر بن عثمان بن سعد رضی اللہ عنہ: امیر مکران۔
- مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ سلمی رضی اللہ عنہ: فاتح بلوچستان۔
- عبدالرحمن بن سمرہ بن حبیب قرشی عیشمی رضی اللہ عنہ: سجستان اور نواحی ہند کی کچھ علاقوں پر قبضہ کیا۔

عہد علی رضی اللہ عنہ میں:

- خریت بن راشد ناجی سامی: وارد مکران ہوئے۔
- عبداللہ بن سوید تمیمی شقری: مخضرم تھے، غزوہ سندھ میں شامل ہوئے۔
- کلیب بن ابووائل: صحابی یا تابعی تھے۔ ہندوستان آئے۔ کہتے ہیں انھوں نے وہاں ایک درخت دیکھا، جس کے ایک سرخ رنگ کے پھول پر سفید حروف میں محمد رسول اللہ کے الفاظ مرقوم تھے۔

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں:

○ مہلب بن ابو صفرہ ازدی عتکی: یہ مدرک تھے۔ انہوں نے بنوں، لاہور اور سندھ کے ایک شہر بدھ تک تگ و تازکی۔

○ عبداللہ بن سوار بن ہمام عبدی: مدرک تھے۔ بعض غزوات ہند میں شریک ہوئے اور شہادت پائی۔

○ یاسر بن سوار عبدی: مدرک تھے۔ یہاں کے ایک پہاڑی مقام قلات کی جنگ میں شامل ہوئے۔

○ سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی: صحابی تھے۔ ایک مرتبہ ہند کے مفتوحہ علاقوں کے والی مقرر ہوئے۔

عہد یزید بن معاویہ میں:

○ منذر بن جارود عبدی: بوقان اور قلات وغیرہ علاقوں کی جنگوں میں شریک ہوئے اور وہیں وفات پائی۔

ہند میں اسلام دور استوں سے آیا:

بہر حال تاریخ و رجال کی کتابوں سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ ہندوستان اگرچہ بعض ملکوں کی بہ نسبت ملک عرب سے بہت دور تھا تاہم اس کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے صحابی بھی تشریف لائے، تابعی بھی آئے، تبع تابعین نے بھی یہاں قدم رنجہ فرمایا اور محدثین و فقہانے بھی اپنے وجود مسعود سے اس کو رونق بخشی۔ ان دیار میں اسلام دور استوں سے داخل ہوا۔ ایک سندھ کی طرف سے، دوسرے شمال مغربی سرحد کی جانب سے۔ جیسا کہ مختصر طور سے گزشتہ سطور میں بتایا گیا ہے، ان دونوں راستوں سے ابتدائی دور ہی میں اسلام یہاں آ گیا تھا اور قرن اول کے مسلمانوں نے جنگ و جہاد کی طرح ڈال دی تھی تا کہ اہل ہند ان پاکیزہ اخلاق و کردار، اعلیٰ تہذیب و ثقافت اور تعلیم و شائستگی کی ان بلند ترین اقدار سے بہرہ یاب ہو سکیں جن کو اسلام میں بنیاد اور اساس کی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن پوری قوت کے ساتھ اور عظیم فاتح کی حیثیت سے سندھ کی طرف سے مسلمان اموی حکمران ولید بن عبد الملک کے عہد میں ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں داخل ہوئے، جب کہ محمد بن قاسم نے سندھ کا سارا علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا اور ملتان تک آگے بڑھ گئے، اور شمال مغربی سرحد کی جانب سے سلطان محمود غزنوی نے داخل ہند ہو کر غیر اسلامی طاقتوں کو زیر اور پرچم کفر کو سرنگوں کیا اور اسلام کے فروغ و اشاعت کی راہ ہم وار کی۔

محمود غزنوی اور اس کے اخلاف:

سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت میں اسلام کی جڑیں لاہور اور اس کے گرد و نواح میں مستحکم ہو گئیں اور

غزنی سے سیاسی روابط کے ساتھ علمی روابط بھی استوار ہوئے۔ علم چوں کہ جغرافیائی سرحدوں کا قائل نہیں ہوتا، اس لیے غزنی اور اس کے نواح سے علماء و فقہاء کو بھی ہند میں آنے کا موقع ملا۔ محمود غزنوی جہاں بہت بڑا فاتح اور کشور کشا تھا وہاں وہ نامور فقیہ اور عالم بھی تھا، اس لیے علم و علما سے اس کو بہت تعلق خاطر تھا۔ اس نے ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء کو وفات پائی۔ غزنوی خاندان کی حکومت کا بانی سبکتگین تھا۔ اس خاندان کے مختلف اوقات میں کئی بادشاہ کیے بعد دیگرے تخت حکومت پر متمکن ہوئے۔ لیکن اسے اصل شہرت محمود غزنوی کی وجہ سے ہوئی۔ غزنی کوہ سلیمان کے دامن میں ایک محفوظ اور مشہور شہر ہے۔

محمود غزنوی نے اپنے بعد تخت نشینی کی وصیت اپنے بیٹے محمد کے لیے کی تھی، جس نے باپ کی وفات کے بعد ۴۲۱ھ (۱۰۳۰ء) کو زمام حکومت ہاتھ میں لی اور جلال الدولہ لقب اختیار کیا۔ وہ دین دار، پرہیزگار اور تعلیم یافتہ تو بے شک تھا، لیکن حکومت کرنے کی صلاحیت سے محروم تھا۔ اس کا بھائی مسعود تھا، وہ کاروبار حکمرانی سے خوب آگاہ تھا۔ وہ اپنے بھائی محمد کے مقابلے میں میدان میں اتر اور اعلان کیا کہ تلوار کا فیصلہ کاغذ کے فیصلے سے زیادہ صحیح ہوتا ہے۔

ہر کہ شمشیر زند سکہ بنا مش خواند

(جو تلوار چلائے گا، سکہ اسی کے نام کا چلے گا)

مسعود نے محمد کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اسے قلعہ تنگنا باد میں محبوس کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق اسے قلعہ ورج میں قید کیا گیا تھا۔ اس نے صرف پانچ مہینے حکومت کی۔ اس کے بعد نو برس زندہ رہا۔ لیکن مرنے سے پہلے ایک سال کے لیے پھر تخت نشین ہوا۔

مسعود بن محمود غزنوی جو اپنے بھائی محمد کو قید کر کے تخت نشین ہوا تھا، نہایت شجاع، کریم الاخلاق، سخی اور علماء و فضلا کا قدر دان تھا، ان کے ساتھ باقاعدہ اس کی نشست و برخاست کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ بعض محققین نے اپنی تصنیفات اس کی طرف منسوب کیں، مثلاً ابوریحان البیرونی نے علم ریاضی میں اس کے نام سے ”قانون مسعودی“ لکھی، قاضی محمد نے ”فقہ مسعودی“ تصنیف کی۔

مسعود نے بہت سے دینی مدرسے قائم کیے اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔ اس کے زمانے میں لاہور علم و علما کا مرکز بن گیا تھا۔ محمد دوبارہ تخت نشین ہوا تو اس نے مسعود کو گرفتار کر کے اپنے بیٹے احمد کے حوالے کر دیا تھا، جس نے اسے قلعہ گری میں ڈال کر قتل کر دیا تھا۔ یہ حادثہ ۴۳۲ھ (۱۰۴۱ء) کو پیش آیا۔ تاریخ میں اسے مسعود اول کہا جاتا ہے۔ یہ الناصر لدین اللہ کے لقب سے وارث تخت ہوا تھا۔

اس کے بعد شہاب الدولہ کے لقب سے مودود تخت نشین ہوا۔ یہ بھی عادل و منصف بادشاہ تھا۔ اس نے

۱۱۶۹۸۶

دسمبر ۱۰۴۸ء کو وفات پائی۔

مودود کے بعد اس کے بیٹے مسعود کو تخت پر بٹھایا گیا جو صرف چار برس کا تھا، اور اسے فقط چار دن کی

بادشاہت ملی۔

محمود غزنوی کے امرا میں سے ایک امیر کا نام باشکین تھا۔ اس نے مسعود بن مودود کو تخت سے اتار کر اس کے چچا ابو الحسن علی کو بادشاہ بنا دیا۔ وہ دو سال بادشاہ رہا۔ اسے سلطان عبدالرشید نے شکست دے کر ملک کے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا تھا۔

عبدالرشید ۴۲۰ھ (۱۰۲۹ء) میں عزالدولہ کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔ اکثر مورخین کا خیال ہے کہ وہ سلطان مسعود کا بیٹا تھا، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ سلطان محمود کا بیٹا تھا جو بست اور غزنی کے درمیان کسی قلعے میں نظر بند تھا۔ عبدالرشید اگرچہ عاقل و فہیم اور امور حکومت سے باخبر تھا، لیکن قوتِ ارادی اور شجاعت سے تہی دامن تھا۔ اس لیے معاملات سلطنت کو سنبھال نہ سکا۔ اس وقت کے ایک امیر نے جسے طغرل کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، سلطان محمود کی اولاد میں سے نو یا گیارہ افراد کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔

اسے طغرل غاصب بھی کہا جاتا ہے جو ۱۰۵۲ء (۴۲۲ھ) کو تخت حکومت پر قابض ہوا۔ اس نے سلطان مسعود کی بیٹی سے نکاح کر لیا تھا اور صرف چالیس دن حکومت کی۔ اسے قتل کر دیا گیا تھا۔ طغرل کو قتل کرنے کے بعد ۱۰۵۲ء (۴۲۲ھ) میں فرخ زاد کو قید سے رہا کر کے تخت پر بٹھایا گیا۔ روضۃ الصفا میں اسے مسعود کا بیٹا لکھا ہے اور حمد اللہ مستوفی نے اسے سلطان عبدالرشید کا بیٹا قرار دیا ہے۔

فرخ زاد حلیم الطبع اور عادل بادشاہ تھا۔ رعایا کے ساتھ اس کا سلوک احسان اور بھلائی پر مبنی تھا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت ملک کے بعض مقامات آفات و عوارض میں مبتلا تھے اس نے وہاں کے باشندوں کا خراج معاف کر دیا تھا اور انھیں بہت سی سہولتیں دی تھیں جس کی وجہ سے وہاں آسودگی آگئی تھی اور حالات بہتر ہو گئے تھے۔ فرخ زاد نے ۱۰۵۹ء (۴۵۱ھ) تک سات سال حکومت کی۔

۱۰۵۹ء (۴۵۱ھ) میں ابراہیم بادشاہ بنا، اس کا لقب ظہیر الدولہ تھا۔ نہایت پرہیزگار اور پابندِ شرع حکمران تھا۔ منہیات و منکرات سے کنارہ کش رہتا تھا، لوگوں کو خیرات و صدقات دل کھول کر دیتا تھا۔ ہر سال رجب شعبان اور رمضان کے روزے رکھتا تھا۔ علمائے کرام کو اپنی مجلس میں بلاتا اور ان کے مواعظ سنتا، خطبہ میں ماہر تھا۔ قرآن مجید اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک سال بیت اللہ شریف میں اور ایک سال مسجد نبوی میں بھجواتا۔ رعایا کا بے حد خیال رکھتا تھا اور ہر شخص اس سے خوش تھا۔ اس نے ۱۰۹۹ء (۴۹۲ھ) تک چالیس سال حکومت کی۔ اس کا دور حکومت تمام غزنوی بادشاہوں سے زیادہ ہے۔

ابراہیم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مسعود اس کا جانشین ہوا جسے مسعود ثانی کہا جاتا ہے۔ اس کا لقب علاء الدولہ تھا۔ یہ بھی باپ کی طرح نیک اطوار اور رحم دل بادشاہ تھا۔ نہایت سخی اور رعیت کا انتہائی خیال رکھنے والا۔ اس نے بہت سے خراج وغیرہ معاف کر دیے تھے اور خلاف شرع رسوم کا خاتمہ کر دیا تھا۔ وہ ۱۱۱۴ء (۵۰۸ھ) تک پندرہ سال برسر اقتدار رہا۔ اس کی شادی سلطان خجری کی بیٹی سے ہوئی تھی۔

مسعود ثانی نے وفات پائی تو اس کے بیٹے شیرزاد نے باپ کی جگہ لی۔ اس کا لقب کمال الدولہ تھا۔ اس کی تخت نشینی کے ایک سال بعد ۵۰۹ھ (۱۱۱۵ء) میں اس کے بھائی ارسلان شاہ نے اسے قتل کر دیا تھا۔

اسی سال ارسلان شاہ نے سلطان الدولہ کے لقب سے عنانِ بادشاہت ہاتھ میں لی۔ اس نے اپنے بھائیوں اور ان لوگوں کو جن کے وارث تخت ہونے کا خطرہ ہو سکتا تھا، قتل کر دیا تھا، صرف بہرام شاہ اس کی تلوار کی زد سے بچا، جو بھاگ کر اپنے ماموں سلطان سنجر کے پاس چلا گیا تھا۔ سلطان سنجر نے ۱۱۱۷ء (۵۱۰ھ) میں غزنی کا رخ کیا اور ارسلان شاہ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ ارسلان شاہ نے صرف ایک سال حکومت کی۔

۱۱۱۸ء (۵۱۲ھ) کو بہرام شاہ (معز الدین) تختِ بادشاہت پر متمکن ہوا، اس کا لقب یمن الدولہ تھا۔ نہایت خوب صورت، صاحب شوکت و حشمت اور علمائے دین کا قدردان بادشاہ تھا۔ نظامی گنجوی نے مخزن الاسرار کا انتساب اسی کے نام پر کیا۔ دمنہ دند کا ترجمہ اسی کے عہد میں عربی سے فارسی میں ہوا۔ حکیم سنائی کا زمانہ بھی اسی بادشاہ کا ہے۔ آخری دور میں بہرام شاہ کا کسی معاہدے میں غور کے سربراہوں سے جھگڑا ہو گیا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علاء الدین غوری غزنی کی طرف بڑھا اور اس تاریخی اور خوب صورت شہر کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ بہرام شاہ نے ۱۱۱۸ء سے لے کر ۱۱۵۲ء تک (چونتیس سال) حکومت کی۔

بہرام شاہ کے بعد امرائے مملکت نے اس کے بیٹے خسرو شاہ کو معز الدولہ کے لقب سے سریر آرائے سلطنت کیا۔ اب سبکتگین کی قائم کردہ یہ حکومت جسے اس کے بہادر بیٹے محمود غزنوی نے دنیا کی نہایت طاقت ور حکومت بنا دیا تھا، آخری دموں میں پہنچ گئی تھی اور موت کی ہچکیاں لے رہی تھی۔ اس کی اصل وجہ غوری حکمران تھے جو اسے ختم کرنے کے درپے ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب خسرو شاہ کو پتا چلا کہ علاء الدین غوری غزنی میں آ پہنچا ہے تو وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہندوستان کو روانہ ہوا اور لاہور میں سکونت پذیر ہوا۔ اس طرح غزنی کی سلطنت لاہور منتقل ہو گئی۔ خسرو شاہ نے ۱۱۶۰ء تک سات سال حکومت کی اور اس نے لاہور میں وفات پائی۔

اب ہم غزنوی سلطنت کے بالکل آخری دور میں پہنچ گئے ہیں اور اس کا حکمران خسرو ملک ہے، جس کا لقب تاج الدولہ ہے۔ یہ اپنے باپ خسرو شاہ معز الدولہ کی وفات کے بعد ۱۱۶۰ء (۵۵۵ھ) کو لاہور میں تخت سلطنت پر بیٹھا۔ ملک کے جس علاقے پر اس کا قبضہ تھا، اس پر اس نے نہایت عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی۔ اس کا زمانہ حکمرانی ۱۱۶۰ء سے لے کر ۱۱۸۶ء تک چھبیس سال کے عرصے میں پھیلا ہوا ہے۔

شہاب الدین غوری نے غزنی کی سلطنت پر قبضہ کرنے کے بعد ۵۸۲ھ (۱۱۸۶ء) میں لاہور کا عزم کیا اور خسرو ملک کو پکڑ کر زرخستان کے قلعے میں قید کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے بیٹے بہرام شاہ کو گرفتار کر کے قلعہ سیف رود غور میں بند کر دیا گیا۔ اب لاہور اور اس کے تمام علاقے پر شہاب الدین غوری کا پرچم اقتدار لہرا رہا تھا اور اس علاقے کے پہلے حکمران جو کشور کشا محمود غزنوی کے وارث تھے یا تو مر گئے تھے یا قید خانوں میں پڑے تھے۔۔۔ ۵۹۸ھ (۱۲۰۲ء) میں ان دونوں باپ بیٹے (خسرو ملک اور بہرام شاہ) کو قتل کر دیا گیا۔ اس طرح غزنوی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔



## غوری سلطنت:

غزنویوں کی یہی سلطنت کے خاتمے کے بعد غوری برسر اقتدار آئے جنہوں نے ہندوستان پر باقاعدہ حکومت کی۔ غوری خاندان میں سلطان غیاث الدین غوری اور شہاب الدین غوری بڑے بہادر اور مدبر حکمران گزرے ہیں اور انہیں برصغیر کے عظیم مسلمان فاتحین میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے۔ غیاث الدین غوری بڑا تھا اور شہاب الدین چھوٹا۔ اس زمانے میں غور کے مسلمانوں کی اکثریت فرقہ کرامیہ<sup>①</sup> سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ دونوں بھائی بھی اسی فرقے سے منسلک تھے، لیکن سلطان شہاب الدین غوری تخت غزنی پر متمکن ہوا تو اس نے حنفی مذہب اختیار کر لیا، کیوں کہ شہر غزنی اور اس نواح کے باشندے حنفی المسلک تھے۔ قاضی منہاج سراج لکھتے ہیں:

دراول حال (آں ہردو برادر) نور اللہ مرقد ہما بر طریق مذہب کرامیاں بودند بحکم اسلاف و بلاد خود۔ اما چوں سلطان معز الدین بر تخت غزنین نشست و اہل آں شہر و مملکت بر مذہب امام ابوحنیفہ کوئی بودند، سلطان معز الدین بر موافقت ایشان مذہب امام ابوحنیفہ قبول کرو<sup>②</sup>۔  
یعنی ابتدا میں دونوں بھائی (اللہ ان کی قبروں کو منور کرے) اپنے اسلاف اور اس علاقے کے رہنے والوں کی طرح مذہب کرامیہ کے حامل تھے، لیکن جب سلطان شہاب الدین (معز الدین) غزنی کے تخت حکومت پر بیٹھا اور دیکھا کہ باشندگان غزنی اور ملک کے دوسرے حصوں میں بسنے والے لوگ امام ابوحنیفہ کوئی کے مذہب کے پابند ہیں تو اس نے بھی ان کی موافقت میں مذہب امام ابوحنیفہ اختیار کر لیا۔

رہا سلطان غیاث الدین غوری کا معاملہ تو اس کے بارے میں قاضی منہاج سراج رقم طراز ہیں کہ اس نے شافعی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس کے مسلک شافعییت قبول کرنے کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ اور قاضی (سعید) وحید الدین محمد مروزی، امام شافعی کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ دوسرے دن قاضی موصوف کو وعظ و تذکیر کے لیے بلایا گیا تو اس نے وہی خواب بیان کیا جو گزشتہ شب سلطان نے دیکھا تھا۔ سلطان بہت متاثر اور متعجب ہوا اور اس نے شافعی مذہب اختیار کر لیا۔ قاضی منہاج لکھتے ہیں:

① فرقہ کرامیہ کے بانی کا نام ابو عبد اللہ محمد بن کرام تھا۔ یہ شخص ۲۵۵ھ (۸۶۹ء) کو فوت ہوا۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان صرف اقربا لسان کا نام ہے۔ اس میں عمل بالجوارح اور یقین بالقلب کی ضرورت نہیں۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اللہ بھی انسانوں کی طرح اپنا جسم رکھتا ہے اور عرش کے اوپر اس کی ایک مخصوص جگہ ہے۔ کہتے ہیں فرقہ کرامیہ قول و عمل میں بدھ مت اور اسلام کی ایک درمیانی کڑی کی حیثیت رکھتا تھا۔ منقول ہے کہ ہزاروں غیر مسلم محمد بن کرام کے اس فرقے میں شامل ہو گئے تھے۔

② طبقات ناصری ج ۱، طبقہ ۱، ص ۳۶۲۔

اما سلطان غیاث الدین طاب ثراہ شبے در خواب دید کہ اوباقاضی (سعید) وحید الدین مروزی رحمۃ اللہ علیہ کہ بر مذہب اصحاب حدیث بود و مقتدائے شفعویان در یک مسجد بودندے۔ ناگاہ امام شافعی رحمہ اللہ در آمدے در محراب رفتے و تحریمہ نماز پیوستے۔ دسلطان غیاث الدین وقاضی وحید الدین ہر دو بامام شافعی اقتدا کردندے۔ چوں از خواب در آمد سلطان فرمان داد، تا بامداد وقاضی وحید الدین در بارگاہ تذکیر فرمودند۔ چوں بر بالائے کرسی رفت در اثنائے سخن گفت کہ اے پادشاہ اسلام! ایں داعی دوش خوابے دیدہ است و عین خوابیکہ سلطان دیدہ بود باز گفت۔ او ہم بمثل آں دیدہ بود کہ سلطان چنداںچہ از کرسی فرود آمد بر بالا رفت و بخدمت سلطان در حال سلطان دست مبارک قاضی وحید الدین رحمۃ اللہ علیہ بگرفت و مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قبول کرد۔ چوں نقل سلطان بمذہب اصحاب حدیث شافعی شد بر دل علمائے مذہب محمد بن کرام حمل آمد ②۔

یعنی سلطان غیاث الدین غوری نے (اللہ اس کا بہتر ٹھکانا کرے) ایک رات خواب میں دیکھا کہ قاضی سعید وحید الدین مروزی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جو کہ اصحاب الحدیث میں سے تھے اور شافعیوں کے مقتدی تھے ایک مسجد میں بیٹھے ہیں۔ اچانک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے محراب میں گئے اور تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں کھڑے ہو گئے۔ سلطان غیاث الدین اور قاضی وحید الدین دونوں نے امام شافعی کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ جب سلطان نیند سے بیدار ہوا تو اس نے دربار میں وعظ و نصیحت کے لیے قاضی وحید الدین کو طلب کیا۔ وہ اپنی نشست پر بیٹھے تو اثنائے گفتگو میں فرمایا اے بادشاہ اسلام! میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ بعد ازاں بعینہ وہی خواب بیان کر دیا جو سلطان نے دیکھا تھا۔ سلطان نے کہا اس نے بھی اسی قسم کا خواب دیکھا ہے۔ پھر سلطان نے قاضی وحید الدین رحمۃ اللہ علیہ کا دست مبارک پکڑا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک قبول کر لیا۔ جب سلطان مذہب اصحاب الحدیث اختیار کر کے مسلک امام شافعی سے وابستہ ہو گیا تو محمد بن کرام کے مذہب کے حامی علمائے کویہ بات سخت ناگوار گزری۔

یہ واقعہ ابن اثیر نے بھی اپنی تاریخ الکامل میں ۵۹۵ھ (۱۱۹۹ء) کے حوادث کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ ابن اثیر کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے: اسی سال (یعنی ۵۹۵ھ-۱۱۹۹ء میں) غیاث الدین غوری حاکم غزنہ اور بعض باشندگان خراسان نے مذہب کرامیہ ترک کر کے شافعی مذہب اختیار کر لیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ غیاث الدین غوری کے مصاحبوں میں ایک شخص فخر مبارک شاہ تھا۔ وہ شخص شیخ وحید الدین ابوالفتح محمد بن محمود مروزی کو جو ایک شافعی فقیہ تھے سلطان غیاث الدین غوری کے پاس لے گیا۔ انھوں نے سلطان کے سامنے مذہب شافعی کی خوبیاں بیان کیں اور مذہب کرامیہ کے نقائص کی نشان دہی کی۔ اس سے متاثر ہو کر سلطان نے مذہب شافعی اختیار کر لیا اور

① شافعی فقیہ۔ ماہ رجب ۵۹۹ھ (اپریل ۱۲۰۳) کو برات میں فوت ہوئے۔

② طبقات ناصری ج ۱ طبعہ ۱۷ ص ۳۶۲۔

پھر شوافع کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ کے لیے کئی مدرسے قائم کیے۔

۶۰۲ھ (۱۲۰۶ء) میں غوری سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ تاریخ میں ان سلاطین کو معززی سلاطین کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، سلاطین شہسبانیہ بھی کہا جاتا ہے اور ملوک غور سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

## قطب الدین ایبک:

اب ہندوستان کی تاریخ ایک نئے دور میں داخل ہوتی ہے۔ اس سرزمین پر غلاموں کی حکومت کا آغاز ہوتا ہے اور دہلی کے اورنگ سلطنت پر ایک ترک غلام متمکن ہوتا ہے جس کو سلطان قطب الدین ایبک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ نسلی اعتبار سے ترکستان کا باشندہ تھا۔ ابھی عالم طفولیت میں تھا کہ ایک سوداگر نے اسے ترکستان سے خریدا اور نیشاپور لے گیا۔ یہاں اس نے اس کو قاضی فخر الدین عبدالعزیز کے ہاتھ فروخت کر دیا جو بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ایک تو وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔ دوسرے نیشاپور اور اس کے مضافات کے حاکم تھے۔ تیسری بڑی خوبی ان میں یہ تھی کہ نہایت نیک اور متقی تھے۔ چوتھی بات یہ کہ عالم و فاضل اور پیکر اخلاص تھے۔ ان خوبیوں کی بنا پر اپنے عہد کے امام ابوحنیفہ سمجھے جاتے تھے۔ قطب الدین کی انہوں نے اپنے بچوں کی طرح پرورش کی، قرآن مجید کی تعلیم دی اور دیگر شرعی علوم سے آراستہ کیا۔ ان کے فیض صحبت اور انداز تعلیم سے قرآن مجید کی محبت اس کے اندر اس درجہ جاگزیں ہو گئی کہ وہ اپنا زیادہ وقت قرآن کی تلاوت میں صرف کرتا، جس کی وجہ سے لوگوں میں ”قرآن خوان“ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ پھر اس کی برکت سے اللہ نے اس کو دولت و اقبال کی بے بہا نعمت عطا فرمائی۔

قرآن درخانہ آں امام آموخت و از برکت نظر او قرآن خوان شد و بدیں نام معروف گشت.... و بسبب برکت قرآن خواندن اقبال و دولت دوست کامی ردے بدو آورد ❶۔

قاضی فخر الدین کی وفات کے بعد ان کے لڑکے نے قطب الدین کو ایک تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا جس نے اس کو سلطان معز الدین سام المعروف شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے اس کو خرید لیا۔ اس کی شکل و صورت زیادہ اچھی نہ تھی اور چھنگلیا بھی ٹوٹی ہوئی تھی جس کی وجہ سے لوگ اس کو ”ایبک شل“ کہتے تھے یعنی ٹوٹی انگلی۔ آگے چل کر یہ ایبک شل کے بجائے ”ایبک“ کے نام سے مشہور ہو گیا اور یہ لفظ مستقل طور پر اس کے نام کا جز بن گیا۔

اب اس کی زندگی ایک نئے موڑ میں داخل ہوئی اور اس کے محاسن و اوصاف نمایاں ہونے لگے۔ شہاب الدین غوری اور اس کے ندیم و مصاحب بھی اس کی خوبیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ سلطان کے ذہن پر اس کی جس خوبی نے سب سے پہلے اثر ڈالا وہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ اس نے دربار میں بزم نشاط کا اہتمام کیا اور عالم

مسرت میں تمام غلاموں کو سونے اور چاندی کے سکوں کی صورت میں انعامات عطا کیے۔ قطب الدین کو سب غلاموں سے زیادہ مستحق انعام گردانا، لیکن جب یہ محفل ختم ہوئی اور قطب الدین باہر آیا تو اس نے اپنا یہ سارا انعام ان غلاموں میں تقسیم کر دیا جو اس سے زیادہ ادنیٰ درجے کے تھے۔ دوسرے روز سلطان کو اس سخاوت کا علم ہوا تو وہ اس کی فیاضی اور ذہنی بلندی سے بہت خوش ہوا اور اسے اپنے خاص امرا کے زمرے میں داخل کر لیا اور اپنے تخت کے عین سامنے اس کے لیے جگہ مخصوص کی۔

و دیگر روز اس معنی بسمع اعلیٰ رسانیدند اور ابنظر عنایت و قربت خود مخصوص گردانیدند و بر اشغال خطیر پیش تخت و بارگاہ اور انصب فرمود ①۔

ایک مرتبہ قطب الدین اپنے لشکر کے گھوڑوں اور مویشیوں کے لیے چارہ فراہم کر رہا تھا کہ غنیم کی فوج نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ قطب الدین نے دشمن کا بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن اس کے فوجیوں کی تعداد بہت کم تھی اس لیے مخالفوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ انھوں نے اس کو لوہے کے پنجرے میں بند کر کے قید کر دیا۔ جب اسی حالت میں قطب الدین کا آہنی پنجرہ ایک اونٹ پر لدا ہوا سلطان شہاب الدین غوری کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے اپنے ہاتھ سے اس کا پنجرہ کھولا اور اسے باہر نکالا۔ پھر طوق آہنی کے بجائے موتیوں کے ہار اس کے گلے میں پہنائے ②۔

۵۸۷ھ (۱۱۹۱ء) میں سلطان شہاب الدین غوری، اجمیر فتح کر کے اور دہلی کے راجا کو اپنا باج گزار بنا کر غزنی واپس جانے لگا تو قطب الدین کو کھرام اور سامانہ کا والی اور ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کیا۔ غرض قطب الدین کا ستارہ اقبال روز بروز تیزی کے ساتھ عروج کو پہنچتا گیا اور اس نے بہت تھوڑے عرصے میں گجرات، راجپوتانہ، گنگا و جمنا کے دو آب بہار اور بنگال پر فتح و نصرت کے پرچم لہرا دیئے، مگر اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو غلاموں ہی میں شمار کرتا رہا۔

اس کے بعد تاریخ نے ایک اور کروٹ بدلی۔ سلطان شہاب الدین غوری کی شہادت کے بعد اس کا بھتیجا سلطان محمود بن غیاث الدین غوری اس کی جگہ تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے قطب الدین کی اپنے چچا سے بھی زیادہ عزت افزائی کی۔ اس نے سوموار کے دن ۱۸ ذی القعدہ ۶۰۲ھ (۲۶ جون ۱۲۰۶ء) کو اسے سلطان کا خطاب دیا، چتر اور بادشاہی عطا کی اور ساتھ ہی اس کی آزادی کا فرمان جاری کیا۔ قطب الدین اس وقت دہلی میں تھا۔ وہ خلعت اور فرمان آزادی و حکم سلطانی وصول کرنے کے لیے دہلی سے لاہور آیا اور پھر لاہور ہی میں یہ ترک غلام ہندوستان کے تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا۔ لاہور اس زمانے میں مستقر ارباب حکومت، مامن اصحاب فضل و کمال، مسکن عباد و زہاد، منشاے صوفیا و اتقیا، منبع اقطاب و اوتاد تھا۔ اس سلسلے میں تاج المآثر کے الفاظ قابل مطالعہ ہیں:

① طبقاتِ ناصری ج ۱ ص ۲۱۶، طبقہ ۲۰۔

② طبقاتِ ناصری ج ۱ ص ۲۱۶، ۲۱۷۔ نیز دیکھیے تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۶۱

دخطہ لوہور کہ مستقر سریر سلاطین و مطلع خورشید ارباب یقین و منشاء اصحاب فضل و تقوی و مامن زہاد و عباد و مسکن اقطاب و اوتاد گشتہ است دار الملک دولت شد ①۔

قطب الدین ایک خود بھی عالم تھا اور علم و علما کا بھی انتہائی قدردان تھا اور ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو قول و عمل کے ذریعے خالص اسلامی اور شرعی قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ ملک میں عائد شدہ غیر شرعی خراج ختم کیے اور شریعت کے مطابق عشر کی وصولی کا حکم جاری کیا۔ بدعات و رسوم کی شدید مخالفت کی اور پیروی سنت کے احکام نافذ کیے اور مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ تمام غیر مشروع چیزیں ترک کر دیں۔

شعار شراع اسلام بہ غایت ظہور انجامید و مناہج و شعائر مسلمانی بکمال وضوح پیوست و آفتاب سعادت از افق تائید بردیار ممالک نور انداخت و ماہ جلالت از سپہر کامگاری بر عرصہ ممالک سایہ افگند و روضہ دین بہ عقل زرین نصارت از سر گرفت و بیضہ اسلام برائے متین آرائش بے نہایت یافت ②۔

تاج المآثر میں مزید لکھا گیا ہے:

و توقیر و احترام علمائے دین کہ ورثہ انبیا و خزنہ علوم شریعت و حقیقت اندو بہ شرف قربت و مزیت درجہ اختصاص یافتہ واجب و متعین دانست و اعزاز و اکرام ایساں برون کتاب و سنت مقدمہ بختیاری و عمدہ جہاں داری شناخت ③۔

قطب الدین ایک باقاعدہ علما و فقہا اور قراء و مشائخ کو مشاہرے اور روزینے عطا کرتا اور ان کی خدمت کے لیے کوشاں رہتا۔ فقہا اور علما کے جو وظائف و مشاہرات پہلے سے مقرر تھے ان کو برقرار رکھنے کا حکم جاری کیا۔

ادارے و مشاہراتے کہ مستحقان از اہل علم و فقہ و قرأت و زہد و مصلحان داشتند آں ہم بر حال داشتن فرمود و مبلغ خطیر از زر و غلہ از خاص خویش بفرمود بنام مستحقان تا ادار کنند و مبلغے دیگر از زر بمستحقان و درویشان و بیوگان و یتیمان صدقہ فرمود ④۔

یعنی مشاہرہ و روزینہ کے طور پر علما و فقہا و قراء و زہاد و مصلحین میں سے جن حضرات کو جو کچھ پیش کیا جاتا تھا اسے بدستور جاری رکھنے کا حکم صادر کیا اور سونے اور غلے میں سے بہت بڑی مقدار میں خود اپنے پاس سے عطا کیا تاکہ مستحقین میں سے بانٹ دیا جائے۔ علاوہ ازیں سونے اور نقدی سکے کی صورت میں خود بھی درویشوں، حق داروں، بیواؤں اور یتیموں میں بطور صدقہ تقسیم کیا۔

① تاج المآثر۔

② تاج المآثر۔

③ ایضاً

④ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ص ۳۵۔

اس کے عہد میں علما و فقہا کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور وہ اس کے نزدیک بہت قدر و منزلت رکھتے تھے۔ اس کے دور کے اہل علم کے جو حالات ہمیں مل سکے ہیں وہ اس کتاب میں معزز قارئین کے مطالعہ میں آئیں گے۔

قطب الدین ایبک نے ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) کو لاہور میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔ فتح دہلی سے تادم مرگ اس نے بلاد ہند پر بیس برس سے کچھ مہینے زائد حکومت کی ①۔

### ناصر الدین قباچہ:

سلطان قطب الدین ایبک کی ایک لڑکی کی شادی ناصر الدین قباچہ سے ہوئی اور ایک کی شمس الدین ایلتمش سے۔ قطب الدین ایبک نے اپنے دونوں دامادوں کو ہندوستان کی دو علیحدہ علیحدہ سلطنتوں کا حکمران بنا دیا تھا۔ قباچہ کا دارالسلطنت اوج تھا اور ایلتمش کا دہلی۔ قباچہ کی سلطنت ملتان سے دیہل تک کے علاقے پر محیط تھی۔ اس کے علاوہ سیوستان، ٹھنڈہ (جو اس زمانے میں تبرہندہ کے نام سے معروف تھا) کہرام اور سرتی وغیرہ بھی اس میں شامل تھے۔ وہ یوں تو ۶۰۳ھ (۱۲۰۶ء) سے ان علاقوں کا والی چلا آ رہا تھا، لیکن قطب الدین کی وفات کے بعد ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) سے تو وہ ان کا مستقل حاکم بن گیا تھا۔ اس نے بائیس سال تک اس وسیع و عریض علاقے پر اپنا پرچم اقتدار لہراے رکھا۔ ملتان اس دور میں ایک عظیم علمی اور مذہبی مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ صوفیا و مشائخ اور علما و فقہا کی کثیر تعداد ملتان اور اس کے گرد و نواح میں موجود تھی۔ اس دور کے ملتان کو کتب تاریخ میں ”قبتہ الاسلام“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس وقت برصغیر کا یہ شہر عظیم و فحول علما کا گہوارہ تھا۔

دریں ایام ملتان قبتہ الاسلام بود فحول علما آں حاضر بوند ②۔

ناصر الدین قباچہ کا دور حکومت خاصا طویل ہے۔ وہ غزنی، غور اور دہلی کے علمی مراکز اور وہاں کی ثقافتی روایات کو دیکھ چکا تھا۔ پھر شمس الدین ایلتمش کا حریف بھی تھا، اس لیے علمی و مذہبی اور ثقافتی و تہذیبی اعتبار سے وہ ملتان کو دہلی سے آگے لے جانے کا خواہاں تھا اور اس میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوا۔ وہ اگرچہ دین داری اور نیکی میں اپنے حریف سلطان شمس الدین ایلتمش سے بہت پیچھے تھا، تاہم یہ واقعہ ہے کہ اس کے عہد حکومت میں ٹھٹھہ، ملتان، اوج اور دوسرے علاقوں میں علما و فقہا کی بڑی تعداد فروکش تھی اور ان کا تذکرہ ہماری اس کتاب میں موجود ہے۔ ان تینوں شہروں میں متعدد دینی مدارس بھی قائم تھے۔ چنانچہ اوج کے مدرسے کا نام مدرسہ معزی تھا، جس کا اہتمام قباچہ کی طرف سے مولانا منہاج الدین جوزجانی کے سپرد تھا۔ قباچہ کی خدمت علم کی ایک مثال یہ ہے کہ جب مولانا قطب الدین کاشانی ماوراء النہر سے ہجرت کر کے ملتان آئے تو ناصر الدین قباچہ نے ان کے

① تاریخ فرشتہ جلد اول (اردو ترجمہ) ص ۱۰۴۔

② سیرالاولیا ص ۶۰۔

افادات علمیہ کو عام کرنے کی غرض سے خاص طور پر ان کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا جہاں وہ درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔

چوں مولانا قطب الدین کاشانی از ماوراء النہر بہ ملتان رسیدہ، شاہ ناصر الدین قباچہ والی ملتان سرائے با مدرسہ برائے او بنا نمود و مولانا کہ علامہ روزگار بودند بامداد در آن مدرسہ نماز گزار و تدریس گفتن بہ پرواخت ❶۔  
ناصر الدین قباچہ نے بلا سندھ و ملتان پر بائیس برس تک حکومت کی اور ۶۲۲ھ (۱۲۲۵ء) میں دریا میں غرق ہو کر راہی ملک بقا ہوا۔

## سلطان شمس الدین ایلتمش

سلاطین ہند میں سلطان شمس الدین ایلتمش ❷ متعدد امور میں امتیازی حیثیت کا مالک تھا۔ وہ ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) میں تخت دہلی پر متمکن ہوا اور ۶۳۳ھ (۱۲۳۵ء) تک پورے پچیس سال شان و شوکت کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ پورا ملک اس کی شجاعت اور تہور سے مرعوب تھا۔ سرحد مالوہ سے لے کر سندھ کے وسیع میدانوں تک اس کی فرماں روائی کا شامیانہ تنا ہوا تھا۔ امیر خسرو نے صحیح کہا ہے:

زحد مالوہ تا عرصہ سند نمودار غزائی اوست ورہند

بہادری، سیاسی شعور، بیدار مغزی، ملکی نظم و نسق کے استحکام، فوجی مہارت، ذاتی کردار، غریب پروری، بلندی فکر، محبت الہی، ذوق عبادت، اتباع سنت، علما سے تعلق، فقہا سے روابط اور صوفیا و مشائخ سے گرویدگی میں وہ عدیم المثال حکمران تھا۔ اس وقت ہمارا دائرہ گفتگو چونکہ محدود ہے اس لیے یہاں ہم مختصر الفاظ میں اس کی زندگی کے صرف ان پہلوؤں سے تعرض کریں گے جن کا تعلق اس کی ذاتی نیکی اور علم و علما کے ساتھ گہرے مراسم و انسلاک سے ہے۔

شمس الدین دینی اعتبار سے ترکستان کے البری قبیلے کے ایک اونچے خاندان کا فرزند تھا۔ اس کے باپ کا نام ایلم خاں تھا جو خاندانی وجاہت اور مال و دولت میں بہت مشہور تھا۔ بقول فرشتہ:

سلطان شمس الدین ایلتمش از بزرگ زادگان ترکان قراخطائی است و پدر او کہ از قبیلہ البری است و بہ ایلم خاں اشتہار داشت بکثرت خیل و حشم و تبع معروف و مشہور عصر بود ❸۔

ایلتمش ایک خوب صورت لڑکا تھا اور ساتھ ہی بڑا عقل مند اور فہیم تھا۔ اسی بنا پر اس کا باپ ایلم خاں اس

❶ تاریخ فرشتہ ج ۱۔ حالات قباچہ۔

❷ ”ایلتمش“ ترکی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ”حکومت کرنے والا“ یا ”عالم گیر“ کے ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ایلتمش اس کا خاندانی نام تھا یا اس کے نام کا جز تھا یا تخت حکومت پر متمکن ہونے کے بعد اس نے یہ لقب اختیار کیا۔

❸ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۶۳۔

سے بہت محبت رکھتا تھا جو اس کے دوسرے بھائیوں کے لیے حسد و رقابت کا باعث بنی اور انہوں نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جو برادران یوسف نے حضرت یوسف کے ساتھ کیا تھا۔ وہ ایک روز ایلنتمش کو گلہ بانی اور شکار کے بہانے جنگل میں لے گئے اور بخارا کے ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ سوداگر اس کو بخارا لے گیا اور اس سے شہر کے صدر جہاں کے ایک عزیز نے اسے خرید لیا۔ یہ لوگ دین داری اور مذہبیت کے لحاظ سے بہت ممتاز تھے۔ انہوں نے اپنے بچوں کی طرح اس کی پرورش کی اور اس نے بھی ان کی خدمت میں کامل وفاداری کا ثبوت بہم پہنچایا۔

اس زمانے میں ایلنتمش کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے آگے چل کر اس کی زندگی کا رخ بالکل بدل دیا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک روز اس کے مالک نے اسے بازار سے انگور خریدنے کے لیے بھیجا اور اس کے لیے کچھ پیسے بھی دیے۔ مگر اس سے وہ پیسے کہیں گر پڑے اور وہ شدت تاثر سے بازار میں کھڑا ہو کر رونے لگا۔ اتنے میں ایک فقیر ادھر سے گزرا، اسے حقیقت حال کا علم ہوا تو اس نے اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا اور اپنے پاس سے انگور خرید کر دیے اور کہا: دیکھو! جب تم کو ملک اور دولت حاصل ہو جائے تو فقیروں اور درویشوں کا خیال رکھنا، ان سے تعظیم کے ساتھ پیش آنا اور ان کے حقوق کا تحفظ کرنا۔

ایلنتمش نے فقیر کی بات پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور اپنے گھر آ گیا۔ بظاہر یہ ایک معمولی واقعہ تھا، لیکن اس نے اس کی آئندہ زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔ تمام عمر اس کو علما و مشائخ سے عقیدت رہی۔ اس نے تحت نشین ہونے کے بعد اپنے دربار میں بھی یہ واقعہ بیان کیا اور کہا:

”وہر دولت و سلطنت کہ یا تم، از نظر آں درویش یا تم رحمہم اللہ“<sup>①</sup>

کہ مجھے جو کچھ دولت و حکومت ملی ہے، وہ اسی درویش کی دعا اور نظر شفقت کا نتیجہ ہے۔

اس کے بعد انقلاب کی ایک اور لہر اٹھی اور ایلنتمش کو بخارا کے ایک اور سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا اور پھر اسی پر بس نہیں ہوئی بلکہ تقدیر نے اس کو اس سے بھی جدا کر دیا اور وہ ایک دوسرے شخص حاجی جمال الدین چست قبا کے قبضے میں چلا گیا۔ حاجی جمال الدین اسے بغداد لے گیا۔ بغداد ان دنوں علما و مشائخ کا گہوارہ تھا اور وہاں اپنی صغریٰ کے باوجود وہ ان بزرگان دین کی مجلسوں میں باقاعدہ حاضر ہوتا اور ان سے روحانی فیض حاصل کرتا رہا۔ ایک روز اس کے مالک کے مکان میں اس دور کے معروف بزرگوں میں سے خواجہ معین الدین چشتی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور مولانا عماد الدین تشریف فرما تھے۔ خواجہ معین الدین نے اس لڑکے کو دیکھا اور فرمایا:

اس کو دک پادشاہ دہلی شد، حق اور از جہاں نبرد تا پادشاہی نرساند<sup>②</sup>۔

کہ یہ بچہ دہلی کا بادشاہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک اسے دنیا سے نہیں لے جائے گا، جب تک کہ یہ

① طبقات ناصری ج ۱ ص ۴۴۲۔ طبقہ ۲۱۔

② فوائد السالکین، ص ۱۶ مطبع مجتہائی دہلی۔



بادشاہت کے منصب تک نہیں پہنچ جائے گا۔

شیخ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں:

اود خدمت شیخ شہاب الدین سہروردی و شیخ اوحدا الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہم دریافتہ بود دیکے  
ازیں ہاگفتہ بود کہ تو پادشاہ خواہی شد ①۔

کہ ایلتمش شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ اوحدا الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہم کی مجلس میں  
حاضر تھا اور ان میں سے ایک نے اس کو (مخاطب کر کے) فرمایا تھا کہ تو دہلی کا بادشاہ ہوگا۔

کچھ عرصے کے بعد رفتار زمانہ نے ایک اور کروٹ لی اور حاجی جمال الدین چست قبائلی دہلی جا کر  
اسے بادشاہ ہند سلطان قطب الدین ایبک کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اب اس کے سامنے اللہ نے ترقی کے  
دروازے کھول دیے اور وہ مختلف منازل تقدم طے کرتا ہوا ہندوستان کا حکمران بن گیا اور دہلی کے تحت حکومت پر  
متمکن ہو گیا۔ یہ ہندوستان کا پہلا بادشاہ تھا جو بزرگان دین کا از حد معتقد پارسا نہایت نیک اور شریعت کا پابند  
تھا۔ اس کے زمانے میں کئی بزرگ بغداد اور بخارا وغیرہ سے مستقل طور پر ہندوستان تشریف لے آئے تھے۔  
بزرگان دین نے اپنے ملفوظات میں اس کی بہت تعریف کی ہے۔ اس کے زمانے کے ان علما و فقہاء کا تذکرہ جو  
دیار ہند میں سکونت پذیر تھے اس کتاب میں معزز قارئین کے مطالعہ میں آئے گا جس سے معلوم ہوگا کہ سلطان  
شمس الدین ایلتمش کس درجہ متدین اور علما و مشائخ کا عقیدت مند تھا۔ وہ باقاعدہ علما کی خدمت میں حاضر ہوتا  
اور ان کی ہدایات کا منتظر رہتا۔ ایک مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اس کو ان الفاظ میں ہدایت کی:

اے والی دہلی! باید کہ باغریباں و فقیراں و درویشاں و مسکیناں نیکو باشی و باخلق نیکوئی کنی و  
رعیت پرور باشی ہر کہ با رعیت رعایت کند و با خلق نیکوئی کند خدا تعالیٰ اور انگاہ دارد و جملہ  
اعداء اور ادوست وارند ②۔

یعنی اے والی دہلی تجھے چاہیے کہ غریبوں، فقیروں، درویشوں اور مسکینوں کے ساتھ نیکی سے  
پیش آؤ اور خلق خدا کے ساتھ بہتر سلوک کرو رعیت پرور بنو جو رعیت کے ساتھ رعایت کرتا  
ہے اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ نیکی کا برتاؤ روا رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے اور  
اس کے دشمن (بھی) اس کو دوست سمجھنے لگتے ہیں۔

ایلتمش کے اس قسم کے ذاتی حالات بہت دلچسپ اور سبق آموز ہیں جو تاریخی کتابوں کے علاوہ مختلف  
بزرگوں کے تذکروں میں بہترین انداز میں مرقوم ہیں، مگر یہ سطور ان تفصیلات کی متحمل نہیں ہیں۔

① فوائد الفوائد ص ۲۱۲۔ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔

② رسالہ حال خانوادہ چشت (قلمی نسخہ، سبع سنابل ص ۲۲۳) بحوالہ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۱۱۶۔

## سلطان ناصر الدین محمود:

ایلیتتمش کے بعد اس کی اولاد میں سے یکے بعد دیگرے پانچ حکمران تختِ دہلی پر متمکن ہوئے، جن میں پہلا رکن الدین فیروز شاہ، دوسری رضیہ سلطانہ، تیسرا معز الدین بہرام شاہ، چوتھا علاء الدین مسعود شاہ اور پانچواں سلطان ناصر الدین محمود تھا۔ افسوس ہے ناصر الدین محمود کے علاوہ ان میں سے کوئی بھی ایلیتتمش کا صحیح جانشین ثابت نہ ہوا۔ اگرچہ علما و فقہاء کی علمی کاوشیں ان کے دور میں بھی بدستور جاری رہیں، مگر ہم چاہتے ہیں کہ ان سب سے صرف نظر کر کے یہاں اختصار کے ساتھ صرف ناصر الدین محمود ہی کا تذکرہ کیا جائے۔

تمام مورخین اور تذکرہ نگار اس کے زہد و اتقا، عدل و انصاف، رعایا پروری، عبادت و ریاضت اور اخلاقی برتری کے معترف ہیں۔ طبقاتِ ناصری کے بیان کے مطابق قیام و صیام اور تلاوت قرآن مجید اس کے اہم مشاغل تھے۔ پھر اس کے عہد میں فتوحاتِ ملکی کے دائرے میں بھی وسعت پیدا ہوئی اور مسلمانوں کی عزت و شوکت میں مزید اضافہ ہوا۔

بعد از جلوس بر سریر سلطنت ہر سال فتنے و کارے کر دکھا ازاں جا عزت اسلام و شوکت مسلماناں بظہور رسید و شیوہ عدل پروری و داد گستری بوجود آمد ①۔

تخت نشین ہونے کے بعد اس نے ہر سال ایسی فتوحات کیں اور ایسے کارنامے انجام دیے کہ جن سے اسلام کی عزت اور مسلمانوں کی شوکت ظاہر ہوئی اور شیوہ عدل پروری اور داد گستری وجود میں آیا۔

ہندوستان کا یہ بادشاہ درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا اور اس کی آمدنی کا ذریعہ قرآن مجید کی کتابت تھا۔ سال میں دو عدد قرآن پاک کی کتابت کرتا اور انہی کے ہدیے سے اس کے گھر کے مصارف پورے ہوتے۔ بازار میں یہ بالکل معلوم نہ ہونے دیتا کہ یہ قرآن مجید بادشاہ کا کتابت شدہ ہے تاکہ لوگ اسے زیادہ قیمت سے نہ خریدیں، بلکہ خفیہ طریقے سے اس کی فروخت کا اہتمام کرتا۔ فارسی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

خود خفیہ می نوشت تا کسے خط اور انداند و زیادہ از بہا نخرد ②۔

اس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کا اس درجہ احترام تھا کہ بغیر وضو آپ ﷺ کا اسم گرامی زبان پر نہ لاتا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ اس کے ایک مصاحب کا نام محمد تھا۔ ایک دن اس کو تاج الدین کہہ کر پکارا تو اسے یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید کسی وجہ سے سلطان اس پر ناراض ہے، اس لیے اسے اصل نام (محمد) سے نہیں پکارا۔ اس افسوس میں وہ تین دن دربار سے غیر حاضر رہا۔ سلطان نے اس کو گھر سے بلا کر غیر حاضری کی وجہ دریافت کی تو عرض کیا:

① زبدۃ التواریخ، ص ۱۱۶ الف، بحوالہ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۱۴۲۔

② منتخب التواریخ ج ۱ ص ۹۰۔

اے خداوند جہاں ہرگز مرا بجز محمد بانگ نمی کردی۔ آں روز بخلاف عادت تاج الدین خطاب فرمودی۔ استنباط کردم کہ نسبت بداعی تغیرے در مزاج سلطانی پدید آمد ①۔  
کہ اے خداوند جہاں! آپ مجھ کو محمد کے سوا کبھی کسی اور نام سے نہیں پکارتے تھے۔ اس روز خلاف عادت تاج الدین کہہ کر مخاطب فرمایا۔ میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ مزاج سلطانی میں خاکسار کے متعلق کوئی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے۔

سلطان نے اس پر اصل حقیقت واضح کر دی اور قسم کھا کر یقین دلایا کہ اس وقت وہ بے وضو تھا۔ لہذا شرم آمد کہ بے وضو نام محمد (ﷺ) بر زبان برانم ②۔  
مجھے شرم آئی کہ بغیر وضو کے نام محمد (ﷺ) زبان پر لاؤں۔

وہ اس درجہ محتاط اور پاک طینت بادشاہ تھا کہ ایک پیسا بھی بیت المال سے وصول نہ کرتا۔ گھر کے تمام کام اس کی بیوی خود اپنے ہاتھ سے کرتی۔ یہ بھی اس سلسلے میں اس کی امداد کرتا۔ ایک دن بیوی نے کہا کہ روٹی پکانے اور چولھے کے آگے بیٹھنے سے اس کے ہاتھ جل جاتے ہیں۔ خزانہ شاہی کے خرچ سے ایک ملازمہ کا انتظام کر دیا جائے۔ بیوی سے کہا:

بیت المال حق بندہ ہاے خدا است مرا نمی رسد ③۔

کہ بیت المال پر بندگان خدا کا حق ہے۔ یہ میری ملکیت نہیں ہے۔  
ساتھ ہی اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

چند روز بر محنت صبر کن کہ خداے تعالیٰ فرداے قیامت امنًا و صدقًا بہ اجرائیں مشقت حورے رابتو برائے خدمت خواہد داد ④۔

اس محنت پر چند روز صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جس کا آنا یقینی ہے، اس مشقت کے بدلے میں تمہاری خدمت کے لیے ایک حور عطا کرے گا۔

یہ بادشاہ نہایت نیک طینت تھا، کسی کو حتی الامکان کوئی تکلیف نہ پہنچاتا۔ بسا اوقات دوسرے کی غلطی پر بھی خاموش رہتا اور کوشش کرتا کہ اس کے عمل و کردار اور قول و فعل کا کوئی پہلو کسی کے لیے ذہنی، جسمانی یا قلبی اذیت رسانی کا باعث نہ بنے۔ اس سلسلے کے بے شمار واقعات تذکروں میں مذکور ہیں۔ ان میں سے تاریخ فرشتہ میں ایک یہ واقعہ بھی مرقوم ہے کہ یہ اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قرآن مجید کسی دوست کو دکھا رہا تھا کہ اس نے ایک غلطی کی

② تاریخ فرشتہ ج اول ص ۷۴۔

③ تاریخ فرشتہ ج اول ص ۷۴۔

④ ایضاً

⑤ ایضاً

طرف اشارہ کیا۔ بادشاہ نے فوراً اس لفظ کے گرد ایک دائرہ کھینچ دیا تاکہ بعد میں یہ غلطی درست کر لی جائے۔ لیکن جب یہ شخص چلا گیا تو اس نے یہ دائرہ مٹا دیا اور لفظ صحیح نہیں کیا۔ ایک خادم نے جو یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، بادشاہ سے دائرہ بنانے کی وجہ دریافت کی اور غلطی درست نہ کرنے کا سبب پوچھا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میرا لکھا ہوا لفظ غلط نہیں تھا، لیکن میں اس شخص کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا، چنانچہ اس کو یہ کہہ دیا کہ غلطی درست کر لی جائے گی۔۔۔ کاغذ پر بنا ہوا دائرہ تو آسانی سے مٹایا جاسکتا ہے، لیکن کسی کے دل پر سے نشان مٹانا آسان نہیں ہوتا۔

بہر حال اس کے عہد کے علماء و فقہاء کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا، جن کی علمی کاوشوں سے لوگوں نے کسی نہ کسی صورت میں استفادہ کیا۔

### غیاث الدین بلبن:

سلاطین ہند میں غیاث الدین بلبن، شوکت و حشمت اور جلالت و عظمت کے اعتبار سے بہت ممتاز تھا۔ اس کی زندگی کا آغاز بھی غلامی سے ہوا، لیکن جب یہ تخت ہند پر متمکن ہوا تو اس کے درباری رعب و دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ اس کو دیکھ کر بڑے بڑے فرماں روا لرز جاتے تھے۔

ایلتتمش کی طرح یہ بھی ترکستان کے قبیلہ البری کے ایک بڑے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا باپ اپنے قبیلے کے دس ہزار خاندانوں کا سردار تھا۔ جب مغلوں نے ترکستان میں قراختائی کو تباہ کیا تو بلبن کو ایک مغل سپاہی نے گرفتار کر لیا اور بغداد لاکر خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خواجہ جمال الدین عابد و زاہد شخص تھا۔ اس نے بلبن کی بہت اچھی طرح پرورش کی اور اس کی مذہبی و دینی تعلیم اور بہتر تربیت کا خاص طور سے اہتمام کیا۔ اسی اثنا میں اسے پتا چلا کہ ہندوستان کا حکمران شمس الدین ایلتتمش بھی اسی قبیلے کا فرد ہے، چنانچہ وہ شخص بلبن اور اپنے دوسرے غلاموں کو لے کر ہندوستان آیا اور ۶۳۰ھ (۱۲۳۳ء) میں ایلتتمش سے ملا۔ اس نے تمام غلاموں کو خرید لیا اور بلبن کو اس کے بہتر آثار دیکھ کر اپنا خاصہ دار یعنی ذاتی محافظ مقرر کر لیا۔ اس سے پہلے بلبن کا بھائی کشلی خان بھی ایلتتمش کے دربار میں پہنچ چکا تھا اور منازل ترقی طے کر کے امیر حاجب کے منصب پر فائز تھا۔ بلبن اپنے بھائی کو پہچان کر نہایت خوش ہوا اور دربار شاہی میں اپنی قابلیت اور ذہانت کی وجہ سے ارتقا و تقدم کے زینوں پر تیزی کے ساتھ گامزن ہونے لگا۔

بلبن رضیہ سلطانہ کی تخت نشینی کے خلاف تھا، اس لیے اس کے دور میں ایک مرتبہ گرفتار بھی ہوا، لیکن پھر رہا کر دیا گیا اور میر شکار کے عہدے پر مامور ہوا۔ آخر کار انقلاب و تغیر کی ایک ایسی زبردست لہر آئی کہ ناصر الدین محمود کی وفات کے بعد یہی غلام ہندوستان کی وسیع مملکت کے تخت کا مالک بن گیا۔

تخت نشینی سے پہلے یہ مے نوشی اور عیش و نشاط کی محفلیں جمانے میں بہت آگے بڑھ گیا تھا، لیکن بادشاہ بننے کے بعد اپنی زندگی کو یکسر بدل لیا اور سب برائیوں سے تائب ہو گیا۔

گردنناہی نہ گشت و از جملہ مسکرات توبہ کرد و مجلس شراب ترک آورد و نام شراب و شراب خوراں نہ گرفت ①۔

یعنی منہیات کے قریب تک نہ گیا اور تمام مسکرات سے توبہ کر لی، مجلس شراب بند کر دی اور شراب اور شراب نوشوں کا کبھی نام تک نہ لیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ:

تقویٰ و پاکیزگی در زمان اور واج یافت؛ و اگر کسے بزد و صلاح متصف نہ بود، مہم نمی دارد و نام شراب

خوردن و منہا ہی از ملک خود بر انداخت ②۔

یعنی اس کے عہد حکومت میں تقویٰ و پاکیزگی کی یہاں تک ترویج ہوئی کہ جو شخص زہد و صلاح کی خوبیوں سے متصف نہ ہوتا، بادشاہ کوئی اہم کام اس کے سپرد نہ کرتا۔ اس نے مے نوشی اور غیر شرعی حرکتوں کو اپنے ملک سے اکھاڑ پھینکا۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ نماز باجماعت کی پابندی اس کا معمول ہو گیا تھا اور ہمیشہ با وضو رہتا تھا۔ اس کی رات کا بیشتر حصہ عبادت الہی میں صرف ہوتا۔

ورطاعت و عبادت و صیام نفل و قیام شب مبالغہ نمود و بہ مواظبت جمعہ و جماعت و نماز اشراق و چاشت و تہجد بیک بارگی میل کرد و شب ہائے موسم حج تمامی شب قیام کردے و اور اور سفر و حضر از فوت نہ شدے ③۔

یعنی طاعت و عبادت، نفل روزے اور شب بیداری میں بہت کوشاں رہنے لگا۔ نماز جمعہ، نماز باجماعت، نماز اشراق، نماز چاشت، اوایین اور تہجد کے لیے یک لخت دل میں لگن پیدا ہوئی اور ان پر ہمیشہ پابندی سے قائم رہا۔ ایام حج کی راتوں میں پوری رات قیام کرتا اور سفر و حضر میں اس سے اور ادو وظائف فوت نہ ہوتے۔

مورخین نے اس کے عہد کو ”خیر الاعصار“ سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا دور حکومت عالم اسلامی میں بعض وجوہ سے خاص اہمیت کا حامل تھا۔ وہ ۶۶۳ھ سے ۶۸۶ھ (۱۲۶۶ء سے ۱۲۸۷ء) تک پورے بائیس سال حکومت کرتا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دنیاے اسلام پر مصائب کی مہیب گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور مسلمان ملکوں اور اسلام کے نام لیواؤں پر تاری بے پناہ مظالم ڈھا رہے تھے۔ بغداد کی شان و شوکت خاک میں مل چکی تھی اور اس کی عظمت رفتہ کے کھنڈروں پر سعدی کے دل سوز مرثیے لوگوں کی زبان پر تھے:

① تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۔

② مآثر جمی ج اول ص ۳۰۵۔

③ تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۔ تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۷۶۔

آسماں را حق بود گر خون بہار د بر زمین  
برزدالی ملک مستعصم امیر المومنین!  
اے محمد! گر قیامت سر بروں آری ز خاک  
سر بروں آرد قیامت در میان خلق مبین

غیاث الدین بلبن ہی وہ تہا حکمران تھا کہ ہلاکت و خون ریزی کے اس دور میں جس کی سلطنت ظلم و ستم کی ہولناکیوں سے محفوظ تھی اور مختلف اسلامی ممالک کے مسلمان اور شہزادے اس میں پناہ گزین تھے۔ ہندوستان اس زمانے میں عالم اسلامی کے مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا تھا اور دہلی میں متعدد محلے آباد ہو کر ان کے نام سے موسوم ہو گئے تھے اور بلبن بذات خود ان پناہ گزینوں کی حفاظت و نگرانی کے فرائض انجام دیتا تھا۔ غالباً اسلامی ممالک کی اسی ہمہ گیر مظلومیت سے متاثر ہو کر وہ منہیات و مکروہات سے تائب ہوا اور اسی وجہ سے اس کے دل میں اسلام کی محبت اور امور شرعی سے وابستگی پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علما و فقہاء، صوفیا و مشائخ اور عباد و زہاد سے اس نے تعلقات استوار کیے۔ وہ باقاعدہ علما کی مجلسوں میں حاضر ہونے اور ان سے استفادہ کرنے لگا اور جام وے کے بجائے وعظ و تذکیر کی محفلیں منعقد ہونے لگیں۔ اس سے اس کا لگاؤ اس قدر بڑھا کہ بقول برنی:

بے حضور علما دست بطعام نبردے و از علما در وقت طعام خوردن مسائل دین پر سیدے و در  
مجلس طعام دانشمندان در پیش او بحث کردند ①۔

یعنی جب تک علما موجود نہ ہوتے کھانے کو ہاتھ نہ لگاتا، کھانے کے دوران میں علما سے مسائل شرعی دریافت کرتا اور مجلس طعام میں فقہاء اس کے سامنے (مسائل شرعیہ پر) بحث و مباحثہ کرتے۔

اس ضمن میں اس کی دلچسپی یہاں تک بڑھی کہ اگر اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ مسجد میں وعظ و تذکیر کا سلسلہ جاری ہے تو سب علاقے ترک کر کے فوراً وہاں پہنچ جاتا اور وہاں جا کر

در میان خلق بنشستے و تذکیر بشنیدے و در مواعظ و نصائح مذکران رقت و گریہ بسیار کردے ②۔  
یعنی عام لوگوں میں بیٹھ جاتا اور وعظ سنتا اور واعظوں کے مواعظ و نصائح سن کر بہت ہی گریہ و زاری کرتا۔

وہ بادشاہ علماے دین اور مشائخ کا از حد احترام کرتا۔

وعلماے آخرت و مشائخ ہر جاہدہ را بغایت حرمت داشتے ③۔

① تاریخ فیروز شاہی: از برنی ص ۴۶-۴۷۔

② تاریخ فیروز شاہی: برنی ص ۱۰۲۔

③ ایضاً ص ۱۰۷۔

یعنی علمائے آخرت اور ہر سلسلے کے مشائخ سے بدرجہ غایت عزت و احترام سے پیش آتا۔ اس قسم کے بے شمار واقعات تذکروں میں مرقوم ہیں جو بلبن کی دینی و مذہبی حالت کی وضاحت کرتے ہیں۔ لیکن ان سب کا استقصا ہمارا مقصود نہیں۔ اس کے عہد کے بہت سے علمائے کرام کا تذکرہ آئندہ صفحات میں خوانندگان محترم کے ملاحظہ گرامی میں آئے گا۔

غیاث الدین بلبن کے بعد ۶۸۶ھ (۱۲۸۷ء) میں اس کا پوتا معز الدین کی قیادت میں ہوا۔ یہ نہایت عیاش بادشاہ تھا۔ اس نے دو سال حکومت کی اور ۶۸۸ھ (۱۲۸۹ء) میں وفات پائی۔ اس کی موت کے ساتھ ہی سیاسی اعتبار سے اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

### جلال الدین خلجی:

اب ہندوستان کی زمام حکومت خلجی خاندان کے ہاتھ میں آتی ہے۔ چنانچہ ۳ جمادی الآخریٰ ۶۸۹ھ (۱۳ جون ۱۲۹۰ء) کو جلال الدین فیروز شاہ خلجی ستر سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ یہ اس درجہ رحم دل اور نرم طینت بادشاہ تھا کہ جب غیاث الدین بلبن کے محل کوشک لعل میں داخل ہوا تو اس کی ہیبت و جبروت اور شوکت و عظمت کو یاد کر کے رونے لگا۔ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی اور اپنے دل میں اس مقام پر بیٹھنے کی جرات نہ پیدا کر سکا، جہاں غیاث الدین بلبن بیٹھا کرتا تھا۔ امرا و حکام نے کوئی بات کی تو صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اس محل کے اصل مالک سلطان بلبن کے بیٹے ہیں، میں تو ایک ناجائز قابض اور غاصب ہوں۔

اس کوشک سلطان بلبن است و در ایام خانی بر آوردہ است ملک فرزندان اوست و من بتغلب تصرف می کنم ①۔

یعنی یہ سلطان غیاث الدین بلبن کا کوشک ہے۔ اس نے یہ زمانہ خانی میں تعمیر کیا تھا۔ یہ اس کے بیٹوں کی ملکیت ہے، میں تو اس پر غاصبانہ قبضہ کر رہا ہوں۔ پھر کہا، مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ بلبن میرے سامنے ہے اور تخت پر بیٹھا ہے۔ میں نے اس کوشک میں اس کے حضور بے شمار فرائض خدمت انجام دیے ہیں:

من آں پادشاہ را وریں کوشک بسیار خدمت کردہ ام و مرادل می لرزد و ہیبت و حشمت او ہنوز از دل من زرفتہ است ②۔

میں اس کوشک میں اس بادشاہ کی خدمت میں بہت ہی مصروف رہا تھا۔ میرا دل دھڑک رہا ہے اور اس کی ہیبت و حشمت اب تک میرے دل سے نہیں گئی ہے۔

① ایضاً ص ۱۰۷۔

② تاریخ فیروز شاہی ص ۱۸۰۔

اس کے بعد وہ پاپیادہ کوشک لعل میں داخل ہوا اور جب اس مقام پر پہنچا، جہاں وہ غیاث الدین بلبن کے سامنے ادب و احترام سے کھڑا ہوتا تھا تو وہاں اسی طرح کھڑا ہو گیا اور پھر اپنے آپ پر ضبط نہ کر سکا اور رونے لگا اور کہا۔ پادشاہی ہمہ فریب و نمائش است و اگرچہ بیرون نقش و نگاری نماید و لیکن دروں زارزار است ①۔ پادشاہی تمام تر فریب و نمائش ہے۔ ظاہر میں اگرچہ نقش و نگار نظر آتے ہیں لیکن اندر سے غم ہی غم ہے۔

جلال الدین نماز روزے کا پابند تھا اور ایک نرم دل حکمران تھا۔ کسی پر ہاتھ نہ اٹھاتا اور انسانی جان کا از حد احترام کرتا۔ حتیٰ کہ باغیوں اور سرکشوں کو بھی سزا دینے پر متامل ہوتا اور کہا کرتا: در شریعت پیغمبر ماجز کشندہ را، و مرتد را، و آں کہ باوجود زن، بازن دیگر زنا کند، دیگرے را کشتن نیامدہ است ②۔

یعنی ہمارے پیغمبر کی شریعت میں سوائے قاتل کے، مرتد کے اور شادی شدہ زانی کے کسی دوسری کو قتل کرنے کا حکم نہیں۔

اس نیک بخت بادشاہ ہند کے زمانے کے کئی فقہائے کرام کا ذکر کتاب کے آئندہ صفحات میں کیا گیا ہے۔ اس کو اس کے بھتیجے اور داماد علاء الدین خلجی نے ۶۹۵ھ (۱۲۹۶ء) میں قتل کر دیا تھا۔

علاء الدین خلجی:

علاء الدین خلجی، سلطان جلال الدین خلجی کا بھتیجا اور داماد تھا اور اپنے اس محسن کو قتل کر کے تخت حکومت پر بیٹھا تھا۔ یہ زیادہ پڑھا لکھنا تھا۔ سخت خور تیز مزاج حکمران تھا، لیکن اس کے باوجود بڑا سمجھ دار مدبر اور عقل مند تھا۔ اس نے انتہائی رعب و دبدبے سے حکومت کی۔ اس کے زمانے میں سرزمین ہند مشائخ و علما کا گہوارہ بن گئی تھی۔ دہلی اور اس کے گرد و نواح میں بے شمار فقہار ہائش پذیر تھے اور دینی خدمات انجام دیتے تھے۔ اس دور کے بہت سے فقہاء کا ذکر آئندہ صفحات میں قارئین کے مطالعہ میں آئے گا۔ علاء الدین خلجی نے بیس سال حکومت کی اور ۷۱۵ھ (جنوری ۱۳۱۶ء) میں فوت ہوا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا قطب الدین مبارک خلجی، وارث تخت دہلی ہوا، لیکن وہ نہایت نالائق شخص تھا۔ اس کو تخت پر بیٹھے چار سال بھی نہ گزرے تھے کہ اس کے غلام خسرو خاں نے اس کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ خسرو خاں نے اپنے مختصر زمانہ حکومت میں دل کھول کر اسلام کی اہانت اور مسلمانوں کی تذلیل کی اور اسے غازی ملک غیاث الدین تغلق نے قتل کیا۔

① ایضاً۔

② تاریخ فیروز شاہی ص ۱۸۰۔



## سلطان غیاث الدین تغلق:

غیاث الدین تغلق تختِ ہند پر متمکن ہونے سے پہلے سلطان جلال الدین خلجی اور اس کے بعد علاء الدین خلجی کی طرف سے ملتان اور دیپال پور کے علاقوں کا ناظم و منصرم تھا اور دین و مذہب سے بہت لگاؤ رکھتا تھا۔ چونکہ اس نے مغلوں کو کئی بار شکست دی تھی اور دشمن طاقتوں کو زیر کیا تھا، اس لیے وہ غازی ملک کے نام سے معروف تھا۔

جب اسے یہ معلوم ہوا کہ خسرو خاں دہلی کے تخت پر قابض ہو گیا ہے اور مسلمانوں کی تذلیل اور اسلام کی توہین کو اس نے اپنا نقطہ نظر ٹھہرایا ہے تو اس کی اسلامی غیرت جوش میں آگئی۔ وہ سخت تکلیف دہ حالات میں بھی دہلی پر حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن جو اطلاعات اس کو متواتر پہنچ رہی تھیں، وہ انتہائی پریشان کن تھیں، لہذا اس نے اللہ پر توکل کر کے دہلی کا رخ کیا اور خسرو خاں کو قتل کر دیا۔ اب عملاً دہلی غیاث الدین تغلق کے قبضے میں تھی، مگر وہ تخت پر نہیں بیٹھا بلکہ امرا و علما کا جو جلوس اس کے ساتھ تھا، اس کے سامنے گھوڑے سے اتر کر اللہ کے حضور سر بسجود ہوا اور امرائے دولت اور عمائد سلطنت سے صاف لفظوں میں کہا کہ سلطان جلال الدین اور علاء الدین خلجی کے مجھ پر بہت احسانات ہیں، ان کی اولاد میں سے کوئی شخص یہاں زندہ موجود ہے تو اسے تخت دہلی پر بٹھا دیا جائے اور اگر خاندان شاہی کا کوئی شخص موجود نہیں ہے تو آپ میں سے جو لائق اور بہتر آدمی ہے، اسے بادشاہ بنا دیا جائے۔ مجھے اپنا گھوڑا اور دیپال پور کا ویرانہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔ مگر اعیان حکومت اور اکابر سلطنت نے کلاہ بادشاہی اسی کے لیے موزوں قرار دیا اور اس کو ہندوستان کا حکمران بنا دیا گیا۔

غیاث الدین تغلق ایک متدین شخص تھا۔ علما و مشائخ کا عقیدت مند، پابند شریعت، عبادت گزار اور غازی تھا۔ علما کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان سے استفادہ کرتا۔ اس کے دور حکومت کے بہت سے مشائخ اور متعدد اصحاب علم کا ذکر اس کتاب میں قارئین کے مطالعہ میں آئے گا۔ یہ ۷۲۰ھ (۱۳۲۰ء) میں تختِ ہند پر متمکن ہوا اور ربیع الاول ۷۲۵ھ (مارچ ۱۳۲۵ء) میں وفات پا گیا۔ اس کا عرصہ حکومت اگرچہ بہت کم ہے، مگر نہایت شان دار ہے۔

## سلطان محمد تغلق:

سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات کے بعد اس کا لڑکا محمد خان تغلق بادشاہ بنا۔ یہ ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں تخت نشین ہوا اور ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) تک (چھبیس سال) حکومت کی۔ اس کا شمار تاریخ میں عظیم المرتبت سلاطین ہند میں ہوتا ہے۔ اس کے ایام حکومت میں ہندوستان علما و فقہا کا مسکن تھا۔ یہ بادشاہ متضاد اوصاف کا حامل ہونے کے باوجود خود بھی فقہ اور دیگر علوم سے تعلق رکھتا تھا اور علما کا بھی قدردان تھا۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ اسی کے عہد (۷۳۴ھ - ۱۳۳۴ء) میں ہندوستان آیا اور اس سے ملا۔ اس نے اس کی بڑی تکریم کی اور اسے دہلی کا قاضی مقرر

کیا۔ ابن بطوطہ نے اس کی مدح میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا۔

قاضی محمد بن علی شوکانی اپنی تصنیف البدر الطالع میں محمد شاہ تغلق کو فیاض، متواضع اور علوم فقہ و حکمیہ کا عالم بادشاہ قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ علماء و فقہا سے محبت اور تعلق خاطر رکھتا تھا ❶۔

### سلطان فیروز شاہ تغلق:

سلطان محمد شاہ نے ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) میں وفات پائی اور اپنے جانشین فیروز شاہ تغلق کے لیے جگہ خالی کی۔ سلاطین و ملوک کی تاریخ، فیروز شاہ تغلق کو قرون وسطیٰ کے ہندوستان کا نیک، مذہبی جذبات کا حامل، دین دار، عالم و فقیہ، بلند اخلاق، علماء و فقہا کا قدردان اور مشائخ و اولیا کا عقیدت مند بادشاہ قرار دیتی ہے۔

یہ سلطان غیاث الدین تغلق کے بھائی، سالار رجب کا بیٹا اور محمد شاہ تغلق کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس نے سلطان غیاث الدین کے گھر میں تربیت پائی۔ یہ تخت دہلی پر بیٹھنے کا متمنی نہیں تھا۔ اس نے شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی اور دیگر صدور و قضات اور فقہاء و علماء کے اصرار کے بعد زمام حکومت ہاتھ میں لی۔ عادل، معاملہ فہم اور نیک دل بادشاہ تھا۔

اس کے زمانے کے متعدد علماء و فقہا کا تذکرہ آئندہ اوراق میں قارئین کے مطالعہ میں آئے گا۔ اس کی کوشش سے اور اس کے عہد حکومت میں فقہ کی کئی کتابیں تصنیف ہوئیں، جن میں فقہ فیروز شاہی اور فوائد فیروز شاہی شامل ہیں۔ اس نے ایک گھڑی ایجاد کی تھی جس سے ہر گھنٹے کے بعد ترنم کے ساتھ اس شعر کی آواز نکلتی تھی۔

ہر ساعتی کہ بر در شہ طاس می زند

نقصان عمر می شود آں یاد می دہند

فیروز شاہ تغلق ۷۰۹ھ (۱۳۱۰ء) میں پیدا ہوا اور تینتالیس سال کی عمر میں ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) کو تخت ہند پر بیٹھا اور سینتالیس سال حکومت کرنے کے بعد ۱۳ رمضان المبارک ۷۹۹ھ (۹ جون ۱۳۹۷ء) کو فوت ہوا۔

### سلاطین بہمنی:

آٹھویں صدی ہجری میں دکن کی بہمنی سلطنت میں بھی چند علم پرور اور علماء و فقہا سے تعلق رکھنے والے حکمران پیدا ہوئے، جن میں محمد شاہ بہمنی (متوفی ذی القعدہ ۷۷۶ھ۔ اپریل ۱۳۷۵ء) مجاہد شاہ بہمنی (متوفی ذی الحجہ ۷۷۹ھ۔ اپریل ۱۳۷۸ء) اور محمود شاہ بہمنی (متوفی ۷۹۹ھ۔ ۱۳۹۷ء) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان کے دور حکومت کے علاقہ دکن کے بعض علماء و فقہا کا تذکرہ کتب تاریخ میں مرقوم ہے اور اس کتاب میں بھی ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

❶ البدر الطالع ج ۲ ص ۱۸۰۔ طبع مصر ۱۳۳۸ھ۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں:

یہ چند صفحات مقدمہ کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں ایک تو یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ برصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش کو ابتدائی صدی ہجری ہی میں اسلام کی رائے پر نور نے اپنے دامن وسعت پذیر میں پناہ دینا شروع کر دی تھی۔ دوسرا مقصد آٹھویں صدی ہجری تک کے ان فرما روایان ہند کے کردار کی ایک جھلک پیش کرنا ہے جن کے دور حکومت میں مختلف علمائے کرام اور فقہائے عالی مقام نے ایک خاص نہج سے دیار ہند میں اپنی علمی و فقہی مساعی کو آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

یہ کتاب اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اپنی دانست میں انتہائی احتیاط اور محنت سے لکھا گیا ہے۔ معزز قارئین اگر ہماری غلطیوں کی نشان دہی کریں گے اور اس سلسلے میں اپنے مفید مشوروں سے نوازیں گے تو ہم ان کے شکر گزار ہوں گے۔

کتاب کی یہ پہلی جلد ہے جو ابتدائی صدی ہجری سے لے کر آٹھویں صدی ہجری تک کے اصحاب علم کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے بعد دوسری جلد نویں صدی ہجری کے فقہائے ہند پر مشتمل ہوگی۔ پھر یہ سلسلہ قدم بہ قدم آگے پڑھے گا اور اپنی معلومات کے مطابق بتایا جائے گا کہ کون کون حضرات برصغیر کے کن کن علاقوں اور کس کس دور میں فروغ علم اور اشاعت اسلام کا ذریعہ بنے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بیدہ التوفیق و علیہ التکلان۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۷۴ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے لیتھو میں معمولی کاغذ پر شائع ہوئی تھی۔ اب کم و بیش چالیس سال بعد اسے نہایت عمدہ کاغذ پر بہترین کمپوزنگ سے محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ادارہ خزانہ البنوانہ کے تعاون سے شائع کر رہا ہے۔ کتاب کے بعض مقامات میں اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ اور قمری ماہ و سال کے ساتھ عیسوی ماہ و سال بھی درج کر دیے گئے ہیں۔

اب آئندہ اوراق میں حروف تہجی کی ترتیب سے پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی، پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی کے فقہائے برصغیر کے حالات ملاحظہ فرمائیے۔

اللهم و فقنا لما تحب و ترضی۔

بندہ عاجز

محمد اسحاق بھٹی

100/1

## پہلی صدی ہجری

### الف

#### ۱۔ ابن اسید بن اخنس

ابن اسید بن اخنس بن شریق ثقفی تابعی تھے۔ یعنی ان کو براہ راست رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی صحبت و تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ اموی حکمران عبدالملک بن مروان کے زمانے میں سندھ کے والی مقرر ہوئے۔ ان کے دادا اخنس کو رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر مؤلفات القلوب کے ساتھ کچھ مال عنایت فرمایا تھا اور ان کے والد اسید بن اخنس بن شریق ثقفی رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے۔ اسید کے ایک بھائی مغیرہ بن اخنس تھے جو خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مرتبہ شہادت کو پہنچے ①۔

#### ۲۔ ابوشیبہ جوہری

ابوشیبہ جوہری واسطی ان کا نام یوسف بن ابراہیم تمیمی تھا۔ یہ بھی تابعی تھے اور نبی ﷺ کے مشہور صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ خود ان سے عقبہ بن خالد اور مسلم بن قتیبہ ایسے عظیم محدث اور تبع تابعی روایت کرتے ہیں۔ یہ وہ خوش قسمت بزرگ تھے جو محمد بن قاسم کے ساتھ وارد سندھ ہوئے اور جنہوں نے جہاد سندھ میں باقاعدہ حصہ لیا ②۔

#### ۳۔ اعشی ہمدان

اعشی ہمدان عبدالرحمن بن عبداللہ بن حارث۔ ان کی کنیت ابواشیح تھی۔ تابعی تھے اور فصیح شاعر بھی۔ کوئی الاصل تھے اور شعراے بنو امیہ میں سے تھے۔ ان کی شادی امام شعبی فقیہ کی بہن سے ہوئی تھی اور ان کی

① تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو العقد الثمین ص ۱۵۸، ۱۵۹

② العقد الثمین ص ۲۱۴۔ لسان المیزان ج ۶۔

بہن کی شادی امام شعیفی فقیہ سے۔۔۔! فقہا و قرائم میں سے تھے۔ غزوہ مکران میں شریک تھے جو اس زمانے میں ہندوستان کا ایک شہر تھا ❶۔

## ۴۔ ابو ایوب بن یزید ہلالی

ابو سلیمان ایوب بن یزید بن قیس بن زرارہ جلیل القدر تابعی تھے خطیب اور لسان تھے۔ ابن خلکان کی روایت کے مطابق ان کا شمار چند خطبائے عرب میں ہوتا تھا۔ فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے۔ انہوں نے ہندوستان اور مکران کی سیاحت کی۔ حجاج بن یوسف نے ان سے کچھ علاقوں کے حالات پوچھنا چاہے تو کہا جس ملک کے بارے میں آپ سوال کریں گے میں جواب دوں گا۔ حجاج نے کہا ”ہند کے متعلق کچھ بتاؤ“ جواب دیا:

بحرہا در، و جبلہا یاقوت، و شجرہا عود، و ورقہا عطر و اہلہا  
طعام کقطع الحمام۔

اس کے دریا موت اگلنے والے پہاڑ لعل و یاقوت کی کانیں، درخت عود و صندل کے حامل،  
پتوں میں خوشبو اور مہک، اس کے باشندے کم عقل فاختاؤں کی طرح ٹکڑیوں میں بکھرے  
ہوئے۔

اسی طرح مکران کے بارے میں سوال کیا تو جواب دیا:

ماء ہاوشل و تمرہا دقل، و سہلہا جبل، و لصہا بطل، ان کثر الجیش  
بہا جاعوا و ان قلو اضاعوا۔

اس میں پانی کم، کھجوریں ردی، میدان پہاڑوں کی طرح، چور بے باک، فوج زیادہ ہو تو  
بھوک کا خطرہ کم ہو تو ضائع ہو جانے کا اندیشہ۔

حجاج نے ان کو ۷۷ھ (۶۹۳ء) میں قتل کر دیا تھا ❷۔

ت

## ۵۔ تاغر بن دعر

تاغر بن دعر رضی اللہ عنہ، پہلی صدی ہجری کے وہ بزرگ ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ

❶ العقد الثمین ص ۱۶۳، ۱۶۴ بحوالہ کتاب الاغانی ج ۶، ص ۳۴۔

❷ جمہرۃ النساب العرب ص ۴۲۵۔ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۸۷-۸۹۔

علیہم اجمعین کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ یعنی تابعی تھے اور اس مقدس جماعت سے تعلق رکھتے تھے جو براہ راست آنحضرت ﷺ کے صحبت یافتہ حضرات سے سماع روایت و احادیث کی سعادت عظمیٰ سے بہرہ اندوز ہوئی۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انہوں نے کن کن صحابہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ یہ بلند بخت بزرگ بغرض جہاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی لشکر کے امیر کی حیثیت سے وارد سندھ ہوئے۔ یہاں کتنا عرصہ رہے اور کس کس علاقے میں بسلسلہ جہاد گئے؟ اس کے بارے میں تاریخ کچھ نہیں بتاتی ①۔

## ح

### ۶۔ حاتم بن قبیصہ بن مہلب مہلبی ازوی

حاتم بن قبیصہ بن مہلب بن ابوصفرہ ازوی عتقی تابعین میں سے تھے۔ روح اور یزیدان کے دو بیٹے تھے۔ روح افریقہ کے اور یزید سندھ کے مفتوحہ علاقوں کے والی تھے۔ حاتم بن قبیصہ نے عبداللہ بن سوار عبدی کے ساتھ قلات کی دوسری لڑائی میں شرکت کی ②۔

کتب رجال و سیر سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انہوں نے کن صحابہ کرام سے استفادہ کیا۔

### ۷۔ حارث بیلمانی

حارث بیلمانی بھی تابعی تھے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے محمد بن حارث بیلمانی نے سماع حدیث کیا ③۔

بیلمان، بھیلمان کا معرب ہے۔ یہ ایک قصبہ تھا جو سندھ، گجرات، کاٹھیاوار اور ماڑوار کے درمیان واقع تھا۔ حارث کے متعلق اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔

### ۸۔ حارث بن مرہ عبدی

حارث بن مرہ عبدی، تابعی تھے اور قبیلہ عبدالقیس سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قابل اعتماد ساتھی اور معاون خاص تھے۔ اپنے دور کے اہل اسلام میں بدرجہ غایت فیاض تھے۔ ۳۷ھ (۶۵۷) میں جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت بڑے حامی تھے اور فوج کے میسرہ پر متعین تھے۔ اس جنگ میں یہ کئی قسم

① العقد الثمین ص ۱۰۴۔

② ایضاً۔

③ ایضاً ص ۲۸۸۔

کی تکلیفوں سے دوچار ہوئے۔ ۳۸ھ (۶۵۸ء) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے حدود ہند میں داخل ہوئے۔ فیاضی اور بہادری کا یہ عالم تھا کہ ایک روز ہزار آدمی کو آزاد کرانے کی قسم کھائی اور پانچ سو شہسواروں پر حملہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۴۲ھ (۶۶۲ء) میں حارث بن مرہ اور ان کے کچھ ساتھی قلات میں شہید ہوئے۔ کبار صحابہ سے ملے۔ تابعین اور ایک روایت کے مطابق مدرکین میں سے تھے ①۔

## ۹۔ حباب بن فضالہ ذہلی

سرزمین ہند سے کسی نہ صورت میں تعلق رکھنے والے جن تابعین کا ذکر کتب تاریخ میں مرقوم ہے ان میں ایک نام حباب بن فضالہ ذہلی کا ہے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص اور ممتاز صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ ہندوستان آنے والے اسلامی لشکر کی فہرست میں ان کا نام لکھا گیا تھا۔ انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فتویٰ پوچھا کہ والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے جاسکتا ہوں یا نہیں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے واپس جانے کا مشورہ دیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ واپس والدین کے پاس گئے یا بغرض جہاد عازم ہند ہوئے۔ اس ضمن میں میزان الاعتدال کے الفاظ یہ ہیں:

قال اتيت البصرة فلقيت انس بن مالك فقلت له انى اردت سفرا فاردت ان استامرك قال و اين تريد؟ قلت الهند۔ قال فحى والداك او احدهما؟ قلت بل حيان۔ قال فراضيان بمخرجك؟ قلت بل ساخطان، استعدى على ابى و حسنى السلطان، قال فالدنيا تريد او الاخره؟ قلت كليهما، قال ما اراك الا ستحبطهما كليهما، ارجع الى ابويك، فبرهما و اصحبهما فانك لن تصيب كسبا خيرا منه ②۔

یعنی حباب بن فضالہ ذہلی کہتے ہیں میں بصرے آیا اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملا۔ میں نے ان سے عرض کیا ”میں سفر پر جانا چاہتا ہوں اور اس کے لیے آپ سے اجازت کا طالب ہوں۔“ فرمایا ”کہاں جانا چاہتے ہو؟“ میں نے کہا ”ہندوستان۔“ فرمایا ”تمہارے ماں باپ دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک زندہ ہے؟“ عرض کیا: ”دونوں زندہ ہیں۔“ فرمایا ”وہ تمہارے جانے پر خوش ہیں؟“ میں نے جواب دیا خفا میں۔ میرے والد نے مجھ پر زیادتی کی۔ (وہ سلطان کے پاس گئے) اور سلطان نے مجھ

① العقد الثمین ص ۱۰۲۔

② میزان الاعتدال فی نقد الرجال، حافظ ذہبی جلد اول ص ۲۰۸۔



کو جانے سے روک دیا۔ فرمایا ”دنیا چاہتے ہو یا آخرت؟“ عرض کیا ”دونوں!“ فرمایا ”میں سمجھتا ہوں کہ دونوں ضائع کر بیٹھو گے۔ جاؤ ماں باپ کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو ان کی خدمت میں رہو تمہارے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں ہو سکتی۔“

## ۱۰۔ حری بن حری باہلی

حری بن حری باہلی کا شمار بھی تابعین میں ہوتا ہے۔ ان کو عبید اللہ بن زیاد نے مفتوحہ بلاد ہند کا والی مقرر کیا تھا۔ ان کی سرکردگی میں جو فوج ہند کی طرف روانہ کی گئی تھی اس نے متعدد علاقے فتح کیے اور کامیاب واپس گئی۔ ان جنگوں میں اسلامی لشکر کو مال غنیمت بھی حاصل ہوا۔ حری بن حری درحقیقت سنان بن سلمہ کی فوج کے ایک حصے کے سردار تھے ①۔

رجال و تاریخ کی کتابیں یہ نشان دہی نہیں کرتیں کہ انھوں نے کن صحابہ کرام سے سماع و روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔

## ۱۱۔ حکم بن منذر عبدی

ابو غیلان حکم بن منذر بن جارود عبدی بھی تابعین میں سے تھے۔ اپنے دور کے بلند مرتبہ شخص تھے۔ نہایت شجاع اور عالی ہمت تھے۔ سندھ اور اس کے گرد و نواح میں جہاد کے لیے آئے اور وہیں وفات پائی ②۔

## ۱۲۔ راشد بن عمرو جدیدی عبدی ازدی

راشد بن عمرو بن قیس ازدی تابعی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کے باپ عمرو بن قیس کو عراق میں ایک مکان عطا کیا تھا جسے ”لولعہ عمرو“ کہا جاتا تھا۔ راشد بن عمرو نے حضرت عثمان کے عہد خلافت ۳۰ھ (۶۵۱ء) میں ہرموز فتح کیا۔ پھر حضرت عثمان ہی کے عہد میں قلات اور امید کی جنگوں میں شامل ہوئے اور فتح حاصل کی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام حکومت ۴۲ھ (۶۶۲) میں بلاد ہند اور سندھ کی لڑائیوں میں شرکت کی۔ سرزمین سندھ میں جام شہادت نوش کیا ③۔

① العقد الثمین ص ۱۳۷۔

② تفصیلات کے لیے دیکھئے العقد الثمین ص ۱۴۱، ۱۴۲۔

③ العقد الثمین ص ۱۲۵۔

### ۱۳۔ زائدہ بن عمیر طائی کوفی

زائدہ بن عمیر طائی کوفی۔ ابن سعد نے ان کو کوفہ کے طبقہ ثالثہ کے تابعین میں شمار کیا ہے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ایسے اکابر صحابہ سے روایت کی۔ یہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں جو فتح سندھ کے وقت محمد بن قاسم کے ساتھ تھے۔ جب محمد بن قاسم کی فوج نے دریاے بیاس عبور کر کے ملتان کی طرف پیش قدمی کی، یہ اس وقت اسلامی لشکر میں موجود تھے۔ مشرکین ہند نے شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی اور مسلمانوں نے محمد بن قاسم کی قیادت میں آگے بڑھ کر شہر کا محاصرہ کر لیا تھا ①۔

### ۱۴۔ زیاد بن حواری عمی

ان کا نام زیاد بن حواری تھا۔ ایک روایت کے مطابق زید بن حواری عبدی عمی اور ایک روایت کے مطابق حواری بن زیاد تھا۔ جہاد سندھ میں محمد بن قاسم کے دست و بازو تھے۔ محمد بن قاسم نے جن لوگوں کو داہر کا سردے کر عراق بھیجا تھا، ان میں یہ بھی شامل تھے۔ یہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں جو حضرت انس، حسن، معاویہ بن قرہ اور عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ خود ان سے اعمش، سبعی، عبدالملک بن عمیر، ایوب بن موسیٰ، محمد بن فضل بن عطیہ اور سلام الطویل وغیرہم نے روایت کی۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے ②۔

### ۱۵۔ ابو قیس زیاد بن رباح قیسی بصری

ابو قیس زیاد بن رباح بھی تابعی تھے۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے یہی راوی ہیں، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ۔

من خرج من الطاعة و فارق الجماعة فمات ميتة جاهلية۔

جو شخص طاعت کے دائرے سے باہر نکلا اور جماعت سے الگ ہوا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔

ان کو ابن رباح بھی کہا جاتا ہے اور ابو رباح بھی۔ ان سے غیلان بن حریر اور حسن بصری روایت حدیث کرتے ہیں۔ عجلی ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن حبان ان کا شمار ثقات میں کرتے ہیں۔ ان کی روایت

① ایضاً ص ۱۲۵۔

② العقد الثمین، ص ۲۱۵۔

صحیح مسلم میں بھی حدیث درج ہے۔ یہ محمد بن قاسم کے ساتھ بغرض جہاد سندھ آئے تھے۔ علی بن حامد قحچ نامہ میں کہتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے جس جماعت کے ہاتھ داہر کا سر عراق بھیجا تھا، ابوقیس اس جماعت کے امیر تھے۔ اس جماعت میں ابوقیس کے علاوہ ذکوان بن علوان، یزید بن مجالد ہمدانی اور زیاد بن حواری عبدی وغیرہ شامل تھے۔ انھوں نے عراق جا کر ملوک ہند کے واقعات بیان کیے ①۔

—س—

## ۱۶۔ سعد بن ہشام انصاری

سعد بن ہشام بن عامر انصاری، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے اور تابعی تھے۔ انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت حدیث کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی سماع حدیث کا شرف حاصل کیا۔ علاوہ ازیں اپنے والد مکرم ہشام بن عامر انصاری، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سمرہ بن جندب، ایسے جلیل القدر صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ خود ان کے شاگردوں میں حضرت حسن بصری، حمید بن ہلال، زرارہ بن ابی اوفی، حمید بن عبدالرحمن حمیری رحمہم اللہ شامل ہیں۔ ان کے بارے میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ یہ سرزمین مکران میں شہید کیے گئے ②۔

قتل فی ارض مکران علی احسن حالہ۔

امام بخاری نے بھی تاریخ الکبیر میں یہی الفاظ لکھے ہیں۔ امام نسائی، ابن سعد اور ابن حبان نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ انھوں نے ارض مکران میں غزوہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ تقریب التہذیب میں ہے کہ سعد بن ہشام ثقہ تھے اور محدثین کے طبقہ ثالثہ سے تعلق رکھتے تھے۔ سرزمین ہند میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شہید کیے گئے ③۔

## ۱۷۔ سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی

سعید بن اسلم بن زرعہ بن علس بن عمرو بن صعق، بنی ربیعہ بن کلاب سے تھے اور تابعی تھے۔ امام بخاری نے تاریخ الکبیر میں بتایا ہے کہ سعید بن اسلم نے اپنے موالی سے روایت کی جو بنی غفار سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ ان سے بکیر بن اشجع نے سماع روایت کی۔ ابن حبان نے ان کو تابعین میں شمار کیا

① العقد الثمین ص ۲۰۳۔ کتاب الکنی والاسماء ج ۲، ص ۸۸، ۸۹۔ تہذیب التہذیب ج ۳، ص ۳۶۶، ۳۶۷ ج ۱۲، ص ۲۰۷

② مکران۔ بضم الهمیم۔ اس زمانے میں یہ ہندوستان کا ایک شہر تھا۔

③ العقد الثمین۔ ص ۲۹، ۸۰، ۳۰۵۔

ہے۔ ابن ماکولا کا کہنا ہے کہ اسلم بن زرعہ خراسان کے والی تھے اور سعید بن اسلم سندھ کے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سعید بن اسلم مکران کے والی بھی رہے اور وہیں قتل کیے گئے ①۔

## ۱۸۔ سعید بن کندیر

سعید بن کندیر بن سعید قشیری، یہ بھی تابعین کی مقدس جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے حالات اس سے زیادہ نہیں ملے کہ ذی الحجہ ۳۵ھ (جون ۶۵۶ء) میں جب کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان عفان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے، یہ مکران کے امیر تھے اور مکران کا شمار اس زمانے میں بلاد ہند میں ہوتا تھا ②۔

## ش

## ۱۹۔ شمر بن عطیہ اسدی

شمر بن عطیہ بن عبدالرحمن اسدی، بنی مرہ بن حارث بن سعد بن ثعلبہ میں سے تھے۔ تابعین کی بلند مرتبت جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ ثقہ راوی تھے۔ ان کی روایت سے احادیث مروی ہیں جن میں سے ایک ابن اثیر میں ہے اور وہ یہ ہے۔

روی سفیان عن الاعمش عن شمر بن عطية عن رجل من جهينة او مزينة۔ قال جاءت وفود الذأب قريب من مائة ذيب حين صلى رسول صلى الله عليه وسلم فقال 'هذه وفود الذأب جاء تكم تسئلکم لتفرضوا قوت طعامکم و تأمنوا ماسوی ذلك۔ فشکوا اليه اعاجه فادبرن ولهن عواء۔

ایک یہ ہے۔

عن الاعمش عن شمر بن عطية عن ابي حازم۔ قال كان رسول الله عليه وسلم يوم بدر في الظل و اصحابه يقاتلون في الشمس فاتاه جبريل عليه السلام فقال انت في الظل و اصحابك يقاتلون في

① العقد الثمين ص ۱۳۴ تا ۱۳۶۔ جمہورۃ انساب العرب ص ۲۸۷۔ فتوح البلدان ص ۴۲۳۔ الاکمال ابن ماکولا ج ۶، ص ۹۵۔

نیز ملاحظہ ہو التاريخ الکبیر امام بخاری ج ۲ و کتاب الجرح والتعديل ج ۲ تاریخ الاکمال ج ۴ ص ۱۳۷۔ تاریخ ابن خلدون ج ۳ ص ۱۳۷۔

② تفصیل کے لیے دیکھیں العقد الثمين ص ۹۷-۹۸۔

الشمس فتحول الى الشمس۔

یہ پہلی صدی ہجری کے وہ بزرگ ہیں جو جہادِ سندھ کے لیے محمد بن قاسم کے ساتھ واردِ سندھ ہوئے اور جہاد میں شرکت کی۔ بعض اصحابِ تاریخ کے نزدیک ان کا نام شمر بن عطیہ اسدی نہیں ہے بلکہ بشر بن عطیہ اسدی ہے ①۔

## ع

### ۲۰۔ عباد بن زیاد بن ابوسفیان

عباد بن زیاد بن ابوسفیان تابعی تھے۔ انھوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کے دو بیٹوں سے روایت حدیث کی جن کے نام عروہ بن مغیرہ اور خمرہ بن مغیرہ ہیں۔ خود ان سے امام زہری اور مکحول ایسے اکابر محدثین نے روایت کی۔ عباد بن زیاد بختان کے راستے سے ۴۴ھ (۶۶۲ء) میں بلادِ ہند میں داخل ہوئے اور کچھ اور قندھار کے علاقوں میں غیر مسلموں سے جنگ کی۔ ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۵۳ھ (۶۷۳ء) میں بختان کا والی مقرر کیا تھا ②۔

### ۲۱۔ عبدالرحمن بن ابوزید بیلمانی

عبدالرحمن بن ابوزید بیلمانی ان لوگوں میں سے تھے جو خلافت عمر فاروق میں بطور خمس ان کے حصے میں آئے۔ عبدالمنعم بن ادریس کہتے ہیں کہ یہ اہل یمن سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی بخران میں آمد و رفت تھی۔ انھوں نے ولید بن عبدالملک کے عہد میں وفات پائی۔ صحابہ میں سے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو، عثمان بن عفان، سعید بن زید، معاویہ، عمرو بن اوس اور عمرو بن عبسہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے شرفِ روایت حاصل کیا۔ تابعین میں سے نافع بن جبیر بن مطعم اور عبدالرحمن اعرج سے روایت کی۔ خود ان سے ان کے بیٹے محمد بن عبدالرحمن کے سوا یزید بن طلق، ربیعہ بن ابوعبدالرحمن، خالد بن ابوعمران اور سماک بن فضل وغیرہ نے سماعِ روایت کی۔ ترمذی میں طوافِ وداع کے بارے میں ان سے روایت مروی ہے۔ نسائی میں عمرو بن عبسہ سے ان کے قبولِ اسلام کے متعلق واقعہ روایت کیا گیا ہے۔ ابن حبان نے ان کو ثقافت میں شمار کیا ہے اور دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے اور لکھا ہے۔ ضعیف لا تقوم بہ حجة۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ تھے اور بیلمانی

① تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ العقد الثمین۔ ص ۲۱۲، ۲۱۳۔ طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۱۰۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۵۵۔ فتوح

البلدان ص ۲۷۸۔

② العقد الثمین ص ۱۳۷۔

تھے ①۔ بیلمان بھیلمان کا معرب ہے جو سندھ گجرات، کاٹھیاواڑ اور مارواڑ کے درمیان ایک قصبہ تھا۔ یہ قصبہ جنید بن عبدالرحمن مری کی تگ و تاز سے ہشام بن عبدالملک کے عہد میں مفتوح ہوا ②۔

## ۲۲۔ عبدالرحمن بن عباس ہاشمی قرشی

عبدالرحمن بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم قرشی ہاشمی، تابعی تھے ان کی والدہ کا نام ام فراس تھا جو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ ۸۲ھ یا ۸۳ھ (۷۰۱ یا ۷۰۲ء) میں عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کے بعد سندھ آئے۔ انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع روایت کی۔ سندھ میں وفات پائی ③۔

## ۲۳۔ عبدالرحمن سندھی

عبدالرحمن سندھی تابعین میں سے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے تاریخ کبیر میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

عبدالرحمن السندی، سمع انسا۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کل ولا یتو ضامن اللحم ④۔

یعنی عبدالرحمن سندھی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کھانے کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔

ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

## ۲۴۔ عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کنڈی

عبدالرحمن بن محمد بن اشعث بن قیس بن معد یکرب، بنو معاویہ بن حارث بن معاویہ میں سے تھے اور تابعی تھے۔ ۸۰ھ (۶۹۹ء) میں ان کو حجاج بن یوسف نے سجستان، بست اور رنج کا گورنر مقرر کر کے بھیجا۔ وہاں انھوں نے غور اور رنج وغیرہ قبائل سے جنگ کی اور اسی زمانے میں ان ملوک ہند سے جہاد کیا جن کی سرحدیں اس علاقے سے ملتی تھیں۔ عبدالرحمن بن محمد بن اشعث بہادر دلیر اور مجاہد تابعی تھے ⑤۔

① طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۵۳۶۔ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۴۹ و ۱۵۰۔

② العقد الثمین ص ۲۸۶ تا ۲۸۸۔

③ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ تاریخ طبری ج ۶ ص ۳۷۳۔ تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۸۷۔ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۰۵۔ المعارف ابن قتیبہ ص ۵۶۔ جمہرة انساب العرب ص ۱۷۱ العقد الثمین ص ۱۶۲ تا ۱۶۶۔

④ تاریخ الکبیر۔ ج ۲ ص ۲۵۔

⑤ تفصیلات کے لیے دیکھیے جمہرة انساب العرب ص ۲۲۵۔ العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۹۰۔ مروج الذهب ج ۳ ص ۱۳۸ و

۱۳۹۔ الاغانی ج ۲ ص ۱۷۲۔ العقد الثمین ص ۱۶۱ تا ۱۶۲۔

## ۲۵۔ عمر بن عبید اللہ بن معمر قرشی تیمی

ابو حفص عمر بن عبید اللہ قرشی تیمی، تابعی تھے۔ عرب کے سخی اور متقی لوگوں میں سے تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں کابل کا علاقہ فتح کیا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو سجستان کا والی مقرر کیا، اس وقت اشراف عرب میں سے یہی عمر ابن عبید اللہ عبدالرحمن بن سمرہ کے ساتھ تھے۔ یہ جنگ لڑتے اور فتوحات حاصل کرتے ہوئے حدود کابل میں پہنچے تو حضرت عبدالرحمن بن سمرہ کو اس کی اطلاع ملی۔ وہ بہت خوش ہوئے اور ان کے پاس آئے۔ عمر بن عبید اللہ ضمیر کے مقام پر جو دمشق سے پندرہ میل کے فاصلے پر واقع ہے، حجاج بن یوسف کے ہاتھوں قتل ہوئے ①۔

## ق

## ۲۶۔ قطن بن مدرک کلابی

قطن بن مدرک کلابی تابعی تھے اور اموی حکمران ولید بن عبدالملک کے ولات و امرا میں سے تھے۔ اسد الغابہ کی روایت کے مطابق ۹۳ھ (۷۱۲) میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کی نماز جنازہ قطن بن مدرک کلابی نے پڑھائی۔ جہاد سندھ میں یہ محمد بن قاسم کے ساتھ تھے۔ محمد بن قاسم جب سندھ کے محاذ پر مصروف جہاد تھے تو حجاج بن یوسف نے ان کے نام ایک مکتوب روانہ کیا تھا، جس میں قطن بن مدرک کلابی کی بہت تعریف کی تھی اور لکھا تھا کہ ان پر پورا اعتماد کیا جائے۔ یہ صادق القول اور وفادار شخص ہیں، ہمارے نزدیک قابل احترام ہیں اور خیانت و بددیانتی سے ان کا دامن ہمیشہ پاک رہا ہے۔ حجاج نے سلیمان بن عبدالملک اور ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں ان کو بحرین اور کوفہ کا والی مقرر کیا تھا ②۔

## ۲۷۔ قیس بن ثعلبہ

قیس بن ثعلبہ تابعین کی پاک باز جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ کفار ہند سے جہاد کے لیے محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے اور دیہل کے محاذ پر شریک جنگ ہوئے۔ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے عبداللہ بن مسعود سے یہ حدیث روایت کی۔

روی عن ابن مسعود کنا نسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلوۃ ③۔

① تفصیلات کے لیے دیکھیے، العقد الثمین ص ۱۲۲ تا ۱۲۳

② العقد الثمین ص ۲۱۱، ۲۱۲۔ اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۲۹

③ العقد الثمین ص ۱۲۰۔ لسان المیزان ج ۳ ص ۲۷۷۔

ک

## ۲۸۔ کرز بن ابی کرز عبدی حارثی کوفی

کرز بن ابو کرز تبع تابعین میں سے ہیں۔ ان کے والد ابو کرز کا نام وبرہ تھا۔ یہ خاندان بنو عبد القیس سے تھے جو قبیلہ بنو حارث کی ایک شاخ تھا۔ کرز بن ابو کرز نے نعیم بن ابی ہند سے روایت کی اور خود ان سے امام سفیان ثوری، ابن شبرمہ، عبید اللہ و صانی، فضیل بن غزوان اور دو قان عمر نے روایت کی۔ حافظ ذہبی ان کو تابعی اور حافظ ابن حجر تبع تابعی قرار دیتے ہیں۔ ابن جوزی کہتے ہیں یہ کوفہ کے تابعین میں سے ہیں اور طبقہ رابعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابن حبان نے ان کو ثقافت میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ عباد میں سے تھے۔ قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرتے تھے نہایت عابد و زاہد تھے۔ ہندوستان سے ان کا یہ تعلق تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام حکومت ۴۵ھ (۶۶۵ء) میں قلات کی طرف جو مہم روانہ کی گئی تھی اس میں شامل تھے۔ اس میں ان کو فتح حاصل ہوئی جب واپس آئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو پھر قلات بھیج دیا تھا ①۔

## ۲۹۔ کہمس بن حسن قیسی بصری

ابو الحسن کہمس بن حسن قیسی تمیمی یا تمری بصری تابعی تھے۔ انھوں نے محمد بن قاسم کی معیت میں سندھ پر حملہ کیا۔ عابد و زاہد تھے۔ ابن سعد نے ان کو طبقہ رابعہ کے بصری فقہاء و محدثین اور تابعین میں سے گردانا ہے۔ ثقہ راوی حدیث تھے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں ان کا ذکر کیا ہے۔ عبد اللہ بن بریدہ، عبد اللہ بن شقیق اور عباس جریری سے احادیث سنیں۔ ان سے معاذ بن معاذ، خالد بن حارث، نصر بن شمیل، مقری اور وکیع بن جراح نے روایت کی۔ یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ یہ اس لشکر میں شامل تھے جس نے ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ پر حملہ کیا اور راجہ داہر سے جنگ لڑی ②۔

م

## ۳۰۔ مجاہد بن سعر تمیمی

مجاہد بن سعر تمیمی ③ اور ان کے بھائی قاسم بن سعر تمیمی عرب کے اشراف و اعیان میں سے تھے۔

① تفصیلات کے لیے دیکھیے۔ العقد الثمین ص ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۰، ۳۰۵ تا ۳۰۷ بحوالہ جمہرۃ انساب العرب ص ۲۹۵۔ تاریخ الکبیر ج ۲ ص ۲۲۸۔ الاصابہ ج ۳ ص ۳۲۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۱۔ الاسماء والکنی ص ۹۲۔

② تفصیلات کے لیے دیکھیے العقد الثمین ص ۱۸۵ تا ۱۸۸ بحوالہ طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۷۰۔ کتاب الکنی والاسما ج ۱ ص ۱۲۸ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۵۰، ۲۵۱۔

③ بکسر السین۔ العقد الثمین ص ۵۶۔ بحوالہ الاکمال ابن ماکولا



مجامع تابعی تھے اور بلند ہمت شخص تھے۔ کئی جنگوں میں شریک ہوئے۔ سندھ اور عمان کے والی مقرر ہوئے۔ اصحاب علی رضی اللہ عنہ میں سے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انھوں نے روایت بھی کی۔ جنگِ مکران میں شامل ہوئے اور وہاں کے والی مقرر کیے گئے۔ وفات بھی وہیں ہوئی ①۔

## ۳۱۔ ابوالیمان معالی بن راشد نبال ہذلی بصری

ابوالیمان معالی بن راشد نبال ہذلی بصری سنان بن سلمہ کے مولیٰ تھے اور تبع تابعی تھے۔ اپنی دادی ام عاصم، میمون بن سیاہ، حسن بصری اور زیاد بن میمون ثقفی سے سماع حدیث کی اور خود ان سے یزید بن ہارون، عبداللہ بن صالح عجل، روح بن عبدالمومن، ابوبشر بن بکر بن خلف، نصر بن علی جہضمی، نعیم بن حماد، مسلم بن ابراہیم، معالی بن اسد، حفص بن عبداللہ جعدی، ابراہیم بن موسیٰ اور احمد بن عبید اللہ بن صخر غدائی نے روایت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ کھانے کا برتن صاف کرنے کی حدیث ان سے مروی ہے جو یہ اپنی دادی ام عاصم سے بواسطہ ہذیل ایک شخص نیشہ الخیر سے روایت کرتے ہیں۔ حدیث مع سند کے یہ ہے:

قال ابن سعد، اخبرنا عفان بن مسلم، قال حدثني المعلى ابن راشد الهذلي قال حدثني جدتي ام عاصم عن رجل من هذيل يقال له نيشة الخير قالت دخل علينا نيشة ونحن ناكل في قصعة فقال لنا حدثنا النبي صلى الله عليه وسلم، انه من اكل في قصعة ثم لحسها استغفرت له۔

ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور نسائی نے ان کے بارے میں لیس بہ باس کہا ہے۔ ۵۰ھ میں جب زیاد نے سنان بن سلمہ بن محقق کو سرحداتِ ہند کے مفتوحہ علاقوں کا والی مقرر کر کے بھیجا تو یہ اس جماعت میں شامل تھے جو اس وقت سنان بن سلمہ کے ساتھ تھی۔ انھوں نے سنان بن سلمہ کے زیرِ کمان جنگِ قلات میں شرکت کی۔ اس سلسلے میں خود ابوالیمان کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

قال غزونا مع سنان القيقان، فجاءنا قوم كثير من العدد، فقال سنان ابشروا فانتم بين خضلتين الجنة والغنيمة، ثم اخذ سبعة احجار، وواقف القوم، قال اذارا يتموني قد حملت فاحملوا، فلما صارت الشمس في كبد السماء رمى بحجر في وجوه القوم و كبر، ثم رمى بها حجرا حجرا حتى بقي السابع، فلما زالت الشمس عن كبد السماء رمى بالسابع، ثم قال حم لا ينصرون، كبر و حمل و حملنا

① تفصیل کے لیے دیکھیے العقد الثمین ص ۱۵۵، ۱۵۶

معہ، فمنحونا اکتافہم، فقتلنا ہم اربعة فراسخ، فاتینا قوما متحصنین فی قلعة فقالوا واللہ ما انتم قتلتمونا، ولا قتلنا الا رجال مانرہم معکم الان، علی خیل بلق، علیہم عمائم بیض، فقلنا، ذلک نصر اللہ، فرجعنا۔ واللہ۔ ما اصاب منا الا رجل واحد، فقلنا لسان، واقفت القوم حتی اذا زالت الشمس واقعتہم؟ قال، کذلک کان یصنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ①۔

یعنی ابو الیمان کہتے ہیں، ہم سنان کے زیر کمان قلات کے محاذِ جنگ پر آئے تو ہمارے سامنے دشمن کی بہت بڑی فوج کھڑی تھی۔ سنان نے ہم سے کہا تم خوش رہو۔ تمہیں دو چیزوں میں سے ایک ملنے والی ہے۔ جنت یا غنیمت۔ پھر انہوں نے سات پتھر اٹھائے اور قوم کو روک لیا۔ کہا، جب تم دیکھو کہ میں نے حملہ کر دیا ہے تو تم بھی حملہ کر دو۔ پھر جب آفتاب آسمان کی اوٹ میں آیا تو انہوں نے دشمن کی طرف ایک پتھر پھینکا اور اللہ اکبر کہا۔ پھر ایک ایک پتھر پھینکتے گئے۔ یہاں تک کہ ساتواں پتھر باقی رہ گیا۔ جب آفتاب ڈھل گیا تو ساتواں پتھر بھی پھینک دیا اور کہا حم لا ینصرون اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور ساتھ ہی حملہ کر دیا، ہم نے بھی حملہ کر دیا۔ دشمن کی فوج نے اپنے کندھے ہم کو دے دیے۔ یعنی ہمارے آگے بھاگ کھڑی ہوئی اور ہم چار فرسخ تک اس کو قتل کرتے گئے۔ اس طرح دشمن کے پیچھے چلتے چلتے ہم ایک قلعہ بند فوج کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے ہم سے کہا۔ خدا کی قسم، تم نے ہم کو قتل نہیں کیا، جن لوگوں نے ہم کو قتل کیا ہے ان میں سے تو اب ایک بھی تم میں ہم کو دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ وہ تو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور سفید عمائے باندھے ہوئے تھے۔ ہم نے کہا یہ اللہ کی نصرت ہے۔ ہم نے واپس آ کر سنان سے پوچھا، آپ نے قوم کو روک لیا اور آفتاب ڈھلا تو اس پر حملہ آور ہوئے، اس کی کیا وجہ ہے؟ کہا رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔

## ۳۲۔ موسیٰ سیلانی

موسیٰ سیلانی تابعی تھے اور سندھ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ مقدمہ ابن الصلاح کے ”بیان معرفۃ الصحابہ“ میں بتایا گیا ہے کہ ہم نے شعبہ سے روایت کی اور شعبہ نے موسیٰ سیلانی سے کی اور ان کی تعریف فرمائی۔ وہ روایت یہ ہے کہ موسیٰ سیلانی نے حضرت انس سے ملاقات کی۔ الفاظ یہ ہیں:

لقت انس بن مالك فقلت هل بقى من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم احد غيرك؟ فقال بقى ناس من الاعراب قدراوه امامن صحبه فلا۔

(موسیٰ سیلانی کہتے ہیں) میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے پوچھا کیا آپ کے سوا اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کوئی اور باقی ہے؟ فرمایا چند ایسے اعراب باقی ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو ہے مگر انہیں آپ ﷺ سے شرفِ صحبت حاصل نہیں ہے۔

اسنادہ جید، حدیث بہ مسلم بحضرة ابی زرعة و ذکرہ ابن ابی حاتم الرازی و ابن الاثیر الجزری و وثقہ یحییٰ بن معین ①۔

### ۳۳۔ موسیٰ بن یعقوب ثقفی

موسیٰ بن یعقوب بن محمد بن شیبان بن عثمان ثقفی، مشہور عربی نژاد فقیہ تھے جو محمد بن قاسم کے زمانے میں سندھ میں سکونت گزین ہو گئے تھے۔ عرب کے اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جس سے فاتح سندھ محمد بن قاسم کا تعلق تھا۔ حدیث و فقہ میں ماہر تھے۔ اسی بنا پر محمد بن قاسم نے ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں ان کو شہر ارور کی مسند قضا و خطابت پر فائز کر دیا تھا۔ یہ پورے سندھ کے قاضی القضاة بھی رہے۔ محمد بن قاسم نے ان کو ارور کے قاضی اور احف بن قیس کے نواسے رواج بن اسد کو وہاں کے والی مقرر کیا اور رعیت سے حسن سلوک اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید کی۔ اس ضمن میں سچ نامہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

چوں محمد بن قاسم اہل دار الملک ارور را تحت اقتدار و مطاوعت خود آورده و ہمکنای مطیع و مامور گشتند رواج بن اسد از نو اسگان احف بن قیس را بہ ایالت ارور نصب کرد و امور شرعی و مہم دار قضا و خطابہ بصدر الامام الاجل العالم برہان المملیۃ والدین سیف السنۃ و نجم الشریعۃ موسیٰ بن یعقوب بن طائی بن محمد بن شیبان بن عثمان ثقفی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بازگذاشت و فرمود بار عایار استمالت واجب بیند و فرمان یامرون بالمعروف وینہون عن المنکر، مہمل نماند و ہر دورا بر عایت خلق و رعیت وصیت کرد و مثال مطلق داد ②۔

یعنی جب محمد بن قاسم نے دارالسلطنت ارور کو اپنے تحت اقتدار اور زیر نگین کر لیا اور سب لوگ اس کے مطیع و فرمان بردار ہو گئے تو رواج بن اسد کو جو احف بن قیس کے نواسوں

① مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۴۶۔ العقد الثمین ص ۲۸۶

② سچ نامہ ص ۲۲۵

میں سے تھے اس کا گورنر مقرر کیا۔ اور امور شرعیہ معاملات دارالقضا اور منصب خطابت کو صدر الامام الاجل العالم برہان المملۃ والدین سیف السنۃ ونجم الشریعۃ موسیٰ بن یعقوب بن طائی بن محمد بن شیبان بن عثمان ثقفی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ رعایا کی دل جوئی کو اپنے اوپر لازم قرار دیں اور ساتھ ہی کہا کہ فرمان خداوندی کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں۔ پھر دونوں کو عوام اور رعایا سے رعایت کرنے کی تاکید کر کے سند خود مختاری عطا کی۔

موسیٰ بن یعقوب ثقفی کا خاندان علمی و فقہی اعتبار سے دیار ہند کا مشہور خاندان تھا اور ان کے اخلاف کو ہر دور میں عزت و احترام کے مستحق گردانا جاتا تھا۔ یہ خاندان سلطان شمس الدین ایلتمش متوفی ۶۳۳ھ (۱۲۳۶ء) کے عہد تک موجود تھا۔

کمال الدین اسماعیل بن علی بن محمد ثقفی ایک بہت بڑے عالم تھے جو اسی خاندان کے فرد تھے اور ۶۱۳ھ (۱۲۱۶ء) میں شہر ارور کے عہدہ قضا پر فائز تھے۔ سچ نامہ عربی زبان میں ان ہی کے بزرگوں میں سے کسی اہل علم کی تصنیف تھی جس کو بعد میں ابن علی کوفی نے فارسی زبان میں منتقل کیا ①۔

اس خاندان کے ہر بزرگ کو صدر الامام الاجل بدر المملۃ والدین صدر السنۃ ونجم الشریعہ کے پراعزاز القاب سے ملقب کیا گیا ②۔

## ۳۴۔ مولائے اسلام دیہلی

محمد بن قاسم ۹۳ھ میں ساحل سندھ پر اترے اور ان سے ملتے ہی سندھ کے جو لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے ان میں ایک شخص مولائے اسلام تھا جن کو تاریخ میں ”مولائے اسلامی“ ”مولائے دیہلی“ اور ”مولائے اسلام دیہلی“ ③ کے مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ محمد بن قاسم کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ نہایت فہیم و فریس تھے۔ معلوم ہوتا ہے یہ پہلے سے پڑھے لکھے تھے اور راجا داہر کے سرکاری حلقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اسلامی تعلیم بھی انہوں نے جلد حاصل کر لی تھی جس کی وجہ سے محمد بن قاسم کے نزدیک قابل اعتماد سمجھے جانے لگے۔ عربی زبان پر بھی تھوڑے عرصے میں عبور حاصل کر لیا تھا۔ سچ نامہ کی روایت کے مطابق جب محمد بن قاسم نے وادی سندھ میں قدم رکھا اور حالات کا جائزہ لیا تو اپنے ایک شامی مشیر کو قاصد کی حیثیت سے داہر کے پاس بھیجا اور بطور ترجمان مولائے اسلامی کو ان کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ داہر کے دربار میں پہنچے تو

① تاریخ سندھ۔ از سید ابو ظفر ندوی ص ۳۵۶

② نزہۃ الخواطر ج اول ص ۴۳

③ دیہلی اسی جگہ آباد تھا جہاں آج کل ٹھٹھہ ہے۔ (تاریخ فرشتہ (اردو ترجمہ) ج ۲ ص ۴۹۸۔)

مروجہ درباری آداب بجالائے اور راجا کو سر جھکا کر سلام کیے بغیر بیٹھ گئے۔

داہر مولائے اسلامی کو جانتا تھا، لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ لہذا اس نے سلام و کورنش کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وضاحت طلب کرتے ہوئے پوچھا:

چرا برقرار قانون خدمت را اقامت نمودی، مگر ترا منع و زجر کرده اند؟  
تم نے درباری آداب و قواعد کی شرط پوری کیوں نہیں کی؟ شاید تمہیں اس سے روک دیا گیا ہے؟

مولائی جواب گفت: من آن وقت در کیش شما بودم، واجب بودی بر من تا شرط عبودیت بجا آوردم۔ و اکنون بجز اسلام شرف گشته ام و تعلق ما بہ پادشاہ اسلام شد، شرط نباشد کہ پیش کافر سرفرو دارم۔

مولائے اسلامی نے جواب دیا: جب میں آپ کے مذہب میں داخل تھا، اس وقت درباری نوعیت کی بندگی و نیاز مندی کے قواعد پر عمل کرنا میرے لیے ضروری تھا، لیکن اب کہ میں شرف اسلام سے مشرف ہو گیا ہوں اور میرا تعلق بادشاہ اسلام سے قائم ہو چکا ہے، مجھ پر کافر کے آگے سر جھکانا واجب نہیں رہا۔

داہر ان سے اس انداز گفتگو کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ اس نے نہایت خفگی کے عالم میں مولائے اسلامی سے کہا۔

اگر تو رسول نہ بودی ترا سیاست فرمودم تا ترا بعقوبت بکشندی۔  
اگر تو قاصد نہ ہوتا تو میں تجھے اس قدر سزا دیتا کہ تو موت کے گھاٹ اتر جاتا۔

مولائے اسلامی نے جواب دیا۔

اگر اتفاق تو برکشتن ماست، عرب رازیانی نباشد بجہت باز طلب خون ما انصاف ستانان ہستند بمطالبت تو کفاف باشند ①۔

اگر تو مجھے قتل بھی کرادے تو اس سے عربوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میرے خون کا انتقام لینے والے موجود ہیں جن کا ہاتھ تیرے دامن تک ہر حال میں پہنچ کر رہے گا۔

ی

۳۵۔ یزید بن ابوکبشہ سکسکی

یزید بن ابوکبشہ بن یسار۔ یزید کے والد ابوکبشہ کا نام جبریل تھا۔ یہ تابعی تھے۔ ان کو ولید بن عبد الملک نے حجاج بن یوسف کی وفات کے بعد بصرہ کے والی مقرر کر دیا تھا۔ انھوں نے اپنے باپ ابوکبشہ اور

مروان بن حکم سے بھی روایت کی اور حضرت شریح بن حبیل بن اوس، ابوالدرداء اور بعض دیگر صحابہ سے بھی شرفِ روایت حاصل کیا۔ خود ان سے ابو بشر، حکم بن عتبہ، علی بن اقرم، معاویہ بن قرہ اور ابراہیم بن عبدالرحمن سکسکی روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کان عریف السکاسک کہ یہ سکسکیوں کے امیر اور سرکردہ آدمی تھے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ سفر میں روزہ رکھنے کے قائل تھے۔ فکان یزید بن ابی کبشہ یصوم فی السفر۔ حجاج کے زمانے میں امیر جنگ کے عہدے پر فائز رہے۔ ان کی روایت سے احادیث بھی مروی ہیں جن میں ایک مستدرک حاکم میں بطریق ابی بشر روایت کی گئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

سمعت یزید بن ابی کبشہ یخطب بالشام، یقول، سمعت رجلاً من اصحاب رسول، یحدث عبدالملک بن مروان، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال اذا شرب الخمر فاجلدوه۔

یعنی ابوالبشر کہتے ہیں میں نے شام میں یزید بن ابوکبشہ سے خطبہ دیتے ہوئے یہ الفاظ سنے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک صحابی سے سنا ہے ①۔ وہ عبدالملک بن مروان کو بتا رہے تھے کہ کوئی شراب نوشی کرے تو اس کو کوڑے لگاؤ۔

ایک روایت یزید بن ابی کبشہ عن ابی الدرداء امام محمد بن حسن کی کتاب الآثار میں بھی درج ہے۔ انھوں نے سندھ میں آنے کے اٹھارہ دن بعد ۹۶ھ (۷۱۵ء) میں وفات پائی ②۔

## ۳۶۔ یزید بن مفرغ حمیری

ابوعثمان یزید بن زیاد بن ربیعہ بن مفرغ حمیری تابعی تھے اور شاعر تھے۔ انھوں نے عبید اللہ بن زیاد اور ان کے بیٹوں کی ہجو کی تھی جس کے نتیجے میں ان کو علاقہ بدر کر دیا گیا تھا۔ کچھ عرصہ قید میں بھی رہے۔ صابرو قانع تھے۔ جس زمانے میں عباد بن زیاد نے ارض ہند اور قندھار میں جنگ لڑی یہ ایک فوجی کی حیثیت سے ان کے ساتھ تھے ③۔

① امام حاکم ابوعلی نیشاپوری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ صحابی شریح بن اوس ہیں۔

② تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ العقد الثمین۔ ص ۲۲۸ تا ۲۳۰۔ جمہورۃ انساب العرب ص ۳۳۲۔ تہذیب العہد ص ۱۱ ص

۲۵۵۔ تاریخ ابن خلدون ج ۳۔ ص ۷۱۔ کتاب المعارف۔ ص ۱۵۸، ۱۵۷۔

③ وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۲۲۔ فتوح البلدان ص ۲۲۲۔ العقد الثمین ص ۱۳۷، ۱۳۸۔

## دوسری صدی ہجری

### الف

#### ۱۔ ابو عیینہ بن مہلب ازدی

ابو عیینہ بن مہلب ازدی تبع تابعی تھے۔ اعمش سے روایت حدیث کرتے ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے محمد بن عیینہ نے روایت کی جو شاعر بھی تھے۔ علاوہ ازیں عباس عنبری بھی ان سے راوی ہیں۔ یہ سندھ میں اقامت گزریں تھے۔ یہ تیرہ آدمی تھے جو قذائیل سے قید کر کے یزید بن عبد الملک کے سامنے پیش کیے گئے اور اس کے حکم سے ان سب کو قتل کر دیا گیا۔ یہ تمام لوگ مہلب کی اولاد میں سے تھے ①۔

#### ۲۔ اسرائیل بن موسیٰ بصری

اسرائیل بن موسیٰ بصری کو ان کی کنیت سے بھی پکارا جاتا ہے جو ابو موسیٰ ہے۔ یہ تبع تابعین کی خوش بخت جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ دراصل بصرہ کے باشندے تھے مگر ہند میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ حضرت حسن بصری، ابو حازم اشجعی، محمد بن سیرین اور وہب بن منبہ ایسے اکابر تابعین سے روایت حدیث کی جنہوں نے براہ راست صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ خود اسرائیل بن موسیٰ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں بعض عظیم القدر حضرات شامل ہیں جن میں مشہور محدث سفیان ثوری، ابن عیینہ، یحییٰ بن سعید قطان اور حسین بن علی جعفی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

ابن حبان نے ان کو ثقافت میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ دیار ہند میں بضمن سفر تجارت آمدورفت رکھتے تھے۔ کان یسافر الی الہند۔

صحیح بخاری میں ان کے سلسلہ روایت سے ایک حدیث مروی ہے جو چار مقامات پر درج ہے۔ ولہ

① العقد الثمین ص ۲۴۶۔ لسان المیزان ج ۵ ص ۲۷۷، ۲۷۸۔ وفيات الاعیان ج ۳ ص ۴۲۱۔ الاکمال ج ۶ ص ۱۲۵۔ فتوح البلدان ص ۲۵۴

فی صحیح البخاری فرد حدیث مکرر فی اربعة مواضع۔  
ابوحاتم اور یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ یحییٰ بن معین ان کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اسرائیل صاحب الحسن ثقہ۔

یعنی امام حسن بصری کے شاگرد اسرائیل بن موسیٰ ثقہ راوی ہیں۔  
ابوحاتم نے ان سے متعلق لا بأس بہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

اسی طرح امام نسائی کا فرمان ہے۔ لیس بہ باس۔

لیکن امام ازدی کا نقطہ نظر ان کے بارے میں ان محدثین سے مختلف ہے۔ وہ ان کو ”لین“ یعنی روایت میں کمزور قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ وہ اسرائیل بن موسیٰ نہیں ہیں جنہوں نے وہب بن منبہ سے روایت کی اور جو امام سفیان ثوری کے استاد ہیں بلکہ وہ ایک یمانی شیخ تھے۔

سمعیانی الانساب میں ان کے انتساب الی الہندی سے متعلق رقم طراز ہیں:

ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ الہندی بصری کان یزول الہند فنسب الیہا۔

یعنی ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ ہندی دراصل بصرہ کے باشندے تھے چونکہ سفر تجارت کے سلسلے میں ان کا ہندوستان آنا جانا تھا لہذا ہندی کہلائے۔ یہ محدثین کے طبقہ سادسہ سے تعلق رکھتے تھے ①۔

بہر حال صورت واقعہ خواہ کچھ بھی ہو حقیقتاً یہ بصری ہوں یا ہندی خطہ ہند سے ان کا گہرا تعلق تھا اور سکونت کے اعتبار سے ”ہندی“ مشہور تھے اور پاک و ہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ اتنے بڑے محدث و فقیہ اس قطعہ ارض سے کسی نہ کسی صورت میں منسلک تھے۔

### ۳۔ اسماعیل بن ابراہیم قیقانی

اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم قیقانی بصری۔ یہ درحقیقت قلات کے رہنے والے تھے۔ کوفہ کے قبیلہ اسد خزیمہ کے ایک شخص عبدالرحمن بن قطبہ اسدی کے مولیٰ تھے۔ قلات کا علاقہ پہلی مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حارث بن مرہ عبیدی کے زیر کمان فتح ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اسماعیل بن ابراہیم وہاں کے قیدیوں کے ساتھ عراق پہنچے اور پھر وہیں رہائش اختیار کر لی۔ ان کی کنیت ابو بشر تھی۔ علم حدیث میں ثقہ ثبت اور حجت

① الانساب سمعیانی ورق ۵۹۳ زیر لفظ الہندی۔ تہذیب الہندی ج ۱ ص ۲۶۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۳۔



تھے۔ اپنی قابلیت اور علمی فوقیت کی بنا پر بصرہ کے محکمہ صدقات کے مہتمم مقرر ہوئے۔ ہارون الرشید کے عہد آخر میں بغداد منتقل ہو گئے تھے۔ وہاں انھوں نے اور ان کے بیٹے ابراہیم نے رہائش کے لیے ایک مکان بھی خریدا۔ سہ شنبہ کے روز ۱۲۔ ذی القعدہ ۱۹۳ھ (۲۷ اگست ۸۰۹ء) کو بغداد میں فوت ہوئے اور دوسرے روز چہار شنبہ کو عبداللہ بن مبارک کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔ ان کی وفات کے دن مشہور محدث و کعب بن جراح بھی بغداد میں موجود تھے۔ نماز جنازہ ان کے بیٹے ابراہیم بن اسماعیل نے پڑھائی ①۔

## ج

### ۴۔ جنید بن عمرو عدوانی مکی

جنید بن عمرو عدوانی مکی مقری آل زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام تھے۔ تبع تابعین میں سے تھے اور ان کو اہل مکہ کے قاری ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ انھوں نے مجاہد سے پڑھا۔ مکہ مکرمہ میں ان سے اور عبداللہ بن کثیر سے بڑھ کر کوئی قاری نہ تھا۔ فتح سندھ کے زمانے میں محمد بن قاسم ساوندری کے مقام پر پہنچے تو ہراور میں قیام کیا۔ وہاں سے فوج کے ایک دستے کو جنید بن عمرو کی سرکردگی میں بھرگ (یا بہرائچ) روانہ کیا ②۔

## ح

### ۵۔ حکم بن عوانہ بن عیاض کلبی

حکم بن عوانہ بن عیاض بن وزر بن عبدالحارث تابعی تھے اور بنو کلب بن وبرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے دو مرتبہ سرزمین ہند میں علم جہاد بلند کیا۔ ایک مرتبہ محمد بن قاسم کی معیت میں شریک جہاد ہوئے اور کئی شہروں کو فتح کر کے ان پر اسلامی پرچم لہرایا۔ دوسری مرتبہ تمیم بن زید قیسی کے بعد ہشام بن عبدالملک کے دور حکومت میں والی سندھ بن کر آئے۔ اس مرتبہ بھی کفار ہند کے ساتھ معرکہ آرا ہوئے اور کامیابی حاصل کی۔ درود سندھ سے قبل یہ ہشام کی طرف سے خراسان کے والی بھی مقرر ہوئے تھے۔ سندھ ہی میں ۱۲۲ھ (۷۴۰ء) کو قتل کیے گئے ③۔

① العقد الثمین ص ۲۹۵

② العقد الثمین ص ۲۱۳

③ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: العقد الثمین ص ۱۹۹ تا ۲۰۱۔ جمہورۃ انساب العرب ص ۲۵۹۔ تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۸۶۔ فتوح البلدان ص ۴۳۰۔ لسان المیزان ج ۴ ص ۳۶۸۔ تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۴ ص ۲۲۲۔

## ۶۔ ربیع بن صبیح سعدی بصری

ان کی کنیت ابو بکر اور ایک روایت کے مطابق ابو حفص تھی۔ باشندگان بصرہ میں سے تھے اس لیے بصری مشہور ہوئے اور بنو سعد بن زید مناة بن تمیم کے مولیٰ تھے اس لیے سعدی کہلائے۔ جلیل القدر تابعی تھے۔ حضرت حسن بصری، حمید الطویل، یزید رقاشی، ابوالزبیر ثابت بنانی اور مجاہد بن جبر وغیرہ عظیم المرتبت حضرات کے شاگرد تھے۔ خود ان کے شاگردوں میں سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، کعب، عاصم بن علی اور ابن مہدی ایسے اعاظم رجال کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر نے محدثانہ نقطہ نظر سے ان کے بارے میں مختلف محدثین کی آرا تفصیل سے بیان کی ہیں جن کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں۔ بصرہ کے بہت بڑے عالم عابد و زاہد اور قائم اللیل تھے۔ یہ وہ تابعی ہیں جنہوں نے باقاعدہ جہاد میں حصہ لیا اور مجاہدین عرب کے ساتھ سرزمین ہند میں داخل ہوئے۔ محمد بن اسمثیٰ وغیرہ کے بقول ۱۶۰ھ (۷۷۷ء) میں علاقہ سندھ میں وفات پائی۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق جہاد کی غرض سے بحری راستے سے عازم سندھ ہوئے۔ سمندر ہی میں وفات پائی اور جزائر ہند کے ایک جزیرے میں دفن کیے گئے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بصرہ میں کوئی کتاب تصنیف کی۔ اول من صنف بالبصرة ①۔

ان کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ ۱۵۹ھ (۷۷۶ء) میں عرب تاجروں کو اہل گجرات سے کوئی شکایت پیدا ہوئی۔ ان کے ازالے کے لیے عباسی خلیفہ مہدی نے عبدالملک بن شہاب مسمعی کے زیرکمان ایک بحری بیڑا روانہ کیا جو ۱۶۰ھ (۷۷۷ء) میں بھاڑ بھوت پہنچا جو بھڑوچ سے سات میل کے فاصلے پر بجانب مغرب ایک کچی بندرگاہ تھی اور جہاں جہاز سمندر کے مدوجزر کے ساتھ آتے جاتے تھے۔ زمین پر قدم رکھتے ہی اسلامی فوج نے حملہ کر دیا۔ ان فوجیوں میں بہت سے رضا کار بھی تھے جن کے سالار ابو بکر ربیع بن صبیح سعدی بصری تھے جن کی ایک کنیت ابو حفص تھی۔ ان کو تابعی ہونے کا فخر حاصل تھا۔ انہوں نے اسلامی فوج کے سامنے جہاد کے موضوع پر زبردست تقریر کی اور اسے جہاد کے لیے جوش دلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب مسلمانوں نے حملہ کر دیا اور مخالفین اسلام اسلامی فوج کے پر جوش حملوں کو روک نہ سکے۔

حملے کی تاب نہ لا کر باشندگان گجرات شہر میں چلے گئے اور پھاٹک بند کر لیا۔ اسلامی فوج نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے نے طول پکڑا تو لوگ تنگ آ گئے۔ آخر ایک دن عرب فوج شہر میں داخل ہو گئی اور شہر فتح کر لیا گیا۔ لوگ بھاگ کر بدھوں کے ایک عبادت خانے میں داخل ہو گئے۔ عربوں کو اس عبادت خانے پر قلعے کا شبہ گزرا اور انہوں نے اس کو گھیرے میں لے لیا اور جلد فتح کرنے کے لیے آتش گیر مادہ پھینکا جس سے عبادت خانے میں آگ بھڑک اٹھی۔ کچھ لوگ جل کر مر گئے باقی گھبراہٹ کے عالم میں باہر نکلے جو تہ تیغ کر

دیے گئے۔ اس جنگ میں انتیس عرب مسلمان بھی شہید ہو گئے۔ اتفاق سے یہ وہ دن تھے جب وہاں ایک میلہ لگتا تھا، جس میں قرب و جوار سے کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوتے تھے، چونکہ میلے میں شامل ہونے والوں کا بہت بڑا ازدحام تھا اور ساتھ ہی آتش گیر مادے کا اثر فضا میں پھیلا ہوا تھا، اس لیے شہر میں وبا پھوٹ پڑی، جس سے ایک ہزار مسلمان سپاہی بھی شہید ہو گئے۔ ان ہی میں ابو بکر ربیع بن صبیح سعدی بصری بھی تھے ❶ جو عظیم تابعی، محدث اور فقیہ تھے اور جن کا تعلق سرزمین سندھ یا ہند سے تھا۔

ع

## ۷۔ عبدالرحمن بن عمرو اوزاعی

حافظ الحدیث ابو عمرو عبدالرحمن بن عمرو بن محمد دمشقی تبع تابعی تھے۔ ۸۸ھ (۷۰۷ء) میں پیدا ہوئے اور عطاء بن ابی رباح، قاسم بن خمیرہ شداد بن ابی عمار ربیعہ بن زید زہری، محمد بن ابراہیم تیمی، یحییٰ بن ابی کثیر اور بہت سے محدثین سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ امام محمد بن سیرین کی خدمت میں گئے تو وہ بسترِ مرض پر دراز تھے۔ ایک قول کے مطابق ان سے سماع حدیث کیا۔ خود امام اوزاعی سے ائمہ حدیث میں سے عبداللہ بن مبارک، شعبہ، ولید بن مسلم، ہنقل بن زیاد، یحییٰ بن حمزہ، یحییٰ قطان، ابو عاصم، ابوالمغیرہ، محمد بن یوسف فریابی اور خلق کثیر نے روایت و سماعت کی۔ آخر عمر میں بیروت چلے گئے تھے، پھر وہیں فوت ہوئے۔ ان کو ”امام الہند و الشام“ کہا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ اسیرانِ سندھ میں سے تھے۔ تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی کی وضاحت کے مطابق کان من سبی السند۔

ان کے حالات و واقعات تاریخ و رجال کی تمام کتابوں میں تفصیل سے مرقوم ہیں۔ ابو زرعد دمشقی کہتے ہیں کہ انھوں نے آمدنی کا ذریعہ کتابت و ترسل ٹھہرایا تھا اور اس میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ بعلبک میں پیدا ہوئے۔ والد وفات پا گئے تھے۔ ماں کی گود میں یتیمی کے عالم میں پرورش پائی، لیکن اس درجہ بلند مرتبے پر پہنچے کہ ملوک و سلاطین، علم و ادب کے لیے اپنے بچوں کو ان کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ ضرورت سے زائد بات زبان سے نہ نکالتے۔ بہت بڑے مجتہد عالم حدیث اور فقیہ تھے۔ ان کے ہم عصر بعض ائمہ نے ان کو اپنے دور کے ”عالم الامت“ قرار دیا ہے۔ حکم کہتے ہیں اوزاعی اپنے عصر کے عموماً اور اہل شام کے خصوصاً امام تھے۔ ابواسحاق خزازی کہتے ہیں کہ امام اوزاعی فرمایا کرتے تھے صحابہ و تابعین پانچ چیزوں کے پابند تھے اور وہ یہ ہیں۔ التزام جماعت، اتباع سنت، آبادی مساجد، تلاوت قرآن مجید اور جہاد فی سبیل اللہ۔ ان کے حالات نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہیں، جن کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ اس عظیم محدث و فقیہ کا تعلق برصغیر پاک و ہند کے علاقہ سندھ سے بھی تھا ❷۔ انھوں نے بہتر سال کی عمر پا کر ۲ صفر ۱۵۷ھ (۲۱ دسمبر ۷۷۳ء) کو وفات پائی۔

❶ تاریخ الکامل، ابن اثیر۔ ج ۵، ص ۵۵۔ مطبوعہ المنیر، مصر (۱۳۵۷ھ)

❷ تذکرۃ الحفاظ۔ ذہبی ج ۱ ص ۱۶۸، ۱۷۲

## ۸۔ عبدالرحیم بن حماد ثقفی دیلمی

عبدالرحیم بن حماد ثقفی دیلمی سندھی بصری تبع تابعین میں سے تھے۔ یعنی انہوں نے ان ائمہ حدیث سے فیض علم حاصل کیا، جن کو براہ راست رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے ان کے آبا و اجداد میں سے کوئی بزرگ محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے جو قبیلہ بنو ثقیف ہی کے فرد تھے۔ پھر وہ سندھ کے شہر دیلم میں رہائش پذیر ہو گئے۔ عبدالرحیم کی ولادت وہیں ہوئی۔ ان کے علم و فضل کی وسعتوں سے جب سندھ کی سر زمین تنگ دکھائی دینے لگی تو یہ بصرہ چلے گئے اور پھر وہیں رہائش اختیار کر لی۔ انہوں نے اعمش اور عمرو بن عبید وغیرہ سے روایت کی اور ان سے اہل عراق نے احادیث سنیں۔ محدثانہ نقطہ نظر سے ان کے بارے میں مختلف ائمہ حدیث نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ بیہقی نے ان کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ عقیلی کا قول ہے کہ یہ اعمش سے مناکیر روایت کرتے ہیں۔ بہر حال برصغیر پاک و ہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ سندھ کے ائمہ حدیث میں سے تھے اور تبع تابعی تھے ①۔

## ۹۔ عبداللہ بن محمد علوی

عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ۔ ان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ یہ ہاشمی قرشی تھے اور عبداللہ اشتر کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے والد ماجد کو محمد نفس زکیہ اور جدِ امجد کو عبداللہ المحض کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے یہ پہلے شخص ہیں جن کے قدم میمنت لزوم سے ارض ہند سعادت اندوز ہوئی۔ یہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ حدیث و فقہ کی تعلیم اپنے عظیم القدر باپ محمد نفس زکیہ سے حاصل کی۔ عباسی خلیفہ منصور کے ایام خلافت میں وارد ہند ہوئے۔ اس زمانے میں منصور کی طرف سے عمر بن حفص عتکی علاقہ سندھ کے منصب ولایت پر متمکن تھا۔

عبداللہ کے ورود سندھ کی وجہ یہ ہوئی کہ والی سندھ عمر بن حفص عتکی، حکومت منصور کے ان سرکردہ ارکان میں سے تھا، جو ان کے والد محمد بن عبداللہ سے باقاعدہ بیعت تھے اور ان سے ہمدردانہ تعلق رکھتے تھے۔ محمد بن عبداللہ نے خلیفہ منصور کے خلاف خروج کیا تو اپنے اس بیٹے کو بصرہ بھیجا۔ وہ اور ان کے ساتھی بصرہ سے بذریعہ بحری راستہ عمر بن حفص کے پاس سندھ پہنچے۔ عبداللہ بن محمد تو کہیں چھپ گئے لیکن ان کے ساتھی عمر بن حفص سے ملاقات ہوئی۔ ان کے پاس گھوڑے تھے جو انہوں نے بصرہ سے خریدے تھے۔ عمر کو معلوم ہوا تو اس نے ان کو گھوڑے لانے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا ہم تمہارے پاس ایک ایسی چیز لے کر آئے ہیں جو ان گھوڑوں

① تفصیلات کے لیے دیکھیے: لسان المیزان ج ۲، ص ۳۱۰۔۔۔ تاریخ بغداد ج ۸، ص ۸۱۵ اور العقد الثمین ص ۲۹۲، ۲۹۳۔

سے زیادہ بہتر ہے اور جس میں تیرے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی مضمر ہے۔ ہم تم سے امان کے طالب ہیں یا تو وہ چیز قبول کر لو یا اسے چھپا لو اور ہمیں کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اگر تم کہو گے تو ہم تمہارے اس ملک سے چلے جائیں گے۔

عمر بن حفص نے ان کو امان دے دی تو انہوں نے اپنی آمد کا پس منظر بیان کیا اور عبداللہ بن محمد کے متعلق ساری بات سنائی اور کہا کہ ان کے والد محمد نے ان کو تمہارے پاس بھیجا ہے۔ عمر نے اس پر مسرت کا اظہار کیا، ان سب کو خوش آمدید کہا اور عبداللہ کو خفیہ طریقے سے کسی جگہ رکھا۔ خود اس کی بیعت کی اور شہر کے سرکردہ لوگوں اور اپنے اہل خانہ کو بیعت کے لیے کہا۔ سب لوگ ان کے حلقہ بیعت میں داخل ہو گئے تو عمر بن حفص کی بیوی نے اپنے شوہر کو اطلاع دی کہ عبداللہ کے والد محمد نفس زکیہ کو منصور کے خلاف خروج کے نتیجے میں قتل کر دیا گیا ہے۔ عمر بن حفص کو اس کا بہت افسوس ہوا۔ وہ عبداللہ کے پاس گیا، ان کو والد کے قتل کی خبر پہنچائی اور اظہار تعزیت کیا۔

والد کے قتل کی خبر سن کر عبداللہ بہت مغموم ہوئے اور عمر بن حفص سے کہا میرا معاملہ لوگوں پر ظاہر ہو چکا ہے۔ اب میرا خون تیری گردن پر ہوگا۔

یہ سارا قصہ خاصا طویل ہے۔ مختصر یہ کہ عمر بن حفص نے عبداللہ کو علاقہ سندھ کے ایک ایسے حکمران کے پاس بھیج دیا جو بہتر کردار کا حامل اور دبدبہ و رعب کا مالک تھا۔ وہ عبداللہ سے تکریم کے ساتھ پیش آیا اور ان سے عزت و احترام کا برتاؤ کیا۔ عبداللہ کے حالات کا علم منصور کو ہوا تو اس نے عمر بن حفص کو خط لکھا اور معاملے کی وضاحت طلب کی۔ عمر نے کچھ اس انداز سے جواب دیا کہ اس سے منصور کو تسلی نہ ہوئی اور اس نے ہشام بن عمرو تغلیسی کو سندھ کا والی مقرر کر دیا۔ منصور کا مقصد ہشام کی وساطت سے عبداللہ بن محمد کو گرفتار کرنا تھا، مگر ہشام نے ان کو گرفتار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ البتہ منصور کے حکم کے مطابق سندھ کے اس سردار سے سلسلہ مکاتبت شروع کر دیا جس نے عمر بن حفص کے کہنے پر عبداللہ کو پناہ دی تھی۔ منصور کو تمام خبریں برابر موصول ہو رہی تھیں۔ اچانک ایک روز ہشام کو سندھ کے ایک علاقے سے حکومت کے خلاف شورش کی اطلاع ملی اور معلوم ہوا کہ ایک گروہ حکومت کی مخالفت کے لیے میدان میں نکل آیا ہے۔ ہشام نے اس پر قابو پانے کی غرض سے اپنے بھائی کی سرکردگی میں (جس کا نام بعض مورخین نے سفیج بن عمرو تغلیسی اور بعض نے سفیج بن عمرو تغلیسی لکھا ہے) فوج کا ایک دستہ روانہ کیا۔ راستے میں دریائے سندھ کے کنارے پر ان لوگوں کا عبداللہ بن محمد اور ان کے ساتھیوں سے آنا سامنا ہو گیا۔ معاملہ لڑائی تک پہنچا اور عبداللہ اور ان کے ساتھی قتل کر دیے گئے۔ کہتے ہیں عبداللہ کا سر دھڑ سے جدا کر دیا گیا تھا۔ دھڑ تو دریائے سندھ میں پھینک دیا گیا، مگر سر مقتولین کی لاشوں کے درمیان پڑا رہا، جس سے ان کے قتل کا پتا چلا۔

عبداللہ کے ایک بیٹے کا نام محمد تھا۔ عبداللہ کو چونکہ عبداللہ اشتر کہا جاتا تھا اس لیے ان کے بیٹے محمد کو

ابن اشتر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ہشام نے منصور کو اس سارے واقعہ کی اطلاع دی اور عبداللہ کے بیٹے محمد یعنی ابن اشتر کو منصور کے پاس بغداد بھیج دیا۔ منصور نے ہشام کا شکر یہ ادا کیا اور بیٹے کو مدینہ طیبہ کے عامل کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ اس کو عبداللہ کے ورثا اور اہل خاندان کو دکھا دے اور اس کی صحت نسل کے بارے میں دریافت کرے۔ یہ واقعہ ۱۵۱ (۷۶۱ء) کا ہے ①۔

یہاں اس واقعہ کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اہل بیت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سے عبداللہ بن محمد علوی بہت بڑے فقیہ اور عالم حدیث تھے۔ اس مقدس خاندان کے یہ پہلے بزرگ ہیں جو دیار ہند یا سرزمین سندھ میں تشریف لائے اور جن کی وفات بھی اسی خطہ ارض میں ہوئی۔ اس خاندان کے ایک فرد یعنی محمد کی ولادت بھی اسی ملک میں ہوئی اور یہ خانوادہ اہل بیت کے پہلے بچے ہیں جو یہاں پیدا ہوئے۔

## ۱۰۔ عطیہ بن سعد عوفی

ابن سعد کی روایت کے مطابق ان کا نام عطیہ بن سعد بن جنادہ عوفی ہے۔ ان کی کنیت ابو الحسن ہے۔ یہ پیدا ہوئے تو ان کے والد ان کو کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا کہ اس بچے کا نام تجویز فرمائیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ہذا عطیہ اللہ۔ چنانچہ یہ عطیہ کے نام سے موسوم ہوئے اور انھوں نے حضرت ابو ہریرہ ابو سعید اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ یہ بھی محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے تھے اور فتح ملتان کے وقت موجود تھے۔ پھر واپس کوفہ چلے گئے تھے۔ وہیں رہے اور ۱۱۱ھ (۷۲۹ء) میں کوفہ میں ہی وفات پائی ②۔

## ۱۱۔ عمرو بن مسلم باہلی

عمرو بن مسلم باہلی عالی مرتبت عالم اور باخبر شخص تھے۔ ۱۰۰ھ (۷۱۹ء) میں خلیفہ صالح حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ان کو ہند اور سندھ کا گورنر مقرر کیا۔ اس بلند فطرت شخص نے نہ کسی پر سختی کی نہ کسی کو پریشان کیا اور نہ حتی الامکان کسی معاملے میں دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھا۔ حضرت عمرو بن عبدالعزیز نے دار الخلافہ دمشق سے ہند اور سندھ کے غیر مسلم حکمرانوں، سرداروں اور سرکردہ لوگوں کو خطوط لکھے جن میں ان کو دعوت اسلام دی اور لکھا کہ اگر وہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لیں تو ان کے مفتوحہ علاقے ان کو واپس کر دیے جائیں گے۔ ان کے وہی حقوق ہوں گے جو عام مسلمانوں کے ہیں

① تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۵ ص ۳۰۳ (طبع منیرہ مصر ۱۳۵۷ھ - ۱۹۳۸ء)

② طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۳۰۴۔ لسان المیزان ج ۶ ص ۲۳۷۔ العقد الثمین ص ۱۹۲، ۱۹۳۔

اور ان سے اسی قسم کا برتاؤ کیا جائے گا جو دوسرے مسلمانوں سے کیا جاتا ہے۔ ہند اور سندھ کے یہ لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار سے باخبر تھے اور انہیں معلوم تھا کہ وہ تقویٰ و صالحیت کے اعتبار سے بہت اونچے درجے پر فائز ہیں۔ پھر انہیں عمرو بن مسلم باہلی کے حسن اخلاق کا بھی علم تھا اور وہ ان سے متاثر تھے۔ لہذا راجا داہر کا فرزند بے سنگھ اور دیگر بہت سے ملوک و سردارانِ سندھ اس دعوتِ اسلام سے اثر پذیر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ یہ لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اور یزید بن عبدالملک کے دورِ خلافت تک بدستور مسلمان رہے لیکن ان کے بعد ہشام بن عبدالملک کا زمانہ خلافت آیا تو اسلام ترک کر کے اپنے پہلے مذہب میں آ گئے ①۔

## ف

### ۱۲۔ فتح بن عبداللہ سندھی

فتح بن عبداللہ کی کنیت ابونصر ہے۔ یہ سندھی تھے اور فقیہ و متکلم تھے۔ آل حسن بن الحکم کے مولیٰ تھے۔ پھر آزاد کر دیے گئے۔ فقہ اور کلام کی تعلیم ابوعلی محمد بن عبدالوہاب ثقفی سے حاصل کی اور حسن بن سفیان وغیرہ سے روایت حدیث کی۔ سمعانی نے ان کے بارے میں ابو العلاء احمد بن محمد بن فضل کے سلسلہ روایت کے ذریعے عبداللہ بن حسین سے ایک عجیب و غریب روایت بیان کی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابونصر فتح بن عبداللہ کس درجہ حق گو صاف بیان اور عالم و فاضل تھے۔ وہ روایت یہ ہے کہ عبداللہ بن حسین کہتے ہیں ایک روز ہم ابونصر سندھی کے ساتھ دھول اور کچھڑ سے اٹی ہوئی زمین پر جا رہے تھے اور ان کے بہت سے مداحین و متاثرین بھی ساتھ تھے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک شہزادہ مدہوشی کی حالت میں زمین پر خاک اور کچھڑ میں لت پت پڑا ہے۔ اس نے ہماری طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو ابونصر نے منہ قریب کر کے اس کو سونگھا۔ اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی۔ شہزادے نے ابونصر سے کہا۔ او غلام! میں جس حالت میں پڑا ہوں تم دیکھ رہے ہو، لیکن تم ہو کہ اطمینان سے چلے جا رہے ہو اور اتنے لوگ تمہارے پیچھے جا رہے ہیں۔ ابونصر نے بے باکی سے جواب دیا، ”شہزادے! تمہیں معلوم ہے اس فرق مراتب کی کیا وجہ ہے؟ بات یہ ہے کہ میں نے تمہارے آباؤ اجداد کی پیروی شروع کر دی ہے اور تم میرے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چل پڑے ہو۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

حدثني عبدالله بن الحسين قال كنا يوماً مع ابي نصر السندي و فينا  
كثرة حوالية و نحن نمشي في الطين فاستقبلنا شريف سكران قد  
وقع في الطين فلما نظر الينا شمه ابو نصر و قال نافق يا عبد انا  
كماتري و انت تمشي و خلفك هؤلاء۔ فقال له ابو نصر ايها

الشریف! تدری لم هذا؟ لانی متبع اثار جدك و انت متبع اثار جدی ①۔

ابونصر فتح بن عبداللہ سندھی دوسری صدی ہجری کے دیارِ سندھ و ہند کے ان خوش بخت حضرات میں سے تھے جنہوں نے تابعین کرام کا زمانہ پایا ان سے روایت حدیث و فقہ کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے اور تبع تابعین کی جماعت میں شامل ہونے کا فخر حاصل کیا۔

—۲—

### ۱۳۔ محمد بن زید عبدی

محمد بن زید عبدی تبع تابعین میں سے تھے۔ یہ محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے تھے۔ بلادِ سندھ کی فتح کے سلسلے میں ان کی جنگی خدمات بڑی نمایاں تھیں۔ بعض حضرات کے نزدیک ان کا نام محمد بن زید عبدی نہیں بلکہ محمد بن زیاد عبدی ہے ②۔

### ۱۴۔ معاویہ بن قرہ مزنی بصری

ابوایاس معاویہ بن قرہ بن ایاس۔ یہ تابعی تھے اور ان کے والد قرہ بن ایاس رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے۔ معاویہ بن قرہ راوی حدیث تھے۔ انہوں نے اپنے باپ قرہ بن ایاس، معقل بن یسار مزنی، حضرت ابو ایوب انصاری، عبداللہ بن مفضل وغیرہم سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے ایاس، امام زہری، ابراہیم بن محمد، اسحاق بن یحییٰ بن طلحہ اور حسن بن زید بن حسن بن علی نے روایت کی۔ عجل ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان کی روایت درج کی ہے۔ امام نسائی نے ”مثله“ سے انہی کے متعلق ان سے روایت بیان کی ہے جو یہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں۔ ان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے قاصی بصرہ مقرر کیا تھا۔ نہایت صادق اور ثقہ تھے۔ عبدالملک بن مروان نے ان کو علاقہ سندھ کی طرف جلا وطن کر کے بھیج دیا تھا۔ ۱۲۲ھ (۷۴۰ء) میں فوت ہوئے ③۔

① الانساب سمعانی۔ ورق ۳۱۳۔ معجم البلدان ج ۳ ص ۲۶۷۔

② العقد الثمین ص ۲۱۴۔ لسان المیزان ج ۶ ص ۶۹۔

③ جمہور انساب العرب ص ۲۰۳۔ طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۲ و ۲۲۱۔ البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۳۹۔ تہذیب التہذیب ج

۱۰ ص ۲۱۳۔ کتاب المعارف ص ۲۰۵۔ العقد الثمین ص ۱۶۶ و ۱۶۸۔



## ۱۵۔ مکحول بن عبداللہ سندھی شامی

ابو عبداللہ مکحول بن عبداللہ شامی حدیث و فقہ میں امام السنہ و الشام تھے۔ تابعی تھے اور اسیرانِ کابل میں سے تھے۔ قبیلہ قیس کی ایک عورت کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ایک روایت کے مطابق سعید بن عاص کے اور ایک کے مطابق بنو لیث کے مولیٰ تھے۔ ان کو امام سندھ کہا جاتا ہے۔ دمشق بھی رہے۔ امام اوزاعی کے معلم تھے اور دمشق میں بڑی عزت کے مالک تھے۔ ان کی زبان صاف نہ تھی۔ عربی صحیح نہ بول پاتے تھے اس میں عجمیت نمایاں تھی۔ ذہبی ان کو ”عالم اہل الشام“ قرار دیتے ہیں اور ان کو فقیہ اور حافظ حدیث بتاتے ہیں۔ اصلاً کابل کے باشندے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اولادِ کسریٰ میں سے تھے۔ ابی بن کعب، عبادہ بن صامت، حضرت عائشہ اور بعض کبار صحابہ سے تدلیس کرتے ہیں۔ ابو امامہ باہلی، واثلہ بن اسقع، انس بن مالک، محمود بن ربیع، عبدالرحمن بن غنم، ابو ادریس خولانی، ابو سلام ممتور اور خلق کثیر سے روایت کی۔ اور ان سے ایوب بن موسیٰ، علاء بن حارث، زید بن داؤد، ثور بن یزید، حجاج بن ارطاة، فقیہ شام امام اوزاعی، سعید بن عبدالعزیز اور بہت سے ائمہ حدیث نے اخذِ علم کیا۔ خود کہتے ہیں کہ میں نے طلبِ علم کے لیے متعدد شہروں کا سفر کیا۔ مصر گیا تو وہاں کے تمام علم پر حاوی ہو گیا۔ عازم شام ہوا تو وہاں کے علماء و محدثین سے کسب فیض کیا۔ پھر عراق کے لیے رخت سفر باندھا۔ بعد ازاں مدینہ منورہ کا سفر کیا اور وہاں کے علم سے بہرہ ور ہوا۔ فرماتے ہیں میں نے علم کی جو چیز جہاں دیکھی سینے میں ڈال لی۔ اسی وجہ سے سعید ان کو امام زہری سے زیادہ فقیہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی زبان میں لکنت تھی اور لہجہ اس قسم کا تھا کہ قاف کو کاف بولتے تھے۔

ابو مسہر اور جماعہ کا کہنا ہے کہ مکحول ۱۱۳ھ (۷۳۱ء) میں فوت ہوئے اور ابو نعیم اور دحیم کی تحقیق یہ ہے کہ ان کی وفات ۱۱۲ھ (۷۳۰ء) میں ہوئی ①۔

ن

## ۱۶۔ نجیح بن عبدالرحمن سندھی مدنی

نجیح بن عبدالرحمن کی کنیت ابو معشر ہے۔ یہ سندھ کے فقیہ اور عالم تھے۔ تبع تابعی تھے۔ انہوں نے بہت سے تابعین سے سماع حدیث کا شرف حاصل کیا۔ ان کا ذکر ابو سعید عبدالکریم بن محمد بن منصور تمیمی سمعانی۔ (متوفی ۵۶۲ھ - ۱۱۶۷ء) نے سندھی علماء و اکابر کے حالات کے ضمن میں اپنی مشہور تصنیف الانساب میں، امام ذہبی یعنی امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی (متوفی ۴۲۸ھ - ۱۳۴۷ء) نے تذکرہ الحفاظ میں اور حافظ ابن حجر یعنی شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ - ۱۲۴۸ء) نے تہذیب التہذیب میں کیا

① تفصیلات کے لیے دیکھیے: العقد الثمین ص ۲۸۳ و ۲۸۵

ہے۔ حافظ ابن حجر نے تو ان کے بارے میں خاصی تفصیل سے لکھا ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ اصلاً قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے پوتے داؤد بن محمد ابو معشر سے یہ روایت بھی بیان کی گئی ہے کہ داؤد کہتے ہیں ان کے والد محمد نے انھیں بتایا کہ ان کے والد ابو معشر دراصل یمن کے باشندے تھے اور اس وقت قید کیے گئے تھے جب یزید بن مہلب یمامہ اور بحرین پر حملہ آور ہوا تھا۔

ابو معشر مغازی پر گہری نظر رکھتے تھے۔ بنو ہاشم کے مولیٰ تھے۔ انھوں نے ابو امامہ بن سہل بن حنیف کو دیکھا اور سعید بن مسیب، محمد بن کعب قرظی، ہشام بن موسیٰ بن یسار، ابو بردہ بن ابو موسیٰ، سعید بن ابو سعید المقری، نافع، محمد بن المنکدر، محمد بن قیس اور محدثین کی بہت بڑی جماعت سے روایت حدیث کی۔ خود ان سے ان کے بیٹے محمد بن ابو معشر، سفیان ثوری اور عراق کے اصحاب الحدیث کی ایک بڑی جماعت نے روایت کی۔ ابو زرعہ انھیں ”صدوق“ قرار دیتے ہیں اور امام نسائی ”لیس بالقوی“ کہتے ہیں۔ ابو نعیم انھیں سندھی بتاتے ہیں۔ بقول سمعانی یہ ام سلمہ کے مولیٰ تھے جو اہل مدینہ سے تعلق رکھتی تھیں، اسی بنا پر مدنی کہلائے۔ امام نسائی نے سنن نسائی میں ان سے روایات درج کی ہیں۔ امام احمد بن حنبل انھیں مغازی کے ماہر قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ کان بصیرا بالمغازی۔ آخر عمر میں حافظہ مختل ہو گیا تھا، تاہم حدیث و فقہ کی یادداشت بڑی تیز تھی اور علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ کان من اوعیة العلم علی نقص فی حفظہ۔ زبان میں ہکلاہٹ تھی اور ”کعب“ کو ”قعب“ کہتے تھے۔

ان کا رنگ سرخ، آنکھیں نیل گوں اور جسم بھاری بھر کم تھا۔ عباسی خلیفہ مہدی ۱۶۰ھ (۷۷۷ء) میں انھیں اپنے ساتھ عراق لے گیا اور ایک ہزار دینار عطا کیے۔ وہ ان سے بہت تعلق خاطر رکھتا تھا۔ اس نے ان سے لوگوں کو فقہ کی تعلیم دینے کی درخواست کی۔ رمضان ۱۷۰ھ (مارچ ۷۸۷ء) میں فوت ہوئے۔ اسی سال خلیفہ ہارون الرشید تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ ان کی علمی اہمیت اور خلفا کے نزدیک ان کی عزت و احترام کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی موت پر حزن و ملال کا اظہار کیا۔ بغداد کے مقبرۃ الکبیرہ میں دفن کیے گئے ①۔

ی

## ۱۷۔ یزید بن عبداللہ قرشی بیسری سندھی

یزید بن عبداللہ قرشی بیسری ② تبع تابعین میں سے تھے۔ ان کی کنیت ابو خالد ہے لہذا انھیں ابو خالد

① الانساب۔ سمعانی ورق ۳۱۳ بذیل لفظ سندھی۔ تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی ج ۱ ص ۲۳۴۔ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی ج ۱ ص ۴۱۹ تا ۴۲۲۔ معجم البلدان ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ حموی ج ۳ ص ۲۶۷

② بیسری جمع بیاسر ہے۔ ابتدائی دور میں جو مسلمان سرزمین ہند میں مقیم ہوئے انھیں بیاسرہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

(مروج الذهب، مسعودی۔ ج ۳ ص ۳۱۴)

بیسری بھی کہا جاتا ہے۔ انھوں نے سفیان ثوری، ابن جریج اور عمر بن محمد عمری سے احادیث روایت کیں۔ ان سے علی بن ابی ہاشم طبرخ، محمد بن ابوبکر مقدنی، ابو داؤد طیالسی اور محدثین کی ایک جماعت نے روایت حدیث کی۔ ایک حدیث کی سند میں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں، یزید بن عبداللہ بیسری راوی ہیں:

عن علی قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تبرز  
فخذک ولا تنظر الی فخذ حی ولا میت۔

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی ران ظاہر نہ کرو اور نہ کسی  
زندہ اور مردہ شخص کی ران کی طرف دیکھو۔

پھر اس حدیث کی سند میں بھی یہ راوی ہیں جو حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ صحابی سے مروی ہے:

عن ابی جحیفہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،  
جالسوا العلماء وسائلوا الکبراء وخالطوا الحکماء۔

یعنی حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا علما کی مجلس میں  
بیٹھا کرو بڑوں سے سوال پوچھا کرو اور دانش مندوں سے ملا جلا کرو۔

ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اصلاً سندھی تھے۔

ذکرہ ابن حبان فی الثقات فقال اصلہ من السند۔

ان کے ایک راوی محمد بن ابوبکر مقدمی ہیں جو ”مستقیم الحدیث“ ہیں ①۔



① لسان المیزان۔ ج ۶، ۲۹۰۔ کتاب الجرح والتعدیل۔ ج ۳، ق ۲، ص ۲۷۱۔ العقد الثمین۔ ص ۲۹۶، ۲۹۷۔

## تیسری صدی ہجری

الف

### ۱۔ ابوعلی سندھی

شیخ الکبیر ابوعلی سندھی تیسری صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سندھ کے اہل حقیقت اور اصحاب وجد حضرات میں سے تھے اور تصوف و معرفت میں اس درجہ بلند پایہ تھے کہ مشہور بزرگ اور اہل اللہ حضرت ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی فرماتے ہیں، میں ان کے وظائف سے فرصت کے اوقات میں ان کو بعض چیزوں کی تلقین کرتا تھا اور وہ مجھے توحید و حقیقت کی تعلیم دیتے تھے۔

ان کے بارے میں حضرت بسطامی ایک عجیب و غریب حکایت بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں، ایک مرتبہ میرے پاس ابوعلی سندھی تشریف لائے، ان کے پاس ایک تھیلا تھا جو انہوں نے میرے آگے انڈیل دیا۔ میں نے دیکھا کہ مختلف اقسام والوان کے جواہر میرے سامنے پڑے ہیں۔ میں نے تعجب سے پوچھا، یہ آپ کو کہاں سے دست یاب ہوئے؟ فرمایا میں ایک وادی میں سے گزر رہا تھا کہ یہ شمع کی طرح چمک رہے تھے۔ میں نے ان میں سے اتنے بھرا اٹھالیے۔

میں نے سوال کیا: وادی میں سے گزرتے وقت آپ پر کیا کیفیت طاری تھی اور آپ کس حالت میں تھے؟

کہا: پہلی کیفیت سے فرصت میں تھا، یعنی وظائف و اوراد سے فارغ ہو چکا تھا۔

اس میں معنی یہ پنہاں ہے کہ اوقاتِ فرصت و فترت میں کچھ مخفی عناصر اور غیبی طاقتوں نے ان کو جواہر میں مشغول کر دیا تھا۔

ابو یزید بسطامی کہتے ہیں مجھے ابوعلی سندھی نے کہا میں ایسے حال میں تھا کہ جو مجھ سے وابستہ کر دیا گیا تھا، پھر اس حال میں آ گیا جو اس سے مختلف تھا۔ یعنی انسان اپنے اعمال کو سامنے لاتا ہے اور اپنی طرف سے ان میں اضافہ کرتا ہے۔ پھر جب اس کے قلب پر انوارِ معرفت کا غلبہ طاری ہو جاتا ہے تو وہ یہ دیکھتا اور محسوس کرتا

ہے کہ تمام اشیائے کائنات اللہ کی طرف سے ہیں، اللہ کے حکم سے قائم ہیں، اللہ کے لیے معلوم ہیں، اللہ کی طرف لوٹائی جا رہی ہیں ①۔

ابوعلیٰ سندھی نہ صرف خطہ سندھ کے بلکہ دنیا کے اکابر صوفیا اور عظیم المرتبت علمائے کرام میں سے تھے۔ اس دور کی یہ خصوصیت تھی کہ کوئی کم پڑھا لکھا آدمی تصوف و طریقت اور وجد و حقیقت کی وادی میں گام فرسا ہونے کی جرات نہیں کرتا تھا، کیونکہ تصوف کا تعلق علم سے ہے۔ جس شخص میں علم کی فراوانی نہیں ہوگی، اس پر تصوف کی حقیقی راہیں کھل نہیں سکتیں اور وہ غلط راستوں پر چل پڑتا ہے۔

خ

## ۲۔ خلف بن سالم

ابو محمد خلف بن سالم مشہور حافظ حدیث تھے۔ سندھ کے رہنے والے تھے۔ غلاموں کے سلسلے میں آل مہلب ان کو سندھ سے عراق لائے اور یہ کوفہ میں مقیم ہو گئے۔ وہیں تعلیم حدیث پائی اور اس میں درجہ کمال کو پہنچے۔ پھر کوفہ سے بغداد تشریف لے گئے اور وہاں کے محلہ مخرم میں مستقل طور سے رہائش اختیار کر لی۔ ان کے اساتذہ حدیث میں یحییٰ بن سعید قطان، ابوبکر بن عیاش، یثیم بن بشیر، عبدالرحمن بن مہدی، اسماعیل بن علیہ، حسن بن عیسیٰ اور ابو نعیم کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور تلامذہ کی فہرست میں ابوالقاسم بغوی، حاتم بن لیث، یعقوب بن شیبہ اور احمد بن ابی خیشمہ جیسے اصحاب کمال نظر آتے ہیں۔

ان کی عظمت فی الحدیث کا اندازہ اس سے لگایے کہ امام نسائی نے ان کی روایت اپنی کتاب سنن نسائی میں درج کی ہے۔ اس عظیم محدث نے ۲۲ رمضان المبارک ۲۳۱ھ (۲۲ مئی ۸۴۶ء) کو ۶۹ سال کی عمر پا کر بغداد میں وفات پائی ②۔

س

## ۳۔ سندھ کا ایک گم نام عالم و مفسر

قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنو اسد کے نام سے معروف تھی۔ اس شاخ کے ایک شخص کا نام ہبار بن اسود تھا جو ۸ھ میں مسلمان ہوا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اس خاندان کا ایک شخص جس کا نام منذر بن زبیر تھا والی

① نزہۃ الخواطر۔ ج ۱ ص ۵۰۔ بحوالہ کتاب اللع۔ ابونصر عبداللہ بن علی السراج طوسی۔

② تاریخ بغداد۔ (خطیب بغدادی) ج ۸ ص ۳۲۸ تا ۳۳۰۔

سندھ حکم بن عوانہ (متوفی ۱۲۱ھ - ۷۳۹ء) کے ساتھ سندھ پہنچا اور یہیں سکونت پذیر ہو گیا۔ بنو امیہ اور عباسیہ دونوں سلطنتوں کے زمانے میں اس خاندان کو سندھ کی حکومت میں کچھ نہ کچھ عمل دخل رہا۔ پھر ۲۲۰ھ (۸۵۴ء) میں سندھ کی حکومت اسی خاندان میں منتقل ہو گئی اور اس کا والی اول منذر بن زبیر کا پوتا عمر بن عبدالعزیز مقرر ہوا۔ یہ خاندان عباسی خاندان کے ماتحت رہا۔ اس خاندان کے تمام والیان سندھ متقی، ہمدرد، خلّاق اور حدیث و فقہ کے عالم تھے۔ ان کے زمانے کا ایک واقعہ عجائب الہند میں مذکور ہے جو لائق تذکرہ ہے۔

ابو محمد حسن بن عمرو بن حمویہ بن حرام بن حمویہ نجدی کہتے ہیں کہ میں ۲۸۸ھ (۹۰۱ء) میں سندھ کے مشہور شہر منصورہ میں مقیم تھا کہ وہاں کے بعض ثقہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ ۲۷۰ھ (۸۸۴ء) میں سندھ کا والی عبداللہ بن عمر ہباری مقرر ہوا۔ اس کا دارالسلطنت منصورہ تھا۔ ۲۷۰ھ (۸۸۴ء) ہی میں سندھ کے ایک شہر ارور کے ہندو راجا نے جس کا نام عربوں کے نزدیک مہروک بن رائک تھا، منصورہ کے حاکم عبداللہ بن عمر ہباری سے درخواست کی کہ اس کو سندھی (اور بعض کے نزدیک ہندی) زبان میں مذہب اسلام کی بنیادی تعلیم سے متعلق معلومات قلم بند کر کے بھیجی جائیں۔ عبداللہ بن عمر ہباری نے ایک شخص کو بلایا جو اصلاً عراق کا باشندہ تھا، مگر اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت منصورہ میں ہوئی تھی۔ وہ نہایت ذہین اور سمجھ دار آدمی تھا اور اس ملک کی متعدد زبانوں سے واقفیت رکھتا تھا۔ عبداللہ نے اس کے سامنے راجا کی خواہش بیان کی چنانچہ اس عالم نے ایک قصیدہ تیار کیا اور راجا مذکور کی خواہش کے مطابق اس میں تمام اسلامی تعلیمات بیان کیں۔ عبداللہ نے یہ قصیدہ راجا مہروک بن رائک کے پاس بھیج دیا۔ راجا نے یہ قصیدہ سنا تو بہت خوش ہوا اور عبداللہ سے اس شاعر اور عالم کو اپنے دربار میں بھیجنے کی درخواست کی۔ عبداللہ نے اس کو بھیج دیا۔ وہ تین سال وہاں مقیم رہا اور اس اثنا میں راجا اس سے بہت خوش رہا۔

۲۷۳ھ (۸۸۶ء) میں وہ عالم والی سندھ عبداللہ سے ملا عبداللہ نے اس سے راجا کے متعلق کچھ سوال کیے تو اس نے بتایا کہ جس وقت میں وہاں سے چلا ہوں اس وقت وہ صدق دل سے اسلام قبول کر چکا تھا، لیکن حکومت چھن جانے کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ اس عالم نے راجا سے متعلق بہت سے واقعات بیان کیے جن میں ایک واقعہ یہ بیان کیا کہ راجا نے اس سے سندھی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی فرمائش کی۔ وہ روزانہ چند آیات کی تفسیر کر کے اس کو سنا تا جاتا تھا۔ جب وہ سورہ یس کی اس آیت پر پہنچا، مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ①۔ اور اس کا ترجمہ سنایا اور تفسیر بیان کی تو راجا اس وقت جو اہرات سے مرصع سونے کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اس نے کہا: ایک دفعہ پھر اس کی تفسیر بیان کرو۔ چنانچہ دوبارہ تفسیر بیان کی گئی تو وہ فوراً تخت سے نیچے اتر اور چند قدم چلا، پھر پیشانی زمین پر رکھ دی حالانکہ زمین پر پانی چھڑکا ہوا تھا اور وہ بہت تر ہو چکی تھی۔ راجا اس قدر رویا کہ اس کے رخساروں پر مٹی جم گئی۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور کہا ”بے شک یہی رب ہے جو ازیلی اور

① یہ سورہ یس کی آیت نمبر ۷۸ ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔ (وہ یعنی منکر اسلام کہتا ہے کہ) گلی سٹری ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔

ابدی ہے۔“ اس کے بعد اس نے ایک مکان تیار کرایا جہاں وہ تنہائی میں روزانہ خدا کی عبادت کرتا اور وقت پر نماز پڑھتا تھا، مگر لوگوں پر یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ تنہائی میں سلطنت کے اہم معاملات پر غور کیا کرتا ہے ①۔

سندھ کا یہ ایک گم نام عالم اور مفسر تھا، اور جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہے غیر عربی زبانوں میں سندھی وہ پہلی زبان ہے جسے قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر کرنے اور اسلامی تعلیمات کو اشعار کے قالب میں ڈھالنے کا فخر حاصل ہوا ہے۔

## ش

### ۴۔ شعیب بن محمد دیہلی

ابوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد بن شعیب بن بزلیع بن سوار دیہلی۔ یہ ابن ابی قطعان دیہلی کے نام سے معروف تھے۔ طلب علم کی غرض سے دیہلی سے مصر گئے اور وہاں تعلیم حدیث سے بہرہ ور ہوئے۔ شیخ ابوسعید بن یونس نے ان سے احادیث قلم بند کیں ②۔

## ع

### ۵۔ عبداللہ بن جعفر منصور

ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن مرہ منصور مرقی سیاہ رنگ تھے۔ حسن بن مکرم اور ان کے اقران سے سماع حدیث کی اور خود ان سے امام حاکم اور ہاشمیوں کی ایک جماعت نے روایت حدیث کی۔ سندھ کے شہر منصورہ میں قیام پذیر تھے ③۔

معلوم ہوتا ہے یہ سندھ کے تیسری صدی ہجری کے اصحاب الحدیث میں سے تھے۔

## م

### ۶۔ محمد بن ابوالشوارب

امام محمد بن ابوالشوارب منصورہ کے قاضی تھے اور ان اصحاب حدیث و ارباب فقہ میں سے تھے جو

① عجائب الہند۔ بزرگ بن شہریار (مع فرانسیسی ترجمہ) ص ۲۲۲ طبع ۱۸۸۶ء

② الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۲۳۶۔

③ الانساب سمعانی ورق ۵۲۳۔

عباسی خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے ۲۸۳ھ (۸۹۶ء) میں عراق سے سندھ آ کر اقامت گزین ہو گئے تھے۔ جلیل القدر عالم دین تھے۔ صرف چھ مہینے منصورہ کے منصب قضا پر فائز رہے اور ۲۸۳ھ (۸۹۶ء) میں وفات پا گئے ①۔

عراق میں بالعموم اور بغداد میں بالخصوص ان کو بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ان کے قیام بغداد کے زمانے میں خود خلیفہ بغداد اور عباسی شہزادے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے فیوض علمیہ سے استفادہ کرتے تھے۔ کہتے ہیں، قاضی محمد بن ابوالشوارب کے بعد ان کے بیٹے علی کو منصورہ کے منصب قضا پر متعین کر دیا گیا تھا۔ ان کا خاندان چوتھی صدی ہجری کے ابتدا تک منصورہ میں موجود تھا ②۔

### ۷۔ محمد بن ابو معشر

ابو عبد الملک محمد بن معشر سندھ کے مشہور محدث و فقیہ، نجیح بن عبد الرحمن ابو معشر سندھی کے فرزند تھے۔ علم حدیث کے عالم تھے۔ بغداد ہی میں مقیم رہے۔ ابو یعلیٰ موصلی نے ان سے شرفِ روایت حاصل کیا۔ اپنے والد ابو معشر سندھی کی مشہور تصنیف کتاب المغازی کے یہی راوی ہیں۔

ان سے ان کے دو بیٹوں داؤد اور حسین نے روایت حدیث کی۔ ان کے علاوہ ابو حاتم محمد بن ادریس رازی، محمد بن لیث جوہری اور ابو یعلیٰ موصلی نے ان سے شرفِ روایت و سماعت حاصل کیا۔ عباسی خلیفہ مہدی ان کے والد ابو معشر نجیح بن عبد الرحمن سندھی کی طرح، ان کا بھی بہت احترام کرتا تھا۔ انھوں نے ننانوے برس عمر پا کر ۲۴۴ھ (۸۵۸ء) میں داعی اجل کو لبیک کہا ③۔



① تاریخ الکامل۔ ابن اثیر۔ ج ۶۔ ص ۸۴۔ مطبوعہ المنیر یہ مصر (۱۳۵۳ھ-۱۹۳۴ء)

② مروج الذهب از مسعودی۔ ج اول۔ ص ۳۷۷

③ الانساب سمعانی۔ ورق ۳۱۴۔



## چوتھی صدی ہجری

### الف

#### ۱۔ ابراہیم بن محمد دیہلی

شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیہلی سندھی، چوتھی صدی ہجری کے مشہور عالم و محدث تھے۔ سندھ کے شہر دیہل میں فروکش تھے۔ انھوں نے موسیٰ بن ہارون اور محمد بن الصالح الکبیر وغیرہ سے روایت حدیث کی۔

ان کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ یہ چوتھی صدی ہجری کے جلیل القدر سندھی علما و محدثین میں سے تھے۔ افسوس ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں پتا چل سکا۔ ان کا ذکر سمعانی نے الانساب میں اور یاقوت حموی نے معجم البلدان میں کیا ہے ①۔

#### ۲۔ احمد بن عبداللہ دیہلی

ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن سعید دیہلی، قافلہ اسلاف کے ان مسافرانِ راہ علم اور زمرة عباد و زہاد سے تعلق رکھتے تھے جو طلب علم کے لیے بے تاب رہتے تھے اور فقر و زہد، عبادت و خلوص، اطاعت الہی اور اتباع کتاب و سنت، جن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ حصول علم کی غرض سے انھوں نے دور دراز ملکوں کے متعدد سفر کیے اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لیے بے شمار تکلیفیں اٹھائیں۔ شوقِ علم ملاحظہ ہو کہ سندھ کے ریگستان دیہل سے چلے اور تمام اسلامی ملکوں میں گھومے پھرے۔ مکہ مکرمہ، بغداد، بصرہ، بیروت، دمشق، مصر، نیشاپور، تستر اور حران وغیرہ میں مختلف اساتذہ حدیث و فقہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے سامنے زانوے شاگردی تہہ کیا۔

مکہ مکرمہ پہنچے تو وہاں انہی کے ملک اور شہر کے عالم و محدث ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیہلی درس حدیث

① الانساب۔ سمعانی، ورق ۲۳۶۔ معجم البلدان۔ یاقوت حموی۔ ج ۲، ص ۴۹۵۔

دیتے تھے<sup>①</sup> ان کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے اور وہیں مفضل بن محمد جندی سے استفادہ کیا۔ بغداد گئے تو جعفر بن محمد فریابی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہوئے۔ عازم بصرہ ہوئے تو قاضی ابو خلیفہ ایسے یگانہ روزگار استاذ کی شاگردی اختیار کی۔ مصر روانہ ہوئے تو وہاں علی بن عبدالرحمن اور محمد بن زیان سے تحصیل کی جو اس دور کے نامور علما میں سے تھے۔ دمشق گئے تو شیخ ابوالحسن احمد بن عمیر بن جوہا کے درس میں شرکت کی۔ بیروت میں ابو عبدالرحمن مکحول سے درس حدیث لینے کا فخر حاصل ہوا۔ حران میں ابو عروبہ حسین بن ابو معشر<sup>②</sup> سے سند و اجازہ کا اعزاز حاصل ہوا۔ تستر میں احمد بن زبیر تستری کے فیوض علمیہ سے بہرہ مند ہوئے۔ عسکر مکرم میں حافظ عبدالنور بن احمد کے تلامذہ کی جماعت میں شرکت فرمائی۔ نیشاپور میں ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ اور ان کے اقران سے اخذ حدیث و فقہ کی سعادت سے مفتخر ہوئے۔ پھر خود ان کا اپنا حلقہ تلامذہ بھی بہت وسیع تھا جن میں امام حاکم ابو عبداللہ حافظ ایسے بلند پایہ محدث کا اسم گرامی شامل ہے۔

یہ تو شیخ احمد بن عبداللہ دیلمی کے شوق حصول علم کی فراوانیوں کی حالت تھی، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ کس درجہ عابد و زاہد اور تقویٰ شعار تھے اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جس زمانے میں نیشاپور میں شیخ ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ کی بساط علم پچھی ہوئی تھی یہ نیشاپور میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ شیخ ابو بکر کا مدرسہ خانقاہ حسن بن یعقوب حدادی میں واقع تھا۔ شیخ احمد خانقاہ میں رہائش رکھتے تھے جو شہر سے کچھ فاصلے پر تھی۔ اسی دوران میں ان کی شادی ہو گئی اور صاحب اولاد بھی ہو گئے۔ شادی شہر کے اندرونی علاقے میں ہوئی تھی۔ یہ روزانہ تمام نمازیں جامع مسجد میں باجماعت ادا کر کے گھر جاتے تھے۔

طبیعت پر درویشی اس قدر غالب تھی کہ صوف پہنتے جو اس زمانے میں صالح لوگوں کا عاجزانہ و منکسرانہ لباس تھا۔ بارہا ایسا ہوتا کہ جوتی میسر نہ آتی اور ننگے پاؤں چلتے۔ ان کی وفات نیشاپور میں رجب ۳۴۳ھ (نومبر ۹۵۴ء) کو ہوئی اور قبرستان حیرہ میں دفن کیے گئے<sup>③</sup>۔

### ۳۔ احمد بن محمد منصور

ابوالعباس احمد بن محمد بن صالح تمیمی منصور سندھی، چوتھی صدی ہجری کے بہت بڑے محدث تھے اور منصورہ کے منصب قضا پر فائز تھے۔ منصورہ میں اکثریت اہل الحدیث کی تھی۔ ان کا شمار بھی اسی جماعت کے اکابر میں ہوتا تھا۔ مقدسی نے اپنی مشہور تصنیف احسن التقاسیم میں منصورہ کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں احمد بن محمد منصور کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ مقدسی نے ان کا نام ابو محمد منصور لکھا ہے، حالانکہ دیگر کتب تاریخ و رجال میں

① یہ سندھی عالم و محدث تھے۔ دیکھیے الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۳۱۲۔

② معجم البلدان ج ۲ ص ۴۹۵۔

③ الانساب۔ سمعانی، ورق ۲۳۶۔

ان کی کنیت ابو العباس مرقوم ہے۔ ممکن ہے ان کی دو کنیتیں ہوں، ابو العباس بھی اور ابو محمد بھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مقدسی سے سہو ہو گیا ہو اور ابو العباس کو ابو محمد لکھ دیا گیا ہو۔ مقدسی کہتا ہے کہ یہ فقہی اور علمی اعتبار سے امام داؤد ظاہری (متوفی ۲۷۰ھ - ۸۸۲ء) کے مسلک کے حامل تھے۔ مقدسی ۳۷۵ھ (۹۸۵ء) کے لگ بھگ منصورہ گیا اور ان سے ملا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اکثر ہم اصحاب حدیث و رأیت القاضی ابا محمد المنصوری داؤد یا امامافی مذہبہ ولہ تدریس و تصانیف و قد صنف کتبا عدة حسنة ①۔  
یعنی اہل منصورہ کی اکثریت اہل حدیث پر مشتمل ہے۔ میں نے وہاں قاضی ابو محمد منصوری (قاضی ابو العباس منصوری) کو دیکھا۔ وہ مسلک داؤد ظاہری کے حامل ہیں اور اپنے مسلک کے امام ہیں۔ وہاں ان کا سلسلہ تدریس بھی جاری ہے اور سلسلہ تصنیف بھی۔ وہ متعدد بہترین کتابوں کے مصنف ہیں۔

محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق بغدادی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”الفہرست“ میں ان کا بڑے اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے اور ان کو مسلک امام داؤد ظاہری کے فاضل ترین اصحاب میں سے گردانا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔  
..... علی مذہب داؤد من افاضل الداؤدیین ولہ کتب جلیلة حسنة کبار، منها کتاب المصباح کبیر کتاب الہادی و کتاب النیر ②۔  
یعنی ابو العباس احمد بن محمد منصوری، امام داؤد ظاہری کے مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے افاضل میں سے تھے۔ وہ بہترین اور عمدہ کتابوں کے مصنف بھی ہیں جو بڑی ضخیم ہیں جن میں سے کتاب المصباح کبیر، کتاب الہادی اور کتاب النیر لائق ذکر ہیں۔  
سمعانی نے الانساب میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ منصورہ کے قاضی تھے اور عراق میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ مذہب امام داؤد ظاہری کے امام مانے جاتے تھے۔ الفاظ یہ ہیں:

احمد بن محمد القاضی المنصوری، سکن العراق و فارس، یکنی بابی العباس، کان اماما علی مذہب داؤد الاصبہانی، سمع الاثرم و طبقته روی عنه الحاکم ابو عبد اللہ الحافظ و ابو العباس احمد بن محمد بن الصالح التیمی القاضی المنصوری من اهل المنصورة و کان اظرف من رأیت من العلماء سمع بفارس ابا العباس بن الاثرم و بالبصرة اباروق الہرانی ③۔

① احسن التقاسیم۔ ص ۲۸۱۔ طبع ثانی۔ مطبوعہ لیدن۔ مطبع بریل (۱۹۰۶ء)

② الفہرست ص ۳۲۰ طبع مصر

③ الانساب۔ سمعانی ورق ۵۲۳۔

یعنی قاضی احمد بن محمد منصور، عراق اور فارس میں سکونت پذیر رہے۔ ان کی کنیت ابو العباس تھی۔ مذہب امام داؤد ظاہری کے امام کی حیثیت رکھتے تھے۔ اثرم اور ان کے طبقہ کے اصحاب الحدیث سے سماعت حدیث کی۔ خود ان سے حافظ الحدیث امام ابو عبد اللہ حاکم نے روایت کی۔ قاضی ابو العباس احمد بن محمد بن صالح تمیمی منصور، باشندگان منصورہ میں سے تھے۔ مجھے جن علما سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے، میں نے قاضی ابو العباس کو ان سب سے شائستہ اور سلجھے ہوئے ذہن و فکر کے حامل پایا۔ انھوں نے فارس میں ابو العباس بن اثرم اور بصرہ میں ابوروق ہرانی سے شرف سماعت حدیث حاصل کیا۔

یا قوت حموی نے معجم البلدان میں لفظ سندھ کے ذیل میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابو العباس جو امام داؤد ظاہری کے پیرو تھے باشندگان سندھ کے فقیہ تھے ①۔

ابو اسحاق شیرازی نے طبقات الفقہاء میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھا ہے کہ قاضی ابو العباس احمد مصنف کتاب النیر نے اپنے آزاد کردہ غلام سے اخذ علم کیا۔ بغداد گئے اور وہاں تعلیم حاصل کی اور منصورہ واپس چلے گئے ②۔

ابو العباس منصور، علمی اعتبار سے بلند مرتبے کے حامل تھے، اسی لیے ان کو منصورہ جیسے اہم اور مرکزی شہر کا عہدہ قضا تفویض کیا گیا تھا۔ احسن التقاسیم کے حوالے سے مقدسی کا جو بیان ان کے بارے میں اوپر گزرا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ ۳۷۵ھ (۹۸۵ء) تک ان کا خاندان (بنو تمیم) منصورہ میں آباد تھا اور اپنے مسلک اور مرتبہ فی الحدیث کی وجہ سے وادی سندھ میں اس خاندان کو تکریم کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

خ

## ۴۔ خلف بن محمد دیہلی

چوتھی صدی ہجری کے علما دیہل میں سے ایک بزرگ شیخ خلف بن محمد موازینی دیہلی تھے جو بغداد تشریف لے گئے تھے۔ انھوں نے بغداد میں دیہل ہی کے ایک عالم حدیث علی بن موسیٰ دیہلی سے تحصیل حدیث کی اور خود ان سے ابو الحسن احمد بن محمد بن عمران بن جندی نے روایت کی ③۔

① معجم البلدان۔

② طبقات الفقہاء بحوالہ رجال السنن والہند، قاضی اطہر مبارک پوری ص ۶۱۔

③ الانساب سمعانی ورق ۲۳۶۔

## ع

## ۵۔ علی بن موسیٰ دیہلی

شیخ علی بن موسیٰ دیہلی کے چوتھی صدی ہجری کے اصحاب الحدیث میں سے تھے اور ”العالم المحدث“ مشہور تھے۔ ان سے شیخ خلف بن محمد موازینی دیہلی نے روایت حدیث کی ①۔

## م

## ۶۔ محمد بن ابراہیم دیہلی

ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: ابو جعفر محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیہلی۔ چوتھی صدی ہجری کے یہ دیہلی عالم مکہ مکرمہ میں سکونت رکھتے تھے۔ یہ امام ابن عیینہ کی کتاب التفسیر، ابو عبداللہ سعید بن عبدالرحمن سے اور ابن مبارک کی کتاب البر والصلۃ، ابو عبداللہ حسین بن حسن مروزی سے روایت کرتے ہیں۔ عبدالحمید بن صبیح سے بھی یہ روایت کرتے ہیں۔ خود ان سے ابوالحسن احمد بن ابراہیم بن فراس مکی اور ابوبکر محمد بن ابراہیم بن علی المقری نے روایت کی ②۔

## ۷۔ محمد بن محمد دیہلی

ابوالعباس محمد بن محمد بن عبداللہ وراق دیہلی، عابد وزاہد اور صالح عالم دین تھے۔ انھوں نے ابوخلیفہ فضل بن حباب جمحی، جعفر بن محمد بن حسن فریابی، عبدان بن احمد بن موسیٰ عسکری، محمد بن عثمان بن ابوسوید بصری اور ان کے ہم عصر حضرات سے روایت حدیث کی۔ خود ان سے امام حاکم ابو عبداللہ الحافظ نے سماعت کی۔ رمضان المبارک ۳۵۴ھ (ستمبر ۹۶۵ء) میں فوت ہوئے۔ نماز جنازہ ابو عمرو بن نجید نے پڑھائی ③۔



① الانساب سمعانی ورق ۲۳۶۔

② الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۲۳۶۔

③ الانساب۔ سمعانی۔ ورق ۲۳۶۔

## پانچویں صدی ہجری

—ح—

### ۱۔ حسین زنجانی لاہوری

فخر الدین حسین زنجانی لاہوری خراسان کے مردم خیز قبضے زنجان کے باشندے تھے اس لیے زنجانی کہلائے پھر مستقل طور پر لاہور میں رہائش اختیار کر لی لہذا لاہوری مشہور ہوئے۔

سلطان محمود غزنوی کے عہد (۱۰۰۵ء۔ ۳۹۵ھ) میں یا اس سے کچھ مدت بعد لاہور تشریف لائے۔ بہت بڑے عالم اور عابد و زاہد تھے۔ علوم دینیہ اور طریقت و تصوف کے معروف مشائخ میں سے تھے۔ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن نخلی سے کسب علم کیا اور ایک عرصہ ان کی صحبت و رفاقت میں گزارا۔ تکمیل علم کے بعد وارد ہند ہوئے اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔ مشہور ہے کہ ان کی وفات اس روز ہوئی تھی جس روز کہ شہرہ آفاق بزرگ حضرت علی بن عثمان ہجویری نے لاہور میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔

شیخ حسین زنجانی لاہوری نے سلطان محمود غزنوی کے بیٹے سلطان مسعود غزنوی کے دور حکومت کے آخری دنوں (۱۰۴۰ء۔ ۴۳۱ھ) میں لاہور میں وفات پائی۔

ایک روایت کے مطابق حضرت خواجہ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے جنازے میں شرکت کی تھی ①۔

—ع—

### ۲۔ ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمن اشعشی لاہوری

شیخ ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمن اشعشی لاہوری کا ذکر کرتے ہوئے سمعانی لکھتے ہیں:

① فوائد الفواد حضرت شیخ نظام الدین اولیا۔۔۔ تحقیقات چشتی از مولوی نور احمد چشتی ص ۲۱۵۔ نقوش لاہور نمبر فروری ۱۹۶۲ء

یہ شیخ ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری کے شاگرد تھے اور سمرقند میں درس حدیث دیتے تھے۔ سمعانی نے سمرقند میں ان سے شیخ ابوالحسن کی روایات کا سماع کیا۔ شیخ ابوالفتوح نے ۴۲۹ھ (۱۰۳۸ء) کو لاہور میں وفات پائی ①۔

### ۳۔ شیخ علی ہجویری

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب دسویں پشت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے جو یہ ہے: علی بن عثمان بن علی بن عبدالرحمن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسین اصغر بن سید زید شہید بن حضرت حسن بن حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

متقدمین میں سے شیخ فرید الدین عطار نے تذکرہ الاولیاء میں شیخ نظام الدین اولیا نے اپنے ملفوظات فوائد الفواد اور در نظامی میں مولانا محمد یعقوب بن عثمان غزنوی نے رسالہ ابدالیہ میں مولانا عبدالرحمن جامی نے نجات الانس میں شیخ احمد زنجانی نے تحفۃ الواصلین میں ابوالفضل نے آئین اکبری میں عبدالصمد بن افضل بن محمد نے اخبار الاصفیا میں لعل بیگ لعلی نے ثمرات القدس میں محمد غوثی نے گلزار ابرار میں داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں بخٹاور خاں اور محمد بقا نے ریاض الاولیاء میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں لالہ سجان رائے بٹالوی نے خلاصۃ التوارخ میں اور میر غلام علی آزاد بلگرامی نے آثار الکرام میں ان کے سوانح بیان کیے ہیں۔ پھر لالہ گینش داس وڈیرہ کی چار باغ پنجاب میں مفتی محمد سرور کی خزینۃ الاصفیا اور حدیقۃ الاولیاء میں اور نور احمد چشتی کی تحقیقات چشتی میں ان کے حالات مذکور ہیں۔ خود حضرت علی ہجویری نے اپنی مشہور تصنیف کشف المحجوب میں اپنے متعلق بعض واقعات تحریر فرمائے ہیں جو دلچسپ بھی ہیں اور معلومات افزا بھی!

علاوہ ازیں متاخرین میں سے اور بھی متعدد تذکرہ نویسوں نے ان کے واقعات قلم بند کیے ہیں جن میں سید عبدالحی حسنی لکھنوی بھی شامل ہیں۔ انھوں نے زینۃ الخواطر میں ان کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کی ہیں۔

علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ان قدیم بزرگان دین، مبلغین اسلام اور صوفیائے عظام میں سے ہیں جو اس دور میں وارد لاہور ہوئے جب اس کی فضاؤں پر کفر و عصیان کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور اس پورے علاقے کو شرک کی دبیز چادر نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ ان کی تبلیغ سے ہزاروں افراد نے ظلمت کفر سے نجات پائی اور اسلام کی نعمت سے متمتع ہوئے۔

انھیں علی بن عثمان بن علی جلابی ہجویری غزنوی کہا جاتا ہے۔ جلاب اور ہجویر غزنی کے دو محلے تھے۔ پہلے یہ محلہ جلاب میں رہائش پذیر تھے پھر محلہ ہجویر میں منتقل ہو گئے تھے اسی لیے جلابی ہجویری کہلائے۔ ان کے خاندان کے سب افراد زہد و تقویٰ میں مشہور تھے۔ ان کے والدین غزنی میں فوت ہوئے۔ ان کی قبریں اب بھی

وہاں موجود ہیں ①۔

ان کی ولادت کب ہوئی؟ اس کی تصریح کسی تذکرہ نگار نے نہیں کی۔ اندازہ یہ ہے کہ ۴۰۰ھ (۱۰۱۰ء) کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ مختلف علما و صوفیا سے فیض حاصل کیا۔ غزنوی عہد کے آغاز میں لاہور تشریف لائے۔ غالباً یہ ان کی جوانی کا زمانہ تھا۔ تمام تذکرہ نگاروں نے ان کو عابد و زاہد، متقی و پرہیزگار، صوفی اور مبلغ اسلام لکھا ہے۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے ان کے لیے ”فقہ“ کا لفظ سوائے سید عبدالحی حسنی لکھنوی کے کسی نے نہیں لکھا: الشیخ الامام العالم الفقیہ الزاہد ابو الحسن علی بن عثمان بن علی الجلابی..... ②

یعنی شیخ ابوالحسن علی بن عثمان بن علی جلابی، امام عالم، فقیہ اور زاہد تھے۔

انہوں نے لکھا ہے کہ شیخ علی ہجویری نے شیخ ابولقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، شیخ ابوسعید بن ابوالخیر مہنوی، شیخ ابوعلی فضل بن محمد خاردی اور دیگر بہت سے اصحاب علم سے اخذ فیض کیا اور عرصے تک ان سے وابستہ رہے۔ پھر وارد ہند ہوئے ③۔

ان کی تصنیفات میں صرف کشف المحجوب کو شہرت حاصل ہوئی۔ حالانکہ انہوں نے اور بھی بعض کتابیں تصنیف کیں، مگر ان کا کہیں پتا نہیں چلتا۔ البتہ کشف المحجوب کے مختلف مقامات میں ان کتابوں کا ذکر موجود ہے۔

بعض صوفیائے کرام سماع کے قائل ہیں اور ان کی مجلسوں میں سماع و قوالی کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، لیکن علی ہجویری رضی اللہ عنہ اس کے شدید مخالف تھے۔ چنانچہ وہ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں۔

میں ایک دفعہ کرمان میں شیخ ابواحمد مظفر کی خدمت میں حاضر تھا۔ سفر کے کپڑے تھے اور پریشان حال تھا۔ انہوں نے مجھے فرمایا:

اے ابوالحسن! تمہیں کس چیز کی خواہش ہے؟

میں نے کہا: مجھے اس وقت سماع کی طلب ہے۔

انہوں نے ایک قوال کو بلایا اور درویشوں کی ایک جماعت بھی جوش و خروش کے ساتھ آئی۔ مجھے سماع کے الفاظ نے مضطرب کر دیا۔ جب وقت گزرا اور میرا جوش کم ہوا تو شیخ ابواحمد نے پوچھا: سماع کا کیا اثر ہوا؟ میں نے کہا: یا شیخ! بڑی مسرت ہوئی۔

فرمایا: ایک وقت آئے گا کہ سماع اور کوئے کی آواز میں تیرے لیے کوئی فرق نہ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی

① اردو ترجمہ۔ کشف المحجوب۔ (پیش لفظ) ص ۱۰ (شائع کردہ المعارف لاہور (۱۳۹۳ھ))

② نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۸۶

③ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۸۶



ہوا اور میں نے سماع سے توبہ کر لی۔

اس سے آگے لکھتے ہیں:

”میں عثمان جلابی کا بیٹا علی اس بات کو صحیح سمجھتا ہوں کہ کوئی سماع میں نہ پڑے اور طبیعت کو پریشان نہ کرے، کیوں کہ اس میں بڑے خطرے ہیں۔ بڑی آفت یہ ہے کہ عورتیں کسی اونچے مقام سے سماع کی حالت میں درویشوں کو دیکھتی ہیں اور نوجوان اور نوحاستہ ان مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں، جس سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس آفت سے مجھ پر جو کچھ گزرا ہے، گزرا ہے، آئندہ کے لیے استغفار پڑھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ میرے ظاہر اور باطن کو آفتوں سے محفوظ رکھے۔ (آب کوثر صفحہ ۷۹: بحوالہ کشف المحجوب)

وہ سخت قسم کے موحد تھے۔ انھوں نے حسین فارسی (منصور حلاج) اور ابو سلیمان کے حلوی فرقوں کو ملحد اور لعنتی کہا ہے۔ فرماتے ہیں:

میں نہیں جانتا فارسی کون ہے اور ابو سلیمان کون۔ اور انھوں نے کیا کیا اور کیا کہا۔ لیکن جو شخص تحقیق اور توحید کے خلاف چلتا ہے، اس کو دین میں کچھ نصیب نہیں ہوتا اور جب دین ہی مضبوط نہ ہو جو اصل ہے، تو تصوف جو اس کی شاخ ہے، کس طرح مفید ہو سکتا ہے۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ۴۷۰ھ (۱۰۷۸ء) کے قریب لاہور میں وفات پائی۔

—م—

## ۴۔ سلطان محمود غزنوی

سلطان محمود غزنوی کا والد امیر سبکتگین عقل مند، باتدبیر، متدین اور رحم دل حکمران تھا۔ وہ ۳۶۶ھ (۹۷۷ء) میں غزنی کی مسند حکومت پر متمکن ہوا۔ اس وقت کابل اور پشاور کا علاقہ پنجاب کے راجا جے پال کے زیر نگیں تھا، سبکتگین نے اپنی تخت نشینی کے تین سال بعد ہندوستان کی شمال مغربی سرحدوں پر نظر ڈالی اور بعض علاقوں کو فتح کرنے کی غرض سے آگے بڑھا، لیکن اس کی یہ پیش قدمی راجا جے پال کو ناگوار گزری لغمان اور غزنی کے درمیان دونوں کی فوجیں ایک دوسرے سے متصادم ہوئیں اور زبردست رن پڑا جس میں جے پال کو شکست ہوئی۔

جے پال نے سبکتگین سے کچھ وعدے کیے، لیکن ان پر پورا نہیں اترا اور ہندوستان کے تمام بڑے بڑے راجاؤں کی مدد سے بہت بڑی فوج جمع کر کے پھر مقابلے میں آ گیا، لیکن اب بھی اسے بری طرح ہزیمت اٹھانا پڑی۔ ان جنگوں میں سبکتگین کا بیٹا محمود غزنوی باپ کے ہمراہ تھا۔

محمود غزنوی عاشورہ کی رات ۳۵۷ھ (۹۶۸ء) کو پیدا ہوا۔ سبکتگین نے ۳۸۷ھ (۹۹۷ء) میں

وفات پائی اور اس کے بعد اس کے نامور بیٹے محمود غزنوی نے سلطنتِ غزنی کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ محمود غزنوی نے یکے بعد دیگرے ہندوستان پر کئی حملے کیے اور بالآخر وہ اس ملک پر قابض ہو گیا۔ اسی کے زمانے میں لاہور فتح ہوا۔ وہ پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے لاہور پر حملہ کیا اور اس پر اسلامی پرچم لہرایا۔

غزنوی حکمرانوں کا دور علم و ادب کی ترقی کا دور تھا۔ یہ حکمران جہاں جاتے علماء و فقہاء اور شعرا کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہوتی۔ اس زمانے میں لاہور کو ایک عظیم علمی مرکز کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی اور اس شہر میں عراق و بخارا اور دیگر ممالک سے بے شمار علماء و فضلا آ کر مستقل طور پر آباد ہو گئے تھے۔ اس سلسلے میں تاریخ سلاطین آلِ غزنی کا مصنف رقم طراز ہے:

و جوق جوق تشنگانِ علوم از سائر بلاد ہند و ولایت ہائے کاشغر و ماوراء النہر و عراق و بخارا و سمرقند و خراسان و غزنی و غیر ذلک۔ ازاں خیرات منفع می شدند چند انکہ یک آبادانی نودر حد و لاہور پدید آمد ①۔

یعنی دورِ غزنویہ میں بلادِ ہند، کاشغر، ماوراء النہر، عراق، بخارا، سمرقند، خراسان اور غزنی وغیرہ ممالک سے لوگ گروہ درگروہ لاہور آتے اور یہاں کے علم و فضل سے نفع اندوز ہوتے۔

ہمارا موضوع اس ضمن میں تاریخ کی تفصیلات میں جانا نہیں، بلکہ صرف یہ عرض کرنا ہے کہ لاہور اور پنجاب کے بعض دیگر علاقوں میں سب سے پہلا مسلمان حکمران محمود غزنوی آیا اور یہ حکمران جہاں بڑا شجاع، جرأت مند، صاحب بصیرت، باتدبیر، عقل مند، مجاہد اور کشور کشتا تھا، وہاں جلیل القدر عالم، فقیہ، نیک اور عادل بھی تھا۔ علاوہ ازیں علماء اور بزرگان دین سے بہ درجہ غایت محبت اور تعلق خاطر رکھتا تھا۔ اس کی زندگی کے واقعات دلچسپ بھی ہیں اور تحیر انگیز بھی۔ ہندوستان پر اس نے بار بار حملے کیے۔ باوجودیکہ راجگان ہند نے پوری یک جہتی اور طاقت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا، لیکن یہ ہر حملے میں کامیاب رہا اور ان سے اپنی فوجی قوت، جنگی صلاحیت اور ذاتی بصیرت کا لوہا منوایا۔

محمود غزنوی کے حالات میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور متقدمین میں سے متعدد مصنفین نے اپنی تصنیفات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً ابوالنصر محمد بن عبدالجبار عقی نے اپنی کتاب تاریخ الیمنی میں علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں، امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک جوینی نے مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق میں، ابن خلکان نے دلیات الاعیان میں، ابن اثیر نے تاریخ الکامل میں، اور ابوالفدا نے اپنی تاریخ میں اس کے حالات بیان کیے ہیں۔

طبقات الشافعیہ، مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق اور دلیات الاعیان کے مصنفین نے تو اس کی تبدیلی، مسلک کا واقعہ بھی درج کیا ہے اور وہ سارا قصہ نقل کیا ہے جو اس کے مسلک حنفی ترک کر کے مسلک شافعی اختیار

① بحوالہ آب کوثر: از شیخ محمد اکرام (طبع سوم ۱۹۵۲ء) ص ۷۰۶

کرنے کا باعث بنا۔ بتایا جاتا ہے کہ سلطان کے دربار میں علمائے حنفیہ اور علمائے شافعیہ کی کثیر تعداد کے سامنے فقال مروزی نے پہلے شافعی مسلک اور پھر حنفی مسلک کے مطابق نماز پڑھی ①۔ مگر اس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ محمود غزنوی بہت سی خصوصیات کا مالک تھا۔ شاہان ہند میں اس کی جو خوبی اس کو سب سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کا علم و فضل اور فقاہت دین ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں مسائل فقہ سے متعلق اس کی ایک تصنیف کا ذکر کیا ہے جس کا نام التفرید فی الفروع ہے۔ حاجی خلیفہ نے اس کتاب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

التفرید فی الفروع۔ لسلطان محمود بن سبکتگین الغزنوی الحنفی ثم الشافعی المتوفی سنة اثنتين و عشرين و اربع مائة۔ قال الامام مسعود بن شیبہ کان السلطان المذكور من اعیان الفقہاء و کتابہ هذا مشہور فی بلاد غزنة و هو فی غاية الجودة و کثرة المسائل و لعلہ نحو ستین الف مسئلة و فی التاتارخانیة نقول منه؛ ولما رأی ان المذہب الشافعی اوفق لظواهر الحدیث تشفع بعد ان جمع علماء المذہبین کما ذکرہ ابن خلکان ②۔

یعنی التفرید فی الفروع سلطان محمود بن امیر سبکتگین غزنوی حنفی ثم شافعی کی تصنیف ہے جو ۴۲۲ھ (۱۰۳۱ء) میں فوت ہوا۔ امام مسعود بن شیبہ کا کہنا ہے کہ سلطان محمود اعیان فقہاء میں سے تھا اور اس کی یہ کتاب بلاد غزنیہ میں بڑی مشہور ہے۔ عمدگی اور کثرت مسائل میں اس کتاب کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ کتاب تقریباً ساٹھ ہزار مسائل پر محتوی ہے۔ فتادی تاتارخانیہ میں اس سے مسائل درج کیے گئے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی نے جیسا کہ ابن خلکان نے ذکر کیا ہے شافعی اور حنفی دونوں مکاتب فقہ کے مجمع علماء میں جب یہ سمجھا کہ مذہب شافعی ظواہر حدیث سے زیادہ موافق ہے تو شافعی مذہب اختیار کر لیا۔

کشف الظنون کے ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ سلطان محمود غزنوی فقہ میں بلند مرتبہ رکھتا تھا اور اس باب میں وہ ایک کتاب کا بھی مصنف ہے۔ اس اقتباس سے اور اس کے حالات و واقعات پر مشتمل دیگر کتابوں کے اندراجات سے یہ بھی متضح ہوتا ہے کہ وہ پہلے مسلک حنفی کا حامل تھا بعد میں حلقہ بگوش شافعییت ہو

① اس واقعہ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے ملاحظہ ہو: مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق۔ از ابو العالی عبد الملک جوینی (متوفی ۴۷۸ھ۔ ۱۰۸۵ء) ص ۵۹ تا ۵۷۔ و فیات الاعیان ابن خلکان ج ۳ ص ۲۶۳ تا ۲۶۹۔ فقال مروزی کی نماز کے لیے ص ۲۶۷ (طبع اول۔ مطبوعہ مصر۔ ۱۳۶۷ھ۔ ۱۹۴۸ء) ملاحظہ کیجیے۔

② کشف الظنون ج ۱ کا لم ۴۲۶ (مطبوعہ البیہ۔ ۱۹۴۱ء۔ ۱۳۶۰ھ)

گیا۔ طبقات الشافعیہ میں اس کا تذکرہ اکابر شوافع کے ضمن میں کیا گیا ہے۔

افغانستان اور سرحد کے علمائے کرام اور اصحاب تاریخ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی مسلک اہل حدیث سے منسلک ہو گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کو علمائے اہل حدیث سے دلی لگاؤ تھا۔ وہ ان پر اعتماد کرتا تھا اور بعض مواقع پر اس نے ان کو سفارت کی ذمہ داریاں بھی تفویض کیں۔ چنانچہ جب ایلیک خاں نے ماوراء النہر کا علاقہ آل سامان سے آزاد کرایا اور مملکت خراسان پر قابض ہوا تو اس کی اطلاع اس نے محمود غزنوی کو دی۔ محمود غزنوی بہت خوش ہوا اور اس نے شیخ ابو الطیب سہل بن سلیمان معلو کی کو اس کے پاس بطور سفیر بھیجا اور اس کے ہاتھ مختلف قسم کے قیمتی تحائف ارسال کیے۔ اس ضمن میں فرشتہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

و ایلیک خاں ماوراء النہر یک بار از آل سامان متخلص گردانیدہ فتح نامہ بسطان محمود فرستادہ۔ اور اب استیلای مملکت خراسان تہنیت گفت بنا بر این میان ہر دو پادشاہ بناے دوستی و یگانگی استحکام پذیرفت و سلطان محمود نیز ابو الطیب سہل بن سلیمان معلو کی را کہ از ائمہ اہل حدیث بود بر رسم رسالت پیش ایلیک خاں فرستادہ..... ❶

یعنی ایلیک خاں نے جب خاندان سامان کے قبضے سے ماوراء النہر کو آزاد کرایا اور خراسان پر فتح حاصل کی تو فتح نامہ تہنیت سلطان محمود کی خدمت میں ارسال کیا جس کے نتیجے میں دونوں بادشاہوں کے درمیان اتحاد و دوستی کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں۔ اس کے جواب میں سلطان محمود نے ابو الطیب سہل بن سلیمان معلو کی کو جو ائمہ اہل حدیث میں سے تھے اپنا سفیر اور پیغام بر بنا کر ایلیک خاں کے پاس بھیجا.....

سلطان محمود غزنوی کی بہت سی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ وہ بزرگان دین اور علمائے کرام سے بہت انس و مودت رکھتا تھا۔ ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتا اور ان سے درخواست دعا کرتا۔ اس سلسلے کے متعدد واقعات میں سے ایک واقعہ لائق تذکرہ ہے جو تاریخ بنائے گیتی کے حوالے سے تاریخ فرشتہ میں مندرج ہے:

سلطان خراسان گیا تو اس کے دل میں وہاں کے مشہور بزرگ شیخ ابو الحسن خرقانی سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا لیکن اس شوق ملاقات کے ساتھ ساتھ اس کے نہاں خانہ خیال میں اس حقیقت نے بھی کروٹ لی کہ خراسان میں وہ اس بزرگ سے ملاقات کی غرض سے نہیں آیا ہے بلکہ مہمات ملکی کے سلسلے میں آیا ہے۔ لہذا اس طرح ان کی زیارت کو جانا مناسب نہیں۔ یہ سوئے ادب ہے اور دوستان خدا کے وقار کے منافی ہے۔ اس لیے اس نے ان سے ملاقات کا ارادہ ترک کر دیا۔ اب وہ خراسان سے ہندوستان آیا اور معرکہ آرائیوں میں مصروف ہو گیا۔ پھر غزنی گیا اور غزنی سے صرف شیخ کی زیارت کی غرض سے عازم خرقان ہوا۔ وہاں پہنچا تو ایک شخص کو یہ پیغام دے کر شیخ کی خدمت میں بھیجا کہ بادشاہ ملاقات کے لیے غزنی سے آیا ہے اور تقاضاے اخلاق یہ ہے کہ

❶ تاریخ فرشتہ جلد اول (فارسی) صفحہ ۴۰ (مطبوعہ بمبئی ۱۲۴۷ھ-۱۸۳۲ء)

آپ خانقاہ سے باہر تشریف لائیں اور بادشاہ کو زیارت کا موقع دیں۔ اس کے بعد قاصد سے کہا، اگر شیخ باہر آنے سے انکار کریں تو انھیں یہ فرمان خداوندی سنا دینا کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ ①۔

قاصد نے شیخ کی خدمت میں سلطان کا پیغام پہنچایا مگر شیخ نے خانقاہ سے باہر نکلنے سے انکار کر دیا اور بادشاہ کے ساتھ ملاقات کرنے سے معذرت چاہی۔ اس پر قاصد نے سلطان کی ہدایت کے مطابق مذکورہ بالا آیت کریمہ پڑھ کر سنائی۔ جواب میں شیخ نے فرمایا:

شیخ گفت معذور داروبہ محمود بگو کہ در اطیعوا اللہ چنان مستغرم کہ از اطیعوا الرسول خجالت می برم و بہ اولی الامر منکم۔ پیر دازم ②۔

مجھے معذور گردانو اور محمود سے کہو کہ اب تک میں اللہ کی اطاعت میں اس درجہ مستغرق ہوں کہ رسول اللہ کی اطاعت کا حق ادا نہیں کر سکا، جس کی وجہ سے سخت ندامت محسوس کر رہا ہوں۔ بھلا ایسی صورت میں حاکم کی اطاعت کی طرف کیوں کر عنان توجہ مبذول کر سکتا ہوں۔ اس کے آگے فرشتہ لکھتا ہے:

رسول بسطان محمود باز نمود و سلطان رقت نمودہ و گفت بر خیزید کہ این نہ آں مرد است کہ باگماں بردہ ایم ③۔

قاصد واپس آ گیا اور اس نے شیخ کا جواب سلطان کو سنایا تو سلطان یہ جواب سن کر بہت رویا اور کہا کہ یہ ایسا شخص نہیں ہے جیسا کہ ہم نے غلطی سے اسے سمجھ رکھا تھا۔

بعد ازاں سلطان اس انداز سے شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوا کہ خود اپنے غلام ایاز کا لباس زیب تن کیا اور اپنا لباس ایاز کو پہنایا اور دس کنیروں کو غلاموں کے لباس میں ملبوس کر کے ساتھ لیا۔ جب یہ لوگ شیخ کی خدمت میں پہنچے اور ان کو سلام کیا تو شیخ نے سلام کا جواب تو دیا مگر تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہوئے اور سلطان (جس نے ایاز کا لباس پہن رکھا تھا) کی طرف مطلق توجہ نہ فرمائی بلکہ ایاز کی طرف ملتفت ہوئے جو کہ سلطان کے لباس میں ملبوس تھا۔ اس پر ایاز نے جو درحقیقت سلطان تھا، شیخ سے کہا۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نہ تو بادشاہ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور نہ اس کی طرف التفات کیا۔ کیا فقر کے جال کی یہی کائنات ہے کہ بادشاہ کو اس طرح نظر انداز کر دیا جائے؟ شیخ نے جواب دیا۔ ہاں جال تو یہی ہے لیکن تیرا مشار

① یہ سورہ نسا کی ۵۹ ویں آیت ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (ان کی) جو تم میں سے اہل حکومت ہیں۔

② تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۶۳ (مطبوعہ بمبئی ۱۸۳۲ء - ۱۲۴۷ھ)

③ ایضاً

ایہ اس جال میں گرفتار نہیں ہے۔ تو سامنے آ کہ اس جال کا سب سے بڑا شکار تو خود ہے۔ سلطان نے جب دیکھا کہ اصل حقیقت منکشف ہو چکی ہے تو مؤدب ہو کر شیخ کے سامنے بیٹھ گیا اور کچھ فرمانے کی درخواست کی۔ شیخ نے غلاموں کے لباس میں بیٹھی ہوئی کنیزوں کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا کہ ان نامحرموں کو اس مجلس سے نکال دو۔ سلطان نے ان کو نکال دیا اور عرض کیا کہ حضرت بایزید بسطامی کا کوئی واقعہ سنائیے۔ شیخ نے کہا۔ بایزید کا فرمان ہے: ”جس نے مجھے دیکھ لیا، وہ ظلم و ستم کی برائیوں سے محفوظ ہو گیا۔“

سلطان نے سوال کیا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا بایزید کا مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے بھی زیادہ ہے۔ حضور ﷺ کو دیکھنے والوں میں بھی سبھی لوگ اچھے نہ تھے۔ ابو جہل اور ابولہب نے بھی تو آپ کو دیکھا تھا، وہ کافر کے کافر ہی رہے۔ پھر بایزید کے دیکھنے والوں میں ہر ظالم کیوں کر اچھا انسان بن سکتا ہے؟ شیخ نے سلطان کی یہ بات سن کر کہا۔

محمود! اپنی بساط سے بڑھ کر بات نہ کرو۔ ادب ملحوظ رکھو۔ دنیاے ولایت میں بے ادبی سے قدم نہ رکھو۔ اس حقیقت کو خوب جان لو کہ رسول اللہ ﷺ کو چار یاروں اور دیگر صحابہ کرام کے سوا کسی نے نہیں دیکھا۔ کیا تم نے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں سنی۔

وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ①۔

دیکھنے سے مراد اطاعت رسول ﷺ ہے۔

سلطان کو شیخ کی یہ بات بہت پسند آئی اور عرض کیا مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ فرمایا۔ تمہیں چار چیزیں اختیار کرنی چاہئیں جو یہ ہیں۔

① پرہیزگاری

② نماز باجماعت

③ سخاوت

④ شفقت

اس کے بعد سلطان نے دعا کی درخواست کی۔ فرمایا: میں پانچوں وقت نماز کے بعد یہ دعا کرتا ہوں۔

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ②۔

سلطان نے کہا یہ دعا تو عام ہے میرے لیے کوئی خاص دعا کیجیے۔ فرمایا۔ ”محمود جاؤ تمہاری عاقبت محمود ہو۔“

① یہ آیت سورہ اعراف کی ۱۹۸ ویں آیت ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: اور ان کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔

② یعنی اے اللہ! مومن مردوں اور مومن عورتوں کی مغفرت فرما۔

بعد ازاں سلطان نے اشرافیوں کا ایک توڑا شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ نے جو کی روٹی اس کے سامنے رکھی اور اسے کھانے کے لیے کہا۔ سلطان نے لقمہ توڑ کر منہ میں ڈالا تو محسوس کیا کہ روٹی بہت سخت ہے۔ ہر چند اسے چبایا لیکن روٹی کا ٹکڑا نہ تو دانتوں سے کٹتا تھا اور نہ حلق سے نیچے اترتا تھا۔ شیخ نے پوچھا۔ کیا یہ روٹی تمہارے حلق میں اٹکتی ہے؟ سلطان نے اثبات میں جواب دیا۔ فرمایا جس طرح ہماری یہ جو کی سوکھی روٹی تمہارے حلق سے نیچے نہیں اترتی، اسی طرح تمہارا یہ اشرافیوں سے بھرا ہوا توڑا ہمارے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ اس کو ہمارے سامنے سے اٹھا لو۔ ہم اس کو ترک کر چکے ہیں۔

سلطان نے بطور یادگار شیخ سے کوئی چیز مانگی تو انہوں نے اپنا خرقہ عنایت فرمایا۔ سلطان جب شیخ کی مجلس سے رخصت ہونے کے لیے اٹھا تو شیخ بھی اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے سوال کیا، اس کی کیا وجہ ہے، جب میں آپ کے پاس آیا تھا تو آپ نے میری کوئی پروا نہ کی اور جانے لگا ہوں تو اٹھ کر کھڑے ہو گئے ہیں؟

فرمایا! جب تم میرے پاس آئے تھے تو خدم و حشم تمہارے ساتھ تھے۔ تم غرور بادشاہت میں سرمست تھے اور میرے امتحان کی غرض سے آئے تھے، لیکن اب تم عاجزی اور انکسار کے ساتھ واپس لوٹ رہے ہو ①۔  
غزنی کے اس کشور کشائے اعظم اور فاتح ہند کے بے شمار واقعات کتب تاریخ میں منقول ہیں، لیکن ان کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ یہاں صرف اس کی علمی اور دینی حیثیت کا تذکرہ مقصود ہے۔

سلطان محمود غزنوی میانہ قد اور خوش اندام تھا۔ اس کے چہرے پر چچک کے داغ تھے۔ ایک مرتبہ سلطان نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو کسی ندیم کے سامنے اپنے خوب رونہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا۔ ندیم نے کہا، گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کی صورت لاکھوں میں سے ایک نے دیکھی اور سیرت و کردار سب کے علم میں ہے۔

یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے اپنے لیے ”سلطان“ کا لفظ استعمال کیا۔ اس کی فتوحات کی تیزی اور وسعت نے بڑے بڑے بادشاہوں اور جنگ جوؤں کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیا تھا۔

سلطان محمود غزنوی جمعرات ۲۳ ربیع الثانی ۴۲۱ھ (۳۰ اپریل ۱۰۳۰ء) کو اور بعض کے نزدیک ۴۲۲ھ (۱۰۳۱ء) کو تریسٹھ برس کی عمر پا کر غزنی میں فوت ہوا۔ پینتیس سال حکومت کی۔ شب کو بارش ہو رہی تھی کہ جنازہ اٹھا اور قصر فیروز غزنی میں دفن کیا گیا۔



① اس واقعہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ تاریخ فرشتہ ج ۱، ص ۶۳، ۶۴ مطبوعہ ممبئی۔

## چھٹی صدی ہجری

## الف

## ۱۔ قاضی اسماعیل بن علی سندھی

اسماعیل بن علی بن محمود بن موسیٰ بن یعقوب ثقفی سندھی، علم و فضل میں بے نظیر فصاحت میں عدیم المثال اور بلاغت میں فقید العصر تھے۔ سندھ کے شہر ارور کے منصب قضا اور خطابت پر فائز تھے۔ اور یہ منصب عرصے سے ان کے خاندان میں چلا آ رہا تھا اور آبا و اجداد کی طرف سے انھیں ورثے میں ملا تھا۔ فلسفہ ادب اور باقی علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ نیکی کا یہ عالم تھا کہ انوار تقدیس ان کی پیشانی پر عیاں تھے۔ سچ نامہ کے مصنف علی بن حامد بن ابوبکر کوفی (متوفی ۶۱۳ھ - ۱۲۱۶ء) نے اپنی کتاب (سچ نامہ) میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں ان سے شہر ارور میں ملا۔ ان کے پاس تاریخ سندھ کے اوراق تھے۔ اس نواح میں مسلمانوں کے غزوات اور ان کی فتوحات کے بارے میں کچھ منتشر واقعات دیکھے جو عربی زبان میں ان کے پاس مرقوم تھے۔ میں نے ان سے یہ منتشر اجزالیے اور عربی سے فارسی زبان میں منتقل کر دیے۔ سچ نامہ کے مصنف کے الفاظ یہ ہیں:

مولانا قاضی الامام الاجل، العالم البارع، کمال الملت والدین، سید الحکام، اسماعیل بن علی بن محمد بن طائی بن یعقوب بن طائی بن موسیٰ بن محمد بن شہاب بن عثمان ثقفی ادام اللہ فضلہ و رحمہ و آباءہ و اسلافہ بحق محمد و آلہ اجمعین کہ در فصاحت کان فضل است و در ملاحت جان عقل است و در فنون علم و زہد بے نظیر و در صنوف بلاغت بے ظہیر دیدہ شد استخبار کردہ آمد۔ و گفت تاریخ این فتح، بحظ آبا و اجداد مابلغت حجازی در کتاب مسطور است و از یک دیگر میراث شدہ بورشہ می رسد فاما چون در پردہ تازی و حجاب حجازی بود در میان اہل عجم منتشر نشد۔<sup>①</sup>

① سچ نامہ۔ ص ۹-۱۰۔



## ب

## ۲۔ ابوالحسن بختیار بن عبداللہ صوفی ہندی

چھٹی صدی ہجری کے ہندوستان میں بہت سے مشہور محدث موجود تھے۔ رجال و انساب سے متعلق ایک معروف تصنیف 'الانساب' ہے جس کے حوالے گزشتہ صفحات میں مختلف مواقع پر دیے گئے ہیں۔ اس کے مصنف ابوسعید عبدالکریم سمعانی (۵۶۲ھ) میں فوت ہوئے۔ ان کی یہ کتاب اپنے موضوع میں جامع، مفصل اور مستند کتاب ہے۔ اس میں وہ "الہندی" کے تحت لکھتے ہیں:

فہو منسوب الی بلاد الہند و فیہم کثرۃ و شہرۃ۔

یعنی (چھٹی صدی ہجری کے) ہندوستان میں محدثین و فقہاء کی کثیر اور مشہور جماعت موجود ہے۔

اس جماعت میں سے دو بزرگ غلام تھے جو غلام کی حیثیت سے ابھرے اور دنیاے علم کے سامنے حدیث و فقہ کے امام بن کر نمودار ہوئے۔ یہ دونوں امام سمعانی کے شیخ اور استاد تھے۔ ان کے نام ایک ہیں اور کئی ہیں۔

ان میں سے ایک شیخ ابوالحسن بختیار بن عبداللہ ہندی ہیں۔ یہ صوفی اور محدث تھے اور قاضی محمد بن اسماعیل یعقوبی کے (جو بوشنگ کے رہنے والے تھے) آزاد کردہ غلام تھے۔ بلند سیرت عالم تھے۔ اپنے آقا کے ساتھ عراق، حجاز، اہواز، بغداد، بصرہ، اصفہان، کوہستان اور خوزستان کا سفر کیا۔ ان کے اساتذہ کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ جہاں گئے وہاں کے شیوخ و محدثین سے روایات سننے کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے مثلاً بغداد میں ابو نصر محمد، ابوالفوارس طراد بن محمد بن علی زینی اور ابو محمد رزق اللہ بن عبدالوہاب تمیمی سے، بصرہ میں ابو علی بن احمد بن علی تستری، حافظ حدیث ابوالقاسم عبدالملک بن علی بن خلف بن شعبہ اور ابو یعلیٰ احمد بن محمد بن حسن عبدی سے، اصفہان میں طبقہ محدثین کی بہت بڑی جماعت سے، اسی طرح بلاد کوہستان کے اہل الحدیث سے احادیث و روایات کی سماعت کی۔ سمعانی نے بوشنگ اور ہرات میں ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ ان کی وفات ۵۴۳ھ (۱۱۲۸ء) میں ہوئی ①۔

## ۳۔ بختیار بن عبداللہ ہندی فصاد

یہ ابو محمد بختیار بن عبداللہ ہندی فصاد ہیں۔ ان کے بارے میں سمعانی لکھتے ہیں کہ یہ میرے والد ابو بکر محمد سمعانی کے آزاد کردہ ہندی غلام تھے۔ ان کے ساتھ انھوں نے عراق اور حجاز کا سفر کیا اور ان سے بہت

① الانساب سمعانی ورق ۵۹۲۔ معجم البلدان ج ۱ ص ۵۰۸۔

سی احادیث کا سماع کیا۔ الفاظ یہ ہیں:

انه عتق الامام والدی رحمہ اللہ سافر معہ الی العراق و الحجاز و سمعہ الحدیث الکثیر و کان عبداً صالحاً۔

یہ صالح اور پرہیزگار آدمی تھے۔ انہوں نے حصول علم کے لیے عراق، ہمدان اور اصفہان وغیرہ ملکوں اور علاقوں کی خاک چھانی اور وہاں کے اساتذہ فن سے اخذ فیض کیا۔ بغداد میں ابو محمد جعفر بن احمد بن حسین سراج سے، ابو الفضل محمد بن عبدالسلام بن احمد انصاری سے اور ابو الحسن مبارک بن عبدالجبار طیوری سے، ہمدان میں ابو محمد عبدالرحمن بن احمد بن حسن دونی سے اور اصفہان میں ابوالفتح محمد بن احمد حداد اور ان کے طبقے سے سماع حدیث کی۔ خود سمعانی نے ان سے روایات سننے کا شرف حاصل کیا۔ ان کا انتقال ماہ صفر ۵۴۱ھ (جولائی ۱۱۴۶ء) میں مرو میں ہوا ①۔

## ع

### ۴۔ ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری

لاہور برصغیر پاک و ہند کا قدیم اور مشہور شہر ہے۔ اس میں بے شمار علما و فقہا، مفسرین و محدثین اور عباد وزہاد باہر سے بھی آئے اور خود اس شہر میں بھی پیدا ہوئے، سمعانی یعنی ابوسعید عبدالکریم بن محمد بن منصور تمیمی سمعانی (متوفی ۵۶۲ھ - ۱۱۶۷ء) نے اسے ”لوہور“ بھی لکھا ہے اور ”لاہور“ بھی۔ اور اسے بلاد ہند کا ”کثیرۃ الخیر“ شہر قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں سمعانی کے الفاظ یہ ہیں۔

وہی مدینة من بلاد الهند، کثیرۃ الخیر، ويقال لها لوہور و لاہور،  
خرج منها جماعة من العلماء ②۔

یعنی یہ بلاد ہند کا ایک کثیر الخیر شہر ہے۔ اسے لوہور بھی کہا جاتا ہے اور لاہور بھی۔ اس میں علمائے کرام کی ایک جماعت نمودار ہوئی۔

سمعانی نے لاہور کے تین علمائے عظام کا ذکر کیا ہے اور وہ ہیں ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری، ابو الفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمن اشعشی لاہوری اور ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری۔۔۔ الشیخ ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری کے بارے میں سمعانی لکھتے ہیں:

یہ ادیب و شاعر بھی تھے اور محدث بھی۔ سخن طراز بھی تھے اور شگفتہ مزاج بھی۔ بہت سی

① الانساب سمعانی ورق ۵۹۳۔

② الانساب سمعانی ورق ۴۹۷۔

احادیث انھیں زبانی یاد تھیں۔ حافظ ابو علی مظفر بن الیاس بن سعید سعیدی کے شاگرد تھے۔  
سمعی ان کے متعلق مزید لکھتے ہیں: میں خود ان سے نہیں ملا، لیکن حافظ ابو الفضل محمد بن ناصر سلامی  
بغدادی کے واسطے سے مجھے ان کی شاگردی کا فخر حاصل ہے ان کا فیض علم لاہور سے بغداد تک جاری تھا۔  
سمعی کے الفاظ یہ ہیں:

ابو الحسن علی بن عمر بن الحکم اللوہوری کان شیخاً ادیباً  
شاعراً کثیر المحفوظ، ملیح المحاورۃ، سمع ابا علی المظفر بن  
الیاس بن سعید السعیدی الحافظ، لم الحقہ و روی لنا عنہ۔  
ابو الفضل محمد بن ناصر السلامی الحافظ البغدادی ①۔

## ۵۔ عمرو بن سعید لاہوری

شیخ عمرو بن سعید لاہوری، چھٹی صدی ہجری کے لاہور کی عظیم علمی شخصیت تھے۔ یہ بہت بڑے فقیہ اور  
محدث تھے۔ تذکروں میں ان کے مفصل حالات نہیں ملتے، لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے تلامذہ کا حلقہ وسیع  
تھا۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں ان کا ذکر کیا ہے۔ محمد بن ابوبکر اصفہانی (متوفی ۵۸۱ھ۔ ۱۱۸۵ء) ان کے  
شاگرد تھے۔ افسوس ہے شیخ عمرو بن سعید کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ نہ ان کی ولادت و  
وفات کے سنین کا علم ہو سکا ہے اور نہ ان کے اساتذہ و تلامذہ کے بارے میں تفصیلات مہیا ہو سکی ہیں ②۔

—م—

## ۶۔ شیخ محمد بن عبد الملک جرجانی

لاہور کے مشہور اور جلیل القدر علما میں شیخ محمد بن عبد الملک خطیر الدین کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ  
علم و فضل میں یگانہ روزگار اور زہد و تقویٰ میں عدیم المثال تھے۔ اس سلسلے میں اپنے زمانے میں ان کا کوئی  
حریف نہ تھا۔ بہت بڑے شاعر بھی تھے۔ ان کے اشعار میں سے چند شعر یہاں درج کیے جاتے ہیں:

گردش روزگار پُر عبرت نیک داند کسے کہ معتبر است  
چرخ پُر شعبہ است و پُر نیرنگ ہمہ نیز نگہاش کار گراست  
بدو نیک زمانہ مختلط است غم و شادیش ہر دو منتظر است

① الانساب ورق ۴۹۷۔

② معجم البلدان ج ۵ ص ۲۷۔

ہست جمال آب دریا ابر خاک راحقہ ہای پُر درد است  
 باز شمشیر برق تیغ کشید چوں پلان کوہسار باکراست  
 اندرین روزگار نا سامان ہر کہ باعاشقیست باہنراست  
 ہم چور و باہ ہست کشتہ دم؟ ہم چوطاؤس بتلای پراست  
 اختر و آخیش بے مہر اند اگر ایں مادر است و آں پدر است  
 از چینیں مادر و پدرچہ عجب کہ موالید ماندہ در بدر است ①  
 افسوس ہے ان کے حالات کا اس سے زیادہ علم نہ ہو سکا۔

## ۷۔ ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری

شیخ ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری فقیہ اور مناظر تھے۔ سمعانی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:  
 و ابو القاسم محمود بن خلف اللوہوری فقیہ و مناظر، تفقہ علی  
 جدی الامام ابی المظفر السمعانی و سمع منہ وغیرہ، سمعت منہ  
 شیئا یسیرا، باسفرائن و کان قد سکنها و توفی فی حدود سنۃ  
 اربعین و خمس مائة ②۔

یعنی ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری فقیہ اور مناظر تھے۔ میرے دادا امام ابوالمظفر سمعانی سے  
 علم فقہ حاصل کیا۔ ان کے علاوہ دیگر علماء و محدثین سے بھی سماعتِ علم کی۔ میں نے اسفرائین  
 میں ان سے کچھ روایات سننے کا شرف حاصل کیا۔ انہوں نے وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔  
 ۵۴۰ھ (۱۱۴۶ء) کے لگ بھگ فوت ہوئے۔

## ۸۔ مخلص بن عبداللہ ہندی

شیخ ابوالحسن بن عبداللہ ہندی مہذبلی۔ یہ چونکہ مہذب الدولہ ابو جعفر دامغانی کے آزاد کردہ غلام تھے  
 اس لیے مہذبلی کہلائے۔ یہ نسبت مہذب کی طرف ہے جو ان کے آزاد کرنے والے کا لقب تھا۔  
 مخلص بن عبداللہ درحقیقت ہندی تھے، لیکن بغداد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ بغداد میں انہوں نے  
 شیخ ابوالغنائم محمد بن علی نرسی، ابوالقاسم بزاز اور ابوالفضل جنبلی وغیرہم سے احادیث سنیں۔ سمعانی کہتے ہیں، میں  
 نے بغداد میں مخلص بن عبداللہ سے کچھ احادیث سنی تھیں ③۔

① باب الالباب۔ از نورالدین محمد عوفی، ج ۱، ص ۲۳۲ (مطبوعہ لیدن)

② الانساب، ورق ۴۹۷۔

③ زہبۃ النواظر، ج ۱، ص ۱۱۱، بحوالہ الانساب۔

## ی

## ۹۔ یوسف بن ابوبکر گردیزی

ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: سید یوسف بن ابوبکر بن علی بن محمد بن حسین بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن محمد الدیرباج بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین۔۔۔ ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) میں مضافاتِ غزنی کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے، جس کا نام گردیز تھا۔ بچپن ہی میں تحصیل علم میں مصروف ہو گئے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اپنے باپ سے، انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے شہرہ آفاق بزرگ حضرت شیخ ابو یزید بسطامی رضی اللہ عنہ سے اخذ فیض کیا یعنی (باپ اور دادا کے) دو واسطوں سے یہ شیخ ابو یزید بسطامی کے شاگرد ہیں۔ دوسری روایت کے مطابق اپنے دادا سے کسب علم کیا۔ یعنی صرف ایک واسطے سے ان کو حضرت ابو یزید بسطامی کے شاگرد ہونے کا فخر حاصل ہے۔

بہت بڑے عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔ حصول علم کے بعد گردیز سے ملتان منتقل ہو گئے اور دعوت و ارشاد کو اپنا مقصد حیات قرار دے لیا۔ ان سے خلق کثیر نے فیض حاصل کیا اور بے شمار لوگ ان کے حلقہ شاگردی میں داخل ہوئے۔ بدرجہ غایت عبادت گزار اور ہر آن خشیتِ الہی میں رہنے والے تھے۔ ان کی طرف بہت سے کشوف و کرامات منسوب ہیں جن کا ہمارے موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ۸۱ سال کی عمر پا کر ۱۲ ربیع الاول ۵۳۱ھ (۸ دسمبر ۱۱۳۶ء) کو ملتان میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ①۔



① نزہۃ الخواطر۔ ج ۱ ص ۱۱۹۔ بحوالہ جمال یوسف۔

## ساتویں صدی ہجری

### الف

#### ۱۔ شیخ احمد بن محمد ہانسوی

شیخ احمد بن محمد بن مظفر بن ابراہیم خطیب۔ انھیں شیخ جمال الدین نعمانی ہانسوی بھی کہا جاتا ہے۔ شہر ہانسی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ جہاں تقویٰ و صالحیت کے اوصاف سے متصف تھے وہاں نامور عالم دین اور فقیہ بھی تھے۔ ان کا شمار کبار مشائخ چشتیہ میں ہوتا ہے۔ تصوف و طریقت کے لیے شیخ فرید الدین مسعود (پاک پٹن) کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھے اور ان کے اعظم خلفا میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ سلسلہ سلوک میں اس درجہ اونچے مقام پر پہنچے کہ ان کی وجہ سے شیخ فرید الدین پورے بارہ سال شہر ہانسی میں قیام فرما رہے۔ شیخ فرید الدین کے نزدیک ان کا مرتبہ سلوک اتنا بلند تھا کہ جب وہ کسی بزرگ کو کسی علاقے کا خلیفہ مقرر فرماتے اور تصوف و سلوک کے سلسلے کو آگے بڑھانے کی غرض سے ان کو سند و اجازہ تحریر کر کے دیتے تو اس کو پہلے انہی شیخ احمد جمال الدین ہانسوی کی خدمت میں بھیجتے۔ اگر شیخ احمد جمال الدین اسے لائق خلافت گردانتے اور سند و اجازہ پر اپنی مہر ثبت کر دیتے تو شیخ فرید الدین اس کی خلافت باقی رہنے دیتے اور اگر وہ مہر نہ لگاتے اور اسے رد کر دیتے تو شیخ فرید الدین بھی اسے قبول نہ فرماتے اور کہتے، جس کو جمال نے گرا دیا وہ ترقی کی منزلیں طے نہ کر پائے گا۔ نیز فرماتے، ”جمال جمال است۔“

شیخ جمال الدین ہانسوی کا عربی میں ایک رسالہ بھی ہے جو مہمات کے نام سے موسوم ہے۔ ان کا ایک فارسی دیوان ہے۔

ان کا انتقال ۶۵۹ھ (۱۲۶۱ء) میں ہوا ①۔

#### ۲۔ شیخ اسحاق بن علی بخاری

شیخ اسحاق بن علی بن اسحاق بخاری۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت علی بن حسین سے ملتا ہے۔ انھیں بدر

① اخبار الاخیار۔ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۶۷۔ نزہۃ الخواطر۔ ج ۱ ص ۱۲۲۔

الدین اسحاق بھی کہا جاتا ہے۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ دہلی میں اپنے باپ شیخ علی بن اسحاق بخاری سے جنہیں منہاج الدین علی بن اسحاق بخاری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، تحصیل علم کی۔ طلبا میں خوش طبعی اور تیزی ذہن میں ممتاز تھے۔ مروجہ علوم میں ماہر تھے۔ عظیم فقیہ اور زاہد تھے۔ تحصیل علم کے بعد طویل عرصے تک دہلی کے مدرسہ معزیہ میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ایک مرتبہ بخارا جانے کا ارادہ کیا اور دہلی سے چلے تو اثنائے سفر میں اجودھن (پاک پٹن) پہنچے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ ایک نہایت صالح اور متقی بزرگ ہیں جو اس آبادی میں تشریف فرما ہیں۔ ملاقات کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ شیخ فرید الدین نے ان کے چہرے اور کردار و سیرت میں فضیلت کے آثار دیکھے تو اپنے پاس ہی رہنے کا حکم دیا۔ اپنی بیٹی ان کے عقد میں دی اور صوفیا کے طریقے کے مطابق خرقہ ان کے زیب تن کیا۔ پھر تمام عمر وہ حضرت شیخ فرید الدین کی خدمت میں رہے۔

زہد و عبادت کے ساتھ ساتھ شاعری میں بھی ایک مقام رکھتے تھے۔ خشیت الہی کا جذبہ ہر آن قائم رہتا۔ جب دیکھو اللہ کے ڈر سے آنکھیں اشک بار ہیں۔

شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض خلفا اور اصحاب ارادت کو عوام کی رشد و ہدایت کے لیے مختلف علاقوں اور شہروں میں متعین کر رکھا تھا۔ مثلاً کسی کے سپرد کلیئر کا علاقہ تھا اور کسی کے دہلی کا۔ شیخ اسحاق کو بھی اس ضمن میں کسی علاقے میں بھیجنا چاہا مگر انہوں نے باہر جانے سے معذرت کر دی اور مرشد کی خدمت میں پاک پٹن ہی میں مقیم رہنے پر اصرار کیا حتیٰ کہ وہیں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔

ان کی تصنیفات بھی ہیں جن میں ایک کتاب کا نام اسرار الاولیا ہے۔ اس میں اپنے شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات جمع کیے گئے ہیں۔ ایک کتاب عربی نظم میں علم صرف سے متعلق ہے۔

۶ جمادی الاخریٰ ۶۹۰ھ (۱۸ اپریل ۱۲۹۱ء) کو پاک پٹن میں فوت ہوئے ①۔

ب

### ۳۔ شیخ بدر الدین دلموی

شیخ بدر الدین علوی حسینی دلموی، بہت بڑے متقی بھی تھے اور جلیل القدر فقیہ بھی۔ مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ شیخ کبیر عثمان ہارونی کی صحبت میں رہنے کی سعادت حاصل کی اور انہی سے طریقہ چشتیہ کی تعلیم پائی۔ پھر ہندوستان آئے اور راءے بریلی سے دس میل کے فاصلے پر ایک مقام دلمو میں رہائش اختیار کی۔ ۶۳۶ھ (۱۲۳۸ء) میں دلمو میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ بعض حضرات نے ”بدرتم“ سے ان کی تاریخ وفات نکالی ہے۔ ان کی لوح قبر پر بھی ”بدرتم“ مرقوم ہے ②۔

① اخبار الاخبار شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ ص ۶۷۔ نزہۃ الخوانج۔ ص ۱۲۳۔ تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۳۱۔

② نزہۃ الخواطر۔ ج ۱۔ ص ۱۲۶۔ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

## ۴۔ شیخ بدرالدین سمرقندی

شیخ بدرالدین فردوسی سمرقندی، جلیل القدر عالم اور فقیہ تھے۔ سرزمین ہند کے ان مشہور مشائخ میں سے تھے جنہوں نے شیخ سیف الدین باخرزی سے علم طریقت حاصل کیا اور کافی عرصہ ان سے وابستہ رہے۔ بعض حضرات کے نزدیک شیخ باخرزی کی وساطت کے بغیر شیخ نجم الدین کبریٰ سے اخذ طریقت کیا۔ کہتے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے شیخ نجم الدین کبریٰ کو دیکھا تو ہے لیکن ان سے طریقت نہیں سیکھی۔ طریقت کے لیے شیخ باخرزی کے سامنے ہی دوزانو ہو کر بیٹھے۔ البتہ شیخ باخرزی نے شیخ نجم الدین کبریٰ سے اخذ طریقت کیا ہے۔

شیخ قطب الدین بختیار کاکی کے زمانے میں وارد دہلی ہوئے۔ صورت و سیرت میں بلند پایہ بزرگ تھے۔ مشائخ طریقتہ فردوسیہ کے یہ پہلے بزرگ ہیں جو ہندوستان آئے اور پھر یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

ان سے شیخ رکن الدین دہلوی اور بہت سے لوگوں نے علم حاصل کیا۔ شیخ نظام الدین کے زمانے میں دہلی میں وفات پائی<sup>①</sup>۔ خزینۃ الاصفیاء کی روایت کے مطابق ۷۱۶ھ (۱۳۱۶ء) میں فوت ہوئے، لیکن یہ صحیح نہیں<sup>②</sup>۔

## ۵۔ شیخ بدرالدین غزنوی

شیخ بدرالدین غزنوی صالحیت اور فقاہت میں ممتاز درجہ کے مالک تھے۔ ان کا شمار کبار مشائخ چشتیہ میں ہوتا ہے۔ کم عمری ہی میں غزنی سے لاہور آ گئے تھے اور یہاں آ کر اپنی تمام کوششیں تحصیل علم کے لیے وقف کر دی تھیں۔ انہوں نے اپنے زمانے کے جید اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر لاہور سے دہلی منتقل ہو گئے۔ اس زمانے میں اسلامی ممالک تاتاریوں کے دستِ مظلم کا شکار بنے ہوئے تھے۔ ہر طرف تباہی پھیلی ہوئی تھی اور اسلامی ملکوں سے بے شمار علمائے دین، شہزادے اور امرا و وزرا ہندوستان آ گئے تھے اس لیے کہ ہندوستان میں امن تھا اور اس کے حکمران علما و صلحا کی قدر کرتے تھے۔ شیخ بدرالدین غزنوی دہلی پہنچے تو ان لوگوں سے انہیں اسلامی ممالک کا حال معلوم ہوا اور پتا چلا کہ یہ فتنہ ان کے آبائی شہروں میں بھی پہنچ گیا ہے اور ان کے ماں باپ اس ہنگامے میں قتل کر دیے گئے ہیں۔ یہ الم ناک خبر سن کر شیخ بدرالدین نہایت پریشان ہوئے اور دہلی ہی کو اپنا مستقل وطن قرار دے لیا۔ دہلی میں ان دنوں صالحیت و تصوف میں شیخ قطب الدین بختیار کاکی کا بہت شہرہ تھا۔ یہ ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور ان سے طریقت کی تعلیم حاصل کی۔ تمام عمر ان سے وابستہ رہے اور ان کی وفات کے بعد دہلی میں ان کے خلیفہ اور جانشین مقرر ہوئے۔ ان کے دورِ خلافت میں شیخ امام الدین نے

① اخبار الاخیار۔

② نزہۃ الخواطر۔ ج ۱ ص ۱۲۷۔



ان سے علم طریقت حاصل کیا۔

۶۵۷ھ (۱۲۵۹ء) میں دارالحکومت دہلی میں وفات پائی ①۔

## ۶۔ مولانا برہان الدین بزاز

علامہ برہان الدین بزاز دہلوی ہندوستان کے مشہور حکمران سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے کبار فقہا میں سے تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ غیاث الدین بلبن ان کی بے حد تکریم کرتا تھا ②۔ اس سے زیادہ ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

## ۷۔ شیخ برہان الدین بلخی

شیخ برہان الدین محمود بن ابوالخیر اسعد بلخی، عہد سلطان غیاث الدین بلبن کے اکابر علماء و فضلاء میں سے تھے۔ فقیہ و محدث، جامع علوم عقلیہ و نقلیہ، ماہر فنون رسمیہ و عرفیہ، صاحب شریعت و طریقت اور شاعر تھے۔ شعر عارفانہ کہتے تھے۔ انھوں نے مشارق الانوار (تصنیف حسن بن محمد صغانی) براہ راست اس کے مصنف علام سے باسناد سنی تھی۔ سلطان غیاث الدین بلبن ہر جمعے کو نماز جمعہ کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور دیر تک ان کے پاس بیٹھتا۔

فرماتے ہیں میں چھ سات سال کی عمر کا بچہ تھا اور اپنے والد کے ساتھ جا رہا تھا کہ سامنے سے صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی کی سواری آئی۔ میں ہجوم میں باپ سے الگ ہو گیا۔ اتنے میں شیخ کی سواری قریب آگئی تو میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ انھوں نے میری طرف تیز نظروں سے دیکھا۔ ”درمن تیز بدید“ اور فرمایا اللہ مجھے یہ کہلواتا ہے کہ یہ چھوٹا سا بچہ اپنے زمانے میں علامہ ہوگا۔ الفاظ یہ ہیں: خدا مرا چینس می گویا ند کہ ایس کودک در روزگار خویش علامہ عہد شود۔ میں نے یہ بات اپنے کانوں سے سنی اور شیخ کی سواری کے ساتھ چل پڑا۔ پھر فرمایا: خدا مجھے یہ کہلواتا ہے کہ یہ لڑکا اس مرتبے کا حامل ہوگا کہ بادشاہ اس کے دروازے پر حاضری دیں گے۔

خدا مرا چینس می گویا ند کہ ایس کودک چناں شود کہ بادشاہ بردراو بیانند۔ اس کے بعد شیخ برہان الدین بلخی نے اپنے بارے میں فرمایا کہ اللہ مجھ سے ایک گناہ کبیرہ کے بارے

① نزہۃ الخواطر۔ ج ۱، ص ۱۲۶، بحوالہ خزینۃ الاصفیاء۔ نیز دیکھیے تاریخ فیروز شاہی (برنی) ص ۱۱۲۔

② تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۱۱۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۱۲۸۔

میں ضرور باز پرس کرے گا۔

لوگوں نے سوال کیا: وہ کون سا گناہ کبیرہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ سے باز پرس کی جائے گی؟

جواب دیا: سماع چنگ است کہ چنگ را بسیار شنیدہ ام۔

یعنی وہ گناہ کبیرہ سماع چنگ ہے (ایک قسم کا باجہ) جو میں بہت دفعہ سن چکا ہوں۔

ان کی وفات ۶۸۷ھ (۱۲۸۸ء) میں ہوئی۔ قبر دہلی میں حوض شمسی کے مشرقی جانب ہے جسے تختہ نور کہتے ہیں۔ ”محدث فہیم“ تاریخ وفات ہے ①۔ وہاں کے اکثر لوگ ان کی قبر کی مٹی بچوں کو کھلاتے تھے تاکہ ان کے ذہن میں تیزی پیدا ہو اور وہ زیادہ علم حاصل کریں ②۔

## ۸۔ مولانا برہان الدین نسفی

شیخ برہان الدین نسفی، عظیم المرتبت عالم تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں عبور رکھتے تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں ان کی مسند درس پچھی ہوئی تھی، جس سے لوگ کثیر تعداد میں فیض یاب ہوئے اور بے شمار مشائخ نے ان سے استفادہ کیا۔

ان کی خدمت میں حصول علم کے لیے کوئی طالب علم حاضر ہوتا تو تین شرطیں اس کے سامنے رکھتے جن پر عمل کرنا ضروری قرار دیتے۔

اول یہ کہ جو کھانا اس کا جی چاہے کھائے لیکن دن اور رات میں ایک ہی وقت کھائے تاکہ پیٹ کھانے ہی سے نہ بھر جائے بلکہ اس میں علم کے لیے بھی جگہ باقی رہے۔

دوم یہ کہ درس میں روزانہ حاضر ہوگا، کسی دن بھی غیر حاضری نہیں کرے گا۔ اگر ایک مرتبہ بھی غیر حاضر رہا تو وہ اسے کبھی نہیں پڑھائیں گے۔

سوم یہ کہ جب کبھی وہ انھیں راستے میں ملے گا تو صرف سلام مسنون کہنے پر اکتفا کرے گا، اس سے آگے نہیں بڑھے گا اور ہاتھ پیر چومنے کی قطعاً کوشش نہیں کرے گا ③۔

① تذکرہ علمائے ہند میں ۸۸۷ھ (۱۲۸۲ء) لکھا گیا ہے، جو غلط ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔ بسال ہشت صد ہشتاد ہفت ہجری وفات یافتہ (ص ۳۲)۔ یہ اس لیے بھی غلط ہے کہ غیاث الدین بلبن کی وفات ۶۸۶ھ (۱۲۸۷ء) میں ہوئی اور یہ اس کے عہد کے عالم و فقیہ ہیں۔ اردو ترجمہ میں اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (دیکھیے تذکرہ علمائے ہند۔ اردو ترجمہ۔ ص ۱۳۰)

② اخبار الاخیار۔ ص ۴۶، ۴۷۔ تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ص ۳۲۔ اردو ترجمہ ص ۱۳۰۔ حدائق الحنفیہ (مولوی فقیر محمد جہلمی مطبوعہ نول کشور۔ لکھنؤ) ص ۶۳، ۶۴۔ انڈین کنٹری بیوشن ٹو دی سنڈی آف حدیث لٹریچر (ڈاکٹر محمد اسحاق) ص ۵۲۔

③ فوائد الفوائد ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاء۔ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۱۱۱، ۱۱۲۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲۸۔ نزہۃ الخواطر ج

ج

## ۹۔ قاضی جلال الدین کاشانی

قاضی جلال الدین کاشانی ساتویں صدی ہجری کے جید عالم اور ممتاز فقیہ تھے۔ دارالملک دہلی میں منصب قضا پر فائز تھے، لیکن معز الدین بہرام شاہ نے ۶۳۹ھ (۱۲۴۲ء) میں اس شہے کی بنا پر ان کو معزول کر دیا تھا کہ وہ اس کو بادشاہت سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔ بعد ازاں وہ اودھ چلے گئے، جہاں عہدہ قضا پر متعین رہے۔ بہرام شاہ کے بعد علاء الدین مسعود شاہ تخت نشین ہوا تو اس نے اتوار کے روز ۱۱ ربیع الاول ۶۴۱ھ (۲۹ اگست ۱۲۴۳ء) کو انھیں اودھ سے بلا کر بسلسلہ سفارت لکھنوتی بھیج دیا اور وہاں بھیجنے سے پہلے ان کو خلعت اور چتر عنایت کر کے ان کی قدر و منزلت کی۔

”واضحترت قاضی جلال الدین کاشانی کہ قاضی اودھ بود در این عہد با تشریف و چتر لعل  
نامزد لکھنوتی شد۔“

بعد ازاں بروز دوشنبہ ۱۰ جمادی الاخری ۶۴۷ھ (۲۰ ستمبر ۱۲۴۹ء) کو سلطان ناصر الدین محمود کے زمانے میں انھیں دوبارہ منصب قضا عطا کیا گیا۔ ان کی وفات جمعے کے روز ۲۷ ذی قعدہ ۶۴۸ھ (۲۰ فروری ۱۲۵۱ء) کو ہوئی ①۔

ح

## ۱۰۔ شیخ حسام الدین ملتانی

شیخ حسام الدین ملتانی بدرجہ غایت متقی تھے اور ان حضرات عالی مقام میں سے تھے جو علم و معرفت کے اعتبار سے امتیاز و انفرادیت کے حامل ہیں۔ صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب طریقت بھی تھے اور اس سلسلے میں ان کو شیخ صدر الدین محمد بن زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہونے کا فخر حاصل تھا۔ ملتان سے بدایوں تشریف لے گئے تھے وہیں سکونت اختیار کر لی تھی اور وفات بھی وہیں ہوئی۔

منقول ہے کہ انھیں خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ دیکھتے ہیں کہ شہر سے باہر حوض میں وضو کر رہے ہیں۔ اسی وقت آنکھ کھل گئی۔ جلدی سے اس مقام کی طرف دوڑے جو خواب میں نظر

① تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۱۱۱۔ طبقات ناصری ج ۱ ص ۲۶۴، ۲۷۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۳۴۔ بزم مملوکیہ ص ۱۷۴۔ تذکرہ

آیا تھا۔ دیکھا کہ اس میں تازہ پانی کا اثر ہے۔ وصیت فرمائی کہ وفات کے بعد انھیں اسی مقام پر دفن کیا جائے۔ چنانچہ وہیں مدفون ہوئے۔ ان کی وفات ۶۸۷ھ (۱۲۸۸ء) میں ہوئی ❶۔

## ۱۱۔ خواجہ حسن معین الدین اجمیری

حضرت خواجہ معین الدین کا اسم گرامی حسن اور لقب معین الدین تھا۔ سلسلہ نسب سولہ واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ عالم و فاضل، محدث و فقیہ عابد و زاہد اور مشہور ولی اللہ تھے۔

۵۳۷ھ (۱۱۴۳ء) میں بلدہ بھستان میں پیدا ہوئے۔ بارہ یا پندرہ سال کی عمر کو پہنچے تو والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد نے ان کے لیے ایک باغ ورثے میں چھوڑا تھا۔ عرصے تک اس کی آمدنی سے گزر اوقات کا سلسلہ جاری رہا۔ باغ کی نگہداشت خود ہی کرتے تھے۔ ایک دن حسب معمول باغ میں بیٹھے تھے کہ ایک مجذوب قلندر جن کا نام ابراہیم تھا باغ میں آئے۔ حضرت خواجہ نے آگے بڑھ کر ان کی خدمت میں انگور کے خوشے پیش کیے، لیکن مجذوب نے انگور نہ کھایا اور کھلی کا ایک ٹکڑا دانتوں سے چبا کر خواجہ کے منہ میں ڈالا۔ ادھر کھلی کا یہ ٹکڑا حلق سے نیچے اتر ا اور ادھر قلب نور الہی سے روشن ہو گیا۔ اسی وقت معاملات دینی کو چھوڑ کر طلب خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے اور سمرقند جا پہنچے۔ وہاں قرآن مجید حفظ کیا اور علوم ظاہری حاصل کیے۔ سمرقند سے عراق کا رخ کیا اور چلتے چلتے قصبہ ہارون تشریف لے گئے جو علاقہ نیشاپور میں واقع تھا۔ وہاں حضرت شیخ عثمان ہارونی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا۔ بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائے تو مرشد نے وضو کرایا۔ دو رکعت نماز پڑھائی۔ پھر قبلہ رو ہو کر سورہ بقرہ کی تلاوت کرائی۔ بعد ازاں اکیس مرتبہ درود شریف پڑھایا۔ پھر مرید کا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف اپنا چہرہ اٹھایا اور فرمایا:

”ترا بخدارسانیدم و مقبول حضرت او گردانیدم“

کچھ عرصہ بعد شیخ عثمان ہارونی کی معیت میں سیوستان کا سفر کیا اور ان کے ساتھ مدینہ منورہ گئے اور حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ پہنچے۔ سیر الاقطاب اور مونس الارواح کی روایت کے مطابق مدینہ منورہ ہی میں خواب میں رسول اکرم ﷺ کی طرف سے ہندوستان جانے کا اشارہ ہوا۔

ہندوستان آئے تو پہلے لاہور کو اپنا مسکن بنایا۔ کچھ عرصہ یہاں ٹھہرنے کے بعد ملتان گئے اور وہاں پانچ سال مقیم رہے۔ ملتان میں ہندوؤں کی زبان (سنسکرت) سیکھی۔ ملتان سے دہلی کا قصد کیا اور دہلی سے روانہ ہوئے تو ۱۰ محرم الحرام ۵۶۱ھ (۱۶ نومبر ۱۱۶۵ء) کو اجمیر پہنچے۔ اس دور میں چوہان خاندان کا راجپوت راجا جس کا نام پتھورا تھا، اجمیر اور دہلی کا حکمران تھا۔ راجا اور اس کے حکام نہیں چاہتے تھے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیر میں قیام پذیر ہوں، مگر وہ ان کو اجمیر سے نکل جانے پر مجبور نہ کر سکے۔ بالآخر ہندو جوگیوں کی

❶ زہدۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۴۳۔ بحوالہ فوائد الفوائد و خزینۃ الاصفیاء۔

خدمات حاصل کی گئیں کہ وہ اپنے جادو اور منتروں کے زور سے ان پر غلبہ پائیں اور انہیں اجمیر کی حدود سے باہر نکال دیں۔ اس سلسلے میں ایک ہندو جوگی جے پال نے پوری کوشش کی مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور آخر حضرت خواجہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس کے علاوہ شیخ کی تعلیم سے راجا پتھورا کے متعدد حکام اور ملازمین بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

اجمیر اور اس کے نواح میں تبلیغ اسلام کی یہ پہلی کوشش تھی جو ایک عابد و زاہد فقیہ کی طرف سے شروع کی گئی تھی۔ بے شمار ہندو اسلام قبول کرنے لگے تو راجا پتھورا نے حضرت شیخ کو اجمیر سے جبراً نکال دینے کی دھمکی دی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا:

”پتھورا از زندہ گرفتیم و بہ مسلمانان دادیم“۔

ہم پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔

یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۸۷ھ اور ۵۸۸ھ میں یکے بعد دیگرے پتھورا پر دو حملے کیے اور وہ آخری حملے میں گرفتار ہو کر مارا گیا۔ اس کے بعد اجمیر اور اس کا گرد و نواح اسلام کی شمع فروزاں سے روشن ہو گیا۔

سیر الاولیا میں ہے:

بوصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقین کہ بہ حقیقت معین الدین بود ظلمت این دیار بنور اسلام روشن و منور گشت۔

کہ اس سرزمین پر اس آفتاب اہل یقین کے قدم پڑتے ہی جو واقعۃً معین الدین تھا، ان دیار کی ظلمت، نور اسلام سے روشن و منور ہو گئی۔

جدھر نکل جاتے، غیر مسلم اس درجہ متاثر ہوتے کہ انہیں دیکھتے ہی مسلمان ہو جاتے۔ اس ضمن میں

خزینۃ الاصفیا کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

ہزار در ہزار از اصفیا و کبار بخدمت آں محبوب کردگار حاضر شدہ، مشرف بشرف اسلام و ارادت آنحضرت شدند بحدیکہ چراغ اسلام در ہند بطیفیل این خاندان عالی شان روشن گشت۔

یعنی ہزاروں بڑے چھوٹے اس محبوب خدا کے حضور حاضر ہو کر مذہب اسلام اور ان کی عقیدت سے بہرہ ور ہوتے۔ یہاں تک کہ اس خاندان عالی مرتبت کی بدولت ہندوستان نور اسلام سے جگمگا اٹھا۔

فقاہت میں ان کا درجہ کتنا بلند تھا؟ اس کا اندازہ ان کے اقوال و تشریحات سے کیجیے جو نماز، روزہ، حج،

تلاوت قرآن پاک اور دیگر عبادات کے سلسلے میں ان سے منقول ہیں۔

انہی اوصاف کے حامل بزرگان اسلام اور علمائے کرام کی تبلیغی مساعی سے ظلمت کدہ ہند نور اسلام سے منور ہوا۔

پیر کے روز ۶ رجب ۶۲۷ھ (۲۱ مئی ۱۲۳۰ء) کو فوت ہوئے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے سال وفات ۶۳۱ھ (۱۲۳۴ء) بعض نے ۶۳۲ھ (۱۲۳۵ء) اور بعض نے ۶۳۳ھ (۱۲۳۶ء) بھی لکھا ہے ①۔

یہ برصغیر زمانہ قدیم میں بہت بڑے رقبے پر محیط تھا۔ برما، سری لنکا، کابل وغیرہ کے علاقے بھی اس میں شامل تھے۔ دور دراز تک پھیلے ہوئے ان علاقوں میں مختلف بزرگان دین کی کوششوں سے اسلام کی روشنی پہنچی۔ ان بزرگوں کو آپ مبلغین سے تعبیر کیجئے، واعظین، مدرسین، معلمین، مرشد، پیر، صوفیا جو لفظ چاہیے ان کے لیے زبان پر لایے یہ اسلام کے بہر حال سچے داعی تھے۔

”صوفی“ کے لفظ سے بعض حضرات بہت بدکتے ہیں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ بھنگ نوشوں اور چمٹا برداروں کو ”صوفی“ نہیں کہا جاتا۔ برصغیر میں نیک اور پرہیزگار لوگوں کے لیے صوفی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جو حضرات نماز روزے کے پابند اور اعمال خیر پر کاربند ہیں ان پر ہمارے ہاں ”صوفی“ کا اطلاق ہوتا ہے اور پرانے بزرگان دین کا یہی شیوہ تھا اور یہی ان کا دن رات کا مشغلہ تھا۔ جن حالات میں انھوں نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی وہ نہایت اذیت ناک حالات تھے۔ ان حالات میں انھوں نے قریہ قریہ جا کر اسلام کی تبلیغ کی اور دین سے بالکل نا آشنا لوگوں کو اس کی تعلیم سے آشنا کیا۔

بعد میں آنے والے لوگوں نے ان کی تعلیم کو غلط انداز میں پیش کیا، وہ اقوال و ملفوظات جو ان کی طرف منسوب ہیں ان میں وہ رنگ بھرا جس کا ان کے عمل و فعل سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ نہ وہ عرسوں کے قائل تھے نہ گانے بجانے سے انھیں کوئی علاقہ تھا، نہ بھنگڑا ڈالنے اور قبروں پر چادریں چڑھانے کا انھوں نے حکم دیا تھا، نہ مزاروں پر ماتھا رکڑنے اور کسی زندہ یا مردہ شخص سے مرادیں مانگنے کے لیے انھوں نے کسی کو اشارہ کناہ کیا تھا۔ یہ سب رسوم و بدعات جو بعض اوقات اعمال شرک تک پہنچ جاتی ہیں بعد کے لوگوں کی ایجاد ہیں۔ ان پاک باز حضرات کا ان سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک اہل علم مولانا شمس الدین اکبر آبادی نے اپنی کتاب تذکرۃ الصالحین کی جلد سوم کے صفحہ ۲۴۹ پر حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ تہجد کے وقت یہ دعا کیا کرتے تھے۔

اللّٰهُمَّ احْشُرْنِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ اَهْلِ الْحَدِيثِ وَ زَمَرَتِهِمْ۔

اے اللہ! مجھے قیامت کے دن اہل حدیث اور ان کے گروہ کے ساتھ اٹھانا۔

یہ تھی ان بزرگان دین کی اصل سیرت اور تمنا، جس پر غلط کردار لوگوں نے پردہ ڈال رکھا ہے۔

① تفصیلات کے لیے دیکھیے سیر العارفین، سیر الاقطاب، مونس الارواح، خزینۃ الاصفیاء، دلیل العارفین، فوائد السالکین، اخبار الاخیار، تاریخ فرشتہ اکبر نامہ، تزک جہانگیری، نزہۃ الخواطر جلد اول، بزم صوفیہ۔

## ۱۲۔ شیخ حسن بن محمد صغانی لاہوری

ابوالفہائل حسن بن محمد بن حسن بن حیدر بن علی عدوی عمری صغانی لاہوری۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی اولاد سے تھے۔ کنیت ابوالفہائل اور لقب رضی الدین ہے۔ اصل وطن صغان تھا جسے فارسی میں چغان کہا جاتا ہے۔ یہ شہر علاقہ ماوراء النہر میں واقع ہے۔ ان کے آباؤ اجداد صغان سے لاہور آ گئے تھے۔ ان کی ولادت بعد خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی ۱۵ صفر ۵۵۷ھ (۳ فروری ۱۱۶۲ء) کو (ایک روایت کے مطابق ۵۷۷ھ (۱۱۸۱ء) کو) لاہور میں ہوئی اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے والد سے تحصیل علم کی۔ یوں تو تمام علوم میں ماہر تھے مگر حدیث فقہ اور لغت میں اپنے دور کے امام مانے جاتے تھے۔ نہایت عبادت گزار، کم گو، متین اور صادق القول تھے۔

عمر میں کچھ آگے بڑھے اور علمی شہرت پھیلی تو سلطان قطب الدین ایبک نے لاہور شہر کا منصب قضا پیش کیا، لیکن قبول نہ فرمایا اور غزنی چلے گئے۔ وہاں تدریس اور افادہ عام میں مشغول ہو گئے۔ غزنی سے عازم عراق ہوئے اور وہاں کے علمائے عظام سے اخذ علم کیا اور بہت سے علمائے عراق سے سند و اجازہ حاصل کیا۔ پھر مکہ مکرمہ گئے اور سعادت حج سے بہرہ مند ہوئے۔ وہاں خاصی مدت تک قیام رہا، اس اثنا میں مکہ مکرمہ کے اور عدنان کے محدثین سے علم حدیث کی سماعت کی۔

عباسی خلیفہ الناصر لدین اللہ کے ایام خلافت یعنی (۶۱۵ھ - ۱۲۱۸ء) میں پھر عراق گئے۔ اس نے ان کو خاص طور سے اپنے ہاں دعوت دی خلعت سے نوازا اور ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں شاہ ہند سلطان شمس الدین ایلتمش کے نام ایک مکتوب دے کر اس کے پاس بطور سفیر بھیجا۔ اس سلسلے میں ایک عرصے تک دیار ہند میں سکونت پذیر رہے۔

پھر ۶۲۴ھ (۱۲۲۷ء) میں ہندوستان سے نکلے اور مکہ مکرمہ پہنچے حج کیا اور وہاں سے یمن گئے۔ یمن سے وارد بغداد ہوئے۔ اس زمانے میں المستنصر باللہ بغداد کے تحت خلافت پر متمکن تھا اور سلطان شمس الدین ایلتمش کی بیٹی سلطانہ رضیہ ہندوستان کی حکمران تھی۔ المستنصر باللہ نے ان کو سفارت دے کر رضیہ کے پاس بھیجا۔ اس مرتبہ تیرہ سال ہندوستان میں رہے اور ۶۳۷ھ (۱۲۴۰ء) میں مراجعت فرمائے بغداد ہوئے۔ ان کے تلامذہ کی فہرست بھی بڑی وسیع ہے جس میں شیخ شرف الدین دمیاطی، نظام الدین محمود بن عمر ہروی، محی الدین ابوالبقا صالح بن عبداللہ بن جعفر علی بن صالح اسدی، کوئی المعروف بہ ابن الصباغ، شیخ برہان الدین محمود بن ابوالخیر اسعد بلخی اور دیگر بہت سے حضرات شامل ہیں۔

شیخ حسن بن محمد صغانی جہاں بہت بڑے محدث، فقیہ اور لغوی تھے وہاں کثیر التصانیف بھی تھے۔ ان کی تصانیف کا دائرہ حدیث و فقہ اور لغت تینوں مضامین کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ ان میں سے درج ذیل

کتابیں خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔

مشارك الانوار النبویہ فی صحاح الاخبار المصطفویہ، مصباح الدینی من صحاح احادیث المصطفیٰ، شمس المنیرہ من الصحاح الماثورہ، تبیین الموضوعات، عقلة العجلان، وفيات صحابه، زبدة المناسك، كتاب الفرائض، درجات العلم والعلماء، كتاب الشوارد، كتاب الاقناع، كتاب العروض، كتاب العباب، شرح صحيح بخاری، شرح القلادة السمیطیہ فی توشیح الدرزیہ، كتاب التكملة، مجمع البحرين، كتاب نوادر لغت، كتاب اسماء الفارة، كتاب اسماء الاسد، كتاب اسماء الذب، كتاب شرح ابیات المفصل، كتاب بغیة الصدیان۔

یہ ان کی مشہور تصانیف ہیں ورنہ ان کے علاوہ اور کتابیں بھی ہیں جو ان کے علمی تجر پر دلالت کناں ہیں۔ مشارق الانوار کو تو حلقہ اہل علم میں بہت شہرت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب عرصے تک درس میں شامل رہی اور طلباء و علما سے باقاعدہ اساتذہ سے پڑھتے اور استفادہ کرتے رہے۔

ان کی وفات ۶۵۰ھ (۱۲۵۲ء) میں بغداد میں ہوئی اور انھیں اپنے مکان حرم طاری (بغداد) میں بطور امانت دفن کیا گیا۔ پھر ان کی وصیت کے مطابق اسی سال ان کے بیٹے ان کی میت مکہ مکرمہ لے گئے اور وہاں دفن کیے گئے۔ بغداد سے مکہ مکرمہ میت لے جانے والوں کو ان کے بیٹوں نے پچاس دینار عطا کیے۔

”محدث زيب فصحا“ تاریخ وفات ہے ①۔

شیخ حسن صغانی کے بارے میں تذکرہ علمائے ہند کے اردو مترجم جناب محمد ایوب قادری کی الفاظ بھی قابل ذکر ہیں:

”مولانا حسن صغانی لاہوری کا تعلق بدایوں سے بھی تھا۔ حضرت نظام الدین بدایونی نے لکھا ہے: ”اواز بداول است“ اور ان ہی کی روایت ہے کہ وہ کول کے نائب مشرف بھی رہے۔ اس سے بعض لوگوں کو مغالطہ ہوا ہے اور انھوں نے رضی الدین صغانی بدایونی اور رضی الدین صغانی لاہوری کو دو جداگانہ شخصیتیں قرار دیا ہے۔ صاحب نزہتہ الخواطر اور انڈین کنٹری بیوشن ٹودی سٹی آف حدیث لٹریچر کے مولف کو بھی تسامح ہوا ہے ②۔

① ابجد العلوم، نواب صدیق حسن خاں مرحوم، ص ۸۱۰ تا ۸۹۱۔ اتحاف النبلا، نواب صدیق حسن خاں مرحوم، ص ۲۲۳ تا ۲۲۴۔

حدائق الحنفیہ مولوی فقیر محمد جہلمی، ص ۲۵۳ تا ۲۵۵۔ سبحة المرجان فی آثار ہندوستان غلام علی آزاد بلگرامی، ص ۲۸ تا ۲۹۔

مآثر الکرام۔ ج ۱، ص ۱۸۰ تا ۱۸۲۔ تذکرہ علمائے ہند (فارسی) مولوی رحمان علی، ص ۲۸۔ تذکرہ علمائے ہند۔ (اردو ترجمہ

محمد ایوب قادری) ص ۱۶۱۔ نزہتہ الخواطر، سید عبدالحی حسنی لکھنوی، جلد اول، ص ۱۳ تا ۱۴۔

② تذکرہ علمائے ہند اردو ترجمہ۔ از محمد ایوب قادری، ص ۱۶۲۔



## ۱۳۔ شیخ حسین بن علی بخاری

سید حسین بن علی بن جعفر بن محمد بن محمود بن احمد بن عبداللہ بن علی بن جعفر بن علی بن محمد بن امام علی رضا۔ ان کا سلسلہ نسب دسویں پشت سے حضرت علیؑ سے جا ملتا ہے۔ انھیں جلال الدین حسین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بخارا میں پیدا ہوئے وہیں نشوونما پائی۔ اپنے والد شیخ علی بن جعفر سے تحصیل کی اور علم و معرفت میں اونچے درجے تک پہنچے۔

اپنے والد اور دادا کے ساتھ وارد ہند ہوئے۔ بھکر پہنچے تو وہاں کے ایک عالم بدر الدین بن صدر الدین حسینی بھکری کے ہاں قیام کیا۔ انھوں نے ان کے علم و فضل اور صالحیت و تقویٰ سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی زہرہ ان کے عقد میں دے دی۔ وہاں سے عازم ملتان ہوئے اور ۶۳۵ھ (۱۲۳۸ء) میں وہاں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے ملاقات کی ان کی صحبت و ملازمت میں رہے، سلوک و تصوف کا علم حاصل کیا اور واپس بھکر تشریف لے گئے۔

شیخ بدر الدین بھکری کو ان سے اس درجہ قلبی تعلق تھا کہ ان کی اہلیہ محترمہ زہرہ وفات پا گئیں تو اپنی دوسری بیٹی فاطمہ سے ان کا نکاح کر دیا۔ بھکر میں ایک مدت تک مقیم رہے۔ پھر خاندانی منازعت کی بنا پر وہاں سے اوج تشریف لے گئے۔

عالم دین عارف باللہ، فقیہ زاہد اور مرد صالح تھے۔ ہر طرف سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہو گئے تھے اور اپنے آپ کو درس و افادہ عام کے لیے وقف کر دیا تھا۔ علما و مشائخ کی کثیر تعداد نے ان سے اخذ علم کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی صالح اولاد کے عمل و کردار میں بھی بڑی برکت پیدا کی اور انھوں نے اپنے علم و صالحیت سے آفاق ہند کو مالا مال کر دیا ①۔

## ۱۴۔ شیخ حسین بدایونی

شیخ حسین بن ابوالحسن بدایونی قتال۔ عالم متقی اور عارف باللہ تھے۔ ساتویں صدی ہجری کے فحول علما میں سے تھے۔ رسیاں باٹ کر گزارا کرتے تھے اس لیے ”سن تاب“ کے نام سے مشہور تھے جس کے معنی قتال یعنی رسیاں باٹنے والا ہے۔ قاضی حسام الدین ملتانی مدفون بہ بدایوں سے تحصیل علم کی اور قاضی حمید الدین محمد بن عطا ناگوری سے اخذ فیض کیا اور ایک عرصے تک ان سے وابستگی اختیار کیے رکھی یہاں تک کہ مرتبہ کمال پر فائز ہو گئے۔ خود ان سے ان کے بڑے بھائی شیخ بدر الدین ابوبکر نے کسب فیض کیا۔ بدایوں میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ②۔

① نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۱۲۳ بحوالہ تذکرۃ السادة البخاریہ از علی اصغر گجراتی۔

② نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۱۲۱۔ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

## ۱۵۔ داؤد بن محمد اودھی

ساتویں صدی ہجری کے علمائے فقہ کی عظیم جماعت میں شیخ داؤد بن محمود چشتی اودھی بھی شامل ہیں۔ یہ فقہت کے ساتھ ساتھ طریقت میں بھی کامل تھے۔ کہتے ہیں انہوں نے علم طریقت شیخ فرید الدین مسعود (پاک پتن) رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا تھا۔ شیخ فرید الدین جب بلاد اودھ کے سفر پر نکلے تو دو مرتبہ ان کے گاؤں گئے۔ شیخ داؤد کا مرتبہ علمی اور درجہ تصوف اس قدر بلند تھا کہ شیخ نظام الدین اولیا احترام سے ان کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ ان کی قبر پاہی مٹونامی گاؤں میں ہے ①۔

## ۱۶۔ قاضی رفیع الدین گاذرونی

قاضی رفیع الدین گاذرونی، عہد غیاث الدین بلبن کے بہت بڑے عالم و فاضل شخص تھے۔ درس و تدریس ان کا مشغلہ تھا۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ دہلی کے عظیم القدر اساتذہ میں سے تھے ②۔

## ۱۷۔ شیخ رکن الدین دہلوی

شیخ رکن الدین فردوسی دہلوی بے حد صالح اور اپنے دور کے مشہور فقیہ تھے۔ ساتویں صدی ہجری میں علم فقہ میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ عہد طفولیت ہی میں شیخ بدر الدین سمرقندی دہلوی سے وابستہ ہو گئے تھے۔ عرصے تک ان سے منسلک رہے اور طریقہ فردوسیہ کی تعلیم حاصل کی۔ شیخ بدر الدین نے شیخ سیف الدین باخزری سے اور انہوں نے شیخ کبیر نجم الدین کبری (صاحب طریقہ کبرویہ) سے یہ تعلیم حاصل کی تھی۔ شیخ بدر الدین کی وفات کے بعد دہلی میں ان کے قائم مقام مقرر ہوئے اور ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔

شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی کے زمانے میں وفات پائی۔

خرزینۃ الاصفیا کی روایت کے مطابق ان کا سال وفات ۷۲۴ھ (۱۳۲۳ء) ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے ③۔

① نزہۃ الخواطر ج ۱۔ ص ۱۳۶۔

② تاریخ فیروز شاہی۔ برنی ص ۱۱۱۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۵۵۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۵۶۔

## ۱۸۔ قاضی رکن الدین سامانوی

قاضی رکن الدین سامانوی عہد سلطان غیاث الدین بلبن کے کبار فقہا میں سے تھے۔ غیاث الدین بلبن ان کی انتہائی تکریم کرتا تھا۔ یہ عظیم فقیہ ہمیشہ درس و تدریس میں مشغول رہے اور بے شمار حضرات نے ان سے علم حاصل کیا ①۔

ز

## ۱۹۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی

ان کا نام زکریا، والد کا نام محمد اور دادا کا نام علی تھا۔ حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا لقب بہاء الدین والد کا وجیہ الدین اور دادا کا کمال الدین تھا۔ شیخ بہاء الدین کی کنیت ابو محمد تھی۔

شیخ کمال الدین علی قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے اور مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے خوارزم اور خوارزم سے ملتان آ کر سکونت اختیار فرمائی۔ ملتان ہی میں ان کے بیٹے وجیہ الدین محمد پیدا ہوئے۔ وجیہ الدین بڑے ہوئے تو ان کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی بیٹی سے کر دی گئی جو تاتاریوں کے حملے کی وجہ سے ملتان کے نواح، قلعہ کوٹ کروڑ میں متوطن تھے۔ مولانا وجیہ الدین بھی شادی کے بعد اپنے خسر کے ساتھ کوٹ کروڑ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ پھر وہیں جمعہ کے دن ۲۷ رمضان المبارک ۵۶۶ھ (۳ جون ۱۱۷۱ء) کو ایک روایت کے مطابق ۵۷۸ھ (۱۱۸۲ء) کو شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت ہوئی۔

شیخ بہاء الدین بارہ سال کے ہوئے تو والد بزرگ وارا انتقال کر گئے۔ والد کی وفات کے بعد قرآت سبعہ کے ساتھ قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر حصول علم کی غرض سے بخارا تشریف لے گئے جو اس زمانے میں مرکز علم اور مسکن علماء و محدثین تھا۔ وہاں کے کبار علماء سے استفادہ کیا۔ شروع ہی سے اس درجہ صالح اور متقی تھے کہ زمانہ طالب علمی میں باشندگان بخارا ان کو بہاء الدین فرشتہ کہا کرتے تھے۔ بخارا کے مختلف علماء و فضلا سے متواتر آٹھ سال اخذ علم میں مصروف رہے۔

بخارا سے سوئے حجاز روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ پہنچے اور سعادت حج حاصل کی۔ پھر مدینہ منورہ کے لیے رخت سفر باندھا۔ وہاں پانچ سال اقامت گزریں رہے اور اس عہد کے جلیل القدر محدث کمال الدین محمد یمانی سے علم حدیث پڑھا۔ شیخ کمال الدین محمد یمانی نے پورے تریپن (۵۳) سال حرم نبوی میں درس حدیث دیا اور بے شمار فقہاء و محدثین ان سے مستفید ہوئے۔

① تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۱۱۱۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۵۔ زہدۃ الخواطر، ج ۱ ص ۱۵۵۔

شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ سے بیت المقدس گئے اور وہاں سے بغداد روانہ ہوئے۔ بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور خرقہ خلافت کے مستحق قرار دیے گئے۔ حضرت شیخ کی خدمت میں ستر روز قیام فرمایا اور تمام نعمائے باطنی سے سرفراز کیے گئے۔ اس قدر مختصر مدت میں اس درجہ مرتبہ بلند پر فائز ہو جانا شیخ الشیوخ سہروردی کے بعض مریدوں کو ناگوار گزرا اور ان کے دل میں رشک بلکہ حسد کی تخلیق کا باعث بنا۔ انہوں نے شیخ سے عرض کیا کہ ہم ایک عرصے سے آپ کی خدمت میں حاضر ہیں مگر ہم کو ابھی تک اتنی بڑی نعمت میسر نہیں آئی لیکن ایک ہندوستانی آیا اور بہت قلیل مدت میں شیخ ہو گیا یہ اس کے لیے ایک عظیم شے ہے۔

شیخ نے جواب دیا: تم لوگ گیلی لکڑیوں کی مانند ہو جن میں آگ مشکل اور دیر سے لگتی ہے۔ بہاء الدین زکریا خشک لکڑی کی مثل تھے جس میں آگ بہت جلد اثر کرتی ہے۔

خرقہ خلافت پانے کے بعد حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کو مرشد کی طرف سے واپس ملتان جا کر قیام کرنے اور وہاں کے لوگوں کو فیض پہنچانے کا حکم ملا جس پر انہوں نے پورا عمل کیا۔

شیخ بہاء الدین زکریا جہاں روحانی دولت سے مالا مال تھے وہاں مادی اعتبار سے بھی اللہ نے ان کو بہت کچھ عطا فرمایا تھا۔ نہایت فیاض ہمدرد خلاق، مستغنی المزاج، حلیم الطبع اور بردباد تھے۔ فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ملتان میں سخت قحط پڑا، والی ملتان ناصر الدین قباچہ کو عوام میں تقسیم کرنے کے لیے غلے کی ضرورت محسوس ہوئی تو شیخ بہاء الدین نے بھاری مقدار میں اپنے ہاں سے غلہ بھجوایا۔ والی ملتان نے غلے کا جائزہ لیا، اس میں نقرئی ٹکے کے سات کوزے بھی تھے۔ والی نے شیخ کو اطلاع دی۔ شیخ نے فرمایا: غلے کے ساتھ اس رقم کو بھی لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

ان کا مطبخ ہر وقت پر نعمت کھانوں سے بھر رہتا تھا۔ مہمانوں، مسافروں اور درویشوں کے ساتھ خود بھی کھاتے۔ جو شخص زیادہ رغبت سے کھانا کھاتا، اس کو بہت محبوب گردانتے۔ ایک مرتبہ درویشوں اور عقیدت مندوں کی ایک بڑی جماعت دسترخوان پر جمع تھی۔ شیخ نے ہر شخص کے ساتھ ایک ایک لقمہ کھایا۔ ایک درویش کو دیکھا کہ شور بے میں روٹی بھگو کر کھا رہا ہے اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ فرمایا سبحان اللہ سب سے بہتر کھانے کا طریقہ یہی شخص جانتا ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ نان ترکو دیگر کھانوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو مجھ کو تمام انبیاء کرام پر اور عائشہ کو تمام دنیا کی عورتوں پر حاصل ہے۔

طبیعت میں انکسار اور تواضع بہت زیادہ تھا۔ اپنی تعظیم و تکریم کا زیادہ خیال نہ فرماتے تھے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔

ایک مرتبہ خانقاہ میں حوض کے کنارے کچھ مرید وضو کر رہے تھے۔ شیخ بھی ادھر آ نکلے ان کو دیکھ کر سب لوگ کھڑے ہو گئے اور سلام عرض کیا۔ مگر ایک مرید بدستور بیٹھا وضو کرتا رہا۔ وضو مکمل کر کے اٹھا اور آداب

تعظیم بجالایا۔ اس کو مخاطب کر کے فرمایا، تم سب درویشوں سے زیادہ عابد و زاہد ہو جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو مقدم گردانتے ہو۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ بہاء الدین کے درمیان گہری مودت تھی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے دونوں کو خالہ زاد بھائی لکھا ہے۔ اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ شیخ بہاء الدین زکریا نے ایک مرتبہ کسی بات پر معذرت کرتے ہوئے ان کو لکھا:

”میان ماوشما عشق بازی است“

حضرت شیخ فرید الدین نے جواب دیا:

”میان ماوشما عشق است بازی نیست“

شیخ بہاء الدین زکریا خاصی مدت تک سلطان شمس الدین ایلتمش کی استدعا پر ہندوستان میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز رہے اور یہ منصب ایک عرصے تک ان کی خاندان میں باقی رہا۔ ان سے متعدد سبق آموز واقعات تذکروں میں مرقوم ہیں۔

یہاں ان سب کا استقصا مطلوب نہیں۔ عرض کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ بہت بڑے عالم محدث، فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔

سال وفات میں اختلاف ہے۔ راحت القلوب میں ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) اخبار الاخیار میں ۶۶۱ھ (۱۲۶۳ء) تاریخ فرشتہ اور سفینۃ الاولیاء میں ۶۶۶ھ (۱۲۶۸ء) اور مرآۃ الاسرار میں ۶۶۵ھ (۱۲۶۷ء) منقول ہے۔ بعض تذکرہ نگار کہتے ہیں کہ ۷ صفر ۶۶۶ھ (۱۲۶۷ء) کو سو سال کی عمر پر کوفت ہوئے۔ قبر ملتان میں ہے۔ حضرت بابا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات، راحت القلوب میں مذکور ہے کہ جس وقت شیخ بہاء الدین زکریا کا انتقال ہوا، اس وقت اجودھن (پاک پٹن) میں حضرت بابا فرید الدین بے ہوش ہو گئے۔ پھر بڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو فرمایا:

براورم بہاء الدین زکریا از بیابان فنا بہ شہرستان بقا بردند۔

یعنی برادرم بہاء الدین زکریا کو لوگ بیابان فنا سے شہرستان بقا میں لے گئے ہیں۔

پھر اٹھے اور مریدوں کے ساتھ غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ①۔

ان کے حالات بہت سی کتابوں میں مرقوم ہیں ②۔

شیخ بہاء الدین زکریا فقہی مسلک کے اعتبار سے شافعی تھے اور بدعات و محدثات کے شدید مخالف تھے۔ ان کے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی بھی شافعی المسلمک تھے۔ لوگوں نے ان کی تعلیمات بگاڑ دی ہیں۔

① اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر غائبانہ نماز جنازہ کے قائل تھے۔

② تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: فوائد الفوائد سیر العارفین، راحت القلوب، اخبار الاخیار، سفینۃ الاولیاء، تاریخ فرشتہ، فوائد السالکین، مرآۃ الاسرار، زمزمۃ الخواطر اور بزم صوفیہ۔

## ۲۰۔ شیخ الاسلام زکی الدین بن احمد لاہوری

لاہور کے ساتویں صدی ہجری کے علمائے کرام میں شیخ الاسلام زکی الدین بن احمد لاہوری کا نام نامی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔

مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی نزہۃ الخواطر میں ”شیخ الاسلام وقدوة العلماء الکرام زکی الدین“ کے پر تکریم الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں۔

ان کی تاریخ وفات اور سن وفات وغیرہ کا علم نہیں ہو سکا۔ صرف اتنا پتا چلا ہے کہ یہ لاہور میں درس دیتے اور افادہ عام میں مصروف رہتے تھے۔ حج بیت اللہ اور زیارت حرمین کی غرض سے لاہور سے نکلے تو ہرات بھی گئے۔ وہاں کے سرکردہ حضرات اور اہل علم نے گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا اور شعرانے ان کے لیے مدحیہ اشعار کہے جن میں امام فرید الدین محمود بن بشار ہروی بھی تھے۔ انھوں نے جن اشعار میں ان کو خراج عقیدت پیش کیا ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

زہے ز خاطر تو لشکر سخن منصور  
خہ بہمت تو کشور ہنر معمور  
سزد کہ خط غلامی مستاند از آفاق  
چوہست مسکن تو خواجہ خطہ لاہور  
زروح پاک تو شاہ زمانہ جویدروح  
چو آفتاب کہ از عرش دام خواہد نور  
اگر نہ درس تو بودی حکم شدی مدرس  
گر نہ عون تو بودی ادب شدی مقہور ①

یعنی آپ کے افکار سے لشکر سخن فتح یاب ہے اور تیری کوششوں سے اقلیم ہنر معمور ہے۔

تیرا مسکن خطہ لاہور ہے اس لیے پورے عالم کو اسی پر فخر کرنا چاہیے۔

تیری روح پاک سے شاہ زمانہ اسی طرح زندگی کی تلاش کر رہا ہے جیسا کہ آفتاب عرش سے روشنی کا متلاشی ہے۔

اگر تیرا ارشاد نہ ہو تو حکم شاہی ختم ہو جائے۔ اگر تیری اعانت نہ ہو تو ادب متروک ہو جائے۔

## ۲۱۔ مولانا زین الدین بدایونی

ساتویں صدی ہجری میں خطہ بدایوں میں جن علمائے عظام نے شہرت پائی ان میں مولانا زین الدین اویسی بدایونی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہ اپنے عہد کے ممتاز عالم دین تھے اور بڑے اثر و رسوخ کے مالک

① لباب الالباب ج اول۔ نور الدین محمد بن محمد عوفی بخاری ص ۳۳، ۹۶، ۲۰۲، ۲۲۸، ۳۵۱، ۳۵۲۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص

تھے۔ شہر بدایوں میں بڑی جامع مسجد کے عقب میں مدرسہ معزیہ میں درس دیتے تھے۔ ان کے علم و فضل سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ شیخ نظام الدین اولیا فوائد الفواد میں بے حد احترام سے ان کا تذکرہ کرتے ہیں ❶۔

—س—

## ۲۲۔ قاضی سدید الدین دہلوی

سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں جو نامور علمائے کرام درس و تدریس اور اشاعت علم و فن میں مصروف تھے ان میں ایک شیخ قاضی سدید الدین دہلوی تھے۔ جو فقہ اصول فقہ اور علوم عربیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ غیاث الدین بلبن کے زمانے میں دار الحکومت دہلی میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے ❷۔

—ش—

## ۲۳۔ قاضی شرف الدین ولوالجی

شیخ قاضی شرف الدین ولوالجی دہلوی سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے کے کبار علما اور ممتاز اساتذہ میں سے تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں درس و تدریس اور افادہ عام ان کا کام تھا۔ اپنے دور میں فقہ کے عدیم المثال عالم تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن ان کی انتہائی تکریم کرتا تھا ❸۔

## ۲۴۔ قاضی شرف الدین اصفہانی

قاضی شرف الدین اصفہانی اپنے زمانے کے ممتاز عالم دین تھے۔ فقہ میں دسترس رکھتے تھے۔ ناصر الدین قباچہ کے دور میں ملتان کے قاضی تھے۔ ناصر الدین کے بعض احکام کو ماننے پر آمادہ نہ ہوئے تو اس نے ان کو قتل کر دیا تھا۔

واقعہ قتل کا پس منظر سمجھنے کے لیے ناصر الدین قباچہ کے بارے میں چند سطریں بیان کرنا ضروری ہے۔ ناصر الدین قباچہ اور شمس الدین ایلتمش دونوں سلطان قطب الدین ایبک کے داماد تھے۔ سلطان قطب الدین کی وفات کے بعد دونوں علیحدہ علیحدہ سلطنتوں کے مالک ہوئے۔ ایلتمش دہلی کے تخت حکومت پر

❶ نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۱۶۰۔

❷ تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۱۱۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۱۶۱۔

❸ تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۴۶ و ۱۱۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۱۶۳۔

جلوہ افراز ہوا اور قباچہ کا دارالسلطنت اوج قرار پایا۔ اس کی مملکت میں ملتان بھی شامل تھا۔ اس نے ۶۰۷ھ سے ۶۲۵ھ (۱۲۱۰ء سے ۱۲۲۸ء) تک اٹھارہ سال حکومت کی۔ مگر دونوں میں شدید قسم کی چپقلش پیدا ہو گئی تھی۔ دونوں طرف کی رعایا پلٹتمش کی حامی تھی کیونکہ قباچہ کی نسبت وہ زیادہ دین دار تقویٰ شعار اور خوش طبیعت تھا۔ ملتان میں قباچہ کی طرف سے قاضی شرف الدین اصفہانی عہدہ قضا پر متمکن تھے اور ادھر شیخ بہاء الدین زکریا ملتان کی مسند رشد و ہدایت پر فائز تھے۔ ان دونوں بزرگوں کا قلبی رجحان پلٹتمش کی طرف تھا۔

ناصر الدین قباچہ نے پلٹتمش کی بڑھتی ہوئی قوت و سطوت اور خواص و عوام میں اس کے اثر و رسوخ کی مضبوط گرفت کو دیکھا تو اس کے خلاف معاندانہ سازشوں کا سلسلہ وسیع کر دیا۔ یہ چیز ملتان کے قاضی شرف الدین اصفہانی اور شیخ بہاء الدین زکریا کے نزدیک قطعی ناپسندیدہ تھی۔ قاضی شرف الدین اصفہانی ایک متدین عالم تھے انھوں نے دین کی فلاح اسی میں سمجھی کہ پلٹتمش کو قباچہ کی سازش سے مطلع کر دیا جائے۔ شیخ بہاء الدین زکریا سے بات کی تو انھوں نے بھی تائید کر دی۔ دونوں نے سلطان شمس الدین ایلتمش کو خطوط لکھے۔ مگر یہ خطوط قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے اور انھوں نے قباچہ کو پہنچا دیے۔ قباچہ یہ خطوط پڑھ کر بہت مشتعل ہوا اور ایک محضر کے ذریعے دونوں کو طلب کیا۔ جب دونوں بزرگ مجلس میں تشریف لائے تو قباچہ نے شیخ بہاء الدین زکریا کو اپنی ذہنی جانب بٹھایا اور قاضی شرف الدین اصفہانی کو اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا اور خط ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ قاضی شرف الدین نے خط پڑھا اور خاموش ہو گئے۔ قباچہ غصے میں بھرا ہوا تھا۔ اس نے جلا د کو حکم دیا کہ ان کو تہہ تیغ کر دیا جائے۔ اشارہ پاتے ہی جلا د آگے بڑھا اور سر قلم کر دیا۔ اب وہ شیخ بہاء الدین زکریا کی طرف متوجہ ہوا۔ ان کے ہاتھ میں خط دیا تو انھوں نے دیکھتے ہی فرمایا۔ بے شک یہ میرا خط ہے۔ میں نے ہی لکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے۔ آپ جو چاہے کریں میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہوں۔ قباچہ نے یہ الفاظ سنے تو اس پر لرزہ طاری ہو گیا اور مزید استفسار کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے بعد کھانا لانے کا حکم دیا۔ اس کو معلوم تھا کہ شیخ دوسرے کے یہاں کھانا تناول نہیں فرماتے۔ قباچہ یہ سوچ رہا تھا کہ اگر انھوں نے کھانے میں شریک ہونے سے انکار کیا تو اسی بہانے ان کو ایذا پہنچانے کا موقع مل جائے گا۔ مگر جب کھانا آیا تو شیخ بہاء الدین زکریا نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا اور کھانے میں شریک ہو گئے۔ یہ دیکھ کر قباچہ کا سارا غصہ جاتا رہا اور معذرت کر کے عزت و احترام کے ساتھ ان کو رخصت کیا ①۔

## ۲۵۔ مولانا شمس الدین خوارزمی

شیخ شمس الدین خوارزمی جلیل القدر عالم تھے اور علوم عربیہ میں عبور رکھتے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کی طرف سے دہلی میں منصب صدارت پر فائز تھے اور ساتھ ہی درس و تدریس کے ذریعے لوگوں کو علم کی

① فوائد الفوائد ص ۱۱۹، ۱۲۰۔ سیر الاولیاء ص ۵۷۹۔ بزم مملوکیہ ص ۳۷۔ سیر العارفین ص ۲۹۲۸۔



روشنی سے منور کرتے تھے۔ ان کے تلامذہ کی فہرست میں جو عظیم المرتبت حضرات شامل ہیں، ان میں شیخ نظام الدین اولیا، شیخ قطب الدین ناقلہ اور شیخ برہان الدین عبدالباقی ایسے فاضل اور اعظم رجال کے اسمائے گرامی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔

سیر الاولیا میں مرقوم ہے کہ شیخ نظام الدین اولیا نے ان سے عربی ادب کی معروف کتاب ”مقامات حریری“ پڑھی اور اس کے چالیس مقالے حفظ کیے۔ وہ اپنی مجالس میں نہایت ادب سے ان کا تذکرہ فرماتے تھے۔ اس ضمن میں سیر الاولیا کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت پیش نمس الملک (یعنی مولانا شمس الدین) مقامات حریری تلمذ کردہ بود و حقوق آں نگاہ داشت۔

مولانا شمس الدین خوارزمی کے علم و فضل کے علاوہ ان کے حسن اخلاق، لطافت طبع اور عذوبت لسان کی بھی بڑی شہرت تھی۔ سیر الاولیا میں ہے۔

عجب لطافت و طبع لطیف داشت کہ در شہر مثل او نبود۔

یعنی بڑے خوش مزاج اور شائستہ طبع تھے۔ شہر میں کوئی شخص ان کی مثل نہ تھا۔

سیر الاولیا میں ان کا یہ لطیفہ بھی مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ ان کے کسی دوست نے بہت ہی شکستہ حروف میں ان کو ایک رقعہ لکھا جو ان سے پڑھانہ گیا، اس کی پشت پر عربی میں چند الفاظ لکھ کر ان کو بھیج دیے، جن کا مفہوم یہ تھا کہ تمہارا خط ایسا ٹیڑھا ہے جیسے دریا کے کنارے بطخ کی چال۔ اس انداز خط میں آئندہ لکھنے کی زحمت گوارا نہ فرمائیے۔ سیر العارفین میں مرقوم ہے کہ دہلی میں بے شمار علما و فقرا جمع تھے۔ لیکن سرآمد علمائے روزگار اور اجلا و فضلائے کبار اس وقت شیخ شمس الدین خوارزمی تھے۔ تمام علما کے گویا مرجع تھے اور اصول و فروع اور معقول و منقول کے جامع تھے۔

شیخ نظام الدین اولیا اپنے وطن بدایوں سے مزید تعلیم کے لیے دہلی آئے تو مولانا شمس الدین کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا۔ مولانا نے ان کے اوصاف دیکھ کر ان کی طرف غیر معمولی توجہ فرمائی۔ وہ اپنے عزیز شاگردوں کو حجرے میں بلا کر درس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ قطب الدین ناقلہ، شیخ برہان الدین عبدالباقی اور شیخ نظام الدین اولیا کو یہ شرف حاصل تھا۔

ان کا کوئی شاگرد درس سے غائب ہوتا تو اس کے آنے پر اس سے مذاقاً پوچھتے۔ میں نے تمہاری کیا خطا کی تھی کہ تم درس میں حاضر نہ ہوئے۔ بتا دو تا کہ پھر وہی غلطی کروں اور تم آئندہ بھی حاضر نہ ہو سکو۔ لیکن جب شیخ نظام الدین نہ آتے تو خود ان کے پاس جاتے اور انہیں دیکھ کر یہ شعر پڑھتے:

آخر کم از آن گاہ گاہے  
آئی و بما کنی نگاہے

سلطان غیاث الدین بلبن کے دل میں مولانا شمس الدین خوارزمی کی اس درجہ قدر و منزلت تھی کہ اس نے ان کو شمس الملک کا خطاب عطا کیا اور اپنی حکومت کا مستوفی الملک (یعنی آڈیٹر جنرل) بنایا۔ جب ان کو یہ اعزاز ملا تو اس عہد کے مشہور شاعر تاج الدین ریزہ نے ان کی مدح میں یہ شاعر کہا۔

شمسا کنوں بکام دل دوستاں شدی      مستوفی ممالک ہندوستاں شدی ❶

## ۲۶۔ قاضی شمس الدین مراجمی

قاضی شمس الدین مراجمی سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے مشہور عالم دین، معروف فقیہ اور اصولی تھے۔ ہمیشہ دارالسلطنت دہلی میں درس و افادہ میں مصروف رہے ❷۔

## ۲۷۔ قاضی شمس الدین مارہروی

قاضی شمس الدین مارہروی عہد سلطان معز الدین بہرام شاہ کے فاضل اور معروف عالم و فقیہ تھے۔ اس زمانے میں سلطان پر ایوب ترکمانی کا اثر غالب تھا اور اس کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ وہ ایک مرد زاہد اور گلیم پوش ترک درویش تھے۔ طبقات ناصری کے مصنف منہاج سراج ان کا ان الفاظ میں تعارف کراتے ہیں۔

درویشی ترکمان بود ایوب نام مردے زاہد و گلیم پوش مدتے در قصر حوض سلطان باعتکاف نشستہ واز آں جا اورا بخدمت سلطان معز الدین تقرب افتاد سلطان را بدوارادتے پیدا شدہ و آں درویش درکار (ہائے) ملک شروع کردن گرفت و پیش ازین در قصبہ مہر پورہ بود و از قاضی شمس الدین مہر کوفتہ شدہ۔ دریں وقت چون سخن او نزدیک سلطان معتبر شد قاضی شمس الدین مہر را در پائے فیل انداختند ❸۔

یعنی ایک ترک درویش تھے ایوب نام تھا زاہد اور گلیم پوش تھے۔ مدت سے قصر حوض سلطان میں گوشہ گیر تھے۔ وہیں سے ان کو سلطان معز الدین کا تقرب حاصل ہوا اور سلطان کے دل میں ان کے لیے عقیدت و ارادت کے جذبات ابھرے۔ سلطان کی گردیدگی ان سے اور بڑھی تو وہ معاملات سلطنت میں دخیل ہونے لگے۔ وہ قاضی شمس الدین مارہروی سے برگشتہ خاطر تھے اور ان ہی کے اشارے سے سلطان نے قاضی شمس الدین مارہروی کو ہاتھی کے پاؤں سے پکچوا دیا۔

اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ حرکت شان درویشی کے بالکل منافی ہے۔ ایک عالم دین کو اس طرح موت کے گھاٹ اتروادینا انتہا درجے کی قساوت قلبی کے ذیل میں آتا ہے ❹۔

❶ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۷۔۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۶۶۔

❷ تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۱۱۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۶۷۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۷۔

❸ طبقات ناصری ج ۱ ص ۴۶۶۔ طبقات ناصری میں قاضی شمس الدین مہر لکھا ہے۔

❹ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۶۷۔

## ۲۸۔ قاضی شمس الدین بہراپچی

قاضی شمس الدین بہراپچی عالم و فاضل اور باکمال انسان تھے۔ محمود بن سلطان شمس الدین ایلتمش اپنے بھتیجے علاء الدین مسعود بن فیروز بن ایلتمش کی طرف سے جب بہراپچی کا والی تھا تو اس نے شیخ شمس الدین کو وہاں کا قاضی مقرر کر دیا تھا، کیونکہ وہ ان کے علم و فضل سے بہت متاثر تھا، لیکن جب وہ بادشاہ ہند ہوا تو اس نے ۲۷ رجب ۶۵۱ھ (۲۱ دسمبر ۱۲۵۳ء) کو انھیں اپنے پاس دہلی بلا یا اور قاضی ممالک کا عہدہ تفویض کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس کے تمام اہم ملکی امور میں معتمد و مشیر کی حیثیت اختیار کر گئے۔ مگر دوسرے امرا و حکام کو یہ بات ناگوار گزری اور وہ انھیں حسد کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ انھوں نے سلطان کے پاس ان کی شکایات بھی کیں۔ سلطان نے اتوار کے دن ۲۳ ربیع الاول ۶۵۳ھ (۲ مئی ۱۲۵۵ء) کو انھیں منصب قضا سے الگ کر دیا۔ ۶۵۵ھ (۱۲۵۷ء) میں بعض ارکان سلطنت نے سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو انھوں نے اس پر قاضی شمس الدین کو متہم کیا اور کہا کہ اس بغاوت پر انہی نے ان کو آمادہ کیا تھا۔ اس الزام کی بنا پر سلطان نے ۲ جمادی الاخریٰ ۶۵۵ھ (۱۸ مئی ۱۲۵۷ء) کو انھیں دہلی سے شہر بدر کر کے بہراپچی بھیج دیا، جہاں وہ آخر عمر تک مقیم رہے ①۔

## ۲۹۔ مولانا شہاب الدین اجودھنی

شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ حضرت بابا فرید الدین مسعود عدوی عمری (پاک پٹن) کے فرزند گرامی قدر تھے۔ بڑے متدین اور عالم و فاضل تھے۔ پاک پٹن میں پیدا ہوئے، اپنے عہد کے معروف علما سے تحصیل کی اور افتاء و تدریس کی مسند بلند پر فائز ہوئے۔ پھر اپنے والد مکرم بابا فرید الدین کے حکم سے تصوف و طریقت کے لیے بعض مشائخ چشتیہ کے حضور دوزانو ہو کر بیٹھے۔

سیر الاولیا کی روایت کے مطابق جلیل القدر عالم صاحب وقار اور عقیف و پاک باز تھے۔ زیادہ وقت اپنے باپ کی خدمت میں گزارتے اور ان سے علم طریقت کے دقیق معانی اور گہرے مطالب سمجھنے کی سعی کرتے۔ پھر یہ باتیں نہایت فصاحت کے ساتھ دوسروں تک پہنچاتے۔ ان کے اور شیخ نظام الدین اولیا کے درمیان سچی محبت اور مضبوط دوستی تھی اور وہ ان کے بے حد مداح اور ان کی گونا گوں قابلیت کے معترف تھے ②۔

① طبقات ناصری، ج ۱، ص ۳۸۷، ۳۹۲۔ نیز دیکھیے۔ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۶۷، ۱۶۸۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۶۸۔

\_\_\_\_\_ص\_\_\_\_\_

### ۳۰۔ مولانا مصمام الدین فرغانی

شیخ مصمام الدین فرغانی فقہ اور اصول فقہ کے نامور علما میں سے تھے، وارد ہند ہوتے ہی بنگال چلے گئے۔ وہاں سلطان محمد بن بختیار خلجی حکمران تھا۔ اس نے ان کی گونا گوں صلاحتیوں سے متاثر ہو کر اپنے حلقہ خاص میں داخل کر لیا، ان کی بے حد پذیرائی کی، بڑے احترام سے پیش آیا اور ان کے لیے بہت مال و دولت خرچ کیا۔ پھر دونوں نے مل کر کفار ہند سے جنگیں لڑیں۔ ان کے ایک بھائی نظام الدین فرغانی تھے، انھوں نے ان کی معیت میں محمد بن بختیار خلجی کے پاس ارض بنگال ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۶۴۱ھ (۱۲۴۳ء) میں طبقات ناصری کے مصنف قاضی منہاج الدین عثمان بن محمد جوزجانی نے ان سے ملاقات کی اور ان سے محمد بن بختیار خلجی کے حالات معلوم کیے جو طبقات ناصری میں درج ہیں ①۔

\_\_\_\_\_ظ\_\_\_\_\_

### ۳۱۔ قاضی ظہیر الدین دہلوی

قاضی ظہیر الدین دہلوی فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ممتاز و منفرد علما میں سے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں دارالحکومت دہلی میں منصب تدریس پر فائز تھے اور تشنگان علوم کی علمی تشنگی دور کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ ان سے بہت سے لوگوں نے اخذ علم کیا ②۔

\_\_\_\_\_ع\_\_\_\_\_

### ۳۲۔ قاضی عثمان بن محمد جوزجانی لاہوری

ساتویں صدی ہجری کے کبار علمائے لاہور میں شیخ قاضی ابو عمر عثمان بن محمد بن عثمان بن ابراہیم بن عبدالحق جوزجانی کا اسم گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ یہ تاریخ کی مشہور کتاب ”طبقات ناصری“ کے مصنف ہیں اور قاضی منہاج الدین کے لقب سے معروف ہیں۔ ان کے والد گرامی قدر کا نام محمد بن عثمان جوزجانی ہے جو سراج الدین کے لقب سے متعارف تھے اور جن کے حالات صفحات گزشتہ میں چھٹی صدی ہجری

① طبقات ناصری، ج ۱، ص ۲۲۲ تا ۲۲۳۔

② تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۱۱۱، ۲۸۹، ۲۵۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۱۷۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۸۔

کے فقہائے کرام کی فہرست میں بیان ہو چکے ہیں۔

قاضی عثمان بن محمد کے سال ولادت کی صراحت صاف الفاظ میں کہیں نہیں ملتی۔ البتہ اپنی کتاب ”طبقات ناصری“ میں انھوں نے یہ وضاحت کی ہے کہ ۶۰۷ھ (۱۲۱۱ء) میں ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اسی سال ان کے والد قاضی سراج الدین محمد بن عثمان لاہور سے بامیان گئے اور بہاء الدین سام بن محمد بامیانی نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور انھیں قاضی القضاة مقرر کیا۔ منہاج الدین عثمان بن محمد نے ابتدائی تربیت اپنے باپ کے سایہ عاطفت میں حاصل کی اور ان سے اخذ علم کیا۔ لیکن باپ کی وفات کے بعد منہاج الدین کو حالات کی رفتار ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرتی رہی۔

قاضی منہاج الدین عثمان نے اپنے دور کے چوٹی کے علمائے کرام سے تعلیم حاصل کی یہاں تک کہ وہ ایک ممتاز عالم کی حیثیت اختیار کر گئے۔ وہ منگل کے روز ۲۶ جمادی الاولیٰ ۶۲۳ھ (۱۳ مئی ۱۲۲۷ء) کو شہر اوج میں داخل ہوئے اور والی سندھ ناصر الدین قباچہ کے مقربین کی جماعت میں شمولیت کا اعزاز حاصل کیا۔ ناصر الدین قباچہ نے ان کی علمی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر انھیں مدرسہ فیروزیہ کا مدرس مقرر کر دیا۔ پھر اس کے بیٹے بہرام شاہ نے قاضی عسکر کا عہدہ تفویض کیا۔

جب سلطان شمس الدین ایلتمش سندھ پر قابض ہوا اور اس نے قلعہ اوج کا محاصرہ کیا تو ۶۲۵ھ (۱۲۲۸ء) میں قاضی منہاج قلعے سے نکل کر سلطان ایلتمش سے جا ملے۔ ایلتمش نے ان کی بہت قدر کی اور ۶۳۰ھ (۱۲۳۳ء) میں شہر گوالیار کے مختلف محکمے مثلاً قضا، خطابت، امامت اور احتساب وغیرہ ان کے سپرد کیے جن پر وہ ۶۳۵ھ (۱۲۳۸ء) تک متمکن رہے۔

سلطان ایلتمش کی بیٹی رضیہ کے دور حکومت میں دہلی آئے تو اس نے گوالیار کے منصب قضا کے ساتھ ساتھ دہلی کے مدرسہ ناصریہ کے اوقاف کی تولیت بھی ان کے حوالے کر دی۔

بعد ازاں معز الدین بہرام شاہ تخت حکومت پر متمکن ہوا تو اس نے ہفتے کے روز ۱۰ جمادی الاولیٰ ۶۳۹ھ (۱۶ نومبر ۱۲۴۱ء) کو دہلی میں ان کو قاضی ممالک کا منصب بلند عطا کیا۔ پھر اس کا بھتیجا مسعود شاہ تخت نشین ہوا تو اس نے ۸ ذی القعدہ ۶۳۹ھ (۸ مئی ۱۲۴۲ء) کو انھیں مسند قضا سے الگ کر دیا۔ بعد ازاں وہ جمعے کے روز ۹ رجب ۶۴۰ھ (۲ جنوری ۱۲۴۳ء) کو دہلی سے نکلے اور بدایوں پہنچ گئے۔ وہاں سے اودھ گئے پھر کڑھ اور لکھنوتی میں داخل ہوئے۔ یہ اتوار کا دن تھا اور تاریخ ۷ ذی الحجہ ۶۴۰ھ (۲۷ مئی ۱۲۴۳ء) تھی۔ وہاں اس علاقے کا امیر عز الدین طغرل طغان خاں ان سے بہت اعزاز کے ساتھ پیش آیا اور گراں قدر ہدایا اور تحائف سے نوازا۔ لکھنوتی میں وہ دو سال مقیم رہے۔ وہاں سے پھر دہلی کو مراجعت کی اور سوموار کے دن ۱۲ صفر ۶۴۳ھ (۱۱ جولائی ۱۲۴۵ء) کو وارد دہلی ہوئے۔ اب جمعرات کے دن ۱۷ صفر ۶۴۳ھ (۱۳ جولائی ۱۲۴۵ء) کو الخ خاں (جو اس وقت امیر حاجب تھا اور بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہند بنا) کی سفارش پر گوالیار کی

مسند قضا و خطابت پر فائز کیے گئے اور ساتھ ہی دہلی کے مدرسہ ناصر یہ کے اوقاف کی تولیت انھیں عطا کی گئی۔  
 ۶۲۵ھ (۱۲۳۷ء) میں سلطان شمس الدین ایلتمش کے بیٹے سلطان ناصر الدین محمود کے غزوات کے بارے میں بصورت نظم ”ناصری نامہ“ تصنیف کیا اور امیر حاجب غیاث الدین بلبن کی طرف سے قیمتی حلہ عطا کیا گیا۔ اس نے ان کو تعلقہ ہانسی میں ایک گاؤں بھی عطا کیا اور دوسری مرتبہ دہلی میں قضاے ممالک کا منصب بھی مرحمت کیا۔ یہ بروز اتوار ۱۰ جمادی الاولیٰ ۶۳۹ھ (۳۱ جولائی ۱۲۵۱ء) کا واقعہ ہے۔

بعد ازاں ۲۷ رجب ۶۵۱ھ (۲۰ ستمبر ۱۲۵۳ء) کو اس منصب سے علیحدہ کیے گئے اور ۶۵۲ھ (۱۲۵۴ء) میں صدر جہاں کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اتوار کے روز ۲۳ ربیع الاول ۶۵۳ھ (۲ مئی ۱۲۵۵ء) کو تیسری مرتبہ پھر قاضی ممالک مقرر کیے گئے۔

قاضی منہاج متعدد اوصاف کے حامل تھے۔ فقہ اصول سیرت، تاریخ اور شعر و شاعری کے بہت بڑے عالم تھے۔ قضا کے بارے میں ان کے علم و تجربہ کی وسعتوں کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا اور اس کے چند الفاظ سنتے تو شروع سے آخر تک پوری حقیقت فہم و فکر کی گرفت میں آ جاتی۔ متواضع، منکسر المزاج اور سخی تھے۔ وعظ میں انتہا درجے کا اثر تھا۔ شیخ نظام الدین اولیا فوائد الفواد میں ان کے حسن بیان اور پرتاثر مواعظ کی بے حد تعریف کرتے ہیں۔ ان کو ان کی مجالس وعظ میں شرکت کا موقع ملا ہے۔ شیخ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ان کو دو شنبہ کے روز مجلس وعظ و تذکیر میں یہ رباعی پڑھتے ہوئے سنا:

لب برب لعل دلبراں خوش کردن و آہنگ سر زلف مشوش کردن

امروز خوش است لیک فردا خوش نیست خود را چونے طعمہ آتش کردن

شیخ لکھتے ہیں یہ رباعی سنتے ہی میں بے خود ہو گیا اور ایک ساعت تک عالم بے خودی میں رہا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

من چوں این بیت شنیدم بے خود گونہ گشتم ساعتمے باقیست تا بخود باز آم رُ اللہ تعالیٰ ①۔

ان کی متعدد تصانیف ہیں جن میں تاریخ سے متعلق طبقات ناصر یہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ کتاب انھوں نے سلطان شمس الدین ایلتمش کے بیٹے سلطان ناصر الدین محمود کے زمانے میں اور اسی کے لیے تصنیف کی تھی۔ یہ فارسی زبان میں تاریخ کی بڑی اہم کتاب ہے جو انبیاء کرام سے لے کر تاریخ کے مختلف ادوار کو محیط ہے اور تین طبقات پر مشتمل ہے۔

مشہور ایرانی عالم و محقق سعید نفیسی کی تحقیق کے مطابق قاضی منہاج الدین نے ۶۹۸ھ (۱۲۹۹ء) میں

وفات پائی ②۔

① اخبار الاخبار ص ۸۰۔ لیکن فوائد الفواد میں دوسرے شعر کا مصرع اول اس طرح ہے۔

ع امروز خوش است لیک فردا است زیاں

② تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ طبقات ناصر یہ ج ۲، ص ۲۳۹ تا ۲۹۵۔ سالنامہ فارسی۔

### ۳۳۔ شیخ عزیز الدین لاہوری

شیخ عزیز الدین حسینی بغدادی ثم ہندی لاہوری علم و معرفت کی دنیا میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ ۵۷۷ھ (۱۱۷۸ء) میں وارد ہند ہوئے اور لاہور میں اقامت اختیار کی۔ اس شہر میں انھوں نے چھتیس سال تک درس و افادے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۶۱۲ھ (۱۲۱۵ء) میں وفات پائی ①۔

### ۳۴۔ خواجہ عزیز کٹر کی

شیخ عزیز کٹر کی بدایونی، متقی، عارف باللہ، عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود بن یحییٰ اودھی ان کا ذکر نہایت احترام سے کرتے اور ان کے کثوف و کرامات کی تفصیلات بتاتے ہیں۔ ۶۶۷ھ (۱۲۶۹ء) میں کٹرک میں فوت ہوئے جو اعمال بدایوں میں ایک گاؤں ہے ②۔

### ۳۵۔ شیخ علاء الدین علی اصولی بدایونی

شیخ علاء الدین علی اصولی بدایونی، صالح بزرگ تھے۔ علوم ظاہری کے بھی شناور تھے اور علوم باطن کے بھی۔ شیخ نظام الدین اولیا ان کے شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے کہ میرے استاد شیخ علاء الدین علی اصولی اصحاب شیخ جلال الدین تبریزی میں سے تھے اور خصال حمیدہ میں اپنے استاد کے مثل تھے۔ ان کے صبر و رضا کا یہ حال تھا کہ اپنی حالت و کیفیت کو چھپانے کی کوشش کرتے اور تمام وقت فائدہ عام اور عبادت الہی میں گزارتے ③۔

### ۳۶۔ شیخ علی بن اسحاق بخاری

شیخ منہاج الدین علی بن اسحاق بخاری دہلوی ساتویں صدی ہجری کے مشہور ہندی علما و فضلاء میں سے تھے۔ مدرسہ معزیہ میں درس اور افادہ عام میں مصروف رہتے۔ ان کے پوتے شیخ بدر الدین اسحاق بن علی بخاری اور بہت سے علمائے ان سے اخذ علم کیا۔ دہلی میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے ④۔

### ۳۷۔ علی بن حامد کوفی

شیخ علی بن حامد بن ابوبکر کوفی اوجی سندھی، علم و معرفت میں یگانہ روزگار تھے۔ اوج میں پیدا ہوئے

① نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۷۹۔ بحوالہ خزینۃ الاصفیا۔

② نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۷۸۔ بحوالہ خزینۃ الاصفیا۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۸۴۔ بحوالہ فوائد الفواد۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۷۱۔

④ ایضاً۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۸۲۔

اور ۶۱۳ھ (۱۲۱۶ء) میں جب کہ ان کی عمر اٹھاون (۵۸) برس کی تھی، اوج سے نکلے اور بھکر اور ارور کے سفر پر روانہ ہوئے۔ وہاں ان کی ملاقات قاضی اسماعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ طائی سے ہوئی۔ ان کے پاس انھیں عربی زبان میں تاریخ سندھ اور سرزمین سندھ میں مسلمانوں کی جنگوں اور ان کی فتوحات کے کچھ واقعات دیکھنے کا اتفاق ہوا، جو مختلف اوراق میں منتشر تھے۔ انھوں نے یہ اجزائے تاریخی ان سے حاصل کیے اور وزیر حسن بن ابوبکر بن محمد اشعری عین الملک کے لیے فارسی زبان میں منتقل کیے۔ خدا بخش لاہری پٹنہ (ہندوستان) میں یہ مخطوطہ اب بھی موجود ہے ①۔

## ۳۸۔ قاضی علی بن عمر محمودی

شیخ امام علی بن عمر محمودی جو قاضی حمید الدین افتخار الافاضل کے لقب سے معروف تھے وسعت علم اور عمق تحقیق میں علمائے مشاہیر میں سے تھے۔ سلطان قطب الدین ایبک ان کی از حد تکریم کرتا تھا۔ اس نے مختلف اوقات میں ان کو بہت سے ہدایا و تحائف سے نوازا۔ اس عالم دین کی تصنیفات میں سے کچھ رسائل بھی ہیں جو دیار ہند کے حلقہ اہل علم میں مشہور ہیں۔ یہ شاعر بھی تھے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تاچند بارم ای زلبت گشتہ زار لعل      آب ازدو دیدہ درجم آل آب دار لعل  
نے نے چویافت بالب و دندانت نسبتی      ناقص شدست لولو و گشتت خوار لعل ②  
افسوس ہے بے شمار علما کی طرح اس عالم دین کے بھی زیادہ حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

ق

## ۳۹۔ قاضی قطب الدین کاشانی ملتانی

قاضی قطب الدین کاشانی ملتانی ایک جید عالم تھے۔ مدت مدید تک ملتان کے ایک مدرسے میں ان کا سلسلہ درس و تدریس جاری رہا اور لوگوں نے ان کے فیوض علمیہ سے استفادہ کیا۔ ساتویں صدی ہجری کی ارض ہند میں یہ دنیائے تدریس کے بادشاہ تھے۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ تدین و اتقا کا یہ عالم تھا کہ شیخ بہاء الدین زکریا روزانہ ان کے مدرسے میں تشریف لے جاتے اور ان کی اقتدا میں نماز پڑھتے۔ قاضی قطب الدین کاشانی نے ملتان میں وفات پائی اور اسی قدیم شہر میں دفن کیے گئے۔ سال وفات ۶۳۳ھ (۱۲۳۶ء) ہے ③۔

① نزہۃ النوا طر ج ۱ ص ۱۸۲۔

② لباب الالباب ج ۱ از نور الدین محمد عونی ص ۲۰۳ تا ۲۰۵۔

③ نزہۃ النوا طر ج ۱ ص ۱۹۸۔ بحوالہ اخبار الجمال و سیر الاولیا۔



## — ک —

## ۴۰۔ قاضی کمال الدین جعفری

قاضی کمال الدین جعفری بدایونی، فضل و کمال میں یکتا تھے اور اپنے عصر کے کبار علما میں سے تھے۔ بدایوں میں نائب حکومت تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ درس و تدریس اور افادہ عام ان کا اصل کام تھا۔ مسائل فقہ سے متعلق کتاب المغنی ان کی تصنیف ہے۔ بدایوں میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔ شیخ نظام الدین اولیاء اللہ فوائد القواد میں بہت اچھے انداز میں ان کا ذکر کرتے ہیں ①۔

## — م —

## ۴۱۔ شیخ محمد بن احمد ماریکلی دہلوی

شیخ محمد بن احمد بن محمد ماریکلی جو امام کمال الدین زاہد کے لقب سے ملقب تھے بہت بڑے عالم محدث اور عابد و زاہد تھے۔ فقہ و حدیث میں انھیں درک حاصل تھا۔ شیخ برہان الدین محمود بلخی سے فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی۔ شیخ برہان الدین محمود بلخی علم فقہ میں صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی کے اور علم حدیث میں صاحب مشارق الانوار شیخ حسن بن محمد صغانی لاہوری کے شاگرد تھے۔ شیخ کمال الدین یعنی محمد بن احمد ماریکلی کو مؤلف آثار النیرین فی اخبار الصحیحین سے بھی شرف اجازہ حاصل ہے جنھوں نے یہ کتاب شیخ حسن سے روایت کی۔ پھر انھوں نے شیخ نظام الدین اولیا کے سامنے بھی زانوئے تلمذتہ کیا اور ان سے مشارق الانوار پڑھی۔ وہ اپنے عہد میں علم و فضل میں بے مثل درک و تحقیق میں عدیم النظیر زہد و ورع میں بہت آگے نکلے ہوئے اور حدیث و فقہ میں تبحر کامل تھے۔ ان کے یہ اوصاف سن کر سلطان غیاث الدین بلبن حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ اگر آپ میری نمازوں کی امامت قبول فرمائیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ ممکن ہے آپ کی امامت کی برکت سے بارگاہ خداوندی میں میری نمازیں بھی قبولیت کا درجہ حاصل کر لیں۔ یہ سن کر شیخ کمال الدین زاہد نے تکرار اور برہمی کا اظہار کیا اور فرمایا:

میرے پاس اعمال صالحہ میں سے نماز کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے اب بادشاہ اسے بھی چھین

لینا چاہتا ہے۔

شیخ کے الفاظ یہ ہیں:

① نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۰۱۔

ولم یبق الی عمل من الاعمال الصالحة غیر الصلوة والسلطان  
یرید ان یبطلها ایضاً۔

بلبن نے یہ سنا تو خاموش ہو گیا اور معذرت کر کے واپس چلا گیا۔

اس جلیل المرتبت محدث و فقیہ اور عظیم القدر عابد و زاہد نے دہلی میں ۶۸۳ھ (۱۲۸۵ء) کو وفات پائی ①۔

## ۴۲۔ شیخ محمد بن احمد مدنی

شیخ الامام بدر الملت محمد بن احمد مدنی کا سلسلہ نسب چودھویں پشت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔  
یہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے۔ قطب الدین لقب تھا۔ ۵۸۱ھ میں بمقام بغداد پیدا  
ہوئے۔ جن فحول علمائے عصر اور نامور اساتذہ گرامی قدر سے تعلیم حاصل کی ان میں ان کے والد محترم حضرت شیخ  
سید احمد مدنی، شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ عارف باللہ ابوالنجاب نجم الدین کبریٰ کے اسمائے  
گرامی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔

فتنہ تاتار کے زمانے میں ان کے والد بغداد میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد یہ بغداد  
سے نکلے اور غزنی آ گئے۔ وہاں ایک عرصے تک مقیم رہے۔ پھر عازم ہند ہوئے۔ اس وقت تخت ہند پر سلطان  
قطب الدین ایبک متمکن تھا۔ نہایت صالح اور شجاع تھے۔ سلطان ایبک کی معیت میں مخالفین اسلام کے ساتھ  
جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہو گئے تھے۔ اللہ نے بڑی فتوحات عطا کیں۔ موضع کڑھ مانک پور اور ہسوہ وغیرہ  
کے مضبوط و مستحکم قلعے فتح کیے۔ سلطان قطب الدین ان کی بہادری اور تدین کی بنا پر ان کا بہت احترام کرتا تھا۔  
ان کو وہ صدر مجلس میں بٹھاتا ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا اور ان سے تبرک و تیمن حاصل کرتا۔

معز الدین بہرام شاہ کے عہد میں شیخ محمد بن احمد شہر دہلی کے شیخ الاسلام تھے۔ جن امرائے سلطنت  
اور اعمال حکومت نے بہرام شاہ کو معزول کیا تھا ان کو سمجھانے کے لیے ۶۳۹ھ (۱۲۴۲ء) میں سلطان نے ان کو  
لاہور بھیجا۔ انھوں نے ان کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے اور دہلی واپس آ گئے۔

بدھ کے روز ۱۳ رجب ۶۵۳ھ (۱۸ اگست ۱۲۵۵ء) کو سلطان ناصر الدین محمود کے دور حکومت میں  
منصب شیخ الاسلامی اور مسند مشیخت سے الگ ہو گئے۔

سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں بھی ان کو بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ ان کے تین بیٹے  
تھے۔ سب سے بڑے نظام الدین تھے جو ہر اعتبار سے اپنے باپ کی مانند تھے۔ دوسرے قوام الدین محمود تھے  
جن کے محاسن سے متاثر ہو کر سلطان شمس الدین ایلتمش نے اپنی بیٹی ان کے عقد میں دے دی تھی۔ تیسرے  
قاضی تاج الدین تھے جو پہلے شہر کڑھ کے اور پھر بدایوں کے قاضی مقرر کیے گئے۔ شیخ نظام الدین کے بیٹے  
قاضی رکن الدین تھے جو شہر کڑھ کی مسند قضا پر متمکن ہوئے۔ امیر المجاہدین حضرت سید احمد شہید بریلوی رضی اللہ عنہ ان

① اخبار الاخیار ص ۶۸۔ سیر الاولیاء ص ۱۰۶، ۱۰۵۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۷۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۰۴۔

ہی قاضی رکن الدین رحمہ اللہ کی اولاد سے ہیں۔

شیخ محمد بن احمد یعنی شیخ قطب الدین رحمہ اللہ ۳ رمضان المبارک ۶۷۷ھ (۱۸ جنوری ۱۲۷۹ء) کو شہر کڑھ میں فوت ہوئے ①۔

ان کے حالات میں تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی کے الفاظ قابل مطالعہ ہیں۔ وہ سید قطب الدین الحسنی کڑوی کے عنوان سے لکھتے ہیں:

شاہ قطب الدین محمد ابن شاہ رشید الدین احمد غزنوی۔ ان کے والد مکرم کا سلسلہ نسب حضرت حسن بن حضرت علی رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے۔ وہ عالم تبحر، فقیہ فاضل، صاحب ولایت اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ ۵۸۱ھ (۱۱۸۵ء) میں پیدا ہوئے۔ سلطان قطب الدین ایلتتمش کے زمانے میں غرنی سے دہلی آئے اور دہلی سے اٹھ کر موضع کڑا میں سکونت پذیر ہو گئے۔ کڑا، قصبہ ہسوہ کے قریب اس سے نصف میل کے فاصلے پر واقع ہے جو کڑا سادات کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں سے غزوہ و جہاد کی نیت سے کڑا پہنچے جو مانک پور کے بالمقابل دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے۔ وہاں راجا جے چند سے جہاد کیا۔ اور فتح یاب ہوئے۔ چھیا نوے سال کی عمر میں بمقام کڑا ۳ رمضان ۶۷۷ھ (جنوری ۱۲۷۹ء) کو انتقال ہوا۔ تین بیٹے سید نظام الدین، سید قوام الدین، سید قاسم الدین اور سید تاج الدین قاضی بدایوں یادگار چھوڑے۔ سید موصوف رحمہ اللہ کی اولاد کڑا، نصیر آباد، ردولی، کوندھن پٹی، اچھوا، رسول پور، کروٹی، منعم آباد، راجو پور، گوالیار، کرتی، جھیزا، دہلی، بدایوں اور ہسوہ میں سکونت پذیر ہے اور یہ لوگ سادات قطبیہ کے لقب سے مشہور ہیں ②۔

## ۲۳۔ شیخ محمد بن مامون لاہوری

شیخ محمد بن مامون بن رشید بن بہتہ اللہ مطوعی لاہوری۔ ابو عبد اللہ کنیت تھی۔ حصول علم کے لیے لاہور سے نکلے اور خراسان جا پہنچے۔ مختلف مقامات کے اساتذہ و ائمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فقہ امام شافعی رحمہ اللہ میں مہارت پیدا کی۔ نیشاپور میں اصحاب ابوبکر شیرازی اور اصحاب ابونصر قشیری سے سماعت حدیث و فقہ کی۔ بعد ازاں بغداد گئے اور ایک مدت تک وہاں مقیم رہے۔ علاقہ آذربائیجان میں وعظ و ارشاد کے سلسلے میں گھوم رہے تھے کہ ۶۰۳ھ (۱۲۰۷ء) میں ملاحدہ کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے ③۔

① نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۰۴ تا ۲۰۷ بحوالہ طبقات ناصری۔ تاریخ فیروز شاہی۔ دنیات الاعلام اور ہدایۃ السعداء

② تذکرہ علمائے ہند ص ۱۶۷۔ اردو ترجمہ ص ۳۸۹۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۲۳۔

ولم یبق الی عمل من الاعمال الصالحة غیر الصلوة والسلطان  
یرید ان یبطلها ایضاً۔

بلبن نے یہ سنا تو خاموش ہو گیا اور معذرت کر کے واپس چلا گیا۔

اس جلیل المرتبت محدث و فقیہ اور عظیم القدر عابد و زاہد نے دہلی میں ۶۸۲ھ (۱۲۸۵ء) کو وفات پائی ①۔

## ۲۲۔ شیخ محمد بن احمد مدنی

شیخ الامام بدر الملت محمد بن احمد مدنی کا سلسلہ نسب چودھویں پشت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔  
یہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے۔ قطب الدین لقب تھا۔ ۵۸۱ھ میں بمقام بغداد پیدا  
ہوئے۔ جن فحول علمائے عصر اور نامور اساتذہ گرامی قدر سے تعلیم حاصل کی ان میں ان کے والد محترم حضرت شیخ  
سید احمد مدنی، شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ عارف باللہ ابو الخباب نجم الدین کبریٰ کے اسمائے  
گرامی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔

فتنہ تاتار کے زمانے میں ان کے والد بغداد میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد یہ بغداد  
سے نکلے اور غزنی آ گئے۔ وہاں ایک عرصے تک مقیم رہے۔ پھر عازم ہند ہوئے۔ اس وقت تخت ہند پر سلطان  
قطب الدین ایبک متمکن تھا۔ نہایت صالح اور شجاع تھے۔ سلطان ایبک کی معیت میں مخالفین اسلام کے ساتھ  
جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہو گئے تھے۔ اللہ نے بڑی فتوحات عطا کیں۔ موضع کڑھ مانک پور اور ہسوہ وغیرہ  
کے مضبوط و مستحکم قلعے فتح کیے۔ سلطان قطب الدین ان کی بہادری اور تدین کی بنا پر ان کا بہت احترام کرتا تھا۔  
ان کو وہ صدر مجلس میں بٹھاتا ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا اور ان سے تبرک و تین حاصل کرتا۔

معز الدین بہرام شاہ کے عہد میں شیخ محمد بن احمد شہر دہلی کے شیخ الاسلام تھے۔ جن امرائے سلطنت  
اور اعمال حکومت نے بہرام شاہ کو معزول کیا تھا ان کو سمجھانے کے لیے ۶۳۹ھ (۱۲۴۲ء) میں سلطان نے ان کو  
لاہور بھیجا۔ انھوں نے ان کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے اور دہلی واپس آ گئے۔

بدھ کے روز ۱۳ رجب ۶۵۳ھ (۱۸ اگست ۱۲۵۵ء) کو سلطان ناصر الدین محمود کے دور حکومت میں  
منصب شیخ الاسلامی اور مسند مشیخت سے الگ ہو گئے۔

سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں بھی ان کو بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ ان کے تین بیٹے  
تھے۔ سب سے بڑے نظام الدین تھے جو ہر اعتبار سے اپنے باپ کی مانند تھے۔ دوسرے قوام الدین محمود تھے  
جن کے محاسن سے متاثر ہو کر سلطان شمس الدین ایلتمش نے اپنی بیٹی ان کے عقد میں دے دی تھی۔ تیسرے  
قاضی تاج الدین تھے جو پہلے شہر کڑھ کے اور پھر بدایوں کے قاضی مقرر کیے گئے۔ شیخ نظام الدین کے بیٹے  
قاضی رکن الدین تھے جو شہر کڑھ کی مسند قضا پر متمکن ہوئے۔ امیر المجاہدین حضرت سید احمد شہید بریلوی رضی اللہ عنہ ان

① اخبار الاخیار ص ۶۸۔ سیر الاولیاء ص ۱۰۶، ۱۰۵۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۷۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۰۴۔

ہی قاضی رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔

شیخ محمد بن احمد یعنی شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ ۳ رمضان المبارک ۶۷۷ھ (۱۸ جنوری ۱۲۷۹ء) کو شہر کڑھ میں فوت ہوئے ①۔

ان کے حالات میں تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی کے الفاظ قابل مطالعہ ہیں۔ وہ سید قطب الدین الحسنی کڑوی کے عنوان سے لکھتے ہیں:

شاہ قطب الدین محمد ابن شاہ رشید الدین احمد غزنوی۔ ان کے والد مکرم کا سلسلہ نسب حضرت حسن بن حضرت علی رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے۔ وہ عالم متبحر، فقیہ فاضل، صاحب ولایت اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ ۵۸۱ھ (۱۱۸۵ء) میں پیدا ہوئے۔ سلطان قطب الدین یلتتمش کے زمانے میں غرنی سے دہلی آئے اور دہلی سے اٹھ کر موضع کڑا میں سکونت پذیر ہو گئے۔ کڑا، قصبہ ہسوہ کے قریب اس سے نصف میل کے فاصلے پر واقع ہے جو کڑا سادات کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں سے غزوہ و جہاد کی نیت سے کڑا پہنچے جو مانک پور کے بالمقابل دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے۔ وہاں راجا جے چند سے جہاد کیا۔ اور فتح یاب ہوئے۔ چھیا نوے سال کی عمر میں بمقام کڑا ۳ رمضان ۶۷۷ھ (جنوری ۱۲۷۹ء) کو انتقال ہوا۔ تین بیٹے سید نظام الدین، سید قوام الدین، سید قوام الدین اور سید تاج الدین قاضی بدایوں یادگار چھوڑے۔ سید موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کڑا، نصیر آباد، ردولی، کوندھن پٹی، اچھوا، رسول پور، کرولی، منعم آباد، راجو پور، گوالیار، کرتی، جھیزا، دہلی، بدایوں اور ہسوہ میں سکونت پذیر ہے اور یہ لوگ سادات قطبیہ کے لقب سے مشہور ہیں ②۔

## ۲۳۔ شیخ محمد بن مامون لاہوری

شیخ محمد بن مامون بن رشید بن بہتہ اللہ مطوعی لاہوری۔ ابو عبد اللہ کنیت تھی۔ حصول علم کے لیے لاہور سے نکلے اور خراسان جا پہنچے۔ مختلف مقامات کے اساتذہ و ائمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فقہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں مہارت پیدا کی۔ نیشاپور میں اصحاب ابو بکر شیرازی اور اصحاب ابو نصر قشیری سے سماعت حدیث و فقہ کی۔ بعد ازاں بغداد گئے اور ایک مدت تک وہاں مقیم رہے۔ علاقہ آذربائیجان میں وعظ و ارشاد کے سلسلے میں گھوم رہے تھے کہ ۶۰۳ھ (۱۲۰۷ء) میں ملاحدہ کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے ③۔

① نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۰۳ تا ۲۰۷ بحوالہ طبقات ناصری۔ تاریخ فیروز شاہی۔ دنیات الاعلام اور ہدایۃ السعداء

② تذکرہ علمائے ہند ص ۱۶۷۔ اردو ترجمہ ص ۳۸۹۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۲۳۔

## ۲۴۔ سید محمد بن محمد بھکری سندھی

سید محمد بن محمد بن شجاع بن ابراہیم حسینی بھکری سندھی جمعرات کے دن ۲۵ شعبان ۶۳۰ھ (۶/جون ۱۲۳۳ء) کو بمقام بھکر پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ پاک باز اور ذی علم بزرگ تھے۔ اپنے والد مکرم سے تعلیم حاصل کی۔ لقب بدرالدین تھا۔ ان کی دو بیٹیاں تھیں، ایک کا نام سیدہ زہرہ تھا اور دوسری کا سیدہ فاطمہ۔ زہرہ کی شادی سید جلال الدین حسین بن علی حسینی بخاری سے کی جو بڑے عالم و فاضل تھے۔ زہرہ وفات پا گئیں تو دوسری بیٹی سیدہ فاطمہ ان کے عقد میں دے دیں۔

ایک بیٹا تھا جس کا نام سید علی بن محمد تھا۔ علی بن محمد باپ کی وفات کے بعد بھکر سے جہانسی منتقل ہو گئے تھے اور وہاں ان کی اولاد و احفاد کثیر تعداد میں موجود ہے۔

سید محمد پچاس سال کی عمر پا کر ۶۸۰ھ (۱۲۸۱ء) کو بھکر میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے ①۔

## ۲۵۔ شیخ محمد شقورقانی

شیخ محمد شقورقانی، شیخ عماد الدین شقورقانی کے نام سے معروف تھے۔ جید عالم اور ارض ہند کے عظیم فقیہ تھے۔ ۲ ذی الحجہ ۶۳۹ھ (۵ جون ۱۲۴۲ء) کو سلطان علاء الدین مسعود شاہ کے زمانے میں قاضی ممالک کے منصب پر فائز ہوئے اور خاصی مدت اس عہدے پر متمکن رہے۔ سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں بھی کچھ عرصہ اس عہدے پر مامور رہے لیکن بعض سیاسی الزامات کی بنا پر سلطان ناصر الدین محمود نے انہیں جمعے کے روز ۹ ذوالحجہ ۶۴۶ھ (۲۵ مارچ ۱۲۴۹ء) کو اس منصب سے معزول کر کے بدایوں بھیج دیا تھا۔ جہاں عماد الدین ریحان حاجب کے حکم سے سوموار کے دن ۱۲ ذی الحجہ ۶۴۶ھ (۲۸ مارچ ۱۲۴۹ء) کو شہید کر دیے گئے ②۔

## ۲۶۔ شیخ محمد ترکمانی

شیخ محمد بن ابو محمد ترکمانی، اصحاب علم و معرفت میں سے تھے۔ شیخ عثمان ہارونی کے مرید خاص تھے۔ ہندوستان آئے اور نارنول میں مقیم ہو گئے۔ بہت بڑے عالم اور مبلغ اسلام تھے۔ ان کی تبلیغ کے اثر سے بے شمار ہندو اور غیر مسلم ان کے دست حق پرست پر دائرۃ اسلام میں داخل ہوئے۔ ہندوؤں کا ایک گروہ ان سے سخت براہم ہوا اور اس نے ۶۴۳ھ (۱۲۴۵ء) میں انہیں شہید کر دیا ③۔

① نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۲۳۔ بحوالہ منبع الاسباب۔

② طبقات ناصری ج ۱ ص ۴۸۲۔ بزم مملوکیہ ص ۱۹۲۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۲۶۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۲۷۔ بحوالہ خزینۃ الاصفیاء۔

## ۴۷۔ شیخ مسعود فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ

چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستان میں جن شخصیتوں نے جنم لیا اور جو مشاہیر اس سرزمین سے ابھرے زہد و عبادت اور علم و فضل میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ ان ہی عالی مرتبت حضرات میں حضرت شیخ مسعود فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی شامل ہے۔ ان کا سلسلہ نسب دنیوی اور دینی اعتبار سے بڑا عالی ہے جس میں بادشاہ کابل فرخ شاہ اور مشہور عالم و زاہد حضرت ابراہیم بن ادہم کے اسمائے گرامی آتے ہیں اور آخر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا نام نامی درج ہے۔

ان کے جد امجد شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ فتنہ تاتار کے زمانے میں جب کہ ہندوستان میں شہاب الدین غوری کا عہد حکومت تھا، کابل سے لاہور آئے۔ لاہور سے قصور چلے گئے اور وہاں سے ملتان تشریف لے گئے۔ شیخ شعیب چونکہ عالم دین تھے اس لیے علاقہ ملتان کے ایک مقام کہنی وال (جسے کھتوال بھی کہا جاتا ہے) میں قاضی بنا دیے گئے تھے۔ اسی جگہ شیخ مسعود جو بعد میں شیخ فرید الدین گنج شکر کے نام سے معروف ہوئے ۵۶۹ھ یا ۵۸۴ھ (۱۱۷۴ء یا ۱۱۸۹ء) میں پیدا ہوئے<sup>①</sup>۔ بچپن ہی میں حصول علم کے لیے ملتان چلے گئے۔ وہاں ایک مسجد میں قرآن مجید حفظ کیا۔ منقول ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کا اتنا شوق تھا کہ ایک رات میں قرآن مجید ختم کر لیتے۔ اس کے علاوہ علوم و فنون سے متعلق کچھ کتابیں ملتان کے مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ علم فقہ کی کتاب النافع، ملتان کی اسی مسجد میں مولانا منہاج الدین ترمذی سے پڑھی۔

اسی اثنا میں شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا ورود مسعود ملتان میں ہوا۔ جس مسجد میں شیخ فرید الدین تعلیم حاصل کرتے تھے، بختیار کاکی اس مسجد میں نماز کے لیے تشریف لائے تو فرید الدین دیکھتے ہی اس شیخ معرفت کے پروانے ہو گئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ساتھ جانا چاہا، لیکن ایک روایت کے مطابق شیخ نے ان کو ساتھ جانے سے روک دیا اور تکمیل علوم کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ طلب علم کی غرض سے ملتان سے قندھار کا سفر کیا۔ وہاں پانچ سال مقیم رہے اور مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا۔ سفر قندھار کے دوران میں متعدد بلاد و امصار کی سیر کی اور اس دوران میں شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ سعد الدین جموی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور بہت سے حضرات کی زیارت و ملاقات کا موقع ملا۔ بعد ازاں دہلی جا کر شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی صحبت اختیار کر لی۔ پھر ہانسی تشریف لے گئے۔ وہاں بارہ سال مقیم رہے اور ریاضت و مجاہدہ کی کٹھن منزلیں طے کیں۔ ہانسی سے اپنے وطن کہنی وال کا قصد کیا اور بہت عرصے تک وہاں اقامت اختیار کیے رکھی۔ اس کے بعد عازم اجودھن (پاک پٹن) ہوئے۔ جہاں گئے

① کہتے ہیں ولادت تو ۵۶۹ھ میں ہوئی تھی، لیکن شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ۵۸۴ھ میں ہوئی اور اسی سال ان کے ساتھ دہلی چلے گئے تھے۔

عقیدت مندوں کا ایک ہجوم حاضر خدمت رہا اور بے شمار لوگوں نے فوائد روحانی حاصل کیے۔ ارض ہند کے اس عظیم عالم و صوفی کی طرف بے شمار کشوف و کرامات منسوب ہیں اور ایسے ایسے واقعات منقول ہیں کہ انسان و رطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ لیکن یہ موضوع ہمارے دائرہ تحریر سے خارج ہے۔ ویسے بھی اس قسم کی باتیں پایہ تحقیق کو نہیں پہنچتیں۔ یہ بعد میں آنے والوں کی ایجاد ہیں، عقل انہیں تسلیم ہی نہیں کرتی۔

نہایت سخی اور وسعت قلب کے مالک تھے۔ امرا و حکام اور ملوک و سلاطین کے درباروں میں جانے کے بالکل عادی نہ تھے۔ دل کے بہ درجہ غایت نرم تھے۔ عذوبت لسان اور لینت کلام میں سب سے بڑھ کر تھے، گفتگو میں انتہائی اثر تھا۔ یاد الہی میں ہمہ وقت مشغول رہتے اور اس باب میں کسی چیز کو سدراہ نہ ہونے دیتے۔ تواضع اور انکسار میں لاثانی تھے۔ ایک مرتبہ پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، اس لیے مجلس مریدین میں مجبوراً چارپائی پر بیٹھنا پڑا۔ یہ مقام نشست چوں کہ عام مریدوں سے اونچا تھا لہذا اس پر حاضرین سے معذرت خواہ ہوئے، اپنی تکلیف بیان کی اور چارپائی پر بیٹھنے کی وجہ بتائی۔ حاضرین مجلس نے دعا کی اور کہا:

”صحت شامی باید و صحت ما متعلق صحت شماست۔“

یعنی آپ کی صحت کی ضرورت ہے ہماری صحت کا تعلق آپ ہی کی صحت کے ساتھ ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا جو حضرت بابا فرید کے مرید خاص تھے، اس مجلس میں موجود تھے، انہوں نے یہ شعر پڑھا:

جان جہانیاں توئی دشمن جان بود کے

اے ہمہ دشمنان تو دشمن جان خویشتن

ایک مرتبہ خانقاہ میں کچھ درویش آئے، گھر میں سوائے جوار کے اور کچھ نہ تھا۔ خود ہی جوار کا آٹا پیسا اور اس کی روٹیاں پکا کر درویشوں کے لیے لائے۔

منقول ہے کہ الغ خان (جو بعد میں سلطان غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہند ہوا) کی بیٹی بی بی ہزیرہ، حضرت شیخ فرید الدین کے نکاح میں تھیں، مگر اس کے بادشاہ بننے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، اس سے شان بے نیازی ہر دور میں قائم رہی۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ بلبن جب بادشاہ ہوا تو ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے بلبن کے پاس کسی معاملے میں کوئی سفارش کرانا چاہی۔ حضرت شیخ نے بادشاہ کے نام سفارشی مکتوب اس طرح تحریر فرمایا۔

”میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر آپ اس کو کچھ دے دیں گے تو درحقیقت عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے اور اگر آپ نہ دیں گے تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ معذور ہوں گے۔“



علم کے بغیر تصوف و طریقت کو غلط قرار دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: جب تک علوم شرعیہ میں کامل دست گاہ نہیں ہوگی، خدا کی محبت و معرفت اور قربت سے محرومی رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت دل میں پوری طرح پیوست تھی۔ مجلس میں آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک آجاتا تو زار و قطار رونا شروع کر دیتے۔ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کا ذکر خود ہی فرمایا اور بات ختم کر چکے تو آہ کھینچی اور روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا: جب اللہ کے رسول (ﷺ) کو اس عالم سے اٹھالیا گیا ہے تو دوسرے ناچیز بندوں کی کیا حیثیت ہے کہ زندگی کی خواہش کریں۔ ہم کو چاہیے کہ اپنے آپ کو جانے والوں ہی میں شمار کریں۔ غفلت کا پردہ درمیان سے اٹھاویں اور زاہد راہ کی فکر میں لگے رہیں۔ تلاوت قرآن حکیم کثرت سے کرتے اور فرماتے: قرآن مجید کی تلاوت سے بہتر اور افضل کوئی عبادت نہیں ہے۔ قرآن کی تلاوت سے بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے، جس سے زیادہ اور کوئی سعادت نہیں ہو سکتی۔

حضرت بابا فرید اپنے ملنے والوں کو جن امور خیر کی انجام دہی پر زیادہ زور دیتے تھے ان میں نماز باجماعت سرفہرست ہے اور پھر قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔ جس طرح نبی ﷺ پڑھتے تھے اور اپنے عقیدت مندوں کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے۔ اس کی وضاحت ان کی اس سوانح حیات سے ہوتی ہے جو ”جواہر فریدی“ کے نام سے ان کے پڑپوتے جناب دیوان مخدوم علی اصغر نے ۱۰۳۳ھ (۱۶۲۲ء) میں آج سے ساڑھے تین سو سال قبل ہندوستان کے مغل بادشاہ نور الدین محمد جہاں گیر کے عہد میں لکھی تھی اور یہی عہد حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ یہ کتاب ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۴ء) میں مطبع و کٹوریا پریس لاہور میں چھپی تھی۔ اس کتاب میں نماز پڑھنے کے طریقے پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ مثلاً نماز عیدین کی بارہ تکبیریں ہیں، سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری میں۔!

اسی طرح امام کی اقتدا میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم۔ رفع یدین، آمین، سفر میں دو نمازیں جمع کرنے کے بارے میں نبی ﷺ کا عمل، نماز قصر کرنے کا طریقہ، سجدہ تلاوت، نماز جمعہ کا طریقہ، سجدہ تلاوت، سجدہ سہو، وتروں کی تعداد وغیرہ نماز کے تمام مسائل اس میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ اصل کتاب فارسی میں ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا عبد الجبار سلفی (حویلی لکھا، ضلع اوکاڑہ) نے کیا ہے اور اسے دارالمعارف السلفیہ، حویلی لکھا، ضلع اوکاڑہ کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔

کتاب کا نام ”امام الانبیا کا طریقہ نماز“ ہے۔ صفحہ اول پر مرقوم ہے۔

”ماخوذ از جواہر فریدی سوانح حیات بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رضی اللہ عنہ۔ مکتوبہ ۱۰۳۳ھ ہجری۔ مؤلفہ

حضرت مخدوم دیوان علی اصغر چشتی مرحوم۔ نبیرہ حضرت بابا فرید گنج شکر۔“

اس کتاب میں نماز سے متعلق وہی احکام بیان کیے گئے ہیں جو نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ میں مذکور ہیں اور جن پر اہل حدیث عمل پیرا ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي۔

اسی طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو۔

ان کی کوشش اور تبلیغ سے ایک طرف بے شمار مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی گرفت اور محبت مضبوط ہوئی تو دوسری طرف غیر مسلموں کی بہت بڑی تعداد مشرف بہ اسلام ہو گئی۔

قیام اجودھن کے ابتدائی دنوں میں ایک ہندو جوگی شنبھونا تھہ بابا فرید الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ جوگی اس نواح میں جادو منتر اور ٹونے وغیرہ کے سلسلے میں بہت مشہور تھا۔ بابا صاحب کو دیکھتے ہی اس پر ان کی اس درجہ ہیبت طاری ہوئی کہ زبان سے کچھ نہ بول سکا۔ پھر ان کی گفتگو سے ایسا متاثر ہوا کہ قدموں میں گر پڑا اور اپنے تمام چیلوں اور ساتھیوں سمیت ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔

تذکروں میں مرقوم ہے کہ پاک پتن کے اطراف و جوانب میں جو مسلمان آباد ہیں ان میں زیادہ تر لوگوں نے حضرت بابا صاحب کی تبلیغی مساعی سے اسلام قبول کیا۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بے شمار اوصاف حمیدہ کی مالک تھی۔ مختلف تذکرہ نگاروں نے ان کے مختلف سنین وفات بیان کیے ہیں۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ ۵ محرم ۶۶۳ھ (۱۵ اکتوبر ۱۲۶۵ء) کو چورانوے یا پچانوے سال کی عمر پا کر اجودھن (پاک پتن) میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔

مغل حکمران جلال الدین اکبر کو حضرت بابا فرید الدین سے بے حد عقیدت تھی اور وہ ان کے مدفن سے بڑی محبت رکھتا تھا اس لیے اس نے اجودھن کا نام پاک پتن رکھا ①۔ اس لیے کہ یہ شہر اس وقت دریائے ستلج کے کنارے واقع تھا۔ پھر انگریزوں کے زمانے میں پاک پتن کی ”ت“ نے ٹ کی آواز اختیار کر لی۔

## ۲۸۔ مولانا منہاج الدین ترمذی ملتانی

ساتویں صدی ہجری میں جن علمائے کرام نے ارض ہند میں بساط علم بچھائی اور مسند تدریس آراستہ کی ان میں مولانا منہاج الدین ترمذی ملتانی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہ فقہ و اصول کے بلند پایہ علما میں سے تھے۔ ملتان میں ان کا سلسلہ درس جاری تھا جس سے لاتعداد لوگوں نے استفادہ کیا۔ ان کی فضیلت علمی کا یہ حال تھا کہ مشہور بزرگ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے سامنے زانوے شاگردی تہہ کیا اور ان سے فقہ کی مشہور تصنیف کتاب النافع پڑھی ②۔

① تفصیلات کے لیے دیکھیے۔ سیر العارفین، سیر الاقطاب، خزینۃ الاصفیاء، سیر الاولیاء، راحت القلوب، اسرار الاولیاء، فوائد الفوائد، خیر المجالس، اخبار الاخیار، مرآة الاسرار، شمائل الاتقیاء وغیرہ۔

② نزہۃ النواظر، ج ۱، ص ۲۳۳۔

— ن —

## ۴۹۔ شیخ نجم الدین صغریٰ

شیخ نجم الدین صغریٰ دیار ہند کے مشہور فقیہ اور نامور عالم دین تھے۔ سلطان شمس الدین ایلتمش ان کی بے پناہ عزت کرتا تھا اور اس کے عہد حکومت میں یہ دہلی میں شیخ الاسلام کے منصب جلیلہ پر فائز تھے۔ ان کے حالات میں بعض ایسے واقعات بھی مرقوم ہیں جو ایک عالم و فقیہ کی ذات کے ساتھ بظاہر چنداں مناسبت نہیں رکھتے، مگر چونکہ اپنے تمام اوصاف و کمالات کے باوجود وہ انسان تھے اس لیے اگر کچھ اس قسم کی باتیں ان کی ذات میں دکھائی دیتی ہیں جو بظاہر مستحسن نہیں معلوم ہوتیں تو اس میں متعجب یا متحیر ہونے کی ضرورت نہیں۔

شیخ نجم الدین صغریٰ کے زمانے میں شیخ جلال الدین تبریزی ایک مشہور بزرگ تھے جو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں سلوک و تصوف کی منزلیں طے کرتے رہے تھے اور حضرت سہروردی کے ہاں سے دونوں بزرگ ایک ساتھ ہی تشریف لے گئے تھے، لیکن شیخ جلال الدین تبریزی نیشاپور میں، شیخ بہاء الدین زکریا سے علیحدہ ہو کر خراسان چلے گئے تھے۔ سلطان ہند شمس الدین ایلتمش ان کی عظمت و بزرگی کی شہرت سن چکا تھا اس لیے ان سے بہت متاثر تھا۔

شیخ جلال الدین تبریزی کچھ عرصے تک علاقہ خراسان میں مقیم رہنے کے بعد دہلی تشریف لائے تو سلطان نے علما و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور ان کے دیکھتے ہی گھوڑے سے اتر پڑا اور ان کو آگے کر کے خود پیچھے پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا۔

تعمیر و تکریم کا یہ انداز شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو ناگوار گزرا اور ان کے دل میں شیخ جلال الدین تبریزی کے خلاف رشک و حسد کے جذبات ابھر آئے، مگر اس کا اظہار نہیں کیا اور سلطان سے خواہش ظاہر کی کہ جلال الدین تبریزی ان کی (یعنی شیخ نجم الدین صغریٰ کی) قیام گاہ کے قریب ہی فروکش ہوں اور قیام کے لیے ایک مکان بھی تجویز کر دیا جو ”بیت الجن“ کے نام سے مشہور تھا۔ سلطان نے اپنے اس عزیز اور معزز مہمان کو اس مکان میں ٹھہرانا پسند نہ کیا کیونکہ مشہور تھا کہ اس میں جنات کا ٹھکانا ہے۔ اس پر شیخ نجم الدین صغریٰ نے کہا، اگر شیخ جلال الدین تبریزی درویش کامل ہوں گے تو جنات خود ہی مکان چھوڑ کر چلے جائیں گے اور اگر ناقص ہوں گے تو اپنی فریب دہی کی سزا پائیں گے۔ یہ گفتگو بالکل علیحدگی میں ہوئی تھی، مگر شیخ جلال الدین تبریزی نے اسی مکان میں قیام کا اعلان کر دیا۔ جب انہوں نے مکان کے اندر قدم رکھا تو وہ ایذا رسانیوں کی تمام صورتوں سے پاک ہو گیا اور انھیں کوئی گزند نہ پہنچا۔

دوسرے روز شیخ جلال الدین تبریزی حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے شہر کی تنگ و

تاریک گلیوں میں سے ہو کر چلے تو حضرت خواجہ ان کی آمد کی اطلاع پا کر خود گلیوں میں ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو بڑھے اور راستے میں قرآن السعدین ہو گیا۔ سلطان ایلتمش، شیخ تبریزی کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھ کر ان کا پہلے سے بھی زیادہ معتقد ہو گیا۔ اس سے شیخ نجم الدین صغریٰ کا حسد اور زیادہ بڑھا۔

ایک روز موسم بہار میں سلطان ایلتمش نے نماز فجر سے پہلے نجم الدین صغریٰ کو محل میں بلایا اور ان کو نماز کے لیے امام بنایا۔ نماز شاہی محل کی چھت پر ہوئی۔ چھت کے سامنے شیخ جلال الدین تبریزی کی قیام گاہ تھی۔ وہ نماز فجر سے فارغ ہو کر صحن خانہ میں چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے اور ایک ملازم جس کو اللہ تعالیٰ نے حسن صورت سے نوازا تھا، ان کے پاؤں داب رہا تھا۔ نجم الدین صغریٰ نے خیال کیا کہ شیخ جلال الدین تبریزی نماز سے غافل ہو کر محو استراحت ہیں۔ اسی وقت سلطان کا ہاتھ پکڑ کر کہا، آپ اس قسم کے دنیا پرست درویشوں کے معتقد ہیں۔ یہ سونے کا کون سا وقت ہے۔ دیکھیے ایک حسین و جمیل غلام پاس بیٹھا ہے۔ شیخ جلال الدین تبریزی کو نور باطن سے نجم الدین صغریٰ کی بدگمانی کا علم ہو گیا۔ اسی وقت اٹھے اور صحن خانہ ہی میں سلطان کو حقیقت سے آگاہ کیا۔ سلطان نادم ہوا اور نجم الدین سے کہنے لگا، تم شیخ الاسلام ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو، نیک و بد کی بھی تمہیں پہچان نہیں۔ مگر شیخ نجم الدین صغریٰ شرمندہ ہونے کے بجائے اندرونی طور پر اور زیادہ برہم ہوئے اور شیخ جلال الدین تبریزی سے پر خاش مزید بڑھ گئی۔

اس ناکامی کے بعد شیخ نجم الدین صغریٰ نے ان کے خلاف ایک اور حربہ استعمال کیا، وہ یہ کہ دہلی کی ایک خوب رو مطربہ کو پانچ سو اشرفیاں دینے کا وعدہ کر کے شیخ جلال الدین تبریزی پر فسق و زنا کا الزام لگانے پر آمادہ کیا۔ وہ سلطان کے پاس گئی اور شیخ جلال الدین پر الزام لگایا۔ سلطان نے سنا تو وہ حیران رہ گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ غلط الزام اور کذب بیانی ہے۔ وہ مطربہ کو اس دروغ گوئی کی پوری سزا بھی دے سکتا تھا کیونکہ مدعیہ خود اپنے بیان سے واجب التعزیر فاحشہ ثابت ہو رہی تھی، مگر شیخ جلال الدین تبریزی پر بغیر شہادت کے تہمت زنا ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔ مدعیہ کا تنہا بیان کافی نہ تھا۔ مقدمہ سامنے آ جانے کے بعد شرعی تحقیق بھی ضروری تھی، اس لیے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا۔ محضر میں شرکت کے لیے ہندوستان کے مشاہیر علماء و مشائخ کو دعوت دی گئی، جن میں شیخ بہاء الدین زکریا بھی شامل تھے۔ انھوں نے یہ دعوت قبول فرمائی اور ملتان سے دہلی تشریف لائے۔ اس محضر میں ملک کے دو سو علمائے کرام اور صوفیائے عظام شریک ہوئے اور محضر دہلی کی جامع مسجد میں منعقد ہوا۔

نجم الدین صغریٰ نے شیخ الاسلام کی حیثیت سے شیخ بہاء الدین زکریا کو حکم مقرر کیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی۔ مطربہ پیش کی گئی، شیخ جلال الدین تبریزی کو بھی طلب کیا گیا۔ وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے تو تمام علماء و اولیاء ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ شیخ نے جو تیاں اتاریں تو شیخ بہاء الدین زکریا نے بڑھ کر ان کی جو تیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ سلطان ایلتمش اس سے بہت متاثر ہوا۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا۔

”میرے لیے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں، کیونکہ یہ میرے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے ہیں، لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دل میں یہ خیال ہو کہ بہاء الدین نے شیخ جلال الدین تبریزی کی تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ ڈال دیا ہے تو یہ حقیقت اہل اللہ پر بخوبی واضح ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین سے ایسے فعل شنیع کا واقع ہونا محال ہے، لیکن پھر بھی دلائل و بیّنہ کا اظہار ضروری ہے، لہذا مدعیہ مطربہ کو سامنے لایا جائے۔“

اب مطربہ کو شیخ بہاء الدین کے سامنے پیش کیا گیا، مگر اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ اس نے شروع سے آخر تک پورا واقعہ بیان کر دیا اور بتا دیا کہ نجم الدین صغریٰ نے اس کو اتنی رقم دے کر شیخ جلال الدین تبریزی پر الزام لگانے کو کہا تھا۔

اس سازش کے افشا ہونے پر شیخ نجم الدین صغریٰ کو اتنا صدمہ پہنچا کہ مجلس ہی میں بے ہوش ہو گئے اور حضرت جلال الدین تبریزی کی معصومیت ثابت ہو گئی۔

سلطان شمس الدین ایلتمش نے اس کذب بیانی اور اتہام طرازی کی سزا میں نجم الدین صغریٰ کو شیخ الاسلام کے منصب سے الگ کر کے شیخ بہاء الدین زکریا سے اس کے قبول کرنے کی درخواست کی، جو انھوں نے منظور فرمائی اور ایک مدت تک شیخ الاسلام کا عہدہ ان کے خاندان میں قائم رہا ①۔

## ۵۰۔ شیخ نجیب الدین متوکل

شیخ نجیب الدین بن سلیمان بن شعیب عدوی دہلوی، ”متوکل“ کے نام سے مشہور تھے۔ عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔ عالم ربانی اور نیک نفس تھے۔ خطہ ہند میں پیدا ہوئے اور یہیں نشوونما پائی۔ اپنے بڑے بھائی شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ علم کیا اور پھر دہلی میں سکونت اختیار کر لی اور اسی سرزمین میں وفات پائی۔ زاہد و عقیف، پاک باز و متوکل علی اللہ اور قناعت پیشہ تھے۔ حرص و طمع سے طبیعت پاک تھی۔ ملوک و امرا کے دروازے پر جانے کے عادی نہ تھے۔ ۹ رمضان ۶۶۹ھ (۲۱ اپریل ۱۲۷۱ء) کو دہلی میں فوت ہوئے ②۔

## ۵۱۔ شیخ نصیر الدین دہلوی

عالم اجل شیخ نصیر الدین دہلوی، ”کاسہ لیس“ کے نام سے معروف تھے۔ سلطان شمس الدین ایلتمش کے عہد میں ہندوستان کے قاضی القضاة تھے ③۔

① فوائد السالکین مجلس ششم وسیر العارفین ج ۲ ص ۳۱ تا ۳۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۳۵۔ بزم صوفیہ ص ۹۷ تا ۱۰۰۔

② نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۳۵۔ بحوالہ سیر الاولیاء۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۳۶۔ بحوالہ طبقات ناصری۔

## ۵۲۔ شیخ نظام الدین فرغانی

شیخ نظام الدین فرغانی، فقہ و اصول کے تبحر علما میں سے تھے۔ ہندوستان آنے کے بعد بنگال گئے اور سلطان محمد بن بختیار خلجی حاکم بنگال (متوفی ۶۰۲ھ - ۱۲۰۶ء) کے مقررین میں شامل ہو گئے۔ محمد بن بختیار خلجی ان کے علم و فضل، عقل و خرد قوت فہم اور شجاعت و بہادری سے بہت متاثر ہوا اور ان کے اوصاف جمیلہ دیکھ کر ان پر بہت مال و دولت خرچ کیا۔ اس کی معیت میں انھوں نے کفار ہند کے ساتھ متعدد جنگوں میں حصہ لیا اور جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی بہادری اور عقل مندی کے جوہر دکھائے۔ انھوں نے ارض بنگال ہی کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ ان کے بھائی شیخ صمصام الدین فرغانی بھی ان کے ساتھ تھے۔ صاحب طبقات ناصری قاضی منہاج الدین جوزجانی نے ۶۴۱ھ (۱۲۴۳ء) میں ان سے ملاقات کی ①۔

و

## ۵۳۔ قاضی وجیہ الدین کاشانی

قاضی وجیہ الدین کاشانی اپنے دور کے جلیل القدر امام تھے۔ ان کا شمار فقہ و اصول و کلام اور علوم عربیہ کے ماہر علما میں ہوتا تھا۔ سلطان قطب الدین ایبک کے عہد سلطنت میں ہندوستان کے قاضی القضاة تھے ②۔

ی

## ۵۴۔ شیخ یعقوب بن احمد نہروالی

شیخ ابو یوسف یعقوب بن احمد نہروالی، ساتویں صدی ہجری کے شافعی فقیہ تھے اور ہندوستان کے علاقہ گجرات کے ایک شہر نہروالا میں اقامت گزین تھے۔ علوم عربیہ کے ماہر علما میں سے تھے۔ اور فقہ شافعی میں مہارت رکھتے تھے۔ سید مرتضیٰ علم الہدی کے پوتے تھے۔ الف خاں کے ساتھ گجرات گئے، جن کو سلطان سجز نے ستر ہزار گھڑ سواروں اور پیدل جنگ جوؤں کے ساتھ نہروالا کی طرف روانہ کیا تھا۔ انھوں نے نہروالا کا محاصرہ کر لیا اور وہاں کے باشندوں کو سخت تنگ کیا۔ جب مدت محاصرہ نے اتنا طول کھینچا کہ وہ پانچ یا چھ سال کو پہنچ گئی تو شیخ یعقوب نے شہر سے باہر نہایت ہم وار طریقے سے تراشے ہوئے پتھروں کی مسجد تعمیر کر

① طبقات ناصری، ج ۱، ص ۲۲۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۳۷۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۱، ص ۲۳۹۔

دی۔ پھر جب سلطان سجز کی موت کی اطلاع آئی تو الف خاں تو واپس چلا گیا، مگر شیخ یعقوب اسی مسجد میں مقیم ہو گئے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا، جس سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ یہ مسجد ۶۵۵ھ (۱۲۵۷ء) میں تعمیر کی گئی تھی ①۔

## ۵۵۔ شیخ ابوبکر یوسف بن حسین سقرانی

علامہ شیخ ابوبکر بن حسین سقرانی یعنی امام سراج الدین سجزی۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے کبار علما میں سے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن اور اس سے قبل کے بادشاہوں کے دور میں طویل عرصے تک ہندوستان کے دار الحکومت دہلی میں بساط تدریس بچھائے رکھی اور افادہ عام میں مصروف رہے۔ اس اثنا میں ان سے لاتعداد علما نے اخذ علم کیا۔

غیاث الدین بلبن ان کی انتہائی تکریم کرتا تھا۔ ہر جمعے کے روز نماز جمعہ کے بعد ان کی خدمت میں حاضری دیتا اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتا تھا ②۔



① نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۲۳۹۔ بحوالہ مرآة احمدی۔

② تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۱۱۱۔ تاریخ فرشتہ (فارسی) ج ۱۔ (حالات غیاث الدین بلبن)

## آٹھویں صدی ہجری

### الف

#### ۱۔ قاضی ابوحنیفہ بھکری سندھی

قاضی ابوحنیفہ بھکری سندھی اپنے دور کے مشہور علما میں سے تھے۔ سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں شہر بھکر کے قاضی تھے۔ محمد بن بطوطہ اپنی سیاحت کے دوران ۷۷۴ھ (۱۳۳۳ء) میں بھکر آیا تو ان سے بھی ملا۔ اس ملاقات کا ذکر اس نے اپنے سفر نامہ میں کیا ہے۔ ابن بطوطہ اس شہر میں تین علمائے کرام سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

و انصرفت عنه الی مدینة بکار، وہی مدینہ حسنة، یسئھا خلیج من نبر السند، و فی وسط ذلك الخلیج زاویة حسنة، فیها الطعام للوارد والصادر، عمرها کشکو خان، ایام ولا یتہ علی بلاد السند، و سیق ذکرہ، ولقت بہذہ المدینة الفقیہ الامام صدر الدین الحنفی، ولقت بہا قاضیہا المسمی بابی حنیفہ، ولقت بہا الشیخ العابد الزاهد شمس الدین محمد الشیرازی، وهو من المعمرین، ذکر لی ان سنہ تزیید علی مائتہ و عشرين عاما ①۔

یعنی میں (لاہڑی سے) بھکر گیا۔ یہ شہر بڑا خوب صورت ہے۔ دریائے سندھ کی ایک شاخ اس کے بیچ میں سے گزرتی ہے اور اس کے وسط میں ایک سرائے ہے۔ وہاں مسافروں اور آنے جانے والوں کو کھانا ملتا ہے۔ یہ سرائے اپنے ایام حکومت میں کشکو خاں نے تعمیر کی تھی، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس شہر میں میری ملاقات امام فقیہ صدر الدین حنفی، قاضی شہر ابوحنیفہ اور عابد و زاہد شیخ شمس الدین محمد شیرازی سے ہوئی۔ شیخ

① رحلة ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۰ مطبع امیریہ قاہرہ (۱۹۳۳ء)



شمس الدین محمد کی عمر اس وقت ان کے اپنے بیان کے مطابق ایک سو بیس برس سے زیادہ تھی۔  
ابن بطوطہ نے شیخ صدر الدین کا ذکر خاص طور سے حنفی کہہ کر کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی دو  
یعنی قاضی ابوحنیفہ اور شیخ شمس الدین حنفی نہیں تھے۔

## ۲۔ شیخ ابوعلی قلندر پانی پتی

شیخ ابوعلی قلندر کا نام شرف الدین تھا۔ سیر الاقطاب کی روایت کے مطابق یہ امام ابوحنیفہ کی اولاد سے  
تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ شیخ شرف الدین ابوعلی قلندر بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابو بکر  
غازی بن فارس بن عبدالرحمن بن عبدالرحیم بن محمد بن وانک بن امام ابوحنیفہ۔

شیخ شرف الدین کے والد مکرم سالار فخر الدین ایک تبحر اور جید عالم تھے۔ وہ ۶۰۰ھ (۱۲۰۴ء) میں  
عراق سے ہندوستان آئے۔ ان کی پہلی شادی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی  
جو اولاد سے محروم رہیں اور وفات پا گئیں۔ بعد ازاں مولانا سید نعمت اللہ ہمدانی کرمانی کی بہن بی بی حافظہ جمال  
سے نکاح ہوا جنھوں نے حضرت شیخ شرف الدین ابوعلی قلندر کی ماں بننے کا شرف حاصل کیا۔

شیخ ابوعلی قلندر ۶۰۵ھ (۱۲۰۹ء) کو پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ذہانت و فطانت میں اس درجہ تیز تھے  
کہ چھوٹی عمر ہی میں تمام علوم ظاہری کی تحصیل سے فارغ ہو گئے تھے اور دہلی میں قطب مینار کے پاس درس و  
تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ تدریس کا یہ چشمہ فیض بیس برس تک جاری رہا۔ اپنی کتاب حکمت نامہ میں  
اپنے مشاغل علمیہ کے بارے میں خود ہی لکھتے ہیں کہ میں بیس برس تک درس و افتاء میں مشغول رہا۔ اس کے بعد  
کوچہ تصوف میں قدم رکھا، طبیعت پر جذب و سکر کی کیفیت طاری ہو گئی، علوم و فنون کی کتابیں دریا میں ڈالیں اور  
جنگل کی راہ لی۔ پانی پت کے مضافات باگہونی اور کرنال کے نواح بڑھا کھیڑہ میں آخر وقت تک مقیم رہے۔

جذب و سکر کے زمانے میں عجیب حالت ہو گئی تھی، مونچھیں بڑھ گئی تھیں اور انھیں اس کی کوئی پروا نہ  
تھی۔ اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

وقتے کہ موئے شوارب او بغایت دراز شدہ بود، ہیچ کس را مجال آں نہ بود کہ بوی امر بقص  
آں ہا کند، مولانا ضیاء الدین سنائی رحمۃ اللہ علیہ کہ جوش شریعت در برداشت، مقراض بر گرفت و  
محاسن شریفش در دست گرفته، قص شوارب کرو۔ گویند کہ بعد ازاں، شیخ ہمیشہ محاسن خود  
بوسیدی و گفتی کہ ایں در راہ شریعت محمدی گرفته شدہ است ①۔

یعنی سکر اور جذب و مستی کی حالت میں جب مونچھیں حدود شرعی سے بڑھ گئیں تو کسی کو ان  
کے تراشنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ ان کے ہم عصر مولانا ضیاء الدین سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کہ

احکام شریعت کی پابندی میں پر جوش تھے، قینچی ہاتھ میں لی اور شیخ کی ریش پکڑ کر حدود شرعی کے مطابق مونچھوں کو تراش دیا۔ جب وہ تراش کر تشریف لے گئے تو شیخ اپنی داڑھی پکڑ کر بار بار فرماتے، یہ ریش کیسی مبارک ریش ہے جو شریعت محمدی کی راہ میں پکڑی گئی۔

اس زمانے کے ایک مشہور بزرگ خواجہ شمس الدین ترک تھے۔ وہ بھی پانی پت میں آ کر مقیم ہو گئے تھے۔ ان کا شیخ ابوعلی قلندر کے بارے میں ایک واقعہ بڑا دلچسپ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت خواجہ شمس الدین ترک کا نزول اجلال پانی پت میں ہوا تو انہوں نے دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ خادم کے ہاتھ شیخ ابوعلی قلندر کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ خادم کو دیکھ کر مسکرائے۔ گلاب کے چند پھول ان کے سامنے پڑے تھے۔ ان کی پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اسے حضرت خواجہ شمس الدین ترک کو واپس کر دیا۔ حضرت خواجہ نے پیالے میں گلاب کی پیتیاں دیکھ کر تبسم فرمایا۔ حاضرین نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا شیخ ابوعلی قلندر کے پاس دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھیجنے سے مراد یہ تھی کہ یہ ملک میرے شیخ نے مجھ کو عطا کیا ہے جو مجھ سے پر ہو گیا ہے۔ شیخ ابوعلی قلندر نے گلاب کی پنکھڑیاں ڈال کر دودھ کا پیالہ جو واپس کر دیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے ملک سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے اور یہاں اسی طرح رہیں گے جس طرح دودھ میں گلاب کی پنکھڑیاں ہیں۔ شیخ ابوعلی قلندر سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ چنانچہ دونوں بزرگوں میں آخر وقت تک اخلاص و محبت کا مضبوط رشتہ قائم رہا۔

سلطان جلال الدین خلجی اور سلطان علاء الدین خلجی کو ان سے بہت عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ سلطان علاء الدین خلجی نے ان کی خدمت میں کچھ نذر پیش کرنا چاہی۔ اسے یہ معلوم تھا کہ شیخ کسی کی نذر قبول نہیں کرتے۔ امرائے دولت نے مشورہ دیا کہ نذر اگر حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی وساطت سے بھیجی جائے تو ضرور قبول کر لیں گے۔ سلطان علاء الدین خلجی نے امیر خسرو کو شیخ نظام الدین کی خدمت میں اپنی اس خواہش کے اظہار کے لیے بھیجا۔ شیخ نظام الدین نے پہلے تو تامل فرمایا، پھر اجازت دے دی اور نصیحت کی کہ قلندر جو کچھ بھی کہیں اس کو مان لینا اور کسی نوع کا اعتراض نہ کرنا۔ امیر خسرو تین دن میں پانی پت پہنچے اور شیخ ابوعلی قلندر کی قیام گاہ پر خادم کے ذریعے حاضری کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملی تو اندر گئے۔ شیخ نے پاس بٹھایا اور کچھ سنانے کے لیے کہا۔ امیر خسرو نے اپنی حسب ذیل غزل سنائی:

اے کہ گوئی ہیچ سختی چوں فراق یار نیست  
عاشقاں را در جہاں یکساں نباشد روزگار  
گر امید وصل باشد آں چناں دشوار نیست  
خلق را بیار باید بود از آب چشم من  
ز انکہ این انگشتها بردست من ہموار نیست  
ایں عجب کان وقت میگرم کہ کس بیدار نیست  
یک قدم بر نقش خود نہ و آں و گرد کوے دوست  
ہر چہ بنی دوست بین با این و آنت کار نیست  
چندی گوئی بروز نار بند اے بت پرست  
برتن خسرو کد امی رگ کہ آن ز نار نیست

یہ غزل سن کر شیخ بہت خوش ہوئے اور خسرو سے مخاطب ہو کر کہا، خسرو خوش رہو گے اور خوش ہو جاؤ گے۔ پھر خود ہی یہ غزل پڑھی:

وہیم خسروان بر نعل اشتراست خسرو کسے کہ حلقہ تجرید بر سراست  
گفتم بعلم و عقل بملک و گر شدم ملکم ز عقل و دین چو دیدم فزون تراست  
سیمرغ دار روی نہفتم بقاف عشق کو عارفی کہ منظر او عرش اکبر است  
عقل کل است علم لدنی بعارفاں ایں عقل و علم جسے و رسے مختصر است  
دریں شرف نبود ز الواح ابجدی لوح جمال دوست مرادر ابرار است

امیر خسرو شیخ ابوعلی قلندر کی زبان سے یہ غزل سن کر بہت روئے۔ شیخ نے پوچھا، کچھ سمجھے بھی؟ عرض کیا، اسی بات کا تو رونا ہے کہ کچھ نہ سمجھا۔ اس جواب سے ابوعلی قلندر بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کی نذر قبول کر لی۔ فرمایا، اگر حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کا قدم در میان میں نہ ہوتا تو ہرگز نذر قبول نہ کرتا۔ پھر خدام کو حکم دیا کہ خسرو کو اعزاز و اکرام سے خانقاہ میں ٹھہرایا جائے۔ وہ تین دن وہاں رہے۔

سلطان غیاث الدین تغلق بھی شیخ ابوعلی قلندر کا بہت معتقد تھا۔ ایک مرتبہ اپنے لڑکے شہزادہ جو ناخاں اور پوتے شہزادہ کمال الدین کے ساتھ حاضر خدمت ہوا۔ شیخ نے خدام کو حکم دیا کہ ان تینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ خدام تینوں کے لیے ایک پیالے میں کھانا لائے۔ بادشاہ اور شہزادوں نے ایک ہی پیالے میں کھانا شروع کیا۔ شیخ نے فرمایا، تین بادشاہ ایک ساتھ کھا رہے ہیں۔ یہ گویا جو ناخاں اور شہزادہ کمال الدین کے لیے بادشاہت کی خوش خبری تھی۔ چنانچہ آگے چل کر سلطان غیاث الدین تغلق کے بعد یہ دونوں سلطان محمد خاں تغلق اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے نام سے ہندوستان کے تخت بادشاہت پر متمکن ہوئے۔

اس عالم و صوفی کی تبلیغ اسلام اور علو کردار سے متاثر ہو کر پانی پت اور اس کے نواح کے بے شمار غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس علاقے میں جو مسلمان راجپوت آباد ہیں یا آباد تھے انھوں نے ان ہی کے ارشاد و ہدایت سے اسلام قبول کیا۔ ایک مشہور راجپوت امیر سنگھ ان کی تبلیغ سے ایمان لایا اور پھر اس خاندان کے مسلمان راجپوت پورے علاقے میں پھیل کر اسلام کی مضبوط طاقت بنے۔

انھوں نے ۱۳ رمضان المبارک ۷۲۳ھ (۲ ستمبر ۱۳۲۲ء) کو وفات پائی۔ تاریخ وفات ”یا شرف الدین

ابدال“ نکلتی ہے ①۔

شیخ ابوعلی قلندر شاعر بھی تھے۔ یہ شعر ان ہی کا ہے۔

مرحبا اے بلبل باغ کہن از گل رعنا بگوبا ما سخن

① تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ اخبار الاخیار خزینۃ الاصفیا، تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عقیف، دعوت اسلام، مرآة الکونین، سیرۃ الاقطاب، مرآة الاسرار وغیرہ۔

### ۳۔ شیخ احمد بن یحییٰ منیری

شیخ احمد بن یحییٰ منیری ۲۶ شعبان ۶۶۱ھ (۵ جولائی ۱۲۶۳ء) کو منیر (ضلع پٹنہ۔ صوبہ بہار۔ ہند) میں پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش ”شرف آکین“ ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ احمد بن شیخ یحییٰ بن اسرائیل بن مولانا تاج محمد فقیہ بن ابوبکر بن ابوالفتح بن ابوالقاسم بن ابوالصائم بن ابودہر بن ابواللیث بن ابوسہمہ بن ابوالدین بن ابوسعید بن ابوذر بن زبیر (المکنی بابی الصعب) بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف۔ والدہ مکرمہ کانسب نامہ چودھویں پشت میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

شیخ احمد بن یحییٰ منیری کے خاندان کا تعلق سکونت درحقیقت بیت المقدس سے تھا۔ وہیں سے آ کر کسی زمانے میں یہ خاندان ضلع پٹنہ کے ایک گاؤں منیر میں آباد ہوا۔ یہ خاندان علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں ہمیشہ ممتاز رہا۔ منیر کے گرد و نواح میں اس خاندان کی تبلیغی مساعی سے اسلام کی بے حد نشر و اشاعت ہوئی۔

شیخ احمد کا لقب شرف الدین تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی میں پائی۔ اس زمانے میں مصادر مفتاح اللغات اور دوسری کتابیں زبردس رہیں۔ مفتاح اللغات زبانی یاد کی۔ عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو والد ماجد نے مزید تعلیم کے لیے مولانا شرف الدین ابوتوامہ کے پاس موضع سنا رگاؤں بھیج دیا جو اس عہد کے ممتاز علما میں سے تھے۔ شیخ احمد نے ان کے علم و فضل اور اسلوب تدریس کی بہت تعریف کی ہے۔

اپنے اس شفیق و مہربان استاد سے انھوں نے قرآن مجید، تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ منطق، فلسفہ، ریاضی اور دیگر علوم کی تحصیل کی۔ علاوہ ازیں ریاضت و مجاہدہ میں بھی مصروف رہے اور ساتھ ہی تصوف و طریقت کی کتابیں پڑھیں۔

استاد نے اپنے اس شاگرد کی گونا گوں صلاحیتوں سے متاثر ہو کر اپنی دختر ان کے عقد میں دے دی جس سے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ دو صغریٰ میں انتقال کر گئے اور ایک زندہ رہا جس کا نام زکی الدین تھا۔ ان ہی سے اس خاندان کی نسل آگے چلی۔

سنارگاؤں کے زمانہ قیام میں حصول علم میں اس قدر منہمک رہتے کہ گھر یا دیگر اعزہ و اقارب اور دوستوں کی طرف سے خطوط آتے تو ان کو کھول کر نہ دیکھتے کہ کہیں ایسا نہ ہو ان میں کوئی تشویش ناک اور ذہنی اعتبار سے اذیت رساں بات درج ہو اور وہ تعلیم کے راستے میں روکاؤٹ کا باعث بن جائے۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد ایک دن انھیں کھول کر پڑھا تو ایک خط میں والد محترم کے انتقال کی خبر مرقوم تھی۔ اس خبر سے دل پر سخت چوٹ لگی اور شدت غم سے بے چین ہو گئے۔ اسی وقت گھر کی طرف لوٹے۔ گھر کے دوران قیام میں دل میں طلب الہی کی آگ شعلہ زن ہوئی اور مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ چھوٹے بھائی شیخ جلیل الدین بھی ساتھ ہو گئے۔

اس زمانے میں دہلی اور اس کے اطراف کو بزرگان دین اور مشائخ اسلام کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ شیخ احمد بھی دہلی جا پہنچے اور مختلف عباد و زہاد سے ملاقات کی۔ شیخ نظام الدین اولیا کے دربار میں بھی حاضری

دی، مگر ان کے حلقہ ارادت میں شامل نہیں ہوئے، البتہ ان کی ہدایت پر شیخ نجیب الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ مرشد نے بیعت لی اور کچھ نصیحتیں کیں۔ بیعت کے بعد عبادت و زہد کی لگن میں علاقہ بہار کے مختلف جنگلوں اور صحراؤں میں ایک عرصے تک گھومتے رہے۔ اس اثنا میں بعض جوگیوں سے بھی ملاقات ہوئی اور اسلامی تعلیمات کے بعض پہلوؤں پر ان سے بحثیں کیں۔ ان سفروں میں بہت سے لوگ ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے۔

بالآخر جنگل کی زندگی ترک کر کے آبادی کی طرف رخ کیا تو نماز جمعہ کے لیے صوبہ بہار کے قصبہ بہار شریف کی جامع مسجد میں تشریف لے جانے لگے۔ رفتہ رفتہ لوگوں کے اصرار پر اس قصبے میں مستقل سکونت اختیار کر لی، جہاں کم و بیش ساٹھ سال تک اپنے چشمہ فیض سے لوگوں کے قلب و ذہن کو سیراب کرتے رہے۔ اس زمانے میں سلطان محمد تغلق سریر آراے سلطنت ہندوستان تھا۔ وہ ان کے زہد و تقویٰ اور علم و فضل سے بہت متاثر تھا، لیکن انہوں نے ہمیشہ ملوک و سلاطین اور امرا و حکام سے ملنے سے گزیر کیا۔ طبیعت میں بے نیازی و استغنا کا یہ عالم تھا کہ کچھ ملتا بھی تو فوراً غریب و مساکین میں تقسیم کر دیتے۔

سلطان محمد تغلق کے بعد سلطان فیروز شاہ تغلق ہندوستان کی مسند حکومت پر متمکن ہوا۔ وہ بھی ان کا انتہائی احترام کرتا اور ان کے زہد و اتقا سے مستفیض ہوتا تھا۔

ہر حلقے میں ان کو عزت و تکریم کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ علما، فقہا، محدثین اور مختلف علوم و فنون کے ماہرین ان کی مجلس میں آتے اور ان کے فیوض سے فائدہ اٹھاتے۔ بادشاہوں کو عمدہ ترین الفاظ میں خوف خدا، اتباع سنت رسول اور رعیت سے حسن سلوک کی تلقین فرماتے۔

باطنی تعلیمات کے ساتھ ظاہری اخلاق کو سنوارنے کی تاکید کرتے اور فرماتے کہ جو شخص شریعت کا علم حاصل نہیں کرتا، وہ تصوف و طریقت کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ شریعت سے بے بہرہ صوفی، گمراہی کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔

دیار ہند کے یہ عظیم عالم و محدث اور معروف صوفی و فقیہ ایک سو بیس برس کی عمر پا کر شب پنجشنبہ کو عشا کی نماز کے وقت ۶ شوال ۷۸۲ھ (۳ جنوری ۱۳۸۱ء) کو فوت ہوئے۔ تاریخ وفات شرف (۷۸۲) ہے۔ وصیت تھی کہ نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو، تارک مملکت نہ ہو اور حافظ قرآن مع قرأت سب سے ہو۔ جنازہ رکھا ہوا تھا کہ عین اس وقت حضرت اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ یہ تینوں شرطیں ان میں موجود تھیں، لہذا نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت ان ہی کے حصے میں آئی۔ قبر ہندوستان کے صوبہ بہار کے قصبہ بہار شریف میں ہے ①۔

① تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الاخیار، سیر العارفين، وفات نامہ حضرت مخدوم الملک، سیرۃ الشرف، تذکرہ علمائے ہند، نزہۃ الخواطر جلد ثانی۔

## ۴۔ سید احمد غزنوی

سید مفتی احمد بن ابوالاحمد غزنوی آٹھویں صدی ہجری میں دیار ہند کے کبار علمائے دین میں سے تھے۔ دکن گئے تو علاء الدین حسن بہمنی ان سے انتہائی عزت و اکرام سے پیش آیا اور انھیں گل برگہ کی مسند تدریس پر فائز کیا۔ تمام عمر اس منصب پر متمکن رہے۔ گل برگہ میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ①۔

## ۵۔ شیخ اسحاق مغربی

شیخ اسحاق مغربی ۶۶۰ھ (۱۲۶۲ء) میں پیدا ہوئے۔ عابد و زاہد عالم و فقیہ اور ارض ہند کے مشہور اولیائے کرام میں سے تھے۔ علم طریقت انھوں نے شیخ محمد مغربی سے حاصل کیا تھا۔ شیخ محمد مغربی نے ابوالعباس احمد قرشی سے انھوں نے ابوالمحمد صالح دکا کی سے انھوں نے امام طریقت شیخ ابومدین مغربی سے حاصل کیا تھا۔ شیخ اسحاق مغربی کو اپنے استاد شیخ محمد مغربی سے اس درجہ محبت تھی کہ جب تک وہ زندہ رہے انھوں نے ان کے ساتھ ملازمت و وابستگی اختیار کیے رکھی۔ ان کی وفات کے بعد کچھ عرصہ وہاں رہے پھر ہندوستان آگئے اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں اجمیر تشریف لے گئے۔ وہاں طویل مدت تک قیام پذیر رہے۔ اجمیر سے موضع کھٹو گئے جو اعمال ناگور میں واقع ہے۔ وہاں سکونت اختیار کر لی۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو دس سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ ۱۷ شعبان ۷۷۶ھ (۲۱ جنوری ۱۳۷۵ء) کو فوت ہوئے ②۔

## ۶۔ اسماعیل فقیہ

ابن بطوطہ اپنی سیاحت ہند کے دوران مالابار کے علاقے میں بھی گیا تھا۔ اس علاقے کے ایک شہر ہنوز میں گیا تو دیکھا کہ اس شہر کے تمام لوگ شافعی المذہب ہیں۔ نیک اور دین دار ہیں اور ان کے دل ولولہ جہاد سے معمور ہیں۔ علاوہ ازیں وہ طاقت اور قوت کے بھی مالک ہیں۔ وہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے۔  
واہل المدینۃ یہنور شافعیۃ المذہب لہم صلاح و دین و جہاد فی الحرب والقوہ ③۔

وہاں اس کی ملاقات ایک شخص اسماعیل سے ہوئی جو اس علاقے کے فقیہ تھے اور باشندگان علاقہ کو

① محبوب الوطن، تذکرہ سلاطین دکن، حصہ اول، در بیان سلاطین بہمنیہ، تالیف ابوتراب محمد عبدالجبار خاں صوفی۔ (مطبوعہ مطبع

نامی فخر نظامی حیدرآباد) ص ۹۲۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۳۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۳۔ بحوالہ مجمع الابرار۔

③ رحلۃ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۷۷۔

کتاب اللہ کی تعلیم دیتے تھے۔ پرہیزگار، حسن اخلاق کے مالک اور کریم النفس تھے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:  
ولقیت بها الفقیہ اسماعیل معلم کتاب اللہ تعالیٰ و هو ورع حسن  
الخلق کریم النفس ①۔

## ۷۔ شیخ اسماعیل بن محمد ملتانی

شیخ اسماعیل بن محمد بن زکریا قریشی، شیخ عماد الدین ملتانی کے لقب سے مشہور تھے۔ مسند مشیخت پر فائز تھے اور اپنے دور کے نامور عالم و فقیہ تھے۔

ملتان میں پیدا ہوئے وہیں پلے بڑھے اور اپنے والد ماجد اور بڑے بھائی شیخ ابوالفتح رکن الدین ملتانی سے فیض علم و صلاح حاصل کیا۔ پھر فقہ اور اصول فقہ کی طرف عنان توجہ مبذول فرمائی اور اس میں اس قدر ممتاز مقام پر پہنچے کہ افتاء و تدریس کی مسند علیا پر فائز ہوئے اور اس باب میں مرجع خلافت قرار پائے۔ جب ان کے بڑے بھائی وفات پا گئے تو ان کی جگہ مسند ارشاد و ہدایت پر بیٹھے۔ ان کا سال وفات معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ گلزار ابرار میں ان کے حالات کے اختتام پر ”عماد الدین عماد قصر دین بود“ مرقوم ہے جس کے عدد ۷۹۵ء (۱۳۹۳ء) نکلتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سال وفات ۷۹۵ء (۱۳۹۳ء) ہے ②۔

## ۸۔ مولانا افتخار الدین رازی

مولانا افتخار الدین رازی ثم ہندی دہلوی۔ عہد علماء الدین خلجی کے اکابر اور نامور علما میں سے تھے۔ فقہ اصول فقہ، علم کلام اور علوم عربیہ کے ممتاز عالم تھے۔ تمام عمر دارالسلطنت دہلی میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ بے شمار لوگوں نے ان کے فیوض علمیہ سے استفادہ کیا ③۔

## ۹۔ مولانا افتخار الدین برنی

شیخ افتخار الدین برنی کبار علما و اساتذہ میں سے تھے۔ عہد علماء الدین خلجی میں دارالحکومت دہلی میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ میں انھیں ید طولی حاصل تھا ④۔

① رحلتہ ابن بطوطہ، ج ۲ ص ۱۷۷۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۳۱۔ بحوالہ گلزار ابرار

③ تاریخ فیروز شاہی۔ ضیاء الدین برنی، ص ۳۵۴۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۴۔

④ تاریخ فیروز شاہی۔ ضیاء الدین برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۱۵۔

## ۱۰۔ مولانا افتخار الدین گیلانی

شیخ افتخار الدین گیلانی کا شمار فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے چوٹی کے علما کی جماعت میں ہوتا ہے۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانہ حکومت میں دارالسلطنت دہلی میں درس دیتے اور لوگوں کی علمی تشنگی بجھاتے تھے۔ ان کی فروانی علم و فضل کا اندازہ اس سے کیجیے کہ شیخ عبدالکریم شروانی کی وفات کے بعد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے کتب درسیہ ان ہی سے پڑھیں ①۔

## ۱۱۔ شیخ امام الدین دہلوی

شیخ امام الدین دہلوی قرن ہشتم کے ہندوستان کے فقہائے نام دار اور علمائے عظام میں سے تھے۔ ابدال کے لقب سے معروف تھے۔ شیخ بدر الدین غزنوی سے تحصیل علم کی اور ان کے شیخ کے شیخ قطب الدین بختیار کاکی سے اخذ فیض کیا اور ایک عرصہ تک ان سے لزوم و انسلاک اختیار کیے رکھا۔ ۷۸۰ھ (۱۳۷۶ء) میں فوت ہوئے ②۔

— ب —

## ۱۲۔ مولانا بدر الدین معبری

شیخ بدر الدین معبری شافعی اپنے عصر کے مشاہیر افاضل میں سے تھے۔ شافعی المسلک تھے اور فقہ شافعی پر عمیق نظر رکھتے تھے۔ شہر منگروڑ کے قاضی تھے۔ یہ شہر مالابار کے علاقے میں ساحل سمندر پر خلیج کے کنارے واقع ہے۔ ابن بطوطہ سیاحت ہند کے دوران اس شہر میں گیا تھا۔ اس شہر میں اس نے مولانا بدر الدین معبری شافعی سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے ③۔

## ۱۳۔ مولانا بدر الدین اودھی

شیخ بدر الدین اودھی عہد علماء الدین خلجی کے مشہور واعظ تھے۔ علم و دیانت زہد و ورع اور تقویٰ و صالحیت میں اپنے دور کے بے نظیر عالم تھے۔ خطہ اودھ میں رہائش پذیر تھے۔ کبھی کبھار دہلی بھی تشریف لے

① تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۲۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۵۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۶۔ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

③ رحلۃ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۸۳



جاتے تھے۔ وہاں کئی کئی روز قیام فرماتے اور مجالس وعظ و تذکیر منعقد کرتے۔ ان کی بڑی خوبی یہ تھی کہ قول و عمل میں تصنع اور تکلف سے پاک تھے۔ وہی بات زبان سے نکالتے جو صداقت کی میزان پر پوری اترتی۔ ہر فکر و عقیدہ کے لوگ ان کی مجالس وعظ میں شرکت کرتے اور بہت متاثر ہوتے اور ان کی باتیں سن کر اللہ کے ڈر سے روتے روتے لوگوں کی ہچکی بندھ جاتی۔ مفتی بھی تھے کسی رورعایت کے بغیر صحیح فتویٰ دیتے ①۔

## ۱۴۔ مولانا برہان الدین بھکری

شیخ برہان الدین بھکری سندھی فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دارالحکومت دہلی میں مسند تدریس پر فائز تھے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے اخذ علم کیا ②۔

## ۱۵۔ قاضی بہاء الدین اوچی

آٹھویں صدی ہجری کے علمائے ہند میں شہر اوچ کے قاضی بہاء الدین اوچی کا اسم گرامی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ممتاز عالم و فقیہ تھے۔ فضل و صلاح میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ پنجاب کے ضلع رحیم یار خاں کے مشہور شہر اوچ میں بساط تدریس بچھا رکھی تھی۔ ان سے بہت سے لوگوں نے اخذ علم کیا۔ اوچ کے معروف عالم دین شیخ جلال الدین بن حسین بن احمد حسینی بخاری اوچی معروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے شروع سے آخر تک تمام کتب درسیہ ان سے پڑھیں ③۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ بھی ان ہی سے پڑھی۔ انھوں نے اپنا ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا جس کا نام ان کے نام کی مناسبت سے مدرسہ بہاویہ تھا۔ اس مدرسے میں متعدد بلند پایہ علمائے کرام نے تعلیم حاصل کی۔

ان کے بارے میں مخدوم جہانیاں فرماتے ہیں:

مولانا بہاء الدین قاضی میرے استاد تھے۔ میں ان سے پڑھتا تھا۔ ایک دن انھوں نے مجھ سے فرمایا: ”سراونچا کر کے سلام کیا کرو، کیونکہ سر نیچا کر کے سلام کرنا مکروہ

ہے ④۔“

① تاریخ فیروز شاہی، ضیاء الدین برنی، ص ۳۶۷۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۲

② تاریخ فیروز شاہی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۷۔

③ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۸۔ بحوالہ جامع البیان۔

④ خطہ پاک اوچ، ص ۱۸۹۔ بحوالہ الدر المنظوم، ص ۳۶

## ۱۶۔ امیر تاتار خاں دہلوی

امیر تاتار خاں دہلوی علم و فضل، تفسیر و حدیث اور فقہ و اصول میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ انھیں ”خان اعظم“ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ ان کے حالات مختلف کتابوں میں درج ہیں۔ تاریخ فیروز شاہی میں سراج عقیف لکھتے ہیں:

نقل ہے کہ خان اعظم خدا کی درگاہ میں بندۂ مقبول اور بادشاہ کا دست گرفتہ تھا۔ صاحب سیف و قلم تھا۔ واضح ہو کہ یہ امیر باعتبار نسل ترک تھا۔ معتبر روایت ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں خراسان کے ایک صاحب جاہ و حشم فرماں روانے ملتان اور دیپال پور پر حملہ کر کے اس نواح کو تاخت و تاراج کیا۔ یہ حملہ آور بادشاہ اپنی ایک بیوی پر جو بے حد حسین و جمیل تھی، اس درجہ شیدا و فریفتہ تھا کہ اس کو اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا۔ اس مہم میں یہ بیوی بادشاہ کے ہمراہ تھی اور حاملہ تھی۔ ملتان اور دیپال پور کے علاقے میں قدم رکھتے ہی اس کے بطن سے بچہ پیدا ہوا۔ اتفاق سے اس شب سلطان تغلق نے خراسانی لشکر پر شب خون مارا اور قتل عام شروع کر دیا۔ خراسانی لشکر نے شکست کھائی۔ ان میں سے ہر شخص نے راہ فرار اختیار کی اور پریشانی کے عالم میں اس بچے کو گھوارے ہی میں چھوڑ گئے۔

سلطان تغلق کا لشکر ہر جانب مال غنیمت تلاش کر رہا تھا کہ ان کی نظر گھوارے پر پڑی۔ گھوارہ مع بچے کے بادشاہ کے رو برو لایا گیا۔ سلطان تغلق نے اس نوزائیدہ بچے کو دیکھ کر بے حد پسند کیا اور اس کی بیٹوں کی طرح پرورش شروع کی۔

سلطان تغلق نے اس لڑکے کو تاتار ملک کے نام سے موسوم کیا جو اس عہد میں خوردسال تھا۔ بچہ جوان ہوا اور سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں مشہور زمانہ ہوا۔ یہ لڑکا دلاوری اور زور آزمائی اور شجاعت و بہادری میں یکتا زمانہ ہوا اور محمد تغلق کے عہد حکومت میں لشکر کشی و فتوحات ملکی میں نادر روزگار خیال کیا جانے لگا۔ اس نے اپنے زور بازو سے کئی ممالک فتح کیے۔

معتبر روایت ہے کہ ایک مرتبہ سلطان محمد تغلق اس سے آزرده ہوا اور اس نے اس امیر کو برے الفاظ سے یاد کیا اور اپنے سے جدا کر کے دور دراز علاقے میں بھیج دیا۔ وہاں سے تاتار ملک نے چند اشعار بادشاہ کے حضور بھیجے۔ سلطان محمد تغلق نے یہ اشعار پڑھ کر اس کی بے حد تعریف کی اور اس کو اپنے پاس بلا کر اس کی بڑی تکریم کی۔ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اس امیر کو تاتار خاں کا لقب عطا ہوا اور چتر قطیفہ کے عطیہ سے سرفراز کیا گیا۔ اس پر مستزاد نوازش یہ ہوئی کہ چتر کے اوپر بجائے ہمارے زریں کے زریں طاس رکھا گیا جو صرف سلاطین کے لیے مخصوص ہے۔

فیروز شاہ صحن گلبن کے محل میں دربار لگایا کرتا تھا۔ بادشاہ کے دائیں جانب جووزرا کے لیے مخصوص تھا، تاتار خاں کو جگہ عطا ہوئی اور بائیں جانب خان جہاں مقبول کی جگہ مقرر ہوئی۔ اگرچہ خان جہاں مقبول وزیر تھا، لیکن بادشاہ کے دائیں جانب تاتار خاں ہی کو جگہ عنایت کی گئی۔ تاتار خاں کے انتقال کے بعد یہ جگہ خان جہاں مقبول کو عطا کی گئی۔

فیروز شاہ تغلق کو تاتار خاں پر کلی اعتماد تھا اور وہ امور ملکی میں ہمیشہ تاتار خاں سے مشورہ لیا کرتا اور اس امیر کی رائے کے مطابق مہمات ملکی کا فیصلہ کرتا اور اس کی بابت احکام جاری کرتا۔ تاتار خاں بھی بادشاہ کا بہی خواہ اور خیر اندیش تھا اور عمدہ و سلیم فطرت کا مالک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بے شمار صفات سے آراستہ کیا تھا۔ تاتار خاں نے سفر حجاز بھی کیا اور حرمین شریفین کی زیارت اور سعادت حج سے بھی بہرہ اندوز ہوا۔ اس کی صحبت میں ہمیشہ علماء و فضلاء کا مجمع رہتا اور وہ اس پاک باز گروہ کی بہت تعظیم کرتا۔ تفسیر تاتار خانی جو بہترین اور مشہور تفسیر ہے اسی امیر کی جمع کردہ ہے۔ اس نے ایک مفصل تفسیر مرتب کرنے کا ارادہ کیا، اس کے لیے تمام تفاسیر جمع کیں اور علماء کی ایک جماعت کو جمع کر کے سب ائمہ تفسیر کے اختلافات نقل کر کے ہر آیت کے متعلق تمام اقوال اپنی تفسیر میں جمع کیے۔ پھر اختلافات مطالب کے سلسلے میں ہر مفسر کی رائے اور تفسیر کا حوالہ دیا۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس تفسیر میں تمام تفسیروں کا مواد جمع ہو گیا ہے۔ اس تفسیر کو اس نے تفسیر تاتار خانی کے نام سے موسوم کیا۔ اسی طرح اس نے ایک مجموعہ فتاویٰ بھی مرتب کیا، جس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے شہر دہلی کی تمام کتب فتاویٰ جمع کیں اور اس کے بعد خود ایک کتاب ترتیب دی جس میں ہر مسئلے کے بارے میں مفتیان شرع کے اختلافات نقل کیے اور مفتی کے اختلاف کو صاحب فتویٰ کی طرف منسوب کر کے فتویٰ اور مفتی کی صراحت کر دی۔ یہ مجموعہ تقریباً تیس جلدوں میں مرتب ہوا۔

تاتار خاں علم شریعت میں مرتبہ عالی رکھتا تھا، وہ شریعت کے اتباع و تبحر سے طریقت اور طریقت سے علم حقیقت کی بارگاہ میں باریاب ہوا۔ اس امیر نے ان تینوں علوم کے نکات و معارف حاصل کرنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب رہا۔

مختصر یہ کہ تاتار خاں عالم دین، حاجی، پرہیزگار اور احکام شریعت کا پابند تھا۔ امور شرع سے سرمو تجاوز نہ کرتا اور سفر و حضر میں شریعت پر کار بند رہتا۔ جنگ کے لیے روانہ ہوتا تو دیگر امرا کی طرح عورتوں کو ساتھ نہ لے جاتا۔ غرض ہر معاملے میں احکام شریعت کی پابندی کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہر طرح کی خوبیوں سے آراستہ کیا تھا۔ اس نے فیروز شاہ تغلق کے تخت نشین ہونے کے چند سال بعد وفات پائی ①۔

نزہۃ الخواطر میں سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے تاتار خاں کا جن الفاظ میں تعارف کرایا ہے ان کا ترجمہ یہ ہے:

امیر تاتار خاں دہلوی ان معروف حضرات میں سے تھا جو فضل و صلاح اور ریاست و

① تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عقیف۔ (اردو ترجمہ) ص ۲۶۳ تا ۲۶۷۔

سیاست میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ ابھی یہ ایک دن کا بچہ تھا کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے اس کو ایک میدان جنگ میں گرا ہوا پایا اور اٹھالیا۔ سلطان نے امارت و سیادت کی گود میں اس کی پرورش کی اور اس کو اپنے خاص ندیموں اور مشیروں میں شامل کیا۔ پھر جب محمد شاہ تغلق سریر آراے سلطنت ہند ہوا تو اس نے اس کو اپنا مقرب بنا لیا اور مناصب جلیلہ پر فائز کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ امیر ارکان سلطنت میں ایک اہم رکن گردانا گیا۔ فاضل و عادل، شجاع و بہادر، سخی، اخلاق حسنہ کا مالک، اونچے کردار کا حامل، شریعت مطہرہ کا سخت پابند اور ملوک و امرا کا شدید محاسبہ کرنے والا تھا۔ اللہ کے معاملے میں نہ کسی سے خوف زدہ ہوتا اور نہ کسی کی توقیر کرتا۔ ایک مرتبہ مے نوشی کے سلسلے میں اس نے سلطان فیروز شاہ تغلق کو ٹوک دیا تھا اور فیروز شاہ نے اس کو حصار فیروزہ کے مقام پر ایک جاگیر دے کر اپنے سے الگ کر دیا تھا۔ اسی طرح سلطان محمد شاہ تغلق اس سے ناراض ہو گیا تو اس نے محمد شاہ کو مندرجہ ذیل اشعار لکھ کر بھیجے:

وہ ندانم از کجا رنجیدہ بے سبب از دوستان بریدہ  
بانگ نے خوش می زند جانان من نالہ بے چارگان نشیندہ  
در تو بارے ہرگز اس عادت نبود از طریق خود مگر گرویدہ  
گو گنا ہے کردہ ام مارا بخش زانکہ تو چندیں گنہ بخشیدہ  
از تار خستہ باللہ العظیم نیست جرمی بے سبب رنجیدہ

سلطان محمد شاہ تغلق نے یہ اشعار پڑھے تو بہت خوش ہوا، اس کے مقام و مرتبہ میں اضافہ کیا اور اس کی پہلے سے زیادہ تعظیم کی۔ بعد ازاں وہ زیارت حرین شریفین کے لیے گیا اور حج و زیارت سے بہرہ مند ہوا۔ اس امیر نے ایک تفسیر قرآن تصنیف کی، جس کا نام تفسیر تاتارخانی رکھا، اسی کے حکم سے عالم بن علا دہلوی نے فتاویٰ تاتارخانیہ تصنیف کیا جو ایک بہت بڑا ذخیرہ علم فقہ ہے۔ تاتارخاں نے سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت میں وفات ہوئی ①۔

قاضی ضیاء الدین برنی نے بھی اپنی کتاب 'تاریخ فیروز شاہی' میں 'ملوک فیروز شاہی' کے عنوان سے امیر تاتارخاں کی بہت تعریف کی ہے اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے امرا و ندما میں اسے خاص اہمیت دی ہے۔ برنی کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:

ان امرا میں سے جن کو (سلطان فیروز شاہ تغلق کی) درگاہ عالی میں بہت زیادہ خصوصیت حاصل ہے دوسرا امیر اعظم تاتارخاں بہادر بندہ امیر المؤمنین ہے۔ خدا اس کی عزت دو بالا کرے۔ بادشاہ سے خلوص و ہوا خواہی اور اس کی خدمت میں وہ جملہ ملوک سے

سبقت لے گیا ہے۔ شاہ عالم پناہ کے عواطف خسروانہ کی وجہ سے وہ نہایت بلند مرتبے پر فائز ہے اور بادشاہ کے دربار میں اس کو جو خصوصیت حاصل ہے اس کا درجہ دوسرے جملہ ملوک کی خصوصیات سے بلند ہے۔ خان کے بلند مرتبے کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ جو دنیا داری کا معدن و خزانہ ہے وہ دین داری، عبادت گزار، عفت و پاک نفسی، علم حدیث و فقہ سے دلچسپی اور قلبی لگاؤ، اصابت رائے اور لطافت طبع کے لحاظ سے بھی خوانین و ملوک سلف و خلف میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ وہ شخص جس نے دنیا کے ساتھ دین کو بھی اپنی ذات میں جمع کر رکھا ہے تا تاریخاں ہے۔ اللہ اس کو تقویت بخشنے ①۔

## ۱۷۔ قاضی تاج الدین کڑوی

قاضی تاج الدین بن شیخ الاسلام قطب الدین محمد بن احمد حسنی حسینی مدنی کڑوی، اونچے مرتبے کے عالم و فقیہ اور اپنے زمانے کے مشہور شیخ تھے۔ شہر کڑ کے قاضی تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی نے ان کو کڑ سے بدل کر بدایوں بھیج دیا تھا اور ان کی جگہ ان کے بھتیجے رکن الدین بن نظام الدین کڑوی کو شہر کڑ کے قاضی مقرر کر دیا تھا۔ بدایوں آنے کے بعد یہ تمام عمر وہیں رہے اور وہاں ان کی اولاد بھی ہوئی اور اولاد بھی بدایوں ہی میں سکونت پذیر رہی اور سب نے علم و عمل کے میدان میں شہرت حاصل کی۔

قاضی تاج الدین کڑوی سادات کڑ سے تعلق رکھتے تھے اور اس خاندان کے نیک اطوار اور پرہیزگار بزرگ تھے ②۔

قاضی ضیاء الدین برنی اپنی تصنیف تاریخ فیروز شاہی میں ان کے بارے میں رقم طراز ہیں: ان سادات میں سے جن کے مبارک وجود سے اس علاقے کو عظمت و بزرگی حاصل ہوئی، ایک سید تاج الدین بن شیخ الاسلام سید قطب الدین تھے اور یہ سید تاج الدین بدایوں کے قاضیوں میں سے سید قطب الدین کے والد اور سید اعز الدین کے دادا تھے۔ وہ برسوں اودھ کے قاضی رہے۔ سلطان علاء الدین خلجی نے ان کو اودھ سے علیحدہ کر کے بدایوں کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔ سید تاج الدین ایک بڑے بزرگ سید تھے۔ ان سادات میں ہر ایک بزرگی، علم، بردباری، سخاوت اور دوسرے عمدہ اوصاف میں بے نظیر ہے ③۔

تذکرہ علمائے ہند میں بھی ان کا ذکر موجود ہے ④۔

① تاریخ فیروز شاہی، ضیاء الدین برنی، ص ۵۷۹

② نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۹۔

③ تاریخ فیروز شاہی، ضیاء الدین برنی، ص ۳۲۸

④ ملاحظہ ہو: تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۳

## ۱۸۔ مولانا تاج الدین کلاہی

شیخ تاج الدین کلاہی، عظیم المرتبت عالم دین تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دارالحکومت دہلی میں مسند تدریس پر متمکن تھے۔ ان کا انداز تدریس عمدگی اور حسن و خوبی میں مشہور تھا۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا ①۔

## ۱۹۔ مولانا تاج الدین مقدم دہلوی

شیخ تاج الدین مقدم دہلوی علم و فضل میں یگانہ روزگار تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ عہد علاء الدین خلجی میں دہلی کی مسند تدریس پر فائز تھے۔ ان سے اخذ علم کرنے والوں کی فہرست بہت وسیع ہے اور اس میں نہایت بلند مرتبہ حضرات شامل ہیں، جن میں شیخ محمد بن یوسف حسینی دہلوی کا نام نامی بھی مرقوم ہے جو گلبرگہ میں مدفون ہیں۔ انھوں نے ان سے بعض کتب درسیہ پڑھیں۔ ان کے علاوہ بہت سے علمائے کرام نے ان سے علمی استفادہ کیا ②۔

ج

## ۲۰۔ مولانا جلال الدین رومی

شیخ جلال الدین، علم و فضل میں درجہ امامت پر فائز تھے۔ سلسلہ درس و افادہ عام کے مشہور علما میں سے تھے۔ شیخ قطب الدین رازی سے اخذ علم کیا جو شمس کے شارح تھے۔ جب یہ روم سے ہندوستان آئے تو سلطان فیروز شاہ تغلق تخت ہند پر متمکن تھا۔ اس نے ان کی علمی قابلیت سے متاثر ہو کر دارالسلطنت دہلی کے مدرسہ فیروز شاہی میں ان کو مدرس مقرر کر دیا اور یہ طلبائے علم کو تفسیر حدیث، فقہ اور دیگر علوم پڑھانے لگے۔ اس اثنا میں ان سے بے شمار لوگوں نے فیوض علمیہ حاصل کئے، جن میں شیخ یوسف بن جمال ملتان بھی شامل ہیں۔ شیخ جلال الدین رومی جس مدرسے کی مسند درس پر فائز تھے وہ مدرسہ سلطان فیروز شاہ تغلق نے تعمیر کیا تھا اور دہلی میں حوض علانی پر واقع تھا۔ اس کی چھت نہایت عمدہ تھی، صحن بہت وسیع تھا۔ طول و عرض اور خوب صورتی کے اعتبار سے کوئی عمارت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی، اور اسلامی ہند کا یہ عظیم مدرسہ ہر لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا ③۔

① تاریخ فیروز شاہی، ضیاء الدین برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۳۶۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۰۱۹

② تاریخ فیروز شاہی، ضیاء الدین برنی، ص ۳۵۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۰

③ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۳

تاریخ فیروز شاہ کے مصنف قاضی ضیاء الدین برنی مدرسہ فیروز شاہی کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

”سلطان فیروز شاہ تغلق کی تعمیر کردہ عمارات میں دوسری عمارت مدرسہ فیروز شاہی ہے۔ یہ عجیب و غریب عمارت ہے جو حوض علانی پر تعمیر کی گئی ہے۔ مدرسہ فیروز شاہی کی عمارت اپنے گنبدوں کی بلندی، تعمیرات کی خوبی، صحنوں کے توازن، نشست گاہوں کی لطافت، استعمال میں آنے والے کمروں اور ستونوں کی دل آویز قطاروں کی وجہ سے دنیا کی مشہور عمارتوں سے سبقت لے گئی ہے۔ یہ عمارت ایسی عجیب و غریب ہے کہ یہاں کے مقامی باشندوں اور سیاحوں میں سے جو شخص بھی اس مدرسے میں آتا ہے وہ محسوس کرتا ہے کہ گویا جنت میں پہنچ گیا ہے اور فردوس میں مقیم ہے۔ اس میں داخل ہوتے ہی دل سے غم دور ہو جاتا ہے۔ مدرسے کی دلکش عمارتوں کو دیکھ کر مغموم لوگوں کے دل کھل جاتے ہیں۔ اس کے روح افزا نظارے سے خستہ جانیں شگفتہ ہو جاتی ہیں اور دیکھنے والے پرانے سے پرانے صدے کو بھی بھول جاتے ہیں۔“

اس سے آگے وہ اس مدرسے کی تعلیمی خوبیوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

”مولانا جلال الدین رومی جو ایک نہایت قابل استاذ ہیں، اس مدرسے میں علوم دینی کا درس دیتے ہیں۔ وہ ہر وقت طالب علموں کو پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ ہر روز حفاظ قرآن، قرآن مجید ختم کرتے ہیں۔ مسافروں اور طالب علموں کی تکبیریں پڑھنے کی آوازیں آسمان تک پہنچتی ہیں۔ موزن پانچوں وقت کی نمازوں کے لیے اذانیں دیتے ہیں اور بادشاہ اور جملہ مسلمانوں کے لیے با آواز بلند دعائیں کرتے ہیں۔ فیروز شاہ کے صدقات سے ان لوگوں کو وظائف و صدقات و انعامات برابر پہنچائے جاتے ہیں۔ عابد و زاہد ہوں یا طلبائے علم، حفاظ ہوں یا نمازی، ذکر و فکر میں رہنے والے ہوں یا تہجد گزار، غرض تمام بندگان خدا میں سے جس نے بھی مدرسہ فیروز شاہی کو اختیار کیا اور اس سے منسلک ہو اس کو راحت و آسائش ملی۔“

”دارالحکومت دہلی میں گزشتہ بادشاہوں کی تعمیر کی ہوئی اور بھی بہت سی عمارتیں موجود ہیں لیکن جو خوب صورتی اور حسن و زیبائی مدرسہ فیروز شاہی میں ہے وہ اور کسی عمارت میں نہیں دیکھی گئی۔“<sup>①</sup>

تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی نے مولانا جلال الدین رومی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

مولانا جلال الدین رومی کہ بس اوستادے متضمن بود و دائماً در منصب افادہ سبق علوم دینی

در مدرسہ فیروز شاہی واقع دہلی در عہد فیروز شاہ پادشاہ می داد  
و معلمان را ہموارہ تفسیر و حدیث وفقہ تعلیم می کرد<sup>①</sup>۔

## ۲۱۔ قاضی جلال الدین ولوالجی

قاضی جلال الدین ولوالجی ایک بڑے عالم و فقیہ تھے اور درجہ مشیخت پر فائز تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دہلی کے منصب قضا پر متعین تھے۔ بہت عرصے تک اس عہدہ جلیلہ پر متمکن رہے۔

محمد بن مبارک حسینی کرمانی نے سیر الاولیا میں اس مناظرے کا ذکر بھی کیا ہے جو سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں شیخ نظام الدین اولیا اور قاضی جلال الدین ولوالجی کے درمیان ہوا تھا۔ یہ مناظرہ سماع سے متعلق تھا اور ارکان حکومت و صدور و قضاة اس میں موجود تھے۔ اس سلسلے میں قاضی جلال الدین ولوالجی پیش پیش تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا کا موقف یہ تھا کہ سماع جائز ہے، لیکن قاضی جلال الدین ولوالجی اور ان کے حامی اس کے مخالف تھے۔ قاضی موصوف نے بحث کا آغاز کیا اور گفتگو اگرچہ نصیحت آموز طریقے سے کی لیکن شیخ نظام الدین اولیا کے بارے میں سخت نکیر و طعن کا اظہار کیا۔ اس انداز گفتگو پر شیخ نظام الدین اولیا کو غصہ آ گیا اور فرمایا:

ان كنت تخاصمني بسطوة الحكومة فانت معزول عنها۔

کہ اگر آپ مجھ سے حکومت کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے جھگڑ رہے ہیں تو آپ اپنے اس منصب سے معزول ہو جائیں گے<sup>②</sup>۔

چنانچہ وہ اس واقعہ سے بارہ دن بعد منصب قضا سے معزول ہو گئے۔

قاضی جلال الدین ولوالجی اور شیخ نظام الدین اولیا کے درمیان سماع کی حلت و حرمت کے موضوع پر مناظرے کی تفصیلات شیخ نظام الدین کے حالات میں بیان کی گئی ہیں۔

## ۲۲۔ شیخ جلال الدین دہلوی

شیخ جلال الدین بن حسام الدین دہلوی عالم و صالح بزرگ تھے اور ساتھ ہی بہترین واعظ بھی تھے۔ علم و دیانت میں انتہائی شہرت کے مالک تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں تذکیر و موعظت میں ان کا جواب نہ تھا۔ وعظ میں علمی مسائل و نکات خوف و خشیت الہی اور لطائف و ظرائف سب کچھ بیان کرتے، دل گداز اشعار بھی پڑھتے۔ شیخ رکن الدین کی طرف سے انھیں یہ اجازت حاصل تھی کہ لوگوں کو اپنے حلقہ بیعت میں داخل کریں۔ چنانچہ بیعت لیتے اور سجادہ مشیخت پر بیٹھتے تھے<sup>③</sup>۔

① تذکرہ علمائے ہند ص ۳۱۔

② تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۲۵۱۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۳۶۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۲۔

③ تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۳۵۷۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۳۔



## ۲۳۔ شیخ جلال الدین اودھی

شیخ جلال الدین اودھی علاقہ اودھ کے باشندے تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ ایک عرصے تک ان سے منسلک رہے۔ ان کے حکم سے بحث و اشتغال سے بالکل علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ فاضل اور کثیر الدرس تھے۔ لاتعداد حضرات نے ان سے علمی استفادہ کیا<sup>①</sup>۔

## ۲۴۔ قاضی جلال الدین کاشانی

قاضی جلال الدین کاشانی اپنے عصر کے مشاہیر فقہاء میں سے تھے۔ سلطان معز الدین کیقباد کے عہد میں دہلی کے قاضی تھے۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے ان کو دہلی کے منصب قضا سے الگ کر کے بدایوں کے قاضی مقرر کر دیا تھا۔ قاضی ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں متعدد مقامات پر ان کا ذکر کیا ہے اور ان کو جہاں عالم و مفتی قرار دیا ہے وہاں فتنہ پرور بھی لکھا ہے۔ ان کے والد کا نام قاضی قطب الدین کاشانی تھا<sup>②</sup>۔

## ۲۵۔ قاضی جلال الدین کرمانی

قاضی جلال الدین علوی حسینی کرمانی اپنے دور کے مشاہیر علما میں سے تھے۔ انھیں قاضی جلال الدین محمد کرمانی کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں منصب صدارت پر فائز تھے۔ معقولات و منقولات کے بہت بڑے عالم تھے<sup>③</sup>۔ فقہ اصول فقہ اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق ان کو تمام قضات پر ترجیح دیتا تھا اور اس نے ان کو صدارت عظمیٰ پر فائز کر دیا تھا۔ بعد میں مملکت ہند کے تمام امور دینیہ ان ہی کے سپرد کر دیے تھے اور سلطان کسی معاملہ دینی میں دخل نہ دیتا تھا<sup>④</sup>۔

قاضی ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں ان کی بہت تعریف کی ہے۔ مرقوم ہے:

”ان بزرگوں میں سے جن پر سلطان فیروز شاہ تغلق کی نوازشات انتہائی حد تک پہنچ گئی ہیں ان میں تیسرے ملک السادات صدر الصدور جہاں جلال الحق والدین کرمانی ہیں۔ نسباً حضرت علی مرتضیٰ کی اولاد میں سے ہیں۔ علوم معقولات و منقولات میں اپنے کمالات کے لحاظ سے غزالی دوراں اور رازی عصر ہیں۔ بادشاہ کی مہربانی سے صدر الصدور جہاں

① نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۲۳

② تاریخ فیروز شاہی برنی (اردو ترجمہ) ملاحظہ ہوں۔ صفحات ۱۹۳، ۲۱۳، ۳۲۱ تا ۳۲۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۳۔ نزہۃ

الخواطر ج ۲، ص ۲۳۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۲۴۔

④ نزہۃ الخواطر ج ۲، صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹۔

جلال الحق والدین کا جو علامہ روزگار ہیں، مرتبہ قضا میں ان تمام قضات کے درجے سے بلند ہے جو دار الحکومت دہلی میں زمانہ خلف و سلف میں اس عہدے پر فائز رہے ہیں۔ بادشاہ نے احکام شرع محمدی سے متعلق جملہ امور میں ان کو مختار کل بنا دیا ہے۔ دہلی اور بلاد مملکت کے تمام علما کے وظائف و انعامات متعین کرنے کے فرائض صدر الصدور ہی کے سپرد کر دیے گئے ہیں اور ان کا انحصار دار القضاۃ کی جاری کی ہوئی مثالوں پر ہے ①۔

## ۲۶۔ شیخ جمال الدین مغربی

شیخ جمال الدین مغربی غرناطی بجائی، دراصل غرناطہ کے باشندے تھے، اسی لیے مغربی غرناطی کی نسبت سے مشہور تھے۔ اپنے والد کے ساتھ ہندوستان آئے اور پھر یہیں متوطن ہو گئے۔ بہت بڑے فقیہ، طبیب اور ادیب تھے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ دہلی گیا تو ان سے بھی ملا، وہ اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے:

”سیف الدین امیر عرب بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے اس کا بے حد احترام کیا اور سلطان جلال الدین نے محل میں جو کوشک لعل کے نام سے مشہور ہے، اسے فروکش کیا۔ یہ محل بہت بڑا ہے۔ اس میں ایک طویل و عریض صحن ہے، اس کی دہلیز بہت اونچی ہے۔ اس دہلیز پر ایک برج ہے، جس سے اندر اور باہر کے دونوں صحن نظر آتے ہیں۔ سلطان جلال الدین اس برج میں بیٹھ کر اندر کے صحن میں چوگان بازی دیکھا کرتا تھا۔

”جب امیر سیف الدین کو اس محل میں ٹھہرایا گیا تو میں نے یہ محل دیکھا۔ سامان سے بھرا ہوا تھا، لیکن تمام چیزیں بوسیدہ ہو گئی تھیں۔ ہندوستان میں دستور ہے کہ جب بادشاہ مرجاتا ہے تو اس کا محل چھوڑ دیتے ہیں اور نیا بادشاہ اپنے لیے علیحدہ محل تیار کراتا ہے اور اس محل کی کوئی چیز اس کی جگہ سے نہیں ہٹاتا۔ یہ عبرت کا مقام تھا، میرے آنسو نکل آئے۔ فقیہ جمال الدین مغربی، غرناطی جو بچپن میں اپنے والد کے ساتھ ہندوستان آئے تھے، اس وقت میرے ساتھ تھے۔ انھوں نے یہ شعر پڑھا:

وسلاطینہم سل الطین عنہم

فرؤس العظام صارت عظاما ②

یعنی مٹی سے ان بادشاہوں کا حال پوچھو، جن کے بڑے بڑے سر ہڈیوں کا خول ہو گئے ہیں۔

① تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۵۷۹، ۵۸۱ (نوٹ) یہاں صاحب نزہۃ الخواطر کو سہو ہو گیا ہے۔ انھوں نے قاضی جلال الدین کرمانی اور قاضی جلال الدین محمد کرمانی کو دو آدمی سمجھ لیا ہے اور دونوں کا علیحدہ علیحدہ تذکرہ کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۳۸، ۱۳۹) حالانکہ یہ ایک ہی بزرگ ہیں۔

② سفر نامہ ابن بطوطہ (اردو ترجمہ) ص ۵۹۶، ۵۹۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۲۳

## ۲۷۔ شیخ جمال الدین کوئلی

شیخ جمال الدین بن عبداللہ بن نظام الدین ابوالموید دہلوی ثم کوئلی (یعنی علی گڑھی) بہت بڑے عالم و فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔ معرفت و طریقت میں بھی اونچے درجے کے مالک تھے۔ ان کا چشمہ فیض جاری تھا جس سے خلق کثیر نے اپنی علمی و روحانی پیاس بجھائی۔ عبادت گزار، پسندیدہ اخلاق کے حامل، مجاہد فی سبیل اللہ اور مقبول درگاہ الہی تھے۔ کوئل ① میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کے اخلاف میں متعدد بڑے بڑے حضرات پیدا ہوئے۔ اس عظیم المرتبت عالم و فقیہ نے دہلی میں وفات پائی اور شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی قبر کے قریب دفن کیے گئے۔ بعد میں ان کے ورثا ان کی نعش نکال کر کوئل لے گئے تھے ②۔

علی گڑھ کو پرانی تاریخ ہند میں ”کوئل“ کہا جاتا ہے۔

## ۲۸۔ شیخ جمال الدین اوچی

شیخ جمال الدین اوچی، جلیل القدر عالم اور مشہور مشائخ میں سے تھے۔ تعلیم طریقت شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے پائی اور طویل مدت تک ان کی صحبت میں رہے۔ مرتبہ کمال کو پہنچے اور پھر اپنے شیخ کی اجازت سے اوچ تشریف لے گئے۔ اوچ میں سکونت اختیار کی اور درس و افادہ میں مصروف ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے خلق کثیر کو علمی اور روحانی نفع پہنچایا۔ علی بن اسد حسنی دہلوی جامع العلوم میں فرماتے ہیں کہ شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری کہا کرتے تھے کہ شیخ جمال الدین اوچی ہمیشہ درس و افادہ میں مصروف رہے۔ وہ تمام علوم کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے اور ہدایہ، بزودی، مشارق الانوار، مصابیح اور عوارف المعارف وغیرہ کتابوں کا درس دیتے تھے۔ کہتے ہیں ”اثنائے درس میں جب کسی مسئلے سے متعلق انھیں کوئی مشکل پیش آتی تو تھوڑی دیر کے لیے سر جھکا لیتے۔ پھر سر اٹھاتے تو مسئلہ حل ہو چکا ہوتا۔“

شیخ جمال الدین اوچی بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان میں ایک خوبی یہ تھی کہ مجلس میں آگے ہو کر بیٹھنے اور صدر نشین ہونے کی خواہش نہ کرتے۔ جہاں جگہ پاتے بیٹھ جاتے، اگرچہ سب سے پچھلی صف میں لوگوں کی جوتیوں کی جگہ پر ہی کیوں نہ بیٹھنا پڑے۔ لیکن ان کا اپنا علمی، روحانی اور ذاتی مقام اتنا بلند تھا کہ جہاں بیٹھتے، صدر مجلس ہی ہوتے۔

لوگوں سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے اور موٹا کھسونا پہنتے۔ کہا کرتے کہ رسول اللہ ﷺ اسی قسم کا لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ زاہد و عقیف اور پاک طینت تھے۔ امرا و ملوک سے کسی نوع کا ہدیہ قبول نہ

① ہندوستان کے جس مقام پر آج کل علی گڑھ واقع ہے اس کو زمانہ قدیم میں کوئل کہتے تھے۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۳۳، بحوالہ اخبار الجمال۔

فرماتے۔ مگر عمر کے آخری دور میں اس میں تبدیلی پیدا کر لی تھی اور امر او ملوک کی طرف سے اگر تحائف پیش کیے جاتے تو قبول کر لیتے تھے۔ کہا کرتے کہ سلف صالحین کی اقتدا میں اب میں امر او حکام کی طرف سے پیش کردہ تحائف و ہدایا قبول کرنے لگا ہوں۔ مگر جو کچھ کسی طرف سے آتا اس کو گھر میں نہ رکھتے بلکہ اسی وقت مستحقین میں تقسیم کر دیتے۔

شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری جامع العلوم میں مزید فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ عبداللہ رافعی سے مکہ مکرمہ میں اور شیخ عبداللہ مطری سے مدینہ منورہ میں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ شیخ جمال الدین اپنے دور کی منفرد شخصیت تھے۔ علوم مقامات اور تدین و اتقا میں فقید المثال تھے ①۔

## ۲۹۔ شیخ جمال الدین اودھی

شیخ جمال الدین خطہ اودھ کے رہنے والے تھے۔ فاضل بزرگ تھے اور علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں یگانہ روزگار تھے۔ علم طریقت میں بھی ممتاز تھے۔ یہ علم انھوں نے شیخ نظام الدین اولیا سے حاصل کیا تھا اور طویل عرصہ ان کی ملازمت و انسلاک میں گزارا تھا۔ ان کے حکم سے بحث و مجادلہ سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ کثیر الدرس تھے۔ فقہ اور اصول فقہ میں بالخصوص ماہر تھے ②۔

ح

## ۳۰۔ شیخ حسین بن احمد بخاری اوچی مخدوم جہانیاں جہاں گشت

شیخ حسین بن احمد بن حسین بن علی حسینی بخاری اوچی کی کنیت ابو عبداللہ تھی اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت جلال الدین لقب۔ شب برات ۱۴ شعبان ۷۰۷ھ (۸ فروری ۱۳۰۸ء) کو بمقام اونچ پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ شروع سے آخر تک تمام کتابیں اونچ ہی کے ایک عالم دین قاضی بہاء الدین اوچی سے پڑھیں۔ قاضی بہاء الدین کی وفات کے بعد شیخ رکن الدین کے پاس ملتان چلے گئے۔ وہاں شیخ موصوف کے حکم سے ان کے پوتے شیخ موسیٰ اور شیخ مجد الدین ملتانی کے سامنے زانوئے تلمذتہہ کیا اور ایک سال میں ان سے درسی کتابوں کی تکمیل کی۔ وہاں سے فارغ ہو کر واپس اونچ تشریف لے گئے۔ اونچ سے حریم شریفین کا عزم کیا۔ مدینہ منورہ میں دو سال شیخ عقیف الدین عبداللہ مطری کی صحبت میں رہے اور ان سے عوارف المعارف کا درس لیا۔ مدینہ منورہ سے مصر اور عراق کا سفر کیا اور وہاں کے کبار مشائخ سے مستفیض ہوئے اور خرقہ طریقت زیب تن فرمایا۔

① نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۲۴۲۔ بحوالہ جامع العلوم۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۲۶۲۔ بحوالہ سیر الاولیاء۔

علم و فضل میں درجہ اجتہاد اور مرتبہ امامت پر فائز تھے۔ محدث اور فقیہ تھے۔ اصول و فروع میں یکتاے زمانہ تھے۔ حنفی المسلك تھے اور فقہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مطابق فتوے دیتے تھے۔ عزیمت پر عمل کرتے تھے۔ جواز و رخصت کے قائل نہ تھے۔ اگرچہ حنفی تھے مگر بعض مسائل میں قول امام کے بجائے حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمل کرتے تھے۔ مثلاً امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اسی طرح غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیتے تھے۔

نہایت تیز ذہن، بہترین اخلاق کے مالک، عمدہ کردار کے حامل، فہیم و فریس، فطین و ذہین، خوش گفتار اور انشا پرداز تھے۔ عذوبت بیان، حلاوت منطق اور متانت و شرافت میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ علما و فضلا کی کثیر تعداد نے ان سے کسب فیض کیا۔ اس دور کے ہندوستان میں مسند مشیخت پر متمکن تھے۔ سلطان محمد شاہ تغلق ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ اس نے ان کو علاقہ سندھ کا شیخ الاسلام مقرر کر دیا تھا۔

سلطان فیروز شاہ تغلق نے ان کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ وہ کئی مرتبہ اس کے عہد میں دہلی گئے۔ اٹھتر برس (۷۸) کی عمر پا کر ۷۸۵ھ (۱۳۸۳ء) میں بمقام اونچ وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ①۔

## ۳۱۔ شیخ حسین بن محمد کرمانی

شیخ حسین بن محمد بن محمد حسینی کرمانی، شیخ قطب الدین دہلوی کے نام سے معروف تھے۔ صالح اور عالم شخص تھے۔ فضل و صلاح اور عبادت و زہد میں یگانہ روزگار تھے۔ مولانا فخر الدین زراوی سے علم ظاہری حاصل کیا اور شیخ نظام الدین اولیا سے طریقت و تصوف کی تعلیم پائی اور ابتداء حیات سے زمانہ کہولت تک ان کی مصاحبت میں رہے۔ ان کے شاگرد اور کاتب تھے۔ ۷۳۲ھ (۱۳۳۲ء) میں سلطان محمد شاہ تغلق کے حکم سے دہلی سے دیوگیر منتقل ہو گئے۔ وہاں سے پھر دہلی چلے گئے اور وہیں ۲۱ شعبان ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) کو مرض فالج سے انتقال کیا ②۔

## ۳۲۔ شیخ حسین بن عمر غیاث پوری

شیخ حسین بن عمر عرفی غیاث پوری ۶۶۸ھ (۱۲۷۰ء) کو غیاث پور میں پیدا ہوئے۔ صالح عالم دین تھے اور مشائخ چشتیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ علم طریقت شیخ نظام الدین اولیا رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا۔ پھر ۷۰۲ھ

① اخبار الاخیار، ص ۱۳۱، ۱۳۲۔ خطہ پاک اونچ، ص ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۳۸۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۲۸، ۳۵، بحوالہ جامع البیان، خزینۃ الاولیاء و تذکرۃ السادۃ البخاریہ از سید علی اصغر گجراتی۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۵، ۳۶۔ بحوالہ سیر الاولیاء۔

(۱۳۰۳ء) میں دہلی سے گجرات چلے گئے اور وہاں کے ایک شہر پٹن میں سکونت اختیار کر لی۔ علم فقہ میں کس درجہ مہارت رکھتے تھے اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ پر حاشیہ تحریر کیا۔ جمادی الاخریٰ ۷۹۸ھ (مارچ ۱۳۹۶ء) میں ایک سو تیس سال کی عمر پا کر انتقال کیا ❶۔

### ۳۳۔ مولانا حجت الدین ملتانی قدیم

مولانا حجت الدین ملتانی قدیم فقہ و اصول، علوم عربیہ اور علم نحو کے ماہر علما میں سے تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دہلی میں درس و افادہ عام میں مصروف تھے۔ علوم ظاہری کے علاوہ علوم باطنی سے بھی تعلق تھا اور اس ضمن میں شیخ نظام الدین اولیا کے مرید تھے۔ مشائخ چشتیہ کے ناموں سے متعلق عربی میں ایک منظوم کتاب لکھی ❷۔

### ۳۴۔ مولانا حسام الدین ابن شادی

شیخ حسام الدین ابن شادی عہد سلطان علاء الدین خلجی کے مشہور علما و اساتذہ میں سے تھے اور دہلی میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے ❸۔

### ۳۵۔ مولانا حسام الدین سرخ

سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں جن علمائے کرام نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی ان میں مولانا حسام الدین سرخ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہ دہلی میں مسند تدریس پر متمکن تھے۔ لاتعداد حضرات نے ان سے کسب علم کیا ❹۔

### ۳۶۔ مولانا حماد الدین کاشانی

شیخ حماد الدین بن عماد الدین کاشانی عالم و فقیہ تھے اور مشائخ چشتیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ علوم ظاہری انہوں نے شیخ زین الدین داؤد بن حسین شیرازی سے پڑھے اور طریقت کے لیے شیخ برہان الدین محمد بن ناصر ہانسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر پوری زندگی ان کی صحبت و ملازمت میں گزار دی۔ اپنی کتاب احسن

❶ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۶۵۔ بحوالہ مرآة احمدی و گلزار ابرار۔

❷ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۳۶

❸ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۳۶۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۳۶

❹ ایضاً۔ نزہۃ الخواطر ص ۳۷۔

الاقوال میں ان کے ملفوظات جمع کیے۔ اس کتاب کی تصنیف سے وہ ۳۸ھ (۱۳۳۸ء) میں فارغ ہوئے۔  
دولت آباد میں وفات پائی ①۔

### ۳۷۔ شیخ حمید الدین دہلوی

شیخ حمید الدین دہلوی عالم کبیر، فقیہ متدین، فاضل اجل اور محقق و مدقق تھے۔ علامہ ابن کمال نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ علم فقہ پر اس درجہ عبور تھا کہ ہدایہ کی شرح لکھی۔ ۶۲ھ (۱۳۶۳ء) میں فوت ہوئے۔  
”تاج عصر“ تاریخ وفات ہے ②۔

### ۳۸۔ مولانا حمید الدین بنیانی دہلوی

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں علمائے دین کی بہت بڑی جماعت دہلی میں مسانید درس پر فائز تھی اور کثیر تعداد میں دور دراز علاقوں سے آ کر لوگ ان کے علم و فضل کی فراوانیوں سے مستفیض ہوتے تھے۔ علمائے کرام کے اس خوش بخت گروہ میں مولانا حمید الدین بنیانی دہلوی کا نام نامی بھی تذکروں میں مرقوم ہے۔ یہ اپنے دور کے معروف عالم و فاضل شخص تھے ③۔

— د —

### ۳۹۔ شیخ دانیال بن حسن سترکھی

شیخ دانیال بن حسن بن فضل بن عبداللہ بن عباس بن یحییٰ بن فضل بن محمد بن فضل بن عبداللہ بن عباس عباسی علوی سترکھی۔ یہ علاقہ اودھ کے ایک شہر سترکھ میں پیدا ہوئے جو اعمال لکھنؤ میں واقع ہے اور وہیں پرورش پائی۔ وہاں سے بیانہ گئے۔ بیانہ میں قاضی عبداللہ بیانوی سے تحصیل علم کی اور ان کی دختر نیک اختر سے نکاح کیا۔ پھر عازم دہلی ہوئے اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے تعلیم طریقت حاصل کی۔ ایک عرصے تک ان کی صحبت و ملازمت میں رہے اور علم و معرفت سے بہرہ ور ہوئے۔ دہلی سے پھر بیانہ تشریف لے گئے اور بیوی کو ساتھ لے کر اپنے شہر سترکھ چلے گئے۔ نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے ساتھ ہی فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس ہمہ اوصاف عالم کی موت عجیب طرح واقع ہوئی۔ اہلیہ محترمہ کے ساتھ شہر سترکھ جا رہے تھے اور

① نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۳۷۔

② حدائق الحنفیہ، ص ۲۹۱۔

③ تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۳۵۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۳۷۔

اس کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے کہ راستے میں رہزنوں کے چنگل میں پھنس گئے اور انہوں نے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ حادثہ ۷۷۸ھ (۱۳۴۷ء) میں پیش آیا۔ وہاں سے جسد مبارک ستر کھہ منتقل کیا گیا اور وہیں مدفون ہوئے ①۔

## ۴۰۔ شیخ داؤد بن حسین شیرازی

شیخ داؤد بن حسین بن محمود بن محمد شیرازی۔ ان کا لقب زین الدین تھا۔ ۷۰۱ھ (۱۳۰۲ء) کو شیراز میں پیدا ہوئے اور صغریٰ ہی میں حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا سفر کیا اور حج و زیارت سے بہرہ مند ہوئے۔ پھر وارد ہند ہوئے۔ شیخ کمال الدین سامانوی سے لزوم و انسلاک اختیار کیا اور ان کے حلقہ تلمذ میں شامل ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور تحصیل علم میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں بلند درجے پر پہنچے۔ بعد ازاں اپنے شیخ کمال الدین کے ساتھ دولت آباد کا قصد فرمایا۔ وہاں سکونت پذیر ہوئے اور ایک مدت تک درس و تدریس اور افادہ عام میں مصروف رہے۔ نہایت نیک عارف باللہ اور عابد و زاہد تھے۔ صوفیا کے شدید مخالف تھے اور ان پر تنقید کرتے تھے۔ غنا اور وجد و سماع کو غلط قرار دیتے تھے اور شیخ برہان الدین محمد بن ناصر ہانسوی کو مطعون گردانتے تھے۔ صاحب نفائس الانفاس شیخ رکن الدین کا شانی ان کے خیالات سے باخبر تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ اپنے ہاں تشریف لانے کی دعوت دی۔ یہ ان کی مجلس میں گئے اور بعض نہایت دقیق علمی سوالات پیش کیے۔ شیخ برہان الدین ہانسوی بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ان سوالات کے تسلی بخش جوابات دیئے جن سے یہ نہ صرف مطمئن ہو گئے بلکہ اس درجہ متاثر ہوئے کہ ان کی بیعت کر لی۔ یہ ۷۳۶ھ (۱۳۳۶ء) کا واقعہ تھا۔ پھر کچھ عرصہ ان کی صحبت میں رہے اور ان پر معرفت و طریقت کے دروازے وا ہو گئے۔ شیخ بہاء الدین ہانسوی نے ۷۳۷ھ (۱۳۳۷ء) میں ان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ ان کے علم و فضل اور زہد و ورع سے بے شمار لوگ مستفید ہوئے۔ بروز اتوار ۲۵ ربیع الاول ۷۷۱ھ (۱۳۶۹ء) ستر سال کی عمر پا کر فوت ہوئے اور اپنے شیخ کی قبر کے قریب دفن کیے گئے ②۔

## ۴۱۔ قاضی رکن الدین کڑوی

قاضی رکن الدین بن نظام الدین بن قطب الدین حسنی کڑوی امام عصر اور حامل لوائے فقر تھے۔

① نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۴۲۔ بحوالہ بحر زار۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۴۲، ۴۳۔ بحوالہ روضۃ الاولیاء از سید غلام علی بلگرامی۔



ابھی کم عمر ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد کی وفات کے بعد اپنے جدا مجد شیخ قطب الدین کی گود میں تربیت پائی اور عم بزرگ و ایشیخ قوام الدین محمود دہلوی سے علم حاصل کیا۔ ان کے ایک اور عم محترم شیخ تاج الدین شہر کڑ کے قاضی تھے۔ جب انھیں کڑ کے محکمہ قضا سے علیحدہ کر کے بدایوں کے قاضی بنا کر بھیجا گیا تو ان کی جگہ سید رکن الدین کو قاضی کڑ مقرر کیا گیا۔ جلالت و وقار اور دبدبہ و وطنہ کے مالک تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سخت پابند تھے۔ ضیاء الدین برنی نے اپنی تصنیف تاریخ فیروز شاہی میں ان کی اور ان کے خاندان کے دیگر افراد کی بڑی تعریف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”ان سادات میں سے جن کے مبارک وجود سے اس علاقے کو عظمت و بزرگی حاصل ہوئی، سید تاج الدین پسر شیخ الاسلام سید قطب الدین تھے اور یہ سید تاج الدین بدایوں کے قاضیوں میں سے سید قطب الدین کے والد اور سید اعز الدین کے دادا تھے۔ برسوں اودھ کے قاضی رہے۔ سلطان علاء الدین نے ان کو اودھ سے علیحدہ کر کے بدایوں کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔ سید تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ والغفران ایک بزرگ سید تھے۔ ان سادات میں ہر ایک بزرگی، علم، بردباری، سخاوت اور دوسرے عمدہ اوصاف میں بے نظیر تھے۔

”سید تاج الدین مذکور کے بھتیجے سید رکن الدین شہر کڑ کے قاضی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے سید رکن الدین کو مجموعہ فضائل پیدا کیا تھا۔ تاریخ فیروز شاہی کے مؤلف کو سید تاج الدین اور سید رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے اور شرائط قدم بوسی بجالانے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ میں نے ان بزرگ و ارسادات جیسے اوصاف حمیدہ اور ان جیسی خدا کی دی ہوئی جلالت و عظمت بہت کم دیکھی ہے۔“

ان کی تاریخ ولادت و وفات کا علم نہیں ہو سکا۔ صرف اتنا پتا چلا ہے کہ یہ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے قاضی اور صاحب افتاء عالم و فقیہ تھے ①۔

## ۴۲۔ قاضی رکن الدین کاشانی ملتانی

آٹھویں صدی ہجری کے ایک مشہور عالم و فقیہ قاضی رکن الدین بن جلال الدین بن قطب الدین کاشانی ملتانی تھے۔ اکابر فقہاء میں سے تھے۔ شہر کونل (موجودہ علی گڑھ) کے محکمہ قضا پر متعین تھے۔ ان کے بعد یہ عہدہ جلیلہ حکومت اسلامی کے اختتام تک بہ صورت وراثت ان کی اولاد میں ایک کے بعد دوسرے بزرگ کو منتقل ہوتا رہا ②۔

① تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۳۲۸ و ۳۲۹۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۳، ۴۴۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۴۳۔ بحوالہ اخبار الجمال۔

## ۴۳۔ مولانا رکن الدین سنائی

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں شیخ رکن الدین سنائی کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ یہ صاحب علم و فضل بزرگ، فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ ہمیشہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ان کی تدریسی مساعی سے دیار ہند اور دیگر ممالک کے بے شمار حضرات نے استفادہ کیا ①۔

## ۴۴۔ مولانا رکن الدین اندرپتی

شیخ رکن الدین اندرپتی آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستان کے مشہور اور نامور علما میں سے تھے۔ علم و فضل میں یکتا تھے اور علوم عربیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ شیخ فخر الدین زراری کے شاگرد تھے۔ خود ان سے شیخ محمد بن مبارک حسین کرمانی، شیخ سراج الدین عثمان اودھی اور خلق کثیر نے علم حاصل کیا ②۔

## ۴۵۔ شیخ رکن الدین ملتانی ظفر آبادی

شیخ رکن الدین بن ابوالفتح صدر الدین ملتانی ثم ظفر آبادی، فقہ و اصول اور تصوف و طریقت کے نامور و ممتاز علما میں سے تھے۔ بہت نیک اور پرہیزگار عالم دین تھے۔ جزئیات مسائل پر بدرجہ غایت استحضار تھا۔ حقائق توحید و معرفت بیان کرنے میں ان کو بڑا ملکہ حاصل تھا۔ عرصے تک درس و افادہ عام میں مصروف رہے۔ پھر یہ سلسلہ ترک کر دیا اور اپنے والد مکرم شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے طریقہ سہروردیہ کے مطابق بیعت ہو کر تصوف و طریقت کی راہوں پر گام فرسا ہوئے اور طویل مدت تک اپنے والد کی صحبت و ملازمت میں رہے یہاں تک کہ معارف الہیہ میں بہرہ وافر حاصل کیا اور اپنے والد کے بعد مسند مشیخت پر متمکن ہوئے۔ بعد ازاں خود ان سے ان کے لڑکے شیخ شمس الدین نے اخذ فیض کیا۔ ۹ محرم ۷۹۶ھ (۱۵ نومبر ۱۳۹۳ء) کو وفات پائی ③۔

## ۴۶۔ مولانا رکن الدین بدایونی

شیخ رکن الدین بدایونی، علم و فضل میں درجہ اجتہاد اور مرتبہ امامت پر فائز تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں درک رکھتے تھے۔ علم فقہ، شیخ ابوالقاسم تنوخی سے حاصل کیا اور شیخ ابوالقاسم تنوخی نے یہ علم حمید الدین

① تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۲۵۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۲۵۔ بحوالہ سیر الاولیاء۔

③ اخبار الاخیار، ص ۶۳، ۶۴۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۲۵۔

ضریر سے انھوں نے کردی سے اور کردی نے صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی سے حاصل کیا۔ خود شیخ رکن الدین سے اپنے وقت کے معروف علمائے دین نے اخذ فیض اور کسب علم کیا، جن میں شیخ سراج الدین ابو حفص عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی کا اسم گرامی بھی شامل ہے ❶۔

ان کی تاریخ ولادت و وفات کا علم نہیں ہو سکا۔ صرف اس قدر معلوم ہو سکا ہے کہ یہ ہندوستان کے آٹھویں صدی ہجری کے بلند مرتبہ فقہائے کرام میں سے تھے۔

— ز —

## ۴۷۔ مولانا زین الدین دیوی

شیخ زین الدین دیوی حدیث و فقہ کے نامور علمائے ہند میں سے تھے۔ انھوں نے شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری کی خدمت میں حدیث کی معروف کتاب صحیح مسلم بطور تحفہ پیش کی تھی اور ان سے شہر بہار میں ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا ❷۔

## ۴۸۔ شیخ زین الدین اودھی

شیخ زین الدین بن عبدالرحمن کابلی دہلوی ثم اودھی سرزمین اودھ میں پیدا ہوئے اور کم عمری ہی میں حصول علم میں مصروف ہو گئے اور اپنے عصر کے ممتاز اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے بھانجے ہوتے تھے۔ ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد طریقت و تصوف کے لیے ان ہی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مشہور عالم دین اور فقیہ تھے۔ شہر ایٹھی میں ان کے اخلاف میں سے بے شمار حضرات موجود ہیں ❸۔

## ۴۹۔ قاضی زین الدین ناقلہ دہلوی

قاضی زین الدین ناقلہ دہلوی عہد علماء الدین خلجی میں دارالملک دہلی کے مشہور اساتذہ علوم میں سے تھے۔ حنفی المسلك تھے اور مختلف علوم میں مرتبہ بلند پر فائز تھے ❹۔

❶ الفوائد البیہ فی تراجم الحنفیہ، ص ۲۸ (طبع مصر)۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۴۵، ۴۶۔

❷ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۴۶۔ بحوالہ سیرت الشرف۔

❸ نزہۃ الخواطر ج ۲، صفحہ ۴۶۔ بحوالہ بحر زار۔

❹ تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۳۵۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۴۷۔

## ۵۰۔ قاضی زین الدین مبارک گوالیاری

قاضی زین الدین مبارک گوالیاری اپنے وقت کے اونچے درجے کے فقیہ اور عالم دین تھے۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے عہد میں گوالیار کے منصب قضا پر فائز تھے ①۔

—س—

## ۵۱۔ مولانا سراج الدین ثقفی دہلوی

شیخ سراج الدین ثقفی بہت بڑے عالم اور ہندوستان کے مشہور فقہاء میں سے تھے۔ فقہ اصول اور علوم عربیہ میں دسترس رکھتے تھے۔ شیخ ابو القاسم تنوخی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے حمید الدین ضریر سے انھوں نے کردی سے اور کردی نے صاحب ہدایہ سے تحصیل علم فقہ کی اور خود مولانا سراج الدین ثقفی دہلوی کے سامنے شیخ سراج الدین ابو حفص عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی نے حصول علم کے لیے زانوئے تلمذ تہہ کیا ②۔

## ۵۲۔ شیخ سعید الدین قندھاری

شیخ سعید الدین کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ سعید الدین بن نجم الدین ابراہیم بن محمد بن عبد السمیع بن شمسان بن علی سکران بن سید احمد کبیر قطب رفاعی قندھاری۔ یہ جلیل القدر عالم و فقیہ اور زاہد و متقی بزرگ تھے۔ فضل و صلاح میں یگانہ روزگار تھے۔ اپنے والد سے تحصیل علم کی۔ ہندوستان آئے اور قندھار میں سکونت اختیار کی جو اعمال دکن میں علاقہ ناندیر میں ایک قریہ ہے وہیں ۱۷ رجب ۷۳۶ھ (یکم مارچ ۱۳۳۶ء) کو وفات پائی ③۔

## ۵۳۔ شیخ سلیمان بن زکریا ملتانی

شیخ سلیمان بن شیخ بہاء الدین زکریا قرشی ملتانی، امام علم الدین ملتانی کے لقب سے معروف تھے۔ ملتان میں پیدا ہوئے اور وہیں مہد علم و طریقت میں پرورش پائی۔ بڑے ہوئے تو مکہ مکرمہ مدینہ منورہ بیت المقدس بغداد اور عراق کے شہروں کا سفر کیا اور ان علاقوں کے علمائے دین کی بڑی جماعت سے تحصیل علم کی۔

① رحلۃ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۴۳ تا ۴۴۔

② تاریخ فیروز شاہی۔ برنی ص ۴۲۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۴۹۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۴۹۔ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

پھر ہندوستان واپس آ گئے اور سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں وارد دہلی ہوئے۔ سلطان نے ان کو اس نزاع و مناظرے کا حکم مقرر کیا تھا جو سماع کے سلسلے میں شیخ نظام الدین اولیا اور قاضی جلال الدین ولوالجی کے درمیان ہوا تھا۔ شیخ نے اس کی اباحت کا فیصلہ دیا تھا۔ اس مسئلے سے متعلق ان کا ایک مستقل رسالہ بھی ہے۔ فاضل اور عالم بزرگ تھے۔ حدیث، فقہ، اصول اور علوم عربیہ میں عمیق نگاہ رکھتے تھے ①۔

## ۵۴۔ قاضی سماء الدین بجنوری

شیخ سماء الدین بن فخر الدین بن رکن الدین صدیقی بجنوری ہندوستان کے شہر بجنور میں پیدا ہوئے اور علوم و مشیخت کی گود میں تربیت کی منزلیں طے کیں۔ شیخ زین الدین سے جو شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے بھانجے ہوتے تھے، اخذ فیض کیا۔ پھر عازم حجاز ہوئے اور حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔ شیخ قطب الدین بکی اور شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری اوچی سے خرقة طریقت زیب تن کیا۔ تصوف و طریقت کی ساتھ ساتھ علم فقہ میں بھی عبور رکھتے تھے۔ صاحب وجد و حال صوفی تھے۔ سماع کے قائل تھے۔ لکھنؤ کی ایک مجلس سماع میں بیٹھے تھے کہ غشی طاری ہوئی اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ یہ ۲۲ ربیع الاول ۷۷۶ھ (۳۱ اگست ۱۳۷۴ء) کا واقعہ ہے۔ قبر لکھنؤ میں ہے ②۔

## ۵۵۔ قاضی سماء الدین دہلوی

قاضی سماء الدین دہلوی حنفی المسلمک تھے۔ ان کا شمار اپنے دور کے مشہور علما و فقہاء کی جماعت میں ہوتا تھا۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں دہلی کی مسند قضا پر متعین تھے ③۔

ش

## ۵۶۔ قاضی شرف الدین دہلوی

قاضی شرف الدین سریا ہی دہلوی، عہد علاء الدین خلجی کے مشہور علما میں سے تھے۔ فقہ، اصول اور علوم عربیہ کے ممتاز عالم تھے۔ دہلی میں مسند تدریس پر متمکن تھے۔ ان سے بے شمار حضرات نے اخذ علم کیا ④۔

① نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۵۰۔ بحوالہ سیر الاولیاء خزینۃ الفوائد

② نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۵۰۔ بحوالہ تذکرۃ الاصفیاء۔

③ الفوائد البہیہ فی تراجم الخفیہ، ص ۱۳۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۴۹۔

④ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرۃ علمائے ہند، ص ۲۶۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۵۲۔

## ۵۷۔ مولانا شمس الدین باخرزی

شیخ شمس الدین باخرزی، عہد فیروز شاہ تغلق اور اس سے قبل کے علماء و فضلاء میں سے تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں ید طولی رکھتے تھے۔ دارالملک دہلی کی بساط تدریس پر فائز تھے۔ ان سے متعدد لوگوں نے کسب علم کیا ①۔

## ۵۸۔ مولانا شمس الدین ترک

سلطان علاء الدین خلجی کے دور حکومت میں ایک مشہور مصری محدث مولانا شمس الدین ترک مصر سے ہندوستان تشریف لائے۔ وہ حدیث کی چار سو کتابیں اپنے ساتھ لائے تھے۔ ملتان آئے تو معلوم ہوا کہ سلطان نہ نماز پڑھتا ہے اور نہ جمعے کے لیے مسجد میں جاتا ہے۔ وہ محدث اور نہایت متدین اور متقی تھے۔ انھوں نے سلطان کے متعلق یہ سنا تو دہلی جانے کا ارادہ ترک کر دیا، ملتان سے آگے نہ بڑھے۔ وہیں شیخ الاسلام صدر الدین کے بیٹے شیخ فضل اللہ کے پاس مقیم ہو گئے۔ وہاں انھوں نے حدیث کی ایک کتاب کی شرح لکھی اور بقول برنی ”در مدح سلطان مبالغت نمود“ ② (سلطان کی مدح و تعریف میں بہت مبالغہ آمیزی سے کام لیا)۔ اس کے علاوہ انھوں نے فارسی میں ایک رسالہ سلطان کے لیے تحریر کیا جس میں یہ لکھا کہ میں مصر سے بادشاہ سے ملنے اور شہر دہلی میں قیام کرنے کی غرض سے آیا تھا۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ خدا اور رسول کے احکام کی ترویج و اشاعت کے لیے دہلی میں علم حدیث کا درس جاری کروں اور مسلمانوں کو بددیانت فقیہوں کی روایت پر عمل کرنے سے نجات دلاؤں۔

من از مصر خدمت پادشاہ شہر دہلی کردہ بودم و تا ز برائے خدا تعالیٰ و مصطفیٰ راشدہ علم حدیث در دہلی ثابت کنم و مسلمانان را از عمل کردن روایت دانشمندان بے دیانت برہانم ③۔

لیکن جب میں نے سنا کہ بادشاہ نماز نہیں پڑھتا اور جمعے میں نہیں جاتا تو اب میں ملتان ہی سے واپس جا رہا ہوں۔

اس رسالے میں مولانا شمس الدین ترک نے لکھا تھا کہ میں نے بادشاہ کی چند صفات ایسی سنی ہیں جو ”باشاہان دین دار“ کی خصوصیات ہیں اور کچھ باتیں وہ سنی ہیں جن کی ”شاہان دین دار“ سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ بادشاہ کی بہتر صفات ان کے نزدیک یہ ہیں۔

① ”خواری وزاری ولا اعتباری و بے مقداری ہندواں۔“

① تاریخ فرشتہ (اردو ترجمہ) ج ۱ ص ۳۲۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۷۔ زہدۃ الخواطر ج ۲ ص ۵۴۔

② تاریخ فیروز شاہی ص ۲۹۷۔

③ تاریخ فیروز شاہی ص ۲۹۷۔

یعنی وہ ہندوؤں کو خوار و بے حیثیت اور ذلیل و بے وقعت کر کے رکھتا ہے۔  
اس صفت پر اس کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

”آفریں اے بادشاہ اسلام! برائے دین پناہی محمد ﷺ۔“

اے بادشاہ اسلام محمد ﷺ کے دین کے اس تحفظ پر شاباش!

شنیدہ ام کہ غلہ و اقمشہ و اسباب چناں ارزاں کردہ کہ سرسوز نے براں زیادت تصور نداد۔  
میں نے سنا ہے کہ اناج اور کپڑے اور دوسری چیزیں آپ نے اتنی ارزاں کر دی ہیں کہ سوئی کے  
ناکے کے برابر بھی اب ان کی قیمتیں بڑھانے کا تصور نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ کام اس درجہ سخت اور محنت طلب تھا کہ بہت سے بادشاہ از حد کوشش کے  
باوجود اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مسرت آمیز تعجب ہے کہ آپ نے یہ اہم کام کر دکھایا۔

شنیدہ ام کہ جملہ مسکرات را پادشاہ بر انداختہ و فسق و فجور در کام فاسقاں و فاجراں از زہر تلخ تر شدہ۔  
سنا ہے کہ بادشاہ نے تمام نشہ آور چیزوں کو (ملک سے) نکال باہر پھینکا ہے اور فسق و فجور  
فاسق لوگوں کے کام و دہن میں زہر سے بھی کڑوا ہو گیا ہے۔

اس پر بادشاہ کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں۔

شنیدہ ام کہ بازاریان اہل السوق را کہ اہل اللغت اندر سوراخ موش در آورده۔

سنا ہے کہ بد کردار تاجروں کو آپ نے چوہوں کے بلوں میں گھسا دیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی لکھتے ہیں۔

اب تاجروں میں ”تعمیہ“ (ذومعنی الفاظ استعمال کرنا یا خفیہ اشارات سے اپنا مطلب ظاہر

کرنا) ”تلیجیہ“ (بات کی غلط تاویل کرنا اور جھوٹ بولنا) قطعی طور پر ختم ہو گیا ہے۔ اس

بات کو کم اہم نہ سمجھو اس لیے کہ تاجروں کے معاملے میں جو کامیابی آپ کو نصیب ہوئی

ہے وہ آج تک کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ اے بادشاہ مبارک ہو۔ ان چار خوبیوں

اور کارناموں کی وجہ سے تیری جگہ انبیاء علیہم السلام میں ہے۔

اے بادشاہ مبارکت باد کہ بدیں چہار عمل در میان انبیاء جائے تست۔

آگے لکھتے ہیں۔

اب وہ باتیں سنو جو میرے علم میں اس نوعیت کی آئی ہیں کہ جن کو نہ خدا پسند کرتا ہے نہ

انبیاء نہ اولیا اور نہ کوئی موحد۔

تم نے عہدہ قضا، حمید ملتانی کے سپرد کر رکھا ہے جو دنیا دار آدمی ہے اور وہ شخص ہے کہ جس کے باپ

دادا نے بھی سود کے سوا کبھی کچھ نہیں کھایا۔ تو قاضی کے دین کے بارے میں بھی احتیاط سے کام نہیں لیتا اور احکام شرع سے تعلق رکھنے والے معاملات تم نے حریصوں، لالچیوں اور دنیا داروں کے حوالے کر دیے ہیں۔ اللہ اللہ! تو خدا کا خوف کر۔ قیامت کے دن تجھ میں اس گناہ کا خمیازہ بھگتنے کی ہرگز طاقت نہ ہوگی۔ یاد رکھ، قضا کی ذمہ داری ”نازک ترین اشغال دین“ میں سے ہے۔

میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں احادیثِ مصطفیٰ ﷺ کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور فقہیوں کی روایت پر عمل کی دیواریں استوار کی جاتی ہیں۔ تعجب ہے کہ جس شہر میں لوگ حدیث کی موجودگی میں فقہ کی روایت پر عمل کریں، وہ شہر تباہ کیوں نہیں ہو جاتا اور اس پر آسمانی مصائب کیوں نہیں ٹوٹنے لگتے۔

میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں ”دانشمند بد بخت سیاہ رو“ مسجدوں میں بیٹھے ہیں اور رشوت لے کر فتوے دیتے ہیں اور ان کی بددیانتی کی خبریں قاضی کی وجہ سے تم تک نہیں پہنچتیں۔

قاضی ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب اور رسالہ دونوں اس ترکِ محدث سے بہاء الدین دبیر کے پاس پہنچے۔ اس نے کتاب تو سلطان کی خدمت میں پیش کر دی لیکن رسالہ اس کو نہیں پہنچایا اور قاضی حمید الدین ملتانی کے ڈر سے اس کو چھپا لیا۔ سعد منطقی نے سلطان کو اس رسالے کی اطلاع دی تو وہ بہاء الدین دبیر پر بے حد خفا ہوا اور مولانا شمس الدین ترک کے واپس تشریف لے جانے پر سخت افسوس کا اظہار کیا ①۔

مولانا شمس الدین ترک کی جرات دلیری، حق گوئی اور صاف بیانی کا اندازہ کیجیے کہ وہ دور ملوکیت میں مطلق العنان بادشاہ کو کس طرز بے باکانہ سے خطاب کرتے ہیں۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ وہ یہاں کے مقامی عالم نہیں ہیں، دوسرے ملک کے رہنے والے ہیں اور وہاں سے آ کر بادشاہ کو ڈانٹ پلاتے ہیں۔

اس گفتگو میں ان کی بعض باتیں اس امر کی غماز ہیں کہ وہ ہندوستان کے مخصوص حالات سے واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ ہندوؤں کے بارے میں انہوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اور ان کی تذلیل و توہین کے بارے میں جو الفاظ تحریر کیے ہیں وہ خصوصیت سے قابل غور ہیں۔ بہر حال اس کے باوصف ان کے ایک ایک لفظ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ نہایت جری اور صادق القول عالم دین تھے۔

## ۵۹۔ مولانا شمس الدین گازی رونی

مولانا شمس الدین گازی رونی بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ عہدِ علاء الدین خلجی میں دارالسلطنت دہلی کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ دہلی کی مسند تدریس پر متمکن تھے۔ ان سے علما کی بہت بڑی تعداد نے تحصیل کی ②۔

① تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۲۹۷ تا ۲۹۹۔

② تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۵۴۔



## ۶۰۔ مولانا شمس الدین دمشقی

شیخ شمس الدین دمشقی ظاہری علوم کے بھی فاضل تھے اور باطنی علوم میں بھی مرد کامل تھے۔ فقہ و اصول میں مہارت رکھتے تھے۔ تصوف و طریقت میں شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری کے فیض یافتہ تھے۔ شہر بہار میں فروکش تھے۔ عرصے تک وہاں کے منصب قضا پر متعین رہے ①۔

## ۶۱۔ مولانا شمس الدین تمر دہلوی

مولانا شمس الدین تمر دہلوی ایک فاضل آدمی تھے اور عہد علماء الدین خلجی کے مشاہیر و اکابر میں سے تھے۔ دہلی میں تدریس و تعلیم کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا ②۔

## ۶۲۔ مولانا شمس الدین دھارا سیونی

شیخ شمس الدین بن عبدالرحمان خراسانی ہندی دھارا سیونی خراسان کے ایک گاؤں ددتمون میں پیدا ہوئے۔ اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچے تو والد مکرم وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد علاقہ خراسان سے نکلے اور ہندوستان آ گئے۔ مدت تک سلسلہ ملازمت میں منسلک رہے۔ پھر دہلی میں شیخ نظام الدین اولیا سے ربط و تعلق پیدا ہو گیا۔ ان سے خوب استفادہ کیا۔ دہلی سے عازم حجاز ہوئے اور حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔ وہاں سے مراجعت فرمائے ہند ہوئے اور ایک مقام پر جس کا نام دھارا تھا سکونت اختیار کر لی دھارا علاقہ مالوہ کا ایک بڑا شہر ہے اور دھارا سیون بلا دکن میں واقع ہے۔ ”مہر جہاں تاب“ میں ان کا مقام سکونت دھارا سیون تحریر کیا گیا ہے اور ”اخبار الاخیار“ میں انھیں دھاری لکھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا وطن دھارا تھا۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان کا شہر دھارا سیون تھا۔ نامور عالم اور فقیہ تھے۔ ۷۳۰ھ (۱۳۳۰ء) میں فوت ہوئے۔ قبر دھارا سیون میں ہے ③۔

## ۶۳۔ مولانا شہاب الدین خلیل دہلوی

مولانا شہاب الدین خلیل دہلوی نہایت صالح عالم دین تھے اور واعظین علم و معرفت میں سے تھے۔ ان کا شمار عہد علماء الدین خلجی کے ابتدائی دس سالوں کے مشہور واعظین و ناصحین میں ہوتا ہے۔ اپنے وعظوں

① نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۵۴۔ بحوالہ سیرت الشرف۔

② تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۵۵۔

③ اخبار الاخیار ص ۱۱۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۵۶۔

میں خوف و خشیت الہی پر خاص طور سے زور دیتے۔ بہترین اشعار پڑھتے۔ خود رو تے اور سامعین کو رولاتے۔ وعظوں میں زیادہ تر قرآن مجید کی مختلف آیات کی تفسیر بیان کرتے۔ موعظت آموز واقعات اور سلوک و تصوف کی حکایات سناتے اور علمائے ربانیین کی باتیں لوگوں کے ذہن نشین کراتے۔ وہ صحیح اور سچے واقعات بیان کرنے والے واعظ تھے۔ ان کے وعظوں میں لوگوں کا بہت بڑا مجمع ہوتا اور ان کی تقریریں کر سامعین پر رقت طاری ہو جاتی ①۔

## ۶۴۔ شیخ شہاب الدین صوفی دہلوی

شیخ شہاب الدین صوفی دہلوی عالم و فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔ ساتھ ہی تصوف و طریقت سے بھی لگاؤ تھا اور مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ طریقت کے لیے شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شیخ کی زندگی تک ان کی صحبت و ملازمت اختیار کیے رکھی۔ ان میں بڑی خوبی یہ تھی کہ قرأت و تجوید کے ماہر تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت اس درجہ عمدگی سے کرتے کہ ایک ایک لفظ لوگوں کے دلوں میں اترتا جاتا۔ ان کی اسی خصوصیت کی وجہ سے شیخ نظام الدین اولیا نے ان کو اپنا امام نماز مقرر کیا تھا۔ شیخ نظام الدین کی وفات کے بعد یہ دولت آباد چلے گئے۔ وہاں بہت مدت تک قیام پذیر رہے۔ اس اثنا میں ان سے خلق کثیر نے استفادہ کیا۔ اس طویل فہرست میں ان کے بیٹے رکن الدین بھی شامل ہیں۔

دولت آباد سے واپس دہلی تشریف لے گئے اور وہیں فوت ہوئے ②۔

## ۶۵۔ مولانا شہاب الدین ملتانی

علامہ شہاب الدین ملتانی، حنفی المسلک تھے اور فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہرین میں سے تھے۔ ان کا شمار علماء الدینِ خلیجی کے ان کبار اور مشہور اساتذہ میں ہوتا ہے جن کا اوڑھنا بچھونا ہی دارالملک دہلی میں درس و تدریس تھا۔ ان کے چشمہ علم سے علماء و طلبا کی بہت بڑی تعداد نے سیرابی ذہن و فکر کا سامان فراہم کیا۔ جب سلطان غیاث الدین تغلق نے سماع کے سلسلے میں شیخ نظام الدین اولیا کو بحث و مناظرے کے لیے اپنے دربار میں طلب کیا اور اس مسئلے سے متعلق مباحثے کی غرض سے صدور اور قضاة و فقہا کی ایک جماعت سلطان کے دربار میں پہنچی تو ان میں شیخ شہاب الدین ملتانی بھی شامل تھے لیکن دوسرے علما کی طرح انھوں نے شیخ نظام الدین سے کسی قسم کا مجاولہ و محاصمہ نہیں کیا۔ بحث ختم ہونے تک چپ چاپ مجلس میں بیٹھے اور لوگوں کی باتیں سنتے رہے ③۔

① تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۵۹۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۵۹۔ بحوالہ سیر الاولیا۔

③ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۶۰، ۵۹۔

## ۶۶۔ شیخ شہاب الدین زاہدی میرٹھی

شیخ شہاب الدین بن فخر الدین زاہدی میرٹھی ”حق گو“ کے عرف سے معروف تھے اور سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد کے عالم دین تھے۔ جہاں یہ چوٹی کے عالم و فقیہ تھے وہاں ان کا شمار اپنے دور کے کبار مشائخ کی جماعت میں بھی ہوتا تھا۔ علم طریقت اپنے والد ماجد شیخ فخر الدین میرٹھی سے حاصل کیا تھا اور ایک عرصے تک ان کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ بعد ازاں دہلی چلے گئے تھے۔

محمد بن حسن مندوی نے گلزار ابرار میں ان سے متعلق ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں سلطان محمد شاہ تغلق نے ان سے ایک دن کہا کہ جس طرح سلسلہ ولایت منقطع نہیں ہوا، اسی طرح سلسلہ نبوت میں بھی کسی نوع کا انقطاع نہیں واقع ہوا۔ یہ دونوں سلسلے باقاعدہ جاری ہیں۔ بادشاہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر شیخ شہاب الدین زاہدی غصے میں آگئے اور اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے۔ عالم غیظ و غضب میں پاؤں سے جوتی اتاری اور بادشاہ کے سینے پر دے ماری۔ ظاہر ہے یہ بادشاہ کی سخت توہین تھی۔ وہ نہایت غضب ناک ہوا اور حکم دیا کہ ان کو قلعے کی دیوار سے نیچے خندق میں پھینک دیا جائے۔ بادشاہ کے حکم سے انھیں قلعے کی دیوار سے خندق میں پھینکا گیا، مگر مرے نہیں۔ دوسری مرتبہ پھر پھینکا گیا، لیکن اب بھی موت واقع نہ ہوئی تو تیسری مرتبہ پھینکا گیا اور زندگی ختم ہوگی ①۔

— ص —

## ۶۷۔ شیخ صدر الدین کہرانی دہلوی

شیخ صدر الدین کہرانی دہلوی، عابد اور صالح بزرگ تھے۔ ابن بطوطہ نے ان سے بھکر میں ملاقات کی۔ وہ ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

ومنہم الشیخ الصالح العابد صدر الدین الکھرانی کان یصوم  
الدھر و یقوم اللیل و تجرد عن الدنیا جمیعا و نبذھا و لباسه عبائۃ  
ویزوره السلطان و اهل البدولۃ و ربما احتجب عنہم فرغب  
السلطان منہ ان یقطعه قری یطعم منہا الفقراء و الوار دین فابی  
ذلک وزاره یوما فاتی الیہ بعشرۃ الاف دنیار فلم یقبلھا ②۔

① گلزار ابرار۔ از محمد بن حسن مندوی۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۶۱۔

② رحلۃ ابن بطوطہ ج ۲، ص ۲۹۔

یعنی (دہلی میں جن بزرگان دین اور علمائے کرام سے) میں ملا ان میں ایک عالم شیخ صدر الدین کہرانی ہیں جو صائم الدہر اور قائم اللیل ہیں۔ انھوں نے دنیا کو ترک کر دیا ہے اور اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ ان کا لباس صرف ایک کمبل ہے۔ بادشاہ اور ارکان حکومت ان کی زیارت کو آتے ہیں مگر وہ ان سے چھپتے ہیں۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے ان سے لنگر خانے کے فقیروں اور مسافروں کے اخراجات کے لیے کچھ دیہات قبول کرنے کی درخواست کی، لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ ایک دن بادشاہ زیارت کی غرض سے آیا اور دس ہزار دینار پیش کیے مگر شیخ نے قبول نہ کیے۔

## ۶۸۔ شیخ صدر الدین بھکری

شیخ صدر الدین بھکری سندھی، علم فقہ میں درجہ امامت پر فائز تھے۔ ۷۳۲ھ (۱۳۳۲ء) میں بھکر میں فوت ہوئے۔ ابن بطوطہ اپنی سیاحت ہند کے دوران بھکر آیا تو ان سے اس کی ملاقات ہوئی تھی، جس کا اس نے اپنے سفر نامہ میں ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

ولقیت بھذہ المدینۃ الفقیہ الامام صدر الدین الحنفی ①۔  
یعنی میں اس شہر (بھکر) میں امام صدر الدین فقیہ حنفی سے ملا۔

## ۶۹۔ مولانا صدر الدین تاری

شیخ صدر الدین تاری اپنے علم و فضل کی وجہ سے مسند مشیخت پر فائز تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہرین میں گردانے جاتے تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دارالحکومت دہلی میں بساط تدریس پر متمکن تھے۔ ان سے بے شمار اہل علم نے استفادہ کیا اور علوم میں مہارت پیدا کی ②۔

## ۷۰۔ مولانا صدر الدین گندھک

عہد علاء الدین خلجی کے مشہور علما میں سے مولانا صدر الدین گندھک کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ دہلی میں مسند تدریس پر فائز تھے اور ان کا شمار اس دور کے کبار اساتذہ کی جماعت میں ہوتا تھا۔ ان سے جن حضرات نے استفادہ کیا، ان کی فہرست بہت طویل ہے ③۔

① رحلتہ ابن بطوطہ، ج ۲ ص ۱۰۔

② تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۶۳

③ حوالہ مذکور

## ض

## ۱۔ قاضی ضیاء الدین برنی

قاضی ضیاء الدین برنی کا سلسلہ نسب یہ ہے: ضیاء الدین بن موید الملک بن بارسگ برلاس برنی، علم و فضل کی تمام شاخوں پر عبور رکھتے تھے اور مشاہیر علماء و فضلاء میں سے تھے۔ حدیث، فقہ، تاریخ اور شعر و شاعری پر دست رس تھی اور سیاست ملکی کے خصوصیت سے ماہر تھے۔ وسعت مطالعہ، انشا پر دازی اور ادبیت میں اس دور کا کوئی شخص ان کا حریف نہ تھا۔ امیر خسرو، امیر حسن اور قاضی ضیاء الدین برنی کے درمیان گہری محبت اور بے پناہ دوستی تھی۔ یہ تینوں دوست روزانہ جمع ہوتے اور کسی مصرع طرح پر شعر و شاعری کرتے۔ ان میں قاضی ضیاء الدین برنی وہ شخص تھے جن کو شعر و شاعری کے علاوہ اخبار و آثار اور گزشتہ تاریخی واقعات بھی از بر تھے اور وہ تاریخی واقعات بڑے شوق سے بیان کرتے اور مسلسل بیان کرتے جاتے۔ اس کے علاوہ فہم، سخی، عقیف، پرہیزگار، امین، بلند سیرت، خوش اخلاق، الفاظ و محاورات کے استعمال میں بے نظیر اور عذوبت لسان کے مالک تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا کے مریدین میں سے تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے جن میں تاریخ فیروز شاہی ایک مستند اور اپنے موضوع کی مکمل کتاب ہے۔ یہ کتاب سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سے لے کر فیروز شاہ تغلق کے زمانے تک آٹھ بادشاہوں کے کوائف و حالات پر محیط ہے، جن کی مدت حکومت (۱۲۶۶ء سے ۱۳۵۸ء تک) پچانوے سال بنتی ہے۔ اپنے موضوع میں یہ عدیم المثال کتاب ہے اور ان شاہان ہند کے حالات میں قابل اعتماد ماخذ ہے۔ اس میں سلاطین ہند کے سوانح حیات کے علاوہ ان میں سے ہر ایک کے دور کے علماء و فضلاء، محدثین و فقہاء، مشائخ و مفسرین، واعظین و مقررین، مجازیب و صوفیاء، قضات و مصنفین، مبلغین و مدرسین، شعرا و ادباء، اساتذہ و تلامذہ، مرشدین و مریدین سب کے حالات ضروری تفصیل اور مناسب انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی تالیف سے وہ ۷۵۸ھ (۱۳۵۷ء) میں فارغ ہوئے۔ برنی کی اس کتاب کے حوالے ہم نے مختلف مقامات پر دیے ہیں جو قارئین کے مطالعہ میں آئے۔

شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ضیاء الدین تین ہیں۔ ایک ضیاء الدین سنائی، جو منکر شیخ ہیں۔ دوسرے ضیاء الدین برنی، جو معتقد و مرید شیخ ہیں، تیسرے ضیاء الدین نخشی، جو نہ منکر شیخ ہیں نہ معتقد شیخ <sup>①</sup>۔

## ۲۔ قاضی ضیاء الدین بیانوی

قاضی ضیاء الدین بیانوی، سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے مشہور قضات میں سے تھے۔ یہ پہلے

① اخبار الاخبار، ص ۱۰۳۔ تذکرہ علماء ہند، ص ۹۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۶۴۔

دہلی کے قاضی تھے پھر قاضی القضاات مقرر کیے گئے اور مدت تک اس عہدہ جلیلہ پر متعین رہے۔ یہ اگرچہ مختلف علوم سے آراستہ تھے، لیکن حشمت و دبدبہ سے محروم تھے ①۔

### ۷۳۔ قاضی ضیاء الدین سمنانی

قاضی ضیاء الدین سمنانی، سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد میں دہلی کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کو بادشاہ نے شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد جام خراسانی کی داڑھی نوچنے کا حکم دیا تھا اور انھوں نے اس حرکت مذمومہ کے ارتکاب سے انکار کر دیا تھا۔

یہ سارا واقعہ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں درج کیا ہے، جی چاہتا ہے اسی کے الفاظ میں یہ واقعہ یہاں بھی نقل کر دیا جائے۔

وكان الشيخ شهاب الدين ابن شيخ الجام الخراساني الذي تنسب مدينة الجام بخراسان الى جده علي ما قصصنا ذلك من كبار المشائخ الصلحاء الفضلاء و كان يواصل اربعة عشر يوما و كان السلطانان قطب الدين و تغلق يعظمانه و يزورانہ و يتبركان به، فلما ولي السلطان محمد اراد ان يخدم الشيخ في بعض خدمته فان عاداته ان يخدم الفقهاء و المشائخ و الصلحاء، محتجا ان الصدر الاول رضی اللہ عنہم لم يكونوا يستعملون الا اهل العلم و الصلاح فامتنع الشيخ شهاب الدين من الخدمة، و شافهہ السلطان بذلك في مجلسه العام، فاطهر الاباية و الامتناع، فغضب السلطان من ذلك، و امر الشيخ الفقيه المغمم ضياء الدين السمنانی ان ينتف لحيته۔ فابى ضياء الدين ذلك و قال لا افعل فامر السلطان ان ينتف لحية كل واحد منهما، فتنفت و نفى ضياء الدين الى بلاد التلنك ثم و لاه بعدملة قضاء و رنگل، فمات بها، و نفى شهاب الدين الى دولت آباد فاقام بها سبعة اعوام، ثم ارسل اليه و اكرمه و عظمه و امر الامراء ان ياتوا للسلام عليه و يمثلوا اقواله و لم يكن احد في دار السلطان فوقه ②۔

اب ان الفاظ کا ترجمہ پڑھیے:

① تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۳۵۱، ۲۸۹۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۶۵۔

② رحلتہ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۸۷، ۸۶۔

شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد جام خراسانی، خراسان کے ایک شہر جام کے باشندے تھے۔ یہ وہ شہر ہے جو ان کے دادا جام کی طرف منسوب ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، شیخ شہاب الدین کبار مشائخ اور صلحا و فضلا میں سے تھے۔ (مہینے میں) چودہ دن روزہ رکھتے تھے۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ اور سلطان غیاث الدین تغلق ان کی تعظیم کرتے، ان کی زیارت کو جاتے اور ان سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ ہوا تو اس نے شیخ سے اپنی کچھ ذاتی خدمات لینا چاہیں، کیونکہ اس کی عادت تھی کہ وہ فقہا و مشائخ اور صلحا کو اپنی ذاتی اور نجی خدمات پر مامور کرنے کا خواہاں رہتا اور اس کی دلیل یہ دیتا کہ صدر اول میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اہل علم و اہل صلاح کے سوا کسی سے کوئی خدمت نہیں لیتے تھے ①۔ لیکن شیخ شہاب الدین نے اس کی خدمت گزاری سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے دربار عام میں براہ راست گفتگو کرتے ہوئے ان سے یہی بات کہی تو انہوں نے پھر انکار کر دیا۔ بادشاہ نے انکار پر سخت خفگی کا اظہار کیا اور غصے میں آ کر عظیم القدر شیخ و فقیہ ضیاء الدین سمنانی کو ان کی داڑھی کے بال نوچنے کا حکم دیا، مگر شیخ ضیاء الدین سمنانی نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں اس حرکت کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ اب بادشاہ نے دونوں کی داڑھیاں نوچنے کا حکم دیا اور وہ نوچی گئیں۔ اس واقعہ کے نتیجے میں اس نے شیخ ضیاء الدین سمنانی کو تو تلنگانہ کی طرف نکال دیا اور کچھ مدت کے بعد انھیں ورنگل کا قاضی مقرر کر دیا اور وہ وہیں فوت ہو گئے۔ مگر شیخ شہاب الدین کو دولت آباد بھیج دیا۔ وہ سات سال وہاں رہے۔ پھر انھیں واپس بلا لیا۔ ان کی انتہائی تکریم کی اور عاملوں سے بقایا وصول کرنے کے محکمے کا دیوان مقرر کیا۔ بعد ازاں ان کی مزید عزت افزائی یہ کہ یہ کہ امراء مملکت کو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کرنے اور ان کے احکام ماننے کا حکم دیا۔ اب سلطان کے دربار میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص قابل احترام اور لائق اعتماد نہ تھا۔ اس کے بعد ابن بطوطہ لکھتا ہے۔

”جب بادشاہ دارالحکومت (دہلی) کی طرف آیا تو شیخ شہاب الدین نے شہر سے سات میل باہر نکل کر اس کا استقبال کیا۔ بادشاہ نے ان کی بہت تعظیم کی اور گلے لگ کر ملا۔ پھر شیخ شہاب الدین اپنے غار کی طرف واپس چلے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے شیخ کو پھر بلا بھیجا۔ شیخ نے حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے مخلص الملک ندر باری کو جو

① ان کی حیثیت نجی خدمات کی نہیں تھی بلکہ ان اہم قومی نوعیت کی خدمات کی تھی جو صرف اہل فضل و کمال ہی سرانجام دے سکتے تھے، ہر شخص انجام نہیں دے سکتا تھا۔

امراے عظام میں سے تھا ان کے پاس بھیجا۔ اس نے نہایت نرم انداز گفتگو سے انھیں بادشاہ کے غضب سے ڈرایا، مگر شیخ نے فیصلہ کن اسلوب میں جواب دیا کہ میں اس ظالم بادشاہ کے پاس ہرگز نہیں جاؤں گا۔“

”مخلص الملک ناکام ہو کر بادشاہ کے پاس گیا اور شیخ کی گفتگو سے اس کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ کو پکڑ کر اس کے پاس لایا جائے۔ چنانچہ انھیں پکڑ کر جبراً اس کے سامنے لایا گیا۔“

بادشاہ نے شیخ سے پوچھا۔ ”تو مجھے ظالم کہتا ہے؟“

شیخ نے جواب دیا: ”تو ظالم ہے اور فلاں فلاں ظلم تو نے کیے ہیں۔“ اس ضمن میں شیخ نے دہلی کے اجاڑنے اور وہاں کی باشندوں کو دولت آباد لے جانے کا ذکر بھی کیا۔ بادشاہ نے تلوار میان سے نکالی اور صدر جہاں کے ہاتھ میں دی اور اس سے کہا:

”مجھے ظالم ثابت کرو اور میری گردن اس تلوار سے اڑادو۔“

شیخ شہاب الدین نے کہا: ”جو شخص آپ پر ظالم ہونے کی شہادت دے گا، وہ خود قتل کیا جائے گا، لیکن آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ ظالم ہیں۔“

بادشاہ نے شیخ کو ملک نکلیہ دو ادار کے حوالے کر دیا۔ اس نے ان کے پاؤں میں چار بیٹریاں ڈالیں اور دونوں ہاتھوں کو تھکڑیوں میں جکڑا۔ پورے چودہ دن شیخ نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا۔ ہر روز دیوان خانہ میں لائے جاتے۔ فقہا و مشائخ کے سامنے ان سے کہا جاتا کہ اپنی بات واپس لے لیں۔ مگر وہ یہی جواب دیتے کہ ”میں اپنی بات واپس نہیں لوں گا۔ میں شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔“

چودھویں دن بادشاہ نے شیخ کو مخلص الملک کے ہاتھ کھانا بھجوا دیا، لیکن شیخ نے کھانے سے انکار کیا اور کہا: ”میرا رزق زمین سے اٹھ گیا ہے۔ بادشاہ کا کھانا اس کے پاس واپس لے جاؤ۔“

بادشاہ کو خبر پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ ان کو گوبر کھلایا جائے۔ اس کام پر ہندو کافر مقرر ہوئے۔ انھوں نے شیخ کو چت لٹایا اور ان کا منہ قلابوں سے کھول کر پانی میں گوبر ملا کر پلایا۔

دوسرے دن شیخ کو قاضی کمال الدین صدر جہاں کے پالے جایا گیا اور وہاں تمام علما و فقہا اور امرا و معززین نے ان کو سمجھایا اور باانداز نصیحت اپنے قول سے رجوع کرنے کی درخواست کی۔ مگر شیخ برابر انکار کرتے رہے۔ بالآخر بادشاہ کے حکم سے ان کا سرتن سے جدا کر دیا گیا۔

ابن بطوطہ کہتا ہے کہ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے انھیں ۷۴۱ھ (۱۳۴۰ء) میں قتل کیا گیا۔

وكانت وفاته على ما اظن في سنة احدى و اربعين و سبع مائه۔

بہر حال قاضی ضیاء الدین سمنانی وہ بے باک اور جرات مند فقیہ ہیں جن کا ذکر ابن بطوطہ نے شیخ

شہاب الدین جامی خراسانی کے سلسلے میں کیا ہے۔



ظ

## ۷۴۔ مولانا ظہیر الدین بھکری

مولانا ظہیر الدین بھکری سندھی کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے ان مشاہیر افاضل میں ہوتا ہے جن کے علم و فضل کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور جن کی علمی تحقیق و کاوش پر کامل اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ نحو لغت فقہ و اصول میں ان کے عہد میں ان کا کوئی حریف نہ تھا اور نہ کوئی ایسا شخص تھا جو ان علوم میں ان سے زیادہ معلومات کا حامل ہو۔ ان سے طالبان علم کی بہت بڑی تعداد نے استفادہ کیا، جن میں شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی ایسے یگانہ روزگار فاضل خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔ انھوں نے ان سے فقہ اور اصول کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا ظہیر الدین بھکری سلطان علاء الدین خلجی کی زمانہ حکومت کے عالم دین تھے ①۔

## ۷۵۔ مولانا ظہیر الدین لنگ دہلوی

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں جن علمائے دین کی دارالسلطنت دہلی میں بساط تدریس آراستہ تھی ان میں مولانا ظہیر الدین لنگ کو علمی اعتبار سے بلند مقام حاصل تھا۔ یہ دہلی کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ ان سے بے شمار تشنگان علوم نے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ سلطان علاء الدین خلجی ان کی انتہائی عزت کرتا تھا اور ان سے اس درجہ قرب و انسلاک رکھتا تھا کہ ان کو تکریم سے دسترخوان پر بلاتا اور ان کی صحبت سے مستفیض ہوتا ②۔

ع

## ۷۶۔ مولانا عالم بن علا اندرپتی

شیخ و امام عالم کبیر فرید الدین بن علا اندرپتی فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر و باکمال علما میں سے تھے۔ انھوں نے ۷۷۷ھ (۱۳۵۷ء) میں زاد السفر کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جو مسائل فقہ پر محیط تھی اور وہ کتاب امیر تاتار خاں کے نام پر فتاویٰ تاتار خانہ کے نام سے موسوم کی گئی تھی۔ اس وقت ہندوستان میں فیروز شاہ تغلق داد حکمرانی دیتا تھا۔ یہ بادشاہ علم و علما کا قدر دان تھا اور مسائل فقہ سے دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس بہترین اور ضخیم کتاب کا انتساب اس کے نام سے کیا جائے لیکن مصنف کتاب مولانا عالم بن علا اس پر آمادہ نہ ہوئے، کیونکہ ان کے اور امیر تاتار خاں کے درمیان گہرے دوستانہ مراسم تھے اور امیر تاتار

① تاریخ فیروز شانی۔ برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۸۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۶۶۔

② تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۲۸۹، ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۸۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۶۷۔

خاں خود ذی علم تھا اور علماء و مصنفین کا قدردان تھا۔ اس کے اور مولانا عالم بن علا اندر پتی کے درمیان تعلقات و روابط کی اصل وجہ اشتراک ذوق علمی تھا۔

کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے اس کتاب کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کے مصنف مولانا عالم بن علا کا بھی۔ حاجی خلیفہ کے الفاظ یہ ہیں:

تاتار خانیا فی الفتاوی لامام الفقیة عالم بن علاء الحنفی و هو کتاب عظیم فی مجلدات ①۔

یعنی تاتار خانیا فتاویٰ کے سلسلے میں ہے جو امام و فقیہ عالم بن علا حنفی کی تصنیف ہے اور ایک ضخیم کتاب ہے جو کئی جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ کتاب خان اعظم تاتار خاں کے ایما سے معرض ترتیب میں لائی گئی۔ یہ کتاب کسی نام سے موسوم نہ تھی اس لیے تاتار خانیا کے نام سے مشہور ہو گئی۔ درحقیقت اس کتاب کے تین نام تھے۔ فتاویٰ تاتار خانیا زاد المسافر فی الفروع اور زاد السفر۔ حاجی خلیفہ کی کشف الظنون میں اس کی تصریح کی گئی ہے لیکن اس نے شہرت فتاویٰ تاتار خانیا کے نام سے پائی۔

حاجی خلیفہ نے مولانا عالم بن علا کا سال وفات ۲۸۶ھ لکھا ہے جو یا تو کتابت کی غلطی کا نتیجہ ہے یا حاجی خلیفہ سے سہو ہو گیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان کا سال وفات ۷۸۶ھ (۱۳۸۴ء) ہے ②۔

## ۷۷۔ شیخ عبدالعزیز اردوبیلی

شیخ عبدالعزیز اردوبیلی حدیث اور فقہ کے نامور عالم تھے۔ انھوں نے اپنے دور کے جلیل القدر علماء سے تحصیل علم کی۔ دمشق میں شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ حرانی، شیخ برہان الدین بن برج، شیخ جمال الدین مزنی، شمس الدین ذہبی اور دیگر علمائے عصر کے باب عالی پر دستک دی اور ان کی شاگردی اختیار کی۔ پھر وارد ہند ہوئے اور سلطان محمد شاہ تغلق سے تعلق و قرب پیدا کیا۔ محمد شاہ تغلق ان کا محسن خاص تھا اور ان کی بڑی تکریم کرتا تھا۔ ایک روز انھوں نے سلطان کے سامنے حضرت عباس رضی اللہ عنہما، ان کے فرزند ان عالی مرتبت، خلفائے راشدین اور ان کی اولاد کے فضائل و مناقب بیان کیے۔ سلطان بنی عباس کے بارے میں ان کے جذبات محبت سے مطلع ہو کر بہت خوش ہوا اور اس بلند مرتبہ فقیہ کے پاؤں چوم لیے اور سونے کی ایک سینی لانے کا حکم دیا جس میں دو ہزار ٹنکا بھرا ہوا تھا۔ یہ دو ہزار ٹنکا (جو سکہ راج الوقت تھا) نہایت ادب کے ساتھ مع سونے کی سینی کے ان کی خدمت میں پیش کیا ③۔

① کشف الظنون، ج ۱، کالم ۲۶۸۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۶۷۶۔

③ رحلتہ ابن بطوطہ، ج ۲، ص ۶۷۔

## ۷۸۔ مولانا عبدالکریم شروانی

علامہ عبدالکریم شروانی آٹھویں صدی ہجری کے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ فقہ و اصول میں بالخصوص مہارت رکھتے تھے۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں دارالسلطنت دہلی میں ان کی تدریسی مساعی کی وسعتوں کا یہ عالم تھا کہ بے شمار علما و طلبا نے ان سے استفادہ کیا۔ ان کے شاگردوں میں جن حضرات کے اسمائے گرامی تذکروں میں مرقوم ہیں ان میں ہندوستان کے شہرہ آفاق بزرگ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی بھی شامل ہیں۔ انھوں نے ان سے ہدایہ اور اصول بزدوی تک کتب درسیہ پڑھیں ❶۔

## ۷۹۔ قاضی عبداللہ بیانوی

قاضی عبداللہ بیانوی اپنے زمانے کے مشہور علما میں سے تھے۔ شہر بیانہ کے قاضی تھے۔ منصب قضا کے ساتھ ساتھ وہاں ان کی تدریسی سرگرمیاں بھی جاری تھیں۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ شیخ دانیال بن حسن عباسی علوی سترکھی ان کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ان سے درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر اپنے اس شاگرد کی علمی صلاحیت اور نیکی سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی ان کے عقد میں دے دی تھی ❷۔

## ۸۰۔ شیخ عثمان بن داؤد ملتانی

شیخ حسام الدین عثمان بن داؤد عمری ملتانی نہایت متقی اور صالح بزرگ تھے۔ مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ تعلیم طریقت شیخ نظام الدین اولیا سے حاصل کی اور عرصے تک ان کی صحبت و ملازمت میں رہے۔ پھر حرمین شریفین کا سفر کیا اور حج و زیارت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ وہاں سے ہندوستان آئے اور دہلی تشریف لے گئے۔ شیخ نظام الدین اولیا زندہ تھے اور جمعے کا دن تھا۔ جمعے کی نماز کے لیے شیخ عثمان شہر کی جامع مسجد میں گئے۔ شیخ سے ملاقات ہوئی۔ وہ نہایت خندہ پیشانی سے ملے۔ اس کے بعد پھر مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ مدینہ سے واپس دہلی آ کر مقیم ہو گئے۔ محمد شاہ تغلق جب دولت آباد گیا تو یہ گجرات چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ فقہ اصول اور تصوف کے بہت بڑے عالم تھے۔ فقہ کی کتاب ہدایہ اصول کی بزدوی اور تصوف و سلوک کی قوت القلوب اور غزالی کی احیاء علوم الدین حفظ تھیں۔ شیخ نظام الدین اولیا نے ۷۲۳ھ (۱۳۲۳ء) میں دعوت و ارشاد کے لیے جن دس بزرگوں کو اپنے خلفا مقرر کیا تھا یہ ان میں سے ایک تھے۔ ۸ ذی القعدہ ۷۳۶ھ (۱۸ جون ۱۳۳۶ء) کو گجرات میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے ❸۔

❶ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۷۰۔ نزبۃ الخواطر ج ۲ ص ۷۰۔

❷ نزبۃ الخواطر ج ۲ ص ۷۰ بحوالہ بحر زار۔

❸ اخبار الاخیار ص ۹۱ تا ۸۹۔ نزبۃ الخواطر ج ۲ ص ۷۶ بحوالہ بحر زار۔

## ۸۱۔ شیخ عثمان اودھی

شیخ عثمان چشتی اودھی کا لقب سراج الدین تھا۔ اونچے درجے کے سالکین و اولیا میں سے تھے۔ زمانہ شباب میں دہلی گئے اور شیخ نظام الدین اولیا سے ملاقات ہوئی۔ صورت و سیرت کی تمام خوبیوں سے آراستہ تھے، مگر فضائل علمیہ سے عاری تھے، جس کی وجہ سے شیخ نظام الدین نہایت تاسف کا اظہار کرتے اور فرمایا کرتے کہ جاہل صوفی شیطان کا کھلونا ہوتا ہے۔ اس پر مولانا فخر الدین زرا دی نے ان کو تعلیم دلانے کا عزم کیا اور ان کے لیے علم صرف کے موضوع پر ایک مختصر سا رسالہ تصنیف کیا، جس کا نام ان کے نام کی مناسبت سے ”عثمانیہ“ رکھا اور جب تک غیاث پور میں ان کا قیام رہا، وہ ان کی تعلیم کے لیے کوشاں رہے۔ پھر انھوں نے شیخ علاء الدین اندر پتی سے رابطہ پیدا کر لیا اور ان سے علم نحو کی کتابوں میں کافیہ اور مفصل اور کتب فقہ میں سے قدوری اور مجمع البحرین پڑھیں۔ غرض شیخ نظام الدین اولیا کی وفات کے بعد وہ تین سال تک حصول علم میں مشغول رہے، یہاں تک کہ علوم میں مہارت پیدا کر لی اور افتا و تدریس کی اہلیت و صلاحیت سے بہرہ ور ہو گئے۔ بعد ازاں بنگال کا سفر اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ نے ولایت کی اونچی منزل تک پہنچا دیا اور ان کی اصحاب و معتقدین کی مساعی سے اللہ کی اتنی مخلوق کو راہ ہدایت نصیب ہوئی کہ جس کا کوئی شمار نہیں اور ارض ہند میں جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ان کی وفات ۷۵۸ھ (۱۳۵۷ء) میں ہوئی ①۔

## ۸۲۔ قاضی عثمان مالا باری

قاضی عثمان مالا باری کا لقب فخر الدین تھا۔ فقہ و اصول کے رفیع المرتبت عالم تھے۔ علاقہ مالا بار کے معروف شہر کالی کٹ کے قاضی تھے اور نہایت سخی تھے ②۔

## ۸۳۔ شیخ عز الدین زبیری

شیخ عز الدین زبیری مشہور عالم دین تھے اور فقہ و اصول کے ماہر۔ ابن بطوطہ کی ان سے کاپور میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس وقت وہ امیر عز الدین بتانی کے پاس فروکش تھے اور وہ ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ ابن بطوطہ ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

ومن كبار اهل هذه المدينة الامام عز الدين الزبيري من ذرية الزبير

① اخبار الاخیار ص ۸۶، ۸۷۔ زبیرۃ الخواطر ج ۲ ص ۷۷۔

② رحلتہ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۸۶۔

بن العوام رضی اللہ عنہ احد کبار الفقہاء والصلحاء و لقیته  
بکالپور عند الملک عز الدین البتانی المعروف باعظم ملک ①۔  
یعنی اس شہر کے کبار علما میں سے ایک بزرگ امام عز الدین زبیری تھے جو رسول اللہ ﷺ  
کے مشہور صحابی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے اور کبار فقہاء و صلحا میں شمار  
کیے جاتے تھے۔ میں ان سے کالپور میں ملک و عز الدین بتانی کے مکان پر ملا جو ملک اعظم  
کے نام سے مشہور تھے۔

## ۸۴۔ مولانا عقیف الدین کاشانی

شیخ عقیف الدین کاشانی، ممتاز عالم و فقیہ تھے۔ فضل و صلاح میں مشہور تھے۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے  
دور حکومت میں دہلی کی مسند تدریس پر فائز تھے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ ایک مرتبہ محمد شاہ تغلق  
کے زمانے میں دہلی میں شدید قحط پڑا اور اس سلسلے میں بادشاہ کے ساتھ کچھ اس قسم کی باتیں ہوئیں کہ انہیں قتل کر  
دیا گیا۔ ابن بطوطہ نے اس کا ذکر کیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

دہلی میں قحط کے زمانے میں بادشاہ نے حکم دیا کہ دارالحکومت کے باہر کنوئیں کھودے  
جائیں اور ان کے ذریعے کھیتی باڑی کی جائے۔ بادشاہ نے اس کے لیے لوگوں کو تیس  
دیں اور ضروری سامان زراعت ان کے حوالے کیا، لیکن یہ زراعت زبردستی کرائی جاتی  
تھی اور فصل شاہی گودام میں جمع کرائی جاتی تھی۔ شیخ عقیف الدین کاشانی فقیہ کو یہ بات  
معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا: ”ایسی زراعت سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔“ کسی نے یہ بات  
بادشاہ کو پہنچا دی۔ اس نے شیخ عقیف الدین فقیہ کو قید میں ڈال دیا اور انہیں معاملات  
حکومت میں دخل دینے پر سخت سرزنش کی اور ان کی اس بات کو کاروبار سلطنت میں دخل  
اندازی سے تعبیر کیا۔

کچھ دنوں کے بعد انہیں رہا کر دیا گیا۔ فقیہ موصوف اپنے گھر جا رہے تھے کہ راستے میں انہیں دو فقیہ  
ملے جو ان کے دوست تھے۔ انہوں نے کہا: ”خدا کا شکر ہے کہ آپ کو رہائی نصیب ہوئی۔“ عقیف الدین نے  
کہا: ”خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ظالموں کے قبضے سے نجات دلائی۔“ یہ کہہ کر عقیف الدین فقیہ اپنے گھر  
چلے گئے اور دونوں فقیہ اپنے گھر کو روانہ ہو گئے۔

محمد شاہ تغلق کے نظام بھری کا اندازہ کیجیے کہ اس کو یہ اطلاع بھی پہنچ گئی۔ اب اس نے تینوں فقیہوں کو  
حاضر کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ تینوں حاضر کیے گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ عقیف الدین کے دو گھوڑے کر دیے

جائیں اور ان دونوں کی گردنیں اڑادی جائیں۔ ان دونوں نے بادشاہ سے کہا کہ عقیف الدین کا تو یہ تصور ہے کہ اس نے تجھے ظالم کہا، لیکن ہمیں کس گناہ پر قتل کیا جا رہا ہے؟ بادشاہ نے کہا: اس لیے کہ تم نے اس کی بات سن کر اس کی تردید نہیں کی، جس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔ چنانچہ ان تینوں کو قتل کر دیا گیا ❶۔

## ۸۵۔ شیخ علاء الدین الندی

شیخ علاء الدین الندی اتقا و صالحیت کے زیور سے آراستہ اور زہد و صلاح میں معروف تھے۔ شیخ معین الدین عمرانی سے اخذ علم کیا اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے تعلیم طریقت حاصل کی اور خرقہ تصوف پہنا۔ پھر محمد بن یوسف حسینی دہلوی کی معیت میں عازم دکن ہوئے۔ ایک عرصے تک ان کے اسلاک و ملازمت میں رہے اور ان کی رہنمائی میں طریقت و سلوک کی منزلیں طے کیں۔ بعد ازاں نواح گلبرگہ میں الندی نام کے ایک گاؤں میں سکونت اختیار کی۔ ان سے شیخ سعید کہنائی (متوفی ۹ رجب ۷۷۱ھ / فروری ۱۳۷۰ء) نے طریقت و تصوف کی تعلیم پائی۔ شیخ علاء الدین الندی نے ۹ ربیع الثانی ۷۷۷ھ (۷ ستمبر ۱۳۷۵ء) کو بمقام الندی وفات پائی ❷۔

## ۸۶۔ شیخ علاء الدین اودھی

علامہ علاء الدین اودھی علاقہ اودھ کے رہنے والے تھے اور علاء الدین نیلی کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا شمار کبار مشائخ ہند میں ہوتا ہے۔ علاقہ اودھ کے شیخ الاسلام فرید الدین شافعی اودھی اور مولانا شمس الدین اودھی اور دیگر علمائے عظام کے سامنے زانوے شاگردی تہہ کیا۔ جب علم میں کامل ہو گئے اور افتاء و تدریس کی پوری صلاحیت پیدا ہو گئی تو شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضری دی اور تصوف و طریقت کا درس لیا۔ بعد ازاں دہلی ہی میں سکونت اختیار کر لی اور درس و افادہ کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ زاہد و عابد، مستقل مزاج، متورع اور اللہ و رسول کے اطاعت گزار تھے اور حسبہً للہ فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ دینی و دنیوی معاملات میں سراپا خلوص تھے۔ اگرچہ اپنے مرشد شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے، تاہم کسی سے بیعت نہ لیتے اور فرمایا کرتے: ”اگر شیخ زندہ ہوتے تو میں یہ خلافت ان ہی کے سپرد کر دیتا، کیونکہ میں خود کو بار خلافت کی ذمہ داریوں کا اہل نہیں سمجھتا۔“ زیادہ تر اپنے شیخ کے ملفوظات یعنی فوائد الفواد کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔

ہر جمعے کو وعظ کہتے اور سامعین کی بہت بڑی تعداد ان کے دست حق پرست پر تائب ہوتی۔ ایک مرتبہ ان کے وعظ میں ابن بطوطہ بھی شامل تھا۔ وعظ نہایت موثر تھا۔ قاری نے قرآن مجید کی یہ آیات تلاوت کیں:

❶ رحلتہ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۸۸، ۸۹۔

❷ نزہۃ النواظر ج ۲ ص ۸۰۔ بحوالہ الشجرۃ الطیبہ۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُم ج إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا  
تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى  
النَّاسَ سُكْرَىٰ وَمَاهُم بِسُكْرَىٰ وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ① .

شیخ نے ان آیات کی دوبارہ تلاوت کرائی تو ایک فقیر نے مسجد کے ایک گوشے سے چیخ ماری۔ شیخ نے  
یہی آیات پھر تلاوت کرائیں، فقیر نے ایک اور چیخ ماری اور زمین پر گر پڑا، گرتے ہی اس کی جان نکل گئی۔  
ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ وہ اس موقع پر مسجد میں موجود تھا اور شیخ کا وعظ سن رہا تھا۔ اس نے اس فقیر  
کے جنازے میں بھی شرکت کی۔ ابن بطوطہ کے الفاظ یہ ہیں:

ثم كررها الفقيه علاء الدين فصاح احد الفقراء من ناحية المسجد  
صيحة عظيمة فاعاد الشيخ الاية فصاح الفقير ثانية و وقع ميتا. و  
كنت في من صلى عليه و حضر جنازته  
شيخ علاء الدين اودهى نبلى كى وفات ٦٢٤هـ (١٣٦١ء) میں ہوئی ②۔

## ۸۷۔ شیخ علاء الدین سندیلوی

شیخ علاء الدین حسینی سندیلوی اپنے زمانے کے مشہور فقیہ اور پرہیزگار عالم دین تھے۔ یہ خطہ اودھ کے  
ان بزرگان دین میں سے تھے جن کی پاک بازی کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ  
دہلی کی خدمت میں طریقت و تصوف کی منزلیں طے کیں۔ طویل مدت تک دہلی میں ان کی صحبت سے فیض یاب  
ہوتے رہے، یہاں تک کہ علم و معرفت کے اونچے مرتبے تک پہنچے۔ شیخ نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا اور سندیلہ  
میں جو صوبہ یوپی کا ایک معروف شہر ہے، قیام پذیر ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ قانع، عقیف، متوکل علی  
اللہ اور متدین عالم دین تھے۔ سندیلہ میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ③۔

① یہ سورہ حج کی ابتدائی دو آیات ہیں اور ان کا ترجمہ یہ ہے:

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو۔ بے شک قیامت کا بھونچال بہت بڑی چیز ہے۔ جس دن اس کو دیکھو گے۔ (تو ایسی  
حالت طاری ہوگی کہ) بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی، اس کو جس کو اس نے دودھ پلایا اور پھینک دے گی ہر حاملہ اپنا  
حمل۔ اور تو دیکھے گا لوگوں پر ایک نشے کی کیفیت طاری ہے۔ اور درحقیقت وہ نشے میں نہیں ہوں گے۔ مگر اللہ کا عذاب بڑا  
ہی سخت ہے۔

② سفر نامہ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۹۔ اخبار الاخیار ص ۹۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۴۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۸۰۔ ۸۱۔

سیر الاولیاء، فوائد الفواد اور خزینۃ الاصفیاء بھی ملاحظہ ہوں۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۸۳ بحوالہ بحر زار۔

## ۸۸۔ مولانا علاء الدین دہلوی

صدر الشریعہ علامہ علاء الدین دہلوی عہد علاء الدین خلجی کے فاضل کبیر تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں درس دیتے تھے۔ بے شمار لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا ①۔

## ۸۹۔ مولانا علاء الدین تاجر

عہد علاء الدین خلجی کے علمائے دین میں مولانا علاء الدین تاجر کا اسم گرامی بڑی شہرت کا حامل ہے۔ ان کو فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں ید طولی حاصل تھا۔ سلطان مذکور کے زمانے میں دہلی کی مسند تدریس پر متمکن تھے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا ②۔

## ۹۰۔ مولانا علاء الدین کرک

مولانا علاء الدین کرک عالم و فاضل بزرگ تھے اور سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دارالملک دہلی کی مسند تدریس ان کے سپرد تھی۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ③۔

## ۹۱۔ مولانا علاء الدین لاہوری

آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستان میں سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے جن اصحاب علم کے نام تذکروں میں مرقوم ہیں، ان میں مولانا علاء الدین لاہوری کا نام بھی موجود ہے۔ بہت سے حضرات کی طرح ان کے حالات بھی افسوس ہے اس سے زیادہ معلوم نہیں ہو سکے کہ یہ سلطان مذکور کے زمانہ حکومت میں دارالسلطنت دہلی میں تشنگان علم کی علمی پیاس بجھاتے تھے اور اس دور کے نامور اساتذہ میں سے تھے ④۔

## ۹۲۔ مولانا علاء الدین اندرپتی

مولانا علاء الدین اندرپتی اپنے دور کے جلیل القدر عالم دین تھے۔ ان کی تدریسی مساعی کا سلسلہ بہت وسیع تھا اور ان کے شاگرد پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے ⑤۔ لیکن وقت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ ان کے حالات بھی پردہ خفا میں ہیں۔

① تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۸۴۔

② ایضاً۔

③ تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۸۵۔

④ تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۵۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۸۵۔

⑤ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۸۵۔ بحوالہ سیر الاولیاء۔



## ۹۳۔ شیخ علی بن حمید ناگوری

شیخ علی بن حمید بن احمد سعیدی سورتی ناگوری جنھیں شیخ عبدالعزیز بن حمید الدین ناگوری کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، کبار مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ اپنے والد ماجد سے علم حاصل کیا اور عرصے تک ان کی صحبت میں رہے اور درجہ کمال کو پہنچے۔ بعد ازاں والد نے ان کو دعوت و ارشاد اور اجازہ حدیث سے نوازا۔ والد کی وفات کے بعد مسند مشیخت و ارشاد کو زینت بخشی۔ ان کے بیٹے کا نام شیخ فرید الدین محمود تھا۔ انھوں نے اپنے والد شیخ علی بن حمید ناگوری سے تعلیم حاصل کی اور ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء میں انھیں والد کی طرف سے اجازہ فی الحدیث مرحمت ہوا ①۔

## ۹۴۔ شیخ علی بن شہاب الدین ہمدانی

شیخ علی بن شہاب الدین بن محمد بن علی حسینی ہمدانی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ ۱۲ رجب ۷۱۴ھ/۲۲ اکتوبر ۱۳۱۴ء کو پیدا ہوئے اور شیخ نجم الدین ابوالمیا من محمد بن احمد الموفق ازکانی سے علم حاصل کیا اور حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ طریقت و تصوف کے لیے شیخ شرف الدین محمد بن عبداللہ مزوقالی اور شیخ تقی علی دوسی کے باب عالی پر دستک دی۔ یہ دونوں شیخ رکن الدین احمد بن محمد المعروف بہ علاء الدولہ سمنانی کے مرید تھے۔ ایک قول کے مطابق تصوف کی تعلیم اپنے باپ (شیخ شہاب الدین) سے پائی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد سیاحت کے لیے نکل کھڑے ہوئے، مختلف بلاد و امصار کی سیر کی۔ کبار مشائخ سے استفادہ کیا۔ کہتے ہیں جن مشائخ و علما سے لقا و استفادہ کا شرف حاصل کیا، ان کی تعداد کئی سو کے قریب بنتی ہے۔ پھر خراسان گئے وہاں حکمت و فلسفہ کی تعبیر کے سلسلے میں ان کے اور تیمور کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا، جس کے نتیجے میں ۷۶۳ھ/۱۳۷۲ء میں ایک روایت کے مطابق ۷۸۰ھ/۱۳۷۸ء میں اپنے سات سو اصحاب و تلامذہ کی معیت میں کشمیر کی راہ لی۔ کشمیر میں تبلیغ اسلام میں مصروف ہو گئے اور وہاں ان کی تبلیغی مساعی سے بے شمار باشندگان کشمیر مسلمان ہوئے۔ ان کی تصانیف کا دائرہ بہت وسیع ہے، جن میں سے اہم تصنیفات یہ ہیں:

① ذخیرۃ الملوک: یہ کتاب فارسی میں ہے اور دس ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ایمان کے شرائط و احکام سے متعلق ہے۔ دوسرا حقوق عبودیت، تیسرا مکارم اخلاق اور خلفائے راشدین کی اقتدا کے وجوب کے بارے میں ہے۔ چوتھا والدین، زوجین، اولاد، غلاموں، اعزہ و اقارب اور دوستوں کے حقوق پر مشتمل ہے۔ پانچواں احکام سلطنت و احکام ولایت و امان، حقوق رعایا اور وجوب عدل و احسان سے تعلق رکھتا ہے۔ چھٹا باب اسرار خلافت انسانیہ اور شرح سلطنت معنویہ کو محتوی ہے۔

① نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۸۶ بحوالہ خزینۃ الاصفیاء۔

ساتواں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق ہے۔ آٹھواں تحقیق شکر اور اقسام شکر کے ذکر میں ہے۔ نواں نزول مصائب پر صبر سے متعلق ہے اور دسویں میں کبر اور غضب کی مذمت کی گئی ہے۔

۲ ابن عربی کی فصوص الحکم کی شرح، یہ بھی فارسی زبان میں ہے۔

۳ مرآة التائبین: یہ توبہ سے متعلق ہے اور فارسی میں ہے۔

۴ منہاج العارفین: فارسی میں۔

۵ الرسالة الذکریہ: عربی میں ہے۔

۶ المنامیہ: خواب کے بارے میں فارسی زبان میں۔

۷ ہمدانیہ: لفظ ہمدان کی تحقیق سے متعلق فارسی زبان میں۔

۸ اورادیہ: وظائف و اوراد کے سلسلے میں عربی میں۔

۹ رسالہ فی الطب: علم طب کے بارے میں عربی میں۔

۱۰ منازل السالکین: منازل صوفیا کے باب میں عربی زبان میں۔

۱۱ ایک رسالہ مناقب اہل بیت میں۔

۱۲ اربعینیہ: چالیس احادیث کا مجموعہ ہے۔ ان احادیث کا سلسلہ سندان کے استاد شیخ نجم الدین محمد بن احمد الموفق از کافی سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

۱۳ ایک رسالہ فی آیات الاحکام من القرآن الکریم۔

۱۴ سبعین: ستر احادیث پر مشتمل ایک رسالہ ہے، لیکن اس میں جو احادیث درج ہیں وہ محدثین کے نقطہ نظر سے لائق اعتماد نہیں ہیں۔ شیخ فتح محمد بن محمد موسیٰ برہان پوری نے ان احادیث کی تخریج کی ہے۔

۱۵ شرح اسماء اللہ الحسنی۔

ان کے علاوہ عربی اور فارسی میں ان کی اور کئی کتابوں کے نام بھی تذکروں میں مرقوم ہیں۔

کشمیر سے جا رہے تھے کہ علاقہ یاغستان کے ایک مقام تیراہ میں پہنچے تو وفات پا گئے۔ پھر ان کی میت قتل از کے مقام پر پہنچائی گئی جو اعمال بدخشاں میں واقع ہے۔ وہیں دفن کیے گئے۔ یہ ۸۶۷ھ (۱۳۸۳ء) کا واقعہ ہے ①۔

## ۹۵۔ مولانا عماد الدین حسام دہلوی

مولانا عماد الدین بن حسام دہلوی رفیع المرتبت عالم پر تاثیر بیان واعظ اور عظیم مقرر تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے کے عالم و واعظ تھے۔ دہلی میں ان کے علاوہ اور بھی کئی واعظ تھے جو بہت موثر و عظیم

① نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۸۷ تا ۹۰۔ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

کہتے تھے۔ مولانا عماد الدین کے وعظ کے بارے میں مورخ برنی لکھتا ہے:

ان نادر روزگار واعظوں میں ایک واعظ عماد الدین حسام درویش تھے جن لوگوں نے ان کے وعظ سنے ہیں اور دوسرے اے عجوبہ روزگار واعظوں کو بھی سنا ہے وہ جانتے ہیں کہ ذوق و شوق پیدا کرنے کے طریقے مناسب مواقع پر لطیف ظریفانہ باتیں اسرار و رموز بیان کرنے کا انداز مطالب دقائق کی وضاحت اداے الفاظ کی خوبی اور خوش الحانی کے ساتھ تلاوت قرآن کرنا اور وعظ کہنا۔ ان سب باتوں کے اعتبار سے مولانا عماد الدین کا سا وعظ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے۔ عہد علانی کے بیس سال میں مولانا عماد الدین برابر وعظ کہتے اور منبر کو آراستہ کرتے رہے۔ ان کے وعظ میں امرا ارکان سلطنت دانش مند تعلیم یافتہ حضرات فضلاء و حکماء شعرا و ادبا صوفیا و اتقیا اور علم تصوف میں کامل لوگ سبھی شریک ہوتے تھے۔ ان کے بے مثال وعظوں میں لوگوں پر رقت طاری ہو جاتی اور مولانا حمید اور مولانا لطیف مقری اور ان کے بیٹے قرآن مجید پڑھتے تو پرندے فضا سے نیچے اتر آتے اور قرآن پاک سنتے۔ ان کے ہر وعظ میں ایسا جوش پیدا ہوتا کہ ہر طرف شور مچا ہوا ہوتا، گریہ و زاری اور آہ و بکا کی صدائیں بلند ہونے لگتیں اور دوسرے ہفتے تک لوگوں کے دلوں پر اس کا اثر باقی رہتا۔ آئندہ ہفتے سامعین اور زیادہ شوق و ذوق سے شامل وعظ ہوتے ①۔

## ۹۶۔ مولانا عماد الدین غوری

مولانا عماد الدین غوری سلطان محمد شاہ تغلق کے دور کے عالم تھے اور علاقہ نرنول کے مشائخ میں سے تھے۔ صالح عالم دین اور پرہیزگار شخص تھے۔ ان کے آبا و اجداد عرب سے ایران آئے اور پھر غور سے سلطان شہاب الدین غوری کے ہمراہ وارد ہند ہوئے۔ منقول ہے کہ مولانا عماد الدین غوری علوم سے دلچسپی نہ رکھتے تھے اور عنقوان شباب تک اس دولت سے محروم تھے۔ طاقت و زور دار آدمی تھے اور بڑے بڑے پہلوانوں کے ساتھ کشتی لڑا کرتے تھے۔ ایک دن اس نواح کے ایک بڑے پہلوان کو شکست دے کر پر غرور انداز میں گھر جا رہے تھے کہ راستے میں ایک عالم دین ملے انھوں نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر اظہار تاسف کیا اور طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا کہ یہ انداز زندگی تمہارے جیسے شخص کو زیب نہیں دیتا۔ اس عالم دین کی بات سے نہایت شرمندہ ہوئے اور خجالت سے سر نیچا کر لیا۔ اب یکا یک زندگی کا رخ بدلا اور کاروان حیات نئی راہ پر گام فرسا ہوا۔ حصول علم کی طرف عنان توجہ مبذول کی اور نرنول میں شیخ محمد ترک سے منسلک ہو گئے اور اس کے بعد علم و

① تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۳۵۵۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۹۳۔

فضل اور اتقا و صالحیت کی اونچی منزل تک پہنچے۔

مولانا عماد الدین غوری بے شمار اوصاف کے مالک تھے۔ اتباع سنت نبوی ﷺ میں بے نظیر تھے، فقرا و صلحا سے انتہائی تعلق خاطر تھا، کردار و سیرت میں عدیم المثال تھے اور اللہ و رسول کے معاملے میں کسی قسم کی رعایت کے قائل نہ تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ جن دنوں سلطان محمد تغلق سلطنت کے نشے میں سرمست تھا اور غرور و تکبر میں مبتلا ہو گیا تھا، ان ہی دنوں کی بات ہے کہ ایک روز اس نے ان سے کہا کہ جب فیض الہی غیر منقطع ہے تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ فیض نبوت منقطع ہو جائے۔ اب بھی اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس سے معجزات کا صدور بھی ہوتا ہے، آپ اسے مانیں یا نہ مانیں، مگر وہ اپنے دعوے میں لازماً صادق ہوگا۔ اس پر مولانا عماد الدین کو اس قدر غصہ آیا کہ اپنے آپ پر قابو نہ پاسکے۔ فوراً بادشاہ سے کہا:

گہ مخور چہ مے گوئی۔

یعنی گندگی نہ کھاؤ۔ کیا بکواس کر رہے ہو؟

اس انداز گفتگو کو محمد شاہ تغلق برداشت نہ کر سکا۔ حکم دیا کہ تلوار سے اس شخص کی گردن اڑادی جائے اور زبان گدی سے کھینچ لی جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ①۔

## ۹۷۔ شیخ عمر بن محمد ہندی

شیخ عمر بن محمد بن احمد بن منصور ہندی کا لقب بہاء الدین تھا۔ مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ فقہ اور علوم عربیہ کے عالم اجل تھے، ساتھ ہی حلیم الطبع اور فہیم و فریس تھے۔ نیز ادب و معرفت اور حسن اخلاق میں یگانہ تھے۔ عرصے تک مدینہ منورہ میں رہے۔ ۷۵۸ھ (۱۳۵۷ء) میں حج کیا۔ مدینہ منورہ میں ایک سواری پر سے گرنے، ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ اٹھا کر مکہ مکرمہ لائے گئے۔ اس شدید چوٹ کی وجہ سے حج نہ کر سکے اور اپنے اللہ سے جا ملے ②۔

## ۹۸۔ شیخ عمر بن اسعد لاہوری پنڈوی

شیخ عمر بن اسعد لاہوری جو شیخ علاء الدین پنڈوی کے لقب سے معروف تھے، علم و فضل کی بلند منزلوں پر فائز تھے اور فقہ اصول فقہ اور علوم عربیہ کے ماہرین میں سے تھے۔ ان کے والد (اسعد) بنگال کے بعض ملوک کے عہد میں عہدہ وزارت پر متعین تھے اسی لیے انھیں ملوک و امرا کے نزدیک جاہ و عظمت اور عزت و حشمت کا مقام حاصل تھا اور وقار و تکریم کے مالک تھے۔ ہمیشہ مسند تدریس پر متمکن رہے اور خلق کثیر نے ان سے استفادہ

① اخبار الاخیار ص ۲۰۱، ۲۰۰۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۵۰، ۱۵۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۹۴۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۹۴۔ بحوالہ طرب الامثل

کیا۔ پھر شیخ سراج الدین عثمان اودھی کا ان دیار میں جانا ہوا تو سب مشاغل ترک کر کے ان سے منسلک ہو گئے اور طریقت و تصوف کی راہوں پر گام فرسائی شروع کر دی۔ اس سلسلے میں اس درجہ رفعتوں پر پہنچے کہ شیخ عثمان اودھی کے بعد زمام مشیخت ان ہی کے ہاتھ میں آ گئی۔ ان سے ان کے صاحب زادہ گرامی قدر شیخ نور الحق نے علم طریقت کی تعلیم پائی۔ ان کے علاوہ سید اشرف سمنانی، عادل الملک جون پوری اور لوگوں کی کثیر تعداد نے کسب فیض کیا۔ رجب کی ابتدائی تاریخوں میں ۸۰۰ھ (۱۳۹۸ء) کو بلدہ پنڈوہ میں وفات پائی ①۔

## ۹۹۔ شیخ عمر بن اسحاق غزنوی

علامہ شیخ عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی ہندی۔ ان کی کنیت ابو حفص تھی اور لقب سراج الدین تھا۔ جلیل القدر عالم اور امام وقت تھے۔ ۷۰۲ھ (۱۳۰۵ء) کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ شیخ وجیہ الدین دہلوی اس زمانے میں علم و فضل کے اعتبار سے دہلی کی مسند امامت پر فائز تھے ان سے علم فقہ کی تکمیل کی۔ ان کے علاوہ شیخ شمس الدین خطیب دہلی، ملک العلماء شیخ سراج الدین ثقفی اور شیخ رکن الدین بدایونی کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا، جو کہ شیخ ابوالقاسم تنوخی (تلمیذ شیخ حمید الدین ضریر) کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ پھر حرمین شریفین کا قصد کیا اور حج و زیارت سے بہرہ مند ہوئے اور شیخ خضر، شیخ رباط سدرہ سے عوارف المعارف کا سماع کیا۔ بعد ازاں ۷۴۰ھ (۱۳۴۰ء) سے قبل عازم قاہرہ ہوئے اور شیخ احمد بن منصور جوہری وغیرہ سے تحصیل کی۔ وہاں ان کے فضل و کمال کے جوہر کھلے اور قاضی عسا کر مقرر کیے گئے۔ پھر اس منصب سے معزول ہو گئے۔ علم و فضل میں یکتا، تیز ذہن، ذکاوت و جودت کی دولت سے مالا مال، بحث و گفتگو میں منفرد اور اعلیٰ ذوق کے مصنف و مولف تھے۔ ان کی تصنیفات یہ ہیں۔

① فقہ کی کتاب ہدایہ کی شرح لکھی جو ”توشیح“ کے نام سے موسوم ہے۔

② الشامل: مسائل فقہ سے متعلق۔

③ زبدۃ الاحکام فی اختلاف ائمتہ الاعلام۔

④ ابن الساعاتی کی بدیع الاصول کی شرح۔

⑤ شرح المغنی للمنازی۔

⑥ غرۃ المہدیفہ فی ترجیح مذہب ابی حنیفہ۔

⑦ شرح الزیادات۔

⑧ شرح جامع کبیر۔ (ناکمل)

⑨ شرح جامع صغیر۔ (ناکمل)

- ۱۰ شرح المنار۔
- ۱۱ شرح المختار۔
- ۱۲ لوائح الانوار فی الرد علی من انکر علی العارفین۔
- ۱۳ عدۃ الناسک فی المناسک۔
- ۱۴ شرح عقیدہ الطحاوی۔
- ۱۵ اللوامع فی شرح جمع الجوامع۔
- ۱۶ کتاب الخلاف۔
- ۱۷ شرح تائیہ۔ لابن الفارض۔

ایک روایت کے مطابق ۶۳ھ (۱۳۶۲ء) میں اور ایک کے مطابق ۷ رجب ۷۳ھ (۱۴ جنوری ۱۳۷۲ء) کو فوت ہوئے۔ ”ستارہ زمین“ تاریخ وفات ہے ①۔

## ۱۰۰۔ شیخ عمر بن محمد سنائی

شیخ عمر بن محمد عوض سنائی امام ضیاء الدین سنائی کے لقب سے ملقب تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے نامور بزرگ تھے۔ فقہ و اجتہاد، علم و فضل، تقویٰ و دیانت اور امور شرعیہ میں رسوخ و عمل کے اعتبار سے مشہور تھے۔ شیخ کمال الدین سنائی کے شاگرد تھے۔ اچھے واعظ اور ناصح تھے۔ تیس سال سے زیادہ عرصہ تذکیر و موعظت میں مصروف رہے۔ مسلکاً حنفی تھے۔ اہل بدعت اور ارباب ہوا کے شدید مخالف تھے اپنے وعظوں میں ان پر سخت تنقید کرتے اس سلسلے میں نہ کسی سے خوف زدہ ہوتے اور نہ کلمہ حق کہنے میں کسی لومتہ لائم کی پروا کرتے۔

برنی کے بقول عہد علانی کے مستند واعظین اور مشہور ناصحین میں سے تھے۔ علاوہ ازیں مفسر بھی تھے اور فقیہ بھی خود بھی استاذ اور استاذ کی اولاد بھی۔ تمام عمر وعظ و نصیحت میں گزری۔ وعظ میں قرآن مجید کی آیات تلاوت کرتے۔ ان کی تفسیر بیان فرماتے اور تائید میں صحابہ کرام اور بزرگان سلف کے اقوال و ارشادات پیش کرتے۔ ان کے وعظ میں دو دو تین تین ہزار آدمی بلکہ اس سے بھی زیادہ تعداد میں شریک ہوتے۔ وعظ اس درجہ موثر ہوتا کہ لوگ اٹھنے کا نام نہ لیتے اور ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھے سنتے رہتے۔

① فوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ، ص ۱۲۸۔ کشف الظنون۔ مفتاح السعاده۔ طاش کبریٰ زادہ۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۵۱۔ حدائق الحنفیہ۔ ص ۲۹۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۹۵، ۹۶۔

نوٹ: صاحب حدائق الحنفیہ۔ مولوی فقیر محمد جہلمی کو یہاں سہو ہو گیا ہے۔ انھوں نے عمر بن اسحاق بن احمد ہندی غزنوی اور عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی کو دو آدمی سمجھ لیا ہے اور ان کا تذکرہ علیحدہ علیحدہ کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو حدائق الحنفیہ ص ۲۹۰ اور ۲۹۳) حالانکہ یہ دو نہیں ایک ہی ہیں اور صحیح نام عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی ہے۔

سماع کے سلسلے میں شیخ نظام الدین اولیا کو سخت نشانہ تنقید ٹھہراتے۔ شیخ نظام الدین سماع کے قائل تھے اور یہ اس کے شدید مخالف! جب بیمار ہوئے اور بیماری نے شدت اختیار کی تو شیخ نظام الدین عیادت کے لیے تشریف لائے۔ انھوں نے اندر آنے کے لیے اذن مانگا تو چار پائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ خدام کو سر سے عمامہ اتار کر دیا اور فرمایا یہ عمامہ شیخ کے پاؤں کے نیچے بچھا دیا جائے۔ شیخ نظام الدین نے ازراہ احترام عمامہ اٹھایا اس کو بوسہ دیا، تبرکاً سر پر رکھا اور حاضر خدمت ہوئے، مگر شیخ عمر چونکہ ان کی مخالفت کرتے رہے تھے اس لیے حیا آڑے آئی اور ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ جب شیخ عیادت کر کے چلے گئے تو شیخ عمر وفات پا گئے۔ شیخ نظام الدین نے ان کی موت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ ”آج دنیا سے وہ شخص رخصت ہو گیا ہے جو حمایت شریعت، کلمہ حق اور اظہار صدق میں منفرد حیثیت کا مالک تھا۔“

ایک روایت یہ ہے کہ جب شیخ نظام الدین نے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو فرمایا میں اب زندگی کی آخری منزل میں مبتدع کا منہ دیکھنا نہیں چاہتا۔ شیخ کو معلوم ہوا تو انھوں نے جواب بھجوایا کہ مبتدع بدعت سے تائب ہو کر حاضر خدمت ہوا ہے۔ اس پر شیخ عمر سنائی نے اپنا عمامہ سر سے اتار کر دیا کہ ان کے پاؤں کے نیچے بچھایا جائے۔

تصنیفات یہ ہیں۔

① نصاب الاحساب: یہ کتاب بہت عمدہ ہے اور پینسٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔

② تفسیر سورہ یوسف۔

③ الفتاوی الضیائیہ۔

یہ وہی شیخ ضیاء الدین سنائی ہیں جنھوں نے جوش اتباع شریعت اور شوق پیروی سنت میں حضرت شیخ شرف الدین ابوعلی قلندر کی داڑھی پکڑ کر ان کی حد شرع سے بڑھی ہوئی مونچھیں قینچی سے کاٹ دی تھیں اور ابوعلی قلندر اپنی داڑھی پکڑ کر کہا کرتے تھے کہ تو مبارک ریش ہے جو راہ خدا میں پکڑی گئی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب عالم جذب و مستی میں شیخ ابوعلی قلندر کی مونچھیں شرعی حدود سے متجاوز ہو گئی تھیں ①۔

## ۱۰۔ شیخ عین الدین بیجاپوری

شیخ ابوالعون عین الدین جنیدی دہلوی بیجاپوری اپنے عہد کے مشہور عالم و فاضل تھے اور ”خزانۃ العلم“ کے لقب سے معروف تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں ۷۰۶ھ (۱۳۰۷ء) کو پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ پھر دولت آباد چلے گئے اور شیخ علاء الدین حسینی جیوری سے اخذ فیض کیا۔ تحصیل علم شیخ شمس الدین محمودار مغانی سے

① تاریخ فیروز شاہی۔ برنی، ص ۳۵۶۔ اخبار الاخیار، ص ۱۰۹۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۹۷، ۹۸۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۹۷، ۹۸۔

کی شیخ منہاج الدین تمیمی انصاری کی صحبت میں رہے اور بہت سے علمائے کرام سے اخذ علم کیا یہاں تک کہ اپنے دور کے اکابر علماء میں شمار ہونے لگے۔

حصول علم کے بعد ۷۳۷ھ (۱۳۳۷ء) میں عین آباد سکر تشریف لے گئے پھر عازم بیجاپور ہوئے۔ ۷۷۳ھ (۱۳۷۲ء) میں وہاں سکونت اختیار کر لی اور تمام عمر درس و افادہ میں مصروف رہے۔ ان کے شاگردوں میں شیخ حسین بن محمود شیرازی، شیخ محمد بن یوسف حسینی دہلوی اور بہت سے علماء و مشائخ شامل ہیں۔ تصنیفات کثیرہ کے مصنف ہیں جن کی تعداد ایک سو بارہ ہے۔ ان میں سے مشہور کتابیں 'المسحقات فی التاریخ'، 'طور الابراز' کتاب فی الانساب اور تاریخ الاولیاء من اہل الہند ہیں۔ ۷۹۵ھ (۱۰ مئی ۱۳۹۳ء) کو بیجاپور میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے ①۔

## ف

### ۱۰۲۔ مولانا فخر الدین زراوی

علامہ فخر الدین زراوی سامانوی ثم دہلوی سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد کے یگانہ روزگار عالم دین تھے۔ اصلاً سامانہ کے رہنے والے تھے۔ کم سنی ہی میں حصول علم میں مشغول ہو گئے اور شوق علم کی فراوانی کشاں کشاں دہلی لے گئی۔ وہاں ان کے ہم نام عالم دین مولانا فخر الدین ہانسوی کا سلسلہ تدریس جاری تھا۔ ان کے حلقہ طلبا میں شامل ہو گئے۔ وہاں جو حضرات ان کے شریک درس تھے ان میں قاضی کمال الدین ہانسوی اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے اسمائے گرامی لائق تذکرہ ہیں۔

مولانا فخر الدین زراوی ان دنوں صوفیا کے شدید مخالف تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا پر اس سلسلے میں سخت تنقید کرتے اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کو اس بنا پر مطعون ٹھہراتے اور ان سے بحث کرتے کہ وہ شیخ نظام الدین کی مجلس میں جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں جذبہ ربانیہ کی گرفت میں آ گئے۔ بس پھر کیا تھا، اسی آن ان کے حلقہ عقیدت میں شامل ہو گئے۔ ان سے خرقة تصوف پہنا اور عمر بھر کے لیے شیخ سے انسلاک و وابستگی اختیار کر لی، مگر ساتھ ہی درس و افادہ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ان کا حلقہ درس بہت وسیع تھا۔ ان سے بے شمار طلبا نے کسب علم کیا۔

ان ایام میں ان پر تصوف و سلوک کا اس درجہ شدید غلبہ تھا کہ جنگلوں اور بیابانوں میں نکل جاتے، متعدد شب و روز بے آباد مقامات میں بسر کرتے غاروں میں جا کر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے، تنہائی میں عبادت الہی کا لطف اٹھاتے اور متواتر کئی کئی دن روزے رکھتے۔

① نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۹۸، ۹۹۔ بحوالہ روضہ الاولیاء۔



ہندوستان سے عازم حجاز ہوئے اور حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔ وہاں سے بغداد کا سفر اختیار کیا، متعدد علماء و مشائخ سے ملے اور کتب حدیث پڑھیں۔ بغداد سے ہندوستان کا قصد کیا، کشتی میں سوار ہوئے اور کشتی سمندر میں غرق ہو گئی، اور یہ جلیل القدر عالم دین شہید ہو گئے۔

بے مثل عالم، تقویٰ و طہارت کے اوصاف سے مزین، احکام شرع کے پابند، امر دینی میں نہایت سخت، عظمت و وقار کے حامل، خوش مزاج، فصاحت و بلاغت سے بہرہ ور، کلمہ حق بلند کرنے میں بے باک، سلطان جابر کے سامنے جری اور اللہ کے معاملے میں بے خوف اور اس باب میں کسی قسم کے طعن و ملامت کی پروا نہ کرنے میں مشہور۔

ایک مرتبہ بادشاہ ہند محمد شاہ تغلق نے جوان سے مواخذہ کرنے اور سزا دینے کے درپے تھا، ان کو اپنے ہاں بلایا اور کہا میں تاتاریوں سے جہاد کرنا چاہتا ہوں، آپ وعظ و تقریر کے ذریعے لوگوں کو آمادہ جہاد کریں۔ فرمایا: ”ان شاء اللہ تعالیٰ۔“

بادشاہ نے کہا: ”یہ کلمہ شک ہے۔“

فرمایا: ”نہیں، یہ کلمہ شک نہیں، بلکہ امر مستقبل کے لیے اس کا استعمال از روئے شریعت فرض ٹھہرایا گیا ہے۔“

یہ بات سن کر بادشاہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا، اور کہا: ”کوئی ایسی نصیحت کیجیے جو میرے لیے سود مند ہو۔“ فرمایا: ”غصے کو پی جانا۔ آپ کے لیے ضروری ہے۔“

پوچھا: ”کون سا غصہ؟“

فرمایا: جو انسان کو حیوانی سطح پر پہنچا دے۔“

اب بادشاہ کے چہرے پر پہلے سے بھی زیادہ آثار غضب نمایاں ہوئے۔ لیکن خاموش رہا اور کوشش کی کہ غصہ ظاہر نہ ہو۔ مگر چونکہ وہ ان کو سزا دینا چاہتا تھا، اس لیے اشرافیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی اور خلعت ان کی خدمت میں پیش کیا، مگر انھوں نے اس کو قبول نہ کیا اور ان کے ایک شاگرد مولانا قطب الدین نے، جو اس وقت ان کے ساتھ تھے اور ان کی جوتیاں بغل میں دبائے خادموں کی طرح پیچھے کھڑے تھے، فوراً تھیلی اور خلعت کو اٹھا لیا تا کہ بادشاہ کو سزا و عقوبت کا موقع نہ ملے۔ بادشاہ کو اس پر غصہ آ گیا اور اس نے مولانا قطب الدین کو سخت ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا:

”اے مزور و شکال، اس چہرے کو ہٹا دو کہ کردی، اول کفش ہائے فخر الدین رازیر بغل گرفتی“

بعدہ جامہ و سیم او خود بستدی، و اور از تیغ من خلاص رہانیدی و بلائے او گرفتی ①۔“

اے مکار و حیلہ ساز، یہ تو نے کیسی حرکتیں کی ہیں۔ پہلے فخر الدین کے جوتے بغل میں

دبائے پھر اس کی خلعت اور چاندی اپنے ہاتھ میں لی اور میری تلوار کی زد سے اس کو بچالیا اور اس کی بلا خود قبول کی۔

قطب الدین نے کمال جرات سے جواب دیا اور کہا: ”یہ میرے استاد اور میرے مخدوم کے خلیفہ ہیں میرا فرض ہے کہ ان کی جوتیاں سر پر رکھوں۔“

اس سے بادشاہ اور بھڑکا اور چمک کر بولا۔

”اسی اعتقاد ہائے کفر آ میز را بگزار و الا ترا خواہم کشت ①۔“

ان کفر آ میز اعتقادات کو ترک کر دو ورنہ میں تجھے جان سے مار ڈالوں گا۔

بعد ازاں بادشاہ نے مولانا کو کھانا پیش کیا اور دونوں دسترخوان پر بیٹھے تو ایک ہی طباق میں ان کے ساتھ بادشاہ نے اس طرح کھانا شروع کیا کہ ہڈیوں سے گوشت اتار کر ان کے سامنے رکھتا گیا۔ مولانا نے کراہت کے ساتھ چند لقمے کھائے اور دسترخوان سے ہاتھ اٹھالیا۔ بادشاہ کو یہ چیز بھی ناگوار گزری۔

اصل میں بات یہ تھی کہ سلطان محمد شاہ تغلق نے دہلی سے دیوگیر منتقل ہونے سے قبل مولانا فخر الدین زراوی اور دیگر علماء و مشائخ کو دربار میں طلب کیا تھا۔ مگر مولانا زراوی اس سے ملاقات کرنے پر تیار نہ تھے۔ وہ کہتے تھے:

”من سر خود پیش ایں در سراے ایں مرد غلطاں می بینم، یعنی باو مساحت نخواہم کرد و او مرا ز ندہ نخواہد گزاشت۔“

یعنی میں اپنا سر اس شخص کے گھر کے دروازے پر خون میں غلطاں دیکھتا ہوں، میں اس کی گفتگو سے چشم پوشی نہ کروں گا اور وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔

مولانا دہلی چھوڑ کر دیوگیر نہیں جانا چاہتے تھے، لیکن مجبوراً جانا پڑا۔ وہاں گئے تو قیام مشکل ہو گیا اور وہاں کی فضا سے اکتا گئے۔ دیوگیر سے حجاز تشریف لے گئے اور حجاز سے بغداد گئے اور تعلیم حدیث سے بہرہ اندوز ہوئے۔

مولانا فخر الدین زراوی کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع ہے، جن میں شیخ سراج الدین عثمان اودھی، مولانا رکن الدین اور ان کے برادر کبیر مولانا صدر الدین اندر پتی، شیخ محمد بن مبارک کرمانی (صاحب سیر الاولیا) ان کے چچا حسین بن محمود اور ان کے علاوہ متعدد حضرات علماء و مشائخ کے اسمائے گرامی تذکروں میں مرقوم ہیں۔

مولانا زراوی کی تصنیفات یہ ہیں:

رسالہ عثمانیہ: جو علم صرف سے متعلق ہے اور مولانا ممدوح نے شیخ سراج الدین عثمان اودھی کے لیے

تحریر کیا۔

انجیس: یہ رسالہ علم کلام کے ان مسائل کو محیط ہے، جنہیں اہل علم بہت مشکل قرار دیتے ہیں۔  
کشف القناع عن وجوہ السماع: سماع کے بارے میں۔  
اصول السماع: یہ بھی سماع کے متعلق ہے۔

اصول السماع میں ان سے جو علمی فوائد و نکات منقول ہیں، ان میں فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے تین فرقے ہیں۔ ایک فقہاء، دوسرے محدثین اور تیسرے صوفیاء۔ فقہائے کرام، محدثین کو اہل ظواہر کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ فقط خبر و روایت کو قابل اعتماد گردانتے ہیں اور اسناد صحیح کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ لیکن فقہاء اپنے آپ کو اہل الرائے قرار دیتے ہیں، اس لیے کہ وہ رائے کو لائق عمل ٹھہراتے ہیں اور خبر واحد کو ترک کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک درایت پر عمل کرنا ضروری ہے اور خبر واحد بے شک ثقات سے مروی ہو، اس کے مقابلے میں درایت کو بہر حال ترجیح حاصل ہوگی، لیکن محدثین کے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ وہ خبر واحد کو حجت مانتے ہیں۔ رہے صوفیاء تو ان کا مرکز توجہ اور محل التفات صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔ وہ اللہ کے سوا سب کو چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ مذہب احوط پر عمل کی دیواریں استوار کرتے ہیں۔ فقہ کے کسی مذہب معین اور مسلک خاص پر عمل نہیں کرتے۔ یہی مطلب ہے، بعض صوفیاء کے اس قول کا کہ الصوفی لا مذہب لہ یعنی صوفی کسی مذہب کا پابند نہیں ہوتا۔

صوفیاء کا نقطہ فکر یہ ہے کہ مذہب معین کو اختیار کرنا، اپنے آپ کو تنگی میں ڈال دینے کے مترادف ہے اور یہ دین میں ممنوع ہے، کیونکہ یہ تکلیف کا باعث بنتا ہے اور تکلیف مکلف کے لیے مشکل اور حرج پیدا کرتی ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس اعرابی کو منع کر دیا تھا، جس نے یہ دعا مانگی تھی۔

اللهم ارحمنی و محمدًا و لا ترحم معنا احدًا و قال لقد تجحرت واسعا۔  
یعنی اے اللہ مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما، ہمارے سوا اور کسی کو اپنی آغوش رحمت میں نہ لے۔ حضور ﷺ نے (یہ سن کر) اس سے فرمایا، تو نے وسعت کو تنگ کر دیا ہے۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ مذہب معین اختیار کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ عوام کا طریق ہے۔ صوفیاء کے اس نقطہ نظر کی تائید کتاب و سنت سے ہوتی ہے، اور محققین کا اس پر اجماع ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ①

اس آیت کریمہ میں بلا کسی تعین کے فقط اہل ذکر سے سوال کرنے کا حکم دینا، اس حقیقت پر دلالت کناں ہے کہ کسی مذہب معین کا اختیار کرنا بدعت ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان:

① یہ سورہ نحل کی تینتالیسویں آیت ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: کہ اگر تم نہیں جانتے تو یاد رکھنے والوں سے پوچھ لو۔

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم ①۔  
کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے تم جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

اس حدیث میں صحابہ کی اقتدا کا حکم اسی آیت کی طرح ہے جس میں مشکل مسائل کے حل کے لیے اہل ذکر اور اصحاب بصیرت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔  
یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اجماع امت بالکل ظاہر و واضح ہے کیوں کہ علمائے مجتہدین کے اقوال و فرامین کو محض نظر ٹھہرانا واجب ہے تاکہ عاقل و فہیم شخص دلیل راجح کو مرجوح سے اور قوی کو ضعیف سے ممیز کر سکے اور اصول میں رشد و ہدایت نکھر کر سامنے آسکیں اور یہی طلب علم کا طریق ہے اور طلب علم واجب ہے۔  
حدیث میں ہے۔

طلب العلم فریضة علی کل مسلم ②۔

کہ طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

آگے چل کر مولانا زرا دی فرماتے ہیں:

کسی مذہب معین کو از روئے تقلید اختیار کرنا اس کے دروازے بند کر دینے کے مترادف ہے، کیونکہ یہ ترجیح بلا مرجح اور مکلف کے لیے حرج و تکلیف کا باعث ہے۔

بہر حال اگر صوفیا مذہب غیر معین پر عمل پیرا ہیں تو ان کے بارے میں نہ فقہاء کی رائے قابل وقعت ہوگی اور نہ ان کا فیصلہ صوفیا کے لیے حجت قرار پائے گا۔

صوفیا کی اس قسم کی بہت سی باتیں نہایت تعجب انگیز ہیں۔ ہم نے فقہیات سے متعلق اختصار کے ساتھ ان کا نقطہ نظر یہاں اس لیے بیان کر دیا ہے کہ قارئین کرام اس سے بھی آگاہ ہو سکیں۔

یہاں یہ یاد رہے کہ یہ وہی مولانا فخر الدین زرا دی ہیں جنہوں نے علم صرف کی مشہور کتاب ”زرا دی“ لکھی ہے۔ گزشتہ سطور میں ان کی تصنیفات کی فہرست میں جو ”رسالہ عثمانیہ“ درج ہے اسی کا نام فاضل مصنف کی نسبت کی بنا پر ”زرا دی“ کے نام سے موسوم ہوا۔

مولانا فخر الدین زرا دی رحمۃ اللہ علیہ نے ۷۴۸ھ (۱۳۴۷ء) میں وفات پائی ③۔

① مشکوٰۃ باب مناقب صحابہ۔ فصل ثالث (بحوالہ رزین) قال الالبانی۔ اسنادہ واہ جدا۔

② طبرانی کبیر داسط۔

③ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ سیر الاولیاء۔ ص ۲۶۲ تا ۲۷۵۔ اخبار الاخیار، ص ۹۱، ۹۲۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۶۰۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۳ تا ۱۰۶۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص ۳۶۸ تا ۳۷۰۔

## ۱۰۳۔ شیخ فخر الدین مروزی

شیخ فخر الدین مروزی، فضل و صلاح اور زہد و فقاہت میں خاص شہرت کے حامل تھے۔ تصوف و طریقت کی منزلیں شیخ نظام الدین اولیا کی تربیت میں طے کیں اور پھر اپنے آپ کو عبادت الہی کے لیے مخصوص کر لیا۔ ان کے زمانے میں ترک و تجرید اور عفت و اتقا میں ان کا کوئی ہم سر نہ تھا۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد حکومت میں ۷۳۶ھ (۱۳۳۶ء) کو وفات پائی ①۔

## ۱۰۴۔ مولانا فخر الدین ناقلی

علامہ فخر الدین ناقلی دہلوی، علم و فضل میں یکتائے دہر تھے۔ فقہ اصول فقہ اور علوم عربیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سلطنت میں منصب صدارت پر فائز تھے۔ مدت مدید تک اس منصب پر متعین رہے۔ پھر معزول کر دیے گئے اور بڑا عرصہ گھر کے گوشہ عزلت میں گزارا۔ بعد ازاں سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے ان کو عہدہ صدارت عطا کیا۔ تقریباً چار سال کرسی صدارت سنبھالے رکھی۔ چار سال کے بعد پھر معزول ہو گئے۔ دہلی میں مدرس تھے۔ ان سے علما کی بڑی تعداد نے استفادہ کیا ②۔

## ۱۰۵۔ مولانا فخر الدین ہانسوی

علامہ فخر الدین ہانسوی اپنے دور کے مشہور اساتذہ میں سے تھے اور دارالحکومت دہلی میں منصب تدریس پر متمکن تھے۔ اس دور میں ان سے بے شمار حضرات نے اخذ علم کیا، جن میں ان کے بھانجے قاضی کمال الدین ہانسوی، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، شیخ فخر الدین زراوی اور بہت سے اہل علم شامل ہیں۔ شیخ حمید الدین دہلوی خیر المجالس میں لکھتے ہیں کہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے ان سے شیخ فخر الدین زراوی کی مشارکت میں فقہ کی کتاب ہدایہ پڑھی۔ ان کی تصنیفات میں سے ایک تصنیف دستور الحقائق ہے جو ایک بسیط و مفصل کتاب ہے ③۔

## ۱۰۶۔ مولانا فخر الدین شتاقلی

شیخ فخر الدین دہلوی شتاقلی کے نام سے معروف تھے اور سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں دارالسلطنت دہلی کے کبار اساتذہ میں سے تھے۔ دہلی میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ اس دور میں ان سے علما و طلبا کی کثیر تعداد نے استفادہ کیا ④۔

① اخبار الاخیار، ص ۹۲، ۹۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۶۔ بحوالہ سیر الاولیاء و خزینۃ الاصفیاء۔

② تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۱۹۶، ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۶۔

③ تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۳۵۳۔ اخبار الاخیار، ص ۹۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۷۔

④ اخبار الاخیار، ص ۱۰۵۔ نزہۃ الخواطر، ص ۱۰۹۔

## ۱۰۷۔ قاضی فخر الدین بجنوری

قاضی فخر الدین بن رکن الدین بن فخر الدین بن عثمان بن ابوبکر صدیق سترکھی بجنوری، اصحاب فضل و صلاح اور ارباب فقہت و صلاحیت میں سے تھے۔ تصوف و طریقت سے بھی تعلق تھا۔ پہلے شیخ نظام الدین اولیا سے بیعت ہوئے۔ پھر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے انسلاک و ملازمت اختیار کی اور کسب فیض کیا۔ زہد و استغنا میں اونچا درجہ رکھتے تھے۔ ۵ جمادی الاولیٰ ۷۵۹ھ (۱۵ اپریل ۱۳۵۸ء) کو وفات پائی اور یوپی کے شہر بجنور میں مدفون ہوئے ①۔

## ۱۰۸۔ شیخ الاسلام فرید الدین اودھی

عالم کبیر، علامہ شیخ الاسلام فرید الدین اودھی، فقہی اعتبار سے شافعی المسلک تھے اور دیار ہند کے مشاہیر افاضل میں سے تھے۔ اپنے دور میں علوم عربیہ، تفسیر، نحو اور لغت میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ علاقہ اودھ میں منصب شیخ الاسلام پر فائز تھے۔ شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی نے ان سے اخذ علم کیا اور شیخ علاء الدین نیلی نے ان سے تفسیر کشاف پڑھی ②۔

## ۱۰۹۔ شیخ فرید الدین ناگوری

شیخ محمود بن علی بن حمید سعیدی سواہی ناگوری۔ ان کا لقب شیخ فرید الدین تھا اور لقب ہی سے مشہور تھے۔ ناگور میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے والد ماجد سے جو عالم و صوفی تھے، اخذ علم کیا اور ان کی تربیت میں رہے، پھر ان کی جگہ تلقین و ارشاد کی مسند سنبھالی۔ اپنے دور کے جلیل القدر عالم و فقیہ تھے اور مشائخ کی جماعت میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان سے شیخ ضیاء الدین نخشی اور بہت سے حضرات نے تحصیل کی۔ ان کی ایک تصنیف کا نام سر الصدور ہے جو ان کے جد امجد کے حالات پر محیط ہے۔ اس میں اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی صغر سنی میں اپنے دادا کو پایا اور میرے والد نے مجھے ۲ ربیع الاول ۷۲۵ھ (۱۶ فروری ۱۳۲۵ء) کو اجازہ حدیث عطا کیا، میرے دادا کا خرقة پہنایا اور میرے لیے دعائے برکت کی۔ ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) کو دہلی میں فوت ہوئے اور وہیں تدفین ہوئی ③۔

① تاریخ فیروز شاہی، برنی، ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۷۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۷، بحوالہ تذکرۃ الاصفیاء۔

③ اخبار الاخیار، ص ۹۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۸۔

## ۱۱۰۔ شیخ فرید الدین دولت آبادی

شیخ فرید الدین دولت آبادی ”ادیب“ کے لقب سے مشہور تھے۔ عالم و فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ کبار مشائخ چشتیہ میں سے گردانے جاتے تھے۔ تصوف و طریقت میں شیخ برہان الدین محمد ہانسوی غریب کے شاگرد تھے اور طویل عرصے تک ان سے وابستہ رہے۔ یہاں تک کہ تصوف میں درجہ کمال کو پہنچے۔ شیخ برہان الدین غریب ان سے انتہائی محبت رکھتے تھے۔ شیخ برہان الدین غریب کی وفات سے تیرہ دن پہلے فوت ہوئے۔ تاریخ وفات ۲۹ محرم ۷۳۸ھ (۲۷ اگست ۱۳۳۷ء) ہے ①۔

## ۱۱۱۔ شیخ فضل بن محمد ملتانی

شیخ فضل بن محمد بن زکریا اسدی قرشی ملتانی، شیخ فضل اللہ ملتانی کے نام سے موسوم تھے۔ فقیہ اور زاہد تھے اور رجال علم و معرفت سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے والد شیخ محمد سے جو شیخ صدر الدین کے لقب سے شہرت رکھتے تھے اکتساب فیض کیا اور منازل علم طے کیں۔ خود ان سے شیخ شمس الدین مصری محدث نے علم حاصل کیا۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے زمانے میں نائب وزیر تھے ②۔

## ۱۱۲۔ مولانا فصیح الدین دہلوی

شیخ فصیح الدین دہلوی سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے فضلاء نامور فقہائے ماہرین اور علم و عمل میں ممتاز حضرات میں سے تھے۔ اصول فقہ کی تعلیم شیخ شمس الدین قوشچی سے، قاضی محی الدین کاشانی کی مشارکت میں حاصل کی۔ باقی علوم و فنون کے لیے دیگر علمائے عظام کی خدمت میں حاضری دی۔ نہایت ذہین، ذکی، صحیح الفطرت، کثیر الدرس اور وسیع الافادہ تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے ان کو اپنے بیٹوں کے معلم مقرر کیا تھا۔ کئی سال اس خدمت پر مامور رہے۔ پھر اس منصب سے علیحدہ ہو گئے اور سب امور سے منقطع ہو کر زہد و عبادت کو زندگی کا مقصد و حید قرار دے لیا۔ طریقت و سلوک کی منزلیں طے کرنے کے لیے شیخ نظام الدین اولیا کی طرف رجوع کیا اور خاصا عرصہ ان کی صحبت میں گزارا۔ اپنے شیخ کی زندگی میں وفات پائی ③۔

① نزہت الخواطر ج ۲، ص ۱۰۹۔

② تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۳۷۹۔ نزہت الخواطر ج ۲، ص ۱۰۹۔

③ نزہت الخواطر ج ۲، ص ۱۰۹، ۱۱۰۔ بحوالہ سیر الاولیاء۔

## ۱۱۳۔ قاضی فصیح الدین ہروی

امیر علاء الملک فصیح الدین ہروی خراسانی، فاضل شخص تھے اور ممتاز فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ شہر ہرات کے قاضی تھے۔ بادشاہ ہند محمد شاہ تغلق کے زمانے میں وارد ہند ہوئے اور اس نے ان کی علمی قابلیت اور تنظیمی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر لاہری اور اعمال لاہری میں بلا سندھ کا حاکم مقرر کر دیا۔ اپنی سیاحت کے دوران ابن بطوطہ اس نواح میں آیا تو ان سے اس کی ملاقات ہوئی۔ وہ اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے بندرگاہ لاہری اور قاضی فصیح الدین ہروی کا ذکر خاصی تفصیل سے کرتا ہے۔ ابن بطوطہ نے جن الفاظ میں ان کا تذکرہ کیا ہے اس سے ان کے مرتبہ بلند، جنگی تدبیروں اور دنیوی عز و جاہ کا پتا چلتا ہے۔

یہاں ہم ابن بطوطہ کے الفاظ کا ترجمہ اپنے قارئین کے مطالعہ میں لانا چاہتے ہیں، وہ لکھتا ہے:

”قاضی علاء الملک فصیح الدین خراسانی، قاضی ہرات، ایک فاضل شخص تھے۔ بادشاہ (محمد تغلق) نے ان کو لاہری کا حاکم بنا دیا۔ وہ بھی سرتیز کی مدد کو اپنا لشکر لے آئے۔ ان کا سامان پندرہ بڑی کشتیوں میں لادا گیا تھا جو وہ دریائے سندھ میں اپنے ہمراہ لائے تھے۔ میں نے ان کے ساتھ لاہری جانے کا ارادہ کیا۔ قاضی علاء الملک کے پاس بڑی کشتی تھی جسے آہورہ کہتے تھے۔ اس کے نصف حصے کو سیڑھیاں بنا کر اونچا کیا گیا تھا اور تختے لگا کر نشست کی جگہ بنائی گئی تھی۔ قاضی اس پر بیٹھا کرتا تھا اور اس کے نوکر دائیں بائیں اور سامنے بیٹھتے تھے۔ چالیس ملاح اس کشتی کو کھینچتے تھے۔ چار چھوٹی کشتیاں اور تھیں۔ دو دائیں طرف رہتی تھیں، دو بائیں طرف۔ دو کشتیوں میں طبل اور نقارہ، علم اور سرنائی وغیرہ ہوتے تھے اور دو کشتیوں میں اہل طرب بیٹھتے تھے۔ جب کشتی چلتی تھی تو کبھی نوبت بجائی جاتی اور کبھی مطرب راگ گانے لگتے۔ وہ صبح سے لے کر دوپہر تک گاتے بجاتے چلے جاتے۔ جب کھانے کا وقت ہوتا اور سب کشتیاں پہنچ جاتیں تو دسترخوان بچھایا جاتا۔ جب تک امیر علاء الملک کھانا کھاتے، یہ لوگ گانا بجایا کرتے، اور آخر میں خود کھانے سے فارغ ہو کر اپنی اپنی کشتیوں میں چلے جاتے۔ جب رات ہوتی تو کشتیاں دریا کے کنارے کھڑی کر دی جاتیں اور خشکی پر خیمے نصب کر دیے جاتے۔ جہاں امیر علاء الملک شب باش ہوتے۔ جب سارا لشکر رات کا کھانا کھا چکتا اور عشا کی نماز سے فارغ ہو جاتا تو چوکیدار باری باری آتے۔ جب ایک چوکیدار اپنی باری ختم کر لیتا تو پکار کر کہتا: ”اے اخوند اتنی گھڑیاں رات گزر چکی ہے۔“

”صبح ہوتی تو پھر نوبت اور نقارے بجنے شروع ہو جاتے، فجر کی نماز پڑھ کر کھانا کھایا جاتا اور کشتیاں چل پڑتیں۔ اگر امیر دریا کے ذریعے جانا چاہتا تو کشتی میں بیٹھ جاتا اور اگر خشکی کے راستے سفر کرنا مقصود ہوتا تو سب سے آگے نوبت اور نقار خانہ ہوتا۔ ان کے بعد حاجب اور حاجبوں کے آگے چھ گھوڑے ہوتے۔ تین پر نقارے ہوتے اور تین پر سرنا اور نفیری والے۔ جب کسی گاؤں یا اونچی زمین میں پہنچتے تو طبل اور نقارے بجائے



جاتے اور جب دن کے کھانے کا وقت ہوتا تو ٹھہر جاتے۔ میں امیر علاء الملک کے ساتھ پانچ روز رہا۔ پانچویں دن ہم لاہری پہنچے۔ یہ خوب صورت شہر سمندر کے کنارے واقع ہے۔ قریب ہی دریائے سندھ سمندر میں جا گرتا ہے۔ یہ شہر بڑی بندرگاہ ہے۔ یمن اور فارس کے جہاز اور تاجر اس میں بکثرت آتے ہیں اور اسی لیے یہ شہر بڑا مالدار ہے اور اس کے محاصل بھی زیادہ ہیں۔ امیر علاء الملک نے مجھے بتایا کہ اس بندرگاہ کے محاصل بھی زیادہ ہیں۔

”امیر علاء الملک مجھ سے کہتے تھے کہ اس بندرگاہ کے محاصل ساٹھ لاکھ دینار سالانہ ہیں اور ان کو اس سے بیسواں حصہ ملتا ہے یعنی عشر کا نصف اور اسی شرح پر بادشاہ اپنے کارندوں کو علاقے سپرد کرتا ہے۔“

”ایک روز میں امیر علاء الملک کے ساتھ سیر کو گیا۔ شہر سے سات کوس کے فاصلے پر ایک میدان ہے جس کو تاتار کہتے ہیں۔ وہاں بے شمار آدمیوں اور حیوانوں کی پتھر کی مورتیاں کچھ ثابت اور کچھ ٹوٹی پھوٹی پڑی ہیں اور غلہ اور گیہوں اور چنا اور مسری وغیرہ پڑے ہیں۔ فصیل اور مکانوں کی دیواروں کے ساتھ سامان کا ڈھیر ہے۔ کھنڈروں میں کھدے ہوئے پتھر کا ایک گھر ہے۔ اس کے وسط میں ایک چبوترہ ہے جو ایک ہی پتھر کا بنا ہوا ہے۔ اس پر ایک آدمی کابٹ ہے۔ اس آدمی کا سر ذرا لمبا ہے اور منہ ایک طرف پھرا ہوا ہے۔ دونوں ہاتھ کمر سے کسے ہوئے ہیں۔ اس جگہ نہایت بدبودار پانی کھڑا ہوا تھا۔ بہت سی دیواروں پر ہندی زبان اور ہندی رسم الخط میں لکھے ہوئے کتبے ہیں۔“

”امیر الملک کہتے تھے کہ اس ملک کے مورخوں کا خیال ہے کہ یہ شہر تباہ ہو گیا تھا اور چبوترے پر جو بت نصب ہے وہ بادشاہ کا تھا۔ چنانچہ اب بھی لوگ اس گھر کو راجا کا محل کہتے ہیں۔ دیواروں کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی بربادی تقریباً ایک ہزار سال پہلے ہوئی تھی۔ میں امیر الملک کے پاس پانچ روز ٹھہرا۔ اس نے بدرجہ غایت میری خدمت اور خاطر و مدارات کی اور میرے لیے زادراہ بھی تیار کرایا ①۔“

## ۱۱۴۔ شیخ فیروز دہلوی

شیخ فیروز دہلوی کا لقب شیخ شرف الدین تھا۔ مرد صالح، عالم بے مثل، فاضل یگانہ پیکر ذہانت و فطانت، اوصاف فضل و صلاح سے متصف اور زیور و رع و تقویٰ سے آراستہ تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا سے اخذ فیض کیا۔ امرا و اغنیا اور ملوک و وزرا سے بے نیاز رہتے۔ نہ ان کے دروازے پر حاضری دیتے، نہ ان کی طرف ملتفت ہوتے اور نہ ان سے تحائف و ہدایا قبول کرتے۔ اسی نوع کی خوبیوں اور تدین کی بنا پر عوام میں بے حد مقبول تھے اور لوگ ان کے فضل و کمال کی وجہ سے ان کے گرویدہ اور معتقد تھے۔ دیوگیر میں فوت ہوئے ②۔

① رحلتہ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۰۲۶۔

② نزہۃ النخاطر ج ۲ ص ۱۱۳۔

## ق

## ۱۱۵۔ شیخ قاسم بن عمر دہلوی

فاضل کبیر شیخ قاسم بن عمر دہلوی، شیخ نظام الدین اولیا کے بھانجے ہوتے تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ مولانا جلال الدین دہلوی سے قرآن مجید حفظ کیا اور باقی علوم کی تحصیل کی۔ ہدایہ، بزدوی، مشارق الانوار، تفسیر کشاف اور باقی کتب درسیہ ان ہی سے پڑھیں اور بہت مدت تک ان سے وابستہ رہے۔ نہایت ذکی اور عمدہ سیرت و عالی طبیعت کے مالک تھے۔ تفسیر قرآن کے موضوع پر لطائف التفسیر کے نام سے ان کی ایک تصنیف ہے جو قرآن مجید کے لطائف و اسرار اور معارف و نکات کو محتوی ہے ①۔

## ک

## ۱۱۶۔ مولانا کریم الدین جوہری

فاضل یگانہ شیخ کریم الدین جوہری دہلوی، علاء الدین خلجی کے عہد میں دہلی میں فقہ اصول اور علوم عربیہ کے ماہر عالم تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں ان کا سلسلہ درس جاری تھا، جس سے ذوق علمی رکھنے والوں کی کثیر تعداد نے استفادہ کیا ②۔

## ۱۱۷۔ مولانا کمال الدین سامانوی

شیخ کمال الدین سامانوی اپنے دور کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ سلطان محمد شاہ تغلق اور فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں طویل عرصے تک دہلی میں مسند درس بچھائے رکھی، جس سے بے شمار اہل علم نے استفادہ کیا۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے حکم سے دہلی سے دولت آباد چلے گئے تھے۔ وہاں بھی مسند تدریس کو رونق بخشی اور زندگی بھر یہی خدمت انجام دیتے رہے۔ ان سے جن حضرات نے تحصیل کی، ان میں شیخ زین الدین داؤد بن حسین شیرازی کا اسم گرامی شامل ہے ③۔

① نزہۃ الخواطر جلد ۲، ص ۱۱۸۔

② تاریخ فیروز شاہی، برنی ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۱۵۔

③ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۱۶۔ بحوالہ روضۃ الاولیاء۔

## ۱۱۸۔ مولانا کمال الدین دہلوی

عالم و فاضل شیخ کمال الدین بن عبدالرحمن بن محمد بن عمر دہلوی اپنے علم و فضل کی وجہ سے علامہ کے نام سے مشہور تھے۔ سلسلہ نسب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ معروف بزرگ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے بھانجے ہوتے تھے۔ علاقہ اودھ میں پیدا ہوئے اور کم عمری ہی میں حصول علم میں مشغول ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ فضائل علمیہ میں مہارت پیدا کر لی اور افتاء و تدریس کی اہلیت سے مالا مال ہوئے۔ بعد ازاں اپنے ماموں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے تصوف و طریقت کی تعلیم حاصل کی اور طویل عرصے تک دہلی میں اقامت گزین رہے۔ پھر عازم گجرات ہوئے۔ اس نواح میں حسن قبول حاصل کیا اور بہت بڑی اکثریت ان کی صالحیت و تدین اور علم و فضل کی وجہ سے ان کی گرویدہ ہو گئی۔ وہاں خاصی مدت مقیم رہے۔ گجرات سے پھر دہلی تشریف لے گئے اور ۲۷/ ذی القعدہ ۷۵۶ھ (۳ دسمبر ۱۳۵۵ء) کو دہلی میں وفات پائی ①۔

## ۱۱۹۔ مولانا کمال الدین سنتوسی

فاضل یگانہ شیخ کمال الدین سنتوسی بہاری، فقہ اصول کلام اور علوم عربیہ کے ممتاز علما میں سے تھے۔ صوبہ بہار کے ایک گاؤں سنتوس کے رہنے والے تھے اور وہیں طلباء کو درس دیتے تھے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری نے ان کو ایک رسالہ لکھا جس کا موضوع یہ تھا کہ اللہ کی معرفت کے لیے عقل کافی ہے یا نہیں ②۔

## ۱۲۰۔ شیخ کمال الدین مالوی

شیخ کمال الدین بن بایزید بن نصیر الدین بن فرید الدین مسعود اجودھنی مالوی، بابا فرید الدین گنج شکر کی اولاد سے تھے۔ تدین و صالحیت میں مشہور تھے۔ علم فقہ کے زبردست عالم تھے۔ کبار مشائخ چشتیہ میں گردانے جاتے تھے۔ علم طریقت شیخ نظام الدین اولیا سے حاصل کیا اور خاصہ عرصہ ان کی خدمت میں رہے۔ پھر شیخ نے ان کو مالوہ تشریف لے جانے اور وہاں کے لوگوں میں رشد و ہدایت کی تبلیغ کرنے کی اجازت دی۔ یہ مالوہ گئے تو بے شمار غیر مسلموں نے ان کی تبلیغی مساعی سے اسلام قبول کیا۔ شیخ ممدوح علاقہ مالوہ کے ایک گاؤں ”دھار“ میں مقیم تھے اور ان کا حلقہ اثر بہت وسیع تھا ③۔

① تذکرہ علمائے ہند ۱۷۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۱۶۔ بحوالہ خزینۃ الاصفیاء۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۱۸۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۱۹۔

—۲—

## ۱۲۱۔ شیخ محمد بن احمد بدایونی۔ نظام الدین اولیا

شیخ نظام الدین اولیا کا اسم گرامی محمد اور والد مکرم کا احمد تھا۔ محبوب الہی، سلطان السلاطین، سلطان الاولیا، سلطان المشائخ اور نظام الدین اولیا القاب تھے۔ سلسلہ نسب اٹھارہ واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

شیخ نظام الدین اولیا کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا اور لاہور سے بدایوں گیا اور وہاں سکونت اختیار کر لی۔ حضرت شیخ شہر بدایوں میں ماہ صفر ۶۳۲ھ (اکتوبر ۱۲۳۶ء) کو پیدا ہوئے۔

ابھی پانچ سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری والدہ ماجدہ پر آ پڑی جو بڑی صالحہ و زاہدہ خاتون تھیں۔ ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہوئی۔ اسی شہر میں مولانا علاء الدین اصولی سے فقہ کی کتاب قدوری ختم کی۔ انھوں نے اپنے اس ہونہار شاگرد کے سر پر دستار فضیلت باندھنے کی تقریب میں، علماء و مشائخ کو مدعو کیا۔ اس مبارک تقریب میں شیخ کی شکل دیکھ کر بعض بزرگوں نے کہا کہ اس لڑکے کا سر کبھی کسی شخص کے آگے نہیں جھکے گا۔

مزید تعلیم کے لیے والدہ مکرمہ دہلی لے گئیں۔ دہلی شہر اس زمانے میں علماء و فضلا کا گہوارہ تھا اور اصحاب کمال کی بہت بڑی جماعت اس میں فروکش تھی جن میں مولانا شمس الدین دامغانی کو امتیاز حاصل تھا۔ فرماں رواے ہند غیاث الدین بلبن کے نزدیک یہ بے حد قدر و منزلت کے مالک تھے۔ اس نے ان کے اوصاف گونا گوں سے متاثر ہو کر ان کو شمس الملک کا خطاب دیا اور ”مستوفی ممالک“ کے عہدے پر فائز کیا تھا۔ اس زمانے کے مشہور شاعر تاج الدین سنگ ریزہ نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ کہا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

شمسیا کنوں بکام دل دوستاں شدی  
مستوفی ممالک ہندوستاں شدی

اس عہدہ جلیلہ پر متعین ہونے سے پہلے وہ دیار ہند میں درس و تدریس کے لیے مشہور تھے اور طالبان علم ان کی تدریسی خوبیوں اور علمی فراوانیوں کی وجہ سے ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے، دہلی میں شیخ نظام الدین کو ان ہی کے حلقہ درس میں داخل کیا گیا۔ مولانا شمس الدین دامغانی نے ان کو نہایت التفات و توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔ وہ اپنے عزیز اور فہیم و ذہین طلبا کو اپنے حجرے میں بلا کر درس دیا کرتے تھے۔ یہ شرف ان کے تین شاگردوں کو حاصل تھا، وہ تھے۔ قطب الدین ناقلہ برہان الدین عبدالباقی اور نظام الدین۔ مولانا شمس الدین دامغانی کے انداز تدریس سے طلبا بہت مطمئن تھے۔ ان کی عادت تھی کہ جب شاگرد درس سے غیر حاضر ہوتا تو اس سے ازراہ مذاق کہتے، میں تمھاری کیا خطا کر بیٹھا کہ تم درس میں حاضر نہ ہوئے۔ مجھے بتاؤ تاکہ میں پھر اسی

غلطی کا ارتکاب کروں اور تم آئندہ بھی حاضر درس نہ ہو سکو۔ لیکن اگر شیخ نظام الدین ناغہ کرتے اور وہ پھر استاد کی خدمت میں جاتے تو انھیں دیکھ کر کچھ کہنے کے بجائے یہ شعر پڑھتے:

بازے کم از آنکہ گاہ گاہے  
آئی و بماکنی نگاہے

شیخ نے مولانا شمس الدین دامغانی سے مقامات حریری کے چالیس مقامات پڑھے اور زبانی یاد کیے۔ بعد ازاں مولانا کمال الدین زاہد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے مشارق الانوار کا درس لیا۔ مولانا کمال الدین اپنے عہد کے اس درجہ جلیل القدر عالم اور صاحب اتقا بزرگ تھے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ان کے تقویٰ و دیانت اور تبحر علمی کی شہرت سن کر انھیں اپنے پاس بلایا اور عرض کیا: اگر آپ میری نمازوں کی امامت قبول فرمائیں تو کیا عجب کہ اس امامت کی برکت سے بارگاہ خداوندی میں میری نمازیں درجہ قبولیت حاصل کر لیں۔ لیکن مولانا نے ایک اداے استغنا کے ساتھ بادشاہ کو جواب دیا کہ میرے پاس نماز کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے، کیا آپ اسے بھی مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں؟ بادشاہ نے یہ دو ٹوک جواب سن کر چپ سادھ لی اور معذرت کرنے کے ان کو واپس بھیج دیا۔ شیخ نظام الدین نے کتب احادیث ان ہی سے پڑھیں۔ شیخ قرآن مجید کے حافظ تھے۔ ان کو علوم سے اس قدر لگاؤ تھا کہ سلسلہ تدریس برابر جاری رکھا۔ اپنے مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر سے عوارف المعارف اور تمحید ابو شکور سالمی پڑھی۔ جہاں یہ بلند پایہ صوفی اور صاحب طریقت بزرگ تھے وہاں مشاغل درس و تدریس کی وجہ سے ان کا شمار وقت کے تبحر اور جید علمائے کرام میں بھی ہوتا تھا۔ اسی لیے ان کی خانقاہ میں رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا شغل بھی جاری رہتا۔ ان کے مرشد کی خاص طور سے ان کو یہ ہدایت تھی کہ یہ سلسلہ ہر حال اور ہر صورت میں جاری رہنا چاہیے۔

دہلی میں شیخ نظام الدین اولیا بلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرے میں رہتے تھے۔ اس سے قریب ہی شیخ فرید الدین گنج شکر کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کی قیام گاہ تھی جو مختلف علوم سے آراستہ تھے۔ ان کی ہمہ وقتی صحبت و رفاقت کی وجہ سے شیخ نظام الدین کے دل میں بابا فرید کی زیارت و ملاقات کا شوق موج زن ہوا۔ ایک شب دہلی کی جامع مسجد میں مقیم تھے کہ صبح کے وقت موذن نے مسجد کے منار پر چڑھ کر یہ آیت تلاوت کی۔

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ ①۔

قرآن کے یہ الفاظ سنتے ہی ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اور بابا فرید کی زیارت و ملاقات کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب اجودھن (پاک پٹن) پہنچے تو بابا صاحب نے ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا۔

① یہ سورہ حدید کی آیت نمبر ۱۳ ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے: کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے گڑگڑانے لگیں۔

اے آتش فراقت دل ہا کباب کردہ  
سیلاب اشتیاق جانہا خراب کردہ

اور اسی وقت کلاہ چہارتر کی اپنے سر سے اتار کر مرید کے سر پر رکھ دی۔

حضرت شیخ ۱۵ رجب ۶۵۵ھ سے ۳ ربیع الاول ۶۵۶ھ (۲۹ جولائی ۱۲۵۷ء سے مارچ ۱۲۵۸ء) تک اپنے اس عظیم مرشد کی خدمت میں تعلیم و ترتیب کی مختلف منزلیں طے کرتے رہے۔

شیخ نظام الدین اولیا کی زندگی متعدد مراحل سے گزری۔ تکلیف اور سخت آزمائش و مشکلات کا زمانہ بھی دیکھا۔ مگر ان پر کبھی اضطراب اور گھبراہٹ کی کیفیت طاری نہیں ہوئی۔ بادشاہ ہند سلطان جلال الدین خلجی نے کئی مرتبہ کچھ دیہات ان کی نظر کرنا چاہے تاکہ خانقاہ میں رہنے والوں کی مالی دشواریاں ختم ہو جائیں، مگر انھوں نے اس کی یہ پیشکش قبول کرنے سے ہمیشہ انکار کیا۔ پھر بعض شاہان ہندوستان نے ان کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان سے ملاقات کرنے کی کوشش بھی کی، لیکن انھوں نے ان کی یہ درخواست قبول نہ فرمائی، صرف اس لیے کہ وہ ملوک و سلاطین کی مجلسوں میں بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے اور اس کو علما و مشائخ کے وقار علمی اور مقام مشیخت کے منافی سمجھتے تھے۔ بارہا گھر میں کچھ کھانے کو نہ ہوتا مگر وہ کسی کے دروازے پر دستک نہ دیتے۔ جس دن گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی تو ان کی والدہ کہتیں، آج ہم لوگ اللہ کے مہمان ہیں۔ حضرت شیخ کو ماں کے ان الفاظ سے بڑی روحانی لذت حاصل ہوتی۔ جب گھر میں کچھ کھانے کو ہوتا تو افسوس کرتے کہ آج والدہ یہ نہ کہہ سکیں گی کہ آج ہم لوگ اللہ کے مہمان ہیں۔

شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ نے جن سلاطین ہند کا زمانہ پایا، ان میں ایک بادشاہ سلطان غیاث الدین تغلق تھا۔ یہ دین دار نیک، حق شناس اور پرہیزگار بادشاہ تھا۔ بلاد ہند میں احکام شریعت کے اجرا و نفاذ کے لیے اس نے مفتیوں، قاضیوں، محاسبوں اور مختلف مناصب پر متعین لوگوں کو خاص طور سے ہدایات جاری کر رکھی تھیں۔ مورخ ضیاء الدین برنی اس کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے۔

از برائے جریان احکام شریعت، قاضیان و مفتیان و دادبک و محاسبان عہد اور آوبروی  
بس بسیار و آشنائی تمام پیدا آمدہ بود ①۔

شیخ نظام الدین اولیا سماع کے قائل تھے، بعض علما نے جو درحقیقت سماع کے مخالف نہ تھے بلکہ خود شیخ کی ذات سے حسد و کدورت رکھتے تھے، بادشاہ کی دین داری اور پابندی شرع کی بنا پر اس سے سماع کی مخالفت میں ایک عام حکم شاہی جاری کر دیا۔ لیکن شیخ کی محفل میں بدستور سلسلہ سماع جاری رہا۔ علما نے اس کے خلاف آواز بلند کی تو بادشاہ نے ایک محضر طلب کیا، جس میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لیے تمام مشائخ و علما کو جمع کیا گیا۔ شیخ نے بھی اہل علم کی اس مجلس میں شرکت فرمائی۔ بحث شروع ہوئی تو فریقین کی طرف سے سماع کی اباحت اور

حرمت میں دلائل پیش کیے گئے۔ طلوع آفتاب کے ذرا بعد سے لے کر زوال آفتاب تک مناظرہ ہوتا رہا اور دونوں جانب سے اپنے اپنے حق میں دلائل کی گرم بازاری رہی۔ شیخ نے نفسِ اغنا کے جواز میں حدیثیں پیش کیں تو علمائے احناف نے کہا، تم مقلد ہو، تمہیں حدیث سے کیا مطلب؟ اگر فقہ حنفی کی رو سے کوئی روایت یا دلیل ہے تو پیش کرو۔ یہ سن کر شیخ نے فرمایا وہ ملک کیوں کر آباد رہے گا، جس میں لوگوں کی رائے کو احادیث نبوی ﷺ پر ترجیح دی جاتی ہو ❶۔

بحث نے طول پکڑا تو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے نواسے مولانا علم الدین نے جو اس زمانے کے جید عالم تھے اور جن سے سلطان غیاث الدین تغلق بھی اعتقاد رکھتا اور احترام سے پیش آتا تھا، شیخ کی موافقت یعنی سماع کی اباحت میں فیصلہ دیا، جس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے شیخ کو اعزاز و اکرام کے ساتھ مجلسِ علماء سے رخصت کیا۔ وہ خانقاہ میں واپس تشریف لائے تو ظہر کی نماز کے وقت مولانا ضیاء الدین برنی، مولانا محی الدین کاشانی اور امیر خسرو سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”دہلی کے فقہاء مجھ سے عداوت اور حسد سے بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے اب کھلا میدان پایا اور بہت ہی پر از عداوت باتیں کیں اور آج تو ایک بہت ہی تعجب انگیز بات دیکھنے اور سننے میں آئی، وہ یہ کہ استدلال کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیثیں سننے کے لیے تیار نہ تھے اور مجھ سے کہتے تھے کہ ہمارے اس شہر میں فقہی روایت پر عمل کرنا حدیث سے مقدم اور اولیٰ سمجھا جاتا ہے۔ اس قسم کی باتیں وہ لوگ کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر اعتقاد نہیں رکھتے۔ جب آنحضرت ﷺ کی صحیح حدیث بیان کی گئی تو برہم ہوئے اور منع کیا اور کہا کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے علمائے (احناف) کے دشمن ہیں۔ ہم نہیں سنتے اور نہیں جانتے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں یا

❶ سید سلیمان ندوی مرحوم اس واقعہ پر اظہارِ رائے کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لیکن یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس عظیم الشان مناظرے میں کون سی حدیث صحیح پیش ہوئی تھی تاکہ اس عہد کی حدیث دانی کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ مورخ فرشتہ شیخ کے حال میں لکھتا ہے۔ ”قاضی رکن الدین شیخ را گفت اے درویش! در بابت سرود و سماع چه حجت داری؟ شیخ بحديث نبوی السماع مباح لا اھلہ و متمسک بہ۔“ گشت۔ قاضی گفت ترا بحديث چه کار تو مرد مقلدی، روایتی از ابوحنیفہ بیارتا بمعرض قبول افتد۔ شیخ گفت سبحان اللہ من حدیث صحیح مصطفوی نقل می کنم و تو از میں روایت ابوحنیفہ می خواهی شاید کہ ترا عونت حکومت بریں می دارد و دوازیں عہدہ معزول می شوی..... پادشاہ چوں حدیث پیغمبر شنید، متفکر شدہ ہیچ نہ گفت۔“

اس کے بعد ان الفاظ کے بارے میں جو شیخ نظام الدین اولیاء نے بطور حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیان کیے۔ سید صاحب مرحوم لکھتے ہیں۔ اس فقرے کو حدیث کہنا شاید فرشتہ کی غلطی ہو، یہ فقرہ امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں بطور فتویٰ نقل کیا ہے۔ (مقالات سید سلیمان۔ حصہ دوم۔ مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، ص ۷)

نہیں۔ حاکم کے سامنے فقہا مغرورانہ بحث کرتے ہیں اور صحیح احادیث کو نہیں مانتے۔ میں نے ایسا کوئی عالم نہ دیکھا اور نہ سنا جس کے سامنے آنحضرت ﷺ کی حدیثیں بیان کی جائیں اور وہ کہے کہ ہم نہیں سنتے اور ہم نہیں جانتے۔ یہ کیسا زمانہ ہے۔ یہ شہر جس میں ایسی مغرورانہ بحث ہو، کیسے آباد رہ سکتا ہے۔ عجب نہیں کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔ بادشاہ امر اور عوام قاضی شہر اور علمائے شہر سے یہ سن کر کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا، کس طرح آنحضرت کی حدیثوں پر راسخ اعتقاد رکھ سکتے ہیں۔ میں خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ شہر کے علما کی اس بداعتقادی کی وجہ سے کہیں شہر پروبا اور قحط نہ نازل ہو جائے۔“

تذکرہ نگاروں کا کہنا کہ اس واقعہ کے چار سال بعد دہلی شہر واقعی قحط و وبا سے تباہ ہو گیا۔ پھر جب سلطان محمد تغلق نے اپنا دارالسلطنت دہلی کی بجائے دیوگیر بنایا تو اس دور میں خود علمائے دہلی بھی کئی قسم کے مصائب میں مبتلا ہوئے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ شیخ نظام الدین کی مخالفت میں اور حرمت سماع سے متعلق جو عالم و فقیہ سب سے پیش پیش تھے وہ قاضی جلال الدین دلوانی تھے۔ ان کا انداز کلام جارحانہ تھا، مگر اس کے برعکس شیخ ممدوح انتہائی تحمل اور متانت و وقار سے بات کرتے تھے۔ شیخ نے ان سے کہا، اگر آپ حکومت کے بل بوتے پر اور اقتدار کے زعم میں یہ انداز گفتگو اختیار کیے ہوئے ہیں تو اپنے آپ کو اس اقتدار سے معزول سمجھیے۔ چنانچہ اس سے ٹھیک بارہ دن بعد انھیں منصب قضا سے الگ کر دیا گیا۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیا حنفی المسلمک تھے، یہاں یہ یاد رہے کہ سماع کے بارے میں شیخ نظام الدین کا موقف مبنی بر صحت نہ تھا۔ سماع کا مطلب قوالی ہے اور اس کے جواز کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جسے وہ نبی ﷺ کی حدیث کہتے تھے وہ امام غزالی کا قول ہے جو انھوں نے ایک موقع پر کہا تھا۔ سماع و قوالی کا سلسلہ شریعت کی رو سے بالکل غلط ہے۔ تاہم بعض اہم مسائل فقہی میں شیخ نظام الدین اولیا کا عمل مسلمک احناف کے خلاف تھا۔ مثلاً وہ نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور خود بھی سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ اس پر بعض حضرات نے ان کو جب آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان سنایا کہ جو شخص امام کے پیچھے پڑھتا ہے تو اس کے منہ میں انگارا ڈالا جائے گا ❶ تو شیخ نے جواب میں فرمایا: ایک طرف یہ وعید ہے اور دوسری طرف صحیح حدیث میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

❶ مولانا عبدالحی فرنگی محلی حنفی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے۔ لا اثر له فی کتب المحدثین الثقات ولا

طریق لرفعه عند الاثبات۔ (امام الکلام) (ص ۱۳۲)

یعنی کتب محدثین ثقات میں اس حدیث کا کہیں نام و نشان نہیں ہے اور اثبات کے نزدیک اس کا کوئی طریق مرفوع نہیں ہے۔



لا صلوة لمن یقرأ بفاتحة الكتاب ① .

یہ حدیث امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی صورت میں بطلان نماز پر دلالت کناں ہے۔ میں وعید کا متحمل تو ہو سکتا ہوں کہ اللہ قیامت کے روز اس کی سزا دے گا لیکن یہ جرات نہیں کر سکتا کہ میری نماز اللہ کے نزدیک باطل قرار پا جائے جب کہ اصول کا یہ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ احوط پر عمل کیا جائے اور خلاف سے دامن کشاں رہا جائے۔

اسی طرح وہ صلوة الجنائزہ علی الغائب کے جواز کے قائل تھے۔ اس ضمن میں وہ اس مشہور اور صحیح حدیث سے استدلال کرتے تھے جو اس ضمن میں کتب احادیث موجود ہے ②۔

فرمایا کرتے تھے جب تم کوئی حدیث سنو اور اسے کتب صحاح میں نہ پاؤ تو اسے رد نہ کرو بلکہ یہ کہو کہ ہمیں یہ حدیث ان کتب حدیث میں نہیں ملی جو علمائے حدیث کے نزدیک مقبول اور متداول ہیں اور جو امت میں تلقی بالقبول کا درجہ رکھتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے شیخ موصوف بدرجہ غایت محبت رکھتے تھے۔ وفات سے کچھ دن پہلے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ فرما رہے ہیں: نظام تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ اس خواب کے بعد سفر آخرت کے لیے بے چین ہو گئے۔

کہتے ہیں وفات سے چالیس روز قبل کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا تھا اور آنکھوں سے ہر آن آنسو جاری رہتے تھے۔ کوئی کھانے پینے کی درخواست کرتا تو فرماتے: کسے کہ مشاق حضرت ﷺ باشند او طعام دنیا چگونہ۔

جس سے نبی ﷺ ملنے کا شوق رکھتے ہوں اسے دنیا کی چیزوں کے کھانے پینے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ مرض نے شدت اختیار کی تو دوا استعمال کرنے کے لیے عرض کی گئی۔ فرمایا:

درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست

برصغیر پاک و ہند کی اس عظیم شخصیت نے بدھ کے روز ۱۸ ربیع الاول ۶۵ھ (۲۵ دسمبر ۶۳ء) کو دہلی میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ③۔

① یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہے۔ یہ حدیث حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے اور بخاری، مسلم، ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ میں ہے۔

② رسول اللہ ﷺ نے نجاشی شاہ حبشہ کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔ مشکوٰۃ باب المشی بالجنائزہ و الصلوة علیہا فصل اول۔ (بحوالہ بخاری و مسلم)

③ ان کے حالات کے لیے درج ذیل کتابیں دیکھیے۔

سیر العارفین، سیر المجالس اردو ترجمہ خیر المجالس، سیر الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء، تاریخ فرشتہ، سیر الاقطاب، مونس الارواح، مرآة الاسرار سفینۃ الاولیاء، تاریخ فیروز شاہی، اخبار الاخیار، فوائد الفوائد، تذکرہ علمائے ہند، نزهة الخواطر، ج ۲، ثانی اور بزم صوفیہ وغیرہ۔

## ۱۲۲۔ شیخ محمد بن احمد معبری

شیخ محمد بن احمد بن محمد بن منصور معبری کا لقب جلال الدین تھا۔ معروف رجال فضل و صلاح میں سے تھے۔ فقہ میں دست گاہ کامل رکھتے تھے۔ تصوف و طریقت میں بھی بلند مرتبہ کے حامل تھے اور اس ضمن میں شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری اوچی کے شاگرد تھے۔ ایک عرصے تک ان کی صحبت میں رہے۔ شیخ جلال الدین نے ان کو شرف اجازہ سے نوازا اور وہی ہدایات دیں جو دیگر مشائخ کو دیا کرتے تھے۔ شیخ جلال الدین کی زندگی ہی میں دہلی میں فوت ہوئے ①۔

## ۱۲۳۔ قاضی محمد بن برہان ہانسوی

قاضی محمد بن برہان ہانسوی کا لقب کمال الدین تھا۔ ان کا شمار کبار فقہائے حنفیہ میں ہوتا ہے۔ اپنے ماموں شیخ فخر الدین ہانسوی سے شیخ فخر الدین زرادی کی شرکت میں تحصیل علم کی۔ علمی بحث و گفتگو میں بہ درجہ غایت تیز تھے۔ علم میں اس قدر مہارت پیدا کی کہ افتاء و تدریس کے منصب پر فائز ہوئے۔ ابتدا میں قاضی مقرر کیے گئے۔ پھر غیاث الدین تغلق کے عہد میں پورے ہندوستان کے قاضی القضاة کے منصب جلیلہ پر پہنچے اور سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد آخر تک اس مسند بلند پر متعین رہے۔ محمد شاہ تغلق ان کو اپنا مقرب و ندیم سمجھتا تھا ②۔

## ۱۲۴۔ شیخ محمد بن عبدالرحیم رموی ہندی

شیخ الامام العالم الکبیر محمد بن عبدالرحیم بن محمد کا لقب شیخ صفی الدین تھا۔ شافعی المسلک تھے اور مشاہیر علمائے ہند میں سے تھے۔ ربیع الثانی ۶۴۴ھ (جنوری ۱۲۶۶ء) کو پیدا ہوئے اور اپنے نانا سے اخذ علم کیا۔ رجب ۶۶۷ھ (مارچ ۱۲۶۹ء) میں دہلی سے نکلے اور یمن میں داخل ہوئے۔ وہاں کا امیر مظفر ان سے نہایت اکرام سے پیش آیا اور نو سو دنیا عطا کیے۔ وہاں سے حج کے لیے تشریف لے گئے اور تین مہینے مکہ مکرمہ میں ٹھہرے۔ پھر ۶۷۱ھ (۱۲۷۳ء) میں قاہرہ گئے اور وہاں سے بلاد روم میں داخل ہوئے اور قونیہ اور سیواس کے علاقوں میں گھومتے رہے۔ ۶۸۵ھ (۱۲۸۶ء) میں ان بلاد و امصار سے نکلے اور وارد دمشق ہوئے اور اس شہر کو اپنا وطن قرار دے لیا۔ دمشق میں فخر الدین بخاری سے کسب علم کیا اور مدرسہ اتا بکیہ مدرسہ ظاہریہ مدرسہ جوانیہ مدرسہ رواجیہ اور مدرسہ ولقیہ میں شائقین علم کو درس دیتے اور فتوے لکھتے رہے۔ دمشق میں انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں علم کلام اور اصول دین کے موضوع سے متعلق الزبدۃ اصول فقہ کے بارے میں النہایۃ الفائق اور الرسالۃ السبعیہ

① نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۲۸، ۱۲۹۔ بحوالہ خزائنہ الفوائد و جامع العلوم۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۲۹۔

شامل ہیں جو اپنے اپنے موضوع کی بہترین تصنیفات ہیں بالخصوص النہایہ انتہائی عمدہ کتاب ہے۔ علامہ محمد بن عبدالرحیم ہندی کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ وہ امام ابوالحسن اشعری کے مذہب اور اس کی اسرار و نکات پر سب سے زیادہ مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے صاحب تلخیص قاضی سراج الدین کے سامنے بھی زانوئے شاگردی تہہ کیا۔ شیخ محمد بن عبدالرحیم نہایت بدخط تھے اور بڑے نکتہ سنج اور ظریف بھی تھے۔ طبیعت میں بے حد سادگی تھی۔ خود ہی اپنا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کتابوں کی دکانوں میں گھوم رہے تھے کہ وہاں ایک کتاب پر نظر پڑی جس کو دیکھتے ہی یہ یقین ہو گیا کہ یہ کتاب ان کے خط سے بھی زیادہ بدخطی کا نمونہ پیش کر رہی ہے اور صرف اس لیے مہنگے داموں خرید لی کہ کوئی انھیں بدخط قرار دے گا تو یہ کتاب اس کے آگے رکھ دیں گے اور اسے بتائیں گے کہ یہ کتاب ان کے خط سے بھی زیادہ بدخطی کی مظہر ہے۔ اس میں لطیفے کی بات یہ ہے کہ جب گھر آ کر اسے اچھی طرح دیکھا اور اپنے خط سے اس کا مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کئی سال پہلے خود ان ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

امام ابن تیمیہ کے معاصر تھے اور دمشق میں بعض مسائل کے بارے میں امام سے ان کا مناظرہ بھی ہوا تھا۔ بات یہ ہے کہ جب علمائے وقت نے کچھ مسائل میں امام ابن تیمیہ کی رائے سے اظہار اختلاف کیا اور امام نے اپنے حق میں دلائل پیش کرنا شروع کیے تو امیر تنکز پاشا کے نائب السلطنت امیر جمال الدین آخوش الافرم کے سامنے ۱۲ رجب ۷۰۵ھ (۲۸ جنوری ۱۳۰۶ء) کو دارالسعادہ میں ایک مجلس منعقد کی گئی جس میں علما کی ایک جماعت کو بلایا گیا۔ شیخ محمد بن عبدالرحیم حلقہ علمائے کرام میں شیخ صفی الدین ہندی کے نام سے معروف تھے۔ بڑی جامع و مانع تقریر کرتے تھے۔ جس مسئلے کو زیر بحث لاتے اس کے تمام متعلقات کو پوری وضاحت سے بیان کرتے اور اس کا کوئی گوشہ تشنہ تحقیق نہ رہنے دیتے۔ اس لیے علمائے رائے دی کہ شیخ ہندی کو مدعو کیا جائے اور ان کو اس بحث کے نگران اعلیٰ مقرر کیا جائے۔ چنانچہ علمائے شام کے اتفاق رائے سے شیخ صفی الدین ہندی کو بلایا گیا اور بحث و مناظرہ کی نگرانی کا منصب انھیں سونپا گیا۔ مختلف مسائل زیر بحث آئے اور امام کی تصنیفات کے اقتباسات پڑھ کر سنائے گئے۔ شیخ ہندی جس موضوع سے متعلق بات شروع کرتے اپنی عادت کے مطابق اس پر طویل تقریر کرتے مگر امام ابن تیمیہ اس کے عادی نہ تھے۔ وہ دو ٹوک بات کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے اپنی تیزی طبع کی بنا پر شیخ ہندی کی تقریر کے دوران میں ان سے الجھنے لگے۔ بہر حال امام چونکہ علم کے بحر زار تھے اور علوم و فنون پر ان کی نظر وسیع اور ہمہ گیر تھی اس لیے شیخ ہندی ان کے مقابلے کی تاب نہ لاسکے۔ انھوں نے متعدد پہلوؤں سے امام کو گھیرنے کی کوشش کی مگر وہ کسی طرح ان کی گرفت میں نہ آئے تو شیخ کو جھنجھلا کر کہنا پڑا۔

ساراک یا ابن تیمیہ الا کا لعصفور حیث اردت ان اقبضہ من مکان

یفر الی مکان اخر ①۔

اے ابن تیمیہ میں تمہیں ایک چڑیا کی مانند پاتا ہوں جب اسے کسی جگہ پر پکڑنا چاہوں تو اڑ کر دوسری جگہ پر چلی جاتی ہے۔

امام ابن تیمیہ کی وسعت علم انداز استدلال حاضر جوابی آیات و احادیث پر بے پناہ عبور و استحضار اور ان کا مناسب مواقع پر انطباق منطقیانہ اسلوب بحث اور زور دار بیان۔ یہ وہ چیزیں تھیں جن کی وجہ سے ان کا مقابلہ شیخ ہندی کے لیے ممکن نہ تھا۔ لہذا مجبور ہو کر انھیں میدان چھوڑنا پڑا اور ان کے بجائے مخالفین نے شیخ کمال الدین ابن زملکانی کو مناظرے کے نگران مقرر کیا۔

شیخ صفی الدین ہندی علم منطق پر بہت اچھی نگاہ رکھتے تھے چنانچہ امام کے ساتھ بحث کرتے ہوئے انھوں نے ایک مرتبہ منطقی نہج استدلال اختیار کیا تو امام اس سے نہایت خوش ہوئے۔ اس کے علاوہ باقی علوم میں وہ زیادہ عبور نہ رکھتے تھے۔ قرآن مجید کے بارے میں بھی ان کا علم محدود تھا۔ لب و لہجہ عربی نہ تھا اس میں ہندی کی آمیزش تھی۔ عقیدے کے اعتبار سے مذہب سلف کے پابند تھے۔ ۱۵۷۱ھ (۱۳۱۶ء) کے اواخر میں فوت ہوئے ①۔

## ۱۲۵۔ شیخ محمد بن محمد صغانی

عالم اجل شیخ محمد بن محمد بن سعید بن عمر بن علی صغانی۔ ان کا لقب علامہ ضیاء الدین ہندی تھا۔ شیخ جمال مطری سے ابو الیمین بن عسا کر کے واسطے سے صحیح بخاری کی سماعت کی اور صحیح بخاری صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ کا درس لیا اور شیخ علی قطب بن مکرم سے مدینہ منورہ میں ۴۰۰ھ (۱۳۴۰ء) میں موطا پڑھا اور خرقہ خلافت بھی زیب تن کیا۔ قاہرہ وغیرہ مختلف شہروں میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ مدینہ منورہ میں دو سال ٹھہرے۔ اس اثنا میں سند افتا و تدریس کو زینت بخشی۔ پھر ان کے اور امیر مدینہ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا جس نے باہمی منافرت کی شکل اختیار کر لی اور اس منافرت نے دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ وہاں سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور شوال ۶۳۳ھ (اگست ۱۳۶۲ء) میں وہاں کے امیر کی درخواست پر مدرسہ حنفیہ کی مسند تدریس پر فائز ہو گئے۔

مذہب حنفیہ اور اس کے اصول کے ماہر تھے اور علوم عربیہ میں دست گاہ رکھتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مسلک کے شدید مخالف تھے اور مذہب حنفیہ کے اس درجہ تعصب کی حد تک حامی تھے کہ اس پر ہر حال میں عمل پیرا ہونے کو ضروری قرار دیتے تھے۔ ۸۰ سال سے زائد عمر پا کر جمعے کے روز ۵ ذی الحجہ ۸۰۷ھ (۲۵ مارچ ۱۳۷۹ء) کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی ②۔

① البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۴ ص ۵۶۔ الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۵۲، ۵۳۔ طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۲۴۰۔ البدر الطالع از

قاضی شوکانی ص۔ ابجد العلوم۔ نواب حسن صدیق حسن خاں۔ التاج المکمل نواب صدیق حسن خان۔ نزہۃ الخواطر ج ۲

ص ۱۳۸ تا ۱۴۱۔ امام ابن تیمیہ از محمد یوسف کوکن ص ۲۱۸ تا ۲۴۰۔ عقلیات ابن تیمیہ از محمد حنیف ندوی۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۴۳، ۱۴۴۔ بحوالہ طرب الاماثل۔

## ۱۲۶۔ شیخ محمد بن محمود ہانسوی

شیخ محمد بن محمود غریب ہانسوی عالم و صالح بزرگ تھے۔ لقب برہان الدین غریب تھا۔ والد مکرم کا لقب ناصر الدین تھا۔ شیخ برہان الدین غریب بن شیخ ناصر الدین ہانسوی کے نام سے مشہور تھے۔ شیخ جمال الدین احمد خطیب نعمانی ہانسوی کے بھانجے تھے۔ ۶۵۳ھ (۱۲۵۶ء) کو ہانسی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ پھر دہلی چلے گئے اور فقہ و اصول اور علوم عربیہ کی تعلیم اس دور کے فاضل اساتذہ سے حاصل کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد ۶۹۳ھ (۱۲۹۴ء) میں شیخ نظام الدین اولیا کی صحبت اختیار کی اور باقاعدہ ان کے حلقہ بیعت میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا اور شیخ کی زندگی کے آخری دم تک دہلی میں ان کی خدمت میں حاضر رہے۔ شیخ کی وفات کے بعد ۷۱۸ھ یا ۷۲۰ھ (۱۳۱۸ء یا ۱۳۲۰ء) میں دولت آباد کا قصد کیا اور پھر تمام عمر وہیں سکونت اختیار کیے رکھی۔

جید عالم دین، فقیہ زاہد اور عبادت گزار تھے۔ خلق کثیر نے ان سے استفادہ کیا، جن میں شیخ زین الدین داؤد بن حسین شیرازی، شیخ فرید الدین، شیخ کمال الدین کاشانی، شیخ رکن الدین بن عماد الدین کاشانی اور بہت سے حضرات شامل ہیں۔ شیخ رکن الدین بن عماد الدین نے نفائس الانفاس میں ان کے بھائی حماد الدین بن عماد الدین نے احسن الاقوال میں اور دوسرے بھائی مجد الدین بن عماد الدین نے بقیۃ الغرائب میں ان کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔

والی دکن امیر نصیر خاں ان سے بے حد عقیدت رکھتا تھا، چنانچہ اس نے سرزمین دکن میں ان کے نام پر ”برہان پور“ نام کا ایک شہر آباد کیا۔ بدھ کے روز ۱۱ صفر ۷۳۸ھ (۱۱ ستمبر ۱۳۳۷ء) کو چوراسی سال کی عمر پا کر فوت ہوئے ①۔

## ۱۲۷۔ شیخ محمد بن محمد کابلی

شیخ محمد بن محمد کابلی ہندی کابل سے ہندوستان آئے اور یہاں کی بودوباش اختیار کر لی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں ۷۵۳ھ (۱۳۵۲ء) میں شیخ عز الدین بن جماعہ سے اخذ علم کیا۔ عقد الثمین کے مصنف فاسی اپنے استاد شیخ جمال الدین بن ظہیرہ کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ شیخ محمد کابلی نہایت فہیم و فریسی عالم و فاضل، محدث و فقیہ اور عمدہ سیرت و کردار کے بزرگ تھے۔ بہت سی علمی چیزیں ضبط تحریر میں لائے۔ امامت میں شیخ ابوالفتح کی نیابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے ②۔

① اخبار الاخیار، ص ۹۱، ۹۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۲۳، ۱۲۴

② نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۲۵۔ بحوالہ عقد الثمین و طرب الاماثل۔

## ۱۲۸۔ شیخ محمد بن محمد ہندی

شیخ محمد بن محمد بن سعید ہندی۔ شیخ شرف الدین بن علامہ ضیاء الدین ہندی کے نام سے مشہور تھے۔ ہندوستان سے ترک وطن کر کے مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ وہاں شیخ ابن حبیب اور ابن معطلی وغیرہ اساتذہ وقت سے سماع علم کیا اور ۷۷۶ھ (۱۳۷۵ء) کو قاہرہ میں وفات پائی ①۔

## ۱۲۹۔ شیخ محمد بن محمد بلخی

شیخ محمد بن محمد بن عیسیٰ بلخی، شیخ اشرف الدین بن رکن الدین بہاری صوفی فقیہ کے لقب سے معروف تھے۔ مشہور بزرگ شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری سے اخذ علم کیا اور عرصے تک ان کی صحبت میں رہے۔ شیخ شرف الدین نے ان کے لیے شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی کی معروف تصنیف آداب المریدین پر کئی جلدوں میں فارسی زبان میں ایک مبسوط اور مفصل شرح سپرد قلم فرمائی ②۔

## ۱۳۰۔ شیخ محمد بن یحییٰ اودھی

عالم کبیر اور فاضل اجل شیخ محمد بن یحییٰ اودھی کا لقب شیخ شمس الدین تھا۔ تحصیل علم کی غرض سے علاقہ اودھ سے وارد دہلی ہوئے اور فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر و کامل علما میں سے گردانے گئے۔ مولانا ظہیر الدین بھکری اور شیخ فرید الدین شافعی اودھی وغیرہ جلیل القدر اساتذہ سے کسب علم کیا۔ طالب علمی کے زمانے میں شیخ نظام الدین اولیا کی شہرت سنی تو ایک روز مدرسے سے مولانا صدر الدین ناوی کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے پوچھا ”شہر سے آئے ہو اور تعلیم حاصل کرتے ہو؟“ بولے جی ہاں۔ مولانا ظہیر الدین بھکری سے اصول بزدوی پڑھتے ہیں۔ اس پر شیخ نے ان سے اصول بزدوی کے بعض مشہور مشکل مقامات کے بارے میں سوال کیا۔ عرض کیا ہمارا سبق تو بے شک یہاں تک پہنچ گیا ہے، مگر یہ مقام اتنا مشکل معلوم ہو رہا ہے کہ ابھی تک اس کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ شیخ نے فوراً وہ مقامات حل کر دیے اور یہ شیخ کے اور گرویدہ ہو گئے اور ان کی عقیدت ان کے دل میں پہلے سے زیادہ راسخ ہو گئی۔ پھر ایک وقت آیا کہ باقاعدہ شیخ کے حلقہ بیعت و ارشاد میں داخل ہو گئے۔

شیخ محمد بن یحییٰ اودھی دہلی کے جلیل القدر علما میں سے تھے۔ علوم و فنون میں مہارت، کثرت مطالعہ، وسعت معلومات، زہد و اتقا، ترک و تجرید، بلندی سیرت اور استقامت میں ان کا بڑا مقام تھا۔ علما و طلبا ان کے

① حوالہ مذکور۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۳۵۔

حلقہ درس میں شمولیت پر فخر کرتے اور ان سے اخذ علوم میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے کوشاں ہوتے۔ عظمت و وقار اور جلالت میں اس وقت ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ مسائل علمیہ پر غور و خوض کرتے اور ہر پیش آمدہ مسئلے کی تہہ تک پہنچنے کی سعی فرماتے۔ علما و مشائخ کا ہجوم ان کے گرد رہتا اور طلبا ان سے شرف تلمذ کے لیے بے تاب نظر آتے اور ان کے مرتبہ علمی کا اظہار کرتے۔ ان کی اسی خوبی سے متاثر ہو کر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے جو ان کے تلامذہ میں سے تھے ان کے علم و فضل کی فراوانیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

سألت العلم من احياء حقا

فقال العلم شمس الدين يحيى

میں نے علم سے پوچھا کہ تم کو کس نے حیات نو سے سرفراز کیا ہے؟ کہا شمس الدین یحییٰ نے۔ علوم شرعیہ کے بارے میں ان کی متعدد تصانیف ہیں جن میں شمس المعارف کو خصوصیت حاصل ہے۔ علم و فضل کے ساتھ تصوف و طریقت میں بھی انھیں بہرہ وافر ملا تھا اور شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ سے باقاعدہ بیعت تھے۔ انھوں نے ۷۲۳ھ (۱۳۲۳ء) میں ان کو خلعت خلافت سے نوازا اور طویل عرصہ ان کی صحبت میں گزارا۔ تصوف اور علوم دینی میں انہماک کی وجہ سے تمام عمر شادی نہیں کی اور پوری زندگی تجر میں گزار دی۔ زندگی کا مقصد وحید ہمیشہ تبلیغ دین اور دعوت و ارشاد کو قرار دیے رکھا۔

دل اور ہاتھ کے بے حد سخی تھے۔ ملوک و سلاطین اور امرا و وزرا کی مجلس میں حاضر ہونے سے محترز رہتے اور فقرا و مساکین اور علما و طلبا کی مجلس کو ترجیح دیتے، کیونکہ اس میں اشتغال فی العلم کا پہلو نکلتا ہے جو ان کا سرمایہ حیات تھا۔

ایک مرتبہ سلطان محمد شاہ تغلق نے ان کو دربار میں طلب کیا اور کہا۔

مثل تو دانشمندے ایس جاچہ کند تو کشمیری برو و دربت خانہاے آں دیار بنشین و خلق خدارا بہ اسلام دعوت کن۔

کہ آپ ایسے عالم اور بزرگ کا یہاں کیا کام آپ کشمیر جایے اور ان دیار کے بت کدوں میں بیٹھ جایے اور لوگوں کو دعوت اسلام دیجیے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا دہلی سے نکلنا اور دیار کشمیر میں جانا منظور نہ تھا۔ اسی روز اچانک سینے میں ایک پھنسی نمودار ہوئی اور اس کی تکلیف نے اس قدر شدت اختیار کی کہ یہی پھنسی بالآخر ان کی موت کا باعث بن گئی۔ بادشاہ کو ان کی تکلیف کا پتا چلا تو یقین نہ آیا اور واقعہ کی تحقیق کے لیے آدمی بھیجا۔ آدمی ان کے مکان پر پہنچا تو وہ وفات پا چکے تھے۔ ان کی وفات کا حادثہ ۷۴۷ھ (۱۳۴۶ء) کو پیش آیا اور وہ دہلی میں دفن کیے گئے ①۔

① اخبار الاخیار ص ۹۷۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۸۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۴۷۔

## ۱۳۱۔ شیخ محمد بن محمد دمراہی ہندی

شیخ محمد بن محمد بن محمد بن ابو بکر دمراہی دہلوی اپنے لقب شیخ نجیب الدین ہندی سے معروف تھے بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ حنفی المسلک تھے۔ اپنے مذہب کی تفصیلات و جزئیات پر عبور رکھتے تھے۔ درحقیقت عرب کے باشندے تھے اور ان کے آبا و اجداد دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، لیکن شیخ نجیب الدین دہلی سے مکہ مکرمہ چلے گئے تھے اور وہاں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس درجہ متدین بزرگ تھے کہ جب تک ضعف و نقاہت نے مکمل طور سے جسم و جان پر غلبہ نہ پالیا، روزانہ عمرہ کرتے رہے۔ علم میں پختگی کا اندازہ اس سے کیجیے کہ عقد الثمین میں فاسی کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے شیخ قاضی القضاة جمال الدین بن ظہیر سے سنا ہے کہ شیخ نجیب الدین نے انھیں بتایا کہ ہندوستان میں ان کے شیخ انھیں علامہ کہہ کر پکارتے تھے۔

شیخ نجیب الدین ہندی کے بارے میں یہ واقعہ بڑا دلچسپ ہے کہ وہ دہلی سے مکہ مکرمہ گئے تو قاری حرم شیخ عقیف دلاصی سے ملے اور ان سے متدعی ہوئے کہ وہ انھیں اپنے حلقہ تلامذہ میں داخل کر لیں اور کچھ اسباق پڑھا دیں۔ لیکن شیخ عقیف نے یہ کہہ کر ان کی درخواست منظور کرنے سے معذرت چاہی کہ وہ عجمیوں کو نہیں پڑھایا کرتے، کیونکہ اہل عجم حروف کے مخارج کو صحیح طور سے ادا نہیں کر پاتے اور ان کا تلفظ درست نہیں ہوتا۔ انھوں نے کہا، آپ میری قرآت سن لیں، اگر آپ اس سے مطمئن ہوئے تو فہما ورنہ میں خود ہی آپ کے درس میں حاضر نہیں ہوں گا۔ شیخ عقیف نے یہ بات منظور کر لی اور فرمایا، اچھا پڑھیے۔ انھوں نے پڑھنا شروع کیا تو وہ بڑے متعجب ہوئے اور کہا، مجھے آپ کے لب و لہجہ سے عرب کے نسب کی بو آ رہی ہے۔ بتائیے آپ کس سلسلہ نسب سے تعلق رکھتے ہیں؟ عرض کیا، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سلسلہ نسب سے۔ کہا۔ میں بھی اسی سلسلہ نسب سے تعلق رکھتا ہوں۔ چنانچہ دونوں نے اپنا نسب بیان کیا تو اوپر چل کر بعض اجداد میں دونوں ایک دوسرے سے مل گئے۔ شیخ محمد بن نجیب الدین ہندی نے ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) کے بعد وفات پائی ①۔

## ۱۳۲۔ شیخ محمد شیرازی

شیخ محمد شیرازی شیخ شمس الدین محمد شیرازی کے نام سے معروف تھے اور شہر بھکر میں اقامت فرماتے تھے۔ عالم و فاضل اور عابد و زاہد تھے۔ ۷۳۲ھ (۱۳۳۲ء) کو اپنی سیاحت کے دوران، شہر بھکر میں ابن بطوطہ کی ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ کہتے ہیں اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس برس سے زائد تھی ②۔

① نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۴۸۔ بحوالہ طرب الاماثل۔

② رحلتہ ابن بطوطہ ج ۲، ص ۱۰۔



## ۱۳۳۔ مولانا محمد دامغانی

شیخ شمس الدین محمد دامغانی، علم و کمال اور فضل و صلاح میں یگانہ دہرتھے۔ دہلی میں شیخ شمس الدین خوارزمی وغیرہ اساتذہ کے مدرسے میں شیخ نظام الدین اولیا کے ہم درس تھے۔ حصول علم کے بعد محمد شاہ تغلق کے حکم سے دولت آباد چلے گئے تھے۔ وہاں ایک مدت تک قیام پذیر رہے اور درس و افادہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ دولت آباد میں ان سے شیخ عین الدین بیجاپوری نے کسب علم کیا ①۔

## ۱۳۴۔ شیخ محمد بن محمود کرانی

شیخ محمد بن محمود بن یوسف بن علی کرانی ہندی جلیل القدر عالم و محدث تھے۔ انھوں نے شیخ زین طبری اور عبدالوہاب بن محمد بن یحییٰ واسطی وغیرہ شیوخ مکہ سے سماع علم کیا ②۔

## ۱۳۵۔ شیخ محمد بن شمس عثمانی

شیخ محمد بن شمس بن محمد بن محمد بن ابوبکر بن اسماعیل بن سری سقطی عثمانی۔ شیخ محمد معروف ایٹھوی کے نام سے مشہور تھے۔ ممتاز فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ ان کے والد شیخ شمس الدین بن صلاح، عراق سے ہندوستان آئے اور عہد علاء الدین خلجی میں سترکھ کے عہدہ قضا پر متعین ہوئے۔ وہاں کچھ عرصہ مقیم رہنے کے بعد ایٹھی منتقل ہو گئے اور ۷۴۵ھ (۱۳۴۳ء) میں سلطان محمد شاہ تغلق کے دور حکومت میں ایٹھی کے قاضی مقرر کیے گئے۔ پھر جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے نجم الدین اسماعیل نے ان کی جگہ سنبھالی۔ قصبہ ایٹھی میں ان کا سلسلہ اولاد و احفاد بہت پھیلا ہوا ہے ③۔

## ۱۳۶۔ شیخ محمود بن محمد دہلوی

علامہ سید محمود بن محمد بن احمد مدنی دہلوی کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ یہ شیخ قطب الدین دہلوی کے نام سے مشہور تھے۔ ۶۲۷ھ (۱۲۳۰ء) میں پیدا ہوئے اور طلب علم میں مصروف ہو گئے۔ پھر اپنے والد مکرم شیخ محمد بن احمد مدنی کی معیت میں جو شیخ قطب الدین محمد حسنی حسینی کے لقب سے ملقب تھے مدینہ منورہ سے دہلی تشریف لائے۔ دہلی کو اس زمانے میں مرکز علما، مسکن صلحا، منبع اولیا اور مہبط فقہا کی حیثیت حاصل تھی

① نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۳۹۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۵۵۔ بحوالہ العقد الثمین و طرب الاماثل۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۵۷۔ بحوالہ ریاض عثمانی۔

اور شیخ قطب الدین محمد کو طبقہ علما اور حلقہ ملوک و امرا میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کے بیٹے شیخ محمود قوام الدین بھی تمام اطراف ہند میں نہایت تکریم کے مالک تھے۔ شیخ محمود بن محمد علم و معرفت میں اپنے دور کے ممتاز علمائے ہند میں سے تھے۔ فقہ میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان کی علمی اور شخصی وجاہت و عظمت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اس زمانے کے سلطان ہند شمس الدین ایلتمش نے اپنی لڑکی فتح سلطانہ ان کے حوالہ عقد میں دے دی تھی۔

اس عالم دین اور فقیہ معظم نے دہلی ہی کو اپنا مسکن ٹھہرا لیا تھا اور وہاں باقاعدہ سلسلہ تدریس شروع کر دیا تھا۔ ان کے علم و فضل کے چشمہ صافی سے بے شمار حضرات نے اپنی علمی تشنگی بجھائی، جن میں ان کے بھتیجے قاضی رکن الدین بن نظام الدین کروی اور شیخ علاء الدین حسینی جیوری کے اسمائے گرامی لائق تذکرہ ہیں۔ ان کے علاوہ خلق کثیر نے ان سے استفادہ کیا۔ اس دور میں یہ علم و زہد سخاوت اور پرہیزگاری میں پورے عالم اسلامی میں مشہور تھے۔ اس عالم و فقیہ نے تراسی برس کی عمر پا کر ۷۱۰ھ (۱۳۱۰ء) میں وفات پائی ①۔

## ۱۳۷۔ شیخ محمود بن یحییٰ اودھی چراغِ دہلی

حضرت شیخ محمود بن یحییٰ بن عبداللطیف حسینی اودھی۔ ان کے القاب دو تھے ایک نصیر الدین محمود گنج اور دوسرا چراغِ دہلی۔ ان کے جد امجد شیخ عبداللطیف یزدی خراسان سے لاہور تشریف لائے اور شیخ یحییٰ لاہور ہی میں پیدا ہوئے۔ سن شعور کو پہنچے تو علاقہ اودھ میں منتقل ہو گئے۔ اودھ میں انھوں نے پشمینے کی تجارت شروع کی، جس سے ان کو بڑا نفع حاصل ہوا اور کئی ملازم ان کے ماتحت کام کرنے لگے۔ ان کے بیٹے محمود یعنی خواجہ نصیر الدین محمود کی ولادت اسی خطہ ارض میں ہوئی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے مقام پیدائش اجودھیا اور بعض نے بارہ بنکی لکھا ہے۔ چونکہ یہ دونوں شہر صوبہ اودھ میں ہیں اس لیے ان کے نام کے ساتھ اودھی لکھا جاتا ہے۔ سہ حسنی سید تھے۔ ابھی نو سال کے تھے کہ والد ماجد (شیخ یحییٰ) انتقال کر گئے۔ تعلیم و تربیت کے مراحل والدہ مکرمہ کی نگرانی میں طے کیے۔ والدہ نہایت نیک اور عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں۔ ان ہی کا اثر تھا کہ بچپن ہی میں نماز باجماعت کے پابند ہو گئے تھے۔

حصول علم میں نہایت تیز تھے اور بڑی محنت اور کوشش سے اس میں مصروف رہتے۔ ہدایۃ الفقہ اور اصول بزدوی تک کتب درسیہ مولانا عبدالکریم شروانی سے پڑھیں۔ ان کی وفات کے بعد مولانا افتخار الدین محمد گیلانی کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے اور باقی درسی کتابوں کے لیے ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق ہدایۃ الفقہ شیخ فخر الدین ہانسوی سے اور اصول بزدوی قاضی محی الدین کاشانی سے پڑھیں اور بعض کتابوں کے لیے شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی کی شاگردی اختیار کی۔ ذہانت اور اشتیاق

① تذکرہ علمائے ہند ص ۱۷۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۵۸ بحوالہ تذکرۃ السادات۔

تخصیص علم کا یہ عالم تھا کہ بہت سے مشاغل و مصروفیات کے باوجود پچیس سال کی عمر میں حصول علم سے فارغ ہو گئے تھے اور تمام علوم مروجہ پر عبور حاصل کر لیا تھا۔

تینتالیس سال کی عمر میں حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تصوف و طریقت کا درس لیا۔ ۶۲ھ (۱۳۶۳ء) میں ان کے خلیفہ مقرر ہوئے۔

عالم کبیر، زاہد و عابد، کریم النفس، راضی برضا، الہی، بہترین اخلاق کے حامل، اللہ سے ڈرنے والے، صادق القول اور متین و کم گفتار تھے۔ خشیت الہی کا غلبہ ہر آن دل پر طاری رہتا اور اللہ کے خوف سے آنکھوں سے آنسو جاری رہتے۔ صدق و عفاف کے پیکر تھے۔ زندگی کے شب و روز توکل و قناعت میں بسر ہوتے۔

اس جلیل القدر بزرگ کو اپنے مرشد حضرت شیخ نظام الدین اولیا سے بے حد محبت اور شیفتگی تھی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ کی خانقاہ میں خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کے ایک مرید خواجہ محمد گزرونی آ کر اقامت گزین ہوئے۔ خواجہ گزرونی، تہجد کی نماز کے لیے اٹھے تو ایک جگہ کپڑے رکھ کر وضو کرنے لگے واپس ہوئے تو کپڑے غائب تھے۔ ان کی تلاش میں اونچی اونچی آوازیں نکالنے اور تیز تیز قدموں سے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلی کو جو خانقاہ کے ایک گوشے میں بیٹھے عبادت میں مشغول تھے، خیال ہوا کہ اس ہنگامے سے ان کے مرشد حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی عبادت میں خلل پڑے گا، اس لیے جلدی سے خواجہ گزرونی کے پاس پہنچے اور اپنے کپڑے اتار کر ان کو دیے۔ صبح کو اس واقعہ کا علم شیخ نظام الدین اولیا کو ہوا تو شیخ نصیر الدین محمود کو بالا خانے پر طلب کیا اور اپنی پوشاک عطا فرمائی اور ان کے لیے دعاے خیر کی۔ والدہ کی زندگی میں تو وطن ہی میں سکونت اختیار کیے رکھی، کیوں کہ والدہ کی خدمت سب امور پر مقدم تھی۔ ان دنوں کبھی کبھی مرشد کے پاس دہلی تشریف لے جاتے، لیکن والدہ کی وفات کے بعد وطن کی سکونت ترک کر دی اور مستقل طور پر دہلی میں مقیم ہو گئے اور مرشد کی صحبت میں رہنا شروع کر دیا۔

مرشد وفات پا گئے تو ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ جانشینی کے ابتدائی دن بہت تکلیف اور عسرت میں گزرے۔ کئی کئی دن کھانے کو کوئی چیز میسر نہ آتی، رات کو گھر میں چراغ روشن نہ ہوتا، چار چار پانچ پانچ دن چولہا نہ جلتا، مگر کسی سے کوئی چیز نہ مانگتے اور نہ کسی پر فقر و فاقہ کی حالت ظاہر ہونے دیتے۔ صبر و رضا سے رہتے اور معمولات عبادت میں کسی قسم کا فرق نہ آنے دیتے۔ جب یہ زمانہ گزر گیا تو اسے یاد کرتے اور لوگوں کو تنگی معاش کے شب و روز کی باتیں بتاتے۔

ایک مرتبہ شاہ پور سے ایک بزرگ آئے۔ حال پوچھنے پر عرض کیا کہ قناعت و توکل کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ فرمایا درویش کی صفت یہ ہے کہ اس پر فاقہ بھی گزرے تو اپنی حاجت دوسروں سے بیان نہ کرے اور اگر اس کے پاس کوئی شخص آئے تو اپنے منہ پر طمانچہ مار کر گال سرخ کر لے تاکہ دیکھنے والا اس کے فقر و فاقہ کی حالت سے مطلع نہ ہو سکے۔

پھر بیان کیا کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ فرمایا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو ایک بات کی ذمہ داری لے تاکہ میں اس کے لیے جنت کی ذمہ داری لے لوں۔ حضرت ثوبان نے کہا یا رسول اللہ میں وہ ہوں۔ فرمایا دیکھو ثوبان کسی سے سوال نہ کرنا۔ حضرت ثوبان نے اس حکم کو قبول کر کے کسی سے کوئی سوال نہ کرنے کا عہد کیا۔ ایک روز گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ اچانک ہاتھ سے چابک گر پڑا دوسرے سے نہیں مانگا خود اتر کر اٹھایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سوال کرنے سے منع کیا تھا۔ اس موقع پر حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک درویش نے پوچھا کہ جس چیز سے رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو منع کیا ہو کیا وہ امر دوسروں کے لیے بھی لازم ہو جاتا ہے۔ فرمایا ہاں سب کے لیے حکم ممانعت یکساں ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک درویش آیا اور کسی کے ظلم کی شکایت کی۔ فرمایا، تحمل اور بردباری سے کام لو۔ اگر کوئی خفا ہو تو معاف کر دو کیوں کہ شیوہ درویشی یہی ہے۔

حضرت محمود چراغ دہلی اپنی مجلسوں میں زیادہ تر قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ کی تعلیمات پر گفتگو کرتے۔ ایک موقع پر فرمایا: لوگوں نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا ہے اس پر عمل نہیں کرتے، اسی لیے اضطراب و پریشانی میں مبتلا ہیں اور پھر بار بار کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر قول و فعل پر عمل کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ فرمایا: ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد صرف دو چیزوں پر ہے۔ ایک یہ ہے کہ جو کچھ خدا اور رسول نے فرمایا ہے اس کی اتباع کرے اور دوسرے یہ کہ جس چیز سے منع کیا ہے اس کو ترک کر دے۔

تارک نماز کے بارے میں مریدوں کو حکم تھا کہ وہ محفل میں آ کر بیٹھے تو اس کی تعظیم نہ کریں اور سلام کہے تو جواب نہ دیں تاکہ اس کی اہانت ہو اور وہ شرم محسوس کرے۔

مریدوں کو خاص طور سے حکم تھا کہ وہ نماز باجماعت کی پابندی کریں۔ نماز کے متعلق فرمایا کہ حضور قلب کے ساتھ پڑھی جائے۔ نماز کے اعضا کا قبلہ کعبۃ اللہ ہوتا ہے۔ اگر اعضا اس طرف نہ ہوں گے تو نماز درست نہ ہوگی۔ اسی طرح دل کا کعبہ ذات الہی ہے۔ اگر دل اپنے قبلے سے پھر جائے تو یہ کیسی نماز ہوگی۔

ایک مرتبہ ایک مرید سے مخاطب ہو کر فرمایا نماز باجماعت پڑھا کرو، جمعے کی نماز فوت نہ ہونے دو۔ ایام بیض کے روزے رکھا کرو۔ جو شخص ایام بیض کے روزے پابندی سے رکھتا ہے اس کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس کام سے خدا اور رسول نے منع کیا ہے اس کا ارتکاب کسی صورت میں نہیں ہونا چاہیے۔

قرآن مجید کی روزانہ باقاعدہ تلاوت کیا کرو، جس گھر میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے وہ گھر بابرکت ہو جاتا ہے اور قرآن مجید پڑھنے والوں پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ قرآن پڑھنا ذکر خدا میں مشغول رہنا ہے۔ بہر حال حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، نہایت عبادت گزار اور متقی بزرگ تھے۔ ان سے بے شمار نصیحت آموز واقعات منقول ہیں۔ ان کو 'چراغ دہلی' کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ یہ لقب ان کو کس وقت

ملا اور کس نے دیا؟ اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں کے شیخ و امام عبداللہ یافعی سے ایک عرصے تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ایک موقع پر شیخ نے حضرت جلال الدین بخاری سے فرمایا، اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں، تاہم ان کی برکت کا اثر نصیر الدین محمود کے اندر موجود ہے، ان کی ذات بہت غنیمت ہے۔ وہ چراغِ دہلی ہیں اور مشائخ کے رسوم و عوائد کو زندہ رکھنے والے ہیں۔

شیخ جلال الدین بخاری نے اپنے شیخ کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو ان کو حضرت خواجہ نصیر الدین محمود سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ وہ مکہ معظمہ سے دہلی آئے اور حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ الفاظ بیان کیے جو شیخ عبداللہ یافعی نے کہے تھے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا لقب ”چراغِ دہلی“ پڑ گیا اور وہ اسی لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت چراغِ دہلی کی وفات کا حادثہ بڑا روح فرسا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک روز وہ نماز ظہر کے بعد جماعت خانہ سے آ کر اپنے حجرہ خاص میں مشغول مراقبہ تھے کہ ایک قلندر جس کا نام تراب تھا، وہاں پہنچا اور آپ پر چھری سے پے در پے حملے کیے۔ زخم اتنا گہرا آیا کہ خون کے فوارے چھوٹنے لگے اور خون حجرے سے باہر تک بہنے لگا۔ خون دیکھ کر مریدین حجرے میں گئے اور قلندر کو پکڑ کر سزا دینا چاہی، لیکن حضرت چراغِ دہلی نے منع فرمایا اور چند مریدین خاص کو قریب بلا کر ان سے حلف لیا کہ کوئی شخص قلندر کو ایذا نہیں پہنچائے گا۔ پھر قلندر سے معذرت کی کہ اگر چھری مارتے وقت تمہارے ہاتھ کو تکلیف پہنچی ہے تو معاف کر دینا اور سکہ رانج وقت بیس تک زردے کر اس کو رخصت کیا۔

اس قاتلانہ حملے کے بعد تین سال تک خلقِ خدا کی رشد و ہدایت میں مشغول رہے، لیکن اس کا اثر باقی رہا۔ شب جمعۃ المبارک ۱۸ رمضان ۷۵۷ھ (۱۲ ستمبر ۱۳۵۱ء) کو شہر دہلی میں وفات پائی ①۔

## ۱۳۸۔ شیخ محمود بن محمد دہلوی

شیخ محمود بن محمد دہلوی کی کنیت ابو الفصائل تھی اور لقب شیخ سعد الدین تھا۔ کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ علامہ حافظ الدین کی تصنیف المنار فی الاصول کی شرح لکھی، جس کا نام افاضۃ الانوار فی اضاءۃ اصول المنار رکھا۔ کنز الدقائق کی شرح بھی سپرد قلم کی۔ ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ء) میں فوت ہوئے ②۔

① ان کے حالات سیر العارفين، سیر الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء، اخبار الاخیار، سراج المجالس اردو ترجمہ خیر المجالس، تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عقیف، تاریخ فیروز شاہی از برنی، سبحة المرجان فی آثار ہندوستان، تذکرہ علمائے ہند، نزہۃ الخواطر اور بزم صوفیہ میں تفصیل سے دیکھیے۔

② الاثمار الحنبیہ۔ از ملا علی قاری: الجواہر المصفیہ فی طبقات الحنفیہ۔ از شیخ عبدالقادر ابو محمد قرشی۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۷۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۶۰۔

## ۱۳۹۔ شیخ محمود بن حسین حسینی بخاری اوچی

شیخ محمود بن حسین بن احمد بن حسین بن علی حسینی بخاری۔ شیخ ناصر الدین اوچی کے لقب سے ملقب تھے۔ ان کا شمار ارض ہند کے مشہور فقہاء اور معروف مشائخ میں ہوتا تھا۔ شیخ محمد بن حسین بن علی حسینی بخاری کے نواسے تھے۔ علم و مشیخت کی گود میں پرورش پائی۔ اپنے والد (شیخ حسین بن احمد) سے اخذ فیض کیا اور ان ہی سے علم فقہ کی تحصیل کی۔ پھر والد کی وفات کے بعد مسند مشیخت پر فائز ہوئے۔ ان کی اولاد میں بڑے بڑے متقی اور صالح حضرات پیدا ہوئے اور دنیا نے ان سے بے حد فیض حاصل کیا۔ ان کی وفات کی تاریخ اگرچہ واضح الفاظ میں کسی تذکرے میں مرقوم نہیں، تاہم قرین صحت یہ ہے کہ ۸۰۰ھ (۱۳۸۹ء) میں فوت ہوئے۔ اس کی دلیل یہ ہے (جیسا کہ مختلف تذکروں میں منقول ہے) ان کے انتقال کے دو سال بعد ان کے لڑکے عبداللہ بن محمود نے گجرات کا سفر کیا اور وہ ۸۰۲ھ (۱۴۰۰ء) تھا، کیونکہ عبداللہ ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) میں پیدا ہوئے اور بارہ سال کی عمر میں عازم گجرات ہوئے، لیکن خزینۃ الاصفیاء کی روایت کے مطابق شیخ محمود کا سال وفات ۸۲۷ھ (۱۳۲۳ء) ہے جو کسی اعتبار سے بھی قابل اعتماد نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ ان کی وفات ۸۰۰ھ میں ہوئی ①۔

## ۱۴۰۔ شیخ محمود بن یوسف کرانی

شیخ محمود بن یوسف بن علی کرانی ہندی مشہور عالم تھے۔ نصیر الدین لقب تھا۔ مکہ مکرمہ میں جا بے تھے۔ وہاں شیخ رضی طبری سے صحیح ابن حبان کی سماعت کی اور شرف اجازہ سے بہرہ ور ہوئے۔ شیخ زین طبری، شیخ جمال مطری اور شیخ خلیل مالکی سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔ خود ان سے ماہ رجب ۷۵۲ھ (ستمبر ۱۳۵۱ء) میں ابن سکر نے صحیح ابن حبان کی احادیث سنیں اور سند و اجازہ لیا۔ فاسی نے العقد الثمین میں بتایا ہے کہ شیخ محمود بن یوسف نے مکہ مکرمہ سے وارد ہند ہونے کے بعد وفات پائی ②۔

## ۱۴۱۔ شیخ مخلص بن عبداللہ دہلوی

شیخ مخلص بن عبداللہ ہندی دہلوی کا لقب شیخ حمید الدین تھا۔ کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ خطہ ہند کی کسی عورت کے غلام تھے۔ اللہ نے اپنے فضل خاص سے ان کو علم کی دولت سے نوازا اور تحقیق و کاوش کی نعمت عطا فرمائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے ملک ہند میں خلعت قبولیت سے سرفراز کیے گئے اور علماء و محققین کی جماعت میں بلند مرتبے پر پہنچے۔ علوم شرعیہ میں یگانہ روزگار تھے اور فقاہت و قابلیت میں ممتاز گردانے جاتے

① نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۶۱، ۱۶۰۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۶۱، بحوالہ طرب الامثل۔

تھے۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی نمایاں تھے۔ فقہ کی کتاب ہدایہ کی شرح لکھی، لیکن افسوس ہے وہ مکمل نہ ہو سکی۔ قرآن مجید کی تفسیر بھی سپرد قلم فرمائی، جس کا نام کشف الکشاف رکھا۔ ان کے علاوہ علمی نوعیت کی چند اور کتابیں لکھیں، جن کا ذکر شیخ مجد الدین فیروز آبادی نے اپنی تصنیف الطاف الخفیہ فی اشراف الخفیہ میں کیا ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں ان کی شرح ہدایہ کا ذکر کیا ہے اور اسے بہتر شرح قرار دیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

و شرحها الشيخ حمید الدین مخلص ابن عبداللہ الہندی الدہلی

شرحاً حسناً ولم یکمل ①۔

شیخ مخلص ۶۲ھ (۱۳۶۳ء) میں فوت ہوئے ②۔

## ۱۲۲۔ شیخ موسیٰ بن جلال ملتانی

شیخ موسیٰ بن جلال ملتانی کا لقب نور الدین موسیٰ تھا۔ آٹھویں صدی ہجری کے خطہ ہند کے فقہاء و علما میں سے تھے۔ شیخ ابوالفتح رکن الدین بن صدر الدین ملتانی کے بھانجے تھے۔ ان ہی سے استفادہ کیا اور طویل عرصے تک ان کی صحبت و ملازمت میں رہے، یہاں تک کہ علم و معرفت کے بلند مرتبے پر پہنچے۔ ملتان کے مدرسہ بہائیہ میں ان کا فیضانِ تدریس جاری تھا۔ اس زمانے میں ان سے بے شمار لوگوں نے تحصیل علم کی۔ ان کے تلامذہ کی کثیر جماعت میں شیخ جلال الدین حسین بن احمد حسینی بخاری ادچی کا اسم گرامی شامل ہے۔ یہ ان سے ایک سال تک مختلف علوم سے بہرہ ور ہوتے رہے ③۔

## ۱۲۳۔ قاضی محی الدین کاشانی

عہد علماء الدین خلجی کے جلیل القدر علما اور عظیم المرتبت فقہاء میں سے قاضی محی الدین بن جلال الدین بن قطب الدین کاشانی کا نام سرفہرست ہے۔ موصوف فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں شیخ شمس الدین قوشچی اور دیگر علمائے دہلی سے کسب علم کیا۔ تکمیل تعلیم کے بعد درس و افادہ کی مسند کو رونق بخشی، علوم و فنون میں چونکہ دست گاہ رکھتے تھے اس لیے بے شمار علما و طلباء حاضر خدمت ہوتے اور ان کے چشمہ علم سے سامان سیرابی حاصل کرتے۔

اس زمانے میں فضاے ہند پر شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے تصوف و طریقت کا شامیانہ تنا ہوا تھا، اس لیے کچھ عرصہ بعد شیخ کی خدمت میں حاضری دی۔ ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور اخذ فیض کیا۔ شیخ نے

① کشف الظنون ج ۲، کالم ۲۰۳۹۔

② تذکرہ علمائے ہند ص ۵۳۔ نزہۃ النخوات ج ۲، ص ۱۶۱، ۱۶۲۔

③ نزہۃ النخوات ج ۲، ص ۱۶۲۔ بحوالہ جامع العلوم۔

ان کو اپنا خلیفہ خاص مقرر کیا اور اپنے دست مبارک سے سند و اجازہ خلافت عطا فرمایا، جس میں یہ الفاظ تحریر کیے:  
 می باید کہ تارک دنیا باشی بسوئے دنیا وار باب دنیا مائل نشوی و درہ قبول کنی وصلہ بادشاہاں  
 نگیری و اگر مسافران بر تو رسند و بر تو چیزے نباشد، این حال را نعمتے شمیری از نعمتہائے  
 الہی۔ فان فعلت ما امرتک و ظنی بک ان تفعل کذالک فانک خلیفتی  
 و ان لم تفعل فاللہ خلیفتی علی المسلمین۔

یعنی تمہیں چاہیے کہ تارک دنیا ہو جاؤ۔ دنیا اور ارباب دنیا کی طرف مائل نہ ہو جانا۔  
 دیہات (پیش کیے جائیں تو) قبول نہ کرنا۔ بادشاہوں سے کوئی صلہ نہ لینا۔ اگر تمہارے  
 پاس مسافر آئیں اور تمہاری جیب میں ان کی میزبانی کے لیے کوئی چیز نہ ہو تو اس  
 صورت حال کو اللہ کی نعمتوں سے ایک نعمت سمجھنا۔ اگر تم میرے اس حکم پر عمل کرو گے اور  
 میرا خیال ہے کہ کرو گے تو خود کو میرے خلیفہ سمجھو، اگر نہیں کرو گے تو مسلمانوں پر اصل  
 نگران اللہ ہے۔

قاضی محی الدین کاشانی نے وہی کچھ کیا جس کا شیخ نے حکم دیا تھا اور ان کے سامنے وہ سند قضا پھاڑ کر  
 پھینک دی جو بادشاہ نے عطا کی تھی اور سب طرف سے منقطع ہو کر اپنے آپ کو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ  
 کر لیا۔ ساتھ ہی تدریس اور افادہ عام کا سلسلہ جاری رکھا۔ لیکن حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ مسلسل فاقوں کی  
 نوبت آنے لگی اور اہل و عیال یہ شدید تنگ دستی برداشت نہ کر سکے۔ اس کی اطلاع ان کے بعض دوستوں کی  
 معرفت بادشاہ ہند سلطان علاء الدین خلجی کو ہوئی تو اس نے ان کو ارض اودھ کا قاضی مقرر کر دیا اور یہ منصب قضا  
 آبا و اجداد سے ان ہی کے خاندان کے پاس رہا تھا۔ چنانچہ بادشاہ کی اس پیش کش کو قبول کرنے کی اجازت لینے  
 کے لیے وہ شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ یہ منصب ان کی طلب و درخواست کے بغیر  
 پیش کیا گیا ہے۔ شیخ کے مزاج عالی پر یہ چیز گراں گزری اور فرمایا: خواہش قضا نے تمہارے دل میں کروٹ لی  
 ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ اس میں تیری طلب کو دخل نہ ہو اور یہ تمہیں مل جائے۔ یہ کہہ کر اجازت نامہ خلافت واپس  
 لے لیا۔ اب وہ اودھ کے قاضی تو مقرر ہو گئے مگر سخت قلبی پریشانی اور شدید قسم کی ذہنی تشویش میں پھنس گئے اور  
 لمحہ بہ لمحہ دل میں یہ بات راسخ ہوتی گئی کہ جب تک یہ منصب ترک نہیں کیا جائے گا اور پہلی حالت واپس نہیں  
 آئے گی، یہ تشویش رفع نہ ہوگی۔ پورا ایک سال حضرت شیخ بھی ان سے منقبض رہے۔ پھر تجدید ارادت ہوئی۔ شیخ  
 کو راضی کیا تو انہوں نے دوبارہ سند خلافت عطا کی اور قاضی کاشانی نے از سر نو پہلے کی طرح زہد و قناعت کی  
 زندگی کو اپنایا۔ ان کی وفات ۱۹ھ (۱۳۱۹ء) کو شیخ کی زندگی میں ہوئی ①۔

① تاریخ فیروز شاہی برنی، ص ۳۵۳۔ اخبار الاخیار، ص ۹۸۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۲۱ و ۲۲۲۔ زبہ الخواطر، ج ۲، ص ۱۶۳



## ۱۴۴۔ مولانا معین الدین عمرانی دہلوی

شیخ معین الدین عمرانی دہلوی سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد میں ہندوستان کے جلیل القدر عالم تھے۔ قابلیت اور وسعت مطالعہ کے اعتبار سے ان کا شمار ہندوستان کے ان علمائے عظام میں ہوتا تھا، جن کی طرف انگلیوں سے اشارے کیے جاتے تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں تدریس کے اس درجہ ماہر تھے کہ یوں سمجھیے کہ فن تدریس کا سلسلہ ان پر ختم تھا۔ ممارست اور وسعت نظر میں ہندوستان بھر میں ممتاز تھے۔ فقہ، اصول، کلام، منطق، معانی اور بیان میں یکساں عبور رکھتے تھے اور ہر فن کی جزئیات ان کے فہم و مطالعہ کی زد میں تھیں۔ تمام وقت درس اور افادہ عام میں گزارتا تھا۔ ان کا فیض اس درجہ پورے ملک کا احاطہ کیے ہوئے تھا کہ اس زمانے کا کوئی عالم ایسا نہ تھا جس نے کسی نہ کسی طریق سے ان سے استفادہ نہ کیا ہو۔

سلطان محمد شاہ تغلق ان کا انتہائی احترام کرتا اور انھیں لائق اعتماد گردانتا تھا۔ سبحة المرجان میں غلام علی آزاد بلگرامی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ محمد شاہ تغلق نے ان کو اس مقصد کے لیے شیراز بھیجا کہ وہاں کے مشہور عالم دین قاضی عضد الدین ابجدی کو ہندوستان آنے پر آمادہ کریں۔ اس نے ان کے ہاتھ قاضی مدوح کی خدمت میں متعدد تحائف و ہدایا بھی ارسال کیے۔ لیکن جب شیراز کے بادشاہ ابواسحاق شیرازی کو اصل واقعہ کا علم ہوا اور پتا چلا کہ یہ قاضی عضد الدین کو ہندوستان لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں تو وہ خود قاضی عضد الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو ہندوستان جانے سے منع کیا۔ اس نے قاضی مذکور سے کہا کہ آپ ہندوستان نہ جائیے شیراز ہی میں تشریف رکھیے میں اس ملک کا تخت و تاج آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میں بیوی کے سوا ہر چیز آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے تیار ہوں، بشرطیکہ آپ شیراز کی سکونت ترک نہ کریں۔ قاضی عضد الدین نے بادشاہ کی اس بے پناہ مروت و محبت سے متاثر ہو کر دیار ہند کا ارادہ ترک کر کے شیراز ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ بادشاہ نے مولانا معین الدین عمرانی کی بھی بہت تکریم کی اور وہ چند روز شیراز میں قیام کرنے کے بعد دہلی واپس آ گئے۔

مولانا معین الدین عمرانی دہلوی کی اہم تصنیفات میں سے کنز الدقائق، حسامی اور مفتاح العلوم پر تعلیقات و حواشی قابل ذکر ہیں ①۔

ان کی تاریخ ولادت و وفات کا علم نہیں ہو سکا۔ تذکروں سے صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ یہ سلطان ہند محمد شاہ تغلق کے عہد کے عالم دین تھے۔

## ۱۴۵۔ قاضی مغیث الدین بیانوی

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے متعدد علمائے عظام کے نام تذکروں میں مذکور ہیں، جن میں قاضی

① اخبار الاخیار ص ۱۴۴۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۲۸، ۲۲۹۔ زینۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۶۵۔

مغیث الدین بیانوی کا نام بہت معروف ہے۔ قاضی ممدوح بیانہ کے رہنے والے تھے۔ علم و عمل کے اعتبار سے ان کو اس دور میں منتہائے نظر سمجھا جاتا تھا۔ کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ حق گو صداقت شعار زیور صالحیت سے آراستہ اور پاک باز شخص تھے۔ علاء الدین خلجی کے نزدیک تین علمائے کرام کی بڑی قدر تھی۔ وہ تھے قاضی مغیث الدین بیانوی، مولانا ظہیر لنگ اور مولانا مشید کھرامی۔ یہ حضرات بادشاہ سے اس درجہ قریب تھے کہ عموماً شاہی دسترخوان پر بھی موجود رہتے۔ بالخصوص قاضی مغیث الدین تو نہ صرف دربار شاہی سے قریبی تعلق رکھتے تھے بلکہ خلوت میں بھی بادشاہ کے ساتھ ہوتے۔ ”در مجلس خلوت بنشے“ ①۔

ایک روز علاء الدین خلجی نے خاص طور سے ان کو بلایا اور کہا میں آپ سے آج دینی نوعیت کے چند ضروری مسائل پوچھنا چاہتا ہوں۔ مجھے ان کا صحیح صحیح جواب دیجیے۔

قاضی مغیث نے عرض کیا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔

سلطان نے پوچھا: یہ خیال آپ کے دل میں کیوں پیدا ہوا؟

کہا: اس لیے کہ آپ مجھ سے دینی مسائل دریافت کریں گے، میں جواب میں حق بات کہوں گا، جو آپ کی ناراضی کا باعث ہوگی اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مجھے قتل کرادیں گے۔

جواب میں سلطان علاء الدین خلجی نے کہا:

من نخوا ہم کشت ہر چہ از تو پیر سم پیش من راست بگو ②۔

یعنی میں آپ کو قتل نہیں کروں گا، جو کچھ دریافت کروں گا اس کا صحیح صحیح جواب دیں۔

اس کے بعد علاء الدین نے قاضی مغیث الدین سے درج ذیل مسائل دریافت کیے۔

① خراج گزار و خراج دہ رادر شرع چگونہ ہندوی را گویند؟

② دزوے و اصابت و رشوت کارکناں و آنانکہ سیاق قلم می کنند و از جمع می برند، جائے در شریعت آمدہ است؟

③ ایں مالے کہ من با چنداں خونابہ دیدن در وقت ملکہ از دیو گیر آورده ام، آں مال از اں من است و یا از بیت المال مسلماناں؟

④ مرا و فرزندان مرا، در بیت المال چہ مقدار حق است؟

ان سوالات کا ترجمہ یہ ہے:

① خراج گزار اور خراج دینے والے کو شرع میں ہندو کیوں کہتے ہیں؟

② کارکنان حکومت کے سرقہ، ناجائز قبضہ، رشوت لینے اور قلم کے ذریعے جمع حساب میں کتر بیونت

① تاریخ فیروز شاہی از قاضی ضیاء الدین برنی، ص ۲۸۹۔

② ایضاً، ص ۲۹۰۔

کرنے والوں کے بارے میں شریعت میں کیا حکم ہے؟

۳) یہ سارا مال جو اس قدر خون ریزی کے بعد میں اپنے زمانہ امارت میں (تحت سلطنت پر متمکن ہونے سے پہلے بطور غنیمت) دیوگیر سے لایا ہوں۔ یہ میری ملکیت ہے یا مسلمانوں کے بیت المال کی؟

۴) میرا اور میرے اہل و عیال کا بیت المال میں کتنا حصہ بنتا ہے؟

یہ سوالات اپنی جگہ نہایت اہم ہیں۔ ذمیوں کے حقوق ذمی کی تعریف، عمال حکومت کے کس طبقے پر حدود شرعی کا نفاذ کس صورت میں ہونا چاہیے، مال غنیمت پر سلطان کا حق کس وقت بنتا ہے، سلطان کا مشاہرہ، بیت المال کا انتظام اور اس میں سلطان اور اس کے اہل و عیال کے حقوق کا تناسب اور اس کی مقدار وہ مسائل ہیں جو کسی مسلمان حکمران کی زندگی کے نہایت اہم مسائل قرار پاتے ہیں اور سلطان کا ان کے بارے میں شرعی نقطہ نگاہ معلوم کرنا واضح کرتا ہے کہ سلطان کے دل میں اسلام کی محبت کس درجہ راسخ تھی اور وہ کتنا پکا اور صحیح العقیدہ مسلمان تھا اور اپنی مملکت میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے اپنے مقدر کے مطابق کس درجہ کوشاں تھا۔

قاضی مغیث الدین نے ان سوالات کا جو جواب دیا، وہ درج ذیل ہے:

پہلے سوال کا جواب یہ دیا کہ شرعی زبان میں ہندو کو خراج گزار کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی محصل اس سے خراج میں چاندی طلب کرے تو اسے چاہیے کہ انتہائی نرمی اور تواضع کے ساتھ بلا تامل سونا پیش کر دے۔ اگر محصل اس کے منہ پر تھوکے تو وہ بغیر کراہت اور تشفر کے اپنا منہ کھول دے تاکہ محصل اس کے اندر تھوک دے اور اسے یہ بھی چاہیے کہ وہ محصل کے سامنے ادب سے پیش آئے۔ اس کے ساتھ انتہائی نرمی اور تواضع کا سلوک کرے اور محصل کے اس کے منہ میں تھوکنے سے مراد یہ ہے کہ ذمی اپنی کامل اطاعت کا ثبوت بہم پہنچائے کیوں کہ دین اسلام کا احترام اور دین باطل کی تذلیل ضروری ہے۔ حاملان دین باطل کی ذلت و خواری کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے کہ **عَنْ يَدِهِمْ صُغْرُونَ** ① بالخصوص ہندوؤں کو ذلیل رکھنا دین اسلام کے لوازم میں سے ہے اس لیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہندوؤں کو قتل کرنے

① یہ سورہ توبہ کی آیت ۲۹ کے آخری الفاظ ہیں۔ آیت اہل کتاب کے بارے میں ہے اور پوری آیت یہ ہے:

قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخره ولا يحرمون ما حرم الله ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين اتوا الكتب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صغرون۔

یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حرام ٹھہرایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ تمہارے ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔

اور ان سے مال غنیمت لینے اور ان کو غلام بنانے کا حکم دیا ہے۔ یا تو وہ اسلام قبول کریں یا پھر ان کو قتل کیا جائے اور غلام بنا لیا جائے اور ان کے مال و دولت پر بطور غنیمت قبضہ کر لیا جائے۔ امام ابوحنیفہ جن کے ہم پیرو ہیں وہ ہندوؤں سے جزیہ قبول کرنے کے حق میں ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے ائمہ مذاہب کے نزدیک ہندوؤں سے جزیہ قبول کرنا جائز نہیں۔ ان کے نزدیک ہندوؤں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اما القتل و اما الاسلام۔ یعنی یا تو انہیں قتل کر دیا جائے یا وہ اسلام قبول کر لیں۔

قاضی مغیث الدین کا جواب چونکہ ان کی اجتہادی بصیرت کی کمی ہندوستان کے مخصوص حالات سے ناواقفیت احکام فقہ پر پوری گرفت نہ ہونے اور واقعات و حقائق سے عدم اعتنا پر دلالت کرتا ہے اس لیے یہ سن کر سلطان علاء الدین خلجی ہنس پڑا اور اس نے کہا:

”یہ باتیں جو آپ نے بیان کی ہیں میں ان کو بالکل نہیں جانتا، لیکن مجھے معلوم ہے کہ وہ مقدم گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں، بہترین لباس پہنتے ہیں، فارسی کمان استعمال کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ جنگ آزما ہوتے ہیں اور شکار کھیلتے ہیں، مگر جہاں تک مختلف قسم کے ٹیکسوں کی ادائیگی کا تعلق ہے، خراج، جزیہ، کری و چرائی وغیرہ محصولات کا ایک چیتل (یعنی ایک پیسہ) بھی ادا نہیں کرتے اور اپنا حق خدمت باشندگان دیہات سے الگ وصول کرتے ہیں۔ وہ اپنی مجلسیں آراستہ کرتے ہیں، شراب پیتے ہیں اور ان میں سے بعض کے نخوت و غرور اور کبر و رعونت کا یہ عالم ہے کہ نہ خود ایوان حکومت میں آتے ہیں اور نہ بلانے پر حاضر ہوتے ہیں۔ وہ محصولات وصول کرنے والوں کی قطعاً پروا نہیں کرتے۔ یہ صورت حال دیکھ کر مجھے سخت غصہ آیا اور میں نے دل میں سوچا کہ میں دیگر ممالک کو فتح کرنے کے ارادے تو رکھتا ہوں اور ان کو زیر نگین کر کے ان میں اپنے قوانین نظم و نسق جاری کرنے کا خواہاں ہوں، لیکن دوسری طرف کیفیت یہ ہے کہ خود میری اپنی یہ سوکوس کی اقلیم جو میرے زیر نگین ہے، اس میں میری اطاعت گزاری کا حق جس انداز سے ادا ہونا چاہیے، نہیں ادا ہو رہا ہے۔ تو اس صورت حال میں دوسرے ممالک میں جا کر میں اپنی اطاعت وہاں کے باشندوں سے کیوں کر کرا سکوں گا۔ چنانچہ میں نے ایسے انتظامات کیے ہیں اور اس قسم کے قوانین کی تنفیذ کی ہے اور رعایا کو اس طریق سے اپنا فرماں بردار بنایا ہے کہ میرا حکم ہو تو سب چوہوں کی طرح بلوں میں گھس جائیں، اور اب آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ شریعت کا بھی یہی حکم ہے کہ ہندوؤں کو مکمل طور پر اور پوری طرح فرماں بردار بنایا جائے۔“

اس کے بعد علماء الدین نے کہا:

”اے مولانا مغیث! آپ عالم تو ضرور ہیں مگر تجربہ آپ کو بالکل نہیں ہے۔ میں اگرچہ ناخواندہ ہوں، لیکن تجربہ بہت رکھتا ہوں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ ہندو کبھی بھی مسلمان کے مطیع اور فرماں بردار نہیں ہوں گے جب تک کہ ان کو بے نوا اور بے حیثیت نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے حکم جاری کر دیا ہے کہ آئندہ رعیت کے پاس زراعت اور دودھ دہی وغیرہ صرف اتنی مقدار میں رہنا چاہیے جو کہ ان کی سال بھر کی ضرورت کے لیے کفایت کر سکے، ان کو ذخیرہ کرنے کا ہرگز موقع نہ دیا جائے۔“

سلطان کے دوسرے سوال، یعنی رشوت خور عمال حکومت کی سزاؤں کے متعلق قاضی مغیث الدین نے

جواب دیا:

”ملازمین حکومت، کارکنان سلطنت اور دفاتر مملکت میں کام کرنے والوں کی رشوت و سرقہ کے بارے میں کتب فقہ اور احکام شرع میں کوئی واضح فیصلہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن اگر وہ عمال حکومت، جن کو نا کافی معاوضہ ملتا ہے، بیت المال کے خزانے سے جہاں رعایا کا خراج جمع ہوتا ہے، کوئی چیز چوری کر لیں یا رشوت لیں یا خراج سے وصول ہونے والی رقم میں سے کوئی چیز ادھر ادھر کر لیں تو حکمران (اولوالامر) جس طرح مصلحت دیکھے اور جو مناسب سمجھے ان کو سزا دے سکتا ہے۔ خواہ یہ سزا جرمانے کی شکل میں ہو، خواہ قید کی صورت میں یا کسی اور انداز میں، لیکن یہ بہر حال صحیح بات ہے کہ اس چوری کے لیے جو بیت المال کے روپے میں کی گئی ہو، قطعید کی سزا نہیں دی جاسکتی۔“

”یہاں یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ رشوت و سرقہ کے سدباب کے لیے ملازمین کی تنخواہوں میں مناسب

اضافہ بھی ضروری ہے۔“

اس پر سلطان نے کہا:

”میں نے اصحاب الدیوان (دفتری کارکنوں) کو حکم دیا ہے کہ عاملوں، متصرفوں اور دوسرے کارکنوں کی وصولیابی کے حساب میں کوئی رقم ان کے پاس اگر باقی ہے تو ایذا رسانی اور سزا کے ذریعے ان سے وصول کی جائے۔ میری اطلاع یہ ہے کہ ان اقدامات کی وجہ سے چوری، رشوت اور خیانت وغیرہ جرائم میں اب بہت کمی واقع ہو گئی ہے۔ میں نے اب یہ بھی حکم دیا ہے کہ کارکنوں، عہدے داروں اور ملازموں کو اتنی تنخواہیں اور مواجب دیے جائیں کہ جس سے وہ باعزت اور باوقار زندگی بسر کر سکیں۔ اگر اس کے باوجود وہ سرکاری مال میں سرقہ و خیانت کے مرتکب ہوں اور رشوت لیں تو پھر ”بزخم چوب“ اور مار پیٹ سے سرقہ و خیانت کا مال ان سے وصول کیا جائے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ ملازموں اور عاملوں پر اب کتنی سختی کی جاتی ہے۔“

تیسرا سوال سلطان علاء الدین کا یہ تھا کہ جو مال وہ دیوگیر سے اس قدر خون ریزی کے بعد لایا ہے اور اس وقت لایا ہے جب وہ تخت حکومت پر متمکن نہیں ہوا تھا اور محض ایک ملک یا والی تھا، وہ مال اس کی ذاتی ملکیت قرار پائے گا یا مسلمانوں کے بیت المال کا مال ہوگا؟  
قاضی مغیث الدین نے اس کے جواب میں کہا۔

”میرے لیے بادشاہ کے سامنے سچ بات کہنے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ جو مال آپ دیوگیر سے لائے ہیں وہ سارا مال لشکر اسلام کی طاقت کے ذریعے لائے ہیں اور ہر وہ مال جو لشکر اسلام کی طاقت کے ذریعے حاصل کیا جائے وہ مسلمانوں کے بیت المال کی ملکیت ہوتا ہے۔ اگر آپ تنہا کہیں سے مال لاتے اور اس کا حصول شرعی لحاظ سے درست و مباح ہوتا تو وہ یقیناً آپ کی ملکیت قرار پاتا۔“

یہ جواب سن کر علاء الدین خلجی کو قاضی مغیث الدین پر سخت غصہ آیا اور کہا

یہ آپ کیا بات کہہ رہے ہیں؟ کچھ دماغ ٹھکانے ہے؟ اور معلوم ہے آپ کی زبان سے کیا الفاظ نکل رہے ہیں؟ غور سے سنیے وہ مال جو میں اپنی اور اپنے ذاتی نوکروں کی جان کی بازی لگا کر اپنے زمانہ حکمرانی میں نہیں بلکہ اپنے دور ملکی میں ان ہندوؤں سے لایا ہوں جن کے نام و نشان سے بھی دہلی کے لوگ واقف نہ تھے اور جو مال میں نے خزانہ شاہی میں داخل نہیں کیا بلکہ اپنے ذاتی تصرف میں لایا ہوں، وہ بیت المال کی ملکیت کیوں کر ہو سکتا ہے؟“

قاضی مغیث الدین نے جواب میں کہا:

”آپ نے مجھ سے شریعت کا مسئلہ دریافت کیا ہے۔ اگر میں اس کا جواب وہی کچھ نہ دوں جو میں نے کتابوں میں دیکھا اور پڑھا ہے اور آپ امتحان کے طور کسی دوسرے عالم و فقیہ سے وہی بات دریافت کریں جو مجھ سے دریافت کی ہے اور وہ اس سے مختلف جواب دے جو میں نے دیا ہے اور آپ اس سے اس نتیجے پر پہنچیں کہ میں نے بادشاہ کی خوش نودی مزاج کے لیے جھوٹ بیان کیا ہے تو آپ کا میرے متعلق کیا خیال ہوگا؟ اور پھر اس کے بعد آپ مجھ سے کوئی شرعی مسئلہ کیسے دریافت کریں گے؟“

چوتھا مسئلہ سلطان علاء الدین خلجی نے قاضی مغیث الدین سے یہ پوچھا تھا کہ میرا اور میرے اہل و عیال کا بیت المال میں کتنا حصہ ہے؟

بادشاہ کی زبان سے یہ سوال سن کر قاضی مغیث الدین نے کہا، اب میری موت کا وقت آ گیا ہے۔ سلطان نے پوچھا۔ کیوں؟ موت کا وقت کیسے آ گیا ہے؟ کہا اس لیے کہ جو مسئلہ آپ نے مجھ سے دریافت کیا ہے، اگر میں اس کا صحیح صحیح جواب دوں گا تو آپ کو غصہ آئے گا اور آپ مجھ کو قتل کرادیں گے اور اگر خلاف حق بات کہوں گا تو کل قیامت کے دن مجھے دوزخ میں جانا پڑے گا۔ سلطان نے کہا جو شرع کا حکم ہے وہی بتائیے۔ میں آپ کو قتل نہیں کروں گا۔ ”ہرچہ حکم شرع است بگو من ترا نخواہم کشت۔“

اس اطمینان اور یقین دہانی کے بعد قاضی مغیث الدین نے جو جواب دیا وہ درج ذیل ہے:

”اگر آپ خلفائے راشدین کا اتباع کرنا چاہتے ہیں اور اس بات کے خواہاں ہیں کہ آخرت میں آپ کو بلند درجات ملیں تو جیسا کہ جہاد میں شرکت کرنے والوں کے لیے دو سو چونتیس تنکے فی کس مقرر کر دیے گئے ہیں اسی حساب سے رقم آپ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے اخراجات کے لیے لے لیں اور اگر میانہ روی اختیار کرنا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اتنی رقم میں جو لشکر کے ہر فرد کو دی جاتی ہے بادشاہی کی شان و عزت قائم نہیں رہ سکتی تو پھر بیت المال سے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے خرچ کے لیے اتنی ہی رقم لے لیں جو دربار سے منسلک بڑے بڑے امرا مثلاً ملک قیران، ملک قیر بیگ، ملک نائب وکیل اور ملک خاص حاجب کو دیتے ہیں اور اگر آپ علمائے دنیا کی روایتی اجازت و رخصت کے مطابق بیت المال سے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے اخراجات وصول کرنا چاہتے ہیں تو پھر اتنی رقم لے لیں جو اس رقم سے زیادہ ہو جو دوسرے بزرگان درگاہ کو دی جاتی ہے تاکہ اس اضافے کی وجہ سے دوسروں پر آپ کی انفرادیت قائم رہے اور شان بادشاہت بھی مجروح نہ ہو۔ اگر ان صورتوں کے علاوہ جو میں نے عرض کی ہیں آپ زیادہ رقم لیں گے اور لاکھوں اور کروڑوں روپے اور سونے کے برتن اور دیگر مرصع اشیا اپنے حرم کو دیں گے تو قیامت کے روز آپ سے باز پرس ہوگی۔“

قاضی مغیث الدین کا جواب سن کر سلطان برہم ہو گیا اور کہنے لگا تو میری تلوار سے نہیں ڈرتا اور کہتا ہے کہ یہ سب کچھ جو میرے حرم پر خرچ ہوتا ہے خلاف شرع محمدی ﷺ ہے۔

قاضی مغیث الدین نے کہا:

”میں آپ کی تلوار سے ڈرتا ہوں اور میرا کفن جو میری دستار ہی کا بنے گا اپنے ساتھ لایا ہوں لیکن اگر آپ مجھ سے شرعی مسئلہ دریافت کریں گے تو وہی جواب دوں گا جو میں جانتا ہوں۔ اگر مجھ سے مصلحت ملنے کے متعلق سوال کریں گے تو میں کہوں گا کہ حرم پر جو کچھ خرچ ہوتا ہے اس میں ہزار گنا مزید اضافہ کر دینا چاہیے۔ کیوں کہ اس سے بادشاہ کی عزت لوگوں کے دلوں میں بڑھتی ہے اور بادشاہ کے وقار و عزت کا بڑھنا مصلحت ملنے کے لحاظ سے ضروری ہے۔“

مذکورہ بالا چاروں سوالات کے جواب دینے کے بعد علماء الدین خلجی نے قاضی مغیث الدین سے کہا:

”اس طرح تو آپ میرے تمام احکام کو غیر مشروع قرار دے دیں گے۔ دیکھیے میں نے یہ احکام جاری کیے ہیں اور ان پر عمل کرتا ہوں۔“

جو سوار جنگ میں حاضر نہیں ہوتا اس سے گزشتہ تین سال کی تنخواہ بطور جرمانہ وصول کرتا ہوں۔

① شراب پینے والوں اور شراب فروخت کرنے والوں کو کنوؤں والے قید خانوں ”چاہ زنداں“ میں ڈالوا دیتا ہوں۔

② جو شخص کسی دوسرے کی بیوی کی آبروریزی کرے، اس کا عضو تناسل کٹوا دیتا ہوں اور اس عورت کو قتل کر دیتا ہوں۔

③ بغاوت کرنے والے اچھے ہوں یا برے امیر ہوں یا غریب سب کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہوں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو مفلس بنا دیتا اور تباہ کر دیتا ہوں۔

④ حکومت کے محصولات و واجبات لوگوں سے لات اور لکڑی مار کر وصول کرتا ہوں اور جب تک کم سے کم اور تھوڑی سے تھوڑی مقدار کے واجبات بھی وصول نہ ہو جائیں، متعلقہ اشخاص کو قید و بند اور زنجیروں میں جکڑے رکھتا ہوں، اور اس سلسلے میں ملکی قیدیوں کو قید دوام کی سزا دیتا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ کیا تم یہ کہو گے کہ یہ میرے سب احکام اور تمام قوانین غیر شرعی اور نامشروع ہیں؟ بادشاہ کی یہ بات سن کر قاضی مغیث الدین اپنی جگہ سے اٹھے، پائیں میں جا کر جوتے پاؤں سے اتارے۔ پیشانی زمین پر رکھی اور بلند آواز سے کہا کہ شاہ جہاں، مجھ غریب کو زندہ رہنے دیں یا اسی وقت قتل کر دینے کا حکم صادر کر دیں، مگر سچی بات یہ ہے کہ بادشاہ کی یہ سب باتیں اور اس کے یہ تمام احکام و قوانین، غیر شرعی اور خلاف کتاب و سنت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور ائمہ حدیث و فقہ کی روایات میں کہیں منقول نہیں کہ احکام نافذ کرنے کے لیے بادشاہ جو جی چاہے کرے۔

قاضی مغیث الدین کی زبان سے بادشاہ نے یہ الفاظ اچھی طرح سنے، مگر ان سے کچھ نہیں کہا۔ جوتے پہنے اور حرم میں چلا گیا، اور ادھر قاضی مغیث نے اپنے گھر کی راہ لی۔

دوسرے روز قاضی مغیث نے اسی طرح غسل کیا جس طرح کہ میت کو غسل دیا جاتا ہے۔ لوگوں میں صدقہ تقسیم کیا اور اہل خانہ کو الوداعی سلام کہا اور شاہی محل میں آگئے۔ بادشاہ کی خدمت میں حاضری دی اور اس کو سلام کیا۔ بادشاہ نے قاضی مغیث کو اپنے پاس بلایا، بڑی مہربانی سے پیش آیا اور اپنا خلعت خاص اتار کر انھیں دیا اور ایک ہزار تنگہ عنایت کیا۔ اس کے علاوہ بادشاہ نے قاضی مغیث سے جو الفاظ کہے، وہ لائق مطالعہ ہیں۔ ذیل میں تاریخ فیروز شاہی سے اس کے وہ فارسی الفاظ درج کیے جاتے ہیں جو قاضی ضیاء الدین برنی نے نقل کیے ہیں۔ اس کے بعد ان الفاظ کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔

قاضی مغیث! من اگر چہ علمے و کتابے نخواندہ ام، اما از چندیں پشت مسلمان و مسلمان زادہ ام، و از برائے آں کہ بلغا کے نشود کہ در بلغاک چندیں ہزار کشتہ می شود، بہر چیزے کہ در آں صلاح ملک و صلاح ایثاں باشد، بر خلق امر می کنم و مردمان دہ دیدگی و بے التفاتی می کنند، و فرمان مرا بجائے نمی آرنند۔ مرا ضرورت می شود کہ چیز ہا درشت در باب ایثاں حکم کنم



کہ ایشاں بڈاں فرماں برداری کنند و نہی دانم کہ آں حکم ہا مشروع است و یا نا مشروع۔  
ومن در ہرچہ صلاح ملک خود می بنیم و مصلحت وقت مرادراں مشاہدہ می شود حکم می کنم و نہی  
دانم کہ خدای تعالیٰ فرداے قیامت بر من چہ خواہد کرو۔

فاما اے مولانا مغیث! من یک چیز در مناجات خود با خدای تعالیٰ می گویم کہ بار خدای  
تومی دانی کہ اگر یکے بازن دیگر سفاح می کند مرا اور ملک من زیاں نمی دارد و اگر کسے  
شراب می خورد ہم مرا زیانے نیست و اگر دزدی می کند جائے از میراث پدر من نمی برد کہ مرا  
درد آید و اگر مال می ستانند و در نامزدی نمی رود و از تارفتن دہ بست نفر کار نامزدی نمی ماند  
و رد باب این چہار طائفہ آنچہ حکم پیغمبر اں است آں بکنم۔

ترجمہ: قاضی مغیث! میں نے اگرچہ علم حاصل نہیں کیا ہے اور کوئی کتاب نہیں پڑھی ہے  
تا ہم کتنی پشتوں سے مسلمان ہوں اور مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہوں اور اس غرض سے کہ  
فساد نہ ہو کیونکہ فساد میں ہزاروں آدمی مارے جاتے ہیں جس چیز میں ملک کی بہتری  
دیکھتا ہوں لوگوں کو اس کا حکم دیتا ہوں لوگ بے پروائی اور بے توجہی سے کام لیتے ہیں اور  
میرا حکم بجا نہیں لاتے (ایسی صورت میں) میرے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کے متعلق  
سخت احکام جاری کروں کہ ان کی تعمیل کریں میں نہیں جانتا کہ وہ احکام جائز ہیں یا نہیں۔  
میں تو جن چیزوں میں ملک کی بھلائی دیکھتا ہوں اور انھیں وقت کے مطابق پاتا ہوں ان کا  
حکم دیتا ہوں میں نہیں جانتا کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیا ہوگا۔  
لیکن اے مولانا مغیث! میں ایک بات اپنی دعا اور مناجات میں اللہ تعالیٰ سے کہتا ہوں  
کہ اے خدا تو جانتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے بدکاری کرتا ہے تو اس سے میرے  
ملک میں کوئی نقصان نہیں ہوتا اگر کوئی شراب نوشی کرتا ہے تو میرا اس سے کچھ نہیں بگڑتا  
اگر کوئی چوری کرتا ہے تو میرے باپ کی میراث میں سے کچھ نہیں لیتا جس کی مجھے تکلیف  
ہو اگر کوئی خزانے کا مال لے جاتا ہے اور (سرکاری کاغذات میں) اس کا اندراج نہیں  
کرتا یا دفتر میں حاضر نہیں ہوتا تو دس بیس آدمیوں کے حاضر نہ ہونے سے دفتری کام  
نہیں رکتا لیکن ان سب چیزوں کے باوجود ان چاروں قسم کے لوگوں کے متعلق میں وہی  
اقدام کرتا ہوں جو پیغمبروں کا حکم ہے۔

اس کے بعد علماء الدین نے قاضی مغیث الدین سے جو کچھ کہا وہ بھی ملاحظہ فرمائیے اور اندازہ کیجیے  
کہ وہ اپنی جہالت و ناواقفیت کا کن الفاظ میں اعتراف کرتا ہے اور ملک و ملت کی خیر خواہی کا کتنا جذبہ اپنے دل  
میں رکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

”اس زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو ایک سے لاکھ تک، بلکہ پانچ سولاکھ اور سو ہزار لاکھ تک سوائے باتیں بنانے اور مونچھوں کو تاؤ دینے کے کچھ نہیں کرتے۔ ان کو نہ دنیا کی فکر ہے نہ آخرت کی۔ میں جاہل ہوں اور پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ سوائے الحمد، قل ہو اللہ دعائے قنوت اور التحیات کے کوئی دوسری چیز نہیں جانتا۔ میں نے اپنی مملکت میں حکم جاری کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص بیوی رکھتے ہوئے بھی دوسرے کی عورت سے بدکاری کرے تو اس کو خسی کر دیا جائے۔ اس سخت حکم کے باوجود کتنے ہی آدمی میرے محل کے سامنے لائے جاتے ہیں، جنہوں نے دوسروں کی عورتوں سے بدکاری کا ارتکاب کیا ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو تنخواہ (مواجب) وصول کرتے ہیں اور حاضری میں نہیں آتے، ان سے تین سال کی تنخواہ جرمانے کے طور پر وصول کی جاتی ہے، لیکن کوئی ایسا موقع نہیں ہوتا جب کہ سو یا دو سو آدمی جرمانہ ادا نہ کرتے ہوں۔ عجیب بات یہ ہے کہ چاندی لے لیتے ہیں اور جاتے نہیں ہیں، قید میں پڑے زندگی گزار دیتے ہیں۔“

”اب عالموں، ملازموں اور منشیوں کی جو کہ سرکاری کاغذات میں رقوم کا اندراج کرتے ہیں، چوری کے متعلق بھی سنیے۔ ان کا یہ حال ہے کہ شاید اس شہر میں دس ہزار منشیوں کو میں نے فقیر بنا دیا ہے اور ان کے جسموں میں کیڑے ڈال دیے ہیں، پھر بھی یہ لوگ چوری سے باز نہیں آتے اور اس کثرت سے چوری کرتے ہیں کہ آپ کو ان کی چوری کے طریقوں کی پوری تفصیل کا پتا چل جائے تو آپ کہیں گے کہ چوری اور منشی گیری (یعنی نویندگی) جڑواں بہنیں ہیں۔ شراب پینے اور بیچنے والے کتنے ہی لوگوں کو کنوؤں میں قید کر کے میں نے مار ڈالا ہے اور مار رہا ہوں۔ کنوؤں میں قید ہو کر یہ لوگ کون سی شراب پیتے اور فروخت کرتے ہیں۔ خدا کی مخلوق کے لیے کوئی بھی شخص کافی نہیں ثابت ہوا ہے۔ میں کس طرح کافی ہو سکتا ہوں؟“

اس گفتگو میں جو ملکی معاملات کے چار نہایت اہم اور بنیادی امور سے متعلق سلطان علاء الدین خلجی اور قاضی مغیث الدین بیانوی کے درمیان ہوئی، بعض مقامات پر قاضی مغیث کا موقف صحیح نہیں ہے اور بعض مقامات پر بادشاہ کی رائے اور طرز عمل احکام شرع سے ہٹے ہوئے ہیں، لیکن اس کے باوجود قابل غور بات یہ ہے کہ خالص دور ملوکیت اور ہنگام مطلق العنانی میں، بعض وہ علماء و فقہا بھی جو بادشاہ سے قریبی ربط رکھتے تھے، کس درجہ حق گو اور صحیح البیان تھے۔ اس کے ساتھ ہی بادشاہ بھی کتنی صاف گوئی اور وضاحت سے اپنی علمی بے مائیگی اور ملک میں جاری کردہ احکام سے متعلق تمام پہلوؤں کی بے تکلفی سے صراحت کر دیتے تھے۔ اس قسم کے مواقع پر جہاں علما کا انداز حق گوئی لائق تحسین ہے، وہاں اس کے جواب میں بادشاہوں کی وضاحت بھی قابل تعریف ہے۔

① تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۲۸۹ تا ۲۹۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۶۶ تا ۱۶۹۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، صفحہ ۲۳۲

## ۱۴۶۔ شیخ منتخب الدین ہانسوی

شیخ منتخب الدین بن ناصر الدین نعمانی ہانسوی ۶۷۵ھ (۱۲۷۶ء) میں پنجاب کے شہر ہانسی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ پھر عازم دہلی میں ہوئے اور کبار علمائے دہلی سے کتب درسیہ پڑھیں۔ تکمیل تعلیم کے بعد شیخ نظام الدین اولیا کی صحبت اختیار کی ان سے طریقت و تصوف کی تعلیم حاصل کی اور طویل عرصے تک ان سے وابستگی اختیار کیے رکھی اور کبار مشائخ چشتیہ میں گردانے گئے۔ مرتبہ کمال کو پہنچے تو شیخ نظام الدین نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر کر لیا اور دکن جانے کی اجازت دی۔ سفر دکن میں اور بھی بہت سے اصحاب طریقت ان کے ساتھ تھے۔ دولت آباد کے قریب پہنچے تو وہاں رک گئے اور پہاڑ کے ایک غار میں چلے گئے جہاں کوئی عمارت نہ تھی، صرف ایک مسجد تھی جس کو لوگ چودہ سو اولیائے کرام کی طرف منسوب کرتے تھے۔

شیخ منتخب الدین زاہد و متوکل اور عابد و متقی تھے۔ علاقہ دکن کے بے شمار غیر مسلم ان کے اثر تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ انھوں نے ۷ ربيع الاول ۷۰۹ھ (۱۵ اگست ۱۳۰۹ء) کو وفات پائی ①۔

ن

## ۱۴۷۔ مولانا ناصر الدین خوارزمی

شیخ ناصر الدین خوارزمی اپنے دور کے کبار فقہائے ہند میں سے تھے۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے زمانے میں ہندوستان کے قاضی القضاة تھے۔ سلطان نے ان کو صدر جہاں کا لقب دیا تھا ②۔

## ۱۴۸۔ مولانا نجم الدین انتشار دہلوی

شیخ نجم الدین دہلوی انتشار کے لقب سے مشہور تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد سے لے کر فیروز شاہ تغلق کے زمانہ حکومت تک دارالسلطنت دہلی میں مسند تدریس پر فائز رہے۔ بے شمار لوگوں نے ان سے اخذ علم کیا۔ فقہ اصول اور علوم عربیہ کے فاضل علما میں سے تھے۔ ان کے زمانے کے ملوک و امرا ان کی تکریم کرتے، حصول برکت کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور احترام و قبولیت کا جذبہ لے کر ان کے پاس آتے تھے ③۔

① نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۷۱۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۷۲۔

③ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۳۵۴۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۸۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۷۲۔

## ۱۴۹۔ مولانا نجم الدین سمرقندی

شیخ نجم الدین حنفی سمرقندی کا شمار دیار ہند کے کبار اساتذہ میں ہوتا تھا۔ اپنے زمانے میں کثرت درس اور افادہ عام کے بارے میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت میں دارالسلطنت دہلی میں قصر بالابند سیری میں درس دیتے تھے اور یہ قصر فیروز شاہ تغلق نے تعمیر کرایا تھا جو مضبوطی اور خوب صورتی میں بے نظیر تھا۔ مولانا نجم الدین سمرقندی طلبا کو اس قصر میں فقہ و اصول وغیرہ علوم کی تعلیم دیتے تھے اور سلطان ان کی بے حد تکریم کرتا اور انھیں ہدایا و تحائف سے نوازتا تھا ❶۔

## ۱۵۰۔ مولانا نصیر الدین صابونی

عہد علماء الدین خلجی کے علمائے کرام میں مولانا نصیر الدین صابونی کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے نامور علما میں سے تھے۔ سلطان مذکور کے عہد حکومت میں دارالسلطنت دہلی میں ان کا سلسلہ تدریس جاری تھا۔ ان کے حلقہ درس سے متعدد حضرات نے استفادہ کیا ❷۔

## ۱۵۱۔ مولانا نصیر الدین کڑوی

شیخ نصیر الدین کڑوی عہد علماء الدین خلجی کے جلیل القدر علمائے ہند اور فقید المثل فقہائے ملک میں سے تھے اور دارالسلطنت دہلی میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ اپنے دور کے اس معروف فقیہ سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا اور علما کی بہت بڑی جماعت حصول علم کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئی ❸۔

## ۱۵۲۔ مولانا نظام الدین کلاہی

سلطان علماء الدین خلجی کے دور حکومت کی جماعت علما میں مولانا نظام الدین کلاہی بھی شامل تھے۔ یہ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے نامور عالم تھے۔ ہر طرف سے منقطع ہو کر دارالسلطنت دہلی میں مسند تدریس پر متعین ہو گئے تھے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ بہت سے علما و طلبا نے ان کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیا ❹۔

❶ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۳۔

❷ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۸۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۳۔

❸ ایضاً نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۴۔

❹ تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۳۵۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۸۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۴۔

## ۱۵۳۔ شیخ نور الدین ہانسوی

شیخ نور الدین بن قطب الدین بن برہان الدین بن جمال الدین خطیب ہانسوی، فقہی مسلک کی رو سے حنفی تھے۔ ہانسی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو فقہ کی کتابیں اپنے والد ماجد شیخ قطب الدین ہانسوی سے پڑھیں۔ شیخ قطب الدین صاحب تقویٰ بزرگ تھے اور علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی اور تصوف و طریقت کے بھی ماہر تھے۔ شیخ نور الدین میں ذوق تصوف نے کروٹ لی تو اپنے والد ماجد سے وابستہ ہو گئے۔ ان سے تعلیم طریقت حاصل کی اور طویل عرصے تک ان کی صحبت و ملازمت میں رہے حتیٰ کہ علم و معرفت میں اپنے ابناء عصر سے فوقیت لے گئے پھر والد مکرم کے بعد مسند مشیخت پر فائز ہوئے۔

شیخ نور الدین کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے اور وہ یہ کہ ان کے والد شیخ قطب الدین کو ایک دفعہ سلطان محمد تغلق نے اپنے دربار میں بلایا۔ شیخ نور الدین بھی جو اس زمانے میں بچے تھے باپ کے پیچھے دربار میں چلے گئے۔ وہاں پہنچے تو ملوک و امرا کو دیکھ کر گھبرا گئے اور سخت پریشان ہوئے۔ بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر شیخ قطب الدین نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ گھبراتے کیوں ہو؟ العظمة و الکبریاء لله۔ شیخ نور الدین فرماتے ہیں: یہ الفاظ سن کر اسی وقت میرے ہوش بحال ہو گئے اور گھبراہٹ ختم ہو گئی۔

زاہد کم گو، نفور عن الدنیا اور قانع علی الیسیر تھے۔ کبھی کوئی منصب شاہی قبول نہیں کیا۔ ہانسی میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ①۔

— و —

## ۱۵۴۔ مولانا وجیہ الدین رازی

شیخ وجیہ الدین رازی نے ہندوستان کے دو عظیم حکمرانوں یعنی جلال الدین خلجی اور علاء الدین خلجی کا زمانہ پایا۔ دہلی کے ائمہ مجتہدین میں سے تھے اور اپنے دور کے معروف فقیہ تھے۔ ان کا سلسلہ اسناد فقہیہ یہ ہے کہ انھوں نے شیخ ابوالقاسم تنوخی سے علم فقہ حاصل کیا، تنوخی نے حمید الدین ضریر سے، ضریر نے شمس الائمہ کردری سے اور کردری نے صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی سے اخذ علم کیا۔ خود شیخ وجیہ الدین رازی سے سراج الدین ابو حفص عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی فقہ کی تعلیم سے بہرور ہوئے ②۔

① اخبار الاخیار ص ۸۹۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۶۔

② تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۳۵۳۔ الفوائد البیہیہ۔ تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۲۸۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۶۔

## ۱۵۵۔ مولانا وجیہ الدین پاکی

شیخ وجیہ الدین پاکی عہد علماء الدین خلجی کے عالم دین تھے۔ ایک گاؤں کے باشندے تھے جس کا نام پاگل تھا اور یہ گاؤں مشرقی پنجاب کے مشہور شہر سرہند سے دس بارہ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ شیخ ممدوح اپنے دور کے ممتاز فقیہ تھے۔ فقہ اصول فقہ اور علوم عربیہ میں کامل مانے جاتے تھے۔ لوگ ان کے فضل و کمال کے معترف تھے۔ شیریں بیان اور وسیع المطالعہ شخص تھے۔ دہلی کے کبار اساتذہ میں سے تھے۔ انداز کلام دل نشیں تھا۔ جب علمی مسائل میں زبان کو حرکت دیتے تو ہر بات دوسری بات سے وزنی اور چچی تلی معلوم ہوتی۔ کتب درسیہ پر استحصار کا یہ عالم تھا کہ تمام کتابیں بغیر دیکھے اور مطالعہ کے زبانی پڑھاتے تھے۔ صرف پڑھانے پر اکتفا نہ کرتے ان کی تشریح بھی فرماتے۔ ان کا پیرایہ اظہار دل میں اترتا چلا جاتا۔ علم و فضل کی فراوانیوں کے ساتھ ساتھ سادہ مزاج اور زاہد و قانع بزرگ تھے۔ کھانے پینے میں کسی تکلف کے قائل نہ تھے۔ طریقت و تصوف کے دل دادہ تھے۔ اس علم کے سلسلے میں شیخ نظام الدین اولیا کے مرید و عقیدت مند تھے ①۔

## ۱۵۶۔ مولانا وجیہ الدین بیانوی

شیخ وجیہ الدین بیانوی مشہور عالم و فقیہ تھے اور علم و فضل میں مرتبہ کمال پر فائز تھے۔ ابن بطوطہ اپنی سیاحت ہند کے سلسلے میں وارد ہند ہوا تو اس کی ان سے امیر عز الدین بتانی کے پاس چندیری میں ملاقات ہوئی۔ یہ امیر عز الدین بتانی کے مصاحب تھے اور وہ ان کی بے حد تعظیم کرتا تھا ②۔

ی

## ۱۵۷۔ مولانا یعقوب بن مولانا خواجگی

شیخ یعقوب بن خواجگی علوی پٹنی گجراتی اپنے عہد کے صالح اور خطہ ہند کے نامور فقیہ تھے۔ تصوف و طریقت اور فضل و صلاح میں بھی بلند پایہ بزرگ تھے۔ علم طریقت شیخ زین الدین داؤد بن حسین شیرازی سے حاصل کیا تھا۔ عالم کبیر اور صاحب عمل تھے۔ علاقہ گجرات (کاٹھیاوار) کے مشہور مقام نہروالہ کے ممتاز بزرگ شیخ رجب سے بھی استفادہ کیا۔

① تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۳۵۳۔ اخبار الاخبار ص ۹۹۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۵۰، ۲۸۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۶

② رحلتہ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۶۷۔

شیخ یعقوب پٹنی خراسان کے حکمران خاندان کے فرد تھے۔ جنھوں نے ہندوستان آ کر نہروالہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ قاضی کمال الدین ان کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ان سے فصوص الحکم کا درس لیا۔ ۷۹۸ھ (۱۳۹۶ء) میں فوت ہوئے ①۔

## ۱۵۸۔ شیخ یوسف بن جمال الدین حسینی ملتانی

شیخ یوسف بن جمال الدین حسینی ملتانی کا شمار کبار فقہائے حنفیہ میں ہوتا تھا۔ ان کے اسلاف میں سے ایک بزرگ مشہد سے وارد ہند ہوئے اور ملتان میں سکونت اختیار کی۔ شیخ یوسف ملتان ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ شیخ قطب الدین رازی شارح شمسہ سے جو مولانا جلال الدین رومی کے شاگرد تھے اخذ علم کیا۔ تکمیل علم کے بعد دارالسلطنت دہلی گئے جو اس زمانے میں مرکز علم تھا۔ یہ وہ دور تھا جب تخت ہند پر سلطان فیروز شاہ تغلق داؤد حکمرانی دیتا تھا۔ اس سے ان کی ملاقات ہوئی تو وہ ان کے پایۂ علمی سے متاثر ہوا اور مدرسہ فیروزیہ کی صدر مدرس پش کی۔ یہ مدرسہ اس نے حوض خاص پر تعمیر کیا تھا اور اس میں بڑے بڑے قابل اور لائق اساتذہ فرائض تدریس انجام دینے پر مامور تھے۔

شیخ یوسف جہاں ماہر تدریس تھے وہاں صاحب تصانیف بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں ایک کتاب ان کے نام کی مناسبت سے ”یوسفی“ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کتاب امام بیضاوی کی لب الالباب فی علم الاعراب کی بسیط و مفصل شرح ہے۔ ایک کتاب کا نام توجیہ الکلام ہے جو نسفی کی منار الاصول کی شرح ہے۔ اس عالم دین نے ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) میں وفات پائی ②۔

## ۱۵۹۔ شیخ یوسف چندیری

شیخ یوسف چندیری کے باشندے تھے اس لیے چندیری کہلائے۔ لقب وجیہ الدین تھا۔ اپنے وقت کے عظیم فقیہ تھے علم و فضل کے علاوہ ماہر تصوف بھی تھے۔ شیخ نظام الدین اولیا کے مرید تھے، تعلیم طریقت ان ہی سے حاصل کی تھی۔ ایک عرصہ ان سے منسلک رہے۔ پھر انھوں نے چندیری تشریف لے جانے کی اجازت دی اور وہاں مستقل طور سے مقیم ہو گئے۔ اپنے وقت کے شیخ، متورع، عقیف اور متدین بزرگ تھے۔ ۷۲۹ھ (۱۳۲۹ء) میں چندیری میں وفات پائی ③۔

① تذکرہ علمائے ہند ص ۲۵۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۸۔ بحوالہ مرآة احمدی و گلزار ابرار۔

② اخبار الاخبار ص ۱۵۰۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۵۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۸۔

③ اخبار الاخبار ص ۹۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۹۔

## ۱۶۰۔ شیخ یوسف چشتی دہلوی

شیخ یوسف چشتی دہلوی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور ادبیات عربی کے ماہر تھے۔ نہایت پاک باز بزرگ تھے۔ طریقت سے بھی لگاؤ تھا۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے مرید تھے۔ مسائل فقہ سے متعلق ان کی ایک کتاب بھی ہے جس کا نامہ ”تحفۃ النصارح“ ہے۔ یہ کتاب عربی نظم میں ہے۔ مسائل فقہ کو بصورت نظم بیان کرنا ان کے کمال فقہت پر دلالت کرتا ہے۔ ۷۷۴ھ (۱۳۷۳ء) میں فوت ہوئے ①۔



① تذکرہ علمائے ہند ص ۲۵۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۹۔



## مراجع و مصادر

اس کتاب کی تصنیف میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔

- 1- آب کوثر۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام
- 2- آئین اکبری۔ ابوالفضل۔
- 3- ابجد العلوم۔ نواب صدیق حسن خاں
- 4- اتحاف النبلا۔ نواب صدیق حسن خاں۔
- 5- احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالم۔ مقدسی، مطبوعہ برل۔
- 6- اخبار الاخیار۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔
- 7- استیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ ابن عبدالبر نمیری قرطبی۔
- 8- اسلام میں غلامی کی حقیقت۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی
- 9- الاصابہ فی تمییز الصحابہ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی
- 10- امام الکلام۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی۔
- 11- امام ابن تیمیہ۔ محمد یوسف کوکن عمری۔
- 12- الانساب۔ سمعانی۔
- 13- البدایہ والنہایہ۔ حافظ ابن کثیر۔
- 14- البدر الطالع۔ امام شوکانی۔
- 15- بزم صوفیہ۔ سید صباح الدین عبدالرحمن۔
- 16- بزم مملوکیہ۔ سید صباح الدین عبدالرحمن۔
- 17- التاج المکمل۔ نواب صدیق حسن خاں۔
- 18- تاج المآثر۔ صدر الدین حسن نظامی۔
- 19- تاریخ الکامل۔ ابن اثیر۔
- 20- تاریخ بغداد۔ خطیب بغدادی۔

- 21- تاریخ الکبیر۔ امام بخاری۔
- 22- تاریخ فرشتہ۔ محمد قاسم۔
- 23- تاریخ سندھ۔ سید ابو ظفر ندوی۔
- 24- تاریخ فیروز شاہی۔ قاسمی ضیاء الدین برنی۔
- 25- تاریخ فیروز شاہی۔ شمس سرانج عقیف۔
- 26- تاریخ مبارک شاہی۔ یحییٰ بن احمد سرہندی۔
- 27- تاریخ فخر الدین مبارک شاہ۔ فخر مدبر۔
- 28- تاریخ یمنی۔ ابوالنصر محمد بن عبدالجبار عتقی۔
- 29- تحقیق الکلام فی وجوب القراءة خلف الامام۔ مولانا عبدالرحمن مبارک پوری۔
- 30- تحقیقات چشتی۔ مولوی نور احمد چشتی۔
- 31- تذکرہ علمائے ہند۔ مولوی رحمان علی۔
- 32- تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) محمد ایوب قادری۔
- 33- تذکرۃ الحفاظ۔ حافظ ذہبی۔
- 34- ترجمان القرآن جلد ثانی۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔
- 35- تہذیب التہذیب۔ حافظ ابن حجر عسقلانی۔
- 36- کتاب الجرح والتعديل۔
- 37- جمہرۃ انساب العرب۔ حافظ ابن حزم۔
- 38- بیچ نامہ۔ محمد بن علی بن حامد بن ابوبکر۔
- 39- حدائق الحنفیہ۔ مولوی فقیر محمد جہلمی۔
- 40- خلاصۃ التواریخ۔ لالہ سجان رائے۔
- 41- خزینۃ الاصفیاء۔ مفتی غلام سرور لاہوری۔
- 42- خزائن الفتوح۔ امیر خسرو۔
- 43- خیر المجالس۔ ملفوظات شیخ نصیر الدین چراغ دہلی۔
- 44- الدرر الكامنه۔ حافظ ابن حجر عسقلانی۔
- 45- ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون۔ اسماعیل پاشا۔
- 46- رجال السند والہند۔ قاضی اطہر مبارک پوری۔
- 47- رحلۃ ابن بطوطہ۔ محمد ابن بطوطہ۔

- 48- سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ خلیق احمد نظامی۔
- 49- سبحة المرجان فی آثار ہندوستان۔ غلام علی آزاد بکرامی۔
- 50- سفینۃ الاولیاء۔ داراشکوہ۔
- 51- سیر الاولیاء۔ سید محمد مبارک کرمانی۔
- 52- سیر العارفین۔ مولانا جمالی۔
- 53- سیر الاقطاب۔
- 54- طبقات اکبری۔ نظام الدین احمد بخش۔
- 55- طبقات ابن سعد۔
- 56- طبقات الشافعیہ۔ تاج الدین سبکی۔
- 57- طبقات ناصری۔ منہاج الدین عثمان جوزجانی۔
- 58- طبرانی کبیر و اوسط۔
- 59- عجائب الہند۔ بزرگ بن شہر یار مع فرانسیسی ترجمہ۔ طبع بریل۔
- 60- العقد الثمین فی فتوح الہند و من ورد فیہا من الصحابة و التابعین۔ قاضی اطہر مبارک پوری۔
- 61- فتوح البلدان۔ بلاذری۔
- 62- فوائد الفوائد۔ ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاء۔
- 63- الفوائد البہیہ فی تراجم الخفیہ۔
- 64- فتوح السلاطین۔ عصامی۔
- 65- الفہرست۔ ابن ندیم۔
- 66- الفہرست۔ اردو ترجمہ۔ محمد اسحاق بھٹی۔
- 67- کتاب الکنی والاسماء۔
- 68- کشف الظنون۔ حاجی خلیفہ۔
- 69- کشف المحجوب۔ شیخ علی ہجویری۔
- 70- لباب الالباب۔ نور الدین عوفی۔
- 71- لسان المیزان۔ حافظ ابن حجر عسقلانی۔
- 72- آثار الکرام۔ غلام علی آزاد بکرامی۔
- 73- آثار رحیمی۔ عبدالباقی نہاوندی۔
- 74- مروج الذهب۔ مسعودی مع فرانسیسی ترجمہ۔ مطبوعہ پیرس۔

- 75- مشکوٰۃ المصابیح۔
- 76- معجم البلدان۔ یا قوت حموی۔
- 77- محبوب الوطن تذکرہ سلاطین بہمنیہ دکن۔ مولوی ابوتراب محمد عبدالجبار خاں۔
- 78- منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی۔
- 79- میزان الاعتدال فی نقد الرجال۔ حافظ ذہبی۔
- 80- مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق۔ ابوالعالی عبدالملک جوینی۔
- 81- مجمع الزوائد و منبع الفوائد۔ حافظ نور الدین علی بن ابوبکر بیہقی۔
- 82- مفتاح السعاده۔ طاش کبری زادہ۔
- 83- مقالات سید سلیمان ندوی جلد دوم۔
- 84- فزیه الخواطر۔ حکیم سید عبداللہ حسنی لکھنوی۔
- 85- آذش لاہور نمبر۔ فروری ۱۹۶۲۔
- 86- وفیات الاعیان۔ ابن خلکان۔
- 87- تاریخ طبری
- 88- اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ۔



# فتاویٰ ہمد

نویں صدی ہجری

محمد اسحاق بھٹی

محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

بہ اشتراک

دارالافتاء

المدینہ، اردو بازار، لاہور فون: ۸۸۹۸۶۳۹ ۰۳۰۰

## جملہ حقوق محفوظ

۱۴۳۲ھ/۲۰۱۳ء

نام کتاب:	_____	فہمائے ہند
مصنف:	_____	محمد اسحاق بھٹی
اہتمام:	_____	محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
مطبع:	_____	بہ اشتراک دارالانوار شفیق پریس
حروف خوانی:	_____	محمد رفیع الدین حجازی
صفحات:	_____	۱۸۸
جلد ساز:	_____	بنیامین
سرورق:	_____	ضیاء الرحمن
کمپوزنگ:	_____	محمود فرید

ڈسٹری بیوٹرز

 <p>فصلی کتاب</p> <p>فصلی پاکستان سپر مارکیٹ</p>	 <p>کتاب سرائے</p> <p>پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات</p>
<p>اردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔</p> <p>فون: 32212991-32629724</p>	<p>فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ</p> <p>اردو بازار، لاہور فون: 37320318، 37239884</p> <p>ای میل: Kitabsaray@hotmail.com</p>

## ترتیب

۲۶۹	♦ علماء و سادات کے لیے انعامات	۲۵۹	♦ مقدمہ
۲۶۹	♦ پابندی نماز	۲۶۰	♦ امیر تیمور لنگ
۲۶۹	♦ قرآن مجید سے شغف	۲۶۰	♦ تیمور کی بادشاہت
۲۷۰	♦ عہد تیمور کے علمائے کرام	۲۶۱	♦ ہندوستان پر حملہ
۲۷۰	♦ وفات	۲۶۲	♦ دہلی پر قبضہ اور قتل عام
۲۷۰	♦ شرقی سلاطین	۲۶۲	♦ شیخ احمد تھانیسری تیمور کے دربار میں
۲۷۰	♦ ملک الشرق سرور خواجہ جہاں	۲۶۳	♦ دہلی سے ہردوار تک
۲۷۲	♦ ایک سوال اور اس کا جواب	۲۶۳	♦ سمرقند کو واپسی اور بایزید یلدرم سے جنگ
۲۷۳	♦ مبارک شاہ شرقی	۲۶۴	♦ ہندوستان پر حملے کے دو مقصد
۲۷۳	♦ سلطان ابراہیم شرقی	۲۶۴	♦ تیمور کی زندگی کا ایک اور پہلو
۲۷۵	♦ جون پور مرکز اصحاب علماء و مشائخ	۲۶۴	♦ تیموری سلاطین کی علم پروری اور ادب نوازی
۲۷۵	♦ قاضی شہاب الدین سے عقیدت	۲۶۵	♦ علوم دینیہ کی ترویج
۲۷۵	♦ حصول علم کا شوق	۲۶۵	♦ علماء و مشائخ کی قدر دانی
۲۷۶	♦ عدل و انصاف	۲۶۵	♦ علماء و فضلا کا مرتبہ
۲۷۶	♦ راتوں کو گشت	۲۶۶	♦ بادشاہوں کے فرائض
۲۷۶	♦ رحم دلی	۲۶۶	♦ علماء و صلحا کی توقیر
۲۷۷	♦ دینی مدارس	۲۶۷	♦ مشائخ اور درویشوں کے لیے وظائف
۲۷۷	♦ انتظام مساجد	۲۶۷	♦ محدثین اور ارباب اخبار و قصص
۲۷۷	♦ چہرہ نویسی	۲۶۷	♦ سادات و علماء کی تعظیم
۲۷۷	♦ شیخ اشرف جہاں گیر سے عقیدت	۲۶۸	♦ سفر و حضر میں علماء و فقہاء کی صحبت
۲۷۸	♦ وفات	۲۶۹	♦ اصحاب علم میدان جنگ میں بھی ساتھ تھے
۲۷۸	♦ سلطان محمود شاہ شرقی		

۲۹۸	♦ سلطان مجاہد شاہ بہمنی	۲۷۹	♦ سلطان محمد شاہ شرقی
۲۹۹	♦ داؤد شاہ بن حسن شاہ بہمنی	۲۷۹	♦ سلطان حسین شاہ شرقی
۲۹۹	♦ محمود شاہ بہمنی	۲۷۹	♦ سلطان بہلول لودھی
۳۰۰	♦ فقہی مسائل پر نظر	۲۸۰	♦ ابتدائی حالات
۳۰۰	♦ شعر و شاعری	۲۸۱	♦ ایک بزرگ کی خدمت میں
۳۰۱	♦ حافظ شیرازی کا قصہ ہند	۲۸۱	♦ پابندی مذہب
۳۰۲	♦ فقہاء و محدثین کا احترام	۲۸۲	♦ ایک بدعت کا خاتمہ
۳۰۲	♦ وفات	۲۸۲	♦ حلم اور بردباری
۳۰۲	♦ سلطان فیروز شاہ بہمنی	۲۸۲	♦ علمائے عقیدت مندانہ تعلقات
۳۰۳	♦ لوگوں سے ربط و تعلق	۲۸۳	♦ مشائخ سے محبت اور ان کی مدد
۳۰۳	♦ درس و تدریس	۲۸۴	♦ شیخ سماء الدین سہروردی سے عقیدت
۳۰۴	♦ کتب خانہ	۲۸۷	♦ سلاطین گجرات
۳۰۴	♦ کیا مملکت کو وراثت میں تقسیم کرنا جائز ہے؟	۲۸۷	♦ سلطنت گجرات
۳۰۵	♦ شفقت و رحم دلی	۲۸۸	♦ سلطان احمد شاہ گجراتی
۳۰۶	♦ تیمور کی خدمت میں سفارت	۲۹۱	♦ سلطنت بہمنیہ
	♦ سید محمد حسینی کے بارے میں فیروز شاہ کی	۲۹۱	♦ حسن بہمنی
۳۰۷	♦ رائے	۲۹۲	♦ دکن کو روانگی
۳۰۷	♦ وفات	۲۹۳	♦ حسن کی بادشاہت
۳۰۷	♦ سلطان احمد شاہ بہمنی	۲۹۳	♦ حکومت میں علمائے کرام کی شمولیت
۳۰۷	♦ قبولیت دعا	۲۹۳	♦ رسالہ نصائح الملوک
۳۰۸	♦ مسلمانوں سے لڑائی نہ کی جائے۔	۲۹۴	♦ عدالت
	♦ علمائے کرام کی رائے	۲۹۴	♦ اشاعت علم کا اہتمام
۳۰۸	♦ علامہ محمد بن ابوبکر مخزومی دامینی کا عزم دکن	۲۹۵	♦ قدر دانی علم و ہنر
۳۰۹	♦ عہد احمد شاہی کے علمائے کرام	۲۹۶	♦ سلطان محمد شاہ بہمنی
	♦ زوال سلطنت کے اسباب..... ملا احمد	۲۹۶	♦ شیخ زین الدین کا بیعت سے انکار
۳۰۹	♦ قزوینی کی تقریر	۲۹۸	♦ علمائے قدر و منزلت
۳۱۱	♦ وفات	۲۹۸	♦ وفات



۳۳۲	◆ ایک قابل ذکر واقعہ	۳۱۲	◆ سلطان علاء الدین بہمنی
۳۳۲	◆ تصنیف	۳۱۲	◆ حدود شرعیہ کا نفاذ اور عادات و اخلاق:
۳۳۲	◆ وفات	۳۱۲	◆ ایک واقعہ
۳۳۵	◆ ۹۔ قاضی احمد شہاب الدین دولت آبادی	۳۱۳	◆ بادشاہوں کی تاریخ
۳۳۶	◆ اساتذہ کرام	۳۱۵	◆ نوی صدی ہجری
۳۳۷	◆ دہلی سے روانگی اور جون پور میں قیام		◆ الف
۳۳۸	◆ جون پور میں علمائے دین کی پذیرائی	۳۱۵	◆ ۱۔ قاضی ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی
۳۳۹	◆ سلطان ابراہیم شرقی	۳۱۵	◆ ۲۔ شیخ ابوالفتح جون پوری
۳۳۹	◆ چند علمائے کرام	۳۱۶	◆ قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے
۳۳۹	◆ قاضی شہاب الدین کی عزت افزائی		◆ فقہی بحثیں
۳۴۰	◆ حسد و رقابت	۳۱۶	◆ دہلی سے ہجرت اور جون پور میں قیام
۳۴۲	◆ تدریس اور تصنیف و تالیف	۳۱۷	◆ ان کے جدا جدا قاضی عبدالمقتر
۳۴۲	◆ تصوف و ولایت	۳۲۳	◆ ۳۔ شیخ ابوالفتح قریشی کالیپوی
۳۴۳	◆ قدر و منزلت کی انتہا	۳۲۴	◆ ۴۔ شیخ احمد بن حسن بلخی
۳۴۳	◆ تصانیف	۳۲۴	◆ ۵۔ مولانا احمد تھانیسری
۳۴۵	◆ وفات	۳۲۸	◆ ۶۔ شیخ احمد بن محمود نہروالی
۳۴۷	◆ اولاد	۳۲۸	◆ ۷۔ شیخ احمد بن یعقوب بھٹی
۳۴۸	◆ تلامذہ	۳۲۹	◆ ۸۔ شیخ احمد کھٹوی
۳۴۹	◆ ۱۰۔ قاضی احمد بن محمد جون پوری	۳۳۰	◆ ایک تاجر کا واقعہ
۳۵۱	◆ ۱۱۔ شیخ احمد بن عمر پنڈوی	۳۳۰	◆ تیمور لنگ سے ملاقات
۳۵۱	◆ ۱۲۔ قاضی اسحاق مالوی	۳۳۱	◆ ایک عجیب و غریب واقعہ
۳۵۲	◆ ۱۳۔ قاضی اسماعیل اصفہانی	۳۳۱	◆ رسول اللہ ﷺ کا مہمان
۳۵۲	◆ ۱۴۔ شیخ اسمعیل بن صفی الدین اولوی	۳۳۱	◆ ایک خواب
۳۵۳	◆ ۱۵۔ سید اشرف جہاں گیر	۳۳۲	◆ سفر کے معمولات
۳۵۳	◆ والد اور والدہ	۳۳۲	◆ اونچا ہاتھ
۳۵۳	◆ والد کی وفات اور تخت نشینی	۳۳۳	◆ ایک استاذِ فقہ سے ملاقات
۳۵۳	◆ ترک حکومت		

	عزم ہند	۳۵۴	◆
	اوج میں داخلہ	۳۵۴	◆
	دہلی اور بہار کا قصد	۳۵۵	◆
	ورود بنگال اور شیخ احمد بن عمر سے استفادہ	۳۵۵	◆
	جون پور کا قصد اور ضلع اعظم گڑھ میں ورود	۳۵۶	◆
	قاضی شہاب الدین سے ملاقات	۳۵۷	◆
	روحانی فیوض	۳۵۷	◆
	سلطان ابراہیم شرقی کی عقیدت	۳۵۸	◆
	اشاعت اسلام	۳۵۹	◆
	روولی میں آمد	۳۶۰	◆
	قصبہ جاکس میں	۳۶۰	◆
	شیخ خیر الدین اور قاضی محمد سدھوری سے ملاقات	۳۶۰	◆
	ارباب حکومت سے تعلقات	۳۶۱	◆
	چار نقصان دہ چیزیں	۳۶۱	◆
	بادشاہوں اور حکمرانوں کے لیے نصیحت	۳۶۲	◆
	سیاحت	۳۶۳	◆
	تصنیفات	۳۶۳	◆
	وفات	۳۶۴	◆
	۱۶۔ شیخ اعظم ثانی لکھنوی	۳۶۴	◆
	ب		◆
	۱۷۔ قاضی برہان الدین مالوی	۳۶۵	◆
	۱۸۔ شیخ بدھن بہراپچی	۳۶۵	◆
	ت		◆
	۱۹۔ قاضی تاج الدین نحوی	۳۶۶	◆
	۲۰۔ قاضی تاج الدین ظفر آبادی	۳۶۶	◆
	۲۱۔ شیخ تاج الدین نہروالی	۳۶۷	◆
ج			◆
۳۶۷	۲۲۔ شیخ جلال الدین مانک پوری		◆
۳۶۸	۲۳۔ مولانا جمال الدین کشمیری		◆
	ح		◆
۳۷۲	۲۴۔ قاضی حماد الدین گجراتی		◆
	خ		◆
۳۷۳	۲۵۔ مولانا خواجگی دہلوی		◆
۳۷۳	۲۶۔ مولانا خواجگی کڑوی		◆
۳۷۵	۲۷۔ مولانا خواجہ مانک پوری		◆
۳۷۶	۲۸۔ شیخ خوند میر پٹنی		◆
۳۷۷	۲۹۔ شیخ خضر بن حسن بلخی		◆
	د		◆
۳۷۷	۳۰۔ مفتی داؤد بن رکن الدین ناگوری		◆
	ر		◆
۳۷۸	۳۱۔ قاضی رضی الدین ردولوی		◆
۳۷۸	۳۲۔ رکن الدین جون پوری		◆
۳۷۹	۳۳۔ شیخ رکن الدین دہلوی		◆
۳۸۰	۳۴۔ شیخ رکن الدین ظفر آبادی		◆
۳۸۰	۳۵۔ مفتی رکن الدین ناگوری		◆
	ز		◆
۳۸۴	۳۶۔ شیخ زین الدین عربی		◆
	س		◆
۳۷۵	۳۷۔ شیخ سارنگ لکھنوی		◆
۳۸۵	۳۸۔ شیخ سراج الدین کاپلوی		◆
۳۸۵	۳۹۔ شیخ سراج الدین گجراتی		◆
۳۸۶	۴۰۔ شیخ سعد الدین خیر آبادی		◆

۳۹۹	۶۳۔ شیخ علی بن اسعد دہلوی	۳۸۷	۴۱۔ شیخ سعد الدین لکھنوی
۳۹۹	۶۴۔ شیخ علی بن احمد مہانگی	۳۸۷	۴۲۔ شیخ سعد اللہ کنتوری
۴۰۱	۶۵۔ شیخ علی بن احمد زمزی	۳۸۸	۴۳۔ شیخ سلام اللہ مندوی
۴۰۱	۶۶۔ قاضی علم الدین شاطبی	۳۸۸	۴۴۔ قاضی سنا الدین غزنوی
۴۰۲	۶۷۔ مولانا عماد الدین غوری		ش
۴۰۳	۶۸۔ شیخ عین الدین بیجا پوری	۳۸۹	۴۵۔ شیخ شمس الدین اونوی
	غ	۳۸۹	۴۶۔ شیخ شہاب الدین اودھی
۴۰۳	۶۹۔ شیخ غوث الدین گجراتی	۳۸۹	ص
	ف	۳۸۹	۴۷۔ مولانا صدر جہان گجراتی
۴۰۴	۷۰۔ شیخ فتح اللہ اودھی	۳۹۰	۴۸۔ شیخ صفی الدین ردولوی
۴۰۵	۷۱۔ امیر فضل اللہ شیرازی	۳۹۲	۴۹۔ شیخ صلاح الدین گجراتی
۴۰۵	۷۲۔ مولانا فخر الدین جون پوری		ض
۴۰۶	۷۳۔ قاضی فخر الدین مالاباری	۳۹۳	۵۸۰۔ شیخ ضیاء الدین رفاعی
	ق		ع
۴۰۶	۷۴۔ شیخ قطب الدین ظفر آبادی	۳۹۳	۵۱۔ شیخ عبدالرحمن ہندی
۴۰۷	۷۵۔ شیخ قطب الدین بن خضر بلخی	۳۹۳	۵۲۔ شیخ عبدالرزاق کچھوچھوی
۴۰۷	۷۶۔ مولانا قیام الدین ظفر آبادی	۳۹۴	۵۳۔ مولانا عبدالغنی مندوی
	ک	۳۹۴	۵۴۔ شیخ عبداللطیف ملتانی پٹنی
۴۰۸	۷۷۔ شیخ کبیر الدین ناگوری	۳۹۵	۵۵۔ شیخ عبداللطیف گجراتی
۴۰۸	۷۸۔ شیخ کبیر الدین ملتانی	۳۹۵	۵۶۔ شیخ عبداللہ بن محمود حسینی بخاری
۴۰۸	۷۹۔ قاضی کمال الدین ناگوری	۳۹۶	۵۷۔ شیخ عبداللہ ملتانی
	م	۳۹۶	۵۸۔ مولانا عبدالملک جون پوری
۴۰۹	۸۰۔ شیخ مبارک بناری	۳۹۷	۵۹۔ شیخ عثمان حسینی گجراتی
۴۰۹	۸۱۔ شیخ محمد بن ابوبکر دامینی	۳۹۷	۶۰۔ شیخ عزیز اللہ مندوی
۴۱۱	ورود ہند	۳۹۸	۶۱۔ مولانا علاء الدین جون پوری
۴۱۲	تصنیفات	۳۹۸	۶۲۔ شیخ علاء الدین گوالیاری

۴۲۷	◆ فقاہت	۴۱۳	◆ ادبی ذوق اور شعر و شاعری
۴۲۷	◆ افضلیت صحابہ رضوان اللہ علیہم	۴۱۷	◆ انتقال
۴۲۸	◆ تصنیفات	۴۱۷	◆ ۸۲۔ شیخ محمد بن ابوالبقاء حسینی نقوی
۴۲۹	◆ اولاد		◆ کرمانی
۴۳۰	◆ گلبرگہ میں قیام	۴۱۸	◆ ۸۳۔ شیخ محمد بن احمد حسینی بخاری اوچی
۴۳۰	◆ وفات	۴۲۰	◆ ۸۴۔ شیخ محمد بن حسین پٹنی
۴۳۱	◆ ۹۴۔ قاضی محمد ساوی	۴۲۱	◆ ۸۵۔ شیخ محمد حسین ٹھٹھوی
۴۳۱	◆ ۹۵۔ شیخ محمد بن ابو محمد دریابادی	۴۲۱	◆ ۸۶۔ شیخ محمد بن رفیع الدین بخاری
۴۳۱	◆ ۹۶۔ قاضی محمد اکرم گجراتی	۴۲۱	◆ ۸۷۔ شیخ محمد بن عبد اللہ حسینی بخاری
۴۳۲	◆ ۹۷۔ شیخ محمود بن عبد اللہ بخاری		◆ گجراتی
۴۳۲	◆ ۹۸۔ شیخ محمود بن علاء الدین نصیر آبادی	۴۲۱	◆ ۸۸۔ شیخ محمد بن علاء الدین منیری
۴۳۲	◆ ۹۹۔ شیخ محمود بن محمد دہلوی	۴۲۲	◆ ۸۹۔ شیخ محمد بن عیسیٰ جون پوری
۴۳۳	◆ ۱۰۰۔ شیخ مودود بن محمد گجراتی	۴۲۳	◆ ۹۰۔ مولانا محمد بن عین الدین بیجا پوری
	◆ _____ ن _____	۴۲۳	◆ ۹۱۔ شیخ محمد بن قاسم اودھی
۴۳۳	◆ ۱۰۱۔ مولانا نجم الدین گلبرگوی	۴۲۳	◆ ۹۲۔ شیخ محمد بن قطب الدین لکھنوی
۴۳۳	◆ ۱۰۲۔ قاضی نصیر الدین گنبدی	۴۲۴	◆ ۹۳۔ شیخ محمد بن یوسف حسینی دہلوی
۴۳۴	◆ ۱۰۳۔ قاضی نظام الدین غزنوی	۴۲۵	◆ خاندان اور ولادت
۴۳۵	◆ ۱۰۴۔ مولانا نور الدین ظفر آبادی	۴۲۵	◆ دہلی سے دولت آباد
	◆ _____ ی _____	۴۲۵	◆ تعلیم
۴۳۶	◆ ۱۰۵۔ یوسف شاہ بنگالی	۴۲۶	◆ پھر دہلی میں
۴۳۷	◆ مراجع و مصادر	۴۲۶	◆ حصول علم کی تلقین
		۴۲۶	◆ گیسو دراز لقب کی وجہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مقدمہ

سلسلہ فقہائے ہند کی یہ دوسری جلد ہے جو بتوفیق الہی معزز قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ یہ جلد نویں صدی ہجری کے ان لائق احترام فقہاء و محدثین کے حالات و سوانح پر مشتمل ہے جو برصغیر میں پیدا ہوئے یا اس سرزمین میں کسی اور ملک سے تشریف لائے اور پھر یہیں اقامت گزین ہو گئے۔

قدیم مورخین کے نزدیک ”ہند“ سے مراد وہ خطہء ارض ہے جو آج پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کے نام سے موسوم ہے اور اس کتاب میں اپنی محدود معلومات کے مطابق ان ہی تین ملکوں سے تعلق رکھنے والے فقہائے کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کو ”فقہائے ہند“ کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ اس خطے کو اسلامی تاریخ میں ہند سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ فقہائے کرام متعدد والیان ہند کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ سو سال کے اس طویل عہد میں بہت سے ملوک و امرا تخت ہند پر متمکن ہوئے۔ اس پر طوائف الملوکی کا دور بھی آیا جس میں یکے بعد دیگرے کئی حکمران آئے اور اپنی حکمرانی کی مدت ختم کر کے اپنے کارناموں کے نقوش تاریخ کے حوالے کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان میں بعض نقوش بہت دھندلے دکھائی دیتے ہیں اور بعض بڑے نمایاں نظر آتے ہیں اور تاریخ کا ایک مستقل باب بن گئے ہیں۔ ایک ہی وقت میں ملک کے مختلف حصوں میں مختلف حکمرانوں نے بھی داد حکومت دی، لیکن ہمیں اس موقع پر تاریخ برصغیر کی اس سرگزشت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ سب باتیں ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ یہاں ہم اختصار کے ساتھ صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کن کن حکمرانوں کے عہد میں کون کون علماء و فقہاء پیدا ہوئے۔ انہوں نے کیا فقہی اور علمی خدمات انجام دیں، ان فقہاء و ملوک کے باہمی تعلقات کی کیا نوعیت تھی۔ یہ حکمران ان کو کس درجہ عزت و احترام کی نظر دیکھتے تھے۔ ان کی باتوں پر کہاں تک عمل پیرا ہوتے تھے، ان سے ان کی عقیدت و مودت کے حدود کتنے وسیع تھے۔ ان کے زمانے میں خالص دینی علم کو کس قدر ترقی ہوئی اور تحریری یا تدریسی طور پر یہ علم کہاں تک آگے بڑھا۔ پھر اس ضمن میں دیگر علوم و فنون کے ارتقا کی کیا صورتیں ظہور میں آئیں، تصنیف و تالیف کے دائرے کہاں تک پھیلے، مشکل و پیچیدہ مسائل کے حل و کشود کی کیا کیا شکلیں نظر و بصر کے سامنے آئیں اور دقیق علمی و فنی مباحث کو علماء و فقہاء نے کس اسلوب سے سلجھانے کی کوششیں کیں۔

## امیر تیمور لنگ

اس ضمن میں ہم سب سے پہلے امیر تیمور لنگ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ یہ مغل حکمران علما و فقہاء سے کس قسم کے تعلقات و روابط رکھتا تھا اور اس کے دل میں ان کی کیا قدر و منزلت تھی۔ تیمور اگرچہ ہندوستان کا باقاعدہ بادشاہ اور حکمران نہ تھا، مگر اس نے اس ملک پر حملہ کر کے اس کے بہت سے حصے کو اپنے زیر نگیں کر لیا تھا اور بعض ہندی علما و فقہاء سے اس کی ملاقات اور گفتگو بھی ہوئی تھی، لہذا مقدمہ کتاب میں اس کے بارے میں چند باتیں بیان کرنا ضروری ہے۔

تیمور ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی فولاد کے ہیں۔ اس کو لنگ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی صحرائی زندگی کے زمانے میں ایک چرواہے نے تیر مار کر اس کی ٹانگ کو زخمی کر دیا تھا اور یہ لنگڑا ہو گیا تھا۔ یہ ۲۵ شعبان ۷۳۲ھ (۲۲ اپریل ۱۳۳۲ء) کو ”خواجہ ایلغار“ نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوا جو اعمال کش یا کس میں واقع ہے اور ماوراء النہر کا ایک سرسبز و شاداب مقام ہے۔ وہ ماں کی طرف سے چنگیز خاں کی اولاد سے تھا۔ اس زمانے میں بلخ اور بلاد خراسان پر سلطان حسین داؤد حکومت دیتا تھا۔ تیمور کا باپ ترغائی خاں اس بادشاہ کی فوج میں ملازم تھا۔ بعد میں خود تیمور بھی اس کے مقررین و وزرا میں شامل ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اس نے سلطان حسین کے دربار میں اس درجہ اثر و رسوخ حاصل کر لیا کہ حسین نے اپنی بیٹی اس کے عقد میں دے دی، جس کی وجہ سے اس کو تیمور گورگان کہا جانے لگا۔ ترکی زبان میں لفظ گورگان کے معنی داماد کے ہیں اور اس کا یہ لقب اس لیے پڑا کہ یہ شاہی خاندان کا داماد تھا۔

### تیمور کی بادشاہت:

چالیس آدمی اس کے ابتدائی دور کے دوست اور ساتھی تھے جو بڑے بہادر اور سازشی تھے۔ انہوں نے حسین کی بادشاہت ختم کرنے اور تیمور کو اس کی جگہ بادشاہ بنانے کا خفیہ طور سے ایک منصوبہ بنایا۔ چنانچہ ان لوگوں نے دریائے جیحون عبور کر کے نخشہ اور بدخشاں پر قبضہ کر لیا۔ سلطان کو پتا چلا تو جیحون کے کنارے اس کا لشکر مزاحمت کے لیے آگے بڑھا، لیکن ان کی سازش کا سلسلہ بڑا مضبوط اور وسیع تھا۔ انہوں نے کچھ لوگوں کی مدد سے سلطان حسین کی فوج کا باقاعدہ مقابلہ کیا اور اسے شکست دی۔ پھر بلخ پر حملہ کر کے سلطان حسین کو قتل کر دیا اور سمرقند کو دارالسلطنت بنا کر تیمور کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اب ماوراء النہر کے تمام شہروں، خوارزم، ہرات، بلاد خراسان، عراق اور ملک شام کی سرحدوں تک پھیلے ہوئے عجم کے سارے علاقوں پر چند روز میں تیمور کا پرچم اقتدار لہرانے لگا۔ اس کے علاوہ اس نے اور بھی بہت سے علاقے اپنے قبضے میں کر لیے، مگر ہمیں اس کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس نے اپنی عنان توجہ ہندوستان کی طرف بھی مبذول کی۔

## ہندوستان پر حملہ:

یہ دور ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دور تھا اور فیروز شاہ تغلق (متوفی ۷۹۰ھ - ۱۳۸۸ء) کی وفات کے بعد اس ملک میں کوئی مضبوط حکومت قائم نہ ہو سکی تھی۔ آج ایک حکمران ہے تو کل دوسرا اس کی جگہ لے لیتا تھا۔ اس صورت حال سے اگرچہ تیمور بے خبر نہ تھا، تاہم وہ واقعات کی صحیح تصویر سے مطلع ہونا چاہتا تھا۔ اسی اثنا میں اس نے اپنے وزرا و مصاحبین سے مشورہ کیا کہ اسے چین پر حملہ کرنا چاہیے یا ہندوستان پر؟ انھوں نے اس کو ہندوستان کی طرف رخ کرنے سے روکا اور اس کے چار سبب بیان کیے۔

اول: پنجاب کے دشوار گزار دریا۔

دوم: جنگلوں کی کثرت۔

سوم: صحرائی باشندوں کی لوٹ مار۔

چہارم: جنگلی ہاتھیوں سے مقابلہ۔

مشیروں نے کہا کہ ہندوستان پر حملہ کرنا آسان نہیں۔ یہ چار موانع قدم قدم پر بادشاہ کے لیے پریشانی کا موجب بنیں گے۔ لیکن شہزادہ شاہ رخ مرزا اس مشورے پر عمل کرنے کا حامی نہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہر صورت میں ہندوستان پر چڑھائی کی جائے۔ اب تیمور نے فوج سے مشورہ کیا تو وہ بھی اس پر آمادہ نہ تھی۔ تیمور چونکہ فتح ہند کا مصمم ارادہ کر چکا تھا اور اس ضمن میں مشیروں اور شہزادوں کا اختلاف اس کے لیے ذہنی پریشانی کا موجب تھا، اس لیے اس نے قرآن مجید کی طرف رجوع کیا اور فال نکالی تو یہ آیت سامنے آئی۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ﴾

(اے نبی ﷺ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو)

یہ آیت سنتے ہی سب نے سر جھکا لیے اور چپ ہو گئے۔ اس کا مطلب ان کی رضا مندی اور تیمور کی تائید تھا۔ دوبارہ صلاح و مشورے کے بعد قرار پایا کہ امیر زادہ پیر محمد جہاں گیر کو جو کہ کابل کا حکمران اور تیمور کا پوتا تھا، تیس ہزار سواروں کے ساتھ کوہ سلیمان کے راستے ہندوستان بھیجا جائے اور وہ صوبہ ملتان پر حملہ کر کے اس کو فتح کرے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

کچھ عرصے کے بعد تیمور کو پیر محمد کا خط ملا جس نے ربیع الاول ۸۰۰ھ (ستمبر ۱۳۹۷ء) میں ہندوستان پر حملہ کیا تھا اور دریائے سندھ عبور کر کے قلعہ اوچ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اس نے تفصیل سے لکھا کہ ہندوستان کے حالات بادشاہ کے لیے نہایت سازگار ہیں۔ یہاں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی ہے اور میں اوچ اور ملتان فتح کر چکا ہوں۔ آپ بلاتا خیر اس ملک پر بلہ بول دیں۔

یہ خط دیکھے ہی تیمور نے ہندوستان پر چڑھائی کر دی اور ۸۰۰ھ (۱۳۹۸ء) کے موسم بہار کے آغاز میں وہ کوہ ہندوکش سے اتر کر کابل آیا۔ وہاں سے سرکنڈوں کا پل بنا کر دریائے اٹک اور جہلم کو عبور کیا اور تمام علاقوں کو روندتا اور کچلتا ہوا انتہائی تیزی کے ساتھ دریائے بیاس کے کنارے آپہنچا۔ پھر ملتان، اجودھن (پاک پٹن) اور مختلف شہروں اور قلعوں کو فتح کر کے سمانہ کے راستے دہلی کی طرف متوجہ ہوا۔ دہلی کا حکمران اس زمانے میں سلطان محمود تھا۔ وہ اس کی آمد کی خبر سن کر وہاں سے فرار ہو گیا۔

## دہلی پر قبضہ اور قتل عام:

اب دہلی کا تخت تیمور کا منتظر تھا اور وہ بغیر کسی مزاحمت کے جمادی الاولیٰ ۸۰۱ھ (جنوری ۱۳۹۹ء) میں دہلی پر قابض ہو گیا۔ وہاں اس نے قتل عام شروع کر دیا اور لوگوں کی بہت بڑی تعداد کو قید میں ڈال دیا، جن میں علماء و فقہاء، امرا و زعماء اور متعدد سرکردہ لوگ شامل تھے۔ اس کے بعد وہ جامع مسجد میں گیا اور علماء و مشائخ کو جمع کر کے معذرت کی کہ میں تو درحقیقت جہاد کی غرض سے آیا تھا، لوگوں کو قتل کرنا میرا مقصد نہ تھا، مجبور ہو کر یہ اقدام کرنا پڑا۔ بس اللہ کو یہی منظور تھا۔ کہتے ہیں یہ معذرت اس کو اس لیے کرنا پڑی کہ جب وہ دہلی میں داخل ہوا تو باشندگان شہر سے بہت سامان و دولت لے کر ان کو امان دے دی تھی اور امرا و زعماء سے بڑے بڑے نذرانے بھی وصول کر لیے تھے۔ اس اثنا میں لشکر تیمور کے چند سپاہیوں کو شہر والوں نے قتل کر دیا۔ یہ چیز تیمور کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ چنانچہ اس نے قتل عام کا حکم دے دیا اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے حوالہ زنداں کر دیا اور ایک بڑی تعداد کو ماوراء النہر بھیج دیا۔

## شیخ احمد تھانیسری تیمور کے دربار میں:

ان گرفتار ہونے والوں میں مشہور عالم و فقیہ شیخ احمد تھانیسری بھی تھے۔ ان کے ساتھ اور بھی بہت سے علماء و فقہاء کو جیل میں مجبوس کر دیا گیا تھا۔ رہائی کے بعد تیمور سے ان کی ملاقات ہوئی تو تیمور ان کے علم و فضل سے بہت متاثر ہوا۔ ماوراء النہر سے جو علمائے کرام تیمور کے ساتھ آئے تھے، ان میں صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی کے پوتے بھی شامل تھے جو سلطنت تیمور میں ماوراء النہر کے شیخ الاسلام تھے۔ دربار تیمور میں ان سے اور ماوراء النہر کے دیگر علماء سے بعض فقہی مسائل پر شیخ احمد تھانیسری کی گفتگو ہوئی تو شیخ نے ان سب کو علم اور دلائل کے زور سے لا جواب کر دیا۔ تیمور ان کی گفتگو اور علمیت و فقاہت سے اس درجہ اثر پذیر ہوا کہ اس نے ان سے اپنے ساتھ ماوراء النہر تشریف لے جانے کی استدعا کی، مگر انھوں نے انکار کر دیا اور تیمور سے باقی لوگوں کی رہائی کے لیے درخواست کی، جو اس نے منظور کر لی اور سب قیدیوں کو رہا کر دیا۔ بلاشبہ اہل ہند پر شیخ احمد تھانیسری کا یہ بہت بڑا احسان تھا۔ آئندہ اوراق میں ان کے حالات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔



دہلی سے ہردوار تک:

تیمور پندرہ روز دہلی میں مقیم رہا۔ اس کے بعد اس نے میرٹھ کا قصد کیا، پھر مختلف قلعوں اور شہروں کو مسخر کرتا ہوا دریائے گنگا کے کنارے جا کر خیمہ زن ہوا۔ وہ ہردوار پہنچ چکا تھا اور ہندوستان کے مشرقی علاقوں کی طرف بڑھنے کا عزم کر رہا تھا کہ وہاں قیصر روم یعنی قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ کا ایلچی اس کا ایک خط لے کر اس کے پاس آیا۔ وہ خط اس مضمون پر مشتمل تھا کہ عثمانی حکمران سلطان بایزید یلدرم ہمارے شہر قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا ہے اور قسطنطنیہ ہماری ایک پرانی سلطنت ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی قائم تھی۔ پھر خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی قائم رہی اور کسی نے اس پر حملہ نہیں کیا۔ اس کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس کے عہد میں بھی اس کو اہل اسلام کی طرف سے کوئی گزند نہیں پہنچا اور سب سے ہماری صلح رہی۔ اب عثمانی بادشاہ سلطان بایزید یلدرم نے اس کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ وہ ہمارے بہت سے علاقے زیر نگین کر چکا ہے۔ ان علاقوں پر اس کو صبر نہیں آیا تو اب قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی ٹھان لی ہے۔ سلطان احمد جلائر اور قرا یوسف ترکمان بھی اس کے ساتھ ہیں جو آپ کے مفروز باغی ہیں اور بایزید نے ان باغیوں کو بڑی عزت و احترام کے ساتھ اپنے پاس مہمان رکھا ہوا ہے۔ قسطنطنیہ کی طرف اس کی پیش قدمی کو نہ روکا گیا تو آئندہ آپ کے لیے بھی شدید خطرے کا باعث ثابت ہوگا۔

سمرقند کو واپسی اور بایزید یلدرم سے جنگ:

قیصر قسطنطنیہ کا یہ خط پڑھ کر تیمور نے بظاہر اسے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا اور قاصد کو فوراً ہی رخصت کر دیا۔ لیکن اس کے مندرجات نے اندر ہی اندر اس کو بہت متاثر کیا اور وہ ہندوستان کے اس نو مفتوحہ ملک کو بلا کسی معقول انتظام کے اسی حالت میں چھوڑ کر ہردوار سے روانہ ہوا اور جلد جلد منزلیں طے کرتا ہوا پنجاب میں داخل ہو کر لاہور پہنچا۔ لاہور فتح کیا اور اپنے معمول کے مطابق اس میں لوٹ مار کی اور سمرقند کی جانب روانہ ہو گیا۔

اس وقت ایک لاکھ ہندوستانی اس کے قبضے میں تھے جن کو وہ قیدی کی حیثیت سے اپنے ساتھ سمرقند لے جا رہا تھا۔ ان قیدیوں کو اس نے اس طویل سفر میں گراں باری کا موجب گردانا اور راستے ہی میں ان کو قتل کرا دیا اور بہت جلد سمرقند پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ایک طرف بایزید یلدرم کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ دوسری جانب بایزید کی حلیف سلطنتوں شام اور مصر وغیرہ پر یلغار کر دی اور حلب، دمشق، شام اور مصر پر قبضہ کر لیا۔ بایزید یلدرم اس سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ اس کا مقصد کسی مسلمان حکومت سے بچہ آزمائی کرنا نہ تھا بلکہ اس کی نظریں قسطنطنیہ پر لگی ہوئی تھیں اور دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ کم سے کم مدت میں اپنے گھوڑے قسطنطنیہ میں باندھے گا، مگر تیمور اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے سے پیشتر میرے اور تمہارے درمیان یہ فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ دنیا کے فاتح تم بننا چاہتے ہو یا میں۔ بایزید اب بھی درگزر سے کام لے رہا تھا اور

اس کے ساتھ جنگ سے گریزاں تھا، مگر تیمور قابو سے باہر ہو چکا تھا۔

اس نے بایزید کو مشتعل کرنے کے لیے ایک سرحدی شہر سیواس پر حملہ کر دیا، جہاں اس کا بیٹا ارطغرل خاں بطور والی شہر موجود تھا۔ اس نے ارطغرل خاں اور بہت سے ترک اہل کاروں اور فوجیوں کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بایزید اشتعال میں آ گیا اور ۱۹ ذی الحجہ ۸۰۴ھ (۲ جولائی ۱۴۰۲ء) کو تیمور اور بایزید کے درمیان انگورہ کے مقام پر نہایت ہولناک جنگ ہوئی اور تیمور نے بایزید کو گرفتار کر کے آہنی پنجرے میں بند کر دیا۔ تیمور اس کو ساتھ ساتھ لیے پھرتا رہا۔ وہ آٹھ مہینے پنجرے میں بند رہا اور اسی حالت میں انتقال کر گیا اور جو کام وہ ۸۰۴ھ (۱۴۰۲ء) میں خود کرنا چاہتا تھا وہ اس کی موت سے تریپن ۵۳ سال بعد ۸۵۷ھ (۱۴۵۳ء) میں اس کے پوتے محمد خاں ثانی نے کیا اور وہ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد تاریخ میں سلطان محمد خاں فاتح قسطنطنیہ کے نام سے معروف ہوا۔

### ہندوستان پر حملے کے دو مقاصد:

تیمور اپنے ملفوظات میں ہندوستان پر فوج کشی کے دو مقصد بیان کرتا ہے۔ ایک بت پرست دشمنان اسلام سے جنگ دوسرے ان کے مال و دولت کو لوٹ کر سپاہ اسلام کے لیے اسباب معیشت کی فراہمی۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ اس کا عمل اس کے بالکل برعکس تھا۔ کیونکہ جس زمانے میں یہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا، اس زمانے میں اس ملک پر مسلمانوں کی حکومت تھی اور اس نے ان ہی سے جنگ لڑی، ان ہی کو قتل کیا، ان ہی کو قید میں ڈالا، ان ہی کے مال و دولت کو لوٹا۔ اس کے بعد مصر، شام، حلب، بغداد وغیرہ میں بھی مسلمان حکومتوں پر یلغار کی اور وہاں کے باشندوں کو تہ تیغ کیا۔ انگورہ کے میدان میں بھی عثمانی حکمران کو مشق ستم بنایا۔ یعنی جہاں گیا، مسلمانوں کے خلاف لڑا۔

### تیمور کی زندگی کا ایک اور پہلو:

بہر حال اس موقع پر ہم ان واقعات کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے۔ یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس کی زندگی کا ایک اور پہلو بھی ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ ہے علما و فقہاء سے اس کے تعلقات و روابط اور علم اور اصحاب علم سے محبت و تودد کا پہلو۔ اور اس موقع پر ہم اس کے اسی پہلو کو اپنے معزز قارئین کے علم میں لانا چاہتے ہیں، کیونکہ کہ ہمارا اصل موضوع یہی ہے۔

### تیموری سلاطین کی علم پروری اور ادب نوازی:

تیموری سلاطین بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ فاتح اور کشور کشا بھی تھے اور علم پرور اور ادب نواز بھی۔ ان کا دربار ہر فن کے اصحاب کمال اور علما و شعرا کا مرکز تھا۔ اس خاندان کا پہلا حکمران تیمور تھا، جس نے

ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس کی زندگی کا ایک رُخ اگر ظلم و ستم اور قتل و غارت گری کا آئینہ دار ہے تو دوسرا رُخ اس کی علم پروری، علما سے مراسم، فقہاء سے روابط، بزرگانِ دین سے محبت اور مشائخِ کرام سے الفت کا اظہار بھی کرتا ہے۔

## علوم دینیہ کی ترویج :

تیمور اپنی تزک میں لکھتا ہے:

میں نے اپنی سلطنت کی بنیاد دین اسلام کے آئین اور قوانین پر رکھی، کیونکہ میں جانتا تھا کہ جس قوم کی بنیاد کسی قسم کی تنظیم، نظم و ضبط اور آئین و قوانین پر مبنی نہ ہو وہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ میں نے دین حق کے پھیلانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ تمام مسلمانوں کا ایک صدر مقرر کر دیا جو ان سے اوقات کی پابندی کراتا، متولیانِ مساجد اور امور دین کا تقرر عمل میں لاتا، قاضیوں، مفتیوں اور محستیوں کا تعین کرتا اور علماء و مشائخ کے لیے جاگیریں اور وظیفے مقرر کرتا تھا۔ فوج، رعایا، نیز ہر ملک اور ہر صوبے کے لیے ایک الگ صدر مقرر تھا۔ جو کہ مسلمانوں کو گناہ سے بچنے اور نیکی اختیار کرنے کی دعوت دیتا تھا۔ میں نے تمام شہروں میں مسجدیں اور عبادت گاہیں تعمیر کرائیں۔ اس کے علاوہ ہر شہر میں مدارس کھولے، جن میں قابل اور نامور اساتذہ مسلمانوں کو علوم دینیہ کا درس دیتے تھے ①۔

## علما و مشائخ کی قدر دانی:

آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ میری سلطنت کے مضبوط و مستحکم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اس میں بارہ قسم کے لوگ شامل کیے، جن میں پہلا گروہ علمائے کرام کا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

”اول گروہ ساداتِ علما، مشائخ اور فضلا کا تھا جو اکثر میرے پاس آتے رہتے تھے۔ میں نے ان کو اپنی مجلس کی زینت بنایا، جہاں وہ ہر قسم کے علوم کی تبلیغ کرتے تھے اور میں ان سے مسائل وغیرہ پوچھا کرتا تھا ②۔“

## علما و فضلا کا مرتبہ:

تیمور کے دربار میں علما و فضلا کو ان کے مرتبے کے مطابق جگہ ملتی تھی۔ اس ضمن میں وہ خود رقم طراز ہے:

”انعتقاد دربار کا طریقہ یہ تھا کہ میرے بیٹے پوتے اور اعزہ و اقارب تختِ سلطنت کے ارد گرد صف بستہ بیٹھتے تھے۔ علما و فضلا، مشائخ و اکابر دائیں طرف اور امرا، سردار، قشونات، تومانات، بیگ باشی، یوزباشی اور اون باشی بائیں طرف مسند نشین ہوتے تھے ③۔“

① تزک تیموری، ص ۷۸۷

② تزک تیموری، ص ۱۱۶

③ تزک تیموری، ص ۱۱۶۔

## بادشاہوں کے فرائض:

وہ قانون ملک گیری کی بھی وضاحت کرتا ہے اور اس باب میں بادشاہوں کو اپنے فرائض کی طرف ان الفاظ میں متوجہ کرتا ہے:

”ملک گیری کے لیے بادشاہوں کو لازم ہے کہ وہ ہر ایسے ملک کو فتح کریں، جس میں ظلم و ستم عام ہو، مظلوموں کی دادرسی کرنے والا کوئی نہ ہو، عادل کوئی نہ ہو اور حکام نا انصاف ہوں، فسق و فجور کا دور دورہ ہو، خداوند کریم کا دین اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کمزور پڑ چکی ہو، جہاں نیک و بد کا امتیاز نہ رہا ہو، رعایا اپنے عمال سے بے زار اور تکلیف میں ہو اور ان سے مطمئن نہ ہو اور جس طرح اللہ کے اپنے بندوں پر کچھ حقوق ہیں، اسی طرح بندوں کے بھی بندوں پر کچھ حقوق ہیں۔“

لہذا یہ چیز حقوق العباد میں داخل ہے اور ایک بادشاہ پر حقوق العباد کی حیثیت میں جو حقوق فرض ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں کہ جہاں کہیں بھی اللہ کی سر زمین میں ظلم و ستم ہوتا دیکھے، یا شر اور فساد کو عام پائے تو ان کا قلع قمع کر کے وہاں کے حالات کو پُر امن بنائے اور لوگوں کو تکلیفوں سے نجات دلائے ①۔

اس سے آگے وہ بادشاہوں کے فرائض کی روشنی میں مختلف ممالک پر اپنے حملوں کی وجہ جواز پیش کرتا ہے اور ہندوستان پر حملے کے بارے میں لکھتا ہے:

”ہندوستان میں وہاں کے حکام سلطان محمود ملو خاں اور سارنگ کے ہاتھوں بت خانے عام ہو چکے تھے، کفر و شرک کا دور دورہ تھا اور شریعت محمدی ﷺ بالکل کمزور ہو چکی تھی، میں نے ہندوستان پر حملہ کر کے اس کو نا اہل حکمرانوں کے قبضے سے نجات دلائی اور کفر و شرک اور بدعت کو ختم کر کے شریعت محمدی ﷺ کو فروغ دیا ②۔“

## علماء و صلحا کی توقیر:

وہ قواعد و قوانین ملک داری کے تحت علماء و مشائخ کی عزت و توقیر کے بارے میں تحریر کرتا ہے:

”میں جس ملک کو فتح کرتا، وہاں کے معزز لوگوں مثلاً علماء و فضلا اور صلحا وغیرہ کی عزت و توقیر کرتا۔ ان کے بڑوں کو اپنا بھائی اور چھوٹوں کو اپنا فرزند سمجھتا اور ان کے لیے جاگیریں اور وظیفے مقرر کرتا ③۔“

① تزک تیموری، ص ۱۱۶، ۱۱۷۔

② تزک تیموری، ص ۱۱۷۔

③ ایضاً، ص ۱۲۰، ۱۲۱۔

## مشائخ اور درویشوں کے لیے وظائف:

رعایا سے وہ کس قسم کا سلوک روا رکھتا تھا اس کے بارے میں کہتا ہے:

”اپنے کسی مفتوحہ ملک سے جو لوگ میرے پاس امداد یا پناہ کی غرض سے آتے تھے ان سب کے لیے میں نے ملازمت اور روزگار کا انتظام کیا۔ ان کو لوٹ مار اور قتل و غارت سے بچایا۔ ان ہی کے ملک سے حاصل شدہ مالی غنیمت کو ضبطِ تحریر میں لا کر اس میں سے ان کی امداد کی۔ ان کے سادات و مشائخ اور علماء و فضلاء کی قدر دانی اور عزت افزائی کی۔ نیز ان میں سے جو لوگ ٹیکس وغیرہ دینے کی استطاعت رکھتے تھے ان سے ان کی مالی حیثیت کے مطابق ٹیکس وصول کیا اور اس ٹیکس کی جمع شدہ آمدنی میں سے ان کے غربا، مساکین، مشائخ، فضلاء اور درویشوں کے لیے وظائف مقرر کیے تاکہ وہ تنگ دستی اور دردر کی ٹھوکریں کھانے سے محفوظ رہ سکیں ①۔“

## محدثین اور اربابِ اخبار و قصص:

اصحابِ علم و فضل اور اربابِ فن و کمال خلوت و جلوت میں بھی اس کے ساتھ رہتے اور میدانِ جنگ میں بھی۔ اس ضمن میں وہ خود لکھتا ہے:

”محدثین اور اربابِ اخبار و قصص کو میں اپنے پاس بلاتا، ان سے انبیاء، اولیا اور سلاطین کے واقعات سنتا، حکمرانوں کے عروج و زوال کی داستانیں معلوم کرتا، ان کے قصوں اور ان کے گفتار و کردار سے تجربے حاصل کرتا اور دنیا کی توارخ و آثار سے مطلع ہوتا۔ صوفیا و مشائخ اور عارفانِ خدا سے بھی ملتا اور ان کی صحبت سے فوائدِ اخروی حاصل کرتا، معرفت کی باتیں سنتا، ان کے خوارقِ عادات و کرامات کا مشاہدہ کرتا اور ان کی مجلس سے سرور حاصل کرتا..... میرا حکم تھا کہ جو لوگ سادات و علماء میں سے ہیں ان کا اعزاز و احترام کیا جائے، ان کی ہر ضرورت کو پورا کیا جائے اور ان کے ساتھ پوری رعایت کی جائے ②۔“

## سادات و علماء کی تعظیم:

اس ضمن میں ملفوظاتِ تیموری کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ وہ کہتا ہے:

”جب میں تلمنبہ پہنچا تو دریا کے ساحل پر خیمہ زن ہوا۔ تلمنبہ ملتان سے تقریباً ستر میل کے فاصلے پر واقع ہے..... میرے وزراء نے تلمنبہ کے باشندوں پر دو لاکھ روپے کا تاوان عائد کیا تھا۔ اس کی وصولی کے لیے عمال بھی مقرر ہو گئے تھے۔ ان باشندوں میں سادات بھی تھے

① تزک تیموری، ص ۱۲۲۔

② تزک تیموری۔ مطبع فتح الکریم بمبئی، ص ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴۔

جو رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے تھے علمائے اسلام بھی تھے جو وارثِ پیغمبر (ﷺ) کہلاتے ہیں۔ سادات و علما میرے دربار میں ہمیشہ تعظیم و اکرام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں اس لیے میں نے حکم جاری کیا کہ ان سے تاوان نہ لیا جائے بلکہ میں نے ان کو بلا کر خلعت اور عربی گھوڑے عطا کیے ①۔“

مذکورہ بالا سطور میں دو کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں جن میں سے ایک کا نام تزک تیموری ہے اور دوسری کا ملفوظات تیموری۔ تزک تیموری میں ملکی اور جنگی نظم و نسق کے ضوابط و قوانین درج کیے گئے ہیں جو خود تیمور کی زبان سے بیان ہوئے ہیں۔ ملفوظات تیموری میں تیمور کی بہادری و کشور کشائی اور جہاں بانی و حکمرانی کی داستان خود اس کی زبانی معرضِ تحریر میں لائی گئی ہے اور اس کے دربار کے اہل علم و اربابِ دانش نے قلم بند کی ہے۔ عین ممکن ہے ان اقتباسات کو دربار تیمور کے اصحابِ قلم کی حاشیہ آرائی سمجھا جائے، لیکن اس سلسلے کی ایک کتاب اور ہے جو ظفر نامہ تیمور کے نام سے موسوم ہے اور شرف الدین یزدی کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب تیمور کی وفات سے تیس سال بعد لکھی گئی جب کہ نہ تیمور کا رعب و دبدبہ باقی رہا تھا اور نہ اس سے کسی نوع کے لالچ اور حرص کی توقع کی جاسکتی تھی۔ اس میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ امیر تیمور کو علما و فضلا سے بہت تعلق خاطر تھا اور سفر و حضر میں وہ ان سے استفادہ کرتا تھا۔

### سفر و حضر میں علما و فقہاء کی صحبت:

ظفر نامہ تیمور کے فارسی الفاظ کا ترجمہ یہ ہے۔

”صاحب قرآن کے ساتھ سفر و حضر میں برابر سادات، علما، فقہاء، اہل فضل و دانش نجشیان الفور اور دبیران فارس رہتے تھے۔ فرمان شاہی کے مطابق وہ روزمرہ کے واقعات قلم بند کرتے، صاحب قرآن کے افعال و اقوال، ملک و ملت کے احوال اور ارکان دولت کے کوائف بڑی تحقیق کے ساتھ جیٹہ تحریر میں لائے جاتے۔ سخت حکم تھا کہ ہر واقعہ بغیر کسی تصرف اور اضافے کے لکھا جائے۔ خصوصاً ذاتی اصابت و نجابت کے بیان میں کسی قسم کی رعایت یا مدہنت نہ ہو۔ صاحب قرآن کی شہامت و شجاعت کے ذکر میں بھی مبالغہ نہ ہو، چنانچہ اس حکم کو سامنے رکھ کر اصحاب قلم و بلاغت، واقعات کو نظم و نثر میں مرتب کرتے۔ یہ تحریریں صاحب قرآن کے سامنے پڑھی جاتیں اور وثوق کے ساتھ ان کی تصحیح ہوتی۔ اسی طرح ترکی اور فارسی میں واقعات، نثر اور نظم میں تالیف ہوتے اور بعض وابستگان دربار واقعات کی تحقیق و تفتیش میں پوری کوشش کرتے..... ②

① بزم تیمور یہ ص ۳۳ بحوالہ ملفوظات تیموری ایسٹ ج ۳ ص ۴۱۴۔

② ظفر نامہ ج ۱ ص ۲۴، ۲۵۔

## اصحابِ علم میدانِ جنگ میں بھی ساتھ تھے:

شرف الدین یزدی کا بیان ہے کہ تیمور جب ہندوستان میں وارد ہوا اور محمود تغلق کے خلاف معرکہ آرا ہوا تو اربابِ کمال اور اصحابِ علم میدانِ جنگ میں بھی اس کے ہمراہ تھے۔ اس کے فارسی الفاظ یہ ہیں:

”در وقت تعیین مواضع سروران و اعیان مرحمت حضرت صاحبِ قرآن کہ در ہمہ حال شامل احوال اہل علم و کمال بودی از جمع علماء رفیع مقدار کہ ظفر کردار ملازم رکاب ہمایوں آثار بودند۔ مثل خواجہ افضل پسر مولانا شیخ الاسلام سعید جلال الحق والدین کشی و مولانا عبد الجبار پسر قاضی القضاة مولانا نعمان الدین خوارزمی..... ①

یعنی تیمور صاحبِ قرآن نے جب (ہندوستان) جانے کا قصد کیا تو وہ سربراہانِ علم و فضل اور معاونینِ سلطنت جو اپنے فضل و کمال میں بے مثل و یکتا تھے اس کے ہم رکاب تھے اور ان رفیع المرتبت علماء کی معیت اس کے لیے باعثِ سعادت تھی۔ مثلاً خواجہ افضل فرزند مولانا سعید جلال الحق والدین کشی اور مولانا عبد الجبار فرزند قاضی القضاة مولانا نعمان الدین خوارزمی..... اس کے رفقاء سفر تھے۔

## علماء و سادات کے لیے انعامات:

تیمور کا معمول تھا کہ وہ ہر لڑائی کے بعد فتح و نصرت کی خوشی میں علماء و سادات کو انعام و اکرام سے مالا مال کرتا تھا ②۔

## پابندی نماز:

ترکِ تیموری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز کا سخت پابند تھا اور باجماعت نماز ادا کرنے کا عادی تھا۔ اس کا وہ اپنی ترک میں بار بار ذکر کرتا ہے۔

## قرآن مجید سے شغف:

قرآن مجید سے بھی اس کو بہت شغف تھا اور ترکِ تیموری سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اس کی باقاعدہ تلاوت کرتا تھا اور کوئی اہم اور مشکل معاملہ پیش آتا تو فوراً قرآن مجید کی طرف رجوع کرتا اور اس سے فال نکالتا۔ چنانچہ اس نے ہندوستان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو قرآن مجید سے فال نکالی اور یہ آیت کریمہ اس کے سامنے آئی:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ﴾ ③

① ظفر نامہ ج ۲ ص ۱۰۱۔

② بزم تیموریہ ص ۳۳ بحوالہ ملفوظات تیموری ایسٹ ج ۳ ص ۴۷۵

③ ترک تیموری ص ۶۶

(یعنی اے نبی ﷺ کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کرو)

یہاں قرآن سے فال نکلنے کے جواز و عدم جواز کی بحث نہیں ہو رہی ایک واقعہ بیان ہو رہا ہے۔

عہدِ تیمور کے علمائے کرام:

تیمور ۸۰۰ھ (۱۳۹۸ء) میں سمرقند سے عازمِ ہند ہوا اور ۱۲ محرم ۸۰۱ھ (۲۳ ستمبر ۱۳۹۸ء) کو دریائے جہلم عبور کر کے اس ملک میں داخل ہوا۔ اس وقت دہلی اور ملک کے دوسرے علاقوں میں بہت سے علما و فقہا موجود تھے۔ تیمور کے مظالم کی داستانیں چوں کہ پورے ملک میں پھیل چکی تھیں، اس لیے علمائے کرام کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ دہلی کی طرف بڑھ رہا ہے تو بہت سے حضرات اس کی آمد سے قبل ہی چون پور اور کالپی وغیرہ چلے گئے تھے جن میں شیخ احمد بن محمد تھانوی، شیخ حسام الدین فتح پوری، مولانا خواجگی دہلوی اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ کچھ علمائے کرام سے دہلی میں اس کی ملاقات بھی ہوئی اور وہ ان کے علم و فضل سے بہت متاثر ہوئے ان میں شیخ احمد کھٹوکا اسم گرامی لائق تذکرہ ہے۔ بعض ہندی علما سے اس کی ملاقات اس زمانے میں ہوئی جب یہ واپس سمرقند جا چکا تھا۔ ان میں شیخ تقی الدین محمد شیرازی اور مولانا لطف اللہ سبزواری کے اسمائے گرامی کتب تاریخ میں مرقوم ہیں۔ شیخ اشرف جہاں گیری سمنانی سے بھی اس کی ملاقات ہوئی اور وہ ان سے بے حد ادب و احترام سے پیش آیا اور بہت ہی عقیدت مندی کا اظہار کیا۔ یہ ملاقات حضرت علی رضا کے مرقد پر ہوئی تھی۔

وفات:

جنگِ انگورہ کے بعد تیمور چین پر حملہ کرنا چاہتا تھا، لیکن موت نے اس کا موقع نہ دیا۔ اس نے ۷ شعبان ۸۰۷ھ (۱۸ فروری ۱۴۰۵ء) کو وفات پائی۔

## شرقی سلاطین

ملک الشرق سرور خواجہ جہاں:

فیروز شاہ تغلق ہندوستان کا وہ بادشاہ تھا جس کے اقتدار کا شامیانہ سارے ملک پر تپتا ہوا تھا۔ اس کے عہدِ حکومت کے آخری دور کی یہ بات شمس عقیف نے افسوس کے ساتھ بیان کی ہے کہ دہلی میں نماز فجر کے لیے ایک درویش جمنائے کنارے بیٹھا وضو کر رہا تھا، ناگہاں اس کی نظر شاہی محل پر پڑی، اس کی طرف اشارہ کر کے اپنے ساتھی سے کہا:

می دانی دریں کوشک کیست؟..... بلا ہائے جملہ عالم زیر پائے اوست۔ آن روز کہ او ازیں جہان بروڈ



معلوم جہانیاں شود ❶۔

(تو جانتا ہے کہ اس کو شک کے اندر کون ہے؟..... دنیا کی تمام بلاؤں کو اس میں رہنے والے شخص نے

اپنے پاؤں کے نیچے دبا رکھا ہے، جس دن وہ اس جہان سے چلا جائے گا، دنیا والوں کو معلوم ہو جائے گا۔)

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ فیروز شاہ تغلق کے دربار میں ایک شخص ملک سرور کے نام سے موسوم تھا۔ یہ شخص خواجہ سرا تھا، بعد میں اس کو خواجہ سراؤں کا سردار بنا دیا گیا۔ یہ اس زمانے میں بہت بڑا عہدہ تھا جو دربار کے حاکم سے بھی زیادہ اہم تھا۔ کچھ عرصہ بعد اس کو داروغہ فیل خانہ مقرر کیا گیا۔ ناصر الدین محمود شاہ بن فیروز شاہ تغلق تخت حکومت پر متمکن ہوا تو اس نے اس کو اپنا وزیر مقرر کر لیا۔ یہ شخص بڑا عقل مند، سمجھ دار، سیاست دان، صاحب تدبیر، ذہین اور وفادار تھا، اور ان تمام صلاحیتوں سے بہرہ ور تھا جن کا ایک حکمران میں پایا جانا ضروری ہے۔ محمود شاہ چوں کہ ملک سرور جہاں ہی کی کوششوں سے تختِ دہلی کا وارث بنا تھا، اس لیے وہ اس کی بہت قدر کرتا تھا۔ اس نے اس کو متنبی بنا کر ملک الشرق کا خطاب دیا اور قنوج سے لے کر بہار تک کا سارا علاقہ اس کے سپرد کر دیا۔ وہ ماہِ رجب ۸۹۹ھ (مئی ۱۴۹۳ء) میں کول، کھروا، اٹاوا، کنبیلہ اور مضافاتِ قنوج سے ہوتا ہوا جون پور میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ اس وقت اچھی خاصی فوج اور بیس ہاتھی تھے۔ وہ انتظامِ ملکی کی پوری صلاحیت رکھتا تھا۔ اس نے ان بغاوتوں اور شورشوں کو بھی دانشمندی کے ساتھ ختم کر دیا، جن کا سلسلہ ان علاقوں میں مختلف شرارت پسند افراد کی وجہ سے زوروں پر تھا۔ اس نے اپنے علاقے کا نظم و نسق بہترین طریقے سے چلانا شروع کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغیر کسی لڑائی جھگڑے اور فوج کشی کے بہت جلد قنوج، کڑ، سندیلہ، ڈلمو، بہرائچ، بہار اور ترہٹ وغیرہ اس کے قبضے میں آ گئے۔

اس نے اپنا دار الحکومت جون پور کو بنایا اور اس کی حکومت شرقی سلطنت کے نام سے موسوم ہوئی۔ جون پور میں بیٹھ کر اس نے ہندوستان کے اس گوشے میں ایک مثالی حکومت قائم کر دی۔ لکھنوتی، سنار پور اور جان نگر کے حاکم اور راجہ اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ اس کے حلقہ اطاعت میں داخل ہو گئے۔ انھوں نے جون پور کی شرقی سلطنت سے اپنا الحاق کر لیا اور شاہی رسم و رواج کے مطابق ہر سال جو تحائف اور ہاتھی وہ دہلی بھیجتے تھے، اب جون پور بھیجنے لگے۔

ملک الشرق ملک سرور خواجہ جہاں کی یہ سلطنت ایک آزاد اور خود مختار سلطنت تھی۔ اس کو ”اتابک اعظم“ کا خطاب بھی ملا تھا، جو بہت بڑا خطاب تھا اور ایران کے ان بادشاہوں کا خطاب تھا، جن کا پایہ تخت شیراز تھا۔ جون پور کی اس شرقی سلطنت کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے، جس نے آگے چل کر بڑی شہرت حاصل کی اور جس میں بے شمار مشائخ و صلحا، علما و فقہا اور مصنفین و مدرسین نے سکونت اختیار کی اور جس کو بزرگانِ دین نے اپنے لیے ایک مامن اور قلبی و ذہنی اعتبار سے جائے اطمینان قرار دیا۔ آگے چل کر ہماری اس کتاب میں جون پور کے

بہت سے علماء و فقہاء کے اسمائے گرامی قارئین کرام کے مطالعہ میں آئیں گے۔

ملک الشرق سرور خواجہ جہاں نے ان لوگوں کو اپنے وزیر و مشیر اور معاون مقرر کیا، جو فہم و تدبیر کے ساتھ ساتھ مخلص اور خیر خواہ بھی تھے اور وہ تھے سید مبارک شاہ اور سید ابراہیم شاہ۔ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور ان کو خواجہ جہاں نے اپنے متنبے اور منہ بولے بیٹے بنا لیا تھا۔ پھر اس کی وفات کے بعد یہی سلطنتِ شرقی کے حکمران بنے۔ یہ سید خضر خان کے بھتیجے تھے، جس کو ہندوستان سے سمرقند واپس جاتے وقت امیر تیمور نے دیپال پور اور ملتان وغیرہ علاقوں کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ سید خضر اپنے ان بھتیجوں کا اور ان کی وجہ سے سلطنت جون پور کا بہت بڑا حامی اور مددگار تھا۔

ملک سرور خواجہ جہاں بہت سے اوصاف کا حامل تھا۔ وہ نیک کردار اور متدین شخص تھا اور بزرگانِ دین اور علمائے کرام سے اس کو خاص عقیدت اور محبت تھی۔ منقول ہے کہ علمائے قنوج کو جو خطوط علمائے جون پور کے نام آتے تھے ان میں والی جون پور خواجہ جہاں کا تذکرہ بہترین الفاظ میں ہوتا تھا اور وہ اس کے تدبیر و صلاحیت اور علما سے تعلق و انسلاک پر بہت خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ اس کے زمانے میں سید جلال الدین بخاری اوچی مخدوم جہانیاں جہاں گشت بھی ایک مرتبہ جون پور تشریف لے گئے تھے۔ خواجہ جہاں ان کا بے حد معتقد تھا اور اس کے وزیر ابراہیم شرقی نے جو بعد میں جون پور کا حکمران ہوا ان سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

خواجہ جہاں نے جون پور کو علمی اعتبار سے ایک مثالی شہر بنانے کی کوشش کی، اس کو علما و فضلا کے مرکز کی حیثیت دینے کی طرح ڈالی، علم دین کی سرپرستی کو اپنے لیے ضروری قرار دیا، صوفیا و تقویا کو اس میں آباد کرنے کی سعی کی۔ نیکی کی تبلیغ کے لیے خانقاہیں قائم کیں اور علوم دینی کی تعلیم کو عام کرنے کی غرض سے مدرسے جاری کیے۔ ان مدارس میں فوجی تعلیم کا بھی ایک شعبہ قائم کیا گیا تھا۔

خواجہ جہاں نے ۸۰۲ھ (۱۴۰۰ء) کو وفات پائی اور اسے جون پور میں دفن کیا گیا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں ابراہیم شرقی اور اس کے بڑے بھائی سید مبارک کو متنبی قرار دے لیا تھا اور اپنے بعد مبارک شاہ کو جون پور کا وارث تخت مقرر کیا۔ وہ اس کو اس کی قابلیت و صلاحیت اور فراست و تدبیر کی وجہ سے اس اعزاز کا مستحق گردانتا تھا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

یہاں ایک سوال سطح ذہن پر ابھرتا ہے کہ یہ مبارک شاہ شرقی اور ابراہیم کون تھے اور کس علاقے اور خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جنہوں نے شمالی ہند میں ایک عظیم سلطنت کو مستحکم بنیادوں پر چلایا اور اس کو علم و فضل کا گہوارہ، علما و فضلا کا مسکن اور مشائخ و صلحا کا مرکز بنا دیا؟

مؤرخین نے اس سوال کے مختلف جواب دیے ہیں۔ ایک جواب یہ ہے کہ یہ دراصل ایران کے رہنے

والے تھے خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت سید زین العابدین سے ملتا ہے۔ یہ لوگ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ۷۸۰ھ (۱۳۷۸ء) میں ہندوستان آئے اور دہلی میں اقامت گزین ہوئے۔ خواجہ جہاں ملک سرور بھی ان کے ساتھ آیا جو ان کا غلام تھا، لیکن چون کہ وہ بہت عقل مند، فہیم اور مدبر و فرس تھا، اس لیے اس کو دربار شاہی میں جگہ مل گئی اور پھر فیروز شاہ تغلق کی موت کے بعد طوائف الملوکی کا ایسا دور آیا اور انقلاب و تغیر کی ایسی لہریں اٹھیں کہ خواجہ جہاں نے جون پور میں اپنی حکومت قائم کر لی، جو اس کی موت کے بعد مبارک شاہ اور پھر ابراہیم شرقی کے قبضے میں چلی گئی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ خواجہ جہاں اور مبارک شاہ وغیرہ کا آپس میں کوئی تعلق نہ تھا۔ خواجہ جہاں جون پور کا حکمران ہوا تو اس نے مبارک شاہ اور ابراہیم شاہ کو اپنے وزیر و مشیر مقرر کیا۔ ایک روز اس نے مبارک شاہ سے اس کے خاندان اور وطن کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دینے سے گریز کیا۔ پھر اس نے سختی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ دراصل ملک ایران کے شہر ہویزا کے حکمران کا بیٹا ہے اور سادات موسوی سے تعلق رکھتا ہے۔ باپ سے کسی معاملے میں ناچاقی ہو گئی اور یہ اپنے بھائی ابراہیم کو ساتھ لے کر ہندوستان آ گیا۔ کچھ روز دونوں بھائی دہلی میں مقیم رہے۔ وہیں خواجہ جہاں سے ملاقات ہوئی۔ وہ ان کی صلاحیتوں سے متاثر ہوا اور اپنے قبضے سرور پور میں لے گیا، جہاں کا وہ پہلے سے حاکم تھا۔ اس نے ان کو اپنے منہ بولے بیٹے بنا لیا۔

جب یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ اس نے خواجہ جہاں کو سنایا تو وہ بڑا حیران ہوا اور واقعہ کی تحقیق کے لیے ایک شخص کو بادشاہ ہویزا کے پاس ایران بھیجا، تو بات صحیح ثابت ہوئی اور ان کا باپ اپنے بیٹوں کی خوش حالی اور ترقی کے بارے میں سن کر بہت خوش ہوا۔

اس طرح ان کے سلسلے میں اور بھی کئی باتیں بیان کی جاتی ہیں، مگر ہمیں ان سے کوئی بحث نہیں۔ ہمارا مقصد اختصار کے ساتھ صرف یہ بتانا ہے کہ ان شرقی حکمرانوں کے دور میں کون کون علماء و فقہاء جون پور گئے، انہوں نے ان سے کیا سلوک کیا اور علوم و فنون میں کیا ارتقا ہوا۔ اس ضمن میں ہم پہلے سلطان مبارک شاہ کا، اس کے بعد سلطان ابراہیم شرقی کا، پھر اس خاندان کے دیگر حکمرانوں کے عہد کے علمی عروج کا تذکرہ کریں گے۔

## مبارک شاہ شرقی:

شرقی سلطنت کے بانی ملک الشرق ملک سرور خواجہ جہاں کی وفات کے بعد ۸۰۲ھ (۱۴۰۰ء) میں اس کا متبنی اور منہ بولا بیٹا سید مبارک شاہ جون پور کا تخت نشین ہوا۔ یہ پڑھا لکھا، ذہین، متدین، علم پرور، علما کا قدردان، قوی ہیکل جو ان امور سلطنت کا ماہر اور بہادر بادشاہ تھا۔ اس کی تخت نشینی کے موقع پر جون پور شہر اور پوری سلطنت میں مسرت کا اظہار کیا گیا اور خوشیاں منائی گئیں۔ ارکان حکومت اور مصاحبین دولت نے مبارک بادوی اور شعرا نے تہنیتی قصاید لکھے۔ اس دور کے درباری شاعر فراہی نے حسب ذیل قطعہ پیش کیا:

کشت چوں بادشہ مبارک شاہ شادی آمادہ گشت برپا جشن  
سال تاریخ ایں نخستہ جلوس شد نگہبان ”عالم آرا جشن“

۸۰۲ھ

یعنی جب مبارک شاہ بادشاہ ہوا تو خوشیاں منائی گئیں اور جشن برپا کیے گئے اور اس مبارک جلوس کی تاریخ ”عالم آرا جشن“ ہے۔

جب اس نے جون پور کی عنان حکومت ہاتھ میں لی تو سلطان دہلی محمود کو سخت ذہنی کوفت ہوئی اور اس نے اس کے استیصال کے لیے فوج کشی کی اور دیگر حاسدین بھی اس سلسلے میں محمود کی مدد کو آئے، مگر مبارک شاہ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔ وہ نہ صرف اپنی سلطنت کو بچانے میں کامیاب رہا بلکہ اس کے سامنے برابر ترقی کی نئی سے نئی راہیں کھلتی گئیں۔

خواجہ جہاں اپنے نام کا سکہ جاری نہیں کر سکا تھا لیکن مبارک شاہ نے اپنے نام کا سکہ بھی جاری کیا اور خطبے میں بھی اپنا نام شامل کیا۔

جس زمانے میں تیمور ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا اور علما و فقہا نے اس حملے کی خبریں سن کر جون پور کا قصد کیا تھا، اس وقت جون پور میں ملک خواجہ جہاں کی حکومت تھی اور مبارک شاہ اور ابراہیم شاہ شرقی اس کے وزیر اور مشیر تھے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں رہنے والے علمائے کرام نے ان تینوں حکمرانوں کے دور میں اپنے لیے جون پور کو منتخب کیا اور وہاں بہت سی علمی خدمات سرانجام دیں۔ مبارک شاہ نے ایک سال کچھ مہینے حکومت کر کے ۸۰۲ھ (۱۴۰۲ھ) میں وفات پائی اور مسند حکومت اس کے چھوٹے بھائی ابراہیم شرقی کے سپرد ہوئی۔

### سلطان ابراہیم شرقی:

سلطان مبارک شاہ شرقی کی وفات کے بعد ۸۰۲ھ میں اس کا چھوٹا بھائی ابراہیم شرقی جون پور کے تخت حکومت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ حسن اخلاق، شرافت، نفس، عزم و ہمت، جودت و کرم، عدل و احسان، عقل و تدبیر، علم و فضل اور دین داری کے اوصاف سے متصف تھا۔ علما و فضلا اور اولیا و مشائخ سے اس کو قلبی لگاؤ تھا۔ سلطنت شرقی کے درباری شاعر فرہادی نے اس کی تقریب جلوس کے موقع پر حسب ذیل قطعہ کہا:

زہے شاہ بحر سخا عدل گستر باو تاج و تخت و نگین شد مسلم  
بروں آرسالی جلوس ہمایوں ز سلطان اہل صف شاہ عالم

۸۰۳ھ

سریر آرائے سلطنت ہوتے ہی اس نے علما و فقہا کی طرف عنان توجہ مرتکز کی اور قاضی نصیر الدین گنبدی کو جو علم و فقہت میں ممتاز اور سلطان مبارک شاہ کے عہد میں عہدہ قضا پر مامور تھے، مشیر حکومت مقرر کیا۔ قاضی نظام الدین کیکانی (مصنف فتاویٰ ابراہیم شاہیہ) کو منصب قضا پر فائز کیا اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت

آبادی کو قاضی القضاة کی مسند جلیلہ پر متمکن کیا۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں کے بعض حکمرانوں نے اس کو پریشان کرنے کی کوشش کی اور کئی مرتبہ اس کے مقابلے کو نکلے مگر یہ ہر موقع پر ثابت قدم رہا اور اس کی حکومت ہر اعتبار سے مضبوط و مستحکم رہی۔ اس سلسلے کے متعدد واقعات کتب تاریخ میں مسطور ہیں، مگر ہمیں ان سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ ہمارے دائرہ موضوع سے باہر ہیں۔ ان سطور میں ہم فقط اس کی زندگی کے اسی پہلو سے تعرض کریں گے جو اس کی علم پروری، علماء و مشائخ سے عقیدت اور اصحاب علم سے ربط و انسلاک سے متعلق ہے۔

جون پور، مرکز علماء و مشائخ:

سلطان ابراہیم شرقی کی نیک شہرت سے متاثر ہو کر اس کے زمانے میں علمائے کرام، فقہائے عظام اور مشائخ وقت دہلی وغیرہ سے ترک وطن کر کے بہت بڑی تعداد میں جون پور میں آ کر آباد ہو گئے تھے اور یہ شہر مرکز علماء کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ منقول ہے کہ اس کے عہد میں بہ یک وقت نو سو چوراسی (۹۸۴) علمائے کرام کی پالکیاں نماز جمعہ اور عیدین کے لیے نکلتی تھیں۔ بعض مورخین نے چودہ سو (۱۴۰۰) پالکیوں کی تعداد رقم کی ہے، جن میں شیخ وجیہ الدین، قاضی نصیر الدین گنبدی، قاضی شہاب الدین دولت آبادی، قاضی نظام الدین کیکانی (یا گیلانی)، شیخ شمس الحق، عیسیٰ بن تاج، شیخ حسن طاہر، شیخ اشرف جہاں گیر، سید علاء الدین کے اسمائے گرامی لائق تذکرہ ہیں۔ اس زمانے میں جون پور کو شیراز ہند کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی اور ارباب کمال اور اصحاب فن کی کثیر تعداد نے اس کو اپنا مسکن قرار دے لیا تھا۔ بادشاہ کا دربار علمی بحثوں اور فقہی مسائل پر تبادلہ خیالات کے لیے مشہور تھا۔ یہ اپنے آپ کو علماء کا خادم ظاہر کرتا اور ان سے بے حد عقیدت کے ساتھ پیش آتا تھا۔

قاضی شہاب الدین سے عقیدت:

قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے تو سلطان ابراہیم شرقی کو انتہائی عقیدت تھی اور وہ ہر اہم معاملے میں ان سے مشورہ کرتا تھا۔ متبرک دنوں میں ان کو اپنے دربار میں تقری کر سی پر بٹھاتا اور ان کی تکلیف سے اس کو بے حد تکلیف ہوتی تھی۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ایک مرتبہ وہ کسی مرض میں مبتلا ہوئے تو ان کی عیادت کے لیے گیا اور مزاج پرسی اور اظہارِ شفقت کے بعد ایک کٹورے میں پانی بھر کر ان کے سر کے گرد گھمایا۔ پانی خود پیا اور بانداز دعا اللہ سے مانگی ہو کہ اے خداوند! جس بلا اور بیماری میں یہ گرفتار ہیں اس کو ان سے دور فرما اور وہ مجھے دے دے، انھیں کامل صحت اور مکمل شفاء عطا فرما۔

حصول علم کا شوق:

ابراہیم شرقی کو حصول علم کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے عہد کے دو مشہور عالموں، صدر جہاں

اجمل اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے حلقہ تلمذ میں باقاعدہ شرکت کی اور ان سے حدیث فقہ اور منطق کی بعض کتابیں پڑھیں۔ مسائل فقہی میں تو اس درجہ دسترس حاصل کر لی تھی کہ اس کے دربار میں کوئی فقہی مسئلہ زیر بحث آجاتا تو اس میں دلچسپی لیتا اور اس سے متعلق علما سے گفتگو کرتا۔ دینی معاملات میں علما کی طرف سے جو فتوے جاری ہوتے ان کو نشر اور نافذ کرنے سے پہلے خود پڑھتا اور ان میں ترمیم و اضافے کے بارے میں رائے دیتا اور مسئلہ زیر بحث کے تمام پہلوؤں کو غور و فکر کے زاویوں میں لاتا۔

## عدل و انصاف:

معدلت گستری اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا اس کے نزدیک سب سے مقدم فرض تھا، اس ضمن میں تمام شہروں کے قضات کو باقاعدہ ہدایات جاری کر دی گئی تھیں کہ عدل کے متعینہ حدود سے کسی صورت میں باہر قدم نہ رکھا جائے اور اس معاملے میں کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی جائے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ اس کے پاس ایک ہندو فریاد لے کر حاضر ہوا کہ مسلمان اس کے گاؤں میں اس کی جگہ پر جبراً قبضہ کر کے مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے فوراً اس معاملے میں مداخلت کی اور مسلمانوں کو ہندو کی جگہ پر مسجد تعمیر کرنے سے منع کیا اور کہا کہ پہلے وہ جائز طریق سے جگہ حاصل کریں پھر اس پر مسجد بنائیں۔

## راتوں کو گشت:

ابراہیم شرتی رعایا کا انتہائی خیر خواہ تھا۔ وہ ہر ممکن طریق سے لوگوں کی تکلیفوں سے آگاہ ہونے کی کوشش کرتا اور پھر انھیں رفع کرنے کی تدبیریں سوچتا۔ اس سلسلے میں وہ اپنے عمال اور کارندوں کی اطلاع کو کافی نہ سمجھتا بلکہ بھیس بدل کر خود شب کو نکلتا اور شہر کا گشت لگاتا اور رعایا کے حالات معلوم کرتا، نیز پتا چلاتا کہ کہاں کیا جرائم ہو رہے ہیں اور مجرم ملک کے کس حصے میں چھپے ہوئے ہیں۔ پھر ان جرائم کا سدباب کرتا۔ یہ اطلاعات چوں کہ اس کے ذاتی مشاہدے پر مبنی ہوتی تھیں اس لیے ان کے غلط ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔ اس سے بعض لوگ یہ سمجھتے کہ بادشاہ نے جنات قابو کر رکھے ہیں جو اسے ایسی صحیح خبریں پہنچاتے اور خفیہ باتیں بتاتے ہیں کہ جن سے اس کے جاسوس بھی مطلع نہیں ہو سکتے۔

## رحم دلی:

وہ بہت رحم دل بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے اہل کاروں اور پہرے داروں کو تاکید کر رکھی تھی کہ کوئی شخص کو وقت بھی فریادی کی حیثیت سے آئے اسے فوراً اس کے پاس بھیجا جائے۔ اس ضمن میں غریب امیر اور بڑے چھوٹے کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہ کیا جائے۔ چنانچہ بادشاہ کا دروازہ فریادیوں اور ضرورت مندوں کے لیے

آن کھلا رہتا اور ہر شخص بغیر کسی تکلیف اور رکاوٹ کے بادشاہ تک رسائی حاصل کر لیتا اور اپنی بات اس کے کانوں تک پہنچا دیتا تھا۔

ملک کے قاضیوں کو اس کا حکم تھا کہ مقدمات کے فیصلے کرنے میں زیادہ تاخیر سے کام نہ لیا جائے۔ جہاں تک ہو سکے شہادتیں لے کر اور ثبوت مہیا کر کے جلد فیصلے کیے جائیں۔ باہر سے آنے والے لوگوں کے مقدمات میں بالخصوص دلچسپی لی جائے اور انہیں بلاتا خیر نمٹایا جائے۔ علاوہ ازیں دوران مقدمہ ان کے قیام اور ضروریات کی طرف بھی دھیان دیا جائے اور معاملے کو طول دے کر انہیں پریشان نہ کیا جائے۔

### دینی مدارس:

دینی تعلیم کے لیے ہر شہر میں مدرسے قائم تھے جن میں لائق اساتذہ مقرر کیے گئے تھے۔ انہیں سرکاری خزانے سے تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ طلباء کے مصارف بھی حکومت ادا کرتی تھی۔ صرف دارالسلطنت جون پور میں ڈیڑھ سو دینی مدارس قائم تھے۔ ملک کے باقی شہروں کے مدارس اس کے علاوہ تھے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس بادشاہ کو دینی تعلیم کے فروغ و اشاعت کا کس درجہ شوق تھا۔

### انتظام مساجد:

مساجد کا انتظام نہایت شان دار تھا اور اس کے تمام اخراجات کی ذمہ دار حکومت تھی۔ ہر مسجد میں حکومت کی طرف سے ایک پہرے دار متعین ہوتا جو مسجد کے سامان کی نگرانی کرتا۔ مسجد کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی وہ مہیا کرتا۔ مسافروں کی حفاظت کرتا، قیام و طعام کی ذمہ داری بھی اسی پہرے دار کے سپرد تھی۔

### چہرہ نویسی:

ہر شاہی ملازم کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی چہرہ نویسی کرائے۔ یعنی اس کا پورا حلیہ اور جسم کے داغ دھبے آنکھوں اور جسم کا رنگ وغیرہ لکھ لیا جاتا تھا۔ اسی طرح ہر گھوڑے کے خاص نشان اور داغ وغیرہ کو بھی ضبط تحریر میں لایا جاتا تھا۔

### شیخ اشرف جہاں گیر سے عقیدت:

سلطان ابراہیم شرقی کو شیخ اشرف جہاں گیر سمنانی سے بے حد عقیدت تھی۔ وہ جون پور تشریف لائے تو اس نے نہایت خوشی کا اظہار کیا۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی معیت میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے اعیان حکومت کو بھی ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی تاکید کی۔ اپنے بیٹوں کو ساتھ لے کر ان کی زیارت کو

گیا اور دعا کی درخواست کی۔ نیز ان سے عرض کیا کہ وہ مستقل طور پر جون پور میں اقامت اختیار فرمائیں۔ شیخ اشرف جہاں گیر بھی اس سے مل کر بہت خوش ہوئے اور اس کے لیے خاص طور سے دعا کی۔

## وفات:

غرض ابراہیم شرقی نویں صدی ہجری کے دیار ہند کا نیک اطوار، علم پرورد بر اور علما و فقہا کا قدردان بادشاہ تھا۔ اس نے جون پور کو ہم رنگ دہلی بنا دیا۔ دہلی کی تہذیبی و ثقافتی رونق اور علمی و تصنیفی محفلیں جون پور میں منتقل ہو گئی تھیں۔ یہاں کے علما، مرجع خلائق، فقہا مرکز تحقیق، مدرسین ماویٰ طلبا اور مشائخ منبع فیوض تھے۔ اس کے زمانے میں جون پور میں مختلف علوم و فنون سے متعلق متعدد کتابیں تصنیف کی گئیں۔ بعض علمائے کرام نے اس کے نام سے بھی کتابیں منسوب کیں، جن میں مسائل فقہ سے متعلق ایک مشہور کتاب فتاویٰ ابراہیم شاہیہ خصوصیت سے لائق تذکرہ ہے۔ یہ کتاب شیخ نظام الدین کیکانی (یا گیلانی) کی تصنیف ہے اور دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ عربی میں ہے اور ایک فارسی میں۔

ابراہیم شرقی نے ۸۴۰ھ (۱۴۳۷ء) اور ایک روایت کے مطابق ۸۴۴ (۱۴۴۰ء) میں وفات پائی ①۔

## سلطان محمود شاہ شرقی:

سلطان ابراہیم شرقی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمود شاہ شرقی جون پور کی مسند جہاں داری پر متمکن ہوا۔ یہ اپنے باپ کا صحیح جانشین تھا اور مختلف معرکوں میں اس کے ساتھ رہا تھا۔ باپ کی طرح عقل و فہم سے آراستہ اور نیکی و تدین سے پیراستہ تھا۔ علما و مشائخ کی جماعت اس کے دربار میں بھی موجود تھی اور وہ ان سے مشورے لیتا اور استفادہ کرتا تھا۔ اس نے بادشاہ دہلی بہلول لودھی کا مقابلہ بھی کیا اور وقت کے بعض دیگر حکمرانوں کے خلاف بھی صف آرا ہوا۔ شرقی سلطنت میں اس کے عہد میں کسی قسم کی کمزوری کے آثار پیدا نہیں ہوئے اور وہ بہادری و استقلال سے حالات کا مقابلہ کرتا رہا۔ احکام شریعت کا پابند تھا۔ بعض فرماں رواؤں کے خلاف صرف اس لیے میدان جنگ میں اترتا کہ ان کے علاقوں میں اسلامی رسوم و عوائد شرعی احکام اور دینی فرائض پر عمل نہیں کیا جاتا تھا اور مسلمانوں کو وہ قدر و منزلت حاصل نہ تھی جس کے وہ مستحق ہیں۔ اس کے دور حکومت میں بہت سی کتابیں معرض تصنیف میں آئیں، مدارس جاری ہوئے، اسلامی علوم کے فروغ کی نئی نئی راہیں کھلیں اور علما نے مختلف عنوانات پر داد تحقیق دی۔ اس کے عہد کے بعض فقہائے کرام کا تذکرہ اس کتاب کے آئندہ صفحات میں موجود ہے۔

① تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ ج ۲، بضمین ذکر بادشاہان شرقی، سلاطین جون پور۔ تجلی نور۔ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ۔ نزہۃ الخواطر ج ۳۔ تاریخ شیرازہ ہند جون پور۔ برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ



سلطان محمود شاہ بن سلطان ابراہیم شاہ شرقی نے بیس سال چند روز حکومت کرنے کے بعد ۸۶۲ھ (۱۴۵۸ء) میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

### سلطان محمد شاہ شرقی:

سلطان محمود شاہ شرقی کے بعد اس کے بیٹے سلطان محمد شاہ شرقی نے جون پور کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ یہ شہزادہ بھیکن خاں کے عرف سے معروف تھا۔ یہ اس وقت حکمران ہوا جب یہ خاندان سلطان بہلول سے برسر پیکار تھا۔ یہ شجاع تیر انداز اور شمشیر زن بادشاہ تھا۔ دوران جنگ میں یہ تیر سے زخمی ہوا اور وفات پا گیا۔ اس کی مدت حکومت صرف پانچ ماہ ہے۔ اس کے زمانے میں جون پور میں بہت سے علما و فقہا موجود تھے۔

### سلطان حسین شاہ شرقی:

محمد شاہ شرقی کی موت کے بعد اس کا بھائی حسین شاہ شرقی وارث تخت بنا۔ یہ بھی نہایت عقل مند صاحب تدبیر اور جنگ جو بادشاہ تھا۔ علم و فضل کی نعمت سے بھی بہرہ ور تھا۔ مختلف علوم پر گہری نظر رکھتا تھا۔ مشہور عالم قاضی سماء الدین جون پوری کا شاگرد تھا۔ موسیقی کا بھی ماہر تھا۔ اس موضوع سے متعلق اس نے ایک کتاب بھی تصنیف کی جس کا نام تحفۃ الہند ہے۔

اس نے بادشاہ دہلی بہلول لودھی اور اس کے بیٹے سکندر لودھی سے جنگیں لڑیں اور بار بار دہلی پر حملہ آور ہوا۔ ابتدا میں لودھی سلاطین اس سے بہت خوف زدہ تھے اور اس کی فوجی طاقت سے مرعوب تھے۔ انھوں نے کئی بار اس کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا اور امن و آشتی کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی، مگر یہ برابر ان کو پریشان کرتا اور ان پر حملہ آور ہوتا رہا۔ بالآخر ۸۸۱ھ (۱۴۷۶ء) میں سکندر لودھی سے شکست کھا گیا۔ سکندر لودھی نے جون پور اور اس نواح کے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا اور شرقی سادات کی یہ حکومت ختم ہو گئی۔ حسین شاہ اس خاندان کا آخری حکمران تھا، اس کی مدت حکومت اٹھارہ برس ہے۔ شکست کے بعد یہ بنگال چلا گیا تھا۔ آخری دم تک بنگال میں مقیم رہا اور وہیں موت سے ہم کنار ہوا۔ اس کی آخری وصیت یہ تھی کہ اس کی میت کو جون پور پہنچایا جائے اور اسے وہیں دفن کیا جائے، چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا اور اسے سلطان ابراہیم شاہ اور محمود شاہ کی قبر کے قریب دفن کیا گیا ①۔

### سلطان بہلول لودھی

نویں صدی ہجری کے ہندوستان کی اسلامی تاریخ اب ایک اور ورق الٹتی ہے اور اس کی کلاہ سروری

① شرقی سلاطین کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ ج ۲ بعنوان ذکر بادشاہان شرقی۔ تجلی نور۔ سلاطین جون پور۔ تاریخ شیراز ہند جون پور۔ نزہۃ الخواطر ج ۳۔

لودھی خاندان کے حصے میں آتی ہے۔ اس خاندان کا پہلا فرماں روا بہلول لودھی تھا۔ اس کے متعلق کچھ بیان کرنے سے پہلے ان واقعات کی نشان دہی کرنا ضروری ہے جو اسے برصغیر کے مرتبہ سلطانی پر متمکن کرنے کا باعث ہوئے۔ لودھی افغانوں کی ایک جماعت تجارتی سلسلے میں ہندوستان میں آمدورفت رکھتی تھی۔ اس جماعت کا ایک رکن ملک بہرام تھا جو بہلول لودھی کا دادا تھا۔ وہ کسی معاملے میں اپنے بڑے بھائی سے ناراض ہو کر ملتان آ گیا تھا۔ ملتان کا حاکم اس زمانے میں مردان دولت تھا۔ ملک بہرام نے اس کی ملازمت اختیار کر لی۔ بہرام کے پانچ بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام کالا اور ایک کا سلطان شاہ تھا۔ باپ کی وفات کے بعد پانچوں بھائی ملتان میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ پھر خضر خاں ملتان کا حاکم مقرر ہوا تو سلطان شاہ اس کے ملازموں کی سلک میں منسلک ہو گیا اور خضر خاں نے اسے افغانوں کا سردار بنا دیا۔ خضر خاں کی اپنے حریفوں سے جنگ ہوئی تو سلطان شاہ نے اس کی مدد کی اور اس کے ایک زبردست حریف اقبال خاں کو قتل کر دیا۔ اس بہادری اور جواں مردی کے صلے میں خضر خاں نے اسے لائق اعتنا گردانا اور اسلام خاں کا خطاب دے کر اسے علاقہ سرہند کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس وقت اس کا بھائی کالا بھی اس کے ساتھ تھا جس کو بہت سے قصبات و دیہات کا والی بنا دیا گیا۔ کالا کی شادی اپنے چچا کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ اس خاتون کے وضع حمل کے دن قریب آئے تو اس پر ایک مکان گرا وہ اس کے بلے تلے دب گئی اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ اس کا پیٹ چاک کر کے بچے کو نکالا گیا تو وہ زندہ تھا۔ اس بچے کا نام بہلول رکھا گیا جو آگے چل کر ہندوستان کا بادشاہ بنا اور سلطان بہلول لودھی کے نام سے مشہور ہوا۔

### ابتدائی حالات:

بہلول ابھی کم سن تھا کہ اس کا باپ (کالا) نیازی افغانوں کی ایک جنگ میں شامل ہوا اور مارا گیا۔ ان دنوں بہلول کو بلو کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ باپ کی موت کے بعد اس نے اپنے چچا سلطان شاہ (یعنی اسلام خاں) کے ہاں سرہند میں پرورش پائی۔ جوان ہوا تو اس کو اسلام خاں کے ساتھ ایک جنگ میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ اسلام خاں نے اس میں شجاعت و بسالت کے جوہر دیکھے تو اپنی بیٹی اس کے عقد میں دے دی۔ دنیوی اعتبار سے اسلام خاں کا مرتبہ بہت بلند تھا اور اس کے اپنے بیٹے بھی تھے مگر اس نے بہلول ہی کو اپنا قائم مقام بنایا اور وفات کے بعد اسے اپنا وارث تسلیم کرنے کی وصیت کی۔ اس دارفانی سے اسلام خاں کا انتقال ہوا تو جو افغان اس کے ماتحت تھے وہ تین حصوں میں بٹ گئے مگر اسلام خاں کی وصیت کے مطابق اکثریت نے بہلول کو اپنا سردار بنایا۔

بہلول سے سلطان شاہ کی محبت اور قلبی تعلق کا یہ عالم تھا کہ ایک دن وہ نماز پڑھ رہا تھا اور بہلول گیند سے کھیل رہا تھا۔ اچانک اس کی گیند سلطان شاہ کے مصلے پر جا پڑی۔ گھر والوں نے اس حرکت پر اس کو تنبیہ کی مگر سلطان نے ان کو روک دیا اور کہا اس کو کچھ نہ کہو مجھے اس کی پیشانی پر حشمت و عظمت کے آثار نظر آتے ہیں ①۔

① سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص ۴۲۱، بحوالہ تاریخ شاہی احمد یادگار ص ۳۲۔ واقعات مشتاقی (قلمی) ص ۳۔ تاریخ داؤدی ص ۳۔

## ایک بزرگ کی خدمت میں:

ایک مرتبہ بہلول اپنے دو دوستوں کے ساتھ سامانہ گیا۔ وہاں ایک مجذوب دور لیش کی خدمت میں حاضر ہوا اور دوزانو ہو کر ادب کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھا۔ مجذوب نے کہا تم میں کون ایسا شخص ہے جو دو ہزار تنکے میں دہلی کی بادشاہت خریدنے پر تیار ہو؟ بہلول کے پاس سولہ سو تنکے تھے اس نے تنکے جیب سے نکالے اور مجذوب کی خدمت میں پیش کر دیے اور عرض کیا میرے پاس کل رقم یہی ہے۔ مجذوب نے وہ رقم قبول کرتے ہوئے کہا:

بادشاہی دہلی مبارک شد۔

(دہلی کی بادشاہت مبارک ہو۔)

بہلول کے ساتھیوں نے اس حرکت پر اس کا مذاق اڑایا، تو اس نے جواب دیا۔ سولہ سو تنکے سے میری زندگی بسر نہیں ہو سکتی تھی۔ اب یہ چیز دونوں حالتوں سے خالی نہیں۔ اگر سلطنت حاصل ہوگئی تو یہ سودا کیا برا ہے اور اگر نہ ہوئی تو مجھے اس مجذوب فقیر کی خدمت کا اللہ سے اجر ملے گا<sup>①</sup>۔

اتفاق ملاحظہ ہو کہ بہلول بن کالا لودھی مختلف مناصب پر فائز رہا۔ اسے سر ہند کا والی بنایا گیا، خان خاناں کا خطاب دیا گیا، افغانوں کا سردار مقرر کیا گیا اور لاہور، دیپال پور اور سنام وغیرہ کے علاقوں کی تولیت اس کے سپرد کی گئی۔ پنجاب اور سندھ کی ولایت پر مامور کیا گیا اور ان منازل کے طے ہونے کے بعد ۸۵۵ھ (۱۴۵۱ء) میں ہندوستان کی بادشاہت کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا گیا۔

## پابندی مذہب:

بہلول لودھی نیک دل عالم و فاضل اور مذہب کا پابند تھا۔ نماز باقاعدگی سے پڑھتا اور باجماعت پڑھتا تھا۔ مشتاقی لکھتا ہے:

بیچ نماز باجماعت ادا می کر دو در وقت جنگ رسم بود چوں بر فوج مخالف نظری افتاد و داسپ فرودی آمد و استخارہ و خیریت اسلام و مسلمانی و اقرارِ عجزی کرو<sup>②</sup>۔

(پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا۔ اس کی عادت تھی کہ جنگ کے وقت دشمن کی فوج پر نظر پڑتی تو فوراً گھوڑے سے اتر آتا اور استخارہ کرتا، اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا اور عجز و بے بسی کا اظہار و اقرار کرتا۔)

جب سلطان حسین شرقی نے بہت بڑی فوج کے ساتھ دہلی پر چڑھائی کی تو بہلول تمام رات ننگے سر

① تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۲۶۸

② سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۴۴۰ بحوالہ واقعات مشتاقی (قلمی) ص ۱۰

کھڑے ہو کر اللہ سے دعائیں مانگتا رہا۔ منقول ہے کہ صبح کے وقت ایک مردِ غیب نمودار ہوا اور ایک لکڑی اس کے ہاتھ میں دے کر کامیابی کی بشارت دی ①۔

### ایک بدعت کا خاتمہ:

دہلی میں ایک رسم تھی کہ کوئی شخص مر جاتا تو سوم کے دن شربت پان، مصری وغیرہ تقسیم کی جاتی تھی۔ بہلول نے اس رسم کو بند کر دیا اور اس بدعت کا جو عرصے سے جاری تھی، خاتمہ کر دیا۔ کیوں کہ اس میں بے جا طور پر روپیہ صرف ہوتا تھا اور یہ چیز شریعت اسلامی کے خلاف تھی۔

### حلم اور بردباری:

وہ حلیم الطبع، بردبار اور متحمل مزاج تھا۔ ہر شخص کو احترام کی نظر سے دیکھتا اور عزت سے پیش آتا تھا۔ اس کے حالات میں مرقوم ہے:

با امر او سپاہی معیشت برادرانہ داشت۔

کہ امرائے حکومت اور سپاہیوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات رکھتا تھا۔

بہلول نہایت سادہ فطرت بادشاہ تھا۔ اس کا معمول تھا کہ عیادت اور تعزیت کے لیے لوگوں کے گھروں میں جاتا، دسترخوان پر انتہائی بے تکلفی سے چھوٹے بڑے کو بٹھا لیتا۔ اس کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا تھا، کوئی پہرے دار اور حاجب نہ تھا۔ دربار میں آتا تو نیچے دری پر بیٹھتا اور کسی کو اپنے سامنے کھڑا نہ ہونے دیتا۔ سب کی بات اپنے برابر بٹھا کر سنتا۔ تاریخ داؤدی کے الفاظ ہیں:

حلم و کرم جبلی در سرشت داشت بظاہر آراستہ بشریعت بہ متابعت آں کمال تقید داشت در کل احوال سلوک بر مسالک شریعت نمودے و خلاف شریعت ہرگز بکار دست نزدے ②۔

یعنی حلم و کرم اس کی سرشت میں داخل تھا۔ ظاہر میں پابندی شریعت سے آراستہ تھا اور اس کے اتباع کی پوری کوشش کرتا تھا۔ ہر حال میں راہ شریعت پر گامزن رہتا اور خلاف شریعت کسی کام پر ہاتھ نہ ڈالتا۔

### علمائے عقیدت مند انہ تعلقات:

سلطان بہلول لودھی علما کی بدرجہ غایت تکریم کرتا۔ ان سے عقیدت مند انہ تعلقات رکھتا اور زیادہ تر وقت ان کی صحبت و مجلس میں گزارتا تھا۔ فرشتہ کا بیان ہے:

① سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۲۴۰ بحوالہ واقعات مشرقی (قلمی) ص ۱۰۔

② سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۲۴۰ بحوالہ تاریخ داؤدی ص ۱۰۔

ورحضر و سفر با علما و مشائخ صحبت داشتے و اکثر اوقات با ایشاں بسر بردے ①۔

(سفر و حضر میں علما و مشائخ کی صحبت اختیار کرتا اور اکثر اوقات ان کے ساتھ رہتا تھا۔)

یہ سلطان علما کی کس درجہ عزت و تکریم کرتا تھا؟ اس سلسلے میں ”سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات“ کے مصنف جناب خلیق احمد صاحب نظامی نے واقعاتِ مشتاقی اور تاریخ داؤدی کے حوالے سے تین دلچسپ واقعات بیان کیے ہیں جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

① تخت دہلی پر متمکن ہونے کے بعد جب وہ پہلے دن جامع مسجد میں گیا تو میاں قاون نے خطبے کے بعد افغانوں کا اس طرح مذاق اڑانا شروع کر دیا:

سبحان اللہ! عجب قومے پیدا شدند، نمی دانم پیشرو دجال در ایشاں باشد، زبان ایشاں اینست کہ مادر امور می گویند و برادر اور می گویند و یہ را شور می گویند و سپاہ را تور می گویند۔

(سبحان اللہ! یہ عجیب قوم پیدا ہو گئی ہے۔ معلوم نہیں، دجال کا پیشرو شاید اسی قوم میں سے ہو۔ ان کی زبان یہ ہے کہ ماں کو مور بھائی کو اوروز گاؤں کو شور اور فوج کو تور کہتے ہیں۔) بہلول نے یہ سن کر منہ پر رومال رکھ لیا اور تبسم کرتے ہوئے کہا: ملا قاون بس کن کہ ماہمہ بندگان خدا ایم۔

(ملا قاون بس کرو ہم سبھی خدا کے بندے ہیں۔)

② ایک مرتبہ سلطان کی ملاقات ایک ایسے عالم دین سے ہوئی جو پستہ قد تھا اور سر پر سرخ بال تھے۔ سلطان نے مذاق میں اس سے کوئی ایسی بات کہہ دی جو اسے ناگوار گزری۔ سلطان کو جب اس کا احساس ہوا تو اس سے اظہارِ معذرت کیا۔

③ ایک دن ایک شخص سلطان کے خلوت کدہ میں گھس گیا اور عین اس وقت جب کہ وہ غسل کے لیے جا رہا تھا، اسے روک لیا اور مجبور کیا کہ پہلے اس کا مطالبہ پورا کیا جائے، بعد کو غسل خانے میں قدم رکھا جائے۔ سلطان نے اس کی اس حرکت پر کسی قسم کی ناراضی کا اظہار نہیں کیا اور اس کا مطالبہ پورا کر دیا۔

مشائخ سے محبت اور ان کی مدد:

اولیا و مشائخ سے سلطان بہلول بڑی محبت رکھتا تھا اور ان کی امداد کرنا اپنے لیے ضروری سمجھتا تھا۔ اس کا ثبوت اس کی زندگی کے بہت سے واقعات سے ملتا ہے، لیکن ہم یہاں صرف ایک واقعہ بیان کریں گے۔ حملہ تیمور کے بعد پنجاب کا علاقہ بد نظمی اور سیاسی ابتری کا شکار ہوا تو سلسلہ سہروردیہ کے مشائخ بے پناہ سیاسی طاقت کے مالک بن گئے اور ان کی خانقاہیں اس معاملے میں دلچسپی رکھنے والوں کا مرکز قرار پا گئیں۔ مشائخ

سہروردیہ پہلے سے حکومتوں کے معاملات میں بہت دخیل تھے، مگر اب تو معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تھا کہ لوگوں نے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی خانقاہ کے سجادہ نشین شیخ یوسف قریشی کو ملتان کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس کا ذکر شیخ نظام الدین بخشی نے طبقات اکبری میں ان الفاظ میں کیا ہے:

وچوں بزرگی طبقہ علیہ شیخ الطریقہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس اللہ تعالیٰ در قلوب سکنہ ملتان و جمہور زمیندران آن صوبہ بنوعی قرار گرفتہ کہ مزید بران متصور نہ باشد، جمیع اہالی و اشراف و عموم سکنہ جمہور متوطنان آن حدود شیخ یوسف قریشی را کہ تولیت خانقاہ و حراست و مجاورت روضہ رضیہ شیخ بہاء الدین زکریا با و متعلق بود بسطنت و بادشاہی برداشتہ بر منابر ملتان و اوچہ و بعضے قصبات خطبہ بنام او خوانند ①۔

یعنی شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے طبقہ عالی کی عزت و بزرگی ساکنان ملتان اور اس صوبے کے تمام زمینداروں کے دلوں میں اس درجہ مضبوط اور مستحکم ہو گئی تھی کہ اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس علاقے کے تمام باشندوں، اونچے خاندانوں، معزز لوگوں اور جمہور عوام نے جو وہاں متوطن تھے، شیخ یوسف قریشی کو ملتان کی سلطنت و بادشاہی کے تخت پر بٹھا دیا۔ ملتان، اوچ اور بعض قصبات کے شہروں پر ان کے نام کا خطبہ بھی پڑھا جانے لگا اور یہ شیخ یوسف وہ تھے جن سے متعلق شیخ بہاء الدین زکریا کی خانقاہ کی تولیت و حفاظت اور اس کی مجاورت تھی۔

لیکن یہ حکومت زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی اور ملتان کی لنگاہ برادری نے اس کی طاقت کا خاتمہ کر دیا اور حکومت پر خود قابض ہو گئے۔ اب شیخ یوسف نہایت پریشانی کی حالت میں اپنے چند ساتھیوں کی معیت میں دہلی پہنچے اور سلطان بہلول سے ملے، اس نے ان لوگوں کو پناہ دی اور ان کی بے حد خدمت کی، یہاں تک کہ اپنی لڑکی شیخ یوسف کے بیٹے شیخ عبداللہ کے نکاح میں دے دی ②۔

یہی وجہ ہے کہ مشائخ کے حلقے میں سلطان بہلول کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور سلسلہ سہروردیہ کے تذکروں میں اس کا ذکر احترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔

شیخ سماء الدین سہروردی سے عقیدت:

شیخ سماء الدین سہروردی اس دور کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ ملتان میں لنگاہ خاندان کی حکومت قائم ہونے کے بعد یہ رتھنپور اور بیانہ وغیرہ سے ہوتے ہوئے دہلی پہنچے اور پھر وہیں مقیم ہو گئے۔ وہ عام طور پر ملوک و سلاطین سے ملنے اور ان کی مجلسوں میں جانے سے گریز کرتے تھے، لیکن سلطان بہلول کے ساتھ ان کا یہ معاملہ نہ تھا۔ وہ سلطان کے پاس جاتے، سلطان بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، کیوں کہ مشائخ سہروردیہ پر اس کے بہت سے احسانات تھے۔

① طبقات اکبری ج ۳، ص ۵۲۲

② ایضاً ص ۵۲۳، ۵۲۵

ایک دن بہلول نے بڑی عقیدت مندی سے عرض کیا کہ میں آپ کی مہربانیوں کا محتاج ہوں، کچھ نصیحت کیجیے۔ فرمایا:

تین قسم کے لوگ اللہ کے انعام و اکرام سے محروم رہیں گے۔

ایک وہ بوڑھا جو گناہوں سے باز نہ آئے۔

دوسرے وہ جوان جو اس امید پر دلیری کے ساتھ سرگرمِ معصیت رہیں کہ ایامِ پیری میں اپنی اصلاح کر

لیں گے۔

تیسرے وہ سلطان جس کو تمام دینی اور دنیوی ضروریات و مرادات حاصل ہیں مگر اس کے باوجود اپنی

سلطنت کے چراغ کو جھوٹ کی آندھی سے بجھاتا ہے۔

شیخ نے سلطان کو اور بھی بہت سی نصیحتیں کیں۔ شدتِ تاثر سے سلطان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو

جاری ہو گئے اور عرض گزار ہوا۔

حضرت مخدوم باوجود چندیں تقصیراتِ محبت درویشاں درخود زماں زماں مزیدی یا بم۔ امید کہ حق تعالیٰ

برکتِ محبت میں قومِ مرانجاتِ ارزانی فرماید ①۔

حضرت مخدوم باوجود اتنے گناہوں کے اپنے دل میں لمحہ بہ لمحہ درویشوں کی محبت زیادہ پاتا ہوں۔ امید

ہے حق تعالیٰ اس جماعت کی برکت کی وجہ سے مجھے نجات عطا فرمائے گا۔

سلطان کے اس اظہارِ عقیدت سے متاثر ہو کر شیخ نے ایک مصلیٰ خاص عنایت فرمایا جسے احترام کے

ساتھ سر پر رکھ کر وہ خانقاہ سے واپس ہوا ②۔

سلطان بہلول لودھی نویں صدی ہجری کے ہندوستان کا ایک نہایت متواضع، متبع سنت، احکام رسول

اللہ ﷺ کا پابند نیک اور عادل بادشاہ تھا۔ اس نے اڑتیس (۳۸) سال حکومت کرنے کے بعد ۸۹۴ھ (۱۴۸۹ء)

میں وفات پائی ③۔

یہاں یہ واقعہ قابل ذکر ہے شیخ سماء الدین سہروردی بہلول کی قبر پر گئے اور کچھ دیر وہاں سے سر جھکائے

بیٹھے رہے۔ پھر فرمایا:

سبحان اللہ! ایں مردا گر چہ دریں جہاں درکا مرانی و سلطانی گزرانید از برکت فرط محبت و اعتقادے کہ

بادوستانِ خدا داشت در آں جہان نیز مرتبہ عالی یافت ④۔

① سیر العارفین ص ۱۷۸، ۱۷۹

② سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات، ص ۴۲۵

③ تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۲۷۶

④ سیر العارفین، ص ۱۷۹

(سبحان اللہ! اس شخص نے اگرچہ اس دنیا میں اپنی زندگی کا مرانی اور سلطانی میں بسر کی، لیکن اس محبت اور اعتقاد کی وجہ سے جو وہ دوستانِ خدا سے رکھتا تھا، اس نے اس جہان میں بھی اعلیٰ مرتبہ پایا۔)

بہلول لودھی کے بعد اس کا بیٹا سکندر لودھی تخت نشین ہند ہوا۔ وہ بھی نیک، متبع سنت اور علما سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر اس کا زمانہ دسویں صدی ہجری کا ہے اس لیے اس کا ذکر اس کتاب کی تیسری جلد کے مقدمے میں کیا گیا ہے، جو دسویں صدی ہجری کے علما و فقہاء کے حالات پر مشتمل ہے۔





## سلاطین گجرات

آٹھویں صدی ہجری کے اواخر میں حکومت ہند کی مرکزی حیثیت مضمحل ہو گئی تھی۔ دارالسلطنت دہلی کا استحکام متزلزل ہو گیا تھا اور اس میں ضعف و کمزوری کے آثار نمایاں ہو گئے تھے جس کے نتیجے میں برصغیر میں کئی علاقائی حکومتیں قائم ہو گئی تھیں جن میں شمالی ہند کی سلطنت جون پور دکن کی بہمنی حکومت علاقہ مالوہ کی حکومت اور گجرات کی حکومت کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہ حکومتیں مرکزی حکومت سے زیادہ مضبوط اور مستحکم تھیں۔ ان کے بعض سلاطین کا عہد تو بڑا ہی قابل رشک تھا۔ ان کے زمانے میں اسلامی علوم و فنون کی بے حد نشرو اشاعت ہوئی اور علما و فقہانے بے حساب علمی خدمات سرانجام دیں۔ ان کے کارنامے تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ ثبت رہیں گے۔

### سلطنت گجرات:

بادشاہ دہلی سلطان فیروز شاہ نے ایک شخص فرحت الملک کو جسے نظام شاہ مفرح کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا، گجرات (کاٹھیاواڑ) کا سپہ سالار اور والی بنا کر بھیجا۔ فیروز شاہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے سلطان محمد شاہ نے بھی گجرات کی ولایت اسی کے سپرد کیے رکھی، لیکن اس شخص نے وہاں جو طریق حکومت اختیار کیا، وہ مذہبی اعتبار سے وہاں کے مسلمانوں کے لیے نہایت نقصان رساں اور ذہنی کوفت کا باعث تھا۔ وہ اس طرح کہ اس نے اس پنج سے ہندوؤں سے تعلقات استوار کیے کہ جس کی وجہ سے اسلامی احکام پر عمل درآمد کا سلسلہ قطعاً طور سے رک گیا اور پورے علاقے میں شعائر کفر اور بت پرستی کی وسیع پیمانے پر ترویج ہونے لگی۔ اس سے گجرات کے علما و فضلا انتہائی مشوش ہوئے۔ انھوں نے ۷۹۳ھ (۱۳۹۱ء) میں سلطان محمد شاہ کو ایک مکتوب ارسال کیا جو اس مضمون پر مشتمل تھا کہ والی گجرات فرحت الملک اعمال ناشائستہ کا مرتکب ہو رہا ہے۔ وہ رواج اصنام اور رونق اوثان میں اس قدر جری ہو گیا ہے کہ بلدہ سومنات قبلہ ضلال قرار پا گیا ہے۔ اس نواح میں شعائر اسلام کی اہانت کا دور دورہ ہے۔ منبر و محراب کو عزت و حرمت سے کچھ حصہ اور مسجد کو صوم و صلوة سے کوئی نصیبہ باقی نہیں رہا۔ لہذا فوری طور پر اس تشویش ناک صورت حال کو زیر غور لایا جائے اور ایسا اقدام کیا جائے جو موجب تقویت دین اور باعث ترویج اسلام ہو۔<sup>①</sup>

① تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۲۶۵ (بعنوان سلاطین گجرات)

علمائے گجرات کا یہ خط سلطان کے ملاحظہ میں آیا تو وہ نہایت غم گین ہوا اور ربیع الثانی ۷۹۳ھ (مارچ ۱۳۹۱ء) میں فرحت الملک کو الگ کر کے اس کی جگہ ظفر خاں کو گجرات کا والی مقرر کیا۔ ظفر خاں حسن سلوک، پرہیزگاری، شرع محمدی کی پابندی اور دیانت و امانت میں بہت مشہور تھا۔ سلطان نے علمائے گجرات کی عرض داشت دیکھتے ہی اس کا ہاتھ پکڑا اور صوبہ گجرات کی حکومت اس کے سپرد کی۔ ظفر خاں علم و علما کا قدردان تھا۔ اس نے وہاں پہنچتے ہی علمائے گجرات سے رابطہ پیدا کیا۔ ان سے مراسم بڑھائے اور انہیں یقین دلایا کہ اس ملک میں احکام اسلام کا نفاذ ہوگا اور رسوم کفر کو ختم کر دیا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ سونمات گیا۔ وہاں جامع مسجد تعمیر کی، اس میں مؤذن، امام و خطیب اور خدام مقرر کیے اور امور شرعیہ کی تنفیذ کے لیے کوشاں ہوا۔ اس کے طرز حکومت اور خدمت اسلام سے علاقہ گجرات کے اہل اسلام بھی خوش تھے اور غیر مسلم بھی اس کے عدل و انصاف سے متاثر تھے۔ وہ رعایا کا محافظ، کریم النفس، حلیم الطبع، جرات مند، مجاہد فی سبیل اللہ عادل اور فاضل حکمران تھا۔ وہ ۷۹۳ھ (۱۳۹۱ء) میں سلطان دہلی محمد شاہ کی طرف سے والی گجرات کی حیثیت سے یہاں آیا تھا، لیکن جب دہلی کی مرکزیت ختم ہو گئی تو ۸۱۰ھ (۱۴۰۷ء) میں مظفر شاہ کے لقب سے ملقب ہو کر علاقہ گجرات کا مستقل حکمران بن گیا اور سلطان مظفر شاہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے ۸ ربيع الثانی ۸۱۴ھ (۳ جولائی ۱۴۱۱ء) کو وفات پائی۔ اس وقت اس کی عمر اکہتر برس سے زیادہ تھی۔

### سلطان احمد شاہ گجراتی:

مظفر شاہ کے بعد ۸۱۴ھ (۱۴۱۱ء) میں اس کی وصیت کے مطابق گجرات کے اورنگ سلطنت پر اس کا پوتا احمد شاہ متمکن ہوا۔ یہ ۷۹۳ھ (۱۳۹۱ء) میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے والد کا نام تاتار خاں تھا۔ مظفر شاہ کو اس کی ولادت کی اطلاع ان دنوں دوران سفر میں ملی تھی جب کہ وہ دہلی سے روانہ ہو کر والی و مختار کی حیثیت سے گجرات جا رہا تھا اور اس نے اس خوش خبری کو اپنے لیے نیک فال قرار دیا تھا۔

احمد شاہ عادل و منصف رعیت پرور، عوام کا بہی خواہ، مظلوموں کا حامی، فریادیوں کا دادرس، شجاع و غازی، حوصلہ مند، علما کا قدردان، ترقی علم کا خواہاں اور نیک انوار حکمران تھا۔ اس کا دل مذہبی جوش سے لبریز تھا اور وہ خلاف شرع امور سے سخت تنفر کا اظہار کرتا تھا۔ اس نے بڑی فتوحات حاصل کیں، کئی شہروں اور قلعوں کو مسخر کیا اور اپنی قلمرو کو امن و امان اور عدل و انصاف سے بھر دیا۔

اس کی تعمیرات کا سلسلہ بھی وسیع تھا۔ ۸۱۵ھ (۱۴۱۲ء) میں علاقہ گجرات میں دریا کے کنارے اس نے ایک نیا شہر تعمیر کیا، جس کا نام احمد آباد رکھا اور اس کو اس نے اپنا دار السلطنت بنایا۔

احمد آباد کی تعمیر کا آغاز چار آدمیوں سے ہوا اور چاروں کے نام احمد تھے۔ ایک شیخ احمد کھٹو دوسرے سلطان احمد تیسرے شیخ احمد اور چوتھے قاضی ملا احمد۔ جب اس کی زمین کی پیمائش کی گئی تو اس کا ایک سر سلطان احمد

کے ہاتھ میں اور دوسرا شیخ احمد کھٹو کے ہاتھ میں تھا۔ شیخ احمد کھٹوارض ہند کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ شیخ احمد اور قاضی ملا احمد بھی وقت کے بزرگ اور صاحب کمال تھے۔ سلطان احمد بھی صلاح ظاہری و باطنی سے آراستہ تھا۔ احمد آباد اس دور کے خطہ ہند کا وہ شہر تھا جس کا دنیا میں جواب نہ تھا اور ان ہی بزرگوں کی دعا اور اخلاص نیت سے یہ پر رونق شہر آباد ہوا ①۔

یہ شہر اب بھی قائم ہے اور اس کا شمار ہندوستان کے مشہور اور بڑے شہروں میں ہوتا ہے۔ اس کی تعمیر کا تمام خرچ شاہی خزانے سے ادا کیا گیا اور لوگوں کو بلا کسی معاوضے کے مکان دیئے گئے۔ یہ ایک بڑا شہر تھا، جس میں شان دار مسجدیں بنائی گئیں اور مدرسے قائم کیے گئے۔ اس کے بعد دریائے ساہیوال کے کنارے گجرات کی سرحد پر ایک اور شہر احمد نگر کے نام سے ۸۳۰ھ (۱۴۲۷ء) میں آباد کیا گیا۔

سلطان احمد شاہ گجراتی کے عدل و انصاف کے کئی واقعات کتب تاریخ میں مرقوم ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ اس کے داماد نے ایک شخص کو بلا وجہ قتل کر ڈالا۔ قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا تو اس نے مقتول کے وارثوں کو قاتل سے چالیس اونٹ بطور دیت دلا کر معاملہ ختم کر دیا۔ لیکن جب بادشاہ کے سامنے آخری رائے کے لیے مقدمے کے کاغذات پیش ہوئے تو اس نے اس سے اختلاف کیا اور قاتل سے تمام تعلقات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا کہ اس سے مقتول کے ورثا تو مطمئن ہو سکتے ہیں لیکن میں مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ جن لوگوں کو میری عنایات اور میرا قرب حاصل ہے وہ اس فیصلے سے جری اور بے باک ہو جائیں گے اور خطرہ ہے کہ بے گناہوں کو بغیر کسی وجہ کے قتل کرنا شروع کر دیں۔ سلطان نے قاضی کا فیصلہ مسترد کر دیا اور حکم دیا کہ قاتل کو سربازار پھانسی دی جائے اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ اس کی نعش ایک دن اور ایک رات تختہ دار پر لٹکتی رہے تاکہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور دوسرے روز اس کی نعش کو وہاں سے اٹھا کر دفن کیا گیا۔ اسی طرح ایک دوسرا واقعہ بھی قابل ذکر ہے جس سے معلوم ہوگا کہ وہ جرائم کی تفتیش اور واقعہ کی تہہ تک پہنچنے میں کس قدر مستعد تھا۔

ایک روز وہ دریا کی سیر کو نکلا اور اس کی نظر ایک مٹکے پر پڑی جس کا منہ بند تھا اور اس کو دریا کی موجیں بہائے لے جا رہی تھیں۔ اس نے مٹکے کو دریا سے باہر نکلوا دیا، کھولا تو اندر ایک نعش تھی جس کو کسی نے مٹکے میں بند کر کے دریا کی موجوں کے سپرد کر دیا تھا۔

سلطان نے احمد آباد کے کہاروں کو اکٹھا کیا اور پوچھا کہ یہ مٹکا کس نے بنایا؟ کس نے بیچا اور کس کے پاس بیچا؟ ایک کہار نے نشان دہی کی اور قاتل پکڑا گیا جو ایک سرکاری ملازم تھا۔ بادشاہ نے اس کو قتل کیا اور اس کی نعش سربازار رکھی گئی کہ لوگوں کو عبرت ہو۔

یہ ایک مبلغ اسلام بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے ملک میں وسیع پیمانے پر اسلام کی تبلیغ کی، لوگوں کو اسلامی احکام

① ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے ص ۱۱۲ بحوالہ خلاصۃ التواریخ ذکر صوبہ گجرات و مرآت سکندری۔

سے آشنا کیا، مسجدیں تعمیر کیں، تبلیغ اسلام کے مراکز قائم کیے اور دینی تعلیم کے لیے مدارس کھولے۔

اس کو خون آشامی اور ذاتی انتقام لینے سے سخت نفرت تھی۔ اس نے کئی حکمرانوں کو جو اس کے خلاف صف آرا تھے، پکڑا اور رہا کر دیا۔ معاف کرنا اس کے عادت میں داخل تھا۔ چھوٹے پر رحم اور کمزور کی مدد اس کا شیوہ تھا۔ اس کے زمانے میں بہت سے علمائے کرام اور فقہائے عظام برصغیر کے مختلف حصوں سے آ کر گجرات میں مقیم ہو گئے تھے۔ ان کا ذکر اس کتاب کے آئندہ صفحات میں کیا گیا ہے۔

سلطان احمد شاہ کے عہد کے علمائے اس کے لیے کئی کتابیں بھی تصنیف کیں، جن میں شیخ بدرالدین محمد بن ابوبکر دماینی لائق تذکرہ ہیں۔ انھوں نے اس کے لیے ابن مالک کی التسهیل کی شرح لکھی، مصابیح الجامع کے نام سے صحیح بخاری کی شرح سپرد قلم کی۔ عین الحیوۃ کے نام سے دمیترک کی الحیوان الکبریٰ کا اختصار کیا، مغنی اللیب کی شرح لکھی، جس کو تحفۃ الغریب کے نام سے موسوم کیا، اس کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں تصنیف کیں۔

سلطان احمد شاہ گجراتی کو علما سے بے حد عقیدت اور محبت تھی۔ وہ شیخ رکن الدین کے حلقہ ارادت میں داخل تھا۔ نماز کا پابند شریعت کا متبع اور زاہد و عابد تھا۔ اس کی جس لڑائی کا تعلق مذہبی معاملے سے ہوتا، اس میں اس کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ اس نے چون (۵۴) برس عمر پائی تینتیس (۳۳) سال حکومت کی اور ۸۴۶ھ (۱۴۴۲ء) میں فوت ہوا۔

نویں صدی ہجری میں تخت گجرات پر اور بھی کئی حکمران متمکن ہوئے اور ان کے عہد میں علما و فقہانے علمی و تصنیفی خدمات انجام دیں، مگر یہاں ان کے تذکرے کی ضرورت نہیں۔ البتہ دسویں صدی ہجری میں جن سلاطین نے گجرات کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی، ان میں سلطان محمود بیکرہ ہر اعتبار سے اونچے درجے کا حکمران تھا۔ اس کتاب کی تیسری جلد کے مقدمے میں گجرات کے اس عظیم حکمران کی زندگی کے بعض اسلامی اور دینی گوشوں کی وضاحت کی جائے گی اور اس کے عہد حکومت کے علمائے کرام کا تذکرہ کیا جائے گا۔



## سلطنت بہمنیہ

برصغیر پاک و ہند کی علاقائی سلطنتوں میں ایک سلطنت دکن کی بہمنیہ سلطنت تھی، جو اس دور کی مضبوط سلطنت تھی۔ اس میں کئی نامور سلطان پیدا ہوئے۔ آگے بڑھنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلطنت کے بارے میں مختصر طور پر چند ضروری باتیں بیان کی جائیں۔

### حسن بہمنی:

سلطنت بہمنیہ کا پہلا حکمران حسن بہمنی تھا جو علاء الدین بہمنی کے نام سے دکن کے تحت حکومت پر متمکن ہوا۔ سوال یہ ہے کہ یہ کون تھا اور اس کے نام کے ساتھ بہمنی کی نسبت کیوں قائم ہوئی؟ تاریخ کی کتابوں میں اس کی متعدد وجوہ بیان کی گئی ہیں، جن میں ایک یہ ہے کہ علاء الدین خلجی کے امر میں سے ایک شخص ظفر خاں علانی تھا۔ وہ صوبہ پنجاب کا والی تھا، اس کا مستقر ملتان تھا۔ اس کی موت کے بعد اس کا خاندان مالی پریشانی کا شکار ہو گیا اور وہ خاندان ملتان میں آباد تھا۔ اس خاندان کے ایک فرد کا نام حسن تھا، جو ظفر خاں علانی کا بھانجا تھا۔ تلاش روزگار کے لیے یہ ملتان سے چلا اور دہلی پہنچا۔ رات کے آخری حصے میں یہ جمنا کے کنارے آ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد نماز فجر کا وقت ہوا تو نماز میں مشغول ہو گیا۔ طویل سفر کی وجہ سے یہ شخص تھک کر چور ہو چکا تھا۔ نماز ادا کر کے وہیں سو گیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ آفتاب طلوع ہوا تو اس کی شعاعیں اس کے چہرے پر پڑنے لگیں اور یہ عرق آلود ہو گیا، مگر اس کو کچھ پتا نہ تھا۔ اتنے میں جمنا کے کنارے اشنان کی غرض سے ایک ہندو آیا، جس کا نام گانگو پنڈت تھا۔ پنڈت نے اس کو جگایا۔ حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک غریب الدیار اور بے سروسامان مسافر ہے۔ پنڈت کو اس پر رحم آیا۔ وہ اسے اپنے مکان پر لے گیا اور مہمان ٹھہرایا۔ چند روز کے بعد حسن نے پنڈت سے کہا کہ میں آپ پر بوجھ بنا ہوا ہوں، مجھے کسی کام پر لگایا جائے۔ پنڈت نے اپنے باغ کے کارندوں کی نگرانی اس کے سپرد کر دی۔

ایک روز حسن باغ میں بیٹھا تھا کہ چند مزدور شور کرتے ہوئے آئے اور کہا کہ ہم باغ میں ہل چلا رہے تھے کہ اس کا سراز میں دھنس گیا اور کوشش کے باوجود باہر نہیں آتا۔ حسن نے جا کر دیکھا تو واقعی ہل کا سراز میں پھنسا ہوا تھا۔ اس نے ہل کے اطراف سے زمین کھودنے کا حکم دیا۔ زمین کھودی گئی تو معلوم ہوا کہ ہل کا سراز ایک آہنی زنجیر میں پھنسا ہوا ہے اور زنجیر دیگ کے منہ پر بندھی ہوئی ہے۔ اب زمین کھود کر دیگ نکالی گئی تو وہ

طلائی اشرفیوں سے بھری ہوئی تھی۔ حسن نے تمام اشرفیاں مزدوروں کے سر پر رکھیں اور پنڈت کے گھر پہنچا دیں۔ پنڈت کو واقعہ سے مطلع کیا گیا تو وہ اس کی دیانت و امانت سے نہایت متاثر ہوا۔

اس نے یہ بات شہزادہ محمد تغلق کو بتائی تو اس نے اس سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ شہزادے نے اس کو دیکھا اور اس سے باتیں کیں تو اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ شریف زادہ گردشِ زمانہ کا ستم رسیدہ ہے۔ اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے اپنے باپ سلطان غیاث الدین تغلق سے بات کی جو اس زمانے میں ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ بادشاہ نے اس کو حاضر خدمت ہونے کا حکم دیا۔ وہ بادشاہ کے پاس گیا۔ اس نے پوچھا تم کون ہو کہاں کے رہنے والے ہو اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے بتایا کہ میرا نام حسن ہے۔ ملتان سے آیا ہوں اور ظفر خاں علائی کا ہمیشہ زادہ ہوں۔ سلطان غیاث الدین تغلق ظفر خاں سے نہ صرف واقف تھا بلکہ اس کے دوستوں میں سے تھا۔ بادشاہ بننے سے پہلے جب وہ ملک غازی تغلق کے لقب سے ملقب تھا تو سلطان علاء الدین خلجی نے ظفر خاں کے قتل ہونے کے بعد اسی کو اس کی جگہ مقرر کیا تھا اور ملتان دیپال پور اور سامانہ وغیرہ کا جو علاقہ ظفر خاں کے سپرد تھا وہ اس کی حکمرانی میں دے دیا گیا تھا۔ ظفر خاں کا نام سنتے ہی سلطان نے اس کو تسلی دی اور ایک صدی منصب سے سرفراز کیا۔

## دکن کو روانگی:

اسی اثنا میں سلطان نے تغلق خان کو دکن کا صوبہ دار مقرر کیا اور حکم دیا کہ امیرانِ یک صدی میں سے کوئی امیر تغلق خاں کے ساتھ دکن جانے پر آمادہ ہو تو بڑے شوق سے جاسکتا ہے اس کے لیے وہاں منصب اور جاگیریں مقرر ہیں جو مع اضافے کے عطا کی جائیں گی۔ حسن جو پہلے ہی دکن جانے کے لیے بے قرار ہو رہا تھا فوراً تیار ہو گیا۔ بادشاہ نے اس کو وہاں بگری گنجی اور رائے باغ وغیرہ مواضع بطور جاگیر مرحمت کیے۔

دکن میں وہ بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا اور اندر ہی اندر اس کے حصول کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ اس زمانے میں وہ بزرگانِ دین کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا اور ان سے دعا کی درخواست کرتا۔ ایک روز موضع گنجی گیا۔ وہاں اس دور کے معروف بزرگ شیخ سراج جنیدی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ مسجد کی تعمیر میں مشغول تھے اور مزدوروں کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ حسن نے مودب ہو کر سلام کیا اور ان کے ساتھ کام میں شریک ہو گیا۔ اس نے چونے سے بھری ہوئی ٹوکری سر پر اٹھائی۔ شیخ نے دیکھا تو مسکرائے۔ اتنے میں ظہر کا وقت ہوا، شیخ نے نماز کی تیاری کی اور وضو کے لیے پانی لینے لگے تو حسن فوراً آگے بڑھا۔ لوٹا ہاتھ میں پکڑا اور شیخ کو وضو کرانے لگا۔ اس وقت شیخ دھوپ میں بیٹھے تھے اور سورج کی تیز شعاعیں ان کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ حسن سورج کے آگے آ گیا اور ان کو دھوپ سے بچاتا رہا۔ شیخ نے اس کے لیے دعا کی کہ اس کا مرتبہ بلند ہو۔

## حسن کی بادشاہت:

سلطان غیاث الدین تغلق کے بعد اس کا بیٹا محمد خان تغلق تخت نشین ہند ہوا تو اکثر مقامات کے لوگوں کو اس سے کچھ شکایات پیدا ہوئیں اور معاملہ بغاوت تک پہنچ گیا۔ دکن کے امیر ان حکومت نے بھی باہم مشورہ کر کے بادشاہ سے ٹکر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ انھوں نے اسماعیل مخ کو اپنا بادشاہ بنایا اور ناصر الدین شاہ کا خطاب دیا۔ حسن گانگو بہمنی کو اس کا امیر الامر مقرر کیا گیا اور اس کو ظفر خان کا خطاب عطا ہوا۔ اسماعیل مخ اگرچہ بہت تجربہ کار تھا، مگر بوڑھا ہو چکا تھا اس لیے دکن کی بادشاہت سے دست بردار ہو گیا اور سب نے مل کر حسن بہمنی کو بادشاہ بنا لیا۔ حسن ان سب سے لائق، عقل مند بہادر اور معاملہ فہم تھا۔ سلطان محمد تغلق نے دکن پر فوج کشی کی، مگر وہ اس سلطنت کو ختم نہ کر سکا۔ ”حسن گنگوئے بہمنی ۲۴ ربیع الاول ۷۴۸ھ (۲ جولائی ۱۳۴۷ء) کو جمعہ کے روز دکن کے تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ اس کو سلطان علاء الدین کا خطاب دیا گیا۔ شیخ سراج جنیدی نے اس کو تخت نشین کیا اور اس نے اپنی مہر پر ”بندہ کترین درگاہ سبحانی علاء الدین حسن گنگوئے بہمنی“ کے الفاظ کندہ کرائے۔

## حکومت میں علمائے کرام کی شمولیت:

سلطان علاء الدین حسن بہمنی بزرگان دین اور علمائے کرام کا بہت احترام کرتا اور بے حد عقیدت سے پیش آتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے وزرا و امرا میں علما کو بھی شامل کیا، جن میں سید صدر الشریف سمرقندی، سید محمد بدخشی، مولانا محمد اسحاق سرہندی، سید احمد ہروی، سید نور الدین، ملک سیف الدین غوری، شیخ منہاج الدین جنیدی، میرزین العابدین اور سید تقی الدین اصفہانی قابل ذکر ہیں۔ اس نے گانگو پنڈت کو بھی شریک حکومت کیا اور اسے صدر محاسب بنایا۔ چونکہ گانگو پنڈت نے اس پر احسان کیا تھا اور اسے اپنے گھر لے گیا تھا، اس لیے اس نے لفظ ”بہمنی“ کو اپنی مملکت کے نام کا کا جز بنایا۔

## رسالہ نصاب المملوک:

ملک سیف الدین غوری نے جو وقت کے عالم اور سلطان حسن بہمنی کے وکیل السلطنت تھے، سلطان کے لیے ایک رسالہ قلم بند کیا، جس کا نام رسالہ نصاب المملوک رکھا۔ یہ رسالہ اوصاف سلطان، آداب شاہی، طریق حکومت اور قوانین ملک کے موضوع سے متعلق ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ بادشاہ کے لیے لازم ہے کہ مخلوق خدا کو ہمیشہ فیض پہنچاتا رہے۔ اہل ہنر، اہل علم، اہل اللہ، فقرا، شعرا اور مورخین کے ساتھ اعزاز و اکرام کا برتاؤ کرے۔ دین دار افراد کو دوسروں پر ترجیح دے اور صلاح و مشورہ اور تفویض امور میں انھیں مقدم رکھے۔ وہ ذہن میں رکھے کہ جو لوگ سلطنت و عدالت کے منصب پر فائز ہوں، ان کا دین سے بہرہ مند ہونا ضروری ہے۔ وہ اہل دنیا کی گفتگو اور ان کے طرز عمل سے متاثر ہو کر دین کو ترک نہ کرے۔

انہوں نے اس کتاب میں بادشاہ کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی رقم فرمایا ہے کہ بادشاہ کو بردبار ہونا چاہیے۔ ارباب حاجت اور غربا و فقرا اپنی ضرورتیں لے کر اس کے پاس آئیں اور بات چیت میں سخت کلامی و نافرمانی پر اتر آئیں تو رنجیدہ خاطر نہ ہو بلکہ تحمل اور غور سے ان کی بات سنے۔ بادشاہ کسی کو ظلم و تعدی کا ہدف نہ ٹھہرائے، ہمیشہ خدا کے قہر و غضب سے ڈرتا رہے۔ اللہ سے مدد مانگے، اس کی نصرت کا ملتجی ہو اور اس کی بندگی و عبادت بجالائے۔ اپنے ملک میں اسلام کی ترقی کے لیے کوشاں ہو اور ایسے اقدامات کرے جو مسلمانوں اور اسلام کے لیے بالخصوص اور عام رعایا کے لیے بالعموم سود مند ہوں۔ اسے چاہیے کہ ہر اہم کام کا آغاز مشورے سے کرے جس کام میں اہل علم اور اصحابِ فہم کا مشورہ شامل ہو گا وہ بہتر نتائج کا حامل ہو گا۔ لیکن اگر مشورے کے بعد کام کا نتیجہ حسبِ منشا نہ نکلے تو مجلسِ شوریٰ کو کوتاہ فہم اور بدطینت نہ قرار دیا جائے۔ مشورہ ان لوگوں سے کیا جائے جو مخلص، اصحابِ فہم، تجربہ کار دین دار، دورانِ اندیش، اہل علم، اربابِ دانش، نیک نیت اور رازدار ہوں۔ سلطنت کے تمام محکموں پر ان لوگوں کو متعین کیا جائے جو عادل، وفادار، مستعد، خداترس، حق شناس، صداقت شعار، باصلاحیت، خدمت گزار، متدین، حلیم الطبع، بلند اخلاق، خوش گفتار، اچھی سیرت کے مالک، باہمت، محنتی اور رعایا کے لیے مہربان ہوں۔

### عدالت:

سلطان علاء الدین حسن بہمنی کے زمانے میں محکمہ قضا پر تبحر علماء اور بلند مرتبہ فقہا متعین تھے۔ کوئی فیصلہ خلاف شرع نہ ہوتا تھا۔ مولانا صدر الشریف صدر عدلیہ تھے اور ان کے ماتحت مفتی، محتسب، فوج دار اور داروغہ تھے۔ ہر علاقے میں محکمہ قضا اور محکمہ احتساب قائم تھا۔ قصابات و دیہات میں بھی قاضی اور محتسب متعین تھے۔ تمام فیصلے صدر عدلیہ کے ملاحظہ میں لائے جاتے تھے۔ صدر کے مقرر کردہ فقہا و علماء ان کو اچھی طرح پڑھتے اور پھر اس کو ان کی صواب و خطا سے مطلع کرتے۔ کسی مقدمے کا فیصلہ کرنے میں زیادہ دیر نہ لگتی تھی۔ شہادتوں اور فریقین کے بیان کے بعد فوراً فیصلہ کر دیا جاتا۔ فیصلے کے بعد مدعا علیہ کو مرافعہ کے لیے ایک مہینے کی مہلت دی جاتی تھی۔

اگر حکام و عمال کسی پر زیادتی کرتے اور معاملہ مقدمے کی صورت میں قاضی کی عدالت میں آتا تو مسل مقدمہ سلطان کی خدمت میں پیش کی جاتی۔ وہ اس کا مطالعہ کرتا اور کبھی کبھی خود سلطان بھی صدر الشریف کی عدالت میں جاتا، مقدمہ مرجوعہ کی روداد اور گواہوں کے بیانات سنتا اور صدر الشریف کے طریق سماعت اور فیصلے سے خوش ہوتا۔

### اشاعتِ علم کا اہتمام:

سلطان حسن بہمنی نے مملکت دکن میں اشاعتِ اسلام کے ساتھ ساتھ اشاعتِ علم کا بھی اہتمام کیا تھا۔ اس کے لیے دینی مدارس قائم کیے اور ان میں تدریس کے لیے جید علمائے کرام کی خدمات حاصل کیں۔ مسجدیں



تعمیر کیس اور خطیب و امام مقرر کیے، جن کو تاکید کی تھی کہ وہ دین محمدی کی تبلیغ کریں۔ اس نے لوگوں کو عربی اور فارسی کی تعلیم دینے کی طرف خصوصیت سے اعتنا کیا تاکہ وہ اس کے ذریعے مکارم اخلاق اور مسائل دینی سیکھ سکیں۔ چوں کہ وہ خود بھی علم و ادب کے زیور سے آراستہ تھا لہذا اس نے علماء و فضلا کی قدر و منزلت اور فروغ علم میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ جو علماء اس کے دربار میں جمع تھے اور جن سے وہ بہت متاثر تھا، ان میں مولانا لطف اللہ سبزداری، ملا معین الدین ہروی، مفتی احمد ہروی، مولانا محمد اسحاق سرہندی، ملا فضل اللہ انجوی، ملا حکیم علیم الدین تبریزی، حکیم نصیر الدین شیرازی، صدر الشریف سمرقندی، ملک رکن الدین غوری، ملک سیف الدین غوری اور سید رضی الدین جگا جوت کے نام خاص طور سے لائق تذکرہ ہیں۔

سلطان حسن بہمنی نے اپنے تینوں بیٹوں (شہزادہ محمد، محمود اور داؤد) کی تعلیم کے لیے علمائے کرام مقرر کیے اور یہ خدمت مولانا فضل اللہ انجوی کے سپرد کی۔ اس نے علماء کے لیے معقول مشاہروں اور طلباء کے لیے وظیفوں کا انتظام کیا۔ ایک مدرسہ ایلچ پور برار میں جاری کیا، جس میں مولانا محمد ابراہیم سندھی اور مولانا محمد یحییٰ سندھی کو فرائض تدریس انجام دینے پر مقرر کیا۔

## قدردانی، علم و ہنر:

حسن بہمنی، علم و ہنر کا بہت قدر دان تھا۔ اس سلسلے کے متعدد واقعات میں سے چند واقعات یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

① ایک مرتبہ ایک قاری عرب سے دکن آیا۔ سلطان سے ملا۔ وہ اس کے علم و فضل سے متاثر ہوا۔ قرآن سنا تو بہت خوش ہوا، قاری کی بڑی تکریم کی۔ شہزادوں کی تعلیم کے لیے اس کو مقرر کیا۔ قاری کو بھی بادشاہ کی قدردانی اور عزت افزائی سے مسرت ہوئی اور وہ دکن ہی میں سکونت پذیر ہو گیا۔ اس نے بادشاہ کے لیے ہفت قرأت میں ایک قرآن مجید لکھا۔ حاشیے پر سنہری بیل بوٹے بنائے، خوب صورت جدولیس تیار کیس اور اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ قرآن مجید کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور قاری و کاتب کو انعام و اکرام سے نوازا..... کہتے ہیں یہ قرآن مجید سلطان ٹیپو شہید کے مدرسے کے کتب خانے میں موجود تھا۔ قاضی القضاات مولانا صبغت اللہ نے اس کی نقل کرائی تھی اور اب یہ منقول قرآن مجید حیدر آباد (دکن) میں مولوی عطاء اللہ حسین مرحوم کے کتب خانے کی زینت ہے۔ رہا اصل اور منقول عنہ قرآن مجید کا نسخہ تو وہ سلطان ٹیپو کی شہادت اور مدرسے کی تباہی کے بعد مفقود ہو گیا ①۔

② ایک نواز سپاہی نے سلطان کی خدمت میں ملازمت کی درخواست پیش کی۔ سلطان نے اس کو بلایا اور پوچھا، تمہارا حسب نسب کیا ہے اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ سپاہی نے عرض کیا۔ جہاں پناہ!

میرا حسب نسب شمشیر و علم اور تیر و کند ہے۔ سلطان اس جواب سے بہت خوش ہوا اور اس کو اسی وقت فوج میں ملازمت دے دی۔

③ ایک روز ایک سپاہی دربار عام میں آیا اور نوکری کے لیے التجا کی۔ سلطان نے کہا، کوئی ہنر جانتے ہو؟ کہا میں یہ ہنر جانتا ہوں کہ مالک کے سامنے جان نثار کر دی جائے اور ساتھ ہی اپنے آپ پر وار کرنے کے لیے تلوار میان سے نکال لی۔ درباریوں نے اس سے تلوار پکڑی اور اسے سمجھایا کہ جاں نثاری کا یہ موقع نہیں۔ سلطان نے اس کی جواں مردی سے خوش ہو کر اسی وقت اس کو اپنے محافظوں کی جماعت میں شامل کر لیا۔

حسن بہمنی سرزمین دکن کا وہ سلطان تھا جو ہندوؤں کے ساتھ گہرے تعلقات قائم رکھنے کا حامی تھا۔ اس نے ان کو سلطنت کے اہم عہدوں پر فائز کیا اور ہمیشہ ان کی مدد کرتا رہا۔

دکن کے اس پہلے بہمنی سلطان نے جو تاریخ میں علاء الدین حسن بہمنی کے نام سے مشہور ہے، گیارہ سال دو ماہ سات روز حکومت کرنے کے بعد سڑسٹھ (۶۷) سال کی عمر پر یکم ربیع الاول ۷۵۹ھ (۱۱ فروری ۱۳۵۸ء) کو اس دارفانی سے عالم جاودانی کا سفر کیا ①۔

### سلطان محمد شاہ بہمنی:

محمد شاہ بہمنی اپنے والد سلطان حسن شاہ بہمنی کے بعد ربیع الاول ۷۵۹ھ (۱۳ فروری ۱۳۵۸ء) کو دکن کے اورنگ حکومت پر فائز ہوا۔ اس کو مشہور بزرگ شیخ سراج جنیدی نے مسند بادشاہت پر بٹھایا۔ یہ ایک اولوالعزم عقیل و فہیم اور صاحب شان و شوکت بادشاہ تھا۔ اپنے پیشرو کی طرح علم اور علما سے اس کو خاص تعلق تھا اور اولیا و مشائخ کا قدردان تھا۔ اس کے ارکان سلطنت میں ملک سیف الدین غوری، سید شریف سمرقندی اور ملا محمد بن مولانا عین الدین بیجاپوری ایسے یگانہ روزگار علمائے کرام شامل تھے۔

### شیخ زین الدین کا بیعت سے انکار:

شیخ زین الدین دولت آبادی دکن کے نامور عالم دین تھے اور ان کی مشیخت و تدین کا پورے ہندوستان میں شہرہ تھا۔ تمام مشائخ دکن سلطان محمد شاہ بہمنی کی بیعت سلطنت میں شامل ہو گئے تھے، مگر شیخ زین الدین نے اس سے انکار کر دیا۔ ان سے سلطان کی بیعت کے لیے بہت اصرار کیا گیا مگر انھوں نے کسی کی ایک نہ مانی اور اپنی رائے پر قائم رہے۔ شیخ سے انکار کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا بادشاہ شراب پیتا اور منہیات کا ارتکاب کرتا ہے۔ جب

① اس کے مفصل حالات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ ج ۱، درذکر سلاطین بہمنیہ و سلاطین دکن ص ۲۲۰ تا ۲۳۳ نیز دیکھیے محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن ص ۲۲۰ تا ۲۲۶۔

تک وہ اس سے تائب نہیں ہوتا اور منہیات کو ترک نہیں کرتا میں اس کی بیعت نہیں کروں گا۔

کچھ عرصے کے بعد سلطان دولت آباد گیا تو وہاں بھی بیعت کے لیے کوشش کی گئی اور چند معتمد علیہ اشخاص کو شیخ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا گیا کہ یا تو وہ اس کی بیعت کر لیں یا اس کے دربار میں تشریف لائیں۔ شیخ نے اس پیغام کے جواب میں سلطان کو ایک رقعہ لکھا جس میں یہ تحریر فرمایا کہ ایک مرتبہ تین آدمی کافروں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے ان میں ایک عالم، ایک سید اور ایک مخنث تھا۔ کافروں نے آپس میں مشورہ کر کے طے کیا کہ ان تینوں کو بت کدے میں لے جایا جائے اور کہا جائے کہ وہ بت کو سجدہ کریں۔ جو سجدہ کرے اسے رہا کر دیا جائے اور جو انکار کرے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے وہ عالم کو بت خانے میں لے کر گئے اس نے سجدہ کر دیا اور رہا ہو گیا۔ پھر سید کو لے گئے اس نے بھی عالم کا طریقہ اختیار کیا اور جان بچالی۔ اب مخنث کی باری آئی تو اس نے کہا میں تمام عمر ناشائستہ افعال اور غیر شرعی امور میں مبتلا رہا ہوں۔ نہ عالم ہوں نہ سید۔ میری نجات کیوں کر ہوگی؟ میں کس برتے پر بت کو سجدہ کروں؟ میرے نزدیک قتل ہو جانا غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ آخر اس سے نجات کی کوئی صورت تو پیدا ہوگی۔ یا کم از کم یہی ہوگا کہ قتل ہونے کے بعد آئندہ ان برائیوں کے ارتکاب سے بچ جاؤں گا جن کے ارتکاب کا امکان ہے۔ اس سے آگے شیخ نے لکھا لہذا اے بادشاہ! اس فقیر کی مثال اس مخنث کی سی ہے۔ میں آپ کے ظلم سہتار ہوں گا نہ آپ کی بیعت کروں گا نہ آپ کی مجلس میں آؤں گا، تا وقتیکہ آپ منہیات سے توبہ نہ کریں اور شہر سے شراب خانے نہ اٹھائیں۔

بادشاہ کو یہ خط پہنچا تو پڑھ کر سخت غصہ آیا اور انھیں شہر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ شیخ نے اسی وقت مصلیٰ اٹھایا، عصا ہاتھ میں پکڑا اور شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے قریب جا کر بیٹھ گئے اور کہا، میں یہاں بیٹھا ہوں کون ہے جو مجھ کو اٹھانے کی جرات کرے۔ شیخ کی اس ثابت قدمی سے بادشاہ اپنے دل میں سخت نادم ہوا اور خیال کیا کہ فقیروں کو ستانا اچھی بات نہیں۔ اب اس نے صدر الشریف کے ہاتھ یہ مصرع لکھ کر شیخ کی خدمت میں بھیجا! ع

من زان توام تو زان من باش

شیخ زین الدین نے صدر الشریف سے کہا اگر سلطان محمد شاہ غازی شریعت محمدی کا احترام کرے، ممالک محروسہ میں شراب خانوں کو بند کر دے اور قضاات و صدور کو حکم دے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کے لیے کوشاں ہوں تو بادشاہ کا زین الدین فقیر سے زیادہ کوئی دوست نہ ہوگا۔ ساتھ ہی یہ رباعی پڑھی:

تا من بزیم بجز نیکوئی نہ کنم جز نیک دلی و نیک خوئی نہ کنم

آنہا کہ بجائے مابدیہا کروند تا دست رسد بجز نیکوئی نہ کنم

بادشاہ کو اپنے بارے میں جب شیخ کے ان خیالات کی اطلاع ہوئی اور لفظ ”غازی“ کا پتا چلا جو شیخ نے اس کے نام کے ساتھ استعمال کیا تھا تو بہت خوش ہوا، اسے نیک شگون سمجھا اور حکم دیا کہ اس کے نام کے ساتھ آئندہ یہ لفظ لاحق کیا جائے۔ پھر فوری طور پر گلبرگہ گیا جو اس کا دار الحکومت تھا، وہاں جا کر حکم جاری کیا کہ شراب کی تمام

دکانیں جو مالک محروسہ میں کھلی ہوئی ہیں، بند کر دی جائیں اور ہر معاملے میں شرع محمدی کا نفاذ عمل میں لایا جائے۔ اس کے بعد اس نے شیخ سے باقاعدہ سلسلہ مراسلت شروع کر دیا اور ان کے حلقہ عقیدت میں داخل ہو گیا۔ شیخ بھی اس کے خطوط کا جواب دیتے اور اس کے لیے دعا فرماتے۔

سلطان محمد شاہ بہمنی کا فوجی اور عسکری نظام بہت اچھا تھا اور یہ دکن کا مجاہد و غازی بادشاہ تھا۔ اس نے کافروں کے ساتھ کئی جنگیں لڑیں اور کامیاب رہا۔ نواح دکن کے ہندو حکمران اس کا اصل ہدف تھے۔

### علماء کی قدر و منزلت:

سلطان علمائے کرام کا بہت قدر دان تھا۔ امور سلطنت کے بارے میں ان سے مشورے کرتا اور ان پر عمل پیرا ہوتا۔ اس کے زمانے میں مندرجہ ذیل علماء و مشائخ دکن میں موجود تھے۔ ان میں سے بعض تو باقاعدہ رکن حکومت تھے اور بلند مناصب پر فائز تھے اور بعض تدریس و افتاء کی خدمات انجام دیتے تھے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

شیخ زین الدین دولت آبادی، شیخ محمد سراج جنیدی، مولانا عین الدین بیجار پوری، صدر الشریف سمر قندی، شیخ بہاء الدین انصاری مانڈوی، مولانا عبدالغنی صدر براڑ، مولانا نظام الدین برنی، مولانا غوث الدین سمانوی، مولانا حکیم ظہیر الدین تبریزی، مولانا نجم الدین مفتی براڑ، مولانا سید ابراہیم سندھی اور مولانا سید یحییٰ سندھی۔

### وفات:

آخر عمر میں سلطان نے لشکر کشی کا سلسلہ بند کر دیا تھا اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا تھا۔ اس نے ۹ ذی القعدہ ۷۷۶ھ (۱۲ اپریل ۱۳۷۵ء) کو وفات پائی۔ سترہ سال نو مہینے پانچ روز حکومت کی۔ اس کی عمر پینتالیس سال بنتی ہے ①۔

### سلطان مجاہد شاہ بہمنی:

سلطان محمد شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مجاہد شاہ بہمنی وارث تخت بنا۔ یہ شجاع، دانشمند، عاقل اور پروردین دار علماء کا قدر دان اور علم دوست بادشاہ تھا۔ اس کا نام بھی مجاہد تھا اور عملاً بھی مجاہد تھا۔ اس نے مخالفین اسلام کے ساتھ نہ صرف جنگیں لڑیں اور انہیں شکست دی بلکہ ان کے بت مسمار کیے اور دکن اور اس کے گرد و نواح میں اسلام کو پھیلانے اور مسلمانوں کا وقار بلند کرنے کی کوشش کی۔ مجاہد شاہ کو اس کے چچا داؤد بن سلطان علاء الدین حسن

① مفصل حالات کے لیے دیکھیے تاریخ فرشتہ ج ۱، ذکر سلاطین بہمنیہ ص ۴۳۳ تا ۴۵۵۔ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن ص ۲۲۰

بہمنی نے قتل کر دیا تھا۔ یہ حادثہ ۷۷۹ھ (۱۶/اپریل ۱۳۷۸ء) کو رونما ہوا۔ مجاہد شاہ کی مدت سلطنت تین سال ایک مہینا آٹھ دن ہے۔ عین عالم جوانی میں صرف بائیس سال کی عمر میں اس دنیائے دوں سے رخصت ہو گیا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔

### داؤد شاہ بن حسن شاہ بہمنی :

اپنے برادر زادہ سلطان مجاہد شاہ کو قتل کر کے داؤد شاہ بن سلطان علاء الدین حسن شاہ بہمنی نے اس کی جگہ لی۔ داؤد شاہ کی تخت نشینی کے موقع پر بہمنی خاندان اور امرائے سلطنت میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ ایک گروہ اس کی تخت نشینی کا حامی تھا، ایک سخت مخالف اور ایک اعتدال پسند اور صلح جو تھا۔ مجاہد شاہ کی بہن جس کا نام روح پرور تھا، داؤد شاہ کی شدید مخالف تھی اور خاندان بہمنیہ میں یہ خاتون بڑے اثر و رسوخ کی مالک تھی۔ یہ اپنے نوجوان اور لائق بھائی کے قتل پر بدرجہ غایت حزن و ملال میں مبتلا تھی اور داؤد شاہ سے اس کا انتقام لینے کے درپے تھی۔ اس کی رائے یہ تھی کہ سلطنت کا وارث قاتل کو نہ بنایا جائے۔ بلکہ سلطان علاء الدین حسن شاہ بہمنی کے چھوٹے بیٹے محمود شاہ کو بنایا جائے۔ اس میں تو وہ کامیاب نہ ہو سکی مگر اس نے داؤد شاہ کو بہت جلد قتل کر دیا اور چند روز میں بھائی کے قتل کا بدلہ لے لیا۔ داؤد شاہ کو ۲۱ محرم ۷۸۰ھ (۲۰ مئی ۱۳۷۸ء) کو اس وقت قتل کیا گیا جب کہ وہ جامع مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا اور حالت سجدہ میں تھا۔ اس کو مجاہد شاہ کی بہن روح پرور نے باگہ نامی ایک شخص سے قتل کرایا تھا جو کہ داؤد شاہ کے مصاحبوں میں سے تھا..... داؤد شاہ نے صرف ایک مہینا پچیس دن حکومت کی۔ کہتے ہیں یہ دلیر اور بہتر اوصاف کا حامل سلطان تھا۔ آثار بتاتے ہیں کہ اگر اسے موقع ملتا تو امور مملکت کو عمدہ طریقے سے چلاتا۔

### محمود شاہ بہمنی :

داؤد شاہ نے اپنے قتل کے بعد چھوٹے بھائی محمود شاہ کے لیے تخت حکومت خالی کیا۔ اس کے ارکان حکومت میں علمائے دین بھی شامل تھے جن میں وکیل السلطنت ملک سیف الدین غوری، مشہور فاضل و مصنف علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد میر فضل اللہ انجو اور ملا محمد قاسم مشہدی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اس کے حالات زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے دین اور اولیا و مشائخ کی عزت اس کے دل میں جاگزیں تھی اور اہم معاملات ملکی کو ملک سیف الدین غوری کے مشورے سے انجام دیتا تھا۔ جو وکیل السلطنت کے منصب پر فائز تھے اور عالم دین، عقل و فہم کی دولت سے مالا مال رعایا کے خیر خواہ اور متدین بزرگ تھے۔ محمود شاہ کے تذکرے میں مورخین لکھتے ہیں کہ وہ سلیم النفس، خوش اخلاق، شرع محمدی کا پابند، حلیم الطبع، منصف مزاج، رعایا پرور اور مسائل دینیہ سے دلچسپی رکھنے والا بادشاہ تھا۔

فقہی مسائل پر نظر:

عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی طرف وہ بہت توجہ دیتا تھا۔ قاضی، محتسب اور صدر عدالت احکامِ شرع کے اجرا میں تاخیر نہ کرتے تھے اور معاملات دینیہ کے اجرا میں کسی نوع کا توقف نہ ہوتا تھا۔ خود بادشاہ گاہے گاہے عدالت میں جاتا مدعی اور مدعا علیہ کے اظہارات اور شہادات سے مطلع ہوتا، قاضی کے فیصلے غور سے سنتا اور اس کو خالص شرعی فقہی نقطہ نظر سے ہدفِ فکر ٹھہراتا۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔

ایک عورت ارتکابِ زنا کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ وہ بیک وقت چار آدمیوں سے تعلق رکھتی تھی۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوا تو قاضی کے سوال کرنے پر اس نے بتایا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ فعل حرام ہے۔ میرا گمان تھا کہ جس طرح ایک مرد چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اسی طرح ایک عورت کو بھی شرعاً بیک وقت چار مردوں کے عقد میں رہنے کے اجازت ہوگی۔ میں اس غلط فہمی اور شبہ کی وجہ سے اس فعل کا ارتکاب کرتی رہی۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ حرام ہے میری پچھلی خطا معاف کی جائے آئندہ کبھی اس کی مرتکب نہ ہوں گی۔ قاضی، عورت کی یہ بات سن کر متحیر ہوا اور سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ سلطان محمود شاہ نے قاضی کو پریشان دیکھا تو بولا:

الحدود تندراء بالشبهات

شبهات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔

لہذا عورت کو رہا کر دینا چاہیے۔ چنانچہ قاضی نے اس عورت کو بری کر دیا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ تعجب ہے ایک مسلمان عورت جو مسلمان حکومت میں رہ رہی ہے اتنی بنیادی اور ضروری بات سے بھی واقف نہیں کہ عورت بیک وقت چار مردوں سے شادی نہیں کر سکتی؟ بات یہ ہے کہ ملک ہند کے کئی سو سال پیشتر کے دور کو اس دور پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ پورا علاقہ غیر مسلموں سے بھرا ہوا تھا، نہ تعلیم عام تھی، نہ اخلاق و کردار کو سنوارنے اور اسلام کے سانچوں میں ڈھالنے کی کوئی ہمہ گیر اور موثر صورت کسی کے سامنے تھی۔ اس ماحول میں اگر دور دراز کے کسی علاقے کی کوئی عورت غلط فہمی کا شکار ہو جاتی ہے تو کون سی تعجب کی بات ہے۔ سلطان یا قاضی کا فرض تھا کہ معاملے کے تمام گوشوں کو سامنے رکھتے اور سزا کے بجائے عفو کے پہلو کو ترجیح دیتے اور یہی ہوا۔

شعر و شاعری:

سلطان محمود شاہ بہمنی، دکن کا وہ بادشاہ تھا جو علوم متداولہ کا عالم اور عربی و فارسی کا ماہر تھا۔ اہل زبان کے ساتھ دونوں زبانوں میں بے تکلفی سے اسی لب و لہجہ میں گفتگو کرتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ شاعر بھی تھا، اس کے یہ شعر تذکروں میں مرقوم ہیں:

آنجا کہ لطف دوست دہد منصب مراد بخت سیاہ و طالع میمون برابر است

☆☆☆

عاقبت در سینہ کار خون فاسدی کنند رخصتے اے دل کہ از الماس نشتر می خورم  
خضر پر سو دست در بیج متاع عاقبت می روم این جنس را از جائے دیگر می خرم  
محمود شاہ بہمنی عربی لہجے میں دلکش آواز میں قرآن مجید پڑھتا تھا۔

### حافظ شیرازی کا قصد ہند:

محمود شاہ بہمنی کی قدر دانی، علما اور علم دوستی کے چرچے اتنے عام ہوئے کہ عرب و عجم تک پہنچ گئے اور علما و فضلا دکن کا رخ کرنے لگے۔ ان حضرات میں حافظ شیرازی کا نام بھی تاریخ میں مرقوم ہے۔ حافظ نے دکن کا قصد کیا، لیکن بعض ایسے موانع پیش آئے کہ وہ ہندوستان نہ آسکا۔ اس کا پتا ایک رکن حکومت فضل اللہ انجو کو چلا تو اس نے حافظ کو زادراہ بھیجا اور تشریف لانے کی درخواست کی۔ حافظ نہایت خوش ہوا، سامان سفر تیار کیا، فضل اللہ انجو کی طرف سے موصولہ رقم میں سے کچھ رقم اپنے بھانجوں کو دی، کچھ بیواؤں میں تقسیم کی اور کچھ قرض خواہوں کے حوالے کی اور ہندوستان کو روانہ ہو گیا۔ راستے میں ایک دوست ملا، جس کا سامان ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تھا، اس کی داستان سنی تو بقیہ رقم ازراہ ہمدردی اسے دے دی اور خود خالی ہاتھ ہو گیا۔ اتفاق سے خواجہ زین العابدین ہمدانی اور خواجہ محمد گازی سے ملاقات ہوئی تو ان کو سارا واقعہ سنایا۔ انہوں نے اخراجات کی ذمہ داری خود قبول کی اور ہندوستان کو چل پڑے۔ اب ایک مقام پر محمود شاہی کشتی میں سوار ہوئے تو طوفانی ہوائیں چلنے لگیں اور دریا کی موجوں نے ایک دوسرے سے ٹکرانا شروع کیا۔ حافظ اس سے گھبرا کر اور خوف زدہ ہو کر بعض احباب کو ملنے کے بہانے کشتی سے اتر گیا۔ ایک غزل فضل اللہ انجو کے نام لکھ بھیجی اور خود واپس شیرازی کی راہ لی۔ غزل یہ ہے:

مے باغم بہر بردن جہان یکسر نمی ارزد بے فروش دلق ماگزین بہتر نمی ارزد  
بکوائے می فرو شانش بجای بر نمی گیرند زہے سجادہ تقویٰ کہ یک ساغر نمی ارزد  
رقیم سرزنش ہا کرد کز پیں خاک در بگزر چہ افتاد این سرمارا کہ خاک در نمی ارزد  
بے آسان می نمود اول غم دریا بوائے زر غلط کردم کہ یک موجش بصد من زرا نمی ارزد  
شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان درد در جست کلاہ دل کش ست اما بہ تبرک سر نمی ارزد  
چو حافظ در قناعت کوش و از دنیاے دوں بگزر کہ یک جو منت دو نان جہان یکسر نمی ارزد

میر فضل اللہ انجو کو یہ غزل پہنچی تو اس نے سلطان محمود شاہ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ اس کو حافظ کے دکن نہ آنے کا سخت افسوس ہوا اور ملا محمد مشہدی کو جو فضلاء عصر میں سے تھے، اچھی خاصی رقم اور بہت سے تحائف دے کر حافظ کے پاس شیراز بھیجا۔

## فقہا و محدثین کا احترام:

بہر حال محمود شاہ بہمنی، محدثین و واعظین، علمائے کرام اور شعرائے نام دار کا بہت خیال رکھتا تھا۔ ان کی مدد کرتا، ان سے دینی و مذہبی مسائل پوچھتا اور درخواست کرتا کہ وہ اس کو اوامر و نواہی کی تعلیم دیتے رہیں۔ وہ نماز روزے کا پابند تھا اور علماء و فضلاء سے مجالست رکھتا تھا۔ جس مجلس میں مسائل دینیہ اور احادیث نبویہ (ﷺ) کا تذکرہ ہوتا اس میں دیر تک بیٹھتا۔ علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد مولانا فضل اللہ انجو، مولانا محمد بدخشان، مولانا محمد قائم مشہدی، مولانا محمد اسحاق سرہندی اور مولانا احمد قزوینی سے تو وہ بہت ہی متاثر تھا اور ان سے اکثر مسائل شرعی دریافت کرتا۔ ملکی معاملات میں بھی یہ اس کے مشیر تھے اور ان کے مخلصانہ مشوروں کو وہ بڑی اہمیت دیتا تھا۔

## وفات:

محمود شاہ بہمنی نے ۷۹۹ھ (۱۳۹۷ء) کے آخر میں وفات پائی۔ انیس سال، نو ماہ، چوبیس روز حکومت کی ①۔

## سلطان فیروز شاہ بہمنی:

محمود شاہ کی وفات کے بعد جو قابل ذکر بادشاہ دکن کا وارث تاج و تخت بنا اس کو تاریخ ابوالمظفر غازی فیروز شاہ بہمنی کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اس نے یکم ربیع الاول ۸۰۰ھ (۲۲ نومبر ۱۳۹۷ء) کو زمام حکومت ہاتھ میں لی۔ اس کے ارکان سلطنت میں علماء و فقہا بھی شامل تھے جن میں مولانا امیر فضل اللہ انجو شیرازی، مولانا لطف اللہ سبزواری، میر فضل اللہ انجو کے داماد مولانا تقی الدین، مولانا غیاث الدین بن مولانا فضل اللہ انجو، مولانا محمد اسحاق سرہندی، مولانا داؤد بیدری، مولانا حسن گیلانی، مولانا سید محمد گارونی، محمد منہاج جنیدی، شاہ کمال کشمیری اور سید محمد بن مولانا عین الدین بیجاپوری خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔

یہ بادشاہ بہت سی خوبیوں کا مالک تھا۔ ہر روز قرآن مجید کا ایک حصہ کتابت کرتا۔ جب پورے قرآن مجید کی کتابت ہو جاتی تو اسے لوگوں کی تلاوت کی غرض سے مسجد کے لیے وقف کر دیتا۔ علماء و فقہا سے بے حد تعلق رکھتا تھا۔ عالم دین، نماز روزے کا سخت پابند، علماء کا بے حد قدردان، اولیا و مشائخ کی صحبت کا انتہائی مشتاق، قرآن مجید کی باقاعدہ تلاوت کرنے والا، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ رنگ راگ اور مے نوشی کا بھی عادی تھا۔ کہا کرتا تھا کہ مجھ میں یہ دو ایسی برائیاں پائی جاتی ہیں جو نہایت افسوس ناک ہیں اور میں ان کی وجہ سے اللہ سے بے حد خوف زدہ ہوں اور بہت توبہ و استغفار کرتا ہوں۔

① تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۳۶۴ تا ۳۶۹۔ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن ص ۳۹۶ تا ۴۱۵



## لوگوں سے ربط و تعلق:

وہ رعایا کے ہر فرد سے تعلق و ربط رکھنے اور گفتگو میں بے تکلف ہو جانے کا عادی تھا۔ ہر شخص سے کہتا تھا کہ جب میں امور بادشاہت اور معاملات عدالت سے فارغ ہو جاؤں تو تمہارے ہی جیسا ایک فرد ہوں، مجھ سے کسی قسم کے حجاب اور تکلف کی ضرورت نہیں۔ نہ میں حاکم ہوں اور نہ تم محکوم ہو۔ مجھ سے اسی طرح بات کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ بس اتنا خیال رہے کہ کسی کی بدگوئی اور غیبت نہیں ہونی چاہیے۔ وہ غیبت اور بدگوئی کو سخت برا سمجھتا تھا۔ اس کے اس بے تکلفانہ انداز گفتگو اور میل جول سے بعض امراء سلطنت کو اس سے شکایت بھی تھی اور وہ اس کو اس سے روکتے بھی تھے، مگر وہ اپنی روش پر قائم تھا۔

ایک زمانے میں وہ عورتوں کا بہت رسیا ہو گیا تھا اور اس باب میں اس نے علما سے گفتگو بھی کی اور متعہ کا مسئلہ بھی سامنے آیا۔ اس کے عہد میں سلطنت بہمنیہ کی فتوحات کا دائرہ دور تک پھیل گیا تھا اور اس نے بہت وسعت اختیار کر لی تھی۔ وہ منکرین اسلام اور کفار کا شدید دشمن تھا۔ اس نے کفار کے ساتھ چوبیس جنگیں لڑیں، ان کو ہزیمت دی اور ہندوستان میں ان کی طاقت کو کمزور کیا۔ اس کے دربار میں علما و فضلا کی بڑی جماعت موجود تھی اور وہ ان کے مشوروں پر عمل پیرا ہوتا تھا۔ وہ علوم حکمیہ اور دیگر علوم میں سے اپنے تمام معاصرین سے فوقیت لے گیا تھا اور مولانا فضل اللہ بن فیض اللہ شیرازی کا شاگرد تھا۔ اس نے علوم دینیہ باقاعدہ پڑھے تھے اور بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گیا تھا۔ سربج الادراک اور قوی الحافظہ حکمران تھا۔

## درس و تدریس:

وہ علما کی مجلس میں طالب علم کی حیثیت سے بیٹھتا اور ان سے استفادہ کرتا۔ طلبا میں مدرس بن کر جاتا اور انہیں مختلف درسی کتابوں کا درس دیتا۔ وہ اگرچہ گونا گوں مہمات ملکی کی وجہ سے نہایت مصروف بادشاہ تھا، تاہم ہفتے میں تین دن ہفتہ اتوار اور بدھ کو طلبا کی مجلس میں جاتا اور تدریس کے فرائض انجام دیتا۔ ان کو باقاعدہ زاہدی شرح تذکرہ مقاصد، تحریر اقلیدس اور مطول پڑھاتا اور یہ کتابیں جن موضوعات و عنوانات پر مشتمل ہیں ان میں پوری تیاری کر کے مسند درس پر بیٹھتا اور طلبا سے مخاطب ہوتا۔

درس و تدریس اور اشاعت علوم کا اسے بہت شوق تھا۔ اس میں ایک بڑی سلطنت کا خود مختار اور مطلق العنان بادشاہ ہونے کے باوصف یہ خوبی تھی کہ درویشوں میں درویش، صوفیا میں صوفی، فقرا میں فقیر، طلبا میں طالب علم، دوستوں میں دوست اور علما میں عالم تھا۔ علاوہ ازیں فاتح، کشور کشا، مدبر، معاملہ فہم اور جرات مند حکمران تھا اور بہت سے معاملات میں سب سے ممتاز۔

## کتب خانہ:

سلاطین بہمنیہ کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ فیروز شاہ علم دوست حکمران تھا لہذا یہ اور بھی جمع کتب کے لیے کوشاں رہتا۔ اس کے عہد میں عرب و عجم سے بہت سی نادر کتابیں منگوائی گئیں اور شاہی کتب خانے میں رکھی گئیں؛ جس کی وجہ سے یہ ایک بہترین کتب خانہ بن گیا تھا۔ پھر جیسے جیسے سلطنت بہمنیہ میں زوال آتا گیا، یہ کتب خانہ ختم ہوتا گیا۔ اس ضمن میں محبوب الوطن کا مصنف رقم طراز ہے کہ سلاطین بہمنیہ کے کتب خانے میں ایک ایسا قرآن مجید تھا جو نہایت خوش خط، مطلقاً و مذہب اور زرافشانی کاغذ پر لکھا ہوا تھا۔ یہ قرآن مجید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ کا مکتوبہ تھا۔ سلطنت بہمنیہ کے انقراض کے بعد یہ قرآن مجید فتح اللہ عماد الملک صوبہ برار کے ہاتھ آیا اور برار کے قلعہ گاویل گڑھ میں رکھا گیا۔ ربیع الثانی کے مہینے میں لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے۔ عماد شاہی سلطنت ختم ہونے کے بعد بھی یہ قرآن وہیں رہا۔ جب گاویل گڑھ کا قلعہ مرہٹوں کے قبضے میں آیا تو مرہٹوں نے بھی اسے ضائع نہیں کیا بلکہ جہاں تھا وہیں پڑا رہا۔ آخر یہ قرآن نواب صلابت خاں صوبہ دار برار ملازم سرکار نظام (دکن) کے قبضے میں آیا۔ پھر نواب ابوالخیر خاں شمس الامرا کو معلوم ہوا تو وہ اس کو ایلچ پور لے گیا۔ مصنف محبوب الوطن کا کہنا ہے کہ وہ قرآن مجید اب تک ان کے کتب خانے میں موجود ہے ①۔

اسی طرح مصنف محبوب الوطن کا بیان ہے کہ سیبویہ کی الکتاب جو کتب خانہ بہمنیہ کی ملکیت تھی، خود اس نے لاہور میں سردار ٹھا کر سنگھ سندھا والے کے پاس دیکھی۔ اس نے یہ کتاب حاصل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ سردار ٹھا کر سنگھ کسی صورت میں بھی یہ کتاب اس کو دینے پر رضامند نہ ہوا ②۔

## کیا مملکت کو ورثا میں تقسیم کرنا جائز ہے؟

سلطان فیروز شاہ بہمنی ہر پنجشنبہ کی رات کو ایک خاص مجلس علمی منعقد کیا کرتا تھا؛ جس میں تمام علما شریک ہوتے اور مختلف مسائل زیر بحث آتے۔ بادشاہ اس میں خود بھی حصہ لیتا۔ ہر مسئلے میں اپنے دلائل بیان کرتا اور دوسروں کے دلائل سنتا۔ اگر علمی اعتبار سے اس کا موقف کمزور ہوتا تو خاموش ہو جاتا اور بلا جھجک دوسرے کی بات مان لیتا۔

ایک مرتبہ اس نے علما سے ایک فقہی سوال کیا کہ کیا مملکت، فرائض و وراثت کے دائرے میں داخل ہے؟ اس پر ملکیت کا اطلاق ہوتا ہے؟ اور سلاطین کی اولاد میں اسے بطور وراثت تقسیم کرنا جائز ہے؟ ملا محمد گارونی اور ملا احمد قزوینی نے جواب دیا کہ مملکت کو ورثا میں تقسیم کرنا جائز نہیں اور اسے ملکیت

① محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن، ص ۲۲۴، ۲۲۵

② محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن، ص ۲۲۶۔

قرار دینا خلاف شرع ہے اس لیے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مال و متاع کا اطلاق مملکت پر نہیں کیا اور تقسیم میراث مال و متاع ہی میں ہوتی ہے۔ انھوں نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دلیل دیتے ہوئے کہا کہ ممالک کو ورثا میں تقسیم کرنا اس لیے بھی ناجائز ہے کہ اس سے مملکت میں ضعف آجاتا ہے اور وہ تھوڑے ہی عرصے میں منقرض ہو جاتی ہے۔ بعض دیگر علما نے کہا کہ ورثا میں مملکت و ممالک کی تقسیم کا مسئلہ مختلف فیہ ہے لیکن عدم جواز کا پہلے مرعج ہے۔

اسی طرح جاگیر کا مسئلہ بھی سامنے آیا اور علما نے کہا کہ اس کی تقسیم کے بارے میں علما کے مختلف اقوال ہیں مگر معتمد علیہ قول یہ ہے کہ جاگیر کی زمین تو تقسیم نہیں کی جائے گی البتہ اس سے جو آمدنی ہوگی اسے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس ضمن میں مملکت اور جاگیر میں فرق یہ ہے کہ مملکت اور اس کی آمدنی میں تقسیم جائز نہیں ہے۔ باقی رہی جاگیر تو اس کی زمین کی تقسیم تو جائز نہیں مگر اس کی آمدنی کو وارثوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ جاگیر عطیہ سلطانی ہے۔ یہ سلاطین نے معطیٰ لہ کو اس غرض سے عطا کی ہے کہ وہ جاگیر کی آمدنی کو اپنی ضروریات پر صرف کرے اور جاگیر میں مالکانہ حق رکھے۔ اگر ورثا جاگیر کی زمین آپس میں تقسیم کر لیں گے تو اس میں کمزوری واقع ہو جائے گی اور پھر تقسیم در تقسیم کا دائرہ اس درجہ وسیع ہوگا کہ چند ہی روز میں اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ عطیہ جاگیر سے ایک غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ جاگیر مورث اعلیٰ کی اولاد میں ہمیشہ تک نسلًا بعد نسل قائم رہے، لیکن تقسیم کی صورت میں یہ غرض فوت ہو جاتی ہے۔ بادشاہ علماء کا یہ جواب سن کر خاموش ہو گیا ①۔

اندازہ کیجئے، مملکت کو ورثا میں بطور وراثت تقسیم کرنے کے بارے میں علما نے عدم جواز کا جو موقف اختیار کیا وہ صدیوں پیشتر کے مطلق العنانی کے دور میں ایک خود مختار بادشاہ کی مجلس میں کس درجے ان کی حق بیانی پر دلالت کناں ہے۔ علما دراصل بادشاہ کو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مملکت ایک فرد کی ملکیت نہیں ہے کہ وہ اس کا وارث بن جائے اور پھر اسے اپنی اولاد میں تقسیم کرنا شروع کر دے۔ یہ تمام باشندگان ملک کی دولت ہے اور وہی اس کے حق دار ہیں۔ اسے تو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ تقسیم کا عمل جاری کر کے اس کو کمزور کرنے کی۔

رہا جاگیر کے مسئلے میں ان کا نقطہ فکر، تو اس زمانے میں اس کا یہی جواب ہو سکتا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جاگیر داری اور زمینداری وغیرہ کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سب خلاف اسلام ہے۔

### شفقت و رحم دلی:

فیروز شاہ ایک شفیق اور رحم دل حکمران تھا۔ اس کی شفقت و رحم دلی کے بعض واقعات تو اسے فقرا و صوفیا کے برابر جا کھڑا کرتے ہیں۔ اس سلسلے کے دو واقعے لائق مطالعہ ہیں۔

① ایک دن وہ درتپے میں بیٹھا سب آنے جانے والوں کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک فقیر پر نظر پڑی جو

ہاتھ میں کشلول پکڑے جا رہا تھا۔ بادشاہ نے فقیر کو بلایا اور دیکھا کہ کشلول میں جواری کی روٹی کے چند ریزے پڑے ہیں۔ دیکھ کر بہت افسردہ اور غم گین ہوا کہ میری رعایا آسودہ حال نہیں ہے اور ہر گھر میں جواری کی روٹی پکتی ہے، جبھی تو فقیر کے کشلول میں کوئی اور چیز دکھائی نہیں دیتی۔ فوراً حکم دیا کہ جواری کی کاشت کی بجائے گندم بویا جائے۔ ساتھ ہی فقیروں اور معذوروں کے لیے شہر کے محلوں اور کوچوں میں بہت سے لنگر خانے کھول دیئے، جن میں فقرا اور مستحقین کو روزانہ گیہوں کی روٹی اور حلوہ دیا جاتا تھا۔ کبھی حلوے کی بجائے گوشت ملتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورے دکن میں گندم کی کاشت ہونے لگی اور امراء کے ساتھ غربا و فقرا بھی آرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔ پھر ایک دن دیکھا کہ فقیروں کے توشہ دان حلوے اور کلچے سے معمور ہیں۔ بہت خوش ہوا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ رعایا کے فقیر بھی اچھا کھانا کھاتے ہیں۔

رات کو قصر شاہی پر چار ہزار سوار آٹھ ہزار پیادے اور چار سو ہاتھی حفاظت کے لیے متعین تھے جو تمام رات جاگتے رہتے تھے۔ سردی، گرمی، بارش ہر موسم میں ان کا یہی معمول تھا۔ ایک رات شدید سردی پڑ رہی تھی کہ بادشاہ کا جذبہ ترحم بیدار ہوا اور دل میں اس پر سخت افسوس کا اظہار کیا کہ مجھ اکیلے کے لیے کتنے لوگ مصیبت میں پھنسے ہیں اور شدید سرد رات میں باہر کھڑے پہرہ دے رہے ہیں۔ خوف خدا سے کانپ اٹھا اور سوچا کہ قیامت کے روز اگر اس جرم میں پکڑا گیا اور اس سنگ دلی کے بارے میں بارگاہ الہی سے سوال کیا گیا تو کوئی جواب بن نہ آئے گا اور نجات کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی۔ رات بے چینی سے گزری اور صبح کو اپنی حفاظت و صیانت کا سلسلہ ختم کر دیا۔

## تیمور کی خدمت میں سفارت:

۸۰۱ھ (۱۳۹۹ء) میں امیر ہندوستان آیا اور قتل و غارت کر کے واپس چلا گیا۔ بعد ازاں ۸۰۲ھ (۱۴۰۲ء) میں پھر یہ بات مشہور ہوئی کہ تیمور دوبارہ ہندوستان پر فوج کشی کر رہا ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ اس ملک کو فتح کر کے دہلی کی حکومت پر اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک کو متمکن کر دے گا اور باقی علاقہ خود بزور شمشیر مسخر و مفتوح کر لے گا۔

فیروز شاہ نے یہ خبر سنی تو ارکان مملکت کے مشورے سے اپنے وزرا میں سے میر تقی الدین محمد اور مولانا لطف اللہ سبزواری کو تحائف و ہدایا دے کر تیمور کے پاس بطور سفیر سمرقند بھیجا اور اس سے اپنے اخلاص و نیاز مندی کا اظہار کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ تیمور اس سے خوش ہو جائے اور اگر ہندوستان پر حملہ آور ہو تو اسے کچھ نہ کہے۔ چنانچہ یہ دونوں بزرگ جو گفتگو میں نہایت محتاط اور امور سلطنت کی انجام دہی میں بڑی فراست کے مالک تھے، تیمور کے پاس پہنچے اور فیروز شاہ کی طرف سے اس کو سلام و تحائف پیش کیے۔ اس سے وہ بہت خوش ہوا۔ یہ سفیر چھ مہینے اس کے پاس بطور مہمان رہے اور اس نے ان کی بڑی تعظیم کی۔ واپسی پر اس نے بھی فیروز شاہ کو تحائف ارسال کیے۔

فیروز شاہ فارسی کا شاعر بھی تھا۔ عروجی اور فیروزی تخلص کرتا تھا۔ تاریخ فرشتہ میں اس کی بعض غزلیں درج ہیں۔

سید محمد حسینی کے بارے میں فیروز شاہ کی رائے:

سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز دہلی سے گلبرکہ (دکن) گئے تو لوگوں میں مشہور ہوا کہ دہلی سے ایک بہت بڑے بزرگ تشریف لائے ہیں۔ فیروز شاہ جو بزرگانِ دین اور علمائے عظام سے ملاقات کا خواہاں رہتا تھا، فیروز آباد سے گلبرکہ آیا اور ارکانِ سلطنت اور شہزادوں کو ان کی خدمت میں بھیجا۔ خود بھی حاضر ہوا اور بڑے احترام سے پیش آیا۔ لیکن ان کے علم و فضل سے متاثر نہیں ہوا، صرف ان کو ایک صوفی اور نیک آدمی سمجھتا رہا۔

وفات:

فیروز شاہ بہمنی ۱۵ شوال ۸۲۵ھ (۱۲ اکتوبر ۱۴۲۲ء) کو اس جہانِ فانی سے عالمِ جادوئی کو سدھارا۔ پچیس سال سات مہینے پندرہ دن حکومت کی۔ بعض کے نزدیک پینسٹھ سال، بعض کے ستر سال اور بعض کے نزدیک بہتر (۷۲) سال عمر پائی ①۔

سلطان احمد شاہ بہمنی:

سلطان احمد بن داؤد بن حسن بہمنی اپنے بھائی سلطان فیروز شاہ کی زندگی ہی میں ۵ شوال ۸۲۵ھ (۲۲ ستمبر ۱۴۲۲ء) کو دکن کے تحت حکومت پر فائز ہو گیا تھا۔ اس کے ارکانِ حکومت میں بعض جید علماء بھی شامل تھے جن میں مولانا نجم الدین، شیخ حبیب اللہ جنیدی، مولانا عبدالغنی اور ملا شرف الدین بازندرانی قابل ذکر ہیں۔ یہ اپنے پیش رو کی طرح علماء و مشائخ کا عقیدت مند اور قدردان تھا۔ خوش اخلاق، بہادر، بلند کردار اور معاملہ فہم حکمران تھا۔ اس کی زندگی کے بعض واقعات ایسے ہیں جن کی وجہ سے یہ تمام بہمنی سلاطین سے ممتاز نظر آتا ہے۔

قبولیت دعا:

ایک مرتبہ دکن میں بارش نہ ہونے سے شدید قحط پڑا۔ ندی نالے بند اور نہریں اور تالاب خشک ہو گئے۔ نہ پانی میسر آتا تھا۔ نہ کہیں سے غلہ ملتا تھا۔ بادشاہ نے خزانے کا منہ کھول دیا۔ لوگوں کی بڑی مدد کی مگر حالات روز بروز بگڑتے چلے گئے۔ خود بادشاہ انتہائی پریشان تھا۔ اس نے گھبرا کر علماء و مشائخ کو نمازِ استسقا کے لیے بھیجا۔ مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ لوگ مزید مصیبت میں مبتلا ہو گئے اور احمد شاہ کی حکومت کو منحوس قرار دینے لگے۔ بادشاہ انتہائی پریشانی

① تفصیل کے لیے دیکھیے تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۲۷۳ تا ۲۹۵۔ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن، ص ۳۱۵ تا ۳۸۷۔

کے عالم میں ایک روز خود باہر نکلا۔ نمازِ استسقا کے لیے جنگل میں گیا۔ ایک بلند ٹیلے پر جا کھڑا ہوا۔ چند رکعت نماز ادا کی۔ نہایت عجز و انکسار سے زمین پر سر رکھ دیا۔ زار و قطار رونے لگا۔ انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ سے بارش کی دعا کی اور قحط سالی دور کرنے کے لیے ملتجی ہوا۔ تھوڑی دیر بعد آسمان پر بادل چھائے اور زور سے مینہ برسنے لگا۔ بادشاہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور سجدے میں پڑا رہا۔ کپڑے بارش سے تر ہو گئے۔ لوگ گھبرائے اور اس سے گھر جانے کی درخواست کی۔ بولا میں آبِ رحمت سے نہیں بھاگوں گا۔ لوگوں نے زور زور سے کہنا شروع کیا ”اے احمد شاہ ولی تیری ولایت معلوم ہو گئی۔ اب شہر کی طرف مراجعت کرتا کہ ہم بھی آرام کریں۔“ پھر گھر آیا اور اس وقت سے احمد شاہ ولی کے نام سے مشہور ہو گیا۔

مسلمانوں سے لڑائی نہ کی جائے۔ علمائے کرام کی رائے:

ایک مرتبہ والی مالوہ ہوشنگ شاہ نے کچھ ایسی حرکتیں کیں کہ احمد شاہ کو اس سے مقابلے کے لیے میدان میں نکلنا پڑا اور لڑائی کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا۔ مولانا عبدالغنی اور مولانا نجم الدین جو احمد شاہ کے ارکانِ سلطنت میں سے تھے اس صورتِ حال سے بے حد پریشان ہوئے اور احمد شاہ سے کہا کہ ہوشنگ شاہ بھی مسلمان ہے اور آپ بھی مسلمان ہیں۔ سلاطین بہمنیہ نے آج تک کسی مسلمان سے جنگ نہیں کی۔ اب آپ اپنے ایک غیر مسلم باجگزار نرسنگھ کی حمایت میں مسلمانوں سے جنگ کے لیے نکل کھڑے ہوئے ہیں یہ غلط بات ہے۔ احمد شاہ علمائے کرام کی اس گفتگو سے بہت متاثر ہوا اور فوج کو واپس جانے کا حکم دے دیا۔ لیکن ہوشنگ شاہ نے احمد شاہ کی اس مراجعت کو اس کی بزدلی پر محمول کیا اور اس کا تعاقب کرنے لگا۔ احمد شاہ نے تنگ آ کر علما کو جمع کیا اور کہا کہ اب مجبوراً لڑنا پڑے گا اور قرآن و حدیث کی رو سے عقاب و عذاب کا مستوجب وہی ٹھہرے گا جو عاصی و نافرمان ہوگا۔ چنانچہ لڑائی ہوئی اور ہوشنگ شاہ کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ فریقین کے بے شمار آدمی موت کے گھاٹ اتر گئے جس کا احمد شاہ کو انتہائی صدمہ ہوا۔ ہوشنگ شاہ کے اہل و عیال گرفتار ہوئے اور احمد شاہ نے ان کو عزت و احترام سے رکھا اور خلعت و انعام دے کر پورے اعزاز کے ساتھ واپس مالوہ بھیجا۔

احمد شاہ نیک اطوار اور راست باز حکمران تھا۔ وہ ہر ایک سے حسن اخلاق کے ساتھ پیش آتا اور فقر و مشائخ کی بے حد تکریم کرتا تھا۔

علامہ محمد بن ابوبکر مخزومی دماینی کا عزم دکن:

احمد شاہ کی علم دوستی اور اہل علم کی قدردانی کے واقعات سن کر بہت سے علما و فقہا دکن تشریف لے آئے تھے جن میں ایک عالم دین علامہ محمد بن ابوبکر مخزومی دماینی کا نام بھی کتب تاریخ میں مرقوم ہے۔ یہ وقت کے بہت بڑے ادیب اور عالم و فاضل بزرگ تھے۔ عرب سے گجرات آئے۔ وہاں کی علمی و ادبی محفلوں میں شریک ہوئے

اور مختلف علوم و فنون میں علمائے گجرات سے ان کی بحثیں ہوئیں۔ گجراتی علما ان کا مقابلہ نہ کر پاتے۔ ہر بحث میں یہ ان کو عاجز کر دیتے تھے۔ بالآخر انھوں نے ان کے علم و فضل کا لوہا مانا اور ان سے استفادہ کرنے لگے۔ علامہ محمد بن ابوبکر دامینی یوں تو تمام علوم کے ماہر تھے، لیکن نحو ادب اور عروض میں تو کوئی عالم اس وقت ان کی ٹکر کا نہ تھا۔ انھوں نے گجرات میں سلسلہ تدریس شروع کیا اور طلبائے علم وسیع تعداد میں ان کی خدمت میں حاضر ہونے اور استفادہ کرنے لگے۔ پھر گجرات میں دکن کے حکمران احمد شاہ بہمنی کی علم دوستی کی شہرت سنی تو دکن کا قصد کیا اور گلبرگہ پہنچے۔ احمد شاہ سے ملاقات ہوئی تو وہ بڑے اکرام سے پیش آیا۔ دکن میں انھوں نے نحو کی ایک کتاب 'وانی' کی جو علم نحو کی کتابوں میں متن متین کی حیثیت رکھتی ہے، شرح لکھی اور منہل الصافی شرح الوافی، اس کا نام رکھا۔ اس شرح کو انھوں نے سلطان احمد شاہ بہمنی کے نام معنون کیا۔ اس کے دیباچے میں حمد و ثنا کے بعد احمد شاہ کی تعریف کی گئی ہے۔ یہ کتاب کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد (دکن) میں موجود ہے ①۔

### احمد شاہی عہد کے علمائے کرام:

سلطان احمد شاہ بہمنی کے عہد میں بہت سے علمائے کرام نے دکن کو اپنا مسکن ٹھہرا لیا تھا۔ ان میں سے مولانا محمد گازی، ملا احمد قزوینی، میر ابوالقاسم جرجانی، علامہ محمد بن ابوبکر مخزومی، دامینی، مولانا عبدالغنی مانڈوی، مولانا نجم الدین، مولانا لطف اللہ سبزواری، مولانا محمد تقی الدین اور مولانا غیاث الدین انجو خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان علما میں سے بعض تو باقاعدہ رکن حکومت تھے اور بادشاہ ان کی بڑی تکریم کرتا تھا۔ وہ ان کی مجلسوں میں بیٹھتا، ان سے استفادہ کرتا، مسائل شرعی دریافت کرتا اور قرآن و حدیث کے احکام سنتا تھا۔

### زوال سلطنت کے اسباب..... ملا احمد قزوینی کی تقریر:

سلطان فیروز شاہ اور احمد شاہ ہمیشہ علما کی مجلس میں بیٹھتے اور مختلف ملکی معاملات سے متعلق ان کی رائے لیتے تھے۔ ایک دن ان دونوں نے دورِ ماضی کے سلاطین اسلام کی ترقی و تنزل کے اسباب کے بارے میں علما سے استفسار کیا تو ملا احمد قزوینی نے جو تبصرہ عالم اور فاضل بزرگ تھے، مجمع علما میں ان دونوں بہمنی سلاطین کے سامنے اس موضوع پر تقریر کی اور اس ضمن کے تیرہ اسباب کی وضاحت فرمائی جو اختصار کے ساتھ درج ذیل ہیں:

① انھوں نے بتایا کہ ابتدائے اسلام میں حکومت کی بنیاد امت کے معززین کی رائے اور مشورے پر قائم تھی۔ بادشاہ خادم اور رعیت مخدوم تھی، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: سید القوم خادمہم۔ خلافت راشدہ کے زمانے تک شورائی عمل جاری رہا۔ کسی فرد مسلم نے اس سے انکار نہیں کیا۔ خلافت راشدہ کے منقرض ہونے کے بعد جب سلطنت و امارت کا دور شروع ہوا تو شورائی

① محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن ص ۵۰۹

کی عمارت منہدم ہوگئی اور شخصی حکومت قائم ہوئی، جس میں بادشاہ مخدوم ٹھہرا اور رعیت خادم قرار پائی۔ ولی عہدی کا سلسلہ وجود میں آیا، تمام سلاطین اسی پر عمل کرتے رہے۔ اس سے شخصی طریق سلطنت کا رواج پڑ گیا۔ اس نے جہاں شورائی نظام کو ختم کیا، وہاں مسلمانوں کو بھی تباہ کر ڈالا۔ ان کی ترقی کی رفتار بالکل رک گئی اور اقبال، ادبار سے بدل گیا۔ یہ اسلامی سلطنت کے زوال کا پہلا سبب ہے۔

اس کے زوال کا دوسرا سبب، مسلمان حکومتوں میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہے۔ ایک ہی ملک اور ایک ہی علاقے میں کئی کئی حکومتیں قائم ہیں اور سب کمزوری اور ضعف کا شکار ہیں۔ سب ایک دوسرے کی دشمن ہیں اور باہم قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ اس سے اولاً سلطنت میں ضعف پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ سلاطین عیش و عشرت میں مصروف ہیں۔ وہ اپنے آپ کو مختار کل سمجھتے ہیں اور جو جی چاہے کرتے ہیں۔ کون ہے جو ان کو کسی معاملے میں ٹوکنے کی جرات کرے۔ حتیٰ کہ وزرا اور عمال حکومت بھی اپنے آپ کو بادشاہ تصور کرتے ہیں۔

چوتھا سبب آپس کی خانہ جنگی ہے۔ اس سے جہاں تاج دار بے تاج ہو جاتا ہے، وہاں رعایا بھی تباہ ہو جاتی ہے۔ ملک کے معززین ذلت کے گڑھے میں گر جاتے ہیں اور اکثر لوگ تو ترک وطن پر مجبور ہو جاتے ہیں اور در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔

پانچواں سبب کار پردازان حکومت کا باہمی اختلاف ہے۔ ایک فریق کوئی قدم اٹھاتا ہے تو دوسرا اس کی مخالفت پر اتر آتا ہے، جس سے سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

چھٹا سبب سلاطین کی خود غرضی اور خود پسندی ہے۔ اکثر سلاطین رعایا کے مفاد سے بے خبر ہیں اور من مانی کرتے ہیں۔ انھوں نے قانون کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے، جس بے گناہ کو چاہا قتل کر دیا، جس گناہ گار کو چاہا بری کر دیا۔ جسے جی چاہا اونچے سے اونچے منصب پر فائز کر دیا اور جسے چاہا الگ کر دیا۔ نہ کسی کا جرم دیکھا، نہ کسی کی نیکی کا خیال کیا۔ لیاقت اور نالائقی کو ناپنے کا ان کے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ بس ان کی مرضی اصل معیار ہے۔ اس سے حکومت کے ملازمین اور رعایا میں بددلی پھیلتی ہے اور یہ چیز عام طور پر انقراض سلطنت پر منتج ہوتی ہے۔

ساتواں سبب بے جا تعصب اور افراط و تفریط ہے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ نے روکا ہے اور اس کے مقابلے میں اعتدال کا سبق دیا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: خیر الامور او سطھا۔

آٹھواں سبب سلاطین کا اسلام کے اصولوں پر قائم نہ رہنا اور شعائر اسلامی کی پابندی نہ کرنا ہے۔ اصحاب فہم علما کے نزدیک زوال سلطنت کا یہ سب سے بڑا سبب ہے۔

نواں سبب سلطنت کے اعلیٰ مناصب پر جہلا کا تقرر ہے۔ اس سے سلطنت کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی



ہیں شاہی خزانہ خالی ہو جاتا ہے اور اخلاقِ حسنہ کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔

۱۰) دسواں سبب سلطنت کو موروٹی قرار دے لینا ہے جس کی وجہ سے بعض دفعہ شیر خوار بچوں کو بھی تخت پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں بادشاہت برائے نام رہ جاتی ہے اور اختیار و اقتدار کی باگ ڈور مختلف عہدے داروں کے ہاتھ میں آ جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ نظم سلطنت باقی رہتا ہے اور نہ کسی کا رعب و دبدبہ۔

۱۱) گیارہواں سبب سلاطین کے دل سے رعایا کے لیے اسلامی ہمدردی کا فقدان اور تالیفِ قلبی کا ترک کر دینا ہے۔ وہ رعایا کے ساتھ قساوتِ قلبی کا مظاہرہ کرتے اور اس پر ہر قسم کے ظلم روار کھتے ہیں۔ اس طرزِ عمل سے رعایا ان کی طرف سے بدظن ہو کر مخالفت پر اتر آتی ہے جس کا نتیجہ بالآخر سلطنت کا خاتمہ ہوتا ہے۔

۱۲) بارہواں سبب یہ ہے کہ غیر مذہب کے لوگ از روئے نفاق اسلام قبول کر کے مسلمانوں کا حصہ بن جاتے ہیں۔ پھر کسی طرح بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں اور ایسے اقدام کرتے ہیں کہ جس سے مسلمانوں میں فتنہ و فساد پھا ہو جاتا ہے۔ رعایا کئی حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ نتیجتاً سلطنت میں کمزوری کے آثار اُبھر آتے ہیں۔

۱۳) تیرہواں سبب سلاطین کا عیاشی میں پڑ جانا ان کی بیویوں کا بے راہ روی اختیار کر لینا اور ان کی اولاد کا مختلف نوع کی برائیوں کو اپنالینا ہے۔

زوالِ سلطنت کے یہ اسباب بتانے کے بعد ملا احمد قزوینی نے کہا: اے بادشاہ! جب تک سلطنت کے اصولِ جمہوری نہ ہوں گے، سلطنت کبھی قائم نہ رہ سکے گی۔ سلطنت کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اصول و قوانین جیسا کہ اسلام نے بتایا ہے جمہور کی آرا اور مجلس شوریٰ کے فیصلوں کے مطابق ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہو گا تو اس کا قائم رہنا اور مستحکم ہونا دشوار ہے۔ اگر قائم رہی اور چلی بھی تو اس کی عمر زیادہ نہیں ہو سکتی۔

زوالِ سلطنت کے یہ تیرہ اسباب ہم نے اختصار کے ساتھ درج کیے ہیں۔ اندازہ کیجیے اس مطلق العنانی کے زمانے میں ایک بادشاہ اور ایک ولی عہد کے سامنے ایک عالم دین بھری مجلس میں کس جرات اور دلیری کے ساتھ بات کرتا ہے اور کس انداز سے مسلمانوں کی سلطنت کے زوال کے اسباب کی وضاحت کرتا ہے۔

وفات:

سلطان احمد شاہ بہمنی نے ۲۸ رجب ۸۳۸ھ (۲۷ فروری ۱۴۳۵ء) کو اس دارِ فانی سے عالم بقا کو رحلت کی اور حکومت کے بارگراں سے سبک دوش ہوا۔ اس کی مدتِ فرماں روائی بارہ سال دو مہینے ہے ①۔

① مفصل حالات کے لیے دیکھیے تاریخ فرشتہ ج ۱، ص ۵۱۰ تا ۴۹۵۔ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن ص ۵۲۵ تا ۲۷۸۔

## سلطان علاء الدین بہمنی:

سلطان احمد شاہ بہمنی کی وفات کے بعد یکم شعبان ۸۳۸ھ (۲ مارچ ۱۴۳۵ء) کو اس کا بیٹا سلطان علاء الدین بہمنی دکن کی مسند حکومت پر فائز ہوا۔ یہ رفیق القلب، نرم خو، نیک سیرت، رحم دل، عدل گستر، رعایا پرور اور پاکیزہ سیرت بادشاہ تھا۔ تدین اور پابندی شرع میں یکتا تھا۔ سلطنت کے معاملات پر گہری نظر رکھتا تھا۔ ملکی نظم و نسق کو بہتر طریق سے قائم رکھنے اور مستحکم کرنے میں انتہائی مستعد تھا۔ اس کے ارکان سلطنت میں علما بھی شامل تھے جن میں ملا احمد قزوینی، مولانا عبدالغنی، قاضی محمد سراج، ملا محمد گارونی اور ملا ابوالقاسم جرجانی لائق تذکرہ ہیں۔

علاء الدین بہمنی نے جہان ملک کو عدل و انصاف سے بھر دینے اور رعایا کو خوش حال بنانے کی کوشش کی وہاں مملکت کو وسعت دینے اور تعلیم کو عام کرنے کے لیے بھی سعی ہوا۔

## حدود شرعیہ کا نفاذ اور عادات و اخلاق:

اس نے ممالک محروسہ کے ہر گاؤں اور قصبے میں قاضی، مفتی اور محتسب مقرر کیے اور انہیں سخت تاکید کی کہ شرعی احکام کے اجرا اور عوام کو منہیات سے روکنے میں تغافل نہ کریں۔ ملک میں شراب کی بالکل ممانعت تھی۔ اگر کوئی شراب نوشی کے جرم کا مرتکب ہوتا تو اسے شرعی سزا دی جاتی۔ اس معاملے میں وہ کسی کی رعایت نہ کرتا۔ تاریخ فرشتہ کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ سید محمد حسینی گیسو دراز کے پوتے نے ایک فاحشہ عورت کے ساتھ شراب پی، اسے زد و کوب کیا اور اس کی چٹیا کاٹ دی، کو تو ال نے اسے پکڑ کر بادشاہ کو اطلاع دی تو بادشاہ نے اس کے پاؤں پر دو سو کوڑے مارے اور فاحشہ کو گدھے کی کھال اوڑھا کر تشہیر کیا اور پھر شہر بدر کر دیا۔

نہایت انصاف پسند بادشاہ تھا، ظلم کو کسی شکل میں برداشت نہ کرتا۔ ظالموں کو شدید سزائیں دیتا۔ معدلت گستری میں وہ امیر و غریب اور چھوٹے بڑے کے درمیان کسی امتیاز کا روادار نہ تھا۔ قمار بازوں اور بد معاشوں کا شدید دشمن تھا۔ در یوزہ گروں اور گدا گروں کو کسب معاش کی تاکید کرتا اور بھیک مانگنے سے سختی سے روکتا، ان کو محنت مزدوری سے کما کر کھانے کا حکم دیتا۔

مشائخ و علماء کو حکم تھا کہ وہ لوگوں کو منہیات سے روکیں، انہیں اسلامی آداب و اخلاق کی تعلیم دیں اور صراط مستقیم پر قائم رہنے کی تاکید کریں۔ اس نے ملک کے ہر حصے میں شفا خانے قائم کیے اور لوگوں کے علاج کے لیے ان میں نخواہ دار اطبا مقرر کیے۔ علوم و فنون کو عام کرنے کی غرض سے دارالعلوم جاری کیے، جن میں ملک کے مختلف حصوں کے طلباء حصول علم کے لیے آتے تھے۔

## ایک واقعہ:

سلطان علاء الدین کا معمول تھا کہ وہ نماز کے لیے مسجد جاتا۔ جمعہ اور عیدین کی نمازیں بھی مسجد میں ادا

کرتا، کبھی کبھی خود بھی خطبہ دیتا تھا۔ عربی اور فارسی کا عالم تھا اور اچھی تقریر کرتا تھا۔ جمعہ اور عید کے خطبے میں وہ اپنا نام ان الفاظ کے ساتھ لیتا۔

السلطان العادل الکریم الحکیم الرؤف علی عبادہ اللہ الغنی علاء  
الدنیا والدین علاء الدین بن اعظم السلاطین احمد شاہ ولی بہمنی۔  
ایک مرتبہ جمعے کے روز ایک عرب تاجر جامع مسجد میں آیا۔ اس نے اپنے گھوڑے بادشاہ کے وزرا کے  
ہاتھ فروخت کیے تھے۔ لیکن وزرا اسے رقم ادا کرنے میں حیلے بہانوں سے کام لے رہے تھے۔ عرب تاجر ان کے  
اس رویے سے تنگ آ گیا تھا۔ وہ جمعہ کے روز منبر کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ اس بات سے آگاہ تھا کہ بادشاہ نے کسی  
وجہ سے بعض سادات کو قتل کیا ہے۔ جب بادشاہ نے حسب معمول یہ الفاظ کہے:

السلطان العادل الکریم الحکیم الرؤف علی عباد اللہ الغنی علاء  
الدنیا والدین علاء الدین بن اعظم السلاطین احمد شاہ ولی بہمنی  
تو وہ عرب تاجر اپنی جگہ سے اٹھ کر بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے بولا:  
لا واللہ لا عادل ولا کریم ولا رحیم ولا رؤف ایہا الظالم الکذاب  
تقتل الذریۃ الطاہرۃ وتتکلم بهذا الکلمات علی منابر المسلمین۔  
یعنی خدا کی قسم! اے ظالم و دروغ گو نہ تو عادل ہے نہ کریم ہے نہ بردبار اور مہربان ہے۔  
اولادِ طاہرہ یعنی سادات کو قتل کرتا ہے اور مسلمانوں کے منبروں پر کھڑا ہو کر اس قسم کے کلمات  
زبان سے نکالتا ہے جو خلاف واقع ہیں۔

بادشاہ پر عرب تاجر کا یہ کلام نہایت موثر ثابت ہوا۔ بہت رویا اسی وقت گھوڑوں کی قیمت ادا کر دی اور کہا  
جن لوگوں نے مجھ کو بدنام کیا ہے وہ لوگ خدا کے غضب سے رہائی نہیں پائیں گے۔ مسجد سے آ کر محل میں داخل ہوا  
پھر تادم مرگ گھر سے باہر قدم نہیں رکھا۔ اس کا جنازہ ہی باہر نکلا۔ ۸۶۲ھ (۱۴۵۸ء) میں اس دارِ ناپائیدار سے  
عالم بقا کو کوچ کر گیا۔ اس کی مدت سلطنت تینتیس (۳۳) سال نو مہینے بیس دن ہے۔ تراسی (۸۳) سال عمر  
پائی ①۔

اس کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں وارثِ تخت و تاج بنا جو نہایت ظالم و سفاک تھا اور اپنے بے پناہ مظالم کی  
بنا پر لوگوں میں ہمایوں شاہ بہمنی ظالم مشہور تھا۔ یعنی لفظ ظالم اس کے نام کا مستقل جز بن گیا تھا۔

بادشاہوں کی تاریخ:

یہ نویں صدی ہجری کے شاہان ہند کی ان مساعی کا مختصر تذکرہ تھا جو انہوں نے فروغِ علم اور خدمتِ خلق

کے بارے میں انجام دیں اور جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک علما و فقہاء کا مرتبہ کتنا بلند تھا اور اشاعت علم اور تبلیغ دین کے باب میں وہ کس درجہ ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اگرچہ ان میں سے بعض حکمرانوں کی زندگی کا اسلوب اسلامی احکام سے پوری طرح ہم آہنگ نہ تھا، تاہم علم و علما سے ان کو خاص تعلق تھا۔ ان کے عہد میں ترقی علم کی راہیں کشادہ ہوئیں، فکر و عمل کے دائروں نے وسعت اختیار کی اور اصحاب علم نے محض خدمت دین کو اپنا صحیح نظر ٹھہرایا۔

یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ بادشاہوں کی تاریخ، زیادہ تر ان کے جنگی کارناموں اور شمشیر و سناں کے محور کے گرد گھومتی ہے اور مورخ کا قلم عام طور پر ان کی بہادری اور شجاعت کی داستانیں بیان کرنے میں سرگرداں نظر آتا ہے، حالاں کہ ان میں سے اچھی خاصی تعداد نے اسلامی و دینی امور کی نشروذیوع کو بھی شائستہ التفات ٹھہرایا اور اسلام کی تہذیبی و ثقافتی اقدار کو پھیلانے کے لیے کوششیں کیں، مگر تاریخ کے ڈھیر میں ان کو کسی خاص ترتیب اور عنوان کے تحت تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔ ان کی زندگی کے ان گوشوں کی نشان دہی یا تو بزرگان دین کے ملفوظات سے ہوتی ہے یا مختلف کتب تاریخ کے واقعات کو کھنگالنے کے بعد مطلب کی کوئی شے ہاتھ آتی ہے۔ ہم کتاب کا مقدمہ لکھنے بیٹھے تو یہی مشکل سامنے آئی اور بہت سی کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ ان سے جو مواد ہمیں مل سکا ہے اس کا ضروری حصہ ایک ترتیب کے ساتھ حوالہ قرطاس کر دیا گیا ہے۔

محمد اسحاق بھٹی

اسلامیہ کالونی

ساندہ۔ لاہور



## نویں صدی ہجری

### الف

## ۱۔ قاضی ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی

قاضی ابراہیم بن فتح اللہ بن ابوبکر بن فخر الدین بن بدر الدین ربیع السامعی غوری۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے جید علما میں سے تھے۔ ملتان میں پیدا ہوئے وہیں نشوونما پائی اور اسی شہر میں اپنے عصر کے مشہور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر جنوبی ہند کے لیے عازم سفر ہوئے اور وہاں کے مختلف شہروں میں گھومتے ہوئے سلطان علاء الدین بہمنی کے ایام حکومت میں شہر بیدر میں داخل ہوئے اور اس سے تعلقات و روابط استوار کیے۔ اس کی وفات کے بعد اس کے دو بیٹوں ..... انام شاہ اور محمد شاہ ..... کے اتالیق مقرر کیے گئے۔ محمد شاہ بہمنی ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ وہ تخت حکومت پر متمکن ہوا تو اس نے ان کو شہر بیدر کا قاضی مقرر کر دیا اور پھر دکن میں قاضی القضاة (چیف جسٹس) کے منصب بلند پر فائز ہوئے۔ زہد و عبادت، اتقا و تورع اور شریعت مطہرہ پر کامل استقامت کے ساتھ ساتھ انھوں نے نہایت آسودہ زندگی بسر کی۔ قضا وغیرہ کی نازک مصروفیات کے باوصف تصنیف و تالیف کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ چنانچہ متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں سے ایک کتاب کا نام معارف العلوم ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور علوم و فنون کی تعریفات کے موضوع پر مشتمل ہے۔ ان کی اولاد اور ان کے اخلاف میں چند جید علما اور اونچے درجے کے صلحا پیدا ہوئے جن میں ایک ان کے بیٹے شیخ محمد بن ابراہیم ملتانی تھے۔ قاضی ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی نے ۷ جمادی الاخریٰ ۸۶۵ھ (۲۰ مارچ ۱۴۶۱ء) کو بیدر میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ①۔

## ۲۔ شیخ ابوالفتح جون پوری

شیخ ابوالفتح کا سلسلہ نسب یہ ہے: شیخ ابوالفتح بن عبدالحی بن عبدالمقتر بن رکن الدین شریحی کنڈی دہلوی

جون پوری۔

① نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۳۰۲ بحوالہ مخزن الکرامات

شیخ ابوالفتح ۱۲ محرم ۷۷۲ھ (۸ اگست ۱۳۷۰ء) کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت سے پہلے والد مکرم شیخ عبدالحی وفات پا چکے تھے۔ لہذا اپنے جد محترم شیخ عبدالمقتدر کی نگرانی میں تربیت پائی۔ انہی سے علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کی اور انہی کے فیض صحبت سے طریقت و تصوف سے بہرہ یاب ہوئے۔ تحصیل علم کے بعد مسند تدریس پر فائز ہوئے اور اپنے زمانے کے دیار ہند کے مشہور اساتذہ میں گردانے گئے۔ طویل عرصے تک دارالسلطنت دہلی میں مسند تدریس پر متمکن رہے اور بے شمار تشنگان علم کی علمی تشنگی بجھانے کے فرائض انجام دیے۔ ان کے دادا کی خاص طور پر ان کو وصیت تھی کہ ہمیشہ درس و افادہ عام میں مشغول رہنا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے استاذ و مرشد دادا کی اس وصیت پر تادم واپس عمل پیرا رہے۔ عالم و فاضل، فصیح و بلیغ اور جامع معقول و منقول تھے۔ شاعر بھی تھے اور عربی و فارسی میں قصائد و اشعار کہتے تھے۔

### قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے فقہی بحثیں:

ان کے معاصرین میں علمی اعتبار سے اونچے درجے کے علمائے کرام کے نام تذکروں میں مذکور ہیں جن میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا اسم گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ اصول و کلام اور مسائل فقہیہ میں قاضی شہاب الدین سے اکثر ان کی بحثیں رہیں۔ بالخصوص زباب گربہ یعنی مشک بلائی کے باب میں جو بلی کے عرق سے ٹپکتا ہے، دونوں فقہاء کے درمیان خوب گرم مباحثے ہوئے۔ شیخ ابوالفتح اسے نجس قرار دیتے تھے اور قاضی شہاب الدین اس کی طہارت کے قائل تھے۔ اس موضوع سے متعلق ان دونوں اصحاب علم کی طرف سے کئی رسائل تصنیف ہوئے۔ لیکن اس بحث کے جو حصے شیخ ابوالفتح کی اولاد کی وساطت سے نقل ہوئے ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انداز گفتگو میں قاضی شہاب الدین کا پلہ بھاری تھا اور شیخ ابوالفتح کا انداز استدلال ان کے مقابلے میں کمزور تھا۔

### دہلی سے ہجرت اور جون پور میں قیام:

شیخ ابوالفتح کا وطن دہلی تھا اور یہ پہلے وہیں سکونت رکھتے تھے، لیکن جب مغل حکمران تیمور لنگ دہلی پر حملہ آور ہوا اور اس نے دہلی پر قبضہ کر کے شہر میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا تو لوگوں نے دہلی کی سکونت ترک کر کے جون پور کا قصد کیا۔ جون پور جانے والے اس گروہ میں علما بھی شامل تھے اور عوام بھی۔ شیخ ابوالفتح بھی اس گروہ میں شریک تھے۔ قاضی شہاب الدین بھی دہلی میں مقیم تھے وہ بھی تیمور کی غارت گری سے خوف زدہ ہو کر جون پور چلے گئے تھے۔ لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ شیخ ابوالفتح کے گھر میں سونے کی بارش ہوتی ہے۔ یہ بات صرف عوام سے سننے میں آئی، شیخ کے ان واقعات و ملفوظات میں جو ان کے خلفانے ان کے بعد جمع کیے اور باقاعدہ کتابی شکل میں مرتب ہوئے، کہیں منقول نہیں ہے۔ ان کی اولاد اسے محض افسانہ قرار دیتی تھی اور اس کو صحیح نہیں مانتی تھی۔ البتہ ان کی اولاد میں سے ایک بزرگ شیخ عبدالوہاب اسے صحیح قرار دیتے تھے جو ان کی اولاد میں بلند مرتبے کے حامل تھے۔

اس سلسلے میں شیخ عبدالوہاب یہ کہتے ہیں کہ شیخ ابوالفتح نے ایک کتاب مرتب کی ہے جو ان کے جد امجد قاضی عبدالمقتدر کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اس میں انھوں نے قاضی عبدالمقتدر کے خلیفہ اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے صحبت یافتہ قاضی شہ کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے جو انھوں نے خود قاضی شہ سے سنا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ قاضی شہ ایک روز قاضی عبدالمقتدر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس روز ان کے گھر میں کھانے کو کوئی چیز نہ تھی اور وہ تین دن سے فاقے سے تھے اور غالباً قاضی عبدالمقتدر کی زبان سے ان کے سامنے اس کا اظہار بھی ہو گیا تھا۔ قاضی شہ نے یہ سنا تو بہت متاثر ہوئے اور ان کے دل میں ایک صدمہ سا پیدا ہوا۔ اسی تاثر اور قلبی تکلیف کے ساتھ وہ باہر نکلے اور ان کے مکان کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ ناگہاں کیا دیکھتے ہیں کہ دس پندرہ اور پچیس راج الوقت سکے (جن کو کافی کہا جاتا تھا) ان پر گرے۔ انھوں نے وہ سکے اٹھائے اور قاضی عبدالمقتدر کی خدمت میں پیش کر دیے۔ ساتھ ہی اپنے تاثر و صدمہ کی کیفیت بھی بیان کر دی۔ قاضی صاحب ان سکوں کو دیکھتے ہی اور قاضی شہ کی بات سنتے ہی غصے میں آ گئے۔ انھوں نے ہر چند منت وزاری سے کوشش کی کہ وہ یہ سکے قبول کر لیں، مگر جیسے جیسے ان کا اصرار بڑھتا گیا، اسی نسبت سے ان کے غیظ و غضب میں اضافہ ہوتا گیا۔ جب انھوں نے ان کو قبول کرنے سے بالکل ہی انکار کر دیا تو ان کے معتقدین نے یہ سکے قاضی شہ سے اچھا خاصا مال دے کر خرید لیے۔ بس اس واقعہ کی اتنی ہی حقیقت ہے۔

شیخ ابوالفتح نے جمعہ کے روز ۱۳ ربیع الاول ۸۵۸ھ (۱۳ مارچ ۱۴۵۴ء) کو جون پور میں وفات پائی ①۔

### ان کے جد امجد قاضی عبدالمقتدر:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں شیخ ابوالفتح جون پوری کے جد امجد قاضی عبدالمقتدر کے بھی مختصر حالات بیان کر دیے جائیں۔ ان کو دہلوی بھی کہتے ہیں، تھانیسری بھی کہتے ہیں اور جون پوری بھی۔ ان کے اجداد دیار ہند میں آئے تو سب سے پہلے دہلی آ کر سکونت پذیر ہوئے تھے اس لیے دہلوی کہلائے۔ پھر تھانیسری کو اپنا مسکن بنا لیا تھا، لہذا تھانیسری کی طرف منسوب ہوئے اور تھانیسری کی نسبت سے پکارے گئے۔ بعد میں حملہ تیمور کے زمانے میں ان کے بیٹے اور پوتے دہلی چھوڑ کر جون پور چلے گئے تھے اس لیے جون پوری کی نسبت سے شہرت پائی۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: عبدالمقتدر بن محمود بن سلیمان شریکی کنڈی۔ عبدالمقتدر کا لقب منہاج الدین اور ان کے والد کا رکن الدین تھا۔ قاضی شریح کنڈی کی اولاد سے تھے۔ ان کے دادا سلیمان سلطان قطب الدین خلجی کے زمانے میں وارد ہند ہوئے اور دہلی کے شمالی علاقوں کے قاضی مقرر کر دیے گئے۔ انھوں نے فرائض قضا بڑی محنت اور دیانت داری سے انجام دیے اور تھانیسری میں سکونت اختیار کی۔ قاضی سلیمان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے قاضی محمود کو جو

① اخبار الاخیار، ص ۱۷۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۳۔ تاریخ شیراز ہند جون پور، ص ۶۰۳ تا ۶۰۵۔ حدائق الحنفیہ، ص

رکن الدین کے لقب سے ملقب تھے ان کی جگہ قاضی مقرر کیا گیا۔ غلجی سلطنت میں ان کو بڑی تکریم کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور شہر تھانیس میں وہ بہت ہی اعزاز کے مالک تھے۔

قاضی عبدالمقتدر عالم و فاضل، فیاض طبع اور درویش کامل تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے خلیفہ اور مشہور عالم دین قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاذ تھے۔ عربی و فارسی کے شاعر اور فصاحت و بلاغت میں بلند مرتبے کے حامل تھے۔ ان کے قصائد میں سے وہ قصیدہ جو انھوں نے لامیۃ العجم کے جواب میں کہا، ان کے کمال فصاحت پر دلالت کناں ہے۔ ہمیشہ درس و تدریس میں مصروف اور افادہ عام میں مشغول رہے اور واقعہ یہ ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے اکثر خلفا کا طریق یہی تھا۔ طلبا کو تحصیل علم اور احکام شریعت پر کار بند رہنے کی نصیحت فرماتے۔ کہا کرتے کہ ایک مسئلہ شرعی پر غور کرنا، ان ہزار رکعت کی عبادت پر فضیلت رکھتا ہے جس میں کبروریا کی آمیزش پائی جاتی ہو۔

منقول ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی خدمت میں جا کر بعض مسائل سے متعلق بحث کیا کرتے تھے اور شیخ انھیں ذاتی طور پر اور ان کی بحثوں کو علمی طور پر پسند فرماتے تھے اور انھیں مزید تحصیل علم کی ترغیب دیتے تھے۔ بالآخر وہ ان کے حلقہ بیعت میں داخل ہو گئے اور ظاہری فضائل کے ساتھ باطنی نعمت سے بھی ہم کنار ہوئے۔ قاضی موصوف کے ایک معتقد کی ایک کتاب مناقب الصدیقین کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کتاب مشائخ چشت کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس میں قاضی عبدالمقتدر کے بہت سے احوال و واقعات مندرج ہیں۔

اس کتاب میں ایک واقعہ یہ مرقوم ہے کہ ایک روز ان کے تلمیذ قاضی شہاب الدین کو کہیں سے سونا ہاتھ آ گیا۔ انھوں نے یہ سونا اپنی والدہ کو دیا اور تنہائی میں کہا کہ اس سونے کو کسی جگہ زمین میں دبا دیا جائے۔ اس کے بعد وہ شیخ عبدالمقتدر کی مجلس میں گئے۔ شیخ نے جوں ہی قاضی شہاب الدین کو دیکھا تو فرمایا تم تو زمین میں سونا دفن کرنے کی فکر میں ہو تمہارا علم سے شغل کہاں باقی رہا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس ایک طالب علم آتا ہے جس کا پوست علم، مغز علم اور استخوان علم ہے۔ اس طالب علم سے مراد قاضی شہاب الدین دولت آبادی تھے۔ ان کا حلقہ تلامذہ بہت وسیع تھا جن میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی ان کے پوتے شیخ ابوالفتح بن شیخ عبدالحی اور بے شمار لوگوں کے نام تذکروں میں موجود ہیں۔ قاضی عبدالمقتدر نے ۲۶ محرم ۷۹۱ھ (۲۵ جنوری ۱۳۸۹ء) کو اٹھاسی سال کی عمر پا کر دہلی میں وفات پائی اور وہ اپنے والد قاضی محمود کے قریب حوض سمنسی کے جانب جنوب میں دفن کیے گئے ①۔

① اخبار الاخیار، ص ۱۵۰، ۱۵۱۔ سبحة المرجان فی آثار ہندوستان، ص ۲۹، ۳۶۔ مآثر الکرام دفتر اول، ص ۱۶۶۔ ابجد العلوم، ص ۸۹۲۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۷۰، ۷۱۔ قضاء الارباب من ذکر علماء النحو والادب، ص ۹۵۔ حدائق الحنفیہ، ص ۲۹۹، ۳۱۰۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۳۳، ۱۳۴۔



قاضی عبدالمقتدر کا قصیدہ لامیہ جو رسول اللہ ﷺ کی مدح میں لکھا گیا ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ کتنے اونچے مرتبے کے شاعر تھے اور ان کا کلام کس قدر فصیح و بلیغ تھا:

- ۱۔ یا سائق الظعن فی الاسحار والاصل
  - ۲۔ عن الطباء التي من دابها ابداء
  - ۳۔ وعن ملوك كرام قد مضوا قددا
  - ۴۔ اضحت اذا بعدت عنها كواعبها
  - ۵۔ فدى فؤادی اعرابية سكنت
  - ۶۔ بخيلة بوصال المستهام بها
  - ۷۔ كانتها طبية لكن بينهما
  - ۸۔ خيالها عند من يهوى زيارتها
  - ۹۔ كيف السبيل اليها بعد ان حفظت
  - ۱۰۔ طرقتها فجأة والليل في جدل
  - ۱۱۔ قالت لك الويل هلا خفت من اسد
  - ۱۲۔ فقلت انى ملك صيده اسد
  - ۱۳۔ قالت فما تبغى لا منع قلت لها
  - ۱۴۔ واننى رجل من معشر سجبوا
  - ۱۵۔ لا يطمعون ولكن كان ديدنهم
  - ۱۶۔ اسد اذا سخطوا افنوا عدوهم
  - ۱۷۔ ما قال قائلهم يوما لواحدهم
  - ۱۸۔ يا طالب الجاه فى الدنيا تكون غداً
  - ۱۹۔ يا طالب العزفى العقبى بلا عمل
  - ۲۰۔ يا ايها الطفل انت الطفل فى امل
  - ۲۱۔ يا من تطاول فى البنيان معتمدا
  - ۲۲۔ لانت فى غفلة والموت فى اثر
  - ۲۳۔ واقنع من العيش بالادنى وكن ملكا
  - ۲۴۔ ثم اغتتم فرصة من قبل ان ضعفت
  - ۲۵۔ ولا تكن لمزيد الرزق مضطربا
- سَلِّمِ عَلَىٰ دَارِ سَلْمِي وَاَبِكْ ثُمَّ سَلِّ  
صَيْدَ الْأَسْوَدِ بِحَسَنِ الدَّلِّ وَالنَّجْلِ  
حَتَّىٰ يَجِيْبَكَ عَنْهُمْ شَاهِدُ الطُّلْلِ  
اطْلَالِهَا مِثْلَ اجْفَانِ بِلَا مَقْلِ  
بَيْتًا مِنَ الْقَلْبِ مَعْمُورًا بِبِلَا جَوْلِ  
وَالجُودِ فِي الْخُودِ مِثْلَ النَّجْلِ فِي الرَّجْلِ  
فَرَقًا جَلِيلًا بِعَظْمِ السَّاقِ وَالْكَفْلِ  
أَحْلَىٰ مِنَ الْأَمْنِ عِنْدَ الْخَائِفِ الْوَجْلِ  
بِالْبَيْضِ وَالسُّمْرِ فِي أَعْلَىٰ ذَرَى الْجَبْلِ  
وَالذَّنْبِ فِي كَسَلِ وَالْقَوْمِ فِي شَغْلِ  
لَهُ بِرَائِنِ كَأَلصْحَالَةِ الذَّبْلِ  
وَصَيْدِ غَيْرِي مِنْ ظَبْيِي وَمِنْ وَعَلِ  
كَأَلْفَانِي عَفِيفِ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ  
ذَيْلِ التَّبْتَلِ وَالتَّقْوَىٰ عَلَىٰ زَحْلِ  
أَعْطَاءِ مَا مَلَكَوا كَالْعَارِضِ الْهَطْلِ  
قَوْمِ إِذَا فَرَحُوا أَعْطَوْا بِبِلَا مَلِ  
لَوْ كُنْتَ مِنْ مَازِنِ لَمْ تَسْتَبِحْ أِبْلَىٰ  
عَلَىٰ شَفَا حَقْرَةِ النَّيْرَانِ وَالشَّعْلِ  
هَلْ تَنْفَعُكَ فِيهَا كَثْرَةُ الْأَمْلِ  
وَشَمْسِ عَمْرِكَ قَدْ مَالَتْ إِلَى الْطِفْلِ  
عَلَى الْقُصُورِ وَخَفِضِ الْعَيْشِ وَالطُّوْلِ  
يَعْدُو فِي يَدِهِ مَسْتَحْكِمِ الطُّوْلِ  
إِنِ الْقِنَاعَةَ كَنَزَعْنِكَ لَمْ يَزَلِ  
قَوَاكٍ مِنْ سَطْوَةِ الْأَمْرَاضِ وَالْعَلْلِ  
وَاقْنَعْ بِمَا قَسَمَ الْقَسَامُ فِي الْأَزْلِ

- ۲۶۔ لا تغترر انت فی الدنیا فان بها  
 ۲۷۔ اکالة اکلت کالہرّ ما ولدت  
 ۲۸۔ ولا مناص من اللہ العزیز وان  
 ۲۹۔ یا ایہا الناس ان العمر فی سفر  
 ۳۰۔ ان المینایا بلا شک لآتیة  
 ۳۱۔ للّٰہ درّ فقیر مالک ابداء  
 ۳۲۔ ولم یکن فخرہ الا بعزّة من  
 ۳۳۔ محمد خیر خلق اللہ قاطبة  
 ۳۴۔ له المزیایا بلا نقص ولا شبه  
 ۳۵۔ له المکارم ابھی من نجوم رُجی  
 ۳۶۔ له الفضائل اجدی من عصا کسرت  
 ۳۷۔ له الجمال اذا ما الشمس قد نظرت  
 ۳۸۔ النصر قادمہ والفتح خادمہ  
 ۳۹۔ یا اعظم الناس من حاج و معتمر  
 ۴۰۔ اتینا بکتاب جل منفعۃ  
 ۴۱۔ بعثت بالملة البیضاء راسخة  
 ۴۲۔ افحمت کل بلیغ بالکتاب کما  
 ۴۳۔ اضحی طلوعک بالشمس الضحی ابدأ  
 ۴۴۔ أمّ التمنی اذا جاء تک لسائلة  
 ۴۵۔ ندادک اکثرہ لا ینتہی ابدأ  
 ۴۶۔ وعرف طیبک للکفار ضائرة  
 ۴۷۔ لصحبک الغرّباقی فضلہم ابدأ  
 ۴۸۔ واهل بیتک فینا رحمة نزلت  
 ۴۹۔ یا سید المرسلین المکرمین آدم

من عزّ بزّفکن منها علی وھل  
 حیالۃ قتلت من جاء بالحیل  
 فررت منه الی الدأماء والقُلل  
 وان اوقاتکم واللّٰہ کالظلل  
 وانتم فی المنی والمین والکسل  
 وذی خصاص بفضل اللّٰہ مکتفل  
 اعی الاعاجم والاعراب بالدول  
 هو الذی جل عن مثل وعن مثل  
 له العطایا بلا من ولا بدل  
 له العزائم امضی من قنا البطل  
 له الشمائل احلی من جنی النحل  
 الیہ قالت الا یالیت ذلک لی  
 کلاهما عن حماہ غیر مرتحل  
 واکرم الخلق من حافی ومنتحل  
 وجئنا بسبیل ناسخ السبل  
 عفابها سائر الادیان و الملل  
 جادلت بالسیف اهل الجد والجدل  
 وقد غنیت عن المیزان والحمل  
 ارجعّتها وھی فی عقر مع الحمل  
 لکن ادناہ اندی من ندی السبل  
 مسیرۃ الشهر مثل الورد للجعل  
 وفضل امتک الزھراء لم یزل  
 اهل الطھارة عن رجس وعن وحل  
 شفاعۃ لعبید ضارع وجل

۱۔ اے صبح اور شام سار بانی کرنے والے۔ دارِ سلمیٰ کو سلام کہنا اور رونا پھر اس سے پوچھنا۔

۲۔ ان ہر نیوں کے بارے میں جن کو ہمیشہ عادت رہی کہ وہ شیروں کو بھی اپنے غمزوں اور تدبیروں سے شکار کر لیتی ہیں۔

- ۳۔ اور ان معزز بادشاہوں کے بارے میں بھی پوچھنا جو گروہ درگروہ گزر چکے یہاں تک کہ تمہیں ان کے بارے میں کھنڈر گواہ بن کر جواب دیں۔
- ۴۔ جب ان کی حسینائیں وہاں سے چلی گئیں تو اس کے بلند مقامات اس طرح (بے رونق) ہو کر رہ گئے جس طرح کہ بغیر دیدے (ڈھیلے) کے پوٹے۔
- ۵۔ میرے دل کو ایک ایسی زن اعرابیہ نے زخمی کر دیا ہے جس نے دل کے اندر مکمل جگہ بنالی ہے اور وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتی۔
- ۶۔ جو اس کا دیوانہ ہے اس سے ملنے (وصال) میں بڑی کنجوس ہے اور چہار دیواری میں سخاوت ایسی ہی ہے جیسے فوج میں بخالت کرنا۔
- ۷۔ وہ (اعرابیہ) گویا ایک ہرنی ہے لیکن دونوں میں ایک بڑا فرق ہے، وہ فرق جو پنڈلی کی ہڈی اور ڈھانسنے کے درمیان ہے۔
- ۸۔ اس کے دیدار کے خواہش مند کے لیے اس کا خیال بھی اس اطمینان سے زیادہ شریں ہے جو سبے اور ڈرے ہوئے کو حاصل ہو۔
- ۹۔ جب اس نے پہاڑ کی بلند چوٹیوں پر سفید چمک دار تلواریں اور گندمی سپروں سے اپنی حفاظت کر رکھی ہو تو بتاؤ اس تک رسائی کیسے ہو۔
- ۱۰۔ میں شب کو اچانک چل پڑا جب کہ رات بچھڑ رہی تھی۔ بھیسڑے سستی کے عالم میں تھے اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول۔
- ۱۱۔ وہ بولی تیراناںس ہو تو شیر سے کیوں نہیں ڈرا، جس کے پنجے نیش گس کی طرح تیز ہیں۔
- ۱۲۔ میں نے کہا۔ میں وہ (شکاری) بادشاہ ہوں، جس کا شکار شیر ہے اور دوسروں کا شکار ہرن ہے یا پہاڑی بکرا۔
- ۱۳۔ اس نے کہا۔ تم چاہتے کیا ہو۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ میں اپنے قول اور عمل دونوں کی عنفت رکھتا ہوں۔
- ۱۴۔ میں ایسی قوم کا فرد ہوں جو تھیل اور تتوٹی میں زحل (ستارے کی بلندی) پر بھی فخر رکھتی ہے۔
- ۱۵۔ وہ طمع نہیں رکھتے بلکہ ان کی عادت یہ ہے کہ اپنی چیزیں اس طرح دے دیتے ہیں جیسے بادل جھڑی لگا دے۔
- ۱۶۔ وہ ایسے شیر ہیں کہ شخصے میں آجائیں تو اپنے دشمن کو فنا کر دیں اور خوش ہوں تو کسی احساس تکلیف کے بغیر سب کچھ لٹا دیں۔
- ۱۷۔ ان کے ایک فرد نے دوسرے سے کسی روز بھی یہ نہیں کہا کہ اگر میں بنی ماژن سے ہوتا تو میری اونٹنی کو مباح نہ سمجھا جاتا۔
- ۱۸۔ اے دنیا کی عزت کے طالب! کل (بروز حشر) تم آگ اور شعلے کی خندق کے کنارے کھڑے ہو گے۔

- ۱۹۔ اے عقبی میں بلا عمل ہی عزت چاہنے والے۔ کیا تجھے آرزوؤں کی کثرت کوئی نفع پہنچا سکے گی؟
- ۲۰۔ اے بچے، تم اپنی آرزوؤں میں بچے ہی نکلے۔ تمہاری عمر کا سورج اب ڈوبنے کے قریب ہے۔
- ۲۱۔ اے وہ جو عمارتوں پر فخر کرتا ہے اور محلات آسودہ زندگی اور امیری پر اعتماد کیے ہوئے ہے۔
- ۲۲۔ تو غفلت میں پڑا ہے اور موت پیچھے پیچھے دوڑ رہی ہے، جس کے ہاتھ میں عمر کی باگ ڈور ہے۔
- ۲۳۔ معمولی زندگی پر قناعت کر لے، تو تُو بادشاہ ہو جائے گا۔ قناعت ایک ایسا خزانہ ہے جو تجھ سے کبھی زائل نہ ہوگا۔
- ۲۴۔ تم فرصت کو غنیمت جانو، قبل اس کے کہ تمہارے قوی مرض و بیماری غالب آنے سے کمزور ہو جائیں۔
- ۲۵۔ زیادہ رزق کے لیے مضطرب نہ ہو بلکہ قسام ازل نے جو حصہ مقرر کر رکھا ہے، اسی پر قناعت کر۔
- ۲۶۔ دنیا کے بارے میں دھوکے میں نہ رہو، کیونکہ دنیا میں جسے عزت ملتی ہے، اس سے چھینی بھی جاتی ہے، لہذا اس سے ہوشیار رہو۔
- ۲۷۔ (یہ دنیا) اپنی ہی اولاد کو بلے کی طرح چٹ کر جاتی ہے اور ایسی عیار ہے جو ہر چالاک کا خاتمہ کر دیتی ہے۔
- ۲۸۔ خدائے غالب (کی گرفت) سے فرار ممکن نہیں۔ اگرچہ بھاگ کر سمندر میں یا پہاڑ کی چوٹی پر کیوں نہ چلے جاؤ۔
- ۲۹۔ اے لوگو! زندگی اپنا سفر طے کیے جا رہی ہے اور قسم بخدا تمہارے اوقات سائے کی طرح (بھاگ رہے) ہیں۔
- ۳۰۔ موت تو بلاشبہ آ کر رہے گی، مگر تم ہو کہ آرزو فریب اور سستی میں پڑے ہو۔
- ۳۱۔ کیا کہنے ہیں اس درویش کے جو بادشاہی کرتا ہے اور جھونپڑا رکھتا ہے اور اللہ کا فضل ہمیشہ اس کے شامل حال رہتا ہے۔
- ۳۲۔ اس کا یہ فخر صرف اس کی خاطر ہوتا ہے، جس نے غلبہ حاصل کر کے عرب و عجم کو عاجز کر دیا۔
- ۳۳۔ محمد ﷺ اللہ کی تمام مخلوق سے قطعی طور پر افضل ہیں اور کسی نظیر یا مثال سے بالاتر ہیں۔
- ۳۴۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی جن اوصاف سے مزین ہے، ان میں کوئی کمی یا بیشی نہیں اور آپ ﷺ کے جو عطا یا ہیں ان پر نہ احسان جتایا نہ معاوضہ طلب کیا۔
- ۳۵۔ آپ ﷺ کے مکارم شب تاریکی کے ستاروں سے بڑھ کر روشن اور نمایاں ہیں اور آپ ﷺ کے عزائم بہادر کے نیزوں سے زیادہ کام کرنے والے ہیں۔
- ۳۶۔ آپ ﷺ کے فضائل (عصائے موسوی) سے زیادہ نفع بخش ہیں اور آپ ﷺ کی سیرت پیداوارِ مگس (شہد) سے زیادہ شیریں ہے۔
- ۳۷۔ آپ ﷺ کا جمال ایسا ہے کہ اگر سورج دیکھے تو یہ کہہ اٹھے کہ کاش یہ مجھے حاصل ہوتا۔
- ۳۸۔ نصرت آپ ﷺ کے آگے آگے چلتی ہے اور فتح آپ ﷺ کی خدمت میں لگی ہوئی ہے اور یہ دونوں آپ ﷺ کی چراگاہ سے باہر قدم نہیں رکھتیں۔

- ۳۹۔ اے تمام حج اور عمرہ کرنے والوں سے برتر اور اے تمام برہنہ پا اور نعل پوش مخلوقات سے بزرگ تر۔
- ۴۰۔ آپ ﷺ ہمارے پاس وہ کتاب لے کر تشریف لائے جو بدرجہ غایت منفعت بخش ہے اور وہ راستہ لے کر مبعوث ہوئے جس نے باقی تمام راستوں کو منسوخ کر دیا۔
- ۴۱۔ آپ ﷺ کو ایسی روشن اور محکم ملت دے کر مبعوث کیا گیا، جس نے تمام ادیان و ملل کو مٹا دیا۔
- ۴۲۔ آپ ﷺ نے تمام اہل بلاغت کو دلائل سے اسی طرح خاموش کر دیا، جس طرح نبرد آزماؤں کو جہاد بالسیف سے (جھکا لیا)
- ۴۳۔ آپ ﷺ کے آفتاب ہدایت کے ساتھ طلوع ہونے سے ہمیشہ کے لیے روشنی آگئی اور میزان و حمل کے برجوں سے لوگوں کو بے نیاز کر دیا۔
- ۴۴۔ جب کوئی سائلہ آپ ﷺ کے پاس تمنا لے کر حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے اسے اس طرح لوٹا یا کہ اگر وہ بانجھ تھی تو (آپ ﷺ کی دعا اور برکت کے ساتھ) اس کی گود ہری ہوگئی۔
- ۴۵۔ آپ ﷺ کی شبہم افشانی دائمی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔ اس کا تو مختصر تر یہ حصہ بھی بارش سے زیادہ نمی رکھتا ہے۔
- ۴۶۔ آپ ﷺ کی خوشبو ایک مہینے کی راہ سے ہی اہل کفر کو اس طرح محسوس ہو جاتی ہے، جیسے گلاب کی خوشبو بھونرے کو۔
- ۴۷۔ آپ ﷺ کے تابناک صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت بھی دائمی ہے اور آپ کی روشن امت کی فضیلت بھی لازوال ہے۔
- ۴۸۔ آپ ﷺ کے اہل خانہ بھی ایک رحمت ہیں جو نازل ہوئی۔ وہ طاہر و پاک ہیں اور وہ ہیں جو جس اور پلیدی سے قطعی طور پر دور ہیں۔
- ۴۹۔ اے رسولانِ مکرم کے سردار! عاجز و ترساں بندوں کے لیے شفاعت کو قائم و دائم رکھیے۔

### ۳۔ شیخ ابوالفتح قریشی کالپوی

شیخ ابوالفتح بن علاء الدین گوالیاری کالپوی قریشی سید محمد گیسو دراز کے مرید اور خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ حرمین شریفین کی شرف زیارت سے مشرف ہوئے اور حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی کی کتاب عوارف المعارف ان سے پڑھی اور مسند خلافت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے جن میں علم نحو کے بارے میں تکمیل اور علم تصوف کے سلسلے میں مشاہدہ شامل ہیں۔ کالپی میں مدفون ہیں۔ ۸۶۲ھ (۱۴۵۸ء) میں وفات پائی اور کالپی میں دفن کیے گئے۔ مادہ تاریخ ”گلشن اسرار“ ہے ①۔

① اخبار الاخیار ص ۱۶۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۶۔ نزہۃ النواظر ج ۳، ص ۴۷۳۔ حدائق الحنفیہ، ص ۳۲۵

## ۴۔ شیخ احمد بن حسن بلخی

شیخ احمد بن حسن بن حسین بن معزالدین بلخی جن کو برہان الدین ابوالقاسم ہندی بہاری کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے ۸۲۹ھ میں رمضان المبارک کی ستائیسویں (۲۲/ اگست ۱۴۲۶ھ) رات کو پیدا ہوئے عقائد نسفیہ مع اس کی شرح مظفری کے اپنے دادا حسین بن معزالدین سے پڑھی۔ باقی کتب درسیہ اپنے والد مکرم شیخ حسن بن حسین سے پڑھیں اور عرصے تک ان سے منسلک رہے۔ حرین شریفین کا سفر بھی کیا اور حج و زیارت کی نعمت سے متمتع ہوئے۔ پھر ہندوستان آئے اور والد مکرم کی وفات کے بعد مسند مشیخت پر متمکن ہوئے۔

اپنے زمانے کے نامور عالم دین اور فقیہ تھے۔ تاریخ وفات ۲۶ ربیع الاول ۸۹۱ھ (یکم اپریل ۱۴۸۶ء) ہے۔ مدفن شہر بہار ہے ①۔

## ۵۔ مولانا احمد تھانیسری

مولانا احمد بن محمد تھانیسری ارض ہند کے مشہور ادا با اور نامور فضلا میں سے تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں دسترس رکھتے تھے۔ دارالحکومت دہلی میں پیدا ہوئے اور قاضی عبدالمتقدر بن رکن الدین سرہکی کنڈی سے تحصیل علم کی۔ بعد ازاں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے درس طریقت لیا اور ایک عرصے تک ان سے منسلک رہے۔

اس دور میں ایک عالم دین مولانا خواجگی دہلوی تھے۔ یہ بھی شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے نسبت ارادت رکھتے تھے۔ ان کے اور مولانا احمد تھانیسری کے درمیان گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ انھوں نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ چند روز تک ہندوستان پر مغل حملہ کرنے والے ہیں وہ جہاں جائیں گے تاخت و تاراج کریں گے۔ دہلی شہر بھی ان کی تیغ خون آشام کی زد میں آنے والا ہے۔ خواب کے علاوہ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اس زمانے میں حالات ہی اس قسم کے پیدا ہو گئے تھے اور لوگوں میں مغلوں کے حملے کی افواہیں پھیل گئی تھیں۔ بہر حال یہ خواب انھوں نے اپنے دوست مولانا احمد تھانیسری کو سنایا اور دہلی سے نکل جانے کا مشورہ دیا، مگر انھوں نے ان کی یہ بات ماننے سے انکار کیا اور دہلی ہی مقیم رہے ②۔ لیکن مولانا خواجگی نے دہلی کی سکونت ترک کر کے کاپی کارخ کیا اور وہیں مستقل طور پر رہائش اختیار کر لی۔ اس زمانے میں بہت سے شرفاء و علماء دہلی سے چلے گئے تھے اور مختلف شہروں میں جا کر اقامت گزریں ہو گئے تھے۔ چند روز بعد تیمور نے دہلی پر حملہ کر دیا اور اس کی فوجیں شہر میں داخل ہو گئیں اور قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ قتل و غارت کے بعد گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا تو مولانا احمد

① نزہۃ النوا طرز ج ۳ ص ۶ بحوالہ حاشیہ غلام یحییٰ علی شرح اداب المریدین از شیخ احمد بن یحییٰ منیری۔

② اخبار الاخیار ص ۱۴۴۔

اور ان کے متعلقین کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

مولانا احمد تھانیسری علم فقہ پر اس درجہ عبور رکھتے تھے کہ اس باب میں بڑے بڑے فقیہ ان کے سامنے بحث و جدل سے عاجز آجاتے تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ دہلی میں فتنہ تیمور فرو ہوا تو رہائی پا کر وہ تیمور کے دربار میں پہنچے۔ وہاں صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی کے پوتے بھی موجود تھے جو حکومت تیمور میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز تھے۔ دربار تیمور میں اب دو عظیم فقیہ تشریف فرما تھے۔ ایک مولانا احمد تھانیسری اور دوسرے صاحب ہدایہ کے پوتے شیخ الاسلام۔ دونوں کی نشستوں کے تقدم و تاخر کا معاملے سامنے آیا تو تیمور نے اپنے شیخ الاسلام کو پہلی قطار میں جگہ دینا چاہی۔ مولانا احمد تھانیسری کو یہ بات ناگوار گزری اور شیخ الاسلام سے پیچھے بیٹھنے کو اپنی شخصیت اور علمی مقام کی اہانت پر محمول کیا۔ اب گفتگو شروع ہوئی تو شیخ الاسلام نے دوران گفتگو میں کسی مسئلہ فقہی میں ٹھوکر کھائی۔ مولانا احمد نے جو پہلے سے ان کے خلاف بھرے بیٹھے تھے فوراً ٹوکا۔ امیر تیمور ان کی اس جرأت مندانہ گرفت اور اسلوب کلام پر نہایت متعجب ہوا اور بولا یہ صاحب ہدایہ کے پوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان سے مسائل فقہیہ میں غلطی کا امکان نہیں۔ مولانا احمد نے ایک قدم آگے بڑھ کر فرمایا صاحب ہدایہ نے جو ان کے دادا تھے ہدایہ میں کئی مقامات پر غلطی کی ہے۔ اگر ایک جگہ پر انھوں نے بھی ارتکاب خطا کر لیا ہے تو کیا مضائقہ ہے۔ شیخ الاسلام نے سوال کیا وہ کون سے مقامات ہیں جہاں صاحب ہدایہ نے غلطی کی ہے۔ آپ کو اس کا ثبوت دینا چاہیے۔ مولانا نے اپنے بیٹوں اور شاگردوں کو اشارہ کیا کہ وہ اس سلسلے میں تقریر کریں اور ان مقامات کی وضاحت کریں جہاں صاحب ہدایہ نے ارتکاب خطا کیا ہے۔ لیکن امیر تیمور نے صاحب ہدایہ کے احترام اور شیخ الاسلام کے ناموس کا لحاظ کرتے ہوئے اس گفتگو کو کسی دوسرے موقع پر ملتوی کر دیا۔

اس واقعہ کے بعد مولانا احمد تھانیسری نے اہل و عیال کو ساتھ لیا اور دہلی سے کالپی تشریف لے گئے اور اسی کو مستقل طور پر وطن قرار دے لیا۔ امیر تیمور ان کے علم و فضل سے اس درجہ متاثر ہوا کہ ان کو اپنا مصاحب و ندیم بنانے کی کوشش کی اور اپنے ساتھ سمرقند جانے کو کہا مگر انھوں نے انکار کر دیا اور کالپی چلے گئے۔ وہاں مولانا خواجگی پہلے سے موجود تھے۔ ان سے پھر برادرانہ و دوستانہ تعلقات قائم کر لیے۔ ۸۲۰ھ (۱۴۱۸ء) کو شہر کالپی میں وفات پائی اور کالپی کے قلعے میں دفن کیے گئے۔ مادہ تاریخ ”گلشن ہدایت“ ہے۔

مولانا احمد تھانیسری اونچے درجے کے شاعر اور فصیح الکلام اور بلیغ البیان بزرگ تھے۔ اس کا اندازہ اس نعت سے ہو سکتا ہے جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہی:

- ۱۔ اطار لبی حنین الطائر الغرد
  - ۲۔ واذکر تنی عہودا بالحمی سلفت
  - ۳۔ باتت تؤرقنی والقوم قد ہجعوا
  - ۴۔ مازار طرفی غمض بعد بعد کم
- وہاج لوعۃ قلبی التائہ الکمد  
حمامۃ صدحت من لاعج الکید  
من بین مضطجع منہم و مستند  
ولا خیال سروردار فی خلدی

- ۵۔ لیت الهوی لم یکن بینی و بینکم
- ۶۔ کانت مواسم ایام و غرتها
- ۷۔ عشنا بها و عیون البین راقدة
- ۸۔ والهم منصدع و الکرب مند فح
- ۹۔ والشعب ملتئم و العهد منهزم
- ۱۰۔ حتی استهل غراب البین فارتحلوا
- ۱۱۔ من کل هو جاء مرّ قال غدا فرّة
- ۱۲۔ کانه لم یکن بین الحمی انس
- ۱۳۔ صاروا احادیث تروی بعد ماملؤوا
- ۱۴۔ بقیة فردا وراح الناس کلهم
- ۱۵۔ لا عیش بعد لیلیات اللوی رغدا
- ۱۶۔ خل الاحیث عن لیلی و جارتها
- ۱۷۔ ولیس فی الدین والدنیا و اخرتی
- ۱۸۔ بر رؤف رحیم سید سند
- ۱۹۔ رب الندی والجدی والصالحات معاً
- ۲۰۔ بالعلم مکتنف بالحلم متصف
- ۲۱۔ بالخلق مشتمل بالرفق مکتحل
- ۲۲۔ بالشرع معتصم للدين منتقم
- ۲۳۔ بالفقر مفتخر بالذهب مشتھر
- ۲۴۔ خطاب مفصلة و صنّاع مکرمة
- ۲۵۔ العدل سيرته والفضل طينته

ولیت حبل و دادی غیر منعقد  
ولت سراعاً علی رغم ولم تعد  
والقلب فی جذل والدر فی رقد  
والجد مرتفح کالانجم السعد  
والشمل منتظم لم یرم بالبدد  
عند الصباح وشد والعیس بالقتد  
تبدی النشاط علی الاعیاء والنجد  
الی اللوی وکان الحمی لم یفد  
سامع الدر بالالفاظ کالشهد  
کالسيف یبقی بلا اغماده الفرد  
ولا وصول الی ذاک الحمی یدی  
وارحل الی السید المختار من ادد  
سری جناب رسول اللہ معتمدی  
سهل الفناء رحب الباع والصفد  
طفلا وکھلا و فی شب و فی مرّد  
باللطف ملتحف بالبر متسد  
بالحق متصل بالصدق منفرد  
فی اللہ مجتهد باللہ مقتصد  
بالشکر متزر بالحمد منجرد  
دفاع مظلمة عن کل مضطهد  
والبذل شیمتہ فی الوجد والوبد ①

۱۔ گانے والے پرندے کی آواز نے میرے ہوش اڑا دیے اور میرے حیران اور بے چین دل کے سوزِ غم میں  
ہیجان برپا ہو گیا۔

① ان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الاخبار ص ۱۳۳ تا ۱۳۶۔ سجتہ المرجان ص ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱۔  
ابجد العلوم ص ۸۹۲، ۸۹۳۔ خزینة الاصفیاء ج ۱ ص ۳۴۰، ۳۴۹۔ حدائق الحفیه ص ۳۱۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۸۔ نزہتہ  
النواظر ج ۳ ص ۱۳۶۸



- ۲- ایک کبوتری نے جلے ہوئے دل سے فریاد نکال کر مجھے حمی کے گزرے ہوئے واقعات کی یاد دلا دی۔
- ۳- (اور) مجھے رات بھر جگائے رکھا، جب کہ لوگ لیٹے ہوئے تھے اور تکیہ لگائے آرام سے سو رہے تھے۔
- ۴- تمھاری دوری کے بعد نہ میری آنکھوں کو نیند نصیب ہوئی نہ میرے دل میں کوئی مسرت کا جذبہ ابھرا۔
- ۵- کاش میرے اور تمھارے درمیان محبت کے جذبات کروٹ نہ لیتے اور کاش میری محبت کی رسی بٹی ہی نہ ہوتی۔
- ۶- وہاں کی خوشیوں کے دن اور وہاں کی بہاریں میری مرضی کے خلاف تیزی سے گزر گئیں اور پھر لوٹ کر نہ آئیں۔
- ۷- ہم نے وہاں زندگی گزارنی اور آنکھیں سو رہی تھیں۔ دل ٹھکانے تھا اور زمانہ بھی آرام کر رہا تھا۔
- ۸- غم (کا بادل) چھٹ چکا تھا اور کرب دور ہو چکا تھا اور خوش بختی سعد ستاروں کی طرح بلند تھی۔
- ۹- قبیلہ اکٹھا تھا۔ زمانہ گزر رہا تھا اور جماعت ایسی منظم تھی کہ جس پر انتشار کا طعنہ نہیں دیا گیا۔
- ۱۰- یہاں تک کہ جدائی کے کوئے نے آواز دی اور لوگ صبح کے وقت روانہ ہوئے اور اونٹوں کے کجاوے باندھنے لگے۔
- ۱۱- (اور وہ بھی ایسے) اونٹ جو ہوا سے باتیں کرنے والے تیز رفتار اور مضبوط ہوں اور تھکا دینے والی بلندی کو سر کرنے میں بھی خوشی اور چستی محسوس کریں۔
- ۱۲- (اس طرح رخصت ہوئے کہ) گویا حمی سے لویٰ تک کے درمیان نہ کوئی جان پہچان والا تھا اور نہ ادھر کوئی قبیلہ آیا۔
- ۱۳- یہ سب وہ داستانیں بن گئے جن کا ذکر کیا جاتا ہے، حالانکہ پہلے انھوں نے زمانے کے کانوں کو الفاظ سے اس طرح بھر دیا تھا جیسے شہد ہو۔
- ۱۴- لوگ سب کے سب چلے گئے اور میں اس طرح اکیلا رہ گیا جیسے بے نیام کی تنہا تلوار۔
- ۱۵- لویٰ کی راتوں کے بعد اب زندگی کا کوئی مزہ نہیں رہا اور نہ اب حمی تک پہنچنے کی مجھے دسترس ہے۔
- ۱۶- لیلیٰ اور اس کی پڑوسن کے ذکر کو چھوڑو اور اس مصیبت سے نکل کر سید مختار رضی اللہ عنہ کی طرف آؤ۔
- ۱۷- دین دنیا اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا میرے لیے کوئی نہیں جس پر اعتماد کیا جائے۔
- ۱۸- آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیکر نیکی ہیں، رؤف و رحیم اور سید و سند ہیں۔ نرم صحن والے، کشادہ دشت اور فراخ بخشش ہیں۔
- ۱۹- سخاوت و کرم اور حسنت والے ہیں۔ عالم طفولیت میں بھی جوانی میں بھی اور لڑکپن میں بھی۔
- ۲۰- علم سے آراستہ، حلم سے متصف، لطف و کرم کی ردا اوڑھے ہوئے اور بر و تقویٰ کا تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔
- ۲۱- اخلاق کی چادر میں لپٹے ہوئے اور نرمی و ولینت کا سرمہ لگائے ہوئے ہیں۔ حق سے اتصال پذیر اور وابستہ اور سچائی میں یگانہ ہیں۔

۲۲۔ شرع کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے اور دینی سزا نافذ کرنے والے ہیں۔ راہِ خدا میں کوشاں اور اللہ کے معاملے میں استقامت اختیار کرنے والے ہیں۔

۲۳۔ قابلِ فخر باتوں کا افتخار رکھتے ہیں اور زہد میں شہرہ آفاق ہیں۔ شکر کا آزار باندھے اور حمد میں رواں دواں ہیں۔

۲۴۔ اعلیٰ مفصل خطابت والے لطف و کرم کو پوری طرح قائم کرنے والے اور ہر ظالم کے ظلم کو ہر اعتبار سے دور کرنے والے ہیں۔

۲۵۔ عدل آپ ﷺ کی سیرت اور فضل آپ ﷺ کی طینت ہے۔ جو دو عطا آپ ﷺ کی خصلت ہے، فراخی میں بھی اور تنگی میں بھی۔

ان کی اور بھی نعمتیں ہیں اور نہایت دلاویز ہیں۔

ایک مرتبہ قیامِ کالپی کے دنوں میں مولانا احمد تھانی سیری کے بیٹوں اور مولانا خواجگی کے معنوی فرزند و تلمیذ قاضی شہاب الدین کے درمیان معاصرانہ چشمک ہو گئی۔ قاضی شہاب الدین نے مولانا احمد کے بیٹوں کی شکایت اپنے استاذ مولانا خواجگی سے کی اور اس سلسلے میں ایک مکتوب کے ذریعے ان سے امداد کے خواہاں ہوئے۔ مولانا خواجگی نے شکایت کے جواب میں شیخ سعدی کے یہ شعر قاضی موصوف کو لکھ بھیجے۔

اے بیش از آنکہ در قلم آید ثنائے تو واجب بر اہل مشرق و مغرب دعائے تو

اے در بقائے عمر تو نفع جہانیاں باقی مباد آنکہ نخواہد بقائے تو ❶

## ۶۔ شیخ احمد بن محمود نہروالی

شیخ احمد بن محمود حسینی عرفی نہروالی گجراتی ایک صالح عالم دین اور معروف فقیہ تھے۔ ان کا شمار مشائخِ چشتیہ میں ہوتا تھا۔ گجرات میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ اپنے چچا شیخ حسین بن عمر عرفی غیاث پوری گجراتی سے مختلف علوم کی تحصیل کی اور مدت تک ان کے ساتھ منسلک رہے۔ علمِ طریقت و تصوف بھی ان ہی سے حاصل کیا اور ان کی وفات کے بعد مسندِ مشیخت پر متمکن ہوئے۔

شیخ موصوف نے ۷ محرم کو ۸۰۰ھ (۳۰ ستمبر ۱۳۹۷ء) کے بعد نہروالی میں وفات پائی اور اپنے چچا شیخ حسین بن عمر کے قریب دفن کیے گئے ❷۔

## ۷۔ شیخ احمد بن یعقوب بھٹی

شیخ احمد بن یعقوب بن محمود بن سلیمان علاقہ سندھ کے شہر بھٹ کے رہنے والے تھے۔ نہایت صالح اور

❶ اخبار الاخیار، ص ۱۳۵۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۵۔ گلزارِ ابرار، ص ۱۵۵ تا ۱۵۷۔

پرہیزگار بزرگ تھے۔ مختلف علوم کے عالم اور بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کا لقب جلال الدین تھا۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت شیخ جلال الدین حسین بن احمد حسینی بخاری اوچی کے شاگرد تھے۔ ان سے انھوں نے قاضی عیاض کی کتاب متفق النظم والشفافی حقوق المصطفیٰ باقاعدہ درساً درسا پڑھی تھی۔ احادیث کی بعض کتابوں کا بھی ان سے درس لیا۔ یہ مصنف بھی تھے اور انھوں نے خزائنہ الفوائد الجلالیہ کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جو ان کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے اور اپنے موضوع میں بڑی جامع کتاب ہے۔ صاحب نزہتہ الخواطر علامہ سید عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں کہ اس کتاب کا ایک نسخہ لکھنؤ میں سید نور الحسن بن نواب صدیق حسن قنوجی رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانے میں موجود تھا ①۔

## ۸۔ شیخ احمد کھٹوی

شیخ احمد بن عبداللہ کھٹوی کھچی کا لقب شہاب الدین تھا۔ عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔ ان کا تعلق علاقہ گجرات کے عظیم مشائخ سے تھا۔ ۷۳۷ھ (۱۳۳۷ء) کو موضع کھٹو میں پیدا ہوئے جو ہندوستان کے مشہور شہر جمیر کے قریب ہے۔ ان کے آبا و اجداد دہلی کے رہنے والے تھے۔ منقول ہے کہ بچپن کے زمانے میں ایک گاؤں میں گئے۔ وہاں گاؤں کے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ تیز آندھی آئی جو انھیں اڑا کر کسی دوسری جگہ لے گئی اور اس طرح اپنے وطن سے بہت دور چلے گئے جہاں بالکل بے یار و مددگار ہو گئے۔ پردیسیوں کی طرح گھوم رہے تھے کہ ایک روز اتفاقاً ایک درویش بابا اسحاق مغربی کا ادھر سے گزر ہوا۔ انھوں نے ان کو لاوارث بچہ سمجھ کر اپنے ساتھ لیا اور اپنی قیام گاہ میں موضع کھٹو لے گئے۔ اب وہ بابا اسحاق مغربی کے پاس رہنے لگے اور انھوں نے ان کی پرورش کی۔ ان کے فیض صحبت سے روحانی تعلیم و تربیت سے سرفراز ہوئے اور ایک ولی کامل کی حیثیت سے دنیا کے سامنے نمودار ہوئے اور پھر ان ہی کی خلافت و اجازت کا شرف حاصل کیا۔

ان کے شیخ و مرشد شیخ اسحاق مغربی کا سلسلہ نسب شیخ ابو مدین مغربی سے ملتا ہے۔ شیخ اسحاق نے بڑی لمبی عمر پائی تھی۔ ۸۵۱ھ (۱۴۴۷ء) میں پیدا اور ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء) میں فوت ہوئے۔ اس حساب سے ان کی عمر ۱۳۸ سال بنتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے بزرگوں میں سے ہر بزرگ نے تقریباً ڈیڑھ سو سال کی عمر پائی۔ شیخ اسحاق مغربی کی وفات کے بعد شیخ احمد موضع کھٹو سے دہلی آئے اور ظاہری علوم کی تحصیل کی۔ تعلیم سے فارغ ہوئے تو مسجد خان جہاں میں ڈیرے ڈال لیے اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ اشیائے اکل و شرب سے اس درجہ بے نیازی اختیار کر لی تھی کہ سوکھی اور باسی روٹی کا ایک ٹکڑا کھاتے اور اسی سے روزہ افطار کرتے۔ عمر بھر شادی نہیں کی۔ حج و زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔

فیروز شاہ کے دور حکومت میں اس کی طرف سے ایک شخص ظفر خاں نہروالہ کا حاکم مقرر تھا جو بعد کو

سلطان مظفر کے لقب سے مشہور ہوا۔ شیخ احمد کے قیام دہلی کے زمانے میں یہ شیخ احمد سے متعارف بلکہ متاثر تھا۔ جب یہ گجرات کا فرماں روا بنا تو اس نے شیخ احمد کو گجرات تشریف لانے اور وہیں مستقل طور سے مقیم ہو جانے پر اصرار کیا۔ چنانچہ شیخ موضع کھٹو سے علاقہ گجرات کے ایک مقام سرکھچ تشریف لے گئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ اس علاقے کے لوگوں نے ان سے خوب روحانی فیض حاصل کیا۔ ان کا دسترخوان بہت وسیع تھا جس پر امیر و غریب اور شاہ و گدا سب حاضر ہوتے تھے۔

شیخ کے حلقہ ارادت میں بے شمار لوگ شامل تھے۔ ان کے ایک مرید کا نام محمود بن سعید ایرجی تھا، جنہوں نے ”تحفۃ المجالس“ کے نام سے ان کے ملفوظات اور حالات و سوانح جمع کیے ہیں۔ اس کتاب میں ان کے تدین، کشف و کرامات اور تبحر علمی کے بہت سے واقعات مرقوم ہیں۔ ان میں سے چند واقعات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

### ایک تاجر کا واقعہ:

ایک مرتبہ ایک بہت بڑا تاجر تیس سیر مصری اور کستوری کا ایک بڑا نافہ لے کر مسجد خان جہاں میں شیخ احمد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے اس تاجر سے پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں اور ہمیں کب سے جانتے ہیں؟ اس نے کہا میں شیخ نور کا مرید ہوں جو پنڈوہ میں اقامت پذیر ہیں اور اس وقت وہیں سے آ رہا ہوں۔ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ دہلی آچکا ہوں۔ گزشتہ دنوں دہلی سے سامان تجارت کی خرید و فروخت کے بعد شیخ نور کی خدمت میں پنڈوہ گیا تو انہوں نے پوچھا تم نے دہلی میں کن کن مشائخ سے ملاقات کی؟ میں نے جن جن حضرات مشائخ سے شرف ملاقات حاصل کیا تھا ان سب کے نام عرض کیے۔ فرمایا: شیخ احمد کھٹو سے ملے؟ ان کی یہ بات سن کر میں خاموش ہو گیا۔ فرمایا اگر تم دہلی گئے اور شیخ احمد کھٹو سے نہیں ملے تو تمہارا سفر ضائع کیا اور دہلی کی مدت قیام بے مقصد رہی۔ مرشد کے اس فرمان سے میں سخت پریشان ہوا اور بے قراری کے عالم میں وہاں سے چلا اور اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

تاجر کی یہ بات سن کر شیخ احمد نے فرمایا: شیخ نور سے نہ ہماری کبھی ملاقات ہوئی اور نہ آج تک انہوں نے ہم کو دیکھا ہے اور نہ ہم نے ان کو۔ لیکن اس بزرگ کو ہمارے متعلق معلوم ہو گیا۔ یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

### تیمور لنگ سے ملاقات:

امیر تیمور کے دہلی پر حملے کے وقت شیخ احمد دہلی میں تھے۔ فرمایا ہم دہلی والوں کے ساتھ رہیں گے۔ جب تیمور نے خون ریزی اور قتل و غارت کے بعد لوگوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا تو شیخ احمد اور ان کے بعض معتقدین کو بھی تیمور کی فوج نے گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا۔ اتنے میں تیمور کو شیخ کی صالحیت و تدین کا پتا چلا تو انہیں رہا کر دیا اور نہایت احترام سے پیش آیا۔ ایام نظر بندی کا ذکر کرتے ہوئے شیخ احمد فرماتے ہیں:

چہل فقیران بامادران بند بودند ہر روز چہل کاک گرم برما از غیب می فرستادند کہ خورش فقیراں می شد۔  
یعنی ہمارے ساتھ چالیس فقیر جیل میں محبوس تھے۔ غیب سے روزانہ چالیس روٹیاں ہمارے لیے اللہ  
تعالیٰ بھیج دیتا اور ہم نہایت مزے سے کھاتے۔

### ایک عجیب و غریب واقعہ:

رہائی کے بعد کا ایک عجیب واقعہ شیخ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم بہت سے لوگ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ ہمارا  
جہاز سمندر میں جا رہا تھا کہ میں ایک دفعہ وضو کرنے لگا۔ اچانک میرا پاؤں پھسلا اور میں سمندر میں جا کر اترتے ہی میں  
نے یا حَافِظُ یا حَافِظُ یا رَقِيبُ یا وَكَيْلُ یا اللہ پڑھنا شروع کیا۔ میں پانی کی سطح پر تیرتا جا رہا تھا اور یہ وظیفہ  
میرے در زبان تھا۔ اتنے میں مجھے اپنے پاؤں کے نیچے ایک پتھر معلوم ہوا اور میں اس پر کھڑا ہو گیا۔ پانی کمر تک تھا اور  
میں برابر یہ وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ اس کے بعد ملحق اور جہاز کے کپتان نے مجھے مچھلی کی طرح اوپر اٹھالیا۔

### رسول اللہ ﷺ کا مہمان :

اس کے ساتھ ہی شیخ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ پہنچا حج کیا اور مدینہ منورہ کو روانہ ہوا۔ مدینہ منورہ میں امام  
خان جہان شیخ تاج الدین سرسپچی اور کچھ اور لوگ ہمارے ساتھ تھے۔ ہم مسجد نبوی میں مقیم تھے۔ ہمارے ساتھیوں نے  
کہا کھانے کا انتظام کرنا چاہیے۔ میں نے کہا ہم تو کھانے کا انتظام نہیں کریں گے کیونکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے مہمان  
ہیں۔ اس کے بعد وہ لوگ کھانا کھا کر واپس آئے۔ ہم نے ایک ساتھ عشا کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد وہ تو سو گئے اور  
میں ہاتھ دھو کر تسبیح پڑھنے لگا۔ ناگہاں ایک آواز آئی۔ ”رسول اللہ ﷺ کا مہمان کون ہے۔؟“ میں نے خیال کیا کہ  
دوسرے آدمی کو آواز دی جا رہی ہے۔ دوسری مرتبہ پھر یہی آواز فضا میں گونجی اور میرے کانوں سے ٹکرائی، لیکن میں اب  
بھی خاموش رہا۔ تیسری مرتبہ پھر یہی آواز بلند ہوئی اور میں نے سنی۔ اب میں سمجھا کہ یہ آواز مجھے ہی دی جا رہی ہے اور  
رسول اللہ ﷺ کا مہمان میں ہی ہوں۔ چنانچہ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور آواز دینے والے کے پاس پہنچا جو اپنے ہاتھ  
میں ایک خوان لیے کھڑا تھا۔ اس نے کہا میں آپ کے لیے کھانا لایا ہوں۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے۔ میں  
نے دامن پھیلایا۔ اس نے کھجوریں میرے دامن میں ڈال دیں اور خالی خوان لے کر واپس چلا گیا۔ وہ کھجوریں میں  
نے منہ میں ڈالیں تو اتنی لذیذ اور میٹھی تھیں کہ میں نے آج تک اس قسم کی کھجوریں نہیں کھائی تھیں۔

### ایک خواب:

کھجوریں کھانے کے بعد میں سو گیا۔ رات کو میں نے خواب دیکھا اور وہی خواب میرے تینوں ساتھیوں  
نے بھی دیکھا۔ خواب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ایک ہوادار اور روشن مقام میں تشریف فرما ہیں۔ چند کبار صحابہ وہاں

کھڑے ہیں اور ایک عورت جو مختلف قسم کے زیور پہنے ہوئے ہے وہاں موجود ہے۔ نبی ﷺ نے مجھے فرمایا اسے قبول کر لو۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارے بزرگوں نے قبول نہیں کیا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے فرمایا 'تمہارے والد ہیں۔ میں نے دیکھا تو حضرت علی اپنی انگلی دانتوں میں دبائے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ بابا احمد! رسول اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل کرو اور اس عورت کو قبول کر لو۔ چنانچہ میں نے اس عورت کو قبول کر لیا اور فوراً ہی میرے دل میں آیا کہ عورت کی صورت میں جو چیز سامنے کھڑی ہے وہ دنیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مجھے پوری دنیا مل گئی۔

### سفر کے معمولات:

ایک جگہ سفر کے معمولات بیان کرتے ہوئے اپنے بارے میں فرماتے ہیں: اس فقیر نے بغیر کسی رفیق اور سامان کے تنہا پورے گیارہ سال برہنہ پاسفر کیا ہے۔ جس شہر اور قصبے میں جاتا وہاں کی مسجد میں رات بسر کرتا۔ دوران سفر میں اللہ ہی میرا نگہبان تھا۔ ہمیشہ عشا کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتا رہا۔ سفر میں روزہ رکھتا اور مصروف عبادت رہتا۔ فرماتے ہیں اگرچہ سفر میں کئی قسم کی تکلیفیں برداشت کرنا پڑتی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضور حق کی فرحت و مسرت قلب کو بہت زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ پیدل سفر کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے پاپیادہ سفر آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کے پیش نظر کیا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں 'وامضوا حفاتاً عراتاً سترون اللہ جہراً ای عیاناً' ①۔

### اونچا ہاتھ:

شیخ احمد کھٹوی کہتے ہیں 'ایک دن بابو جیو نے مجھ سے کہا۔ بابا احمد! تم سخاوت بہت کرتے ہو۔ بھائی ہاتھ کبھی کبھی اونچا کیا کرو۔ میں نے کہا 'بابو جیو دعا کرو میرا ہاتھ ہمیشہ اونچا رہے' کبھی نیچا نہ ہو۔ اس پر بابو جیو نے کہا ہم اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ بابا احمد کا ہاتھ ہمیشہ اونچا رہے اور خدا کی مخلوق ان سے لیتی رہے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

ہمت بلند دار کہ داور کردگار  
برہمت بلند کند فضل خود نثار

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی: یا ابن آدم انفق، انفق، انفق ②

پھر یہ آیت پڑھی:

① یہ الفاظ اخیاء الاخیار ص ۱۵۹ پر میں مرقوم ہیں۔ ان کا ترجمہ یہ ہے کہ تم برہنہ پا اور برہنہ جسم چلو تو اللہ تعالیٰ کو کھلے بندوں دیکھ لو گے۔ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مجھے احادیث کی کسی متداول اور مستند کتاب میں نہیں ملی۔

② ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے: اے ابن آدم خرچ کر، خرچ کر، خرچ کر۔ انفاق فی سبیل اللہ اور صدقات و خیرات کا تو بہت سی احادیث میں حکم دیا گیا ہے لیکن ان الفاظ پر مشتمل حدیث مجھے کتب احادیث میں نہیں ملی۔

﴿وَمَا تَقْدِمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ وَأَعْظَمُ

أَجْرًا﴾ ❶

ایک استاذِ فقہ سے ملاقات:

ایک دن شیخ احمد نے فرمایا: فقیروں کی مجلس میں آنا آسان ہے لیکن وہاں سے اپنے آپ کو صحیح سالم واپس لے جانا مشکل ہے۔

اس پر مرتب ملفوظات شیخ محمود بن سعید ایرجی نے کہا: سید بہاء الدین جو میری والدہ کے دادا تھے، فرمایا کرتے تھے تم ہر اس شخص کو درویش نہ سمجھو جو تمہارے پاس آتا اور گروہ درویشوں کے گرد چکر لگاتا رہتا ہے۔ اگر تم طاقت رکھتے ہو تو ان کی آنکھ کان اور زبان پر قبضہ کر کے ان کے دلوں کو حاضر کر لو۔ میری یہ بات سن کر شیخ نے اپنا ایک واقعہ سنایا۔ انھوں نے بتایا کہ میں ایک مرتبہ سمرقند کی ایک مسجد میں پہنچا۔ وہاں ایک فقیہ طلبا کو پڑھا رہا تھا اور طلبا اس کے ارد گرد بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ میں درویشوں کی سی ٹوپی سر پر رکھے اور فقیروں کا سالباس پہنے ہوئے تھا، طلبا سے دور ہو کر بیٹھ گیا۔ ایک طالب علم حسامی پڑھا رہا تھا لیکن اس کی عبارت غلط پڑھا تھا۔ میں نے دور سے بیٹھے ہوئے آواز دی:

اعراب غلطی خوانی۔

اعراب غلط پڑھ رہے ہو۔

میری آواز سنتے ہی ان کا فقیہ استاذ اپنی نشست سے اٹھا، مجھ سے ملا اور وہاں سے اٹھا کر مجھے اپنی مسند درس کے قریب لے گیا۔ پھر اس نے علم اصول کے بارے میں مجھ سے چند سوالات پوچھے، جن کا میں نے صحیح صحیح جواب دیا۔ جب اس عالم فقہ کو میری علمی حیثیت کا پتا چلا تو وہ میری طرف مخاطب ہوا اور کہا:

باایں چنین علم جامہ محقر و کلاہ بر سر چرامی پوشی؟

اس علم کے باوجود یہ معمولی سے کپڑے اور فقیروں کی سی ٹوپی کیوں پہن رکھی ہے؟

میں نے جواب دیا: یکے علم دوم اگر جامہ لطیف پوشتم نفس بدخونی کند۔ اس درویش مخصوص خود را دریں

لباس پوشیدہ می دارد۔

ایک تو میں علم کی نعمت سے بہرہ ور ہوں، دوسرے اس کی موجودگی میں اگر میں عمدہ لباس زیب تن کروں گا تو نفس بدخونی کرے گا اور پندار میں مبتلا ہوگا، لہذا اس فقیر نے اپنے لیے یہ لباس مخصوص کر لیا ہے اور یہ اپنے آپ کو اس میں چھپائے رکھتا ہے۔

❶ یہ آیت سورہ منزل کی آخری آیت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: اور جو نیک عمل اپنے لیے آگے (ذخیرہ آخرت بنا کر)

بھیجے گا، اسے اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤں لگے۔

## ایک قابل ذکر واقعہ:

مصنف تحفۃ المجالس نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ رمضان المبارک کا مہینا تھا۔ تراویح میں ایک عالم دین مولانا محمد قاسم باقاعدہ قرآن مجید سنتے تھے۔ منزل سورۃ الاعلیٰ تک پہنچ گئی تھی۔ جس رات قرآن مجید ختم ہونا تھا، اسی رات شیخ احمد نے محمد قاسم سے کہا آپ آج شب فلاں گاؤں چلے جائیں۔

مولانا کو یہ بات عجیب سی معلوم ہوئی اور دل میں خیال آیا کہ آج رات کو نماز تراویح میں قرآن مجید ختم ہو جائے گا، کل علی الصبح روانہ ہو جاؤں گا۔ لیکن یہ بات شیخ سے نہ کہی کہ مبادا وہ اس کو سوئے ادب سمجھیں۔ تھوڑی دیر جب یوں ہی گزر گئی اور مولانا وہیں ٹھہرے رہے تو دوبارہ حکم دیا کہ آپ فلاں گاؤں چلے جائیں۔ چنانچہ وہ سلام کر کے اس گاؤں کو روانہ ہو گئے۔ قصبہ دولقہ میں پہنچے تو عشا کا وقت ہو چکا تھا۔ تیزی سے نماز کے لیے مسجد میں گئے کہ امام کی اقتدا میں فرض پڑھیں۔ دو رکعت سنت ادا کی۔ بعد ازاں نماز تراویح کی نوبت آئی تو حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ امام نے سورۃ الاعلیٰ سے تراویح پڑھانا شروع کی۔ مولانا محمد قاسم نے سورۃ الاعلیٰ تک تو پورا قرآن مجید سن ہی لیا تھا اب اس امام کے پیچھے باقی سورتیں بھی سن لیں۔

مولانا محمد قاسم اس گاؤں سے واپس لوٹ کر شیخ احمد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا: مخدوم جیو عفو فرماید بندہ کہ مکث می کرو سبب اس معنی بود کہ یک شب بماند ختم مرتب شود بامداواں رواں شود۔

مخدوم معاف فرمائیے گا تعمیل ارشاد میں میرے توقف کی وجہ یہ تھی کہ قرآن مجید ختم ہونے میں بس ایک ہی رات باقی رہ گئی تھی۔ خیال یہ تھا کہ پورا قرآن مجید ختم ہونے کے بعد کل صبح سویرے چلا جاؤں گا۔ اس پر شیخ احمد نے کہا: مولانا! درویشاں از جہت کار دنیا کار دین ازاں تو نقصان نخواہند کرد۔ مولانا! درویش کسی دینوی کام کے لیے آپ کے دینی کام میں نقصان نہیں پیدا کرتے۔

## تصنیف:

شیخ احمد کی تصانیف میں سے ایک رسالہ ہے جو انھوں نے والی گجرات سلطان احمد شاہ کے لیے تصنیف کیا اور اس کی شرح ابو حامد اسماعیل بن ابراہیم نے لکھی۔ ان سے یہ رسالہ عبداللہ محمد بن عمر آصفی گجراتی نے تاریخ گجرات میں شیخ کی ولادت و وفات اور سوانح و حالات کے سلسلے میں نقل کیا ہے۔

## وفات:

شیخ احمد کھٹونے ایک سو گیارہ سال عمر پا کر جمعرات کے روز، قبل از زوال ۱۳ شوال ۸۴۹ھ (۲۰ جنوری



۱۴۴۳ء) کو موضع سرکھچ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

ان کے رسالے کے شارح ابو حامد اسماعیل بن ابراہیم نے ان کا مرثیہ کہا، جس کا مطلع یہ ہے:

ان حزننا لئنا اتم بیال  
اور ان کی تاریخ وفات اس شعر سے نکالی:

طء ومیم علی ثمان مئات  
یہ شعر بھی اسی مرثیے کا ہے:

عمرہ دلنا علی انه قطب  
مات یوم الخمیس قبل الزوال  
والی گجرات سلطان محمد بن احمد کی مجلس میں بعض شعرا نے ان کی وفات پر یہ شعر کہے:

چو شیخ احمد امام دین و دنیا  
سوی فردوس می شد خرم و شاد  
فلک می گفت در تاریخ آن سال  
شہ عالم محمد رابقا باد ①

## ۹۔ قاضی احمد شہاب الدین دولت آبادی

ان کا نام احمد اور لقب شہاب الدین تھا۔ والد کا اسم گرامی شمس الدین اور جد امجد کا عمر تھا۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے انھیں ”مولانا قاضی شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر الزاوی دولت آبادی“ ② لکھا ہے۔ فرشتہ نے ان کا ذکر سلطنت ابراہیم شرقی کے ضمن میں کیا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق ان کا خاندان غزنی سے آیا تھا اور یہ اصلاً غزنی ہی کے باشندے تھے۔

از جملہ فضلاء عصر او یکے قاضی شہاب الدین جون پوری است۔ اصل او غزنی است و در دولت آباد دکن نشو و نما یافت ③۔

یعنی (سلطان ابراہیم شرقی) کے فضلاء عصر میں سے ایک قاضی شہاب الدین جون پوری ہیں۔ ان کا مولد غزنی ہے اور انھوں نے دولت آباد دکن میں نشو و نما پائی۔

تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی لکھتے ہیں:

در دولت آباد متولد شدہ ④۔

(قاضی شہاب الدین) دولت آباد میں پیدا ہوئے۔

① اخبار الاخیار، ص ۱۶۱ تا ۱۵۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۸ تا ۱۶۔

② ملاحظہ ہو سبحة المرجان، ص ۳۹۔ آثار الکرام، ص ۱۷۱۔

③ تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۳۰۶۔ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔

④ تذکرہ علمائے ہند، ص ۸۸۔ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ (طبع دوم، ۱۹۱۴ء)۔

بظاہر ممکن ہے ان کے بارے میں میر غلام علی آزاد محمد قاسم فرشتہ اور مولوی رحمان علی کے بیانات میں کچھ اختلاف معلوم ہوتا ہو، کیوں کہ میر غلام علی نے ان کو زاولی فرشتہ نے ”اصل اوغز نین است“ اور مولوی رحمان علی نے ”در دولت آباد متولد شدہ“ لکھا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ان تینوں بیانات میں کوئی اختلاف، کوئی منافات اور کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔ ان کا اصلی وطن زابلستان تھا۔ دریائے ہلمند اور دریائے قندھار کے بالائی حصوں کے علاقے کو عرب زابلستان کے نام سے موسوم کرتے تھے اور بالخصوص اس سے وہ علاقہ مراد لیا جاتا ہے جو غزنہ کے گرد واقع ہے، اس لیے اگر ان کو زاول اور غزنہ کے باشندے کہا گیا ہے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس میں اختلاف یا تضاد پایا جاتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے آباد و اجداد غزنی سے آئے اور دہلی میں اقامت گزین ہو گئے۔ اس کے بعد دولت آباد منتقل ہو گئے۔ اس لیے دولت آبادی کہلائے۔ دولت آباد شہر دیوگیر کا نام ہے اور یہ وہ شہر ہے جس کو سلطان محمد تغلق نے دہلی کے بجائے اپنا دار السلطنت بنایا تھا۔ اس شہر کو بہت تھوڑا عرصہ دار السلطنت کی حیثیت حاصل رہی۔ بعد ازاں دار السلطنت پھر دہلی ہی کو قرار دے دیا گیا تھا۔

اساتذہ کرام:

اگرچہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی تاریخ ولادت کے بارے میں کوئی یقینی علم حاصل نہیں ہو سکا، تاہم ایک روایت کے مطابق ۶۱ھ (۱۳۶۰ء) میں پیدا ہوئے ① انھوں نے ابتدائی تعلیم دولت آباد میں حاصل کی اور وہیں نشوونما پائی۔ پھر دہلی تشریف لے گئے۔ مطولات کی تعلیم کا آغاز دہلی میں ہوا اور اس کے لیے سب سے پہلے قاضی عبدالمقتدر شریکی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیے اور حدت فکر، سرعت فہم اور ذکاوت ذہن کی بنا پر بہت جلد استاذ کی نظروں میں سما گئے۔ استاذان کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں میر غلام علی آزاد بلگرامی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

قاضی عبدالمقتدر در باب اومی فرمود پیش من طالب علمے می آید کہ پوست او علم، و مغز او علم، و استخوان او علم است ②۔

یعنی میرے پاس ایک ایسا طالب علم آیا ہے جس کا پوست علم ہے، مغز علم ہے اور ہڈیاں علم ہیں۔  
یعنی سر سے پاؤں تک علم ہی علم۔

قاضی عبدالمقتدر شریکی کا انتقال ۹۱ھ (۱۳۸۹ء) میں ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد شیخ شہاب الدین

① اخیاء الاخیار (اردو ترجمہ) ص ۳۲۱ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی (۱۹۶۳ء)

یہاں یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ صاحب اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اصل کتاب (فارسی) میں ان کی تاریخ ولادت کہیں نہیں لکھی۔ مترجم مولانا اقبال الدین احمد نے ۶۱ھ (۱۳۶۰ء) تحریر کی ہے۔ مگر اس کا حوالہ نہیں دیا۔

② مآثر الکرام ص ۱۷۱۔ شائع کردہ شیخ شمس الحق۔ مکتبہ اخیاء العلوم الشرقیہ۔ ۳۹ شارع علامہ اقبال لاہور۔

مولانا خواجگی کے حلقہٴ درس میں شامل ہوئے۔ مولانا خواجگی اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور مولانا معین الدین عمرانی کے شاگرد تھے۔ یہاں بھی اپنے رفقاءِ درس میں انہوں نے بہت جلد امتیازی مقام حاصل کر لیا۔ اس ضمن میں آزاد بلگرامی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

مولانا القاضی شہاب الدین تلمذ القاضی عبدالمقتدر الدہلوی و  
مولانا خواجگی الدہلوی و هو من تلامذۃ مولانا معین الدین  
العمرانی رحمہ اللہ تعالیٰ، ففاق اقرانہ و سبق اخوانہ ①۔

مولانا قاضی شہاب الدین نے قاضی عبدالمقتدر دہلوی اور مولانا خواجگی دہلوی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیے اور (مولانا خواجگی) مولانا معین الدین عمرانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ قاضی شہاب الدین اپنے اقران و معاصرین پر فوقیت حاصل کر گئے اور ساتھیوں پر سبقت لے گئے۔

۸۰۱ھ (۱۳۹۹ء) میں امیر تیمور ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور ساتھ ہی یہ وحشت ناک خبریں آنے لگیں کہ وہ بہت جلد دہلی پر حملہ کرنے والا ہے۔ اسی زمانے میں سید محمد گیسو دراز نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر دہلی پر مغلوں کا حملہ کی گئی اور اسی سے متاثر ہو کر مولانا خواجگی دہلی سے کالپی چلے گئے تھے۔

مولانا خواجگی پیش از آمدن امیر تیمور گورگان بنا بر رویاء صالحہ کہ میر سید محمد گیسو دراز ز دیدہ بودند و از آمدن مغل اخبار نمودہ از دہلی برآمد بکالپی رسیدہ متوطن شد و در ہماں جا بسر برد ②۔

یعنی امیر تیمور کے حملے سے پہلے میر سید محمد گیسو دراز نے خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر مغلوں کا حملہ کی گئی تھی۔ مولانا خواجگی اس کی وجہ سے دہلی کی سکونت ترک کر کے کالپی چلے گئے تھے بعد ازاں وہیں متوطن ہو گئے تھے اور پھر پوری زندگی وہیں بسر کی۔

دہلی سے روانگی اور جون پور میں قیام:

بہر حال تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا اور وہ جہاں گیا قتل و غارت کا بازار گرم کرتا گیا۔ اس ضمن میں اس نے تلمبہ، ملتان اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں نہایت بے دردی کا مظاہرہ کیا۔ اس کی تفصیلات دہلی پہنچیں تو وہاں کے باشندے بہت پریشان ہوئے اور اعیان و اکابر اور علماء و صوفیا کی کثیر تعداد دہلی کی سکونت ترک کرنے پر مجبور ہو گئی۔ ان میں مولانا خواجگی بھی تھے جنہوں نے اپنے شاگرد رشید شہاب الدین کو ساتھ لیا اور دہلی سے نکل کھڑے ہوئے اور کالپی جا پہنچے۔ کالپی اس زمانے میں ایک اہم اور بارونق شہر تھا۔ مولانا خواجگی تو کالپی ہی میں سکونت گزین ہو گئے مگر قاضی شہاب الدین وہاں سے جون پور تشریف لے گئے۔ جون پور کو اس دور میں

① سبۃ المرجان۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، ص ۳۹۔

② اخبار الاخیار، ص ۱۴۴۔

سلطان ابراہیم شرقی کی علم دوستی اور معارف پروری نے مشرق کا شیراز بنا دیا تھا۔ ایک بہت بڑے عالم مولانا احمد تھانوی تھے جو مولانا خواجگی کے گہرے دوست تھے۔ یہ دہلی ہی میں رہ گئے تھے اور دہلی ہی میں تیمور کے دربار میں ان کا صاحب ہدایہ کے پوتے سے ایک تیز مکالمہ ہوا تھا۔ بعد میں یہ بھی کاپی چلے گئے تھے اور ان کی وفات کاپی ہی میں ہوئی۔

### جون پور میں علمائے دین کی پذیرائی:

مسلمانوں کی تاریخ کا یہ پہلو بہت ہی نمایاں ہے کہ حکمرانی و جہاں داری کے دربار میں علم و ادب کو نہ صرف یہ کہ ہر دور میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا گیا بلکہ اسے ہمیشہ اونچا درجہ دیا گیا اور اہل علم، ارباب تحقیق اور اصحاب فتویٰ و تقویٰ کو ہر مقام پر فوقیت حاصل رہی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کے اس پر آشوب دور میں جب کہ اس پر تیمور حملہ آور ہوا اور اس نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی تو اسی ملک کا دوسرا گوشہ جو جون پور کے نام سے معروف تھا، علمائے دین اور تبعین شریعت کے لیے دارالامان کی حیثیت اختیار کر گیا۔ جو بزرگان دین دہلی اور اس کے گرد و نواح سے ہجرت کر کے وہاں پہنچے، سلاطین جون پور ان سے انتہائی تکریم کے ساتھ پیش آئے۔ ان کا بدرجہ غایت خیر مقدم کیا اور ان کے شایان شان ان کو اعلیٰ مناصب عطا کیے۔ ان سلاطین میں ابراہیم شرقی کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ وہ علمائے دین اور ارباب کمال کا بہت ہی قدردان تھا۔ اس نے ان کو بلند مراتب پر فائز کیا اور اس کے زمانے میں بہترین کتابیں تصنیف ہوئیں۔ اس ضمن میں طبقات اکبری کے مصنف نظام الدین احمد کے الفاظ لائق مطالعہ ہیں۔

علماء و بزرگان کہ از آشوب جہان پریشان خاطر بودند، جون پور کہ در آں ایام دارالامان بود آورند۔ و آں دارالسلطنت از قدم علماء دارالعلم گردید و چندین کتب و رسائل بنام او تصنیف شد۔ مثل حاشیہ ہندی و بحر مواج و فتاویٰ ابراہیم شاہی و ارشاد و غیرہ ذالک۔ و چون عون الہی قرین آن بادشاہ عالم پرور بود لا جرم در عنقوان دولت بتجارب دکار دانی از جمیع سلاطین ہند در مضمار معالی قصب السبق ربود ①۔

یعنی ان علماء اور بزرگان دین نے جو دنیا کی تکلیفوں اور پریشانیوں میں مبتلا تھے، اس دور میں اپنی تشریف آوری اور قیام سے جون پور کو سرفراز کیا، جس کی حیثیت اس زمانے میں دارالامان کی تھی اور یہ دارالسلطنت، علماء کی آمد کی وجہ سے گہوارہ علم قرار دیا گیا۔ (سلطان ابراہیم شرقی) کے نام سے اس زمانے میں چند کتابیں بھی تصنیف ہوئیں۔ مثلاً حاشیہ ہندی، بحر مواج، فتاویٰ ابراہیم شاہی اور ارشاد و غیرہ۔ اور چونکہ نصرت الہی سے یہ بادشاہ علماء پرور تھا اس لیے آغاز حکمرانی میں تمام سلاطین ہند سے بازی لے گیا تھا۔

① طبقات اکبری از خواجہ نظام الدین احمد بن محمد مقیم ہردی، ج ۳، ص ۲۷۵۔ مطبوعہ باہتمام ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔ مطبع ہٹ

مشن کلکتہ (۱۹۳۵ء)

## سلطان ابراہیم شرقی:

ابراہیم شرقی کے اوصاف و کمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرشتہ لکھتا ہے: اما شاہے بود متصف بعقل و دانش و تدبیر در عصر وے فضلاء ممالک ہندوستان و دانشمندان ایران و توران کہ از آشوب جہان پریشان خاطر بودند بدارالامان جون پور آمدہ در مہد امن و امان غنودند و از خوان احسان اوز لہا برداشتہ بنام نامی او چنانچہ بزبان علم خواہد آمد چندیں کتب و رسائل پرداختند ①۔

یعنی یہ وہ بادشاہ تھا جو عقل و دانش اور تدبیر و تدبیر کے اوصاف سے متصف تھا۔ اس کے عہد میں مختلف علاقہ ہائے ہند کے فاضل اور ایران و توران کے وہ دانش مند و کامل حضرات جو پور کے دارالامان میں تشریف لائے جو آشوب جہان سے حیران اور پریشان خاطر تھے ان کو اس کے عہد امن و امان میں پوری آسودگی حاصل ہوئی اور انہوں نے اس کے خوان احسان سے متمتع ہو کر متعدد کتب و رسائل تصنیف کر کے اس کے نام سے منسوب کیں۔

## چند علمائے کرام:

جو علمائے عظام ان دنوں وارد جون پور ہوئے ان میں قاضی القضاة شیخ شہاب الدین دولت آبادی، شیخ ابوالفتح (نبیرہ قاضی عبدالمقتدر شرقی) قاضی احمد بن محمد (مصنف فتاویٰ ابراہیم شاہی) قاضی نصیر الدین (تلمیذ قاضی عبدالمقتدر شرقی) شیخ خضر بن حسن بلخی اور قاضی نظام الدین غزنوی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ سلاطین جون پور نے علمائے کرام کی بے حد قدر کی اور اسی وجہ سے ہندوستان کے مختلف گوشوں سے اٹھ کر بہت سے علماء فقہانے اس شہر کو اپنا مسکن قرار دے لیا تھا۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

دار الحبور جون پور کانت دارا الخلافة للسلاطين الشرقية نشأ بها کثیر من المشائخ والعلماء ②۔

جون پور جو علماء کا گہوارہ ہے، سلاطین شرقی کا دارالخلافت تھا۔ اس میں کثیر تعداد میں علماء و مشائخ پیدا

ہوئے۔

## قاضی شہاب الدین کی عزت افزائی:

علمائے کرام کی اس جماعت کے ساتھ قاضی شہاب الدین بھی جو احمد بن عمر دولت آبادی کے نام سے موسوم تھے جون پور پہنچے۔ اس دور کا حکمران سلطان ابراہیم شرقی ان کے علم و فضل کی فراوانیوں سے بہت متاثر ہوا۔

① تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۳۰۵۔

② سبحة المرجان ص ۳۹۔

اس نے ان کو ملک العلماء کا خطاب دیا اور ممالک محروسہ کے عہدہ قضا پر فائز کیا۔

وذهب الی دار الحبور جون فور 'فاغتم السلطان ابراہیم الشرقی  
جون فور وورہ ونضر سقاہ السحاب الاحسان وورودہ وعظمہ بین  
الکبراء ولقبہ بملک العلماء ①۔

یعنی قاضی شہاب الدین آستانہ علماء و حبور جون پور میں پہنچے تو سلطان ابراہیم شرقی نے ان کی تشریف  
آوری کو غنیمت جانا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ابراحسان سے اس سرزمین کو سیراب کیا۔ سلطان نے جماعت اکابر  
میں ان کو زیادہ لائق تعظیم گردانا اور ملک العلماء کا خطاب عطا کیا ②۔

سلطان ابراہیم شرقی ان سے اس درجہ توقیر سے پیش آتا تھا کہ انہیں متبرک تہواروں کے موقعے پر  
چاندی کی کرسی پر بٹھاتا۔ فرشتہ لکھتا ہے:

سلطان ابراہیم در تعظیم و توقیر او بسیار می کوشید و در روز ہائے متبرک در مجلس او بر کرسی نقرہ می نشست ③۔  
یعنی سلطان ابراہیم شرقی ان کی بے پناہ عزت کرتا اور متبرک ایام میں انہیں اپنے دربار میں نقرئی کرسی پر  
بٹھاتا۔

### حسد و رقابت:

سلطان ابراہیم شرقی کے دربار میں قاضی شہاب الدین کی جو غیر معمولی قدر و منزلت کی گئی، اس سے ان  
کے بعض ہم عصروں کو بڑی تکلیف ہوئی۔ ان کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ ان کے خلاف ریشہ  
دوانیاں کرنے لگے۔ قاضی موصوف اس سے نہایت پریشان ہوئے اور واقعہ کی تفصیل سے بذریعہ مکتوب اپنے  
استاذ محترم مولانا خواجگی کو مطلع کیا۔ انہوں نے جواب میں مطمئن رہنے کی تلقین فرمائی اور چند ہی روز میں حاسدین  
کا یہ گروہ ختم ہو گیا۔ اس ضمن میں آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

قاضی جانب جون پور رفت سلطان ابراہیم شرقی اشرق اللہ ضریحہ مقدم اورا منقتم دانستہ۔ لوازم قدر  
شناسی افزوں از وصف بجا آورد و بہ خطاب ملک العلماء کی بلند آوازہ ساخت۔ عرق حسد ابنائے جنس در جنبش آمد۔

① سبحة المرجان، ص ۳۹۔

② ایک روایت کے مطابق ان کو ملک العلماء کا خطاب شیخ اشرف جہانگیر نے دیا تھا: حضرت قاضی خدمتے شائستہ و ملازمتے  
بابستہ شد: الباس خرقة کردند و خطاب ملک العلماء کردند۔ (لطائف اشرفی، ج ۱، ص ۴۱۰)

یعنی قاضی شہاب الدین ان کی خدمت میں آئے اور ان سے منسلک ہوئے اور انہوں نے ان کو خرقة پہنایا اور ملک العلماء کا  
خطاب عطا کیا۔

③ تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۳۰۶۔

قاضی شکایت حساد بمولانا خواجگی نوشت۔ مولانا ایس دو بیت شیخ سعدی شیرازی در جواب قلمی فرمود۔  
 اے بیش از آنکہ در قلم آید ثنائے تو واجب بر اہل مشرق و مغرب دعائے تو  
 اے در بقائے عمر تو نفع جہانیاں باقی مباد آنکہ نخواہد بقائے تو  
 گویند در اندک زمانی جماعہ حساد فانی گشتند ❶۔

یعنی قاضی شہاب الدین جون پور تشریف لے گئے۔ سلطان ابراہیم شرقی نے اللہ اس کی قبر کو منور کرنے ان کے ورود مسعود کو غنیمت جانا۔ ان کی نہایت قدر شناسی کی اور ملک العلماء کا خطاب عطا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاصرین ان سے حسد کرنے لگے۔ قاضی موصوف نے اس کا شکوہ اپنے استاذ مکرم مولانا خواجگی سے کیا اور ان کو واقعہ کی تفصیل سے بذریعہ مکتوب مطلع فرمایا۔ مولانا خواجگی نے جواب میں ان کو شیخ سعدی شیرازی کے یہ دو شعر لکھ بھیجے:

اے بیش از آنکہ در قلم آید ثنائے تو واجب بر اہل مشرق و مغرب دعائے تو  
 اے در بقائے عمر تو نفع جہانیاں باقی مباد آنکہ نخواہد بقائے تو  
 کہتے ہیں اس کے بعد چند ہی روز میں حاسدین کا یہ گروہ ختم ہو گیا۔

قاضی شہاب الدین کے حاسدین میں سرفہرست مولانا احمد تھانیسری کے بیٹے کا نام آتا ہے۔ مولانا احمد تھانیسری اور مولانا خواجگی ایک دوسرے کے مخلص دوست تھے۔ حملہ تیموری کے زمانے میں مولانا خواجگی تو کالپی چلے گئے تھے مگر مولانا احمد تھانیسری نے دہلی ہی میں سکونت اختیار کیے رکھی۔ وہ توقع رکھتے تھے کہ تیموران کے علمی مرتبے کے مطابق ان سے عزت و احترام کا برتاؤ کرے گا، لیکن ان کی یہ توقع پوری نہ ہوئی اور وہ بھی کالپی چلے گئے اور وہاں جا کر اپنے پرانے دوست مولانا خواجگی کے ساتھ قدیم تعلقات کی تجدید کی۔ مولانا احمد تو کالپی میں وفات پا گئے مگر ان کی اولاد ابراہیم شرقی کے جو دو سخا اور معارف پروری و علم نوازی کی داستانیں سن کر جون پور پہنچی۔ وہاں انھوں نے جب یہ دیکھا کہ قاضی شہاب الدین تکریم و اعزاز کے بلند مقام پر فائز ہیں تو ان کے دل میں قاضی موصوف کے خلاف حسد و بغض کے جذبات ابھرنے لگے اور وہ ان کی ایذا رسانی کے درپے ہو گئے۔

قاضی شہاب الدین نے ایک مکتوب میں مولانا خواجگی سے اس کا شکوہ کیا تو انھوں نے جواب میں شیخ سعدی کے مندرجہ بالا دو شعر لکھ بھیجے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

مولانا احمد تھانیسری از آں جا باہل و عیال بر آمد و بکالپی متوطن شدہ و طریقہ مواخات کہ میان مولانا خواجگی بود سلوک می داشتہ اند۔ میان اولاد ایشان و قاضی شہاب الدین کہ شاگرد و فرزند معنوی مولانا خواجگی بود نقاء واقع شد۔ قاضی شکوہ ایشان را بخدمت مولانا خواجگی نوشتہ نمود۔ مولانا ایس دو بیت شیخ سعدی را در جواب او نوشت ❷۔

❶ آثار اکرام۔ از میر غلام علی آزاد بکرامی، مطبوعہ لاہور (۱۹۷۱ء) ص ۱۷۱۔

❷ اخبار الاخیار ص ۱۴۶۔

یعنی مولانا احمد تھانیسری نے اہل و عیال کو ساتھ لیا، دہلی سے نکلے اور کالپی میں اقامت گزریں ہو گئے اور وہاں پہنچ کر مولانا خواجگی کے ساتھ دیرینہ تعلقات کی تجدید کی۔ پھر ان کی اولاد اور مولانا خواجگی کے معنوی فرزند قاضی شہاب الدین کے درمیان حسد پیدا ہو گیا۔ قاضی شہاب الدین نے ایک تحریر میں مولانا خواجگی سے اس کا شکوہ کیا اور ان سے اعانت چاہی تو مولانا خواجگی نے اس کے جواب میں شیخ سعدی کے وہ دو شعر لکھ بھیجے جو پہلے گزر چکے ہیں۔

### تدریس اور تصنیف و تالیف:

قاضی شہاب الدین کی وسعت علم اور جذبہ خدمت دین و ملت کا اندازہ لگایے کہ اگر ایک طرف وہ جون پور کے منصب قضا پر متعین ہیں تو دوسری طرف وہاں کی مسند تدریس پر فائز ہیں۔ آزاد بلگرامی کے الفاظ ہیں:

فزین القاضی مسند الافادۃ وفاق البرجیس فی افاضۃ السعادتۃ ①۔

قاضی شہاب الدین نے مسند درس و افادہ کوزینت بخشی اور علم و سعادت کی نشر و اشاعت میں سب سے فوقیت لے گئے۔

اس کے علاوہ تصنیف و تالیف میں بھی بلند مرتبے پر پہنچے۔

والف کتب اسارت بہار کبان العرب والعجم ②۔

اور ایسی کتابیں معرض تصنیف میں لائے جن کی وجہ سے عرب و عجم میں بڑی شہرت پائی۔

ان کے حالات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی تگ و تاز علمی کے چار میدان تھے۔ ایک مسند قضا، دوسرے درس و افادہ، تیسرے تصنیف و تالیف اور چوتھے تبلیغ دین۔

### تصوف و ولایت:

پہلے تین امور کی تو وضاحت ہو چکی۔ تدریس و ولایت کے بارے میں مرقوم ہے:

ہر چند آں برادر قدوہ علمائے روزگار و زبدۃ فضلائے ہر دیار است۔ اما بعنایت الہی و حمایت نامتناہی و از التفات ایں طائفہ علیہ و توجہات ایں زمرہ سنیہ شربے از مشرب صوفیہ و طربے از منصب باطنیہ دارد و ایں را از اعلیٰ ترین دولت و احریٰ ترین رفعت تصور کند ③۔

یعنی ہر چند کہ قاضی شہاب الدین قدوہ علمائے روزگار اور زبدۃ فضلائے دیار تھے، تاہم وہ اللہ کی عنایات

① سجتہ المرجان، ص ۳۹۔

② ایضاً

③ مکتوب اشرفی، بحوالہ اخبار الاخبار، ص ۱۶۷۔



واحسانات اور علما و صوفیا کی عالی مرتبت جماعت کی توجہ خاص سے مشرب تصوف اور منصب ولایت سے بھی بہرہ ور تھے اور اس کو عمدہ ترین دولت اور اعلیٰ ترین نعمت تصور کرتے تھے۔

قاضی شہاب الدین شعر و شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے اور کبھی کبھی فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔

### قدر و منزلت کی انتہا:

قاضی موصوف چونکہ متعدد اوصاف کے مالک تھے اور علم و فضل کے ہر گوشے کے شناور تھے ساتھ ہی زہد و اتقا کی نعمت سے بھی مالا مال تھے لہذا سلطان ابراہیم شرقی کو قدرتی طور پر ان سے تعلق خاطر پیدا ہوا اور وہ ان سے اس درجہ عقیدت و مودت کا اظہار کرنے لگا کہ اگر ان کو تھوڑی سی تکلیف بھی پہنچ جاتی تو بے چین ہو جاتا اور ان کی تکلیف خود برداشت کرنے کے لیے تیار رہتا۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ فرشتہ نے ان الفاظ میں درج کیا ہے:

گویند دقتے مولانا را مرضے طاری شد سلطان ابراہیم بیادت اورفتہ۔ بعد از تفتیش احوال و اظہار لوازم مہربانی قدحے را پر آب کردہ گرد سر مولانا گردانید و خود نوشیدہ۔ گفت بار خدایا ہر بلائے کہ در راہ او باشد نصیب من گردان و اور اشفا بخش ❶۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ مولانا شہاب الدین دولت آبادی ایک مرض میں مبتلا ہوئے۔ سلطان ابراہیم ان کی مزاج پرسی کے لیے گیا۔ حالات معلوم کرنے اور مہربانی و شفقت کے اظہار کے بعد اس نے پانی سے بھرا ہوا پیالہ مولانا کے سر پر گھمایا۔ وہ پانی خود پیا اور کہا اے بار خدایا! جو مصیبت اس شخص پر آنے والی ہے اس کو میرے لیے مقدر کر دے اور اس کو شفا عطا فرما۔

اس سے آگے فرشتہ لکھتا ہے:

وازیں جا عقیدہ آل صاحب تاج و تخت نسبت بعلمائے شریعت محمدی ﷺ می تو اوں کرد کہ تا چہ غایت

بود ❷۔

اس سے انداز کیا جاسکتا ہے کہ شریعت محمدی ﷺ کے علمائے کرام کے بارے میں یہ صاحب تاج و تخت کس درجہ عقیدت رکھتا تھا اور اس کو ان سے کتنی گہری محبت تھی۔

### تصانیف:

ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی جن تصانیف کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو سکی ہیں وہ یہ ہیں۔

❶ تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۳۰۶

❷ ایضاً

بحر مواج:

یہ فارسی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ اس میں مصنف نے سجع کا التزام کیا ہے، جس کی وجہ سے اس میں حشو و مہمل الفاظ اور بے معنی جملے بھی آگئے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ ایک مفید کتاب ہے۔ اس میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ آیات میں تراکیب نحوی سے متعلق بحث کا بہت زیادہ اعتنا کیا گیا ہے اور ان کے وجوہ وصل و فصل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ارشاد:

علم نحو میں یہ ایک نہایت عمدہ کتاب ہے۔ اس میں تعبیر مسئلہ کے ضمن میں مثالیں دینے کا التزام کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع میں یہ ایک نادر کتاب ہے۔

حواشی کافیہ:

یہ علم نحو کی مشہور کتاب کافیہ پر حواشی ہیں۔ یہ کتاب شرح ہندی کے نام سے معروف ہے۔ مولانا الہ داد جون پوری علامہ غیاث الدین منصور شیرازی اور علامہ ابوالفضل خطیب گازرونی نے اس پر حواشی لکھے۔ یہ کتاب مصنف علام کی زندگی ہی میں شہرت حاصل کر گئی تھی۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ملا عبدالرحمن جامی نے شرح جامی کے نام سے جب کافیہ کی شرح لکھی اور قاضی شہاب الدین نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ ملا جامی نے میری کتاب ”شرح ہندی“ کا خلاصہ لکھا ہے ①۔

شرح بزدوی:

یہ کتاب اصول فقہ میں ہے اور بحث امر تک ہے۔ یہ کتاب انھوں نے اپنے ایک تلمیذ شیخ محمد بن عیسیٰ جون پوری کے لیے لکھی۔

بدیع البیان:

یہ کتاب فن بلاغت میں ہے اور اس کی عبارات میں سجع کی رعایت رکھی گئی ہے۔  
قصیدہ بانٹ سعاد کی ایک طویل شرح سپرد قلم کی۔  
شرح قصیدہ بردہ:

رسالہ در تقسیم علوم و صنائع۔ فارسی میں ہے۔

ہدایۃ السعداء۔ یہ بھی فارسی میں ہے  
مناقب السادات: یہ بھی فارسی میں ہے۔

رسالة فی العقیدة الاسلامیہ

ان کتابوں کے علاوہ بھی وہ متعدد کتب و رسائل کے مصنف تھے۔ اسلامی ہند کے یہ وہ عالم دین تھے جو تمام مروجہ اصناف علم پر عبور رکھتے تھے اور تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، لغت، ادب اور بیان پر انھیں دسترس حاصل تھی۔ اپنے زمانے میں فصاحت و بلاغت کے اونچے مرتبے پر فائز تھے۔

ان کے سوانح نگاروں نے ان کا ذکر ”وحید العصر“ فرید الدہر اور صاحب تصانیف عالیہ کے الفاظ کے

ساتھ کیا ہے۔

## وفات:

قاضی شہاب الدین کے سن وفات میں اختلاف ہے اور مختلف مورخین نے مختلف سنیں وفات تحریر کیے ہیں۔ تاریخ فرشتہ میں مرقوم ہے کہ سلطان ابراہیم شرقی ان سے بے حد تعلق خاطر رکھتا تھا اور ان کو بھی اس سے انتہائی محبت بھی۔ اس کا اندازہ اس سے لگایے کہ جب ۸۴۰ھ (۱۴۳۷ء) میں سلطان کا انتقال ہوا تو قاضی شہاب الدین اتنے مغموم ہوئے کہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے اور اسی سال وفات پا گئے۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں:

قاضی شہاب الدین نیز باسلطان عصر موافقت کرد۔ چنداں از فوت ابراہیم شاہ مغموم گشت کہ درہماں سال یعنی اربعین وثمان مائتہ بعالم قدس تشریف برد۔ والبقاء للملک المعبود ①

یعنی قاضی شہاب الدین کو سلطان وقت ابراہیم شاہ شرقی سے قلبی لگاؤ تھا۔ وہ اس کی وفات سے اس درجہ غم گین ہوئے کہ اسی سال ۸۴۰ھ (۱۴۳۷ء) میں دنیائے فانی سے عالم قدس میں تشریف کے گئے۔

اس سے آگے دوسری روایت کی رو سے فرشتہ ان کا سال وفات ۸۴۲ھ (۱۴۳۸ء) تحریر کرتا ہے۔

وبعضے گویند بدو سال بعد از فوت سلطان ابراہیم طائر وحش در سنہ اشئی واربعین

وثمان مائتہ بروضہ رضوان پرواز کرد ②۔

بعض کہتے ہیں کہ سلطان ابراہیم کی وفات سے دو سال بعد ۸۴۲ھ میں ان کے طائر روح نے جنت الفردوس کو پرواز کی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار الاخیار میں ان کا سال وفات ۸۴۸ھ (۱۴۴۴ء) تحریر فرمایا

ہے۔ لکھتے ہیں:

① تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۳۰۶

② تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۳۰۶

وفات اور سنہ ثمان واربعین وثمان مائتہ۔ قبر اور شہر جون پور است ①۔

ان کی وفات ۸۲۸ھ (۱۴۲۴ء) میں ہوئی۔ قبر شہر جون پور میں ہے۔

صاحب حدائق الحنفیہ مولوی فقیر محمد چہلمی نے بھی سال ارتحال ۸۲۸ھ (۱۴۲۴ء) لکھا ہے اور ”صدر نشین انجمن“ سے تاریخ وفات نکالی ہے ②۔

تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی نے لکھا ہے کہ ۲۵ رجب ۸۲۹ھ (۱۲۷ اکتوبر ۱۴۲۵ء) کو ان کا انتقال ہوا۔ الفاظ یہ ہیں:

تاریخ بست و پنجم رجب سال ہشت صد و چہل و نہ ہجری رحلت فرمووہ بجون پور جانب جنوب مسجد سلطان ابراہیم کہ بنام مسجد اٹالہ شہرت دار دمدفون شد ③۔

کہ ۲۵ رجب ۸۲۹ھ (۱۲۷ اکتوبر ۱۴۲۵ء) کو رحلت فرمائی اور جون پور میں مسجد سلطان ابراہیم کے جانب جنوب میں جو کہ مسجد اٹالہ کے نام سے مشہور ہے دفن ہوئے۔

میر غلام علی آزاد بلگرامی نے بھی یہی تاریخ وفات لکھی ہے۔ وہ سبحة المرجان میں لکھتے ہیں۔

توفی لخمس بقین من رجب المرجب سنة تسع واربعمین وثمان

مائة و دفن بجون پور فی الجانب الجنوبی من مسجد السلطان

ابراہیم الشرقی ④۔

۲۵ رجب المرجب ۸۲۹ھ (۱۲۷ اکتوبر ۱۴۲۵ء) کو فوت ہوئے اور جون پور میں سلطان ابراہیم شرقی کی مسجد کے جنوبی جانب دفن کیے گئے۔

آزاد بلگرامی نے آثار الکرام میں بھی یہی تاریخ وفات لکھی ہے۔

قاضی در بست و پنجم رجب المرجب سنة تسع واربعمین وثمان مائتہ بہ گل گشت فردوس اعلیٰ شتافت۔ مرقد منور شہر بلدہ جون پور جانب جنوبی مسجد ابراہیم شرقی ⑤۔

قاضی شہاب الدین ۲۵ رجب المرجب ۸۲۹ھ (۱۲۷ اکتوبر ۱۴۲۵ء) کو عازم گل گشت فردوس ہوئے۔

ان کا مرقد منور جون پور شہر میں مسجد ابراہیم شرقی کی جنوبی جانب ہے۔

مولوی ذوالفقار احمد مرحوم نے بھی یہی تاریخ وفات تحریر فرمائی ہے ⑥۔

① اخبار الاخیار، ص ۱۸۰۔

② حدائق الحنفیہ، ص ۳۱۸۔

③ تذکرہ علمائے ہند، ص ۸۹۔

④ سبحة المرجان فی آثار ہندوستان، ص ۳۹۔

⑤ آثار الکرام، ص ۱۷۲۔

⑥ ملاحظہ ہو: قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب، ص ۱۹۵، ۱۹۶ مطبوعہ مطبع فیض منبع مفید عام آگرہ۔ باہتمام محمد قادر علی خاں۔ متوفی (۱۳۱۶ھ)۔

نواب صدیق حسن خان مرحوم نے ابجد العلوم میں توفی فی سۃ ۸۴۹ھ (۱۴۴۵ء) ودفن بجون پور تحریر کیا ہے۔  
سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے بھی نزہۃ الخواطر میں یہی تاریخ لکھی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:  
وكانت وفاته لخمسن بقین من رجب سنة تسع واربعمین وثمان مائة  
مدینة جون بور فدفن جنوبی المسجد السلطان ابراہیم الشرقی  
ومدرسته ❶۔

یعنی وہ ۲۵ رجب ۸۴۹ھ (۱۲ اکتوبر ۱۴۴۵ء) کو شہر جون پور میں فوت ہوئے اور سلطان ابراہیم شرقی  
کی مسجد اور اپنے مدرسے کی جنوبی جانب میں دفن کیے گئے۔

### اولاد:

کسی تذکرے سے یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ قاضی شہاب الدین کی کوئی زینہ اولاد بھی تھی۔ البتہ ان کی  
ایک بیٹی ضرور تھی جس کی شادی اس دور کے مشہور عالم شیخ نصیر الدین بن شیخ نظام الدین کے ساتھ ہوئی تھی۔ شیخ  
نظام الدین امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے اصلاً غزنی کے باشندے تھے۔ غزنی سے وارد ہند ہوئے۔ دہلی  
آئے اور دہلی سے جون پور پہنچے۔ جون پور میں قاضی شہاب الدین سے تعارف ہوا تو انھوں نے ان کو سلطان  
ابراہیم شرقی کے مقربین میں شامل کرادیا سلطان ان کی گونا گوں صلاحیتوں سے اس درجہ متاثر ہوا کہ انھیں مچھلی شہر  
کے قاضی مقرر کر دیا۔

قاضی شہاب الدین کی بیٹی سے شیخ نصیر الدین بن نظام الدین کے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ صفی الدین  
رضی الدین اور فخر الدین!۔

شیخ صفی الدین اپنے زمانے کے ایک بڑے عالم تھے۔ انھوں نے علوم ظاہری کی تکمیل اپنے نانا ملک  
العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے کی اور علوم باطنی کے لیے سید اشرف بن ابراہیم سمنانی کی خدمت  
میں حاضر ہوئے۔ اس موقع پر شیخ صفی الدین کے مفصل حالات معرض تحریر میں لانا مقصود نہیں۔ وہ اپنے اصل  
مقام پر درج کیے گئے ہیں۔ یہاں ہم فقط یہ عرض کر کے آگے نکل جانا چاہتے ہیں کہ اسلامی ہند کا یہ عظیم فرزند غیر  
معمولی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ ان کے علم و فضل کا اندازہ اس سے کیجیے کہ یہ ان دونوں کتابوں کے مصنف ہیں جو اہل  
علم میں مشہور و متداول ہیں۔ ان میں ایک کتاب علم صرف کی دستور المبتدی ہے اور دوسری علم نحو کی شہرہ آفاق کتاب  
کافیہ ابن حاحب کی بسیط و مفصل شرح ”غایۃ التحقیق“ ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ غایۃ التحقیق ہندی  
نبوغ و عبقریت کا وہ عظیم علمی شاہکار ہے جس کا ذکر حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے ❷۔

❶ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۱۔ ابجد العلوم ص ۸۹۳۔

❷ کشف الظنون ج ۲ ص ۱۳۷۵۔

قاضی شہاب الدین کے دوسرے نواسے شیخ رضی الدین تھے۔ انھوں نے بھی اپنے نانا سے فیض علم حاصل کیا تھا۔ فقہ و اصول اور علم کلام و عربیت میں دست گاہ رکھتے تھے۔ سلطان ابراہیم شرقی ان کے علم و فضل کی فراوانی سے اس درجہ متاثر تھا کہ اس نے ان کو ردولی کے منصب قضا پر متعین کر دیا تھا اور یہ ردولی ہی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ قضا کے علاوہ ان کا مشغلہ درس و تدریس تھا۔ عمر بھر یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

تیسرے نواسے مولانا فخر الدین تھے۔ یہ بھی جون پور میں پیدا ہوئے اور اپنے نانا قاضی شہاب الدین سے تعلیم حاصل کی اور فقہ و اصول اور کلام و عربیت میں مرتبہ کمال کو پہنچے۔

تلامذہ:

ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع تھا اور ان میں بعض ایسے حضرات شامل ہیں جو علوم و فنون کی تمام مروجہ شاخوں پر گہری نظر رکھتے تھے اور بہت سی اہم کتابوں کے مصنف تھے۔ ان میں سے چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ مولانا علاء الدین جون پوری: انھوں نے ایک عرصہ اپنے استاذ گرامی کی صحبت میں گزارا اور ان سے تعلیم حاصل کی۔ ملک العلماء کو ان سے جو تعلق تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے ان کے لیے ”کافیہ“ کی شرح لکھی جو ”شرح ہندی“ کے نام سے معروف ہے اور جس کا ذکر اوپر کی سطور میں ہوا۔ ان کے اس لائق شاگرد (مولانا علاء الدین جون پوری) نے اس شرح پر حاشیہ تحریر کیا۔
  - ۲۔ مولانا عبد الملک جون پوری: جون پور میں پیدا ہوئے۔ ایام طفولیت ہی میں قاضی شہاب الدین سے وابستہ ہو گئے تھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں سند فراغ حاصل کی۔ پھر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اپنے عصر کے جلیل القدر عالم تھے۔ استاذ کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔
  - ۳۔ شیخ محمد بن عیسیٰ: ۷۸۰ھ (۱۳۷۸ء) میں دارالسلطنت دہلی میں پیدا ہوئے۔ حملہ تیمور کے دور میں دیگر بزرگان دین کے ساتھ ان کے والد گرامی دہلی سے جون پور چلے گئے تھے۔ شیخ محمد بن عیسیٰ وہاں گئے تو شیخ فتح اللہ اودھی کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ شیخ فتح اللہ نے تکمیل علوم شرعیہ کا حکم دیا تو قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیے۔ ان کی ذہانت و قابلیت کی وجہ سے قاضی شہاب الدین ان پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ انھوں نے اپنے اس لائق شاگرد کے لیے بحث امر تک اصول بزدوی کی شرح سپرد قلم کی۔
- ملک العلماء شیخ شہاب الدین کے نواسوں اور شاگردوں کے حالات حروف تہجی کی ترتیب سے آئندہ صفحات میں علیحدہ علیحدہ بیان کیے گئے ہیں۔ یہاں چند الفاظ میں صرف ان کا تعارف مقصود تھا۔

## ۱۰۔ قاضی احمد بن محمد جون پوری

قاضی احمد بن محمد گیلانی اپنے عصر کے ممتاز مصنف اور مفتی تھے۔ ان کا لقب نظام الدین تھا اور اپنے لقب ہی سے مشہور تھے۔ ان کے آباو اجداد میں سے ایک بزرگ عرب سے وارد ہند ہوئے اور گجرات (کاٹھیاوار) میں سکونت پذیر ہو گئے۔ وہیں نظام الدین کی ولادت ہوئی اور اسی شہر میں پلے بڑھے۔ اپنے دور کے مشہور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور فقہ و اصول میں مرتبہ بلند پر فائز ہوئے حتیٰ کہ اپنے وقت کے جید علما میں گردانے گئے اور کبار فقہائے ہند میں ان کا شمار ہونے لگا۔ اس زمانے میں سلطان ابراہیم شرقی اورنگ جون پور پر متمکن تھا۔ یہ حکمران علم و علما سے انتہائی محبت رکھتا تھا۔ اس کی علم پروری اور علما دوستی کی شہرت سن کر شیخ نظام الدین یعنی علامہ احمد بن محمد جون پور پہنچے اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے ملے۔ ملک العلماء ان کی علمی قابلیت سے بہت متاثر ہوئے اور انھیں سلطان ابراہیم شرقی سے ملایا۔ سلطان نے ان کی علمی و فقہی قابلیت اور مختلف صلاحیتوں سے اثر پذیر ہو کر ان کو جون پور کا قاضی مقرر کر دیا اور اپنی عنایت و قبولیت سے نوازا۔ پھر انھوں نے جون پور ہی میں مستقل طور سے اقامت اختیار کر لی اور خود کو جون پوری کہلانے لگے۔

علوم دینیہ میں قاضی نظام الدین کا مرتبہ اس درجہ بلند تھا اور ملک العلماء شہاب الدین ان کے علمی تبحر سے اتنے متاثر تھے کہ ان کے پاس استفتا آتے تو ان پر اس وقت تک اپنی مہر نہ لگاتے تھے جب تک قاضی نظام الدین ان پر دستخط ثبت نہ کر دیتے تھے۔ مسائل فقہ کے سلسلے میں وہ دیگر علما کے دستخطوں اور مہر کو زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔

قاضی نظام الدین جون پوری مصنف بھی تھے مگر ان کی تصانیف میں سے جس اہم تصنیف کا ہمیں علم ہو سکا ہے وہ فتاویٰ ”ابراہیم شاہیہ“ ہے۔ یہ فتاویٰ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ فارسی میں ہے جس کو حصہ اول کہنا چاہیے۔ یہ حصہ عبادات پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ عربی میں ہے۔ اس میں معاملات سے متعلق فقہی احکام درج کیے گئے ہیں

یہ فتاویٰ سلطان ابراہیم شرقی کی طرف منسوب ہے۔ اس کا ذکر حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے اور لکھا ہے:

هو كتاب كبير من افخر الكتب كقا ضيخان 'جمعه من مائة و ستين  
كتاب للسلطان ابراهيم شاه ①۔

یہ بہت بڑی کتاب ہے اور فتاویٰ قاضی خاں کی طرح اہم ترین فقہی کتابوں میں سے ہے۔ مصنف نے یہ کتاب سلطان ابراہیم شرقی کے لیے لکھی اور اسے ایک سو ساٹھ کتابوں

① کشف الظنون ج ۱ ص ۳ ج ۲ ص ۱۲۸۳۔

میں سے جمع کیا ہے۔

فتاویٰ ابراہیم شاہی کا حصہ عربی اور حصہ فارسی دونوں غیر مطبوعہ ہیں اور ان کے قلمی نسخے جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہے مندرجہ ذیل مقامات پر موجود ہیں۔

۱۔ پنجاب یونیورسٹی میں اس کا حصہ فارسی بھی موجود ہے اور حصہ عربی بھی۔ حصہ فارسی کا نمبر ۱۲/۸۹۹۱ PDU ہے۔ اور اوراق ۱۵۸ اور سطور فی صفحہ ۲۷ ہیں۔ مکتوبہ وقت چاشت روز دوشنبہ ۱۲۶۹ھ (۱۸۵۳ء)۔ کاتب کا نام درج نہیں۔ خط نسخ اور نستعلیق۔

حصہ عربی نمبر ARDII۹۸ اوراق ۲۳۵۔ سطور فی صفحہ ۲۳۔ خط نستعلیق کاتب کا نام درج نہیں۔

۲۔ رام پور لائبریری میں فتاویٰ ابراہیم شاہی کے دو نسخے ہیں۔ ایک حصہ کتاب الطہارت سے کتاب الفرائض تک ہے اور ۹۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا نمبر ۳۵۱ ہے۔ دوسرا نسخہ ناقص الطرفین ہے اور ۲۸۰ صفحات پر محیط ہے۔ اس کا نمبر ۳۵۲ ہے ①۔

۳۔ کتب خانہ آصفیہ (حیدرآباد دکن) میں اس کے حصہ فارسی کا ایک نسخہ ہے جس کا نمبر ۱۱۷ ہے اور ۱۰۰۲ھ (۱۵۹۶ء) کا مکتوبہ ہے۔ صفحات ۳۱۹ اور سطور فی صفحہ ۲۱ ②۔

اسی کتب خانے میں اس کے حصہ عربی کے نسخے کا نمبر ۲۷ ہے جو عمدہ کاغذ پر خوش خط نسخ میں ہے۔ ۱۰۸۷ھ کا مکتوبہ ہے۔ کاتب کا نام سید محمد ہے۔ حصہ اول صفحہ ایک سے صفحہ ۲۲۶ تک ہے اور حصہ دوم صفحہ ۲۲۷ سے شروع ہو کر صفحہ ۸۰۵ پر ختم ہوتا ہے۔ سطور فی صفحہ ہر دو حصہ ۲۵ ③۔

۴۔ کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے یہ کتاب پاکستان اور ہندوستان کے علاوہ ترکی میں بھی موجود ہے ④۔

قاضی احمد بن محمد جون پوری کی یہ تصنیف جو فتاویٰ ابراہیم شاہی کے نام سے موسوم ہے اپنے موضوع میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اور اس کا شمار برصغیر کی کتب فقہ ہوتا ہے۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود اب بھی یہ قلمی صورت میں دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہے اور اہل علم اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

قاضی احمد بن محمد جون پوری نے ایک روایت کے مطابق ۸۷۴ھ (۱۴۷۰ء) میں اور ایک روایت کے مطابق ۸۷۵ھ (۱۴۷۱ء) میں وفات پائی۔ ان کی قبر چا پک پور میں ہے جو اعمال جون پور میں واقع ہے ⑤۔

① فہرست کتب عربی کتاب خانہ ریاست رام پور، ص ۲۲۱، ۲۲۰۔ مطبع احمدی ریاست رام پور۔ (مطبوعہ مئی ۱۹۰۲ء)

② فہرست مشروح بعض کتب نفیہ قلمیہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی۔ (حصہ دوم) ص ۱۳۹۔ مطبوعہ ۱۳۵۷ھ

③ ایضاً ص ۱۳۔

④ کشف الظنون ج ۱ ص ۲۳ ج ۲ ص ۱۲۸۳۔

⑤ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۲، ۲۱ بحوالہ تجلی نو۔ تاریخ جون پور شیراز ہند ص ۶۰۸۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ راقم کی کتاب برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ صفحہ ۱۶۷، ۱۶۸۔



## ۱۱۔ شیخ احمد بن عمر پنڈوی

شیخ احمد کا لقب نور الدین بھی تھا اور علاء الدین بھی۔ یہ شیخ احمد بن عمر بن اسعد لاہوری پنڈوی ہیں۔ مشہور عالم عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔ تدین و تقویٰ کی وجہ سے لوگ ان کو نور الحق، علاء الحق اور قطب العالم کہتے تھے۔ اپنے دور کے اولیا میں سے گردانے جاتے تھے۔ ریاضت و مجاہدہ میں اونچے مرتبے پر فائز تھے۔ سرزمین بنگال کے شہر پنڈوہ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ شیخ حمید الدین احمد حسینی ناگوری مدفون بہ پنڈوہ سے تعلیم حاصل کی اور اپنے والد مکرم شیخ عمر بن اسعد کے حضور طریقت و تصوف کی منزلیں طے کیں اور عرصے تک اس ضمن میں ان سے وابستگی اختیار کیے رکھی۔ قناعت و عفت اور ضبط نفس کے اوصاف سے متصف تھے اور ہر طرف سے منقطع ہو کر ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں منہمک رہتے تھے۔

منقول ہے کہ جو فقرا ان کے والد کی خانقاہ میں مقیم تھے یہ ان کی خدمت میں مصروف رہتے۔ پورے آٹھ سال تک ان کے لیے جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتے رہے۔ ان کے بھائی اعظم خاں منصب وزارت پر فائز تھے۔ ان کو ان کی خدمت فقرا کا یہ انداز پسند نہ تھا اور اسے اپنی خاندانی اور علمی وجاہت کے منافی سمجھتے تھے۔

مدت تک فقرا کی رہائش گاہ میں جھاڑو دیتے اور ان کے بیت الخلا صاف کرتے رہے۔ کہتے ہیں ایک روز جھاڑو دے رہے تھے کہ بیت الخلا میں خانقاہ کا ایک فقیر بیٹھا تھا جسے یہ معلوم نہ تھا کہ شیخ احمد باہر جھاڑو دینے میں مصروف ہیں۔ اس کی ساری غلاظت شیخ احمد پر آپڑی۔ مگر شیخ بالکل خاموش رہے نہ گھبرا کر اپنی جگہ سے ادھر ادھر ہوئے اور نہ کوئی لفظ زبان سے نکالا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ فقیر کو تکلیف پہنچے اور وہ آزرده خاطر ہو۔

اپنے والد محترم شیخ عمر کی وفات کے بعد مسند نشین خلافت ہوئے اور ان سے شیخ حسام الدین مانک پوری اور بہت سے لوگوں نے ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل کی۔

ان کی تصانیف میں سے کچھ تو وہ مکتوبات ہیں جو انھوں نے اپنے تلامذہ اور عقیدت مندوں کو لکھے اور کچھ کتابیں ہیں جن میں مونس الفقرا اور انیس الغر با زیادہ مشہور ہیں۔ ایک کتاب اذکار القوم و اشغالها ہے۔

ان کے کچھ ملفوظات بھی کتابوں میں منقول ہیں جو فارسی زبان میں ہیں۔

اس عابد و زاہد فقیہ اور معروف عالم دین نے ۹ ذی القعدہ ۸۱۸ھ (۱۰ جنوری ۱۴۱۶ء) کو شہر پنڈوہ میں

وفات پائی اور وہیں دفن کے گئے ①۔

## ۱۲۔ قاضی اسحاق مالوی

قاضی اسحاق بن ابواسحاق مالوی سلطان علاء الدین محمود شاہ مالوی کے زمانے کے عالم دین اور نامور

فقیہ تھے۔ ان کا شمار کبار مشائخ چشتیہ میں ہوتا تھا۔ سلطان علاء الدین محمود شاہ ان کی نیکی و تدین سے اس درجے

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۲ تا ۲۷ بحوالہ گنج ارشدی۔

متاثر تھا کہ جنگ و جہاد کے لیے کسی طرف کا رخ کرتا تو پہلے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور فتح و کامرانی اور حصول برکت کے لیے ان سے دعا کی التجا کرتا۔ اسی سلطان کے عہد حکومت میں ان کا انتقال ہوا ①۔

### ۱۳۔ قاضی اسماعیل اصفہانی

قاضی اسماعیل بن عبداللہ اصفہانی گجراتی فقہ و اصول کے جید علما میں سے تھے۔ عالم طفولیت میں اپنے والد (عبداللہ) کے ساتھ گجرات آئے اور پھر ان سے اور دیگر علمائے گجرات سے تعلیم حاصل کی۔ علم کی منزلیں طے کر چکے تو شہر بھڑوچ کے عہدہ قضا پر متعین کیے گئے اور طویل عرصے تک اس منصب پر فائز رہے۔ بعد ازاں سلطان محمود کبیر کے ایام حکومت میں ان کو شہر احمد آباد کے قاضی مقرر کر دیا گیا، جس پر تمام عمر متمکن رہے۔

صالحیت و عفت اور دین داری میں ان کا مقام بہت اونچا تھا۔ تصوف و طریقت سے بھی لگاؤ تھا۔ یہ علم انھوں نے شیخ محمد بن عبداللہ حسینی گجراتی سے حاصل کیا تھا۔

تاریخ وفات ۲۶ ربیع الاول ۸۶۵ھ (۹ جنوری ۱۴۶۱ء) ہے ②۔

### ۱۴۔ شیخ اسماعیل بن صفی الدین ردولوی

شیخ اسماعیل بن صفی الدین بن نصیر الدین ردولوی ۱۲ ربیع الثانی ۷۸۹ھ (۱۲ اپریل ۱۳۸۷ء) کو پیدا ہوئے۔ ان کی کنیت ابوالکارم تھی اور شیخ اسماعیل ابوالکارم خطیب نعمانی کے نام سے معروف تھے۔ ان کا سلسلہ نسب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ ان کے والد شیخ صفی الدین ایک بڑے عالم تھے جو قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے نواسے اور ان کے شاگرد تھے۔ شیخ اسماعیل نے اپنے والد ہی سے تعلیم حاصل کی اور والد نے اپنے اس بیٹے کے لیے دو کتابیں تصنیف کیں جو درس نظامیہ میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ایک علم صرف کی مشہور کتاب دستور المبتدی اور دوسری کافیہ ابن حاجب کی مفصل و بسیط شرح غایۃ التحقیق۔

شیخ صفی الدین اپنے اس بیٹے کو بڑی نصیحتیں کیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے علما کے لیے ضروری ہے کہ وہ کم کھائیں، کم سوئیں اور شب کو کثرت سے مطالعہ کریں۔ یہ بھی فرماتے کہ رات کا مطالعہ قوت حافظہ کو بڑھاتا ہے۔ انھوں نے اسماعیل کو وصیت کی تھی کہ علمائے سوء میں سے نہ ہو جانا اس لیے کہ بے عمل عالم اسی طرح ہے جیسا کہ کمان بغیر تانت کے نیز عالم بلا عمل اس آئینے کی مانند ہے جس پر گرد و غبار کی تہیں جمی ہوئی ہوں۔

شیخ اسماعیل بے حد ذکی اور تیز ذہین تھے۔ سولہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے تھے اور پھر اپنے آپ کو درس اور افادہ عام میں مشغول کر لیا تھا۔ اپنے والد شیخ صفی الدین کی وفات کے بعد باقاعدہ ان کی مسند پر

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۸۔ گلزار ابرار ص ۱۲۷، ۱۲۸

② نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۳۱۔ بحوالہ تاریخ دکن۔ آصفی

بیٹھے اور حسن قبول سے بہرہ مند ہوئے۔ تدریس اور افتا کی مسند پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ ہر جمعے کو مجلس وعظ بھی منعقد کیا کرتے تھے۔

بدھ کے روز ۱۳ ربیع الاول ۸۶۰ھ (۲۰ فروری ۱۴۵۶ء) کو وفات پائی ①۔

## ۱۵۔ سید اشرف جہاں گیر

والد اور والدہ:

محمد اشرف نام اور جہاں گیر لقب تھا۔ حسنی حسینی سید تھے۔ آل سمنان سے تعلق رکھتے تھے۔ ولادت بھی سمنان میں ہوئی۔ والد کا اسم گرامی محمد ابراہیم تھا جو سمنان کے حکمران تھے۔ والدہ مکرمہ کا نام خدیجہ تھا۔ یہ خاتون خواجہ محمد یسوی کی دختر تھیں۔ نہایت نیک اور عابدہ و زاہدہ۔ بالالتزام تہجد کی نماز پڑھتیں۔ رات کو قیام کرتیں اور دن کو روزہ رکھتیں۔

سلطان محمد ابراہیم کے ہاں کوئی بیٹا نہ تھا۔ تین لڑکیاں پیدا ہوئیں تو اس نواح کے ایک بزرگ سے جن کا نام ابراہیم تھا زینہ کے لیے دعا کی درخواست کی۔ انھوں نے اللہ کے حضور دعا کی جس کے نتیجے میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اشرف رکھا اور بالکل ابتدائی عمر میں مکتب میں داخل کر دیے گئے۔ حافظہ تیز تھا۔ ابھی سات سال کو پہنچے تھے کہ قرأت سبعہ کے ساتھ قرآن مجید حفظ کر لیا اور چودہ سال کی عمر میں معقولات و منقولات کی تمام کتابیں پڑھ لیں جس کی وجہ سے پورے عراق میں مشہور ہو گئے۔

والد کی وفات اور تخت نشینی:

انیس سال کے تھے کہ والد بزرگ و ارسید محمد ابراہیم وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد حکومت سمنان کی بھاگ ڈور ہاتھ میں لی اور مہمات ملکی میں مشغول ہو گئے۔ ساتھ ہی اس دور کے عظیم بزرگ شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی اور دیگر علماء و مشائخ سے تصوف و طریقت اور دیگر علوم کی تحصیل میں بھی منہمک رہے۔ عرصے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ان کا دور حکومت انتہائی عدل و انصاف کا دور تھا۔

ترک حکومت:

سید محمد اشرف اپنے زمانہ حکومت میں فرائض و سنن اور نوافل کی ادائیگی بھی باقاعدگی سے کرتے اور اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خضر سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے کہا

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۳۲۳۔

اگر سلطنت الہی طلب کرنا چاہتے ہو تو اس دنیوی سلطنت کو ترک کر دو اور دیار ہند کا رخ کرو۔ صبح ہوئی تو والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، خواب بیان کیا اور حکومت سے دست بردار ہو کر عازم ہند ہونے کی تمنا ظاہر کی۔ والدہ نے نہایت شفقت سے فرمایا تمہاری ولادت سے قبل میرے والد نے بتایا تھا کہ میرے گھر میں ایک بیٹا پیدا ہوگا جس کے نور ہدایت سے تمام عالم منور ہوگا۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ وقت آپہنچا۔ جاؤ رحت سفر باندھو۔ اللہ تم کو یہ سفر مبارک کرے ①۔

### عزم ہند:

والدہ کی اجازت سے بہت خوش ہوئے۔ زمام حکومت اپنے بھائی سلطان محمد کے ہاتھ میں دی اور عازم ہند ہو گئے۔

سمنان سے روانہ ہوئے تو بارہ ہزار سپاہی اور توپچی تین منزل تک الوداع کہنے کے لیے ساتھ گئے۔ وہاں سے ماوراء النہر ہوتے ہوئے بخارا پہنچے اور بخارا سے سمرقند گئے۔ سمرقند تک سواری میں کچھ گھوڑے ساتھ تھے۔ لیکن ان گھوڑوں کے ساتھ فقرا کی مجلس میں گئے تو ان کو راحت کے بجائے رسوائی کا باعث سمجھا اور یہ تمام گھوڑے فقرا کو دے دیے۔

### اویچ میں داخلہ:

سمرقند سے برصغیر پاک و ہند کی طرف روانہ ہوئے اور اس کی سرحدوں کو عبور کر کے اویچ میں داخل ہوئے۔ اویچ کو اس زمانے میں علوم ظاہری و باطنی کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ شیخ سید جلال الدین حسین بن احمد بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت متوفی ۱۰ اذی الحجہ ۸۵۷ کی بساط طریقت آراستہ تھی۔ سید اشرف ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شیخ کی نظر ان پر پڑی تو فرمایا۔

بعد از مدتے بوائے طالب صادق بدماغ رسیدہ بعد از روزگارے نسیم از گلزار سیادت وزیدہ۔ فرزند! بسیار مردانہ برآمدہ مبارک باد۔ زود قدم در راہ نہ کہ برادرم علاء الدین منتظر مقدم شریف ہستند زینہار در راہ جائے نمائی ②۔ یعنی ایک مدت کے بعد طالب صادق کی خوشبودماغ میں پہنچی ہے اور ایک عرصے کے بعد گلزار سیادت کی نسیم جاں افزا کے دلنواز جھونکے نصیب ہوئے ہیں۔ فرزند! تم بہت ہی مردانہ انداز سے آئے ہو۔ میری طرف سے ہدیہ تبریک قبول کرو۔ اس راہ سعادت افروز میں جلد جلد قدم اٹھاؤ کہ برادرم علاء الدین تمہاری تشریف آوری کے منتظر ہیں۔ راستے میں ہرگز کہیں نہ ٹھہرنا۔

① لطائف اشرفی ج ۲، ص ۹۲، ۹۳

② لطائف اشرفی ج ۲، ص ۹۴

## دہلی اور بہار کا قصد:

مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے مستفیض ہو کر عازم دہلی ہوئے۔ وہاں کے مشائخ و علما سے متمتع ہو چکے تو بہار کا قصد کیا۔ قصبہ بہار میں عین اس وقت پہنچے جب حضرت شرف الدین احمد یحییٰ منیری متوفی ۶ شوال ۸۲۷ھ کا جنازہ رکھا ہوا تھا۔ شیخ منیری نے وصیت کی تھی کہ ان کی نماز جنازہ وہی شخص پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو تارک سلطنت ہو اور سات قرأتوں کا قاری ہو۔ یہ تمام شرطیں سید اشرف سمنانی میں پائی جاتی تھیں لہذا حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت ان کے حصے میں آئی۔

## ورودِ بنگال اور شیخ احمد بن عمر سے استفادہ:

وہاں سے بنگال روانہ ہوئے۔ سرزمین بنگال میں اس زمانے میں شیخ احمد بن عمر بن اسعد لاہوری پنڈوی کا دینی اور روحانی فیض جاری تھا۔ یہ بزرگ شیخ علاء الدین اور نور الدین کے القاب سے ملقب تھے۔ بلند مرتبے کے عالم تھے۔ ان کے خاندان کے اکثر افراد بڑے بڑے شاہی مناصب پر فائز تھے جن میں سے بعض لوگ مسند وزارت پر متعین تھے اور بعض دیگر اونچے عہدوں پر سرفراز۔ مگر خود شیخ احمد بن عمر لاہوری پنڈوی نے درویشانہ و فقیرانہ انداز اختیار کر لیا تھا اور زہد و عبادت کی راہوں پر گام فرسا ہو گئے تھے۔ وہ جلیل القدر عالم دین بھی تھے اس لیے جہاں لوگ حصول تصوف کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے وہاں ظاہری علوم کی تحصیل کا جذبہ اور تحقیق مسائل دینیہ کا داعیہ بھی انھیں ان کے باب عالی پر دستک کے لیے مجبور کرتا۔ انتہا درجے کے سخی اور مہمان نواز تھے۔ کہتے ہیں ان کی خانقاہ کے مصارف اتنے زیادہ تھے کہ بڑے بڑے امرا و وزرا اس پر تعجب کا اظہار کرتے۔ سید اشرف سمنانی کی آمد سے پہلے انھوں نے اپنے عقیدت مندوں سے کہا تھا

آں کے کہ از دو سال انتظاراومی کشیدہ ایم و طریق موصلت اومی دیدہ ایم امروز فرومی رسد ①۔

جس شخص کے آنے کا ہم دو سال سے انتظار کر رہے ہیں اور اس کی راہ تک رہے ہیں وہ آج کل میں

پہنچے والا ہے۔

سید اشرف جب پنڈوہ کے قریب پہنچے تو دو پہر کا وقت تھا اور شیخ احمد علاء الدین قیلولہ کر رہے تھے۔

یہ ایک اٹھے آنکھیں کھولیں اور فرمایا۔ ”بوئے یاری آید۔“ یاری کی خوشبو آ رہی ہے۔

یہ کہہ کر تیزی سے شہر سے باہر نکلے۔ معتقد اور ارادت مند بھی بھاری تعداد میں ساتھ ہو گئے۔ شہر سے

ایک کوس کے فاصلے پر سید اشرف کا استقبال کیا۔ سید اشرف کی نظر حضرت شیخ پر پڑی تو دور سے دوڑے اور انھیں

سلام کی۔ شیخ نے محبت سے اٹھایا اور گلے لگایا۔ پھر فرمایا:

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے با امید رسد امید وارے  
خانقاہ میں لائے اور بڑی تعظیم سے پیش آئے۔ بیعت لی اور ”جہاں گیر“ کا لقب عطا کیا۔ مرشد کی  
طرف سے اس لقب پر سید اشرف فرماتے ہیں:

مرا از حضرت پیر جہاں بخش      خطاب آمد کہ اے اشرف جہاں گیر  
کنوں گیرم جہان گیرم جہان معنوی را      کہ فرمان آمد کہ از شاہم جہاں گیر  
لطائف اشرفی میں منقول ہے کہ ایک دفعہ سید اشرف جہاں گیر کمر باندھ رہے تھے۔ ادھر سے شیخ علاء  
الدین بھی تشریف لائے اور پوچھا۔ کیا کر رہے ہو؟ جواب دیا۔

میان برائے خدمت می بندم۔

خدمت خلق کے لیے کمر کس رہا ہوں۔

فرمایا۔

اگر می بندی محکم بہ بند کہ ہیج در میان نداری۔

اگر کمر کس رہے ہو تو مضبوط کسوتا کہ در میان میں کوئی چیز باقی نہ رہے۔

عرض کیا:

آرزوئے نفس از میان بیرون کشیدہ ام تا زندہ ام۔

اپنے اندر سے نفس کی خواہشات کو دور کر دیا ہے اور جب تک زندہ رہوں گا انھیں دور ہی رکھوں گا۔

شیخ نے یہ جواب سنا تو فرمایا۔

مبارک باد۔

بارہ سال شیخ احمد علاء الدین کی خدمت میں رہے اور اس اثنا میں باطنی و روحانی فیوض سے خوب متمتع ہوئے۔

جون پور کا قصد اور ضلع اعظم گڑھ میں ورود:

اب مرشد نے اپنے اس عظیم المرتبت خلیفہ کو علاقہ جون پور کی طرف تشریف لے جانے کی ہدایت کی۔  
وہاں سے رخصت ہوئے تو بہت سے لوگ ہم سفر تھے اور اونٹ اور گھوڑے بھی خاصی تعداد میں ساتھ تھے۔ بعض  
لوگ درویشی کے ساتھ ان کی یہ شان امارت دیکھ کر معترض ہوئے تو فرمایا۔

ہیج طویلہ ور گل زدہ ام نہ در دل ①۔

کوئی طویلہ نہ سطح زمین پر تعمیر کرتا ہوں نہ دل کی گہرائیوں میں!۔

اسی اثنا میں ضلع اعظم گڑھ (یو۔ پی ہندوستان) کے ایک قصبے محمد آباد گنہ میں پہنچے۔ وہاں کے علما و فضلا

ملنے کے لیے آئے تو دوران گفتگو میں بات چیت کا رخ خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم کی طرف پھر گیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ سید اشرف جہاں گیر نے خلفائے راشدین کی مدح و توصیف میں ایک رسالہ تحریر کیا تھا۔ اس میں انہوں نے دیگر خلفاء کی بہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے زیادہ مدحیہ الفاظ استعمال کیے تھے۔ علما نے اس رسالے کو موضوع بحث بنا لیا اور ان پر شیعیت کا الزام عائد کیا۔ دوسرے دن جمعہ تھا۔ جمعے کی نماز کے بعد علما کا محضر ہوا جس میں انہوں نے سید اشرف کے خلاف فتویٰ صادر کر دیا۔ لیکن محمد آباد گہنہ کے مفتی اور سب سے بڑے عالم دین مولانا سید خاں نے علما کے اس انداز کلام اور فتویٰ سے اختلاف کیا اور سید اشرف کی حمایت کی اور کہا شیخ اشرف سید ہیں۔ اگر انہوں نے اپنے جد امجد کی شان میں زیادہ مدحیہ کلمات استعمال کیے ہیں تو اس میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ مولانا سید خاں کے الفاظ کا یہ اثر ہوا کہ تمام علما خاموش ہو گئے اور سید اشرف نے مولانا کو دعائیں دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز میں قصبے کے دیگر علما بھی ان کی نیکی اور تدین کا اعتراف کرنے لگے۔

محمد آباد گہنہ سے ظفر آباد پہنچے اور وہاں سے جون پور گئے۔ جون پور میں ایک مسجد میں قیام کیا جہاں بہت سے لوگ شرف و زیارت اور حصول فیض کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے۔

### قاضی شہاب الدین سے ملاقات:

ان کی آمد کی اطلاع قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو ہوئی تو وہ بھی ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ قاضی مدوح کے حالات گزشتہ صفحات میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ ان کا اصل وطن تو غرنی تھا لیکن ان کے آبا و اجداد ہندوستان آگئے تھے۔ انہوں نے دولت آباد میں پرورش پائی۔ اس دور کے چوٹی کے علما سے تعلیم حاصل کی اور علمی و عملی اعتبار سے شہرت و ناموری کی بلندیوں پر پہنچے۔ متعدد علمی و فنی کتابوں کے مصنف تھے۔

قاضی شہاب الدین ان سے ملنے آئے تو بہت متاثر ہوئے اور قلبی تعلق یہاں تک پہنچا کہ کبھی روزانہ اور کبھی دوسرے یا تیسرے روز ضرور آتے۔ سید اشرف جہاں گیر بھی ان کے علم و فضل کی فراوانی سے اثر پذیر ہوئے۔ ان کی معروف تصنیف ”ارشاد“ جو علم نحو سے متعلق ہے سید اشرف کی نظر سے گزری تو تعجب و حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی اور کتاب کے متعلق فرمایا۔

اس کی گویا سحر از ہندوستان راست آمدہ غالباً اس راست سحر بود ①۔

یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ جادو ہندوستان سے آیا ہے غالباً یہ رائے صحیح ہے۔

### روحانی فیوض:

قاضی شہاب الدین نے ان سے باطنی اور روحانی فیوض حاصل کیے اور اس مرتبہ بلند پر فائز ہوئے کہ شیخ

① لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۱۰۶۔

اشرف نے ان کو خرقہ خلافت پہنایا اور ملک العلماء کا خطاب عطا کیا۔ لطائف اشرفی کے مصنف رقم طراز ہیں۔  
حضرت قاضی خد متے شائستہ و ملازمتے بایستہ شد و الباس خرقہ کردند و بختاب ملک العلماء مخاطب کردند ①۔

یعنی حضرت قاضی شہاب الدین دولت آبادی شیخ اشرف جہاں گیر کی خدمت و ملازمت میں رہے۔ شیخ نے خرقہ خلافت ان کے زیب تن کیا اور انھیں ملک العلماء کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

### سلطان ابراہیم شرقی کی عقیدت:

اس زمانے میں جون پور کے اورنگ سلطنت پر ابراہیم شرقی متمکن تھا جو علما و فضلا کا قدردان اور علم پرور حکمران تھا۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی وہ انتہائی تکریم کرتا تھا اور دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ان کی رائے کو ترجیح دیتا تھا۔ ملک العلماء نے اس سے شیخ اشرف سمنانی کے علم و فضل اور زہد و اتقا کا ذکر کیا تو بہت خوش ہوا اور اپنے امرا و وزرا اور اعوان و خوینین کی معیت میں کئی بار ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کی تفصیلات لطائف اشرفی میں مرقوم ہیں۔ اس کے ایک اقتباس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

قاضی شہاب الدین نے شیخ اشرف سمنانی سے عرض کیا کہ آج سلطان اشرف ملاقات سے مشرف ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن اس خادم کی خواہش ہوئی کہ آج یہ فقیر خدمت میں حاضر ہولے تو کل پھر سلطان کے ساتھ قدم بوسی کا شرف حاصل کر لے گا۔ شیخ اشرف سمنانی نے فرمایا اس فقیر کے نزدیک تم سلطان سے بہت بہتر ہو۔ اگر سلطان آتے ہیں تو آنے دو وہ حاکم ہیں۔ جب قاضی شہاب الدین کو رخصت کیا تو ان کے بارے میں معتقدین سے فرمایا کہ جس قدر اس شخص کو فضیلت حاصل ہے ہندوستان میں کسی دوسرے شخص کو کم حاصل ہے۔ دوسرے دن شیخ اشرف و طائف میں مشغول تھے کہ معلوم ہوا سلطان ابراہیم خوینین اور دوسرے لوگوں کے ساتھ آرہا ہے۔ جب یہ جماعت مسجد کے دروازے پر پہنچی تو حضرت قاضی نے سلطان سے عرض کی کہ اتنے ازدحام کے ساتھ حضرت سید کی ملاقات کے لیے جانا مناسب نہیں ان کو تکلیف ہوگی۔ سلطان نیچے اتر آیا اور اپنی جماعت سے بیس اصحاب فضیلت اور اہل فراست کو منتخب کر کے حاضر خدمت ہوا اور حد سے زیادہ ادب و احترام سے پیش آیا۔ اس نے قلعہ جنادہ کی فتح کے لیے ایک بہت بڑا لشکر بھیجا تھا جس کے لیے وہ متردو تھا۔ اس نے حسب حال سید سمنانی کے سامنے یہ اشعار پڑھے:

ولی کان انور است از جام جمشید      رواں روشن تر از خورشید باشد  
چہ حاجت عرض کردن بر ضمیرش      کسے کو را یقین امید باشد



شیخ نے فرمایا:

اگر بہ یقین شد قدمت استوار گردز دریا نم از آتش برآر  
سلطان رخصت ہونے لگا تو شیخ نے ایک مسند عطا کی جس سے وہ بہت خوش ہوا۔ اور محل میں پہنچا تو کہا۔  
چہ سید نیست عالی جناب و مقاصد مآب۔ الحمد للہ کہ در ہندوستان چنین مردم در آمدہ اند۔  
یہ سید کس قدر عالی جناب و مقاصد مآب ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس مرتبے کے لوگ بھی ہندوستان آتے  
ہیں۔

قلعہ فتح ہو چکا تو تین روز کے بعد چند آدمیوں کے ساتھ سلطان پھر حاضر خدمت ہوا۔ روٹی کا ٹکڑا اور  
شربت ساتھ لایا۔ لوگوں نے قلعے کی فتح پر شیخ کو مبارک باد دی مگر شیخ نے کہا۔ سلطان کو مبارک باد دو کہ اس نے بند  
دروازے کو کھولا ہے۔ اب سلطان کی عقیدت ان سے بہت بڑھ چکی تھی۔ عرض کیا۔ یہ بندہ عاجز تو جناب کے ہاتھ  
پر بیعت ہو چکا بندہ زادے بھی حلقہ بیعت میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ اسی روز تین شہزادے شرف بیعت سے  
مشرف ہوئے۔ سلطان نے بہت نذرانے دینے کی کوشش کی لیکن شیخ نے قبول نہیں کیے۔ پھر اس نے ان سے  
وہیں مستقل طور پر سکونت پذیر رہنے کی درخواست کی۔ فرمایا تمھاری سلطنت کی حدود سے باہر نہ جاؤں گا۔ اس  
جواب سے سلطان بہت خوش ہوا۔ وہ دو مہینے وہاں مقیم رہے۔ چھوٹے بڑے ہر قسم کے لوگ ان کی بیعت سے  
سعادت اندوز ہوئے ①۔

### اشاعت اسلام:

جون پور سے روانہ ہو کر وہ گردنواح کے دیگر مقامات میں گئے اور لوگوں میں اسلام کی تبلیغ کی۔ ایک مقام  
پر ان کا مقابلہ ایک ہندو جوگی سے ہوا۔ اس جوگی کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ ہوا میں اڑ سکتا ہے مگر شیخ سے گفتگو ہوئی تو اتنا متاثر  
اور مرعوب ہوا کہ اس قسم کے تمام غلط دعویوں سے تائب ہو گیا۔ اپنی مذہبی کتابیں جلا ڈالیں۔ اس کے پانچ ہزار چیلے تھے  
ان سب کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس جوگی نے بابا کمال پنڈت کے نام سے شہرت پائی۔  
بعض تذکروں میں مرقوم ہے کہ جوگی سے مقابلہ کچھ چھہ کے مقام پر ہوا اور اس کی مڑھی میں خانقاہ بنوائی گئی ②۔  
ایک مرتبہ بنارس گئے اور وہاں کے بت خانوں کے پجاریوں سے مناظرے کیے۔ دونوں طرف سے  
کرامات اور خرق عادات کا اظہار ہوا۔ آخر میں وہاں کے ایک ہزار ہندو شیخ کے قول و عمل سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش  
اسلام ہوئے ③۔

① لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۱۰۶، ۱۰۵۔

② بزم صوفیہ، ص ۲۵۱۔

③ ایضاً ۲۵۵، بحوالہ لطائف اشرفی، ج ۱، ص ۴۱۲۔

ان ہی دنوں اجودھیا پہنچے اور وہاں کے ملوک و امرا نے حلقہ ارادت میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔

### روولی میں آمد:

اثنائے سفر اور ضمن تبلیغ میں روولی بھی گئے۔ وہاں شیخ صفی الدین اور شیخ سماء الدین سے ملاقات ہوئی جن کا شمار اس دور کے عظیم المرتبت علما میں ہوتا تھا۔ یہ دونوں حضرات شیخ سے بہت فیض یاب ہوئے۔ شیخ صفی الدین کا درجہ تو علوم و فنون میں بہت بلند تھا۔ خود شیخ ان کی فراوانی علم سے متاثر ہوئے۔ فرماتے ہیں۔

در بلا ہند کے را کہ بفنون درخشنده غرائب و شیون عجائب پیراستہ دیدم وی بود ①۔

یعنی بلا ہند میں اگر میں نے کسی کو مختلف اور متنوع علوم و فنون میں پیراستہ اور آراستہ دیکھا ہے تو وہ (شیخ صفی الدین روولی) ہیں۔

### قصبہ جالس میں:

اسی دوران میں وہ جالس کے مقام پر پہنچے جو اس نواح میں بارونق اور خاصی آبادی پر مشتمل ایک قصبہ تھا۔ وہاں کے تین ہزار آدمی ان کے حلقہ بیعت میں داخل ہوئے۔ قصبے میں ایک معروف عالم دین فروکش تھے جن کا نام مولانا غلام الدین تھا۔ اور علوم کی مختلف شاخوں پر عبور رکھتے تھے اور فقہ میں خاص طور پر انھیں درک حاصل تھا۔ یہ بھی شیخ اشرف جہاں گیر سے بیعت ہوئے اور خلیفہ مقرر کیے گئے۔ ان کے علاوہ ایک اور بزرگ تھے جو شیخ کمال کے نام سے معروف تھے۔ ان کو بھی سید اشرف جہاں گیر کی طرف سے خلعت عطا کی گئی۔

### شیخ خیر الدین اور قاضی محمد سدھوری سے ملاقات:

اب سید اشرف اس علاقے کے ایک مقام سدھورہ پہنچے جو معروف قصبہ تھا۔ اس قصبے میں شیخ خیر الدین اور قاضی محمد سدھوری دو مشہور علمائے دین اقامت گزیر تھے۔ انھوں نے ان کا پر جوش خیر مقدم کیا۔ شیخ خیر الدین کا شمار اس عصر کے جید علما میں ہوتا تھا۔ ان کو فقہ اور اصول فقہ کے بعض مسائل کے بارے میں کچھ الجھن پیدا ہوئی تو ہم عصر علما کی طرف رجوع کیا اور ان سے چند سوالات کیے مگر کسی سے تسلی بخش جواب نہ پایا۔ پھر اس نواح میں شیخ اشرف جہاں گیر تشریف لائے تو ان سے ملاقات ہوئی اور ان سے ان سوالات کی تشریح کے لیے مستدعی ہوئے۔ شیخ نے اس انداز سے ان کی تشریح کی کہ شیخ خیر الدین مطمئن ہو گئے اور اسی وقت ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ بیعت کرنے والوں میں قاضی محمد سدھوری بھی تھے جو اپنے وقت کے ایک بڑے عالم دین تھے۔ لطائف

اشرفی میں ان کے علم و فضل کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

قاضی محمد سدھوری بفتون علوم غریبہ و شیون معلوم عجیبہ پیراستہ بودند۔ خصوص در علوم اصول مشارالیه

بودند ①۔

یعنی قاضی محمد سدھوری یوں تو علوم کے تمام گوشوں اور فنون مختلفہ کے تمام پہلوؤں سے مزین تھے مگر

اصول فقہ میں بالخصوص ان کو جو امتیاز و درک حاصل تھا اس میں ان کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا۔

### ارباب حکومت سے تعلقات:

شیخ اشرف جہاں گیر چوں کہ خود حکمران رہ چکے تھے اور حکومت ان کو وراثت میں ملی تھی اس لیے ارباب

حکومت اور اصحاب ثروت کے عادات و اطوار سے خوب آگاہ تھے اور ان کی نفسیات کے بارے میں پورا علم رکھتے

تھے۔ لہذا ان سے اتنا ہی تعلق رکھتے تھے جتنا کہ ان کی اصلاح کے لیے ضروری سمجھتے۔۔۔ ان سے کسی قسم کا لالچ

ان کے ذہن میں نہ تھا۔ اگر مال و دولت کی حرص میں گرفتار ہوتے تو خود ہی اسے کیوں ترک کرتے اور کیوں

حکومت کو خیر باد کہہ کر فقر و درویشی کی راہوں پر قدم زن ہوتے۔

ان کے حلقہ ارادت میں والی جون پور سلطان ابراہیم شرقی والی اودھ نواب سیف خاں اور ان کے علاوہ

بہت سے امرا و وزرا اور خوانین شامل تھے مگر کسی سے کبھی کسی قسم کی دینوی عزم و جاہ کے متمنی نہیں ہوئے۔ ایک

مرتبہ نواب سیف خاں نے اودھ کا ایک قریہ پیش کرنے کی درخواست کی جس کی آمدنی اس دور کے مروجہ سکے کے

لحاظ سے ایک لاکھ تین تھی مگر لینے سے انکار کر دیا اور اسے قبول کرنا درویشی کی شان قناعت کے منافی سمجھا۔

### چار نقصان دہ چیزیں:

حکمرانوں سے زیادہ تعلق و ربط کبھی نہیں رکھا۔ البتہ ان کی عادات پر ہمیشہ نظر رہی اور کوشاں رہے کہ ان

کی ظاہری اور باطنی حالت درست ہو اور وہ چار چیزوں سے بالخصوص دامن کشاں رہیں جو ان کے لیے اخلاقی اور

روحانی طور پر نہایت نقصان رساں ہیں۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں۔

۱۔ سلاطین کا لڈاؤ دنیا میں مستغرق ہو جانا۔

۲۔ اپنے مقربین و مصاحبین سے بد خلقی کے ساتھ پیش آنا۔

۳۔ سزا دینے میں زیادتی کرنا۔

۴۔ رعیت پر ظلم کرنا ②۔

① لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۹

② بزم صوفیہ ص ۲۵۶ بحوالہ لطائف اشرفی ج ۱ ص ۱۶۶۔

## بادشاہوں اور حکمرانوں کے لیے نصیحت:

شیخ اشرف جہاں گیر نے بادشاہوں اور حکمرانوں کو بڑی نصیحتیں اور ہدایتیں کی ہیں۔ فرماتے ہیں: بادشاہ اپنے اوقات اس طرح ترتیب دیں کہ فجر کی نماز کے بعد اشراق تک وظیفہ پڑھیں۔ پھر علما و صلحا کی مجلس میں بیٹھیں اور چاشت کے وقت تک ان سے عدل و انصاف کے متعلق آیات قرآنی کے مطالب پوچھیں۔ اس مجلس میں اپنے وزیر اور ندامت کو بھی شریک کریں۔ لوگ جو معروضات پیش کریں ان کا مناسب جواب دیا جائے، حسب حال کارروائی کی جائے اور ہر شخص کے جائز مدعا کو پورا کیا جائے۔ اس کے بعد دربار عام منعقد ہو جس میں رعایا اور مسلمانوں کے قضایا اور دعاوی پیش ہوں اور شریعت کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو۔ مشائخ اور اصحاب سلوک کی معروضات کو جہاں تک ممکن ہو کسی کے توسط سے سنا جائے۔ سادات، قضا، اور مشائخ کی درخواستوں کو بادشاہ اور حکمران تک نہ پہنچائے اور اس گروہ کا صدر کسی ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو دین دار اور ہمدرد ہو بلکہ ایسے شخص کو صوفی مشرب بھی ہونا چاہیے۔

وزیر میں یہ خصوصیت ہونی چاہیے کہ وہ تمام علوم و فنون سے آراستہ ہو اور متدین اور نیک ہو۔ وکالت کا منصب کسی ایسے شخص کے سپرد کرنا چاہیے جو پسندیدہ اخلاق کا حامل، عقل مند، سریع الفہم اور حاضر جواب ہو۔ اس قسم کے ہر شخص کو کوئی نہ کوئی مناسب منصب دینا چاہیے۔ تمام کاموں سے فارغ ہو کر قیلولہ کے وقت آرام کے لیے چلے جائیں۔ قیلولہ سے فارغ ہو کر نماز پڑھیں اور کبھی نماز ترک نہ کریں۔ ظہر کی نماز کے بعد جس قدر ہو سکے قرآن مجید کی تلاوت کریں۔ خصوصاً سورہ قد سمع اللہ (سورہ مجادلہ) کی مواظبت کریں۔ کیونکہ سلاطین اس سورہ کی مواظبت کرتے آئے ہیں۔ سلطان محمود (غزنوی) انار اللہ برہانہ برابر یہ سورہ پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ کو دولت و شوکت اسی سورہ کی بدولت نصیب ہوئی۔ حضرت (سلطان) ابراہیم شاہ (شرقی) بھی ایسا ہی فرماتے تھے۔ خود میں نے جب سلطنت چھوڑی تو پہلی چیز جو میں نے اپنے برادر عزیز محمد شاہ سے کہی وہ یہ تھی کہ اس سورہ کی برابر تلاوت کریں۔ کوئی کام شریعت کے خلاف انجام نہ دیں اور عدل و انصاف کے اصول میں ایک نقطے سے بھی انحراف نہ کریں تاکہ سلطنت میں خلل واقع نہ ہو ①۔

ایک موقع پر ارکان دولت اور اعضاء سلطنت کے بارے میں فرمایا۔

تمام ارکان دولت اور اعضاء مملکت الگ الگ عضو، الگ الگ حاسہ یا قوت کا درجہ رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر مستوفی، مشرب، ناظر عارض، طغرانی، منشی، دبیر، حاجب، خازن، استاذ الدار اور دوسرے عہدے دار۔ حواس خمسہ اور قوائے بشری مثلاً آنکھ، کان، ناک، زبان، لمس، فکر و ہم، حافظہ، حس مشترک کے مانند ہیں۔ امرائے سلطنت اپنی قوت، شوکت اور ہمت وغیرہ کے ساتھ اعضاء رئیسہ ہیں اور ادنیٰ درجے کے امرا ہاتھ باز و پنڈلی اور پاؤں کی

① لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۱۶۷، ۱۶۸۔

مثل ہیں۔ حاشیہ نشین قوم اور عام رعایا وغیرہ اپنے مدارج کے مطابق اس طرح ہیں، جس طرح کہ رگ، پٹھے اور اعصاب وغیرہ۔ جس طرح ایک انسان اپنے ہر عضو کا محتاج ہے اور اگر اس کا ایک عضو نہ ہو، یا ناقص ہو تو اس کا جسمانی نظام ناقص اور ادھورا رہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جسم کا ہر عضو صحیح ہو اور اپنی جگہ ٹھیک ٹھیک کام کرے، اسی طرح ایک بادشاہ اور حکمران کو چاہیے کہ ارکان دولت اور اصحاب مناصب کو ان کی اہلیت و استعداد کے مطابق ان کی دیانت اور نیک سیرت کو معلوم کر کے اور اچھی طرح پرکھ کر انہیں مملکت کے مختلف حصوں میں مقرر کرے اور انہیں مکمل اختیار دے تاکہ وہ اپنے اپنے مفوضہ فرائض اور مقررہ امور کو کامل شرائط کے ساتھ ملک کے مصالح اور سلطنت کی بہبودی کے مطابق انجام دیں اور بادشاہ ان کے کاموں سے پوری طرح باخبر رہے اور ان کے بغیر امور مملکت کی انجام دہی میں نقص محسوس کرے ①۔

### سیاحت:

سید اشرف جہاں گیر بہت بڑے سیاح بھی تھے۔ جون پور سے رخت سفر باندھ کر انہوں نے مدینہ منورہ کی زیارت کی۔ روم، بیت المقدس، شام، دمشق، عراق، ایران، بغداد وغیرہ ممالک و بلاد کا رخ کیا۔ اپنے اصل وطن سمنان بھی گئے۔ غزنی، کابل، قندھار، ترکستان، بخارا، کربلا، نجف اور مشہد وغیرہ گئے۔ برصغیر کے بہت سے علاقوں اور شہروں میں گھومے پھرے اور اثنائے سفر میں بے شمار علما و فقہاء، زہاد و عباد اور اولیا و صلحا سے ملاقات کی۔ دوران سفر میں مشہد گئے تو امیر تیمور وہاں موجود تھا۔ وہ ان سے بہت عقیدت و احترام سے ملا۔

### تصنیفات:

سید اشرف جہاں گیر علوم و فنون کی مختلف اصناف پر گہری نظر رکھتے تھے۔ وہ محض عالم ہی نہ تھے، مصنف بھی تھے۔ ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

- ۱۔ الاشرافیہ:
- ۲۔ مختصر فی النحو: یہ کتاب علم نحو سے متعلق ہے۔
- ۳۔ تعلیقات علی ہدایۃ الفقہ والاصول: اس کا تعلق فقہ اور اصول فقہ سے ہے۔
- ۴۔ مختصر فی اصول الفقہ: یہ اصول فقہ کے بارے میں ہے
- ۵۔ شرح عوارف المعارف: یہ کتاب تصوف کے بارے میں ہے۔
- ۶۔ شرح فصوص الحکم: اس کا تعلق بھی علم تصوف ہے۔
- ۷۔ قواعد العقائد: یہ علم کلام میں ہے۔

① لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۱۱۴۔

- ۸۔ اشرف الانساب مختصر:
- ۹۔ بحر الانساب: یہ انساب و سیر کے سلسلے کی تصنیف ہے۔
- ۱۰۔ بحر الاذکار:
- ۱۱۔ فوائد الاشرف و اشرف الفوائد۔
- ۱۲۔ بشارۃ الذاکرین۔
- ۳۱۔ تنبیہ الاخوان۔
- ۱۴۔ حجتہ الذاکرین۔
- ۱۵۔ الفتاویٰ الاشرفیہ۔
- ۱۶۔ تفسیر نور بخشیدہ: قرآن مجید کی تفسیر ہے۔
- ۱۷۔ اوراد الاشرفیہ۔
- ۱۸۔ دیوان شعر: ان کا مجموعہ کلام۔
- ۱۹۔ مرآۃ الحقائق و کنز الدقائق۔
- ۲۰۔ بشارۃ المریدین۔
- ۲۱۔ ارشاد الاخوان۔
- ۲۲۔ مکتوبات: مولف و جامع نظام الدین یمنی۔
- ۲۳۔ ملفوظات: یہ نظام الدین یمنی نے لطائف اشرفیہ میں جمع کیے۔

وفات:

ایک سو بیس برس کی عمر پا کر ۲۷ محرم ۸۰۸ھ (۲۵ جولائی ۱۴۰۵ء) کو کچھوچھ میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔ ”اشرف المومنین“ سے مادہ تاریخ نکلتا ہے ①۔

## ۱۶۔ شیخ اعظم ثانی لکھنوی

نویں صدی ہجری کے ایک اور عالم دین اور فقیہ شیخ اعظم ثانی بن شیخ ابوالبقا بن شیخ موسیٰ بن شیخ ضیاء الدین کرمانی تھے۔ ان کا شمار اپنے وقت کے فحول علما اور جلیل القدر فقہاء میں ہوتا تھا۔ ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ یاب تھے۔ ان علوم کی تحصیل انھوں نے شیخ ابوالفتح جون پوری متوفی ۳ ربيع الاول ۸۵۸ھ (۱۳ مارچ ۱۴۵۴ء) سے کی۔ شیخ ضیاء لکھنوی اور شیخ سعد الدین خیر آبادی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ شیخ سعد اللہ کندوری متوفی

① لطائف اشرفیہ۔ بزم صوفیہ۔ اخبار الاخبار ص ۱۶۶۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۳۲ تا ۳۳

۲۳ ربیع الثانی ۸۲۹ھ (۴ مارچ ۱۴۲۶ء) کے معاصر تھے اور ان سے بدرجہ غایت تعلق خاطر رکھتے تھے۔ کہتے ہیں علم فقہ میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ مسائل فقہیہ سے متعلق زبان کو حرکت دیتے تو بڑے مدلل اور واضح الفاظ میں تقریر کرتے۔ علم فقہ کے موضوع پر ان کے کئی رسالے بھی ہیں۔

ان کے پردادا شیخ ضیاء الدین ہلاکو خاں کے عہد میں کرمان سے برصغیر تشریف لائے اور شاہ سمرقندی سے ملاقات کے لیے لکھنؤ پہنچے اور پھر ان سے اس درجہ محبت پیدا ہوئی کہ ان کی وجہ سے اسی شہر میں متوطن ہو گئے۔ شیخ اعظم اپنے بعد تین بیٹے چھوڑ کر جنت کو سدھارے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں (۱) شیخ محمد عرف شیخ قاضی۔ (۲) شیخ احمد فیاض اور (۳) شیخ نصیر الدین۔ ان تینوں بزرگوں میں سے ایک کی اولاد لکھنؤ اور دیوبند وغیرہ کے علاقوں میں موجود ہے۔

شیخ اعظم ثانی کی تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی ①۔

شیخ اعظم ثانی لکھنوی کے حالات میں اگرچہ کتب رجال میں یہ مرقوم ہے کہ وہ فقیہ تھے مسائل فقہ کو مدلل اور صاف انداز میں بیان کرتے تھے اور فقہ سے متعلق انھوں نے کچھ رسالے بھی تصنیف کیے مگر ان کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔ شاید کہیں قلمی شکل میں ہوں گی۔ کوئی کتاب چھپی نہیں ہوگی۔

— ب —

## ۷۔ قاضی برہان الدین مالوی

قاضی برہان الدین مالوی اپنے دور کے جید عالم اور فقیہ تھے۔ ان کا شمار کبار مشائخ صوفیہ میں ہوتا تھا۔ ہوشنگ شاہ غوری کے عہد میں مالوہ کے دارالسلطنت مانڈو میں تشریف لائے۔ چونکہ علم و فضل اور تصوف و طریقت سے بہرہ یاب تھے اس لیے والی مالوہ ہوشنگ شاہ غوری ان سے بہت متاثر ہوا اور ان کے حلقہ بیعت داخل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ بادشاہ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ان سے اثر پذیر ہوئے اور انھوں نے وہیں سکونت اختیار کر لی۔ قاضی برہان الدین نے ۸۱۵ھ (۱۴۱۲ء) میں وفات پائی اور یہ وہی سال ہے جس سال کہ ہو شنگ شاہ غوری عازم جاج نگر ہوا تھا ②۔

## ۱۸۔ شیخ بڈھن بہراپچی

شیخ بڈھن علوی بہراپچی اپنے وقت کے فقیہ اور مرد صالح تھے۔ شیخ حسام الدین فتح پوری سے تحصیل علم کی جو شیخ عبدالمقتدر بن رکن الدین شریحی کنڈی کے تلمیذ رشید تھے۔ ان سے طریقہ چشتیہ کے مطابق تصوف کی تعلیم بھی

① تذکرہ علمائے ہند ص ۲۳، ۲۴

② نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۴۲۔ گلزار ابرار اور مرآة سکندری۔

حاصل کی جس کی وجہ سے ان کا شمار اس دور کے مشہور مشائخ میں ہونے لگا۔ تمام طرق تصوف کے شناور تھے اور اس کے حصول کے لیے باقاعدہ مختلف صوفیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ طریقہ مدار یہ طریقہ سہروردیہ اور اکثر طرق مشہورہ شیخ اجمل بن امجد حسینی بہراپنجی جون پوری سے اخذ کیے۔ شیخ بڈھن سے شیخ محمد بن قاسم نے کسب علم اور اخذ فیض کیا۔

۸۔ شوال الکریم ۸۸۰ھ (۳ فروری ۱۴۷۶ء) کو وفات پائی ①۔

ت

## ۱۹۔ قاضی تاج الدین نحوی

قاضی تاج الدین بلخی نحوی علوم عربیہ اور علم نحو کے عالم اور مشہور فاضل تھے۔ شیخ محمود قریشی کی نسل سے تھے۔ بلخ سے وارد ہند ہوئے اور لکھنوتی میں سکونت اختیار کی۔ یہ وہ عالم دین تھے جنہوں نے تمام عمر درس و افادہ میں صرف کر دی۔ ان کا حلقہ درس بہت وسیع تھا اور بے شمار لوگوں نے ان سے فیض علم حاصل کیا۔ ان کے اخلاف میں سے شیخ منجھن بن عبداللہ بن خیر الدین لکھنوتی کا اسم گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہے ②۔

ان کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔ غالباً یہ کسی کتاب کے مصنف نہ تھے البتہ بطور مدرس ان کا مرتبہ بہت بلند تھا اور علوم عربیہ اور علم نحو کی تدریس میں خاص طور پر دسترس حاصل تھی۔

## ۲۰۔ قاضی تاج الدین ظفر آبادی

قاضی تاج الدین ناصحی ادہمی عمری ظفر آبادی کا شمار اپنے عصر کے نامور فضلا کی جماعت میں ہوتا ہے۔ فقیہ اور عالم دین تھے۔ ان کا سلسلہ نسب مشہور بزرگ شیخ ابراہیم بن ادہم عمری سے ملتا ہے۔ ظفر آبادی کی مسند قضا پر فائز ہوئے اور وہیں اقامت گزین ہو گئے۔ عمر کا آدھا حصہ درس و افادہ عام میں گزرا۔ پھر تمام مصر و فیتوں سے کنارہ کش ہو کر تصوف و طریقت کی راہ پر گامزن ہو گئے اور شیخ اسد الدین حسینی واسطی سے وابستگی اختیار کر لی اور پوری زندگی زہد و اتقا کی روح پرور فضا میں بسر کر دی۔ قرآن مجید کے حافظ تھے اور اس درجہ پر اثر اور دردناک لہجے میں تلاوت کرتے کہ لوگوں کے دل کھینچ لیتے۔

۸۳۱ھ (۱۴۲۸ء) میں فوت ہوئے اور ظفر آبادی میں دفن کیے گئے ③۔

معلوم ہوتا ہے یہ کسی ایسی کتاب کے مصنف تو نہ تھے جس سے ان کے فقہی مرتبہ کا اندازہ ہو سکتا ہو البتہ فقہیات کی تدریس اور مسائل فقہ کے حل و کشود میں مرجع خلائق تھے۔

① نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۴۳۔ بحوالہ مسالک المساکین۔

② نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۴۴۔ گلزار ابرار، ص ۱۹۷۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۴۴، ۴۵۔ بحوالہ تجلی نور۔



## ۲۱۔ شیخ تاج الدین نہروالی

شیخ تاج الدین بن یوسف بن احمد سوہی نہروالی گجراتی فقہ اور علوم عربیہ کے جید علما میں سے تھے۔ اپنے والد گرامی قدر شیخ یوسف بن احمد سوہی ایرجی اور شیخ عبداللہ بن محمود حسینی بخاری گجراتی سے اخذ علم کیا۔ نہروالا میں مقبرہ شیخ حسام الدین ملتانی میں ان کا سلسلہ درس جاری تھا۔ اس عالم و فقیہ سے خلق کثیر نے کسب علم کیا ①۔ ان کے بارے میں صرف یہی معلوم ہو سکا ہے کہ یہ اپنے دور کے نامور فقیہ اور مدرس تھے اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں اور یہ پتا نہیں چل سکا کہ یہ کسی کتاب کے مصنف بھی تھے یا نہیں۔

— ج —

## ۲۲۔ شیخ جلال الدین مانک پوری

شیخ جلال الدین بن اسماعیل عمری مانک پوری شیخ حسام الدین مانک پوری کے جد امجد تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے جید علما میں سے تھے۔ تصوف میں بھی مرتبہ کمال پر فائز تھے۔ علوم ظاہری اور تصوف و طریقت کی تعلیم شیخ نظام الدین اولیا کے خلیفہ شیخ محمد سے حاصل کی تھی۔ متقی اور عبادت گزار تھے۔ رات کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ رات کے حصہ اول میں جب لوگ بیدار ہوتے یہ سو جاتے اور دوسرے حصے میں جب لوگ میٹھی نیند کے مزے اڑا رہے ہوتے یہ جاگ اٹھتے اور شب کی تنہائیوں میں نماز تہجد میں مصروف ہو جاتے اور نماز فجر تک اللہ کی عبادت کرتے۔ ان کا معمول تھا کہ ہر رات اکتالیس مرتبہ سورہ یٰس کی تلاوت کرتے۔ نماز چاشت کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے اور طلباء کو علوم دنیویہ کی تعلیم دیتے۔

شیخ جلال الدین کا ذریعہ معاش کتابت تھا۔ قرآن مجید کی کتابت کر کے دہلی بھیجتے، جس کا ہدیہ سکہ رائج الوقت پانچ سو تک وصول ہوتا۔ بغیر وضو قلم ہاتھ میں نہ پکڑتے۔ جن دنوں شہر میں چوروں اور ڈاکوؤں کا زور ہو جاتا، گوشت کھانا بند کر دیتے کہ کہیں یہ گوشت چوری کے جانور کا نہ ہو۔

ان کے شیخ طریقت محمد وہ بزرگ تھے جو بادشاہوں جیسا لباس پہنتے، دولت مندوں کی طرح زندگی بسر کرتے اور ملوک و سلاطین کے ہاں آمد و رفت رکھتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ محمد مانک پور تشریف لے گئے۔ ملاقات کے لیے قاضی شہر اور ان کے بیٹے بھی آئے اور دل میں یہ ٹھانی کہ شیخ محمد ہمارے لیے اگر مصری مہیا کر دیں تو ہم انھیں صاحب کشف و کرامت جانیں۔ اب شیخ محمد نے مولانا جلال الدین مانک پوری سے کہا۔

① نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۲۵۔ گلزار ابرار ص ۱۴۷۔

مدعیان برائے امتحان می آئند پارہ بنات حاضر آ رہے  
کچھ لوگ ہمارا امتحان لینے آ رہے ہیں، تھوڑی سی مصری لے آؤ۔  
قاضی اور اس کے بیٹے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مجلس میں مصری موجود پائی، جسے دیکھ کر وہ بہت  
شرمندہ ہوئے۔

قاضی کو جب یقین ہو گیا کہ شیخ محمد فی الواقع بہت بڑے بزرگ ہیں تو عرض گزار ہوا کہ  
درخانہ بندہ مہمان شوید۔

اس بندہ عاجز کے گھر مہمان کی حیثیت سے تشریف لے جایے۔  
شیخ نے فرمایا۔

شیخ فرمود چہل سال گزشت کہ طعام از خانہ قاضیان نمی خورم۔  
چالیس سال سے کسی قاضی کے گھر سے کھانا نہیں کھایا۔

لیکن جب یہ محسوس کیا کہ ان الفاظ سے قاضی شہر کے دل کو تکلیف پہنچی ہے تو فرمایا آپ کے بیٹے کی محکمہ  
انصاف سے کوئی آمدنی تو نہیں ہوتی؟ عرض کیا جی نہیں۔ فرمایا: یہ لڑکا اپنی ملکیت سے کھانا مہیا کرے تو ہم ضرور  
کھائیں گے ①۔

قاضی جلال الدین مانک پوری اگرچہ بہت بڑے فقیہ اور عالم دین تھے مگر ان کی کسی تصنیف کا پتا نہیں  
چل سکا البتہ یہ واقعہ ہے کہ وہ طلبا کو کتب فقہ کی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے اور ان کی معلومات فقہیہ کا دائرہ وسیع تھا۔

## ۲۳۔ مولانا جمال الدین کشمیری

مولانا جمال الدین کشمیری کا شمار حدیث، فقہ، اصول اور علوم عربیہ کے جلیل القدر علما میں ہوتا ہے۔ شیخ علی  
بن شہاب حسینی ہمدانی کے ساتھ وارد کشمیر ہوئے اور پھر ان کے حکم سے وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ اس زمانے  
میں سرزمین کشمیر کی عنان حکومت سلطان قطب الدین شاہ مرزا کے ہاتھ میں تھی اور شیخ علی بن شہاب نے اس  
کی تعلیم کے لیے انھیں کشمیر میں اقامت گزین ہونے کا حکم دیا تھا۔

مولانا جمال الدین نے تمام علاقہ دینیوں سے منقطع ہو کر اپنے آپ کو درس و افادہ کے لیے وقف کر دیا  
تھا اور ان کے شب و روز طلبا کو علوم دینیہ سے بہرہ ور کرنے میں بسر ہوتے تھے۔

مشہور عالم ملا کمال الدین ان کے بھائی تھے۔ بابا فتح اللہ حقانی ان کے شیخ اور استاذ تھے۔ تلامذہ کی وسیع  
جماعت میں شیخ ابوالفقر نصیر الدین بھی شامل ہیں؛ جنہوں نے ان سے حدیث کی سند حاصل کی۔ اپنے وقت کے  
بہت سے اکابر مشائخ نے ان سے استفادہ کیا جن میں مشہور عالم و صوفی بابا نصیب الدین اور شیخ اسماعیل چشتی کے

① اخبار الاخیار ص ۱۷۸۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۳۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۳۔ ص ۴۹۔

اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

مولانا جمال الدین کا معمول تھا کہ وہ اکثر شیخ نور الدین کی قبر پر جاتے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے۔ ایک دن شیخ نصیر الدین نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم۔<sup>①</sup>

یعنی عالم اسی نسبت سے عابد پر فضیلت رکھتا ہے جس طرح کہ میں تم میں ادنیٰ صحابی پر فضیلت رکھتا ہوں۔

اس فرمان نبوی کی روشنی میں آپ کی فضیلت شیخ نور الدین سے زیادہ ہے۔ مولانا جمال الدین نے فرمایا میں نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ شیخ نور الدین رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے جمال! یہ شیخ نور الدین ہے۔ جو کام اس نے کیا ہے وہ کسی نے نہیں کیا۔

مولانا جمال الدین زیادہ تر طلباء کی تعلیم و تدریس میں مشغول رہتے۔ گوشت بہت کم کھاتے اور نہایت سادہ زندگی بسر کرتے۔ لباس میں کسی قسم کے تکلف کے عادی نہ تھے۔ ایک قمیص پہنتے اور بے تکلفی سے بوریا پر بیٹھتے۔

منقول ہے کہ مولانا جمال الدین کے شیخ اور استاذ بابا فتح اللہ حقانی کی ایک بیٹی مولانا جمال الدین کے عقد میں تھیں اور دوسری ان کے بھائی ملا کمال الدین کے عقد میں۔ ان کی قبر کشمیر میں نہر بھٹ کے کنارے ہے۔<sup>②</sup>

مولانا جمال الدین نے تمام عمر حدیث و فقہ اور علوم دینیہ پڑھانے میں صرف کردی، مگر غالباً اس موضوع سے متعلق کوئی تصنیف اپنی یادگار نہیں چھوڑی۔ اگر کوئی تصنیف ہو بھی تو ہمیں اس کا علم نہیں ہو سکا۔

اب سوال یہ ہے کہ شیخ علی بن شہاب الدین حسینی ہمدانی کون بزرگ تھے جن کی معیت میں مولانا جمال الدین مرحوم سرزمین کشمیر میں تشریف لائے اور پھر مستقل طور سے یہیں اقامت گزین ہو گئے۔

بات یہ ہے کہ وادی کشمیر میں جن بزرگان دین نے اسلامی تعلیمات کی ترویج و تبلیغ کے لیے اہم کردار ادا کیا، ان میں سید علی ہمدانی کا اسم گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ بہت سے لوگ انھیں علی ثانی کے نام سے یاد کرتے ہیں، مگر باشندگان کشمیر انھیں شاہ ہمدان یا امیر کبیر کے القاب سے ملقب کرتے ہیں۔ یہ ہمدان کے اس علوی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جو ان کی ولادت سے قبل کم و بیش دو سو سال سے ہمدان میں فردکش تھا اور جس کے اکثر افراد مختلف اوقات میں ہمدان کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہے تھے۔

① جامع ترمذی۔ ابواب العلم۔ باب فی فضل الفقہ علی العبادۃ۔ اس حدیث میں ”عالم“ سے مراد وہ عالم ہے جو عابد بھی ہو۔ اور ”عابد“ سے وہ عابد مراد ہے جو پوری طرح عالم اور دین کے تقاضوں سے آگاہ نہ ہو۔

② روضۃ الابرار۔ از محمد دین کشمیری۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۴۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۵۱، ۵۰۔ حدائق الحنفیہ ص ۲۲۶۔

تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق ان کا تاریخ ولادت ۱۲ رجب ۱۷۱۲ھ (۱۲ اکتوبر ۱۳۱۴ء) ہے ①۔ مگر شیخ کے ایک معاصر مورخ نے ان کی سال ولادت ۱۷۱۳ھ (۱۳۱۳ء) تحریر کی ہے ②۔

ان کے والد محترم سید شہاب الدین، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند نام دار حضرت زین العابدین کی اولاد سے تھے۔ والدہ مکرمہ کا نام فاطمہ تھا، جن کا سلسلہ نسب تیرھویں پشت میں رسول اللہ ﷺ سے ملتا ہے۔ سید شہاب الدین ہمدان کے والی تھے اور اپنے زمانے کے امرا و وزرا سے ان کے گہرے مراسم تھے لیکن بیٹے کو باپ کی ان مصروفیات سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور وہ بچپن ہی سے دینیوی معاملات سے گریزاں تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ماموں سید علاء الدولہ سمنانی متوفی ۷۴۶ھ (۱۳۴۵ء) سے حاصل کی۔ قرآن مجید بھی ان ہی سے حفظ کیا اور منقولات و معقولات کے حصول کے لیے بھی ان ہی کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھے۔ بارہ سال کے ہوئے تو سید سمنانی نے ان کو اپنے ایک شاگرد اور مرید شیخ ابوالبرکات تقی الدین علی دوستی کے حوالے کر دیا، مگر چند روز کے بعد اپنے دور کے مشہور صوفی شیخ محمود مزدقانی کی خدمت میں چلے گئے۔ علم حدیث شیخ نجم الدین ابوالمیان محمد بن احمد الموفق سے حاصل کیا۔ بہت سے بلاد و ممالک کی سیاحت کی اور بارہ حج کیے۔ ۷۷۳ھ (۱۳۷۲ء) میں ختلان گئے تو بعض روایات کے مطابق ماوراء النہر میں امیر تیمور سے کسی معاملے میں اختلاف ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے سات سو سیدوں اور مریدوں سمیت سرزمین ایران کی سکونت ترک کر کے ربیع الاول ۷۷۴ھ (ستمبر ۱۳۷۲ء) میں کشمیر جا پہنچے۔ اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ کشمیر آچکے تھے۔ اب کی اپنے مرید اور قریبی رشتے دار سید حسین سمنانی کے ہاں مقیم ہوئے اور چھ ماہ کے بعد حج بیت اللہ کی غرض سے عازم حجاز ہو گئے۔ بعد ازاں ۷۸۱ھ (۱۳۷۹ء) میں کشمیر آئے۔

سید علی ہمدانی بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ تحائف الابراہیم کی روایت کے مطابق ان کی تعداد ایک سو ستر تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے ایک کتاب کا نام ذخیرۃ الملوک ہے۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے اور دس جلدوں پر محیط ہے۔ اردو، لاطینی، ترکی اور فرانسیسی زبانوں میں اس کے تراجم چھپ چکے ہیں۔ اس میں توحید کی معرفت، اوامرو نواہی، انسان کے فرائض و حقوق، دین حقانی، معرفت الہی، امور جہاں بانی اور وظائف و اوراد وغیرہ سے متعلق تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

اس کتاب میں جا بجا قرآن مجید سے استنباط، احادیث سے استشہاد اور بزرگان دین کے اقوال سے استناد کیا گیا ہے۔ ذخیرۃ الملوک کے علاوہ ان کی تصانیف میں رسالہ مشارب الاذواق، رسالہ اصطلاحات الصوفیہ، مرآة التائبین، مکتوبات امیریہ، رسالہ فتحیہ، رسالہ شرح حل مشکل، رسالہ اوراد فتحیہ، رسالہ واردات، رسالہ مناجات، رسالہ مودۃ القرابی، منازل السالکین، اربعین اور السبعین فی فضائل امیر المؤمنین، مجمع الاحادیث، شرح اسمائے حسنی، رسالہ

① تحائف الابراہیم ص ۱۱۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۴۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۸۷۔ بردکمان۔ تکرملہ ج ۲، ص ۳۱۱

② خلاصۃ المناقب۔

قدوسیہ رسالہ معرفت زاہد اور رسالہ اعتقاد یہ لائق تذکرہ ہیں۔

سید علی ہمدانی فقہی مسلک کے اعتبار سے شافعی تھے۔ اسلام کے سچے اور مخلص مبلغ۔ اہل دل سے انتہائی محبت رکھتے تھے۔ درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ طبیعت میں جلال اور جمال دونوں صفات موجود تھیں۔ خلاف شرع بات دیکھ کر بہت جلد طیش میں آجاتے اور اس ضمن میں مریدوں کو سخت الفاظ میں تنبیہ کرتے۔ علمائے دین کو ان کی لغزشوں کی اصلاح کی طرف توجہ دلاتے۔ حاکموں کو ارتکاب خطا پر سخت الفاظ میں ٹوکتے اور عذاب الہی سے ڈراتے۔ تبلیغ دین کے سلسلے میں اتنے حساس تھے اور اس درجہ جذبات میں آجاتے کہ بڑی سے بڑی مخالفت کی بھی پروا نہ کرتے۔ ان کے مختلف اوصاف کی بنا پر دولت شاہ نے ان کو تیموری دور کے سلطان العرفاء والسادات لکھا ہے۔ صاف گوئی اور حق بیانی میں اس قدر جرأت مند تھے کہ نتائج سے بے پروا ہو کر والی ملک تک کو سرد دربار ٹوک دیتے۔ ایک مرتبہ حاکم بلخ نے آگ میں گرم کیے ہوئے آہنی گھوڑے پر سوار کرانے کی دھمکی دی، لیکن سید ہمدانی اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

اسی طرح ان کی حق گوئی سے تنگ آ کر چند عالموں نے ان کو زہر کھلا دیا۔ جان تو بچ گئی مگر اس کا اثر عمر بھر باقی رہا۔

ہمدان، ختلان اور کشمیر ان کی تعلیمات کے مراکز تھے۔ ان میں کشمیر تو بے دینی کا گھر تھا۔ یہاں انہوں نے تبلیغ اسلام کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں۔ ان سے قبل اگرچہ شرف الدین بلبل شاہ (۷۲۷ھ)۔ (۱۳۲۷ء) سید جلال الدین بخاری (۷۴۷ھ) سید تاج الدین اور ان کے ساتھی سید حسین سمنانی اور سید یوسف وادی کشمیر میں تشریف لے آئے تھے اور ان بزرگان دین کی تبلیغی مساعی سے باشندگان کشمیر کسی حد تک اسلام سے متعارف بھی ہو گئے تھے، لیکن ان کے اندر عقیدہ توحید میں رسوخ اسلامی شعار سے وابستگی اور دینی امور سے محبت سید علی ہمدانی کی تبلیغی مساعی کی بدولت پیدا ہوئی۔

مسلمانوں کے علاوہ کشمیری ہندوؤں کو بھی ان کی تبلیغ نے بہت متاثر کیا اور وہ کثیر تعداد میں حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے دو ہندو سنیا سیوں نے اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد تو بے شمار لوگ اس نعمت سے متمتع ہوئے اور پوری وادی کشمیر میں اسلام کے نعرے گونجنے لگے۔ بقول مفتی غلام سرور لاہوری:

احکام شریعت غرا بطفیل آں محبوب کبریا در کشمیر رواج یافتند و ہزار ہا گمراہان لا یعقل رہ براہ آوردند<sup>①</sup>۔  
یعنی کشمیر میں احکام شریعت اسی محبوب خدا کی وجہ سے پھیلے اور ہزاروں گمراہ لوگ ان کی تبلیغ سے راہ راست پر آئے۔

تحائف الابرار کی روایت کے مطابق سینتیس (۳۷) ہزار غیر مسلم ان کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ اس عظیم مبلغ اسلام نے تہتر سال کی عمر پا کر ۶ ذی الحجہ ۷۸۶ھ (۱۹ جنوری ۱۳۸۵ء) کو داعی اجل کو لبیک

① خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۲۹۵۔

کہا اور کشمیر میں دفن کیے گئے۔ بعض روایات کے مطابق وفات کے وقت ”یا اللہ یارفتیق یا حبیب“ کے الفاظ وارد زبان تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا وظیفہ پڑھتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اسی لیے ان کی قبر پر یہ اشعار مرقوم ہیں:

حضرت شاہ ہمدان کریم آئیہ رحمت زکلام قدیم  
گفت دم آخر وتاریخ شد بسم اللہ الرحمن الرحیم  
سید علی ہمدانی کی پوری زندگی اسلام کی تبلیغ اور توحید کی ترویج میں گزری ①۔

## ح

### ۲۴۔ قاضی حماد الدین گجراتی

قاضی حماد الدین بن محمد اکرم گجراتی، جید عالم اور فقیہ تھے۔ ان کا شمار اپنے دور کے مشہور افاضل میں ہوتا تھا۔ علاقہ گجرات کے شہر نہروالا کے قاضی القضاة تھے۔ ان کے کہنے سے اس زمانے کے بہت بڑے فقیہ مفتی رکن الدین ناگوری نے فتاویٰ حمادیہ تصنیف کیا۔ اس کے مقدمے میں مصنف نے ان کے علم و فضل اور وسعت معلومات کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب میں شہر نہروالا میں آیا تو وہاں کی مسند قضا پر جمال الملت والدین قاضی حماد الدین متمکن تھے۔ میں ان سے ملا تو معلوم ہوا کہ وہ بہت بڑے عالم و فاضل اور مجتہد ہیں، حق و باطل کے درمیان حد فاصل ہیں اور شریعت کو اساس و بنیاد ڈھہرا کر فیصلے کرتے ہیں، اس لیے کوئی شخص ان کے سامنے غلط بیانی سے کام لینے اور خلاف واقعہ بات کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ ذہنی پاکیزگی، معرفت و شعور، تجربہ اور مہارت کی نعمت سے متمتع ہیں۔ فتاویٰ حمادیہ کی تصنیف کے وقت وہ پینتیس سال سے نہروالا کے منصب قضا پر فائز تھے اور جمہور فقہاء کے اقوال اور فتاویٰ کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ قاضی حماد الدین نے فتاویٰ حمادیہ کی ترتیب و تالیف پر قاضی رکن الدین اور ان کے بیٹے مولانا داؤد کو مقرر کیا اور انھوں نے مختلف کتب فتاویٰ اور فقہاء کی تصنیفات جمع کر کے فتاویٰ حمادیہ کے نام سے ایسی کتاب تصنیف کی جو معتمد علیہ روایات کی حامل اور عقل و درایت کی میزان پر پوری اترتی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور غیر مطبوعہ ہے اور مخطوطے کی صورت میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، انڈیا آفس لائبریری لندن، مانچسٹر لائبریری، کتب خانہ خدیوہ مصر، رام پور لائبریری، بانکپور لائبریری اور کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے ②۔

① مفتاح التواریخ، ص ۹۵۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۲۸۔ حدائق الحنفیہ، ص ۲۹۷-۲۹۸۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۹۰ تا ۹۱۔ ادبی دنیا (کشمیر نمبر)، ص ۳۰۵ تا ۳۱۳۔

② فتاویٰ حمادیہ کے بارے میں تفصیلی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: راقم کی کتاب برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، ص ۱۲۶۔

خ

## ۲۵۔ مولانا خواجگی دہلوی

مولانا خواجگی بن محمد دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ شیخ معین الدین عمرانی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور ان سے فقہ و اصول اور علوم عربیہ کی تعلیم حاصل کی اور ان علوم میں درجہ اجتہاد تک پہنچے۔ ان کا شمار نویں صدی ہجری کے جلیل القدر علما کی جماعت میں ہوتا تھا۔ طویل عرصے تک دارالسلطنت دہلی میں ان کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ اس زمانے میں جن حضرات نے ان سے اخذ علم کیا، ان میں ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا اسم گرامی خاص طور سے لائق تذکرہ ہے۔

مولانا خواجگی، جہاں جمید عالم دین تھے وہاں تصوف و طریقت سے بھی قلبی لگاؤ رکھتے تھے اور اس باب میں شیخ نصیر الدین محمود اودھی چراغ دہلی کے فیض یافتہ تھے۔

مولانا خواجگی دہلی ہی میں تھے کہ شیخ محمد بن یوسف حسینی دہلوی المعروف بہ سید محمد گیسو دراز نے خواب دیکھا کہ عنقریب ارض ہند پر مغل حملہ آور ہوں گے جو کھیتی باڑی کو تباہ اور مال مویشی کو ہلاک کر دیں گے اور بے شمار انسانی جانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے<sup>①</sup>۔ یہ خواب انہوں نے مولانا خواجگی سے بیان کیا تو وہ اپنے تلمیذ رشید مولانا شہاب الدین دولت آبادی کو ساتھ لے کر دہلی سے نکلے اور کالپی چلے گئے۔ مولانا خواجگی تو کالپی ہی میں سکونت پذیر ہو گئے مگر مولانا شہاب الدین جون پور تشریف لے گئے۔ جون پور کے تحت حکومت پر سلطان ابراہیم شرقی متمکن تھا جو بڑا نیک دل اور علم و علما کا قدردان حکمران تھا۔ اس نے مولانا شہاب الدین کی علمی قابلیت سے متاثر ہو کر ان کو جون پور کا قاضی القضاة مقرر کر دیا۔ اس نے کئی بار مولانا خواجگی سے مستقل طور سے جون پور میں سکونت اختیار کرنے کی درخواست کی۔ وہ اس کے کہنے سے جون پور گئے مگر کچھ عرصے کے بعد واپس کالپی تشریف لے گئے اور بقیہ زندگی وہیں بسر کی۔

مولانا خواجگی جس زمانے میں دہلی میں مولانا معین الدین عمرانی سے تعلیم حاصل کرتے تھے ان کا معمول تھا کہ درس کے بعد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی خدمت میں بھی جاتے، لیکن مولانا عمرانی اس عام مخالفت کی بنا پر جو علماے دین کو فقرا و صوفیا سے ہوتی ہے، چراغ دہلی کے مرتبہ علمی کے قائل نہ تھے اور کبھی ان سے ملاقات کونہ گئے۔ ایک مرتبہ مولانا عمرانی کو اتنی شدید کھانسی ہو گئی کہ معالجوں نے ناقابل علاج قرار دے دیا اور وہ ان کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر مولانا خواجگی نے استاذ سے عرض کیا۔

① تیمور نے ۸۰۱ھ/۱۳۹۹ء میں ہندوستان پر حملہ کیا اور وہی کچھ ہوا جو انہوں نے خواب میں دیکھا تھا۔ خواب کے علاوہ حالات بھی ایسے ہی پیدا ہو گئے تھے۔

مولانا خواجگی بعرض رسا بند کہ چہ شود اگر مخدوم جہت ملاقات شیخ قدم رنجہ فرمایند و استمداد ہمت نمایند کہ از برکت صحبت و نظر ایشان شفا حاصل شود۔

مخدوم محترم! اس میں کیا مضائقہ ہے کہ آپ چراغ دہلی کی ملاقات کے لیے تشریف لے چلیں۔ ان سے دعا کی درخواست کی جائے۔ ممکن ہے ان کی برکت صحبت و نظر سے صحت حاصل ہو جائے۔

پہلے تو مولانا نے یہ مشورہ قبول فرمانے سے انکار کیا مگر جب بیماری سے زیادہ پریشان ہوئے تو رضامندی ظاہر کر دی اور چراغ دہلی سے ملنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ دروازے سے نکل کر ابھی خانقاہ میں گئے ہی تھے کہ چراغ دہلی گھر گئے اور کھانا جو چاول اور دہی شتمل تھا، منگوایا اور مولانا کے سامنے رکھا۔ ظاہر ہے کہ دونوں چیزیں کھانسی کے مریض اور بلغمی مزاج والے شخص کے لیے سخت مضر ہیں، اس لیے مولانا نے انکار کیا مگر چراغ دہلی نے سخت اصرار کے ساتھ کھانا ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

شیخ فرمود کہ میل کدید بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر تناول فرمائیے

انہوں نے کھانا شروع کیا مگر جب دسترخوان سے اٹھے تو کھانسی نے بہت ہی زور پکڑا۔ شیخ کے حکم سے طشت منگوایا گیا اور وہ تمام بلغمی مادہ جس سے کھانسی ہوتی تھی، طشت میں آ رہا اور مولانا مکمل طور سے صحت یاب ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد مولانا معین الدین عمرانی کا شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی ملاقات سے انکار ارادت مندی میں بدل گیا۔ اور دونوں ایک دوسرے سے مسرت افزا جذبات سے ساتھ ملنے لگے۔

مولانا خواجگی نے ۸۹۹ھ (۱۴۹۴ء) میں شہر کالپی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے ①۔

مولانا خواجگی کا شمار نویں صدی ہجری کے برصغیر پاک و ہند کے ان فقہائے گرامی قدر میں ہوتا ہے جن کی کسی تصنیف کا ہمیں علم نہیں ہو سکا۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ وہ عمر بھر درس و تدریس میں مشغول رہے اور طلباء کو علم فقہ اود دیگر علوم عربیہ کی تعلیم سے بہرہ مند کرتے رہے۔

## ۲۶۔ مولانا خواجگی کڑوی

شیخ خواجگی بن احمد بن شمس الدین عرفی ملتانی کا لقب شیخ شمس الدین تھا۔ بہت بڑے عالم اور اپنے عصر کے فاضل شخص تھے۔ اسماعیل بن جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ علم و معرفت کے لیے شیخ علاء الدین

① اخبار الاخیار ص ۱۴۳، ۱۴۴۔ مآثر الکرام ص ۱۶۸۔ گلزار ابرار ص ۳۵۹، ۳۶۰۔ تاریخ الاولیاء ج ۲ ص ۲۱۰، ۲۱۱۔ خزینۃ الاصفیاء

ج ۱ ص ۳۷۸، ۳۷۹۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۵۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۶۳، ۶۴۔ تاریخ شیراز ہند جون پور ص ۶۵۶ تا



حسینی جیوری کی خدمت میں گئے اور ایک عرصہ تک ان سے وابستہ رہے۔

شیخ خواجگی کڑوی حدیث اور فقہ میں بھی مہارت رکھتے تھے اور تصوف و طریقت کی بھی تمام منزلیں طے کر چکے تھے۔ تصوف و سلوک کے موضوع سے متعلق ان کی ایک تصنیف بھی ہے جس کا نام المرید والمراد ہے۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ وسلم سے ان کے قلبی لگاؤ اور دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ شیخ حسن صغانی لاہوری کی معروف تصنیف مشارق الانوار سے چالیس احادیث کتابی صورت میں جمع کیں جن کا نام الاربعین رکھا۔ ان کی یہ اربعین بہت مقبول ہوئی۔

شیخ احمد بن محمد حسینی کڑوی نے اپنی بعض تصنیفات میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے۔ کہ عالم رویا میں ان کے والد مکرم کور رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور وہ حضور ﷺ سے عرض گزار ہوئے کہ آپ ﷺ ان کے جد امجد کی اربعین سماعت فرمائیں اور اس میں مندرج احادیث کی تصحیح کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ احادیث تم نے کس کتاب سے نقل کی ہیں؟ عرض کیا صغانی کی مشارق الانوار سے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مشارق الانوار کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس بشارت پر انھوں نے الحمد للہ کہا اور اللہ کی ثنایان کی اور پھر شروع سے آخر تک پوری مشارق الانوار زبانی یاد کر لی۔

مولانا خواجگی کڑوی اپنے دور کے اچھے شاعر بھی تھے۔

اس عالم و فقیہ اور عابد و زاہد نے ۱۸ محرم ۸۹۸ھ ۹ نومبر ۱۴۹۲ء کو وفات پائی۔ ان کی قبر شہر کڑھ میں

دریائے گنگا کے کنارے ہے اور اس پر ان ہی کے یہ دو شعر مکتوب ہیں:

برائے خدا اے عزیزان من نوید برگور من این سخن

کہ چوں خواجگی درتہ خاک شد نکو شد ز حکم جہاں پاک شد ①

مولانا خواجگی کڑوی کے حالات میں تذکرہ نگاروں نے اس بات کی تو صراحت کی ہے کہ وہ اپنے دور کے معروف فقیہ تھے مگر اس موضوع کے بارے میں نہ ان کی کسی کتاب کا ذکر کیا ہے اور نہ ان کی دیگر فقہی کاوشوں کی نشان دہی کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ممدوح کتب فقہیہ پر عبور رکھتے تھے اور ان کتابوں کی تدریس و تعلیم کے فرائض بھی انجام دیتے تھے مگر فقہ کی کسی کتاب کے مصنف نہ تھے۔

## ۲۷۔ مولانا خواجہ مانک پوری

نویں صدی ہجری کے خطہ ہند میں جن بلند پایہ علمی شخصیتوں کا ظہور ہوا ان میں مولانا خواجہ مانک پوری کی ذات گرامی لائق تذکرہ ہے۔ یہ مولانا خواجہ بن جلال الدین عمری مانک پوری ہیں جو مولانا حسام الدین مانک پوری کے والد اور عالم و زاہد شخص تھے۔ ان کا شمار فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے جید اور نامور علما کی جماعت میں ہوتا

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۶۴، ۶۵۔

تھا۔ انھوں نے اپنے والد گرامی قدر شیخ جلال الدین عمری اور دیگر علمائے عصر سے اخذ علم کیا۔ نہایت قانع اور متورع بزرگ تھے۔ ان کے بارے میں بعض عجیب و غریب واقعات کتابوں میں مرقوم ہیں۔

ان واقعات میں سے ایک یہ ہے مولانا خود اور ان کے اہل خانہ تین روز سے فاقے کی حالت میں تھے کہ ایک شخص ایک فتویٰ پوچھنے آیا اور سونے کا ایک ٹکڑا ساتھ لایا۔ مولانا نے اس کو فتویٰ تو دے دیا مگر سونے کا وہ ٹکڑا واپس کر دیا۔ اس پر اہل خانہ نے ان پر خفگی کا اظہار کیا، لیکن مولانا خاموش رہے اور کسی کو کوئی جواب نہ دیا۔ اتنے میں ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ ”امیر عین الدین آئے ہیں اور آپ کو سلام کہتے ہیں۔ وہ کچھ دعائیں پڑھ رہے تھے کہ بعض ایسے مشکل الفاظ سامنے آئے جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھے۔ امیر نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں کوئی عالم دین ہے؟ لوگوں نے مولانا موصوف کا نام لیا۔ وہ آپ کو یاد کرتے ہیں اور آپ سے مشکل الفاظ سمجھنا چاہتے ہیں۔“

امیر عین الدین کے پیغام پر مولانا خواجہ مانک پوری اس کے پاس گئے اور جو مشکل اس کو درپیش تھی وہ حل کر دی۔ اس پر امیر بہت خوش ہوا اور اس نے اس قدر سونا بھی دیا جتنا کہ انھوں نے واپس کر دیا تھا اور ساتھ ہی کپڑے اور کھانے کی چیزیں بھی پیش کیں۔ یہ ان کے صبر کا بدلہ تھا جس پر اہل خانہ اور دیگر لوگوں نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔ اس پر اپنے گھر والوں سے شیخ نے کہا۔

چوں ہمت کردیم و مال مشکوک باز گردانیدیم خدائے تعالیٰ مارا از وجہ او حلال عطا کرو ①۔  
کہ ہم نے ہمت کر کے مال مشکوک واپس کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے ہمیں مال حلال عطا کر دیا۔  
مولانا خواجہ بن شیخ جلال الدین عمری کا شمار بھی ان ہی فقہائے کرام میں ہوتا ہے جن کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔ غالباً یہ بھی فقہا کی اسی جماعت سے تعلق رکھتے تھے جو تصنیف و تالیف میں نہیں بلکہ درس و تدریس میں مشغول و منہمک رہتی تھی۔

## ۲۸۔ شیخ خوند میر پٹنی

شیخ خوند میر کا سلسلہ نسب یہ ہے: شیخ خوند میر بن سید بڈھا بن یعقوب بن محمود حسینی پٹنی گجراتی۔ سرزمین گجرات (کاٹھیاوار) میں پیدا ہوئے اور اپنے چچا شادی بن یعقوب سے علم فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ان ہی سے تصوف و طریقت کا علم اخذ کیا۔ پھر پٹن سے احمد آباد منتقل ہو گئے اور وہاں کے مشہور علماء و صوفیاء یعنی شیخ عبداللہ بن محمود حسینی بخاری گجراتی اور شیخ عبدالفتاح سے کسب فیض کیا۔ شیخ عبدالفتاح نے شیخ علاء الدین سے اور انھوں نے شیخ محمد بن یوسف حسینی (نزیل گلبرگہ) سے استفادہ کیا تھا۔

شیخ خوند میر کا شمار اس دور کے اصحاب فضل و صلاح میں ہوتا ہے۔ وہ باوقار اور بلند مرتبت بزرگ

① اخبار الاخیار ص ۱۷۸۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۵۸۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۶۵، ۶۶۔

تھے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفارہ کیا۔

۱۰ ربیع الثانی ۸۷۷ھ (۱۷ اکتوبر ۱۴۶۹ء) کو فوت ہوئے ①۔

ان کی کسی تصنیف کا پتا نہیں چل سکا۔

## ۲۹۔ شیخ خضر بن حسن بلخی

شیخ خضر کا نسب نامہ یہ ہے: خضر بن حسن بن مبارک بن عثمان بن محی الدین عمری ادہمی بلخی۔ بعض حضرات نے ان کے سلسلہ نسب کو مشہور بزرگ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچایا ہے، لیکن صاحب نزہۃ الخواطر سید عبدالحی حسنی لکھنوی کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے ②۔

شیخ خضر بن حسن اپنے عصر کے ممتاز عالم دین تھے اور علم حدیث میں بالخصوص مہارت رکھتے تھے۔ وارد ہند ہوئے تو جون پور تشریف لے گئے۔ لکھنؤ میں بھی ان کا سلسلہ تدریس جاری رہا۔ ان کی علمی خدمات کی بنا پر بلخ آباد کے مضافات میں ان کو متعدد دیہات عطا کیے گئے تھے۔

جن حضرات نے ان سے اخذ علم کیا ان میں ان کے فرزند گرامی قدر شیخ قطب الدین کا اسم گرامی خصوصیت سے سے لائق تذکرہ ہے ③۔

ان کا شمار علمائے کرام کی اس جماعت میں ہوتا ہے جن کی تصنیفات اور علمی سرگرمیوں کی تفصیلات سے تاریخ کے اوراق خالی ہیں۔

و

## ۳۰۔ مفتی داؤد بن رکن الدین ناگوری

مفتی داؤد بن رکن الدین بن حسام الدین ناگوری، فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے جید عالم تھے جو علاقہ گجرات کے ایک شہر نہروالہ کی مسند افتا پر فائز تھے۔ فقہ کی مشہور کتاب فتاویٰ حمادیہ ان کے والد مکرم شیخ رکن الدین ناگوری کی تصنیف ہے، لیکن جیسا کہ شیخ موصوف نے اس کے مقدمے میں وضاحت کی ہے، اس کی ترتیب و تصنیف میں ان کے بیٹے مفتی داؤد بھی ان کے شریک تھے اور اس سلسلے میں انھوں نے ان کی بہت مدد کی ④۔

① نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۶۷۔ بحوالہ مرآة احمدی۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۱۹، ۱۲۰۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۶۸۔

④ مقدمہ فتاویٰ حمادیہ و نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۶۸۔ اس ضمن میں مفصل معلومات کے لیے ملاحظہ ہوں حالات مفتی رکن الدین

### ۳۱۔ قاضی رضی الدین ردولوی

قاضی رضی الدین بن نصیر الدین بن نظام الدین ردولوی ملک العلماء قاضی شہاب الدین احمد بن عمر زاوی دولت آبادی کے نواسے تھے اور علم و فضل کے بلند مرتبے پر فائز تھے۔ جون پور میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ اپنے نانا قاضی القضاة شہاب الدین دولت آبادی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہو کر حصول علم کی منزلیں طے کیں اور کافی عرصہ ان سے وابستہ رہے۔ یہاں تک کہ سب مروجہ علوم حاصل کر لیے اور اپنے تمام معاصرین و اقران میں فقہ و اصول، علم کلام اور علوم عربیہ میں ممتاز گردانے گئے۔

یہ سلطان ابراہیم شرقی کا عہد حکومت تھا اور وہ علماء و فقہاء کا بے حد قدردان تھا۔ وہ ان کے علوم دینیہ پر عبور اور فقاہت سے اس درجہ متاثر ہوا کہ ان کو شہر ردولی کا قاضی مقرر کر دیا۔ پھر یہ وہیں اقامت گزریں ہو گئے اور فرائض قضا کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ درس و تدریس میں بھی مشغول رہے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا ①۔ یہ وہ نامور فقیہ اور عالم دین تھے جنہوں نے غالباً کوئی تصنیف تو اپنی یادگار نہیں چھوڑی مگر قاضی اور مدرس کی حیثیت سے علم فقہ کی خوب اشاعت کی اور اس سلسلے میں بڑی شہرت پائی۔

### ۳۲۔ رکن الدین جون پوری

شیخ رکن الدین جون پوری کا سلسلہ نسب یہ ہے: رکن الدین بن صدر الدین بن شرف الدین بن جلال الدین بن محمود بن جابر بن شیخ عبداللہ انصاری ہروی ثم ہندی جون پوری۔

شیخ رکن الدین جون پوری اپنے زمانے کے مشہور رجال فضل و صلاح میں سے تھے اور معروف فقیہ بھی تھے۔ ان کے والد شیخ صدر الدین سلطان خضر بن سلیمان کے ایام حکومت میں دہلی آئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ والد کی وفات کے بعد شیخ رکن الدین دہلی سے جون پور منتقل ہو گئے۔ اس زمانے میں جون پور کے تحت حکومت پر سلطان ابراہیم شرقی متمکن تھا اور جون پور کو علماء و مشائخ کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ شیخ رکن الدین نے وہاں شیخ تاج الدین جھونسوی (غالباً یہ جھانسوی ہے) سے تصوف و طریقت کا درس لیا۔ پھر شیخ جلال الدین حسین بن احمد حسینی بخاری وارد جون پورے ہوئے تو انہوں نے ان سے بھی فیض حاصل کیا۔ جون پور آنے کے بعد شیخ رکن الدین کے نام کے ساتھ ”جون پوری“ کی نسبت کا اطلاق ہونے لگا اور اس نواح میں انہیں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ ایک وقت آیا کہ ان کے عقیدت مندان کو سجدہ کرنے لگے تھے، لیکن وہ ان کو اس سے روکتے نہ تھے۔ یہ فعل

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۷۱ بحوالہ انوار لصفی۔

چوں کہ شرک لغیر اللہ کے مترادف تھا اس لیے ملک العلماء قاضی شہاب الدین کو سخت ناگوار گزرا۔ انہوں نے شیخ رکن الدین کو اس سے کئی مرتبہ ٹوکا اور کہا کہ وہ اپنے مریدوں کو اس فعل شرک کے ارتکاب سے روکیں۔

شیخ عبدالعزیز جون پوری سیرۃ الاولیاء میں رقم طراز ہیں کہ کبیر ہندی جون پور آئے تو قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے تلامذہ اور اصحاب ارادت نے ان کو پریشان کرنا شروع کر دیا لیکن شیخ رکن الدین نے ان کی حمایت کی اور پھر ان سے جون پور سے نکل جانے کے لیے کہا۔

شیخ رکن الدین سے جن لوگوں نے استفادہ کیا ان میں شیخ عبدالملک جون پوری، قاضی محمد بن علامنیری

شامل ہے۔

شیخ موصوف نے ۱۱ ربيع الثانی ۸۷۴ھ (۱۸ اکتوبر ۱۴۶۹ء) کو وفات پائی۔ ان کی قبر جون پور کے محلہ

تارتلہ میں ہے ①۔

تذکرہ نویسوں نے ان کا شمار فقہاء میں کیا ہے، مگر ان کی کسی تصنیف اور فقہی کاوش کا علم نہیں ہو سکا۔ معلوم ہوتا ہے ان کی فقہی سرگرمیاں محض درس و تدریس تک محدود تھیں۔ تصنیف و تالیف سے دلچسپی نہ رکھتے تھے یا اگر کوئی تصنیف تھی بھی تو ہمارے احاطہ معلومات سے باہر ہے۔

سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو کرنا چاہیے۔ کسی شخص کو سجدہ کرنا یا کسی سے اپنے لیے سجدہ کرانا صریحاً شرک ہے۔

ان کا ارادت مندوں کو اپنے لیے سجدے سے نہ روکنا دائرہ شرک میں داخل ہے۔

### ۳۳۔ شیخ رکن الدین دہلوی

شیخ رکن الدین بن شہاب الدین فقیہ اور مرد صالح تھے۔ ان کا شمار مشاہیر مشائخ چشتیہ میں ہوتا تھا۔ دارالسلطنت دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت کی منزلیں طے کیں۔ ان کے والد گرامی شیخ شہاب الدین دہلوی اپنے دور کے معروف عالم دین تھے۔ انہوں نے ان ہی سے تعلیم حاصل کی۔ والد کی وفات کے بعد ان کی جگہ مسند مشیخت پر متمکن ہوئے اور بڑی شہرت پائی۔

جن حضرات نے شیخ رکن الدین سے فیض حاصل کیا ان میں صاحب تمہیدات مسعود بیگ کا نام قابل

ذکر ہے ②۔

مسعود بیگ کا اصل نام شیر خاں تھا اور سلطان فیروز شاہ کے اقربا میں سے تھے۔ نہایت عمدہ قسم کا شاہانہ اور امیرانہ لباس زیب تن کرتے تھے۔ لیکن اچانک دل میں ایسی کیفیت پیدا ہوتی کہ کپڑے پھاڑ ڈالتے اور گریبان چاک کر دیتے۔ عام طور سے طبیعت پر حالت سکر طاری رہتی اور کسی سے بات نہ کرتے۔ توحید اور تصوف

① نزہۃ النواطر ج ۳ ص ۶۹، ۷۰۔ بحوالہ گنج ارشدی

② نزہۃ النواطر ج ۳ ص ۷۰۔ گلزار ابرار ص ۹۷۔

کے موضوع پر ان کی کئی تصانیف ہیں جن میں تمہیدات اور مرآة العارفين کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مسعودیگ شاعر بھی تھے۔ ان کے مجموعہ کلام میں قصائد، غزل وغیرہ ہر قسم کے اشعار موجود ہیں ①۔

## ۳۴۔ شیخ رکن الدین ظفر آبادی

شیخ رکن الدین قریشی ظفر آبادی کا شمار اکابر فقہائے حنفیہ میں ہوتا ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ میں عبور رکھتے تھے۔ صاحب نزہتہ الخواطر سید عبدالحی حسنی لکھنوی، مناقب درویشیہ کے حوالے سے ان کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ انھیں رسول اللہ ﷺ کی ایک لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔ ان کی نیکی اور تدین کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ روزے سے رہتے اور مشکوک لقمہ حلق سے نیچے نہ اترنے دیتے۔

علم و فضل کی فراوانیوں کے علاوہ انھیں تصوف و طریقت سے بھی گہرا لگاؤ تھا اور شیخ اسد الدین حسینی ظفر آبادی سے فیض یافتہ تھے۔ ان کی معیت میں جہاد فی سبیل اللہ میں بھی کوشاں رہے اور ظفر آبادی کو مستقل طور سے اپنا مسکن بنا لیا تھا۔

شیخ رکن الدین کی وفات ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) میں ہوئی۔ ان کے بعض عقیدت مندوں نے تاریخ وفات ’رکن الدین افتاد‘ سے نکالی ہے ②۔

ان کا شمار بھی ان اصحاب علم بزرگوں میں ہوتا ہے جن کی کسی تصنیف کا ذکر تذکرہ نگاروں نے نہیں کیا اور پھر یہ ضروری بھی نہیں کہ ہر فقیہ یا عالم دین لازماً صاحب تصنیف بھی ہو۔ بعض علمائے عظام نے قلم و قرطاس سے رابطہ نہیں رکھا، فقط درس و تدریس کو اپنا مشغلہ قرار دے رکھا اور ان کے نزدیک خدمت دین کا اصلی اور بنیادی طریق یہی تھا جیسا کہ بے شمار علماء اب بھی اس پر عمل پیرا ہیں۔ معلوم ہوتا ہے شیخ رکن الدین ظفر آبادی بھی ان ہی حضرات میں سے تھے۔

ایک لاکھ احادیث کا زبانی یاد ہونا عجیب سا معاملہ ہے۔ اس کی صحت پر بہر حال تاہل ہے۔

## ۳۵۔ مفتی رکن الدین ناگوری

مفتی ابوالفتح رکن الدین ناگوری بن حسام الدین ناگوری کا شمار ان فقہاء میں ہوتا ہے جو فقہ اور اصول میں مہارت رکھتے تھے اور علاقہ گجرات (کاٹھیاواڑ) کے ایک معروف شہر نہروالا کے منصب افتا پر فائز تھے۔ ان کی تصنیف فتاویٰ حمادیہ ہے جو ایک ضخیم کتاب ہے۔ یہ کتاب انھوں نے قاضی حماد الدین بن محمد اکرم گجراتی کے حکم سے تصنیف کی، جو نہروالا کے قاضی القضاة اور اپنے زمانے کے مشہور فاضل اور نامور فقیہ تھے۔ اس کتاب کی

① تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۲۶

② نزہتہ الخواطر ج ۳، ص ۷۰-۷۱۔ بحوالہ تجلی نور

تصنیف و ترتیب کے مراحل مفتی رکن الدین نے اپنے بیٹے مفتی داؤد کی اعانت و شراکت میں طے کیے۔ یہ فقہ کی نہایت اہم کتاب ہے جو ان دونوں فقہاء..... مفتی رکن الدین ناگوری اور ان کے بیٹے مفتی داؤد..... نے تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ کی دو سو سولہ کتابوں سے استفادہ کر کے مکمل کی۔ اس کی تفصیل کتاب کے مقدمے میں بیان کی گئی ہے۔ یہ کتاب ”الحمد لله الذي نور قلوب الموحدين بنور التوحيد و الايمان“ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ اس کی تصنیف میں جن کتب فقہ سے استفادہ کیا گیا، مقدمہ کتاب میں ان کے نام درج کیے گئے ہیں، جن میں ہدایہ، الکافی، شرح مجمع البحرین، شرح وقایہ، شرح طحاوی، تحفۃ الفقہاء، المحیط، الواقعات، حسامی، فتاویٰ البرہانی، فتاویٰ تاتارخانی، جواہر الفتاویٰ، جامع الفتاویٰ، فتاویٰ ولوالحی، الخلاصہ، خزائنہ الفقہ، فتاویٰ سمرقند، فتاویٰ قرآنی، فتاویٰ النوازی، فتاویٰ الصیرفی، زاد الفقہاء، دستور القضاة، الذخیرۃ، المہبوط، فتاویٰ الابانہ، حاشیہ بزدوی، فتاویٰ الناطقی، وغیرہ کتب فقہ کے علاوہ مشکوٰۃ المصابیح اور تفاسیر میں سے معالم التنزیل، تفسیر کبیر، تفسیر شیخ شہاب الدین سہروردی اور تفسیر کشاف وغیرہ شامل ہیں۔

فتاویٰ حمادیہ اگرچہ فقہ احناف سے متعلق مسائل پر محیط ہے، لیکن اس میں ان کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جو فقہ امام شافعی پر مبنی ہیں۔

فتاویٰ حمادیہ کے مقدمے سے واضح ہوتا ہے کہ مفتی ابوالفتح رکن الدین بن حسام الدین ناگوری کا اصل وطن نہروالہ نہیں تھا بلکہ وہ کسی دوسری جگہ سے جا کر نہروالہ میں متوطن ہوئے تھے۔ وہ کہتے ہیں ”کہ جب میں نہروالہ میں گیا تو دیکھا کہ یوں تو اس شہر کے تمام لوگ بہترین عادات و اطوار کے حامل ہیں، مگر وہاں کے قاضی القضاة حماد الدین بن محمد اکرم تو نہایت صالح، معرفت و شعور سے بہرہ ور، تجربہ و مہارت میں یگانہ اور ذہنی و قلبی اعتبار سے مجسمہ خلوص ہیں۔ وہ پینتیس سال سے نہروالہ کی مسند قضا پر فائز ہیں۔ ان کے رعب و دبدبہ اور ذاتی و علمی وجاہت کا یہ عالم ہے کہ کوئی شخص ان کے سامنے جھوٹی شہادت دینے اور غلط بیانی کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ وہ تنفیذ احکام میں بے مثل کردار کے مالک ہیں اور دعاوی و مقدمات کے فیصلے جمہور فقہاء کے اقوال اور فتاویٰ کے مطابق کرتے ہیں۔ ان کے والد گرامی قاضی محمد اکرم بھی عالم و فقیہ اور متورع و متقی ہیں۔“

ان ہی قاضی حماد الدین نے مفتی رکن الدین اور ان کے بیٹے مولانا داؤد کو یہ خدمت علمی انجام دینے پر مامور کیا اور کہا کہ وہ ایک ایسی کتاب مرتب کریں جو ان مسائل فقہی پر مشتمل ہو جن پر جمہور فقہاء کا اجماع ہے اور جس کے مندرجات عقل و درایت کی میزان پر پورا اترتے ہیں۔ چنانچہ بڑی محنت اور تلاش و کاوش سے انہوں نے ایک کتاب مرتب کی جسے قاضی حماد الدین کی طرف منسوب کر کے فتاویٰ حمادیہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ فتاویٰ حمادیہ میں دو سو سولہ کتابوں سے مسائل مستنبط و مستخرج کیے گئے ہیں، جن میں سے چند کتابوں کے نام گزشتہ سطور میں بیان کیے جا چکے ہیں۔

نویں صدی ہجری کی یہ فقہی کتاب جو ارض ہند میں مرتب کی گئی، اب بھی دنیا کے مختلف کتب خانوں میں

مخطوطے کی صورت میں موجود ہے۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے اس قلمی کتاب کے دنیا کی حسب ذیل سات لائبریریوں میں چودہ نسخے محفوظ ہیں۔

۱۔ اس کا ایک نسخہ پاکستان میں ہے جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور کے شیرانی کلکشن میں موجود ہے۔ اس کا نمبر ۳۹۰۹ اور یہ ۴۳۰ اوراق پر محیط ہے۔ سطور فی صفحہ ۱۲ سے ۲۳ تک ہیں۔ کتاب کے اکثر حصے اچھی حالت میں ہیں اور آسانی سے پڑھے جاسکتے ہیں۔ آخر کے بعض مقامات کرم خوردہ ہیں۔ شروع میں غلام علی رضوی کی مہر ہے۔

۲۔ انڈیا آفس لائبریری لندن میں اس کے تین نسخے ہیں جن کے نمبر علی الترتیب ۱۶۸۹، ۱۶۹۰ اور ۱۶۹۱ ہیں۔ پہلا نسخہ خط نسخ میں ہے جو اٹھارہویں صدی میں دہلی میں لکھا گیا۔ اس کے مختلف مقامات پر حواشی بھی ہیں۔ دوسرے نسخے کا سال کتابت ۱۸۲۲ء ہے۔ یہ خط نستعلیق میں ہے اور دہلی کا کتابت شدہ ہے۔ اس کے بعض مقامات پر حواشی ہیں اور کچھ صفحات ضائع ہو چکے ہیں۔ تیسرا نسخہ ۱۶۹۰ء کا مکتوبہ ہے۔ یہ بھی خط نستعلیق میں ہے اور اس کے بھی چند مقامات پر حواشی ہیں جو مختلف ہاتھوں کے لکھے ہوئے ہیں اور بہت سے فقہی نکات پر مشتمل ہیں ①۔

۳۔ کتب خانہ خدیوہ مصر میں اس کے دو نسخے ہیں۔ ایک نسخہ خط نسخ میں ہے اور کاتب ابراہیم بن محمد از نوطنی ہے۔ اس کی کتابت جمعرات کے روز ۳ ربیع الاول ۱۲۷۲ھ کو مکمل ہوئی ②۔ دوسرے نسخے کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔

۴۔ مانچسٹر لائبریری میں بھی یہ کتاب موجود ہے۔ اس کا کاتب بدھ کے روز بعد از اشراق ۲۵ صفر ۱۱۲۹ھ (۲۸ جنوری ۱۷۱۷ء) کو اس کی کتابت سے فارغ ہوا۔ اس نے اپنا نام اس طرح لکھا ہے:  
احقر العباد جعفر بن مرحوم قاضی غلاز یول۔

اس کے ابتدا اور آخر میں ایک مہر ہے جس میں ۸۹۷ء-۱۲۰۳ھ و مبشر ابر رسول یاتی من بعدی اسمہ احمد اور احمد بن محمد درویش کے الفاظ کندہ ہیں۔ یہ کتاب ہندوستان کے بہترین خط نسخ میں لکھی گئی ہے۔ الفاظ صاف اور نمایاں ہیں اور بالکل آسانی سے پڑھے جاسکتے ہیں ③۔

۵۔ بانگی پور لائبریری میں بھی یہ کتاب موجود ہے اور اس کا نمبر ۱۷۲۳ء ہے۔ یہ نسخہ ناقص الاخر ہے۔ تاریخ کتابت درج نہیں۔ غالباً بارہویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے ④۔

① ملاحظہ ہو کٹیلاگ آف انڈیا آفس لائبریری ج ۲ جز ۳۔ فقہ ص ۲۷۲، ۲۷۳۔

② فہرست کتب خانہ خدیوہ مصر ج ۳ ص ۸۸

③ کٹیلاگ مانچسٹر لائبریری۔ حصہ عربی فقہ۔ کالم نمبر ۳۲۳، ۳۲۶۔ کتاب نمبر ۲۰۴

④ کٹیلاگ آف بانگی پور لائبریری ج ۱۹ جز ۲ ص ۲۰۔



۶۔ رام پور لائبریری میں اس کے دو نسخے ہیں۔ ایک نسخے کا نمبر ۳۶۲ ہے اور خط نسخ میں ہے۔ صفحات ۵۹۰ ہیں۔ دوسرا نسخہ خط نستعلیق میں ہے۔ صفحات ۷۱۰ ہیں اور نمبر ۳۶۳ ہے ①۔

۷۔ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں اس کے چار نسخے ہیں جن کے نمبر علی الترتیب ۱۸، ۱۹، ۱۰۵ اور ۱۰۶ ہیں۔ نمبر ۱۸ بہت عمدہ خط نسخ میں ہے۔ سن تحریر اور نام کاتب مرقوم نہیں۔ البتہ ابتدائے کتاب میں سال خریداری ۱۲۵۹ھ لکھا ہے۔ غالباً تیرھویں صدی ہجری کے شروع کا مکتوبہ ہے۔ کل اوراق ۳۱۴ ہیں اور ہر صفحے کی ۲۳ سطور ہیں۔

نسخہ نمبر ۱۹ آدھا خط نسخ میں ہے اور آدھا نستعلیق میں بظاہر ایک ہی شخص کا کتابت شدہ معلوم ہوتا ہے۔ ۱۰۸۴ھ کا مکتوبہ ہے۔ کاتب کا نام مرقوم نہیں۔ کل اوراق ۱۵۷ ہیں اور سطور فی صفحہ ۲۷ ہیں۔

نسخہ نمبر ۱۰۵ خط نستعلیق میں ہے۔ نام کاتب اور سال کتابت درج نہیں۔

جملہ اوراق ۲۴۲ ہیں اور سطور فی صفحہ ۲۵ ہیں۔

نسخہ نمبر ۱۰۶ خط نستعلیق میں ہے۔ نام کاتب اور سال کتابت درج نہیں۔ البتہ وسط کتاب اور آخر میں ایک مہر ثبت ہے جس پر قاضی معین الدین کے الفاظ کندہ ہیں۔ ورق اول پر سال خرید ۱۲۰۷ھ مرقوم ہے۔ بظاہر یہ نسخہ گیارھویں صدی ہجری کے وسط کا کتابت شدہ معلوم ہوتا ہے۔ کل اوراق ۴۰۰ اور سطور فی صفحہ ۱۷ ہیں ②۔

کتب خانہ خدیوہ مصر کی کتب فہرست میں یہ الفاظ بھی لکھے ہیں کہ یہ کتاب ۱۲۴۱ھ میں ہندوستان میں چھپ چکی ہے۔

بانگی پور لائبریری کے کٹیلاگ میں مرقوم ہے کہ یہ کتاب ۱۲۴۱ھ میں کلکتہ میں شائع ہو چکی ہے۔

کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں یہ الفاظ درج ہیں کہ یہ کتاب ہندوستان میں چھپ چکی ہے۔

فتاویٰ حمادیہ فقہ کی ایک اہم کتاب ہے۔ پنجاب یونیورسٹی میں اس کا جو نسخہ موجود ہے حسب ذیل مضامین

ومن درجات پر مشتمل ہے۔

کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب

الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب العتاق، کتاب الایمان،

کتاب الحدود والسرقة، کتاب السیر، کتاب اللقیط واللقطۃ، کتاب

الابان، کتاب المفقود، کتاب الشركة، کتاب الوقف، کتاب البیوع،

کتاب الکفالة، کتاب الحوالة، کتاب الدعوی، کتاب الاقرار، کتاب

① فہرست کتب عربی۔ کتب خانہ رام پور، ص ۱۳۳۲، مطبوعہ مئی ۱۹۰۲ء

② فہرست مشروح بعض کتب نفیہ قلمیہ (حصہ دوم) مخزنہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن ص ۱۳۳، ۱۳۴۔

الصلح، کتاب المضاربة، کتاب الودیعة، کتاب العازية، کتاب الہبة، کتاب الاجارة، کتاب الاکراه، کتاب الحجر، کتاب الغضب، کتاب الشفعة، کتاب القسمة، کتاب المزارعه، کتاب الصيد والذبائح، کتاب الاضحیة، کتاب الاستحسان، کتاب احیاء الموات والسرب، کتاب الرهن، کتاب الجنایات، کتاب الوصایا، کتاب الفرائض۔

فہرست مضامین سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں حصہ عبادات بھی ہے اور حصہ معاملات بھی۔ یہ کتاب برصغیر پاک و ہند کا ایک اہم علمی اور فقہی سرمایہ ہے ①۔

نہروالہ کے قاضی القضاة قاضی حماد الدین گجراتی، فتاویٰ حمادیہ کے مصنف کے معاون، مفتی داؤد بن مفتی رکن الدین ناگوری فتاویٰ حمادیہ کے مصنف مفتی رکن الدین ناگوری اور قاضی حماد الدین گجراتی کے والد مکرم قاضی محمد اکرم گجراتی کے مفصل حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ جو معلوم ہو سکے ہیں، وہ سید عبداللہ لکھنوی کی تصنیف نزہتہ الخواطر میں مرقوم ہیں اور یہ اسی قدر ہیں، جس قدر کہ فتاویٰ حمادیہ کے مقدمے میں مندرج ہیں ②۔

ز

## ۳۶۔ شیخ زین الدین عربی

شیخ زین الدین بن بدر الدین عربی عالم و فاضل بزرگ تھے اور فقہ و تصوف اور فنون ادبیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ سلوک و طریقت میں بھی درجہ ممتاز پر فائز تھے اور اس ضمن میں شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری سے فیض یافتہ تھے۔ طویل عرصہ ان کی صحبت و ملازمت میں بسر کیا تھا۔ فارسی زبان میں ان کی ایک تصنیف ہے جو راحة القلوب کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کتاب ان کے شیخ (شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری) کے حالات و ملفوظات پر مشتمل ہے اور حمد و سپاس بے قیاس الخ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے ③۔

ان کا شمار بھی نویں صدی ہجری کے برصغیر پاک و ہند کے ان علمائے عظام کی جماعت میں ہوتا ہے جنہوں نے علم فقہ باقاعدہ اساتذہ سے پڑھا تھا اور اس میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے لیکن اس موضوع میں ان کی کوئی تصنیف ہم تک نہیں پہنچی اور بعد میں ان کا زیادہ تر وقت اصحاب و تصوف کی صحبت میں گزرا۔

① تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: راقم الحروف کی تصنیف ”برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ“ مقالہ فتاویٰ حمادیہ ص ۱۶۶ تا ۱۶۷۔

② ملاحظہ ہو: نزہتہ الخواطر ج ۳ ص ۱۵۷ تا ۱۶۸۔

③ نزہتہ الخواطر ج ۳ ص ۷۲ تا ۷۳۔

## س

### ۳۷۔ شیخ سارنگ لکھنوی

شیخ سارنگ صوفی دہلوی ثم لکھنوی۔ اپنے وقت کے مرد صالح اور حنفی المسلمک فقیہ تھے۔ ابتدا میں سلطان فیروز شاہ والی ہند کے معزرا میں سے تھے۔ علاقہ مالوہ میں ملک ہند کا شہر سارنگ پوران ہی نے تعمیر اور آباد کیا جس نے بعد میں بڑی شہرت حاصل کی۔

شیخ سارنگ سلطان فیروز شاہ کے حلقہ امر میں شامل تھے کہ ایک بزرگ شیخ قوام الدین بن ظہیر الدین عباسی کردی سے منسلک ہو گئے اور ان سے اس درجہ اثر پذیر ہوئے کہ ان پر جذب و سکر کی کیفیات طاری ہونے لگیں۔ اسی اثنا میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا اور حرمین شریفین کی زیارت سے متمتع ہوئے۔ بعد ازاں دیگر مشائخ کی خدمت میں طویل عرصے تک رہے۔

ان کی وفات ۱۶ شوال ۸۵۵ھ (۱۱ نومبر ۱۴۵۱ء) کو ہوئی۔ قبر صوبہ یوپی کے موضع جھگوہ میں ہے جو مضافات بسوہ میں واقع ہے ①۔

### ۳۸۔ شیخ سراج الدین کالپوی

سراج الدین کالپوی سراج الحریق کے نام سے معروف تھے۔ اپنے دور کے فقیہ اور صالح بزرگ تھے۔ مولانا خواجگی دہلوی کے شاگرد تھے۔ تصوف میں مخدوم مہانیاں جہاں گشت شیخ جلال الدین حسین بن احمد حسینی بخاری سے فیض یافتہ تھے ②۔

شیخ سراج الدین کالپوی حنفی وہ بزرگ ہیں جنہیں علم فقہ سے تعلق تو تھا مگر غالباً اس موضوع پر کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔

### ۳۹۔ شیخ سراج الدین گجراتی

شیخ سراج الدین بن علامہ کمال الدین دہلوی گجراتی عابد و زاہد بھی تھے اور فقیہ بھی۔ اپنے والد مکرم علامہ کمال الدین دہلوی سے علم فقہ کی تکمیل کی اور ان ہی کی تربیت سے تصوف میں لگاؤ پیدا ہوا۔

① اخبار الاخیار ص ۱۵۵۔ نزہۃ النواظر ج ۳ ص ۷۶، ۷۷۔ الفوائد السعدیہ۔

② نزہۃ النواظر ج ۳ ص ۷۷۔ خزینۃ الاصفیاء۔ اخبار الاخیار ص ۱۶۳، ۱۶۴۔

علامہ کمال الدین کا اصل مشغلہ درس و تدریس تھا۔ شیخ سراج الدین نے بھی والد کی وفات کے بعد مند  
درس کو رونق بخشی اور ان سے ان کے بیٹے شیخ علم الدین اور دوسرے لوگوں نے استفادہ کیا۔  
شیخ سراج الدین کی وفات ۱۹ جمادی الاولیٰ ۸۱۷ھ (۶ اگست ۱۴۱۴ء) کو علاقہ گجرات کے شہر نہروالہ  
میں ہوئی اور وہیں دفن کیے گئے ①۔

## ۴۰۔ شیخ سعد الدین خیر آبادی

شیخ سعد الدین بن قاضی بڈھن بن شیخ محمد قدوائی انامی خیر آبادی بہت بڑے عالم اور اپنے وقت کے  
نامور بزرگ تھے۔ فقہ اصول فقہ علوم عربیہ، نحو اور تصوف میں یگانہ روزگار تھے۔ ان کے والد قاضی بڈھن خیر آباد  
کے منصب قضا پر متعین تھے۔ سعد الدین ابھی عالم طفولیت ہی میں تھے کہ سایہ پدری سر سے اٹھ گیا۔ باپ کی  
وفات کے بعد آغوشِ مادر میں تربیت پائی اور حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر اس دور  
کے عظیم فقیہ اور عالم دین شیخ محمد اعظم بن ابوالبقا لکھنوی کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے اور علم حاصل کیا۔ حصول علم  
کے بعد تصوف کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے لیے شیخ محمد مینا بن ② قطب الدین لکھنوی کے سامنے دوزانو ہو کر  
بیٹھے۔ پورے بیس سال ان کی خدمت میں حاضر رہے اور اس راہ کی تمام منازل پر عبور حاصل کیا۔ حتیٰ کہ شیخ کی  
وفات کے بعد لکھنؤ شہر میں ان کی مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور عرصہ دراز تک وہاں رہے۔ بعد ازاں لکھنؤ سے  
خیر آباد منتقل ہو گئے اور وہاں تبلیغ دین میں مصروف ہوئے۔

جو حضرات ان کے فیض صحبت سے تصوف کی راہوں پر گام فرسا ہوئے اور ان سے انسلاک اختیار کر کے  
اس چشمہ صافی سے سیراب ہونے کا شرف حاصل کیا، ان میں شیخ عبدالصمد بن علم الدین سائپوری، شیخ اللہ داد  
رضوی، شیخ صفی الدین، شیخ مبارک سندیلوی، شیخ سالار سید صفی الدین انبالوی، شیخ اللہ دیا اور دیگر بہت سے حضرات  
شامل ہیں۔

شیخ سعد الدین خیر آبادی نے اپنے آپ کو صرف تصوف و طریقت ہی کے حوالے نہیں کر دیا تھا بلکہ درس  
و تدریس اور تصنیف و تالیف سے بھی پورا تعلق رکھا۔ ان کی تصنیفات کا دائرہ بہت وسیع تھا جس میں علم فقہ اصول فقہ  
اور علم نحو وغیرہ سب علوم شامل ہیں۔ شرح بزدوی، شرح حسامی، شرح کافیہ شرح مصباح اور شرح رسالہ مکیہ ان کی  
مشہور مصنفات ہیں۔ شرح جامی پر بھی حواشی تحریر کیے۔

شیخ سعد الدین بہت بڑے مہمان نواز تھے جو کچھ آتا لوگوں میں تقسیم کر دیتے، کوئی چیز اپنے پاس  
رکھتے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس دن وہ فوت ہوئے، گھر میں کفن کے لیے بھی کچھ موجود نہ تھا۔

① نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۷۷۔ خزینۃ الاصفیاء۔ اخبار الاخبار ص ۱۶۳، ۱۶۴۔

② ان کا اسم گرامی شیخ محمد تھا لیکن شاہ مینا کے نام سے معروف تھے۔ سال وفات ۸۷۰ھ (۱۴۶۶ء) ہے اور شاہ میناروڈ، متصل  
میڈیکل کالج روڈ لکھنؤ میں مدفون ہیں۔

برصغیر پاک و ہند کے اس فقیہ اور جید عالم دین نے ۸۸۲ھ (۱۴۷۷ء) میں داعی اجل کو لبیک کہا اور خیر آباد میں دفن کیے گئے ①۔

## ۴۱۔ شیخ سعد الدین لکھنوی

شیخ سعد الدین بن شیخ الاسلام سعد اللہ بن قاضی سماء الدین بکری بجنوری، صالح عالم دین اور شیخ وقت تھے۔ ان کے پانچ بھائی اور تھے جو ان سے عمر میں چھوٹے تھے۔ یہ اپنے باپ کے چھٹے بیٹے تھے جو بعض امور میں اپنے دیگر بھائیوں سے مختلف رجحانات رکھتے تھے۔ لکھنؤ سے چار میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں پیدا ہوئے جو بجنور کے نام سے موسوم تھا اور اسی گاؤں میں نشوونما پائی۔ حصول علم کے بعد درس و تدریس کی صورت میں علوم دینیہ کی نشر و اشاعت اور افادہ عام میں مشغول ہو گئے۔ ان کے حلقہ درس کی وسعتوں کا یہ حال تھا کہ دور دراز کے علاقوں سے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور علمی استفادہ کرتے۔ تدریس کا انداز کچھ ایسا تھا کہ طلبا ان سے بہت متاثر ہوتے اور ان کے مباحث علمیہ غور سے سنتے۔ منتہی اور ذہین طلبا بالخصوص ان کی طرف رجوع کرتے۔

شیخ سعد الدین شاعر بھی تھے۔ سعدی تخلص کرتے تھے اور عمدہ شعر کہتے تھے۔ ان کے چند اشعار یہ ہیں:

چوں داری مونے چوں قل ہو اللہ  
خطی درکش بگر د ماسوی اللہ

☆☆☆

چوں دوست موافق است سعدی  
سہل است جفائی ہر دو عالم

☆☆☆

گریہ برعیوب کس کنی  
خند ہ برعیب دیگران چہ زنی

اس نامور عالم دین نے ۲۹ جمادی الاولیٰ ۸۸۱ھ (۱۹ ستمبر ۱۴۷۶ء) کو وفات پائی۔ ان کے ایک شاگرد

نے ”مخدوم قطب الاولیا“ تاریخ وفات نکالی ②۔

## ۴۲۔ شیخ سعد اللہ کنتوری

شیخ سعد اللہ بن محمد متوکل کنتوری اپنے وقت کے معروف فقیہ تھے۔ مہد علم اور آغوش دین میں پرورش

① اخبار الاخیار ص ۹۳، ۹۴۔ خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۴۰۱، ۴۰۲۔ ابجد العلوم ص ۸۹۴۔ انوار العارفین ص ۲۵۸، ۲۵۹۔ تذکرہ

علمائے ہند ص ۷۶، ۷۷۔ تاریخ الاولیاء ج ۲ ص ۲۲۶، ۲۲۷۔ سبحة المرجان ص ۴۲۔ مآثر الکرام ص ۱۷۴۔ عین الولاہیت

سراج الہدایت ص ۵۲، ۵۳۔ حدائق الحنفیہ ص ۲۳۶۔ سیر العلماء ص ۱۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۷۹، ۸۰۔

② تذکرہ علمائے ہند ص ۷۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۷۹۔

پائی۔ والد مکرم شیخ محمد متوکل اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے استفادہ کیا اور اپنے دور کے مشہور مشائخ میں سے گردانے گئے۔ عابد و زاہد اور قناعت پسند تھے۔ ضروریات کا دامن بہت محدود اور مختصر کر لیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق انھیں شیخ اشرف جہاں گیر بن ابراہیم سمنانی سے بھی شرف اجازہ حاصل تھا۔ اس عالم دین نے اپنے والد گرامی شیخ محمد متوکل کی زندگی ہی میں ۸۰۶ھ (۱۴۰۴ء) کو انتقال کیا ❶۔

## ۴۳۔ شیخ سلام اللہ مندوی

شیخ سلام اللہ مندوی عالم کبیر اور شیخ وقت تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے جلیل القدر علما میں سے تھے۔ حاکم مالوہ محمود شاہ نجلی کے عہد کے عالم دین تھے اور یہ حکمران ان کے علم و فضل کی ہمہ گیری سے حد درجہ متاثر تھا۔ اور ان کی انتہائی تکریم کرتا تھا اس نے ان کو سید العلماء کا خطاب دیا تھا ❷۔

ان کا شمار غالباً نویں صدی ہجری کے برصغیر پاک و ہند کے ان فقہاء اور اصولیین میں ہوتا ہے جو کتب فقہ اور مسائل فقہ پر عبور رکھنے کے باوجود اس اہم موضوع سے متعلق کسی کتاب کے مصنف نہیں تھے یا تھے بھی تو ہمیں ان کی کسی تصنیف کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہوئیں۔

## ۴۴۔ قاضی سناء الدین غزنوی

قاضی سناء الدین کا سلسلہ نسب یہ ہے: سناء الدین بن نظام الدین بن صدر الدین حسین زینی غزنوی ثم مچھلی شہری۔ عالم و فقیہ اور شیخ وقت تھے۔ غزنی میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ اپنے والد شیخ نظام الدین کے ساتھ ۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء) میں وارد ہند ہوئے اور مچھلی شہر میں سکونت اختیار کی۔ قاضی نظام الدین کو ان کے علم و فضل کی وجہ سے مچھلی شہر کا قاضی مقرر کیا گیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد وہاں کی مسند قضا ان کے بیٹے قاضی سناء الدین کے سپرد کی گئی، جن کا شمار اس دور میں فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے جید علما میں ہوتا تھا ❸۔

قاضی سناء الدین غزنوی کا اسم گرامی بھی برصغیر پاک و ہند کے ان فقہائے کرام میں شامل ہے جن کی کسی تصنیف کا سراغ نہیں مل سکا۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ وہ فقہ اور اس کے متعلقات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تذکرہ نگار انھیں فقیہ اور اصولی قرار دیتے ہیں۔

❶ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۸۰، بحوالہ البحر الزخار و خزینۃ الاصفیاء۔

❷ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۸۱، بحوالہ تاریخ فرشتہ۔

❸ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۸۲۔

ش

## ۴۵۔ شیخ شمس الدین اونوی

شیخ شمس الدین اونوی گجراتی، نیک طینت اور خوش خصال فقیہ تھے۔ ان کا شمار ان بلند بخت فقہائے ہند میں ہوتا ہے جو فضل و صلاح میں ممتاز درجے پر فائز تھے۔ ایک گاؤں ”اونہ“ کے رہنے والے تھے جو سرزمین گجرات میں اعمال سورت میں واقع تھا۔ ان کی تاریخ ولادت کا علم نہیں ہو سکا، البتہ تذکروں میں تاریخ وفات مرقوم ہے جو یکم شعبان ۸۰۴ھ ہے ①۔

شیخ شمس الدین اونوی گجراتی کا شمار برصغیر پاک و ہند کے ان فقہائے کرام میں ہوتا ہے جو اگرچہ علم و فضل اور فقہ اصول اعتبار سے بلند مرتبے کے حامل تھے، مگر انہوں نے اس موضوع کے بارے میں کوئی کتاب اپنی یادگار نہیں چھوڑی۔

## ۴۶۔ شیخ شہاب الدین اودھی

شیخ شہاب الدین اودھی عالم و فقیہ تھے اور قاضی قدوة الدین اسرائیلی اودھی کی اولاد سے تھے۔ ذکاوت فکر اور حدت ذہن کا یہ حال تھا کہ لوگ انہیں ”پرکالہ آتش“ کہتے تھے۔ انہوں نے شیخ بدیع الدین سے علم طریقت حاصل کیا اور پھر یہ کیفیت طاری ہوئی کہ منصب قضا چھوڑ دیا اور کتابیں دریائے گنگا میں غرق کر دیں۔ ان کی قبر سرزمین اددھ کے ایک قریہ ”بڑا گاؤں“ میں ہے ②۔

نویں صدی ہجری کے برصغیر پاک و ہند کے اس عالم دین اور ماہر فقہ کے حالات کا اس سے زیادہ علم نہیں ہو سکا۔

معلوم نہیں یہ کیا تصوف ہے کہ پڑھنا لکھنا چھوڑ دو اور کتابیں ضائع کر دو۔

ص

## ۴۷۔ مولانا صدر جہاں گجراتی

مولانا صدر جہاں گجراتی اپنے وقت کے شیخ اور فاضل تھے۔ ان کا شمار اس دور کے جمید علمائے فقہ مشہور

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۸۴۔ بحوالہ مرآت احمدی

② نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۸۷

ماہرین اصول اور معروف اصحاب کلام میں ہوتا ہے۔ درس و تدریس اور افادہ عوام ان کا اصل مشغلہ تھا۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا جن میں شیخ احمد بن برہان بن ابو محمد غوری خاص طور سے قابل ذکر ہیں ❶۔ ان کے معاصرین میں شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری کا اسم گرامی لائق تذکرہ ہے ❷۔ بعض مسائل میں شیخ احمد بن برہان غوری شیخ محمد بن عبداللہ پر سخت تنقید کرتے تھے۔ بعد میں ان سے ملاقات ہوئی اور چند مسائل کلامیہ میں باہمی گفتگو کا موقع ملا تو ان کے فضل و کمال سے متاثر ہوئے اور اس کا اعتراف کیا ❸۔

## ۲۸۔ شیخ صفی الدین ردولوی

شیخ صفی الدین بن نصیر الدین بن نظام الدین ردولوی، نویں صدی ہجری کے دیار ہند کے عظیم المرتبت عالم اور فاضل کبیر تھے۔ ان کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ ان کے جد امجد شیخ نظام الدین اصلاً غزنی کے باشندے تھے جو ہلاکو خاں کے زمانے میں بعد سلطان علاء الدین خلجی ہندوستان تشریف لائے اور دہلی میں اقامت گزریں ہوئے۔ ان دنوں قاضی شہاب الدین دولت آبادی بھی دہلی میں قیام پذیر تھے اور ان کا آبائی وطن بھی غزنی تھا اور یہ سب لوگ قاضی عبدالمتقدر شریکی کنڈی کے حلقہ تلامذہ میں شامل تھے۔ بعد ازاں دہلی پر مغل حکمران تیمور لنگ کے حملے کا خطرہ پیدا ہوا تو قاضی شہاب الدین اور شیخ نظام الدین دہلی کی سکونت ترک کر کے جون پور چلے گئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جون پور کے تحت حکومت پر سلطان ابراہیم شرقی متمکن تھا اور یہ بادشاہ رحم دل اور علم و علما کا قدر دان تھا۔ اس بادشاہ نے ان علما کی بڑی پذیرائی کی اور ان کے اکرام و احترام

❶ شیخ احمد بن برہان بن ابو محمد بن ابراہیم بن محمد غوری گجراتی، شاہان غوریہ کی نسل سے تھے۔ گجرات میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ شیخ صدر جہاں گجراتی سے علم حاصل کیا اور شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری سے طریقت و تصوف کا درس لیا۔ ایک عرصے تک ان سے فیض یاب ہوتے رہے یہاں تک کہ مرتبہ کمال کو پہنچے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے ظاہری اور باطنی فیوض حاصل کیے۔ اپنے شیخ (محمد بن عبداللہ حسینی بخاری) کی وفات کے بعد چونٹھ سال کی عمر پا کر ۲۲ ربیع الاول ۸۸۲ھ (۴ جولائی ۱۴۷۷ء) کو فوت ہوئے اور احمد آباد کے قریب تاج پور میں دفن کیے گئے۔ بعض لوگوں نے ان کی تاریخ وفات ”آخر الاولیا“ نکالی ہے۔ (نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۵۵ نیز ملاحظہ ہو: مرآت احمدی۔)

❷ شیخ محمد بن عبداللہ بن محمود بن حسین حسینی بخاری، کو سراج الدین ابوالبرکات گجراتی بھی کہتے ہیں۔ یہ شاہ عالم کے نام سے مشہور تھے۔ ۷ اذی القعد ۸۱۷ھ (۲۸ جنوری ۱۴۱۵ء) کو گجرات میں پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے اور شیخ سراج الدین علی گجراتی اور دیگر علما سے تعلیم حاصل کی۔ اپنے والد شیخ احمد بن عبداللہ مغربی سے طریقت کا درس لیا۔ بڑے بارعب اور صاحب عز و جاہ بزرگ تھے۔ ملوک دامت ان کے سامنے گردن جھکا کر ادب کے ساتھ دوزانو ہو کر بیٹھتے تھے۔ ۲۰ جمادی الاخریٰ ۸۸۰ھ کو ترسیٹھ سال کی عمر پا کر انتقال کیا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۳۸، ۱۳۹۔ بحوالہ مرآت احمدی)

❸ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۸۹، بحوالہ مرآت احمدی۔



میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ شیخ نظام الدین علم و فضل سے بھی بہرہ ور تھے اور نیکی و صالحیت کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔ ان کے بیٹے شیخ نصیر الدین بھی علم اور تقویٰ کی دولت سے مالا مال تھے۔ اس سے اثر پذیر ہو کر قاضی شہاب الدین نے اپنی ایک بیٹی شیخ نصیر الدین کے عقد میں دے دی۔ ان کی اس بیٹی سے شیخ نصیر الدین کے گھر تین بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام صفی الدین، فخر الدین اور رضی الدین تھے۔ ان تینوں کی تربیت ان کے نانا قاضی شہاب الدین کے ہاں ہوئی اور ان ہی سے انھوں نے اخذ علم کیا۔ ان تینوں بھائیوں میں سے شیخ صفی الدین اپنے دور میں ارض ہند کے بلند پایہ عالم تھے اور علم و حکمت میں کوئی ان کا حریف نہ تھا۔ بحر طریقت کے بھی شنوار تھے اور اس سلسلے میں شیخ اشرف جہاں گیر بن ابراہیم سمنانی سے تعلق ارادت رکھتے تھے جنھوں نے اپنے اس مرید کے علم و تحقیق کی وسعت پذیری سے متاثر ہو کر کہا تھا کہ میں نے بلاد ہند میں صفی الدین سے بڑھ کر علوم و فنون کے مختلف گوشوں میں مہارت و عبور رکھنے والا اور کوئی شخص نہیں دیکھا۔ اس ضمن میں سید عبداللحی حسنی لکھنوی نے لطائف اشرفیہ کے حوالے سے نزہۃ الخواطر میں ان کے یہ الفاظ درج کیے ہیں:

مٹارایت فی بلاد الہند من تجلی بغرائب الفنون و عجائب الثنون  
غیر الصفی ①۔

میں نے بلاد ہند میں صفی الدین کے علاوہ ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو علوم و فنون کے عجائب و غرائب سے

آراستہ ہو۔

شیخ ممدوح علوم متداولہ کے ماہر تھے اور کتب عربیہ و فارسیہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کے متون کے علاوہ شروح پر بھی ان کی عمیق نگاہ تھی۔ بہت بڑے مصنف اور فنون کی مختلف کتابوں کے شارح تھے۔ چنانچہ درج ذیل کتابیں ان کے رشحات قلم کا نتیجہ ہیں۔

۱۔ دستور المبتدی: یہ علم صرف کی مشہور کتاب ہے جو باقاعدہ درس نظامیہ میں شامل اور دینی مدارس میں پڑھاتی جاتی ہے۔ اس میں علم صرف کے مسائل اور مختلف قواعد بہترین اور آسان پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب انھوں نے اپنے بیٹے شیخ ابوالکام اسماعیل کے لیے تصنیف کی۔

۲۔ حل التریب کافیہ: یہ علم نحو سے متعلق علامہ ابن حاجب کی معروف کتاب ”کافیہ“ کے بعض پیچیدہ اور مشکل مسائل کی شرح ہے۔

۳۔ غایۃ التحقیق: یہ کتاب کافیہ کی مفصل اور مبسوط شرح ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی تعریف کی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

وہو شرح ممزوج 'اولہ الحمد للہ الذی انعم علینا بنعمہ  
العظام..... الخ۔ وهو من تلامذۃ الہندی ذکرہ فیہ ومدح حاشیتہ

وقال ان شروح الكافية ليست بوافية الاحواشي استاذنا شهاب الدين احمد بن عمر الدولة ابادي وكثير من الناس اكتفوا بما فهموه من ظاهرها فانه حقق فيها وسمها غاية التحقيق- ①  
یعنی کافیہ کی یہ شرح مختلف مسائل نحو کا امتزاج ہے۔ اس کا آغاز الحمد لله

الذی انعم بنعمده العظام ..... الخ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ شیخ صفی الدین ردولوی، شیخ شہاب الدین (دولت آبادی) ہندی کے تلامذہ میں سے تھے۔ اس نسبت تلمذ کا انہوں نے ذکر بھی کیا ہے اور حاشیہ کتاب میں ان کی تعریف بھی کی ہے اور لکھا ہے کہ کافیہ کی تمام شرحیں ملا کر کافی ثابت نہیں ہو سکتیں۔ کافیہ کو سمجھنے کے لیے صرف ہمارے استاذ شیخ شہاب الدین احمد بن عمر دولت آبادی کی شرح ہی کفایت کرتی ہے۔ غایۃ التحقيق میں جو کچھ لکھا گیا ہے اہل علم کی اکثریت نے اسے کافی سمجھا ہے۔ اس میں مصنف نے بہت تحقیق سے کام لیا ہے اس لیے اس کا نام غایۃ التحقيق رکھا ہے۔

شیخ صفی الدین ایک مدت تک درس و تدریس میں مشغول رہے اور بے شمار حضرات نے ان سے کسب علم کیا۔

اس ممتاز عالم و مصنف اور فقیہ نے ۱۳ ذی القعدہ ۸۱۹ھ (۲ جنوری ۱۴۱۷ء) کو وفات پائی ②۔

## ۴۹۔ شیخ صلاح الدین گجراتی

شیخ صلاح الدین بن طالب گجراتی، فقیہ اور شیخ صالح تھے۔ پہلے ان کے والد مذہباً ہندو تھے اور بت پرستی کرتے تھے ان کا نام ٹو کا جیو تھا۔ وہ شیخ احمد بن عبداللہ مغربی کے ہاتھ پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی بھی مسلمان ہو گئیں۔ اس وقت وہ حاملہ تھیں۔ ان کے لڑکا پیدا ہوا تو اس کی اطلاع شیخ احمد بن عبداللہ مغربی کو دی اور ان سے درخواست کی کہ وہ خود ہی بچے کا نام رکھیں۔ چنانچہ شیخ نے ان کا نام صلاح الدین رکھا جو آگے چل کر جید عالم اور فقیہ ہوئے۔ والدین نے بچے کی بہتر طریق سے تربیت کی اور اس کو حصول علم کے لیے وقف کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ برصغیر کے بہت بڑے عالم اور فقیہ ہوئے اور علم و معرفت میں مرتبہ کمال کو پہنچے۔

انہوں نے ۱۳ ربیع الاول ۸۹۵ھ (۴ فروری ۱۴۹۰ء) کو وفات پائی ③۔

① کشف الظنون ج ۲ ص ۱۳۷۵۔

② تذکرہ علمائے ہند ص ۹۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۸۹، ۹۰ بحوالہ انوار الصفی۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۹۱، ۹۰۔ بحوالہ مرآت احمدی و تاریخ الاولیاء۔

## ض

## ۵۰۔ شیخ ضیاء الدین رفاعی

شیخ الدین رفاعی دیگلوری علم و فقہت میں ممتاز درجے پر فائز تھے اور مشاہیر اصحاب فضل و صلاح میں سے تھے۔ ہندوستان آئے تو شیخ سعید الدین بن نجم الدین حسینی رفاعی کے پوتے شیخ جمن سے اخذ فیض کیا۔ شیخ ضیاء الدین نے دیگلور کے مقام پر سکونت اختیار کی جو اقلیم دکن کے علاقہ نانڈیٹر میں ایک گاؤں ہے۔

انہوں نے ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) میں انتقال کیا ①۔

ان کی کسی فقہی تصنیف کا تو علم نہیں ہو سکا البتہ تذکرہ نگاروں نے انہیں عالم و فقیہ قرار دیا ہے۔

## ع

## ۵۱۔ شیخ عبدالرحمن ہندی

شیخ عبدالرحمن بن احمد بن عبدالملک قریشی ہندی اپنے زمانے کے شیخ اور جلیل القدر عالم تھے۔ دیار ہند سے ترک وطن کر کے مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ان کا لقب وجیہ الدین اور باپ کا لقب عمدۃ الدین تھا۔ بڑے باخبر متدین اور متین بزرگ تھے۔ فقہ حنفی کے مشہور عالم تھے۔ ۷۷۵ھ (۱۳۷۴ء) میں یا اس سے کچھ عرصہ پہلے یا بعد مکہ مکرمہ گئے اور وہیں مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی۔ وہیں شادی کی اور اللہ نے اولاد بھی عطا کی۔ جمعرات کے روز ۱۳ ربیع الاول ۸۲۷ھ (۱۴ فروری ۱۴۲۴ء) کو وفات پائی اور قبرستان معلیٰ میں دفن کیے گئے ②۔

## ۵۲۔ شیخ عبدالرزاق کچھوچھوی

شیخ عبدالرزاق کا سلسلہ نسب بارہویں پشت میں شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے جو یہ ہے: عبد الرزاق بن عبدالغفور بن احمد بن محمد بن موسیٰ بن علی بن محمد بن حسین بن احمد بن محمد بن صالح بن عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر جیلانی۔

شیخ عبدالرزاق شیخ اشرف جہاں گیر بن ابراہیم سمنانی کی خالہ کی بیٹی کے لڑکے تھے۔ خراسان میں پیدا

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۹۱۔ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

② نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۹۱۔ بحوالہ طرب الاماثل۔

ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ بارہ سال کی عمر کو پہنچے تو شیخ سید اشرف سمنانی کی صحبت اختیار کر لی اور وہ انھیں ہندوستان لے آئے۔ پھر ان ہی کے ہاں تربیت پائی اور علم و معرفت کی بلندیوں پر فائز ہوئے۔ اپنے دور کے صالح اور نامور فقیہ تھے۔ سید اشرف جہانگیر کی وفات کے بعد چالیس برس تک ان کی مسند پر زینت افروز رہے۔ ۸۴۸ھ (۱۴۴۵ء) کو کچھوچھہ کے مقام پر داعی اجل کو لبیک کہا اور وہیں دفن کیے گئے ①۔

## ۵۳۔ مولانا عبدالغنی مندوی

مولانا عبدالغنی مندوی ایک فاضل بزرگ اور جید عالم دین تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ سلطان احمد شاہ بہمنی کے عہد میں علاقہ برار کے عہدہ صدارت پر متمکن تھے۔ ملوک و امرا کے نزدیک بڑی قدر و منزلت کے حامل تھے۔ حق گو دیانت دار اور بلند کردار تھے ②۔

نویں صدی ہجری کے برصغیر کے اس نامور فقیہ کی نہ تو تاریخ وفات کا علم ہو سکا ہے اور نہ ان کی کسی تصنیف کا پتا چلا ہے۔ ان کا شمار نویں صدی ہجری کے فقہائے کرام کی اس جماعت میں ہوتا ہے جو اگرچہ کسی فقہی کتاب کے مصنف نہ تھے مگر مسائل فقہ پر عبور رکھتے تھے۔

## ۵۴۔ شیخ عبداللطیف ملتانی پٹنی

شیخ عبداللطیف بن جمال الدین بن سراج الدین بن صدر الدین عمری ملتانی ثم پٹنی گجراتی، شیخ وقت عابد و زاہد اور عالم و فقیہ تھے۔ طریقت و سلوک سے گہری وابستگی رکھتے تھے اور اس ضمن میں شیخ برہان الدین عبداللہ بن محمود حسینی بخاری سے فیض یافتہ تھے۔ فقر و توکل ان کا اور ڈھنا بچھونا تھا۔ مستغنی المزاج تھے اور علائق دینیوں سے منقطع ہو کر زہد و عبادت میں مشغول ہو گئے تھے۔

سید عبدالحی لکھنوی نزہۃ الخواطر میں مرآت احمدی کے حوالے سے رقم طراز ہیں۔

وله تسعة كتب من مصنفات لم اقف علی اسمائها ③۔

انھوں نے نو کتابیں تصنیف کیں لیکن مجھے ان کے ناموں کا علم نہیں ہو سکا۔

نویں صدی ہجری کے اس جلیل القدر ہندی فقیہ کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ وہ ۱۴۵ھ

رمضان المبارک کو فوت ہوئے مگر یہ پتا نہیں چل سکا کسی سنہ میں راہی جنت فردوس ہوئے ④۔

① نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۹۲ بحوالہ کوائف الاشرافیہ

② تاریخ فرشتہ ج ۲، ص ۵۰۱ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۹۳

③ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۹۴۔ بحوالہ مرآت احمدی۔

④ ایضاً

## ۵۵۔ شیخ عبداللطیف گجراتی

شیخ عبداللطیف بن محمود قریشی گجراتی، داور الملک کے خطاب سے مشہور تھے۔ سلطان محمود بن محمد گجراتی کے امرا میں سے تھے۔ صالح فقیہ، شیخ وقت اور عالم دین تھے۔ تصوف سے بھی لگاؤ تھا اور شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری سے شرف ارادت حاصل تھا۔ کافی عرصہ ان سے انسلاک رہا اور فیض یاب ہوئے۔ پھر ایک دور آیا کہ سلوک و تصوف کے سوا تمام امور سے قطع تعلق کر لیا۔

اس صوفی اور زاہد فقیہ کے متعدد کشف و کرامات اور عجیب و غریب واقعات تذکروں میں مرقوم ہیں۔ انھیں ۱۳ ذی القعدہ ۸۸۹ھ (۲ دسمبر ۱۴۸۲ء) کو شہید کیا گیا۔ بعض حضرات نے لفظ ”ذی قعدہ“ سے تاریخ وفات نکالی ہے ①۔

ان کی کسی تصنیف کا پتا نہیں چل سکا۔

## ۵۶۔ شیخ عبداللہ بن محمود حسینی بخاری

شیخ عبداللہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن محمود بن حسین بن احمد بن حسین حسینی بخاری۔ شیخ برہان الدین کے لقب سے ملقب تھے اور کنیت ابو محمد تھی۔ لوگوں میں شیخ برہان الدین ابو محمد اوجی گجراتی کے نام سے معروف تھے اور ارض برصغیر کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ اپنے جدا مجد شیخ جلال الدین حسین جہانیاں جہاں گشت کی وفات سے چار سال بعد ۱۴ رجب ۷۹۰ھ (۱۹ جولائی ۱۳۸۸ء) کو اوج میں پیدا ہوئے۔ ابھی کاروان حیات نے دس منزلیں طے کی تھیں کہ والد شیخ محمود وفات پا گئے۔ والد کی وفات کے دو سال بعد ۸۰۲ھ (۱۴۰۰ء) میں بارہ سال کی عمر کو پہنچے تو والدہ مکرمہ اپنے اس بیٹے کو پٹن کے مقام پر لے گئیں جو علاقہ گجرات میں واقع تھا اور جس کو اس زمانے میں علم و فضل اور زہد و عبادت کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ وہاں مولانا علی شیر گجراتی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور ان سے اخذ علم کیا۔ سلطان احمد شاہ گجراتی نے شہر احمد آباد تعمیر کیا تو پٹن سے احمد آباد منتقل ہو گئے اور کئی دن دریائے ساہتی کے کنارے مقیم رہے۔ بعد ازاں وہاں سے بٹوہ نام کے ایک گاؤں میں چلے گئے اور پھر تمام عمر وہیں سکونت اختیار کیے رکھی۔

شیخ عبداللہ بن محمود پر ہیزگار عالم اور فقیہ تھے اور ساتھ ہی بارعب، بلند مرتبت اور صاحب عز و شان شیخ تھے۔ تصوف و طریقت سے وابستگی رکھتے تھے۔

اس نامور فقیہ اور معروف شیخ نے اڑسٹھ سال کچھ مہینے عمر یا کر ۸ ذی الحجہ ۸۵۷ھ (۹ دسمبر ۱۴۵۳ء) کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کا سفر اختیار کیا ①۔

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۹۴ بحوالہ مرآة سکندری۔

② نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۹۶ تا ۹۸ بحوالہ مرآت احمدی۔

## ۵۷۔ شیخ عبداللہ ملتانی

شیخ عبداللہ ملتانی بن یوسف قریشی ملتانی اپنے دور کے معروف رجال فضل و صلاح میں سے تھے۔ شیخ صالح اور مشہور فقیہ تھے۔ سلطان بہلول لودھی کے عہد میں دہلی آئے۔ ان کی صالحیت و مشیخت اور علم و فقاہت سے متاثر ہو کر سلطان بہلول لودھی نے اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دے دی تھی۔ اس سے ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رکن الدین رکھا۔ رکن الدین دہلی میں شیخ الاسلام کے منصب بلند پر فائز ہوئے۔ پھر رکن الدین کے بیٹے ابوالفتح ہوئے جو زہد و عبادت اور علم و فضل کے اعتبار سے اپنے دور میں مرجع خلائق تھے۔

شیخ عبداللہ ملتانی نے ۲۲ صفر ۹۰۰ھ (۲۲ نومبر ۱۴۹۴ء) کو وفات پائی ①۔

برصغیر کے اس فقیہ کی کسی تصنیف کا پتا نہیں چل سکا۔

## ۵۸۔ مولانا عبدالملک جون پوری

مولانا عبدالملک العادل بن عماد الملک عمر ادہمی جون پوری جون پور میں پیدا ہوئے اور صغریٰ ہی میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے حلقہ درس میں داخل ہو گئے اور حصول علم کو اپنا <sup>مطمح</sup> نظر ٹھہرا لیا۔ بہت عرصہ ان سے منسلک رہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے اور پھر درس و تدریس کو اپنا مشغلہ قرار دے لیا۔ مسند افتا کوزینت بخشی اور کئی کتابیں تصنیف کیں۔ بہت بڑے عالم اور فاضل بزرگ تھے۔ نحو اور علوم عربیہ میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ اکابر علمائے عصر میں شمار کیے جاتے تھے۔ اپنے استاذ و شیخ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے مدرسے میں مسند درس پر متمکن تھے اور اس دور میں کوئی دوسرا عالم تدریس کے سلسلے میں ان کے مثل نہ تھا۔

ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ متعدد علمی شخصیتوں نے ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کرنے کا شرف حاصل کیا جن میں ہدایہ اور بزدوی کے شارح شیخ الہدایہ (اللہ داد) خاص طور سے لائق تذکرہ ہیں۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی شرح کافیہ پر (جو شرح ہندی کے نام سے معروف ہے) مولانا عبدالملک جون پوری نے حواشی تحریر کیے۔

اس جلیل القدر عالم دین نے بعد سکندر لودھی ۱۲ ربیع الاول ۸۹۷ھ (۱۳ جنوری ۱۴۹۲ء) کو جون پور میں وفات پائی اور اپنے خاندانی قبرستان مبارک محلہ کٹ گھرہ میں دفن ہوئے ②۔

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۹۸ بحوالہ بحر زخار

② نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۹۸، ۹۹۔ بحوالہ تجلی نور۔ تاریخ شیراز ہند جون پور ص ۶۲۸، ۶۲۹۔

## ۵۹۔ شیخ عثمان حسینی گجراتی

شیخ عثمان حسینی گجراتی، خطہ گجرات کے مشہور مشائخ میں سے تھے اور اپنے عصر کے نامور فقیہ اور مرد صالح تھے۔ طریقت و تصوف کے بھی دلدادہ تھے اور اس ضمن میں شیخ برہان الدین عبداللہ بن محمود حسینی بخاری سے استفادہ کیا تھا اور کئی سال ان سے منسلک رہے تھے، جس کے نتیجے میں مرتبہ کمال کو پہنچے اور مرجع خلایق قرار پائے۔ ان کی نیکی اور خلوص کی بنا پر پران کے شیخ نے ان کو شمع برہانی کا لقب دیا اور اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا۔

احمد آباد کے قریب ایک گاؤں عثمان پور کے نام سے موسوم تھا جو ان ہی کی طرف منسوب تھا۔ یہ گاؤں دریاے ساہونی کے کنارے واقع تھا۔ وہاں ایک دینی مدرسہ بھی تھا، جس میں طلباء دینیات کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ عثمان پور کا گاؤں شیخ عثمان ہی نے آباد کیا تھا اور یہ اسی میں سکونت پذیر تھے۔ ان کی قبر اسی گاؤں میں ہے۔

منقول ہے کہ حاکم گجرات سلطان محمود بن محمد ان سے بے حد عقیدت اور بدرجہ غایت حسن ظن رکھتا تھا۔ اکثر ان سے قرآن و حدیث اور سلوک و تصوف کا درس لیتا۔ اس کا معمول تھا کہ عام طور پر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان کے لیے بہت احترام کا اظہار کرتا۔ صرف سلطان محمود بن محمد ہی نہیں، اس سے پہلے حکمران اور اس کے خاندان کے تمام افراد ارکان دولت اور اس کے اہل کار اور عمال حکومت ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، ان سے پیش آمدہ مسائل دریافت کرتے اور مختلف اوقات میں پڑھنے کے لیے وظائف پوچھتے اور ان کی مجلس میں دوزانو ہو کر بیٹھتے تھے۔

سلطان محمود کے ذاتی کتب خانے کی اکثر کتابیں شیخ کے پاس ان کے مدرسے میں رہتیں اور شیخ ان کا مطالعہ فرماتے اور طلباء کو ان کے مطالعہ کی تلقین کرتے۔

شیخ عثمان گجراتی نے ماہ جمادی الاولیٰ ۸۶۳ھ (مارچ ۱۴۵۹ء) میں وفات پائی ①۔

شیخ عثمان اپنے مدرسے میں فرائض تدریس بھی انجام دیتے تھے اور لوگوں کی روحانی اور علمی تربیت کا بھی ان کے ہاں پورا اہتمام تھا۔

## ۶۰۔ شیخ عزیز اللہ مندوی

شیخ عزیز اللہ بن یحییٰ بن لطف اللہ عمری مندوی شہاب فرخ شاہ عمری کابلی کی اولاد سے تھے۔ سال ولادت ۷۶۷ھ (۱۳۶۶ء) ہے۔ شیخ کامل عالم اجل اور فقیہ عصر تھے۔ عفت و طہارت کی گود میں پیدا ہوئے اور بلند مرتبت حضرات کی آغوش تربیت میں تعلیم پائی۔ شیخ رکن الدین مودود گجراتی سے اخذ فیض کیا اور عرصہ دراز تک ان کی صحبت میں رہے۔ پھر احمد آباد اور بلا دکن کا سفر کیا اور مندوہ میں اقامت گزین ہوئے۔

زاہد اور متوکل علی اللہ تھے۔ قناعت اور عفاف میں بے مثل تھے۔ بے نیازی کا یہ عالم کہ نہ کسی کی نذر قبول کرتے اور نہ کل کے لیے کوئی چیز بطور ذخیرہ گھر میں رہنے دیتے۔ ایک دن پتا چلا کہ بیوی نے روٹی کا ایک ٹکڑا گھر میں رکھ لیا ہے اور وہ اس کو دودھ میں ڈال کر بیٹی کو کھلانا چاہتی ہیں۔ اس سے شیخ نے دل میں شدید تکلیف محسوس کی اور حکم دیا کہ روٹی کے اس ٹکڑے کو گھر سے نکال دیا جائے اور کسی کو دے دیا جائے۔ ذخیرے کے طور پر بالکل نہ رکھا جائے۔ اس سے اللہ پر بھروسے میں کمی پیدا ہوتی ہے۔

شیخ عزیز اللہ مندوی کے پانچ بیٹے تھے، جن کے نام یہ تھے: رحمت اللہ، سعد اللہ، حسن سرمست، نصر اللہ اور شہد اللہ۔

شیخ موصوف پچاسی سال عمر یا کر ۲۳ صفر ۸۵۲ھ (۱۲۸ اپریل ۱۴۲۸ء) کو فوت ہوئے ①۔

## ۶۱۔ مولانا علاء الدین جون پوری

مولانا علاء الدین عطاء الملک بن عماد الملک عمری جون پوری، اپنے عصر کے فاضل شخص تھے۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے شاگرد تھے اور کئی سال ان کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل کیا تھا۔ قاضی شہاب الدین نے ان کی ذہانت اور علمی قابلیت سے متاثر ہو کر ان کے لیے علم نحو کی معروف کتاب کافیہ ابن حاجب کی مفصل و بسیط شرح تصنیف کی اور پھر ان کو باقاعدہ درس و تدریس کا شرف حاصل کیا۔ مولانا علاء الدین کا شمار اپنے دور کے اساتذہ فن میں ہوتا تھا۔ تمام مروجہ علوم کے ماہر تھے۔ تقریباً بیس برس کی عمر میں مسند افتا و تدریس پر فائز ہو گئے تھے۔ پھر اس قابلیت سے یہ خدمات انجام دیں کہ ان کا شمار اکابر علمائے عصر میں ہونے لگا۔

مولانا علاء الدین جون پوری مصنف اور بعض فنی کتابوں کے شارح اور محشی بھی تھے۔ اس سلسلے میں اپنے استاذ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی شرح کافیہ پر ان کا حاشیہ خاص طور سے علمی اور فنی اہمیت کا حامل ہے۔

نویں صدی ہجری کے دیار ہند کے اس عالم دین نے جون پور میں وفات پائی اور اپنے خاندانی قبرستان کٹ گڑھ میں دفن کیے گئے ②۔

## ۶۲۔ شیخ علاء الدین گوالیاری

شیخ علاء الدین قریشی گوالیاری، فاضل اور متدین بزرگ تھے۔ مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ قاضی عبدالمقتدر شریخی کنڈی کے تلمیذ تھے۔ بہت عرصہ شہر گوالیار کی مسند افتا پر فائز رہے اور عظمت و وجاہت کی اعلیٰ منازل کو پہنچے۔ پھر ایک وقت آیا کہ تمام علاقہ دنیوی سے دامن کشاں ہو کر تصوف و طریقت کی راہ پر گامزن ہو گئے اور شیخ محمد بن

① نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۰۰۔ گلزار ابرار ص ۵۵-۵۹۔

② نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۰۲۔ بحوالہ تجلی نور۔ تاریخ شیراز ہند جون پور ص ۶۲۹، ۶۳۰۔



یوسف حسینی دہلوی سے وابستگی اختیار کر لی۔ کئی سال ان کی خدمت میں رہے اور اخذ فیض کیا۔ آخر شعبان ۸۰۱ھ میں شیخ نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا لیکن سکونت گوالیار ہی میں اختیار کیے رکھی اور خاصی مدت وہاں مقیم رہے۔ پھر کالپی تشریف لے گئے۔ قیام مختلف اوقات میں گوالیار اور کالپی دونوں مقامات پر رہا، اس لیے بعض تذکرہ نگاروں نے وطن کے اعتبار سے انھیں گوالیار کی طرف منسوب کیا ہے اور بعض نے کالپی کی طرف۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلے گوالیار میں اقامت رکھتے تھے بعد میں کالپی چلے گئے تھے اور اسی شہر کو مسکن قرار دے لیا تھا۔ انھوں نے ماہ محرم ۸۳۲ھ (اکتوبر ۱۴۳۰ء) میں وفات پائی ①۔

## ۶۳۔ شیخ علی بن اسعد دہلوی

شیخ علی بن اسعد بن اشرف بن علی حسینی۔ انھیں علاء الدین ابو عبد اللہ دہلوی کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ دلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے اور اپنے زمانے کے مشہور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر شیخ جلال الدین حسینی بخاری (جہانیاں جہاں گشت) ۷۷۷ھ (۱۳۷۶ء) میں دہلی گئے تو ان کی صحبت و ملازمت سے سعادت اندوز ہوئے۔ بعد ازاں وہ ۷۸۱ھ (۱۳۷۹ء) میں دہلی گئے تو دوبارہ ان سے منسلک ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اور جب تک وہ دہلی میں قیام فرما رہے یہ ان سے الگ نہیں ہوئے۔ ان سے متفق، مجمع البحرین، نصف حصہ قدوری، کچھ حصہ ہدایہ، حسامی، بزدوی، عقیدہ نسفیہ، لامیہ، تفسیر مدارک التنزیل، عوارف المعارف، التعرف، رسالہ مکیہ، چند رسائل تصوف، مشارق الانوار، مصابیح السنہ اور بعض دیگر کتب و رسائل پڑھے اور کچھ اور ادو وظائف سیکھے اور ان سب کا باقاعدہ تحریری طور پر سند و اجازہ حاصل کیا۔

شیخ علاء الدین دہلوی مصنف بھی تھے۔ ان کی تصنیفات میں یہ کتابیں شامل ہیں۔

خلاصۃ الالفاظ۔

جامع العلوم۔ اور

دو جلدوں میں بزبان فارسی اپنے شیخ کے ملفوظات جمع کیے ②۔

## ۶۴۔ شیخ علی بن احمد مہانگی

شیخ علاء الدین ابو الحسن علی بن احمد شافعی مہانگی کو کئی علامہ دوراں، فاضل اجل، امام کبیر اور شیخ وقت تھے۔ اونچے مرتبے کے شافعی المسلک عالم دین تھے۔ جماعت نوائت سے تعلق رکھتے تھے جسے بعض لوگ نوائط (بالطاء) بھی کہتے ہیں۔ نوائت، ایک قوم کا ملکی نام ہے جو بلاد دکن اور بلاد گجرات (کاٹھیاواڑ) میں مقیم ہے۔ ایک روایت

① نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۰۳۔ بحوالہ خورشید جاہی۔

② نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۰۳، ۱۰۴۔

کے مطابق نوائت قبیلہ قریش کا وہ گروہ ہے جس کے آباد و اجداد حجاج بن یوسف کے زمانے میں اس کے مظالم سے تنگ آ کر مدینہ منورہ کی سکونت ترک کر کے بحر ہند کے ساحلی علاقوں میں آگئے تھے اور پھر وہیں مستقل طور سے اقامت گزین ہو گئے تھے۔

مہائم عظام کے وزن پر ہے۔ جو ناحیہ گجرات میں بحر ہند کے کنارے کوکن کی ایک بندرگاہ ہے۔ شیخ علی بن احمد وہیں کے باشندے تھے۔

علی بن احمد ۹۷۹ھ (۱۳۷۷ء) میں پیدا ہوئے اور مشہور اساتذہ عصر سے تعلیم حاصل کی۔ بحر ہند کے ساحلی علاقوں میں شوافع کثیر تعداد میں آباد تھے اور اپنے مسلک و عقیدے میں راسخ اور مضبوط تھے۔ اب بھی ان علاقوں میں زیادہ تر شافعی المسلمک لوگ فروکش ہیں۔ شیخ علی بن احمد بھی ان ہی حضرات میں سے تھے اور اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور عظیم المرتبت فقیہ تھے اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ تبصیر الرحمن وتیسیر المعان فی تفسیر القرآن: اسے تفسیر رحمانی اور تفسیر مہائم بھی کہتے ہیں۔ اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آیات قرآنی کا باہم ربط ثابت کیا گیا ہے اور ربط آیات میں بعض بڑے مفید اور معلومات افزا مباحث آگئے ہیں۔ کسی زمانے میں یہ تفسیر قاہرہ میں دو جلدوں میں بھوپال کے وزیر اعظم جمال الدین مرحوم کے خرچ پر شائع کی گئی تھی۔

۲۔ الزوارف فی شرح العوارف: یہ تصوف کی مشہور کتاب عوارف المعارف کی شرح ہے۔

۳۔ مشرَح الخُصُوص فی شرح الفُصُوص: فُصُوص مصنفہ شیخ صدر الدین قونوی کی شرح ہے۔

۴۔ استجلاء البصر فی الرد علی استقصاء النظر: یہ ابن المطہر علی کی کتاب استقصاء النظر کے رد میں ہے۔

۵۔ النور الاظہر فی کشف سر القضاء والقدر۔

۶۔ الضوء الازہر فی شرح النور الاظہر: یہ کتاب نمبر ۵ کی شرح ہے۔

۷۔ اجلة التائید فی شرح اولة التوحید۔

۸۔ انعام الملک العلام باحکام حکم الاحکام: یہ اسرار فقہ اور محاسن شریعت کے موضوع سے متعلق ہے۔

۹۔ کتاب لمعات العراقی کا ترجمہ اور اس کی شرح

۱۰۔ رسالہ جام جہان نما کا ترجمہ۔

۱۱۔ آراء الدقائق فی شرح مرآة الحقائق: یہ رسالہ جام جہان نما کی شرح ہے۔

۱۲۔ شرح الفصوص: یہ فصوص الحکم کی شرح ہے۔

۱۳۔ فقہ شافعی کے بارے میں ایک رسالہ۔

۱۴۔ وجوہ اعراب قرآن کے بیان میں ایک عجیب و غریب رسالہ۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد کتب و رسائل ان کی تصانیف میں شامل ہیں۔

برصغیر کے اس عظیم شافعی المسلمک فقیہ جید عالم دین اور شہرہ آفاق مصنف نے ۵۹ سال کی عمر میں جمعہ کے روز ۲۸ جمادی الاخریٰ ۸۳۵ھ (۲ مارچ ۱۴۳۲ء) کو وفات پائی ①۔

## ۶۵۔ شیخ علی بن احمد زمزی

شیخ علی بن احمد کا سلسلہ نسب یہ ہے: علی بن احمد بن علی بن محمد بن داؤد بیضاوی۔ ان کا لقب نور الدین اور کنیت ابوالحسن ہے اور انھیں نور الدین ابوالحسن کی زمزی کہا جاتا ہے۔ ان کی پیدائش تو ہندوستان میں ہوئی مگر بچپن ہی میں انھیں مکہ مکرمہ لے جایا گیا اور وہیں نشوونما پائی۔ قرآن مجید حفظ کیا اور فقہ حنفی سے متعلق کتابیں پڑھیں۔ فرائض و حساب کا علم اپنے عم محترم بدر الدین حسین بن علی زمزی سے حاصل کیا۔ اس علم میں دسترس رکھتے تھے اور فقہ میں عمدہ اسلوب کے حامل تھے۔

کاروباری سلسلے میں شیراز گئے۔ پھر کئی مرتبہ اسی ضمن میں یمن اور ہندوستان میں بھی ان کا آنا جانا رہا۔ ہندوستان کے دوران سفر میں بعض مرتبہ گلبرگہ کے قریب بھی پہنچے۔ ان کی موت دوران سفر ہی میں ہوئی۔ وہ اس طرح کہ عدن سے ہندوستان جا رہے تھے کہ سمندر میں غرق ہو گئے۔ یہ حادثہ رمضان المبارک ۸۲۲ھ (ستمبر ۱۴۲۱ء) میں پیش آیا ②۔

## ۶۶۔ قاضی علم الدین شاطبی

قاضی علم الدین بن عین الدین بن نجم الدین صدیقی شاطبی گجراتی، قرأت، تجوید، فقہ اور علوم عربیہ کے جلیل القدر علما میں سے تھے۔ طریقت و سلوک سے بھی تعلق تھا اور اس سلسلے میں شیخ صدر الدین محمد حسینی بخاری سے فیض یافتہ تھے۔ عرصے تک ان سے وابستگی اختیار کیے رکھی۔ پھر سیر و سیاحت کو نکلے تو سرزمین ہند میں داخل ہوئے اور گجرات میں سکونت اختیار کی۔ گجرات میں درس و تدریس اور افادہ عام ان کا اصل مشغلہ تھا۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا جن میں خود ان کے بیٹے مودود بھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ قاضی خاں نہروالی اور علما و مشائخ کی کثیر تعداد نے ان سے اخذ علم کیا۔

انھوں نے سوموار کے دن ۲۰ رمضان المبارک ۸۶۰ھ (۲۲ اگست ۱۴۵۶ء) کو اٹھاسی سال کی عمر میں وفات پائی ③۔

① ابجد العلوم، ص ۸۹۳، ۸۹۴۔ حدائق الحنفیہ، ص ۳۱۷۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۴۷۔ سبحة المرجان فی آثار ہندوستان، ص ۳۹

② آثار الکرام، ص ۱۷۲، ۱۷۳۔ نزہتہ الخواطر، ج ۳، ص ۱۰۶، ۱۰۷

③ نزہتہ الخواطر، ج ۳، ص ۱۰۶، ۱۰۷۔ بحوالہ طرب الامثل۔

④ نزہتہ الخواطر، ج ۳، ص ۱۰۸۔

## ۶۷۔ مولانا عماد الدین غوری

مولانا عماد الدین غوری علاقہ نارنول کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔ ان کے ایک بزرگ کا نام بھی شیخ عماد الدین غوری تھا یہ ان ہی کی نسل سے تھے۔ ان کو سلطان محمد تغلق نے صرف اس لیے قتل کر دیا تھا کہ انہوں نے اس کے سامنے کلمہ حق بلند کیا تھا ①۔ ان کے آبا و اجداد دراصل عرب کے رہنے والے تھے۔ وہ عرب سے غور آئے اور وہاں سے ان کے ایک بزرگ سلطان شہاب الدین غوری کے ہمراہ عازم ہند ہوئے۔

مولانا عماد الدین غوری کی زندگی درحقیقت دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ جس میں عالم شباب کا کچھ دور بھی شامل ہے، کھیل کود اور پہلوانی کرنے میں گزرا۔ یہ اپنے دور کے بہت بڑے پہلوان تھے، مگر چون کہ آبا و اجداد متقی اور پرہیزگار تھے اس لیے لوگ انہیں اس حرکت پر ملامت کرتے اور روکتے تھے۔ ایک روز کشتی کے لیے اکھاڑے میں اترے تو دیکھا کہ مد مقابل ان سے بہت زیادہ زوردار اور قوی ہیکل پہلوان ہے، مگر انہوں نے اس کو پچھاڑ دیا۔ اب یہ فتح کے نشے میں چور تھے۔ نہایت فخر و غرور کے عالم میں گھر کو لوٹے۔ چال اور انداز کا یہ حال تھا کہ گویا اب ان کے رعب میں زمین پھٹ جائے گی یا یہ پہاڑوں کی بلند یوں کو چھونے لگیں گے۔ اسی چال میں جارہے تھے کہ راستے میں ایک صاحب علم و دل بزرگ ملے۔ انہوں نے ان کو سختی سے کچھ باتیں کہیں اور ان حرکتوں پر ملامت کی۔ اس بزرگ کی باتوں کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ بڑے نادم ہوئے اور اسی وقت سب امور سے کنارہ کش رہنے کا فیصلہ کر لیا اور لہو و لعب کی زندگی ترک کر دی۔ پورے بارہ سال دنیا اور اس کے معاملات سے علیحدگی اختیار کیے رکھی۔ اعمال صالحہ، تقویٰ و طہارت، ذکر الہی، تلاوت قرآن، فرائض اور سنن و نوافل کی ادائیگی کو زندگی کا معمول ٹھہرا لیا۔ تمام وقت اسی کام میں صرف ہونے لگا۔ ایک حجرے میں معتکف ہو گئے۔ بلا ضرورت اس سے باہر نہ نکلتے، زندگی کے معمولات کو اپنے اسلاف کے قالب میں ڈھال لیا۔ فقہ اور دیگر علوم میں مہارت پیدا کر لی اور درس و تدریس کو نصب العین حیات قرار دے لیا۔

شیخ احمد بن مجد الدین شیبانی کہتے ہیں کہ میں نے ان کو اپنے بچپن کے زمانے میں دیکھا اور ان سے ملا تو اتباع سنت نبوی ﷺ میں بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔ کسی چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی راہ سنت سے

① مولانا عماد الدین غوری، سلطان محمد شاہ تغلق کے زمانے میں ایک راست گو اور حق شناس عالم دین تھے۔ محمد تغلق نے ایک روز غرور سلطنت میں ان سے کہا کہ جب فیض خدا منقطع نہیں ہوا ہے تو فیض نبوت کیوں کر منقطع ہو سکتا ہے؟ اگر کوئی دعویٰ نبوت کرے اور معجزہ بھی دکھادے تو اس کی تصدیق کرنی چاہیے یا نہیں؟ بادشاہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر مولانا عماد الدین غوری کی حمیت دین جوش میں آگئی اور اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ گہ مخور چہ می گوئی۔ (گندگی نہ کھاؤ۔ کیا کہہ رہے ہو) بادشاہ یہ الفاظ برداشت نہ کر سکا۔ حکم دیا کہ اس کو ذبح کر دیا جائے اور اس کی زبان گدی سے کھینچ دی جائے۔ اچنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (تذکرہ علمائے ہند، ص ۷۱)

باہر قدم نہ رکھتے تھے۔ کوئی کام ہوتا، اس کو سب پہلے سنت نبوی کے پیمانے سے ناپتے۔ فقر و فقرا سے بہت محبت رکھتے اور نادار کی مدد فرماتے ❶۔

برصغیر کے اس نامور عالم اور جلیل القدر فقیہ کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا اور نہ ان کی تاریخ ولادت یا وفات کا پتا چل سکا ہے۔ صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ یہ نویں صدی ہجری کے دیار ہند کے قابل فخر بزرگ تھے اور علم و فقاہت اور مشیخت کے اعتبار سے اونچے خاندان کے فرد تھے۔

## ۶۸۔ شیخ عین الدین بیجاپوری

شیخ عین الدین بن محمد بن عین الدین بیجاپوری، معروف عالم و فقیہ اور مشہور شیخ تھے۔ علم و معرفت کے سلسلے میں شیخ اولیس بن محمد بن سراج جنیدی کے شاگرد اور فیض یافتہ تھے۔ کئی سال ان کی خدمت میں رہ کر مرتبہ کمال کو پہنچے تھے۔ ان کی وفات ۸۳۵ھ (۱۴۳۲ء) میں ہوئی ❷۔

برصغیر کے اس نامور فقیہ کی کسی تصنیف کے بارے میں معلومات نہیں حاصل ہو سکیں۔ غالباً یہ ان فقہائے گرامی قدر میں سے تھے جنہیں تصنیف و تالیف سے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ البتہ مسائل فقہیہ اور کتب فقہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔

غ

## ۶۹۔ شیخ غوث الدین گجراتی

شیخ غوث الدین قادری بغدادی ثم گجراتی، شیخ وقت اور عالم و فقیہ تھے۔ ان کا شمار اپنے زمانے کے مشہور مشائخ کرام میں ہوتا تھا۔ درحقیقت بغداد کے رہنے والے تھے۔ ہندوستان آئے تو سلطان محمود کبیر کے عہد میں احمد آباد میں سکونت پذیر ہو گئے۔ وہاں ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا، اس میں مدت تک درس دیتے اور طلباء کو علوم دینیہ کی تعلیم سے بہرہ مند کرتے رہے۔ پھر حرمین شریفین تشریف لے گئے اور حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔ وہاں سے پھر ہندوستان آ گئے۔

شیخ غوث الدین گجراتی کا اصل کام درس و تدریس اور تشنگان علوم کی علمی تشنگی دور کرنا تھا۔ ان سے شیخ یعقوب بن خوند میر گجراتی شامل ہیں۔

اس نامور فقیہ اور عالم دین نے ۲۲ صفر ۸۹۵ھ (۱۵ جنوری ۱۴۹۰ء) کو داعی اجل کو لیک کہا ❸۔

❶ اخبار الاخیار، ص ۲۰۱، ۲۰۰۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۵۰، ۱۵۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۰۸، ۱۰۹۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۱۱۔ بحوالہ محبوب ذی المنن۔

❸ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۱۱۔

ف

۷۰۔ شیخ فتح اللہ اودھی

شیخ فتح اللہ بن نظام الدین صوفی اودھی کا شمار فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں اپنے عصر کے جید علمائے کرام میں ہوتا تھا۔ ساہا سال دہلی کی جامع مسجد میں منار سٹشی کے قریب 'مسند درس و افادہ' پر متمکن رہے۔ پھر علمی مباحث و مشاغل کو ترک کر کے شیخ صدر الدین احمد بن شہاب دہلوی کے حلقہ ارادت میں شریک ہو گئے اور ذکر و مراقبہ کو اصل مشغلہ قرار دے لیا۔ مدت تک اس میں مصروف رہے۔ بہت ریاضت کی مگر صوفیا کی اصطلاح میں کہنا چاہیے کہ ابواب کشف و شہود وانہ ہوئے اور قلب کی دنیا پر مساعی سلوک کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ اس کا ذکر اپنے مرشد شیخ صدر الدین سے کیا تو انہوں نے ترک درس اور کتابوں سے کنارہ کش ہو جانے کا حکم دیا اور فرمایا 'علوم ظاہری سے تعلق خاطر کی فرادانی علوم باطنی کی راہوں پر گام فرسا ہونے میں رکاوٹ ثابت ہو رہی ہے اس رکاوٹ کو دور کرنا چاہیے۔ مرشد کے حکم کی تعمیل کی گئی مگر باب معرفت اب بھی پوری طرح نہ کھلا اور آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض نفیس اور عمدہ کتابیں ہنوز باقی تھیں اور زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ فرمان مرشد سے ان کتابوں کی رفاقت بھی ترک کر دی گئی تو فتوحات روحانی کے بند کوڑ کھلنے لگے۔ کہتے ہیں ادھر انہوں نے کتابیں دریا کی لہروں کے سپرد کرنا شروع کیں اور وہ غرق ہونے لگیں اور ادھر آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش شروع ہو گئی اور پھر کامل دلجمعی اور فراغت قلب سے سلوک و طریقت کی منزلیں طے کرنے لگے۔ کیوں کہ اب لوح ضمیر نقش ماسوی اللہ سے پاک ہو چکا تھا اور اقلیم قلب نے علوم ظاہری کے تسلط سے نجات حاصل کر لی تھی۔

اس صاحب دل فقیہ سے بے شمار لوگوں نے اکتساب فیض کیا جن میں صاحب آداب السالکین شیخ محمد بن قاسم اودھی اور شیخ محمد بن عیسیٰ جون پوری خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔

ان کے کچھ رسائل و مکاتیب بھی ہیں جو انہوں نے اپنے اصحاب عقیدت کے نام تحریر کیے تھے۔ فرمایا کرتے: خیر الاعمال ادو مهاوان قل۔ کہ بہتر اعمال وہ ہیں جو ہمیشہ کیے جائیں اگرچہ کم ہوں۔ ان کا یہ شعر بہت مشہور ہے:

یک دوست پسند کن چو یک دل داری      گربندہب مردمانِ عاقل داری  
انہوں نے ۲۷ ربیع الثانی ۸۲۱ھ (۳ جون ۱۴۱۸ء) کو وفات پائی ①۔

ان کے بارے میں عربی اور فارسی کی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے درج کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ کیا تصوف اور کیا طریقت ہے جو علم و مطالعہ سے کنارہ کش ہو کر حاصل ہوتا ہے؟ اساتذہ تو تصوف پر علم کو ترجیح دیتے ہیں اور

① اخبار الاخیار ص ۱۶۸۔ خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۸۰۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۵۹۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۱۲، ۱۱۳۔

جب تک علم حاصل نہ کر لیا جائے، اس وقت تک کوچہ تصوف اور راہ طریقت سے دور رہنے کی تلقین فرماتے ہیں، لیکن یہاں تصوف کے لیے کتابوں سے قطع علاق کا فرمان جاری کیا جا رہا ہے؟ تصوف و طریقت کی یہ قسم ہر صاحب علم اور ذی عقل کی سمجھ سے بالا ہے۔ یہ جہالت کی راہ تو ہو سکتی ہے اور ہے بھی، صالحیت کی راہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔

## ۱۷۔ امیر فضل اللہ شیرازی

علامہ فضل اللہ بن فیض اللہ حسینی شیرازی اپنے دور کے عظیم انسان تھے۔ علم و فضل میں منفرد حیثیت کے حامل تھے۔ نکات علمیہ اور مسائل دقیقہ کو سلجھانے میں ان کا اس ماحول میں کوئی ثانی نہ تھا۔ ذکاوت و فطانت میں بے مثال تھے۔ علامہ سعد الدین عمر بن مسعود تفتازانی کے شاگرد تھے۔ والی دکن سلطان علاء الدین حسن بہمنی کے ایام حکومت میں ہندوستان آئے۔ سلطان سے ملاقات ہوئی تو وہ ان کی علمی قابلیت سے اس درجہ متاثر ہوا کہ انھیں اپنے بیٹوں محمد محمود اور داؤد کا معلم مقرر کر دیا۔ پھر سلطان محمود شاہ بہمنی کا دور حکومت آیا تو وہ ان کا شاگرد تھا۔ اس نے ان کو سید صدر الشریف سمرقندی کی جگہ گلبرگہ کے منصب صدارت پر فائز کر دیا۔ اس عہدے پر وہ کئی سال متعین رہے۔ بعد ازاں ۸۰۰ھ (۱۳۹۸ء) میں فیروز شاہ بہمنی تخت نشین دکن ہوا تو اس نے ان کو وکیل سلطنت کا عہدہ جلیلہ عطا کیا اور تادم واپس اس عہدے پر فائز رہے۔

یہ معروف معنوں میں فقیہ تو نہ تھے لیکن ہیئت ہندسہ اور باقی علوم حکمیہ کے جلیل القدر عالم تھے۔ علاوہ ازیں بڑے مدبر سیاست دان، عاقل و فہیم اور صاحب فراست تھے۔ پھر ان میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ بہادرو شجاع، جنگ جو اور ماہر حرب تھے۔ اصابت فکر، حلاوت، منطق، عذوبت لسان اور رزانت عقل میں منفرد مقام رکھتے تھے۔ غرض بہت سے فضائل و کمالات کے مالک تھے۔ متعدد مہمات میں شرکت کی اور کامیاب رہے۔ سلطان کی معیت میں چوہین مرتبہ کفار کے ساتھ جہاد کیا اور توکل علی اللہ، حسن تدبیر، عزم و حزم، مہارت حربی، بسالت و شجاعت اور نصرت الہی کی بنا پر بہت سے قلعے اور شہر فتح کیے۔

ایک مرتبہ ان کے ساتھ فوج بہت کم تعداد میں تھی۔ سلطان نے ان کو راجا دیورائے کے مقابلے میں جنگ کے لیے بھیجا۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کو اس انداز سے راجا کی فوج کے ساتھ لڑایا اور ایسی جنگی تدابیر سے کام لیا کہ حریف تنگ آ گیا اور قریب تھا کہ شکست کھا جائے، مگر اس نے دھوکے سے ان کو قتل کر دیا۔ یہ ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) کے لگ بھگ کا واقعہ ہے ①۔

## ۱۸۔ مولانا فخر الدین جون پوری

مولانا فخر الدین بن نصیر الدین بن نظام الدین جون پور میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ قاضی

① تاریخ فرشتہ۔ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۱۳، ۱۱۵

شہاب الدین احمد دولت آبادی کے نواسے تھے اور بڑے عالم و فاضل تھے۔ تمام علوم مروجہ اپنے نانا قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے حاصل کیے اور طویل عرصہ ان کی خدمت میں رہے تا آنکہ فقہ اصول فقہ، علم کلام اور علوم عربیہ میں مرتبہ کمال کو پہنچے ①۔

### ۷۳۔ قاضی فخر الدین مالاباری

قاضی فخر الدین ابوبکر بن قاضی رمضان شالیانی مالاباری شافعی المسلک تھے اور ان کا شمار اپنے دور کے اونچے درجے کے فقہائے عظام اور علمائے محققین میں ہوتا تھا۔ شہر کالی کٹ کے قاضی تھے جو علاقہ مالابار کی ایک بڑی بندرگاہ تھی۔ منصب قضا کے علاوہ خدمت تدریس بھی انجام دیتے اور تشنگان علوم کی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ اپنے دور کے مفتی بھی تھے اور لوگ پیش آئند مسائل کے لیے ان ہی کی طرف رجوع کرتے اور ان ہی سے فتوے لیتے تھے۔

ان کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا جن میں صاحب ہدایۃ الاذکیا شیخ زین الدین بن علی مالاباری کا اسم گرامی خاص طور سے لائق تذکرہ ہے۔ انہوں نے ان سے فقہ اور اصول فقہ وغیرہ علوم کی تحصیل کی۔ اپنی کتاب مسلک الابصار میں ان کی اور ان کے بیٹے کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے:

الامام الجلیل البارع فی البلاغۃ امام الدیار الملیباریا ②۔

افسوس ہے برصغیر کے نویں صدی ہجری کے اس عظیم المرتبت شافعی فقیہ کے مفصل حالات کا علم نہیں ہو سکا۔ نہ ان کی کسی تصنیف تک ہماری رسائی ہو سکی ہے اور نہ ان کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کا پتا چل سکا ہے۔ صرف اتنی بات معلوم ہے کہ یہ نویں صدی ہجری کے شافعی المسلک عالم و فقیہ تھے۔

ق

### ۷۴۔ شیخ قطب الدین ظفر آبادی

شیخ قطب الدین بن نور الدین حسینی واسطی ظفر آبادی ۸۰۲ھ (۱۴۰۰ء) میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اپنے والد مکرم سے حفظ کیا اور مختصرات بھی ان ہی سے پڑھیں۔ پھر قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے اور تمام کتب درسیہ ان سے پڑھیں۔ چار سال ان کی خدمت میں رہے حتیٰ کہ علمائے صالحین اور فقہائے عصر میں گردانے گئے۔

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۱۵۔

② نزہۃ الخواطر ص ۱۱۵، گ ۱۱۶۔



بعد ازاں اپنے والد بزرگ واریخ نور الدین سے طریقت و تصوف کا درس لیا، حرمین شریفین کا قصد کیا اور حج و زیارت سے سعادت اندوز ہوئے۔

نہایت عبادت گزار، عظیم الورع، حسن اخلاق کے مالک، بہت متواضع، انتہائی منکسر المزاج، لوگوں کے خادم اور خلق خدا کو فائدہ پہنچانے والے تھے۔ بے شمار لوگوں نے ان سے اخذ علم اور کسب فیض کیا۔

اس گونا گوں اوصاف کے حامل فقیہ اور درویش منش عالم دین نے ۲۰ جمادی الاخریٰ ۸۶۹ ہجری (۱۷ فروری ۱۴۶۵ء) کو ظفر آباد میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ①۔

ان کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔

## ۷۵۔ شیخ قطب الدین بن خضر بلخی

شیخ قطب الدین بن خضر بن حسن بن مبارک ادہمی بلخی، فاضل دوراں اور شیخ وقت تھے۔ حدیث کے جید عالم تھے اور اس کے تمام گوشوں پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ فقہ سے بھی تعلق تھا، لیکن درجہ اختصاص حدیث ہی میں حاصل تھا۔ ان کے والد گرامی قدر شیخ خضر بھی مشہور عالم تھے اور اس بیٹے نے ان ہی سے اخذ علم کیا تھا۔ والد کی وفات کے بعد مسند تدریس پر فائز ہوئے اور عرصہ دراز تک درس و افادہ عام میں مصروف رہے۔ شیخ قطب الدین سے ان کے لڑکے شیخ عبدالقادر نے تعلیم حاصل کی ②۔

نہ ان کی تاریخ ولادت و وفات کا علم ہو سکا ہے اور نہ کسی تصنیف کا پتا چل سکا ہے۔

## ۷۶۔ مولانا قیام الدین ظفر آبادی

مولانا قیام الدین قریشی ظفر آبادی عالم و فقیہ اور شیخ تھے۔

فقہ اور اصول فقہ کے تبحر علماء میں سے تھے۔ اصلاً دہلی کے باشندے تھے۔ مگر یہ اور شیخ اسد الدین حسینی واسطی دہلی سے ظفر آباد منتقل ہو گئے تھے اور پھر وہیں رہائش اختیار کر لی تھی۔ مولانا قیام الدین مدت مدید تک ظفر آباد میں درس و افادہ میں مصروف رہے اور طلباء کی علمی خدمت انجام دیتے رہے۔ بعد ازاں علمی بحث و اشتغال سے کلیتہً کنارہ کش ہو گئے تھے اور اپنے لیے ترک و تجرید کی زندگی پسند کر لی تھی۔ تمام معاملات سے انزوا اور انقطاع اختیار کر لیا تھا اور گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ سے لو لگالی تھی ③۔

اس عظیم فقیہ اور صوفی نے ۱۳ ذی القعدہ ۸۱۷ھ (۲۳ جنوری ۱۴۱۵ء) کو انتقال کیا۔

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۱۹، ۱۲۰۔ بحوالہ تجلی نور

② نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۲۰۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۲۱، ۱۲۰۔ بحوالہ تجلی نور۔

ک

## ۷۷۔ شیخ کبیر الدین ناگوری

شیخ کبیر الدین کا سلسلہ نسب یہ ہے: کبیر الدین بن فرید الدین بن عبدالعزیز بن حمید الدین سعیدی سوالی ناگوری۔ عالم دین اور زاہد و عابد تھے۔ صالحیت کی وجہ سے ان کا شمار اس دور کے علمائے ربانی میں ہوتا تھا۔ مصنف بھی تھے اور مدرس و معلم بھی۔ علم نحو میں خصوصاً عبور حاصل تھا۔ نحو کی کتاب مصباح کی نہایت عمدہ شرح سپرد قلم کی جس کا نام ”الدہن“ رکھا۔ پہلے ناگور میں فروکش تھے لیکن اس فتنے کی وجہ سے جو کفار کے ہاتھوں ناگور میں پیدا ہوا، آخر عمر میں گجرات چلے گئے تھے۔ پھر وہیں مستقل طور سے رہائش اختیار کر لی تھی اور درس و افادہ میں مصروف ہو گئے تھے۔ وہاں طویل عرصے تک لوگوں کو درس دیتے رہے۔ اس اثنا میں بے شمار تشنگان علوم نے ان سے استفادہ کیا جن میں شیخ حسین بن خالد ناگوری ایسے فاضل اجل شامل ہیں۔

۷۷ اذی القعدہ ۸۳۵ھ (۱۶ جولائی ۱۴۳۲ء) کو اور ایک روایت کے مطابق ۸۵۸ھ (۱۴۵۳ء) کو احمد آباد میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے ①۔

## ۷۸۔ شیخ کبیر الدین ملتانی

شیخ کبیر الدین بن اسماعیل بن محمود بن حسین حسینی بخاری اوچی ملتانی، ارض ہند کے صالح عالم دین، نامور فقیہ اور مشہور شیخ تھے۔ اوچ میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ اپنے جدا مجد کے عم محترم شیخ صدر الدین محمد بن احمد حسینی بخاری سے اخذ علم اور کسب فیض کیا اور کافی عرصہ ان سے منسلک رہے تا آنکہ علم و معرفت میں کامل دسترس حاصل کر لی۔ شیخ صدر الدین محمد کی وفات کے بعد مسند مشیخت کوزینت بخشی۔ خود ان سے ان کے دو بیٹوں عبدالشکور اور عبدالغفور نے استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ شیخ سماء الدین ملتانی اور خلق کثیر نے ان سے علم طریقت کی دولت حاصل کی۔

شیخ کبیر الدین ملتانی نے ۸۲۵ھ (۱۴۲۲ء) کو وفات پائی ②۔

## ۷۹۔ قاضی کمال الدین ناگوری

شیخ کمال الدین بن قوام الدین ناگوری پٹنی، عظیم المرتبت عالم و فقیہ تھے۔ طریقت سے بھی لگاؤ تھا اور

① نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۲۱ بحوالہ مجمع الابرار۔ تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ص ۲۷۳۔ تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص

② نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۲۱، ۱۲۲۔ بحوالہ سیر العارفین۔

مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ شیخ یعقوب پٹنی سے فیض یافتہ تھے۔ خاصی مدت ان کی صحبت میں رہے۔ علاقہ گجرات (کاٹھیاواڑ) کے خواص و عوام میں انھیں بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ اس فقیہ سے شیخ برہان الدین عبداللہ بن محمود حسینی بخاری اور علما و مشائخ کی بہت بڑی تعداد نے اخذ فیض کیا ①۔

—۲—

## ۸۰۔ شیخ مبارک بناری

شیخ مبارک بن حمید بناری، شیخ صالح اور فقیہ نام دار تھے۔ کبار مشائخ چشتیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور کئی سال بنارس میں یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ساتھ ہی مجاہدہ نفس اور سلوک و ریاضت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ پھر جون پور تشریف لے گئے اور شیخ محمد بن عیسیٰ جون پوری سے اخذ طریقت کیا اور خاصا عرصہ ان کی صحبت میں گزارا۔ جون پور سے پھر عازم بنارس ہوئے اور وہاں کمال قناعت و عفاف اور توکل و استغنا کے ساتھ زہد و عبادت میں مصروف ہو گئے اور دنیا سے منقطع ہو کر یاد الہی کو وظیفہ حیات قرار دے لیا۔ اس کے ساتھ تدریس علوم اور افادہ عام کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ توکل و قناعت کا یہ عالم تھا کہ کسی سے کوئی ہدیہ یا تحفہ قبول نہ کرتے البتہ کھانے کی کوئی چیز پیش کی جاتی تو لے لیتے۔ مگر وہ بھی اسی قدر اپنے پاس رکھتے جس قدر عبادت اور تدریس کے لیے کافی ہو باقی تلامذہ میں تقسیم کر دیتے۔ تمام عمر گھر نہیں بنایا۔ ان جھونپڑیوں اور خیموں میں زندگی بسر کرتے جو شاگردوں کے لیے بنائی تھیں۔ سال ولادت و وفات کا علم نہیں ہو سکا۔ صرف اتنا چلا ہے کہ دسویں شوال کو وفات پائی ②۔

## ۸۱۔ شیخ محمد بن ابوبکر دماینی

شیخ محمد بن ابوبکر دماینی کا شجرہ نسب یہ ہے: محمد بن ابوبکر بن عمر بن ابوبکر بن محمد بن سلیمان بن جعفر بن یحییٰ بن حسین بن محمد بن احمد بن ابوبکر بن یوسف بن علی بن صالح بن ابراہیم البدر القرشی الخزومی الاسکندری ثم ہندی گجراتی۔ ان کا لقب بدرالدین تھا اور ابن الدماینی الممالکی الخوی الادیب کے نام سے معروف تھے۔ امام عصر، شیخ وقت اور علامہ زمان تھے۔ مسلک مالکی تھے اور فقہ امام مالک رضی اللہ عنہ پر عبور رکھتے تھے۔

۶۳ھ (۱۳۶۲ء) میں اسکندریہ میں پیدا ہوئے۔ ایک قریبی رشتے دار عالم سے جو شیخ بہاء ابن دماینی کے نام سے موسوم تھے سماعت علم کی اور اپنے دور طالب علمی کے آخری شیوخ و علما میں سے شیخ عبدالوہاب

① نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۲۳۔

② نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۲۵۔ بحوالہ گنج ارشدی۔

قروی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ حصول علم کے لیے مختلف بلاد و امصار میں گھومے پھرے۔ قاہرہ میں سراج ابن الملقن وغیرہ اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ مکہ مکرمہ میں قاضی ابوالفضل شوبری سے تحصیل کی اور خود اپنے شہر اسکندریہ میں متعدد فضلاء دہر کے حضور دوزانو ہو کر بیٹھے۔ جہاں گئے وہاں کے علما کی صحبتوں سے استفادہ کرتے اور علم و ادراک کی نعمت سے دامن طلب بھرتے رہے۔ فقہ و ادب کی دولت بے پایاں حاصل کرنے میں بڑی محنت کی اور علم نحو، نظم و نثر، خوش خطی اور اس کے متعلقات و لوازم کی معرفت میں درجہ کمال کو پہنچے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اسکندریہ کے مختلف مدارس میں کتب فقہ اور دیگر علوم میں باقاعدہ درس و تدریس کے فرائض انجام دیے اور قاضی ابن التینسی کے نائب قاضی کی حیثیت سے منصب قضا پر فائز رہے۔ اسکندریہ سے قاہرہ کے لیے رخت سفر باندھا۔ وہاں کے اساتذہ سے سماعت علم بھی کی، نائب قاضی بھی رہے اور مسند تدریس کو بھی زینت بخشی۔ وہاں کے دوران قیام میں علم و تحقیق کی راہوں پر خوب کام فرسائی کی۔ ترقی و تقدم کی بہت سی منزلیں طے کیں اور ایک ماہر فن استاذ کی حیثیت سے طلباء کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل علم کی محفلوں اور ارباب تحقیق کی مجلسوں میں ان کی شہرت پھیل گئی۔ جامعہ ازہر میں شعبہ علم نحو کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور طلباء انتہائی شوق اور کثرت کے ساتھ ان کے حلقہ درس میں شریک ہونے لگے۔

بلاشبہ وہ رفیع المرتبت محقق، لائق استاذ، بہترین مدرس اور متنوع علوم کے ماہر تھے۔ لیکن ان کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مزاج میں استقلال نہ تھا، طبیعت سکون اور ٹھہراؤ سے محروم تھی اور پاؤں سفر اور گردش کے خواہاں رہتے تھے۔ کہیں جم کر اور دل لگا کر کام کرنے کے عادی نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جامعہ ازہر کے اس منصب جلیلہ کو چھوڑ کر پھر اسکندریہ کا رخ کیا اور وہاں بیک وقت تین کام شروع کیے۔

اول: طلباء کو پڑھانے کا۔

دوم: عدل و انصاف کا۔

سوم: تجارت اور کاروبار کا۔

ظاہر ہے یہ تینوں کام اپنی اپنی جگہ نہایت اہمیت کے حامل ہیں اور وہ کام ہیں جن کا ایک ساتھ چلنا مشکل ہے۔ ان میں سے ہر کام الگ ذہن، مستقل ذمہ داری، کامل مصروفیت، ہمہ وقتی توجہ اور پورے غور و فکر کا طالب ہے۔ اگر تدریس اور عدالتی امور سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی جائے گی تو تجارت کے لیے وقت نہیں ملے گا اور اگر تجارت میں انہماک ہوگا تو تدریس اور عدالتی معاملات کی انجام وہی میں حرج واقع ہوگا۔ یہ اجتماع اضداد ہے۔

اس سے کچھ عرصہ بعد انہوں نے پھر قاہرہ کا قصد کیا۔ چونکہ اصحاب علم اور ارکان حکومت کے حلقوں میں اچھی طرح متعارف ہو چکے تھے، ان کی شخصیت کے علمی گوشے نکھر کر سامنے آ گئے تھے اور خوبیاں نمایاں طور سے لوگوں کے علم و مطالعہ میں آ گئی تھیں لہذا اب کی بار قاہرہ گئے تو حکومت کی طرف سے منصب قضا پیش کیا گیا، لیکن

انھیں یہ منصب راس نہ آیا اور ان کے ذہن نے جو خاص قسم کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا اس منصب سے زیادہ عرصہ وابستہ رہنے سے انکار کر دیا اور چند ہی روز میں اس سے دست بردار ہو گئے

وہاں سے دل اچاٹ ہوا تو علاقہ شام میں چلے گئے اور ۸۰۰ھ (۱۳۹۸ء) میں اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ دمشق جا پہنچے۔ دمشق سے حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے اور پھر اپنے آبائی شہر اسکندریہ کو لوٹے۔ اسکندریہ میں انھیں دو منصب پیش کیے گئے۔ ایک جامع مسجد کی خطابت کا منصب۔ دوسرا نائب قاضی کا۔ انھوں نے نائب قاضی کا منصب تو قبول نہ کیا البتہ خطابت پر رضامند ہو گئے اور یہ سلسلہ شروع کر دیا۔

کچھ عرصے بعد ذہن نے ایک اور پلٹا کھایا۔ امور دنیا اور کاروبار کی طرف عنان توجہ مبذول کی اور کپڑے بننے کا فن سیکھا اور اس کا ایک اچھا خاصا کارخانہ بھی قائم کر لیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے اللہ کو یہ بھی منظور نہ تھا۔ گھر کو آگ لگی اور مال و اسباب کا بہت بڑا حصہ نذر آتش ہو گیا۔ اب وہاں سے بھاگے اور جنگل کی راہ لی۔ قرض خواہ پیچھے دوڑے اور سخت اہانت آمیز انداز سے پکڑ کر انھیں قاہرہ لے آئے۔ مگر شیخ تقی الدین بن حجت اور ناصر الدین البازری کے پرائیوٹ سیکریٹری ان کی امداد کے لیے قرض خواہوں کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ انھوں نے ان کی اعانت کی اور معاملہ سلجھ گیا۔

اس واقعہ کے بعد وہ ملک المؤمنین کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اس نے ان کو مالکیہ کے منصب قضا پر متعین کر دیا۔ مگر یہ منصب بھی انھیں راس نہ آیا۔ پھر وہ ۸۱۹ھ (۱۴۱۷ء) میں عازم حجاز ہوئے اور حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ مناسک حج ادا کرنے کے بعد ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) میں بلاد یمن میں داخل ہوئے۔ وہاں تقریباً ایک سال مقیم رہے اور اس اثنا میں جامع زبید میں تشنگان علوم کے لیے سیرابی علم و ادراک کے سامان فراہم کرتے رہے۔ مگر یہ فضا بھی ان کے ذہن و فکر سے ہم آہنگ نہ ہو سکی اور اپنی زندگی کا جو بیج انھوں نے بنا لیا تھا وہ علاقہ یمن سے موافقت پیدا کرنے اور اس سے تعلقات استوار کرنے میں کامیاب نہ ثابت ہوا۔

ورود ہند:

سالہا سال کی گردش اور لیل و نہار کی بے شمار کروٹوں کے بعد اب انھوں نے اپنے مستقبل کو ایک اور تجربے کے حوالے کرنے کی ٹھانی اور سرزمین ہند میں آنے کا قصد کیا۔ چنانچہ اواخر شعبان ۸۲۰ھ (اکتوبر ۱۴۱۷ء) میں داخل ہند ہوئے۔ ارض گجرات میں قیام کیا اور پھر اسی کو مستقل وطن قرار دے لیا۔ اس زمانے میں گجرات (کاٹھیاواڑ) اور احمد آباد وغیرہ کے علاقے پر سلطان احمد بن محمد بن مظفر گجراتی کا پرچم اقتدار لہرا رہا تھا اور اس نواح کے اکثر بلاد و امصار اور قصبات و دیہات کو علما و مشائخ کے مساکن کی حیثیت حاصل تھی اور اہل علم اور اصحاب طریقت و تصوف کو انتہائی وقار و تکریم کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ارباب حکومت کے نزدیک بھی ان لوگوں کو بڑی قدر و منزلت حاصل تھی اور رعایا کے تمام طبقات میں بھی وہ معزز و محترم تھے۔ شیخ ابن الدماینی مالکی کو بھی یہاں بڑی

پذیرائی حاصل ہوئی بدرجہ غایت گرم جوشی سے ان کا خیر مقدم کیا گیا اور علم و تحقیق کی محفلوں میں ان کو بڑا عروج نصیب ہوا۔ لوگ ان کی طرف دوڑے اور ہر شخص نے ان کی تعظیم میں دوسرے سے سبقت لے جانے کی سعی کی۔ جو اب میں انھوں نے بھی دریادلی کا مظاہرہ کیا اور پوری وسعت قلب سے لوگوں کے لیے اپنے علم و فضل کے دروازے کھول دیے جس میں سے ہر ایک نے بقدر ظرف اپنا حصہ وصول کرنے کی کوشش کی۔ جب انھوں نے علم کے خزانے لوٹائے اور دین کی اشاعت کا اہتمام کیا تو دنیا بھی ان کے قدموں میں آگری۔ اس نے اپنا شامیانہ ان پر پھیلا دیا اور ان کا شمار مرہ اہل علم کے ساتھ ساتھ ارباب دولت اور اصحاب شوکت میں بھی ہونے لگا۔

تصنیفات:

یہ جلیل القدر مالکی المسلک فقیہ متعدد علمی اور تحقیقی کتابوں کے مصنف اور شارح ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

شرح التسهيل:

یہ ابن مالک الطائی کی تصنیف التسهيل کی شرح ہے جو گونا گوں اور متنوع مسائل کا حسین امتزاج ہے۔ اس کا آغاز اللهم اياك نعبد على نعم ما توجهت الامال... کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ یہ شرح وہ اسکندر یہ کے دوران قیام میں ضبط تحریر میں لائے تھے اور اپنے ساتھ ہی اسے ہندوستان لے آئے تھے۔ اس کے آغاز میں وارد ہند ہونے کے بعد مقدمے کی صورت میں بعض چیزوں کا اضافہ کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں آخر شعبان ۸۲۰ھ (اکتوبر ۱۴۱۷ء) میں ملک ہند کے شہر گجرات آیا تو میں نے دیکھا کہ یہاں میری اس کتاب سے کوئی شخص آگاہ نہ تھا۔ میں نے یہ کتاب بعض طلباء کو دکھائی تو وہ اس کے مضامین سے بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے اس کی شرح بھی کی۔ مقدمہ کتاب میں انھوں نے اس زمانے کے فرماں روائے گجرات سلطان ابوالفضل احمد شاہ کا ذکر بھی کیا ہے اور اس حصہ کتاب کو تاریخ الفرائد کے نام سے موسوم کیا ہے۔

مصانح الجامع:

(صحیح بخاری کی شرح ہے) اس کا آغاز: الحمد لله الذي في خدمة السنة النبوية اعظم سيادة... سے ہوتا ہے۔ صحیح بخاری کی یہ شرح انھوں نے گجرات آ کر لکھی۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب وہ سلطان احمد شاہ کے لیے معرض تحریر میں لائے ہیں۔ بخاری شریف کے کئی ابواب کی تعلق کی ہے۔ بعض مقامات بڑے عمدہ ہیں جن میں اعراب نحوی کے نقطہ نظر سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر امور و مسائل کو بھی منقح کیا گیا ہے۔

## عین الحیوۃ:

یہ دیمیری کی کتاب حیوۃ الحیوان الکبریٰ کا اختصار ہے۔ یہ کتاب الحمد للہ الذی او جد بفضلہ حیوۃ الحیوان ..... کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں حیوۃ الحیوان الکبریٰ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مصنف علام کی یہ کتاب احکام شرعیہ اخبار نبویہ مواعظ نافعہ فوائد بارعہ عمدہ امثال بہترین اشعار بعض نادر امور اور عجیب و غریب اسرار و رموز کو محتوی ہے، لیکن بڑی طویل المقال اور وسیع الذیل ہے اور اس میں بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جن سے کتاب کی افادی حیثیت مجروح ہوتی ہے اور محاسن و اوصاف سے خالی دکھائی دیتی ہے اس لیے اسے مختصر کر دیا گیا ہے اور عین الحیوۃ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کی ترتیب و اختصار سے وہ ۸۲۳ھ (۱۴۲۰ء) میں فارغ ہوئے اور اسے سلطان احمد شاہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔

## تحفۃ الغریب فی شرح مغنی اللیب:

یہ کتاب ابن ہشام نخوی کی مشہور تصنیف مغنی اللیب کی شرح ہے۔ مغنی پر تحشیہ و تعلیق تو انھوں نے مصر ہی میں لکھ دیا تھا اور یہ بڑا نفیس حاشیہ تھا، مگر اس کو باقاعدہ تصنیف اور شرح کے قالب میں ارض ہند میں ڈھالا۔ اس کا جو حصہ انھوں نے مصر میں مکمل کیا، اس کو حاشیہ یمنیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو ہند میں لکھا، اسے حاشیہ ہندیہ کا نام دیا جاتا ہے۔

## شرح الخرزجیہ:

جوہر الجور: یہ کتاب علم عروض سے متعلق ہے۔  
الفواکہ البدریہ: یہ ان کے حصہ نظم پر مشتمل ہے اور مجموعہ اشعار کی حیثیت رکھتی ہے۔

## مقاطع الشرب:

الغیث الذی انجم فی شرح لامیۃ العجم: یہ صلاح الدین صفدی کے لامیۃ العجم کی شرح ہے۔

## ادبی ذوق اور شعر و شاعری:

شیخ محمد بن ابوبکر دماینی علوم ادب اور فن شعری کا عمدہ ذوق رکھتے اور اس کے ناقد تھے۔ اصحاب فن کا کہنا ہے کہ وہ نثر کے ساتھ نظم اور قصائد و مقاطع میں بھی بہت آگے نکلے ہوئے تھے اور پاکیزہ شعر کہتے تھے۔ ابن ناہض نے حاکم مصر موید کی سیرت لکھی تو انھوں نے اس پر تنقید کی۔

ایک شخص نوروز حافظی نے شام میں موید کی نافرمانی کی اور اس کے خلاف بغاوت کا مرتکب ہوا تو محمد بن ابوبکر دماینی نے موید کو مخاطب کر کے یہ اشعار کہے:

ياملك العصور و من جوده  
اشكو اليك الحافظ المعتدى  
فرض على الصامت واللافظ  
بكل لفظ في الدجى غائظ  
وماعسى اشكو وانت الذى  
صح لك البغى من الحافظ  
اے شاہ زمانہ اور اے وہ جس کی سخاوت ہر خاموش رہنے والے اور بات کرنے والے پر فرض ہو چکی

ہے۔

میں تم سے اس ظالم حافظ کے خلاف تمام غصہ دلانے والے الفاظ سے تاریکی میں شکوہ کرتا ہوں۔  
میں تم سے اس لیے شکوہ کرتا ہوں کہ تم ہی وہ شخصیت ہو جس کا حافظ کی زیادتی کے بارے میں کوئی اقدام کرنا صحیح ہوگا۔

یہ اشعار بھی ان ہی کے ہیں:

رمانى زمانى بما ساء نى  
واصباح بين الورى بالمشيب  
فجاءت نحرس و غابت سعود  
عليلا فليت الشباب يعود  
زمانے نے مجھ پر ایسے چر کے لگائے جنہوں نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی اس کے نتیجے میں نخوتیں ہجوم  
کر آئیں اور سعادتیں رخصت ہو گئیں۔

اور میں لوگوں کے درمیان بڑھاپے کی وجہ سے بیمار ہو گیا۔ پس اے کاش کہ جوانی لوٹ آتی۔  
یہ دو شعر بھی ان ہی کے ہیں:

قلت له والدجى مولى  
قد عطس الصبح يا حيبى  
ونحن بالانس فى التلاقى  
فلا تشمت به بالفراق  
جب تاریکی رخصت ہو رہی تھی اور ہم ملاقات سے لطف اندوز ہو رہے تھے تو میں نے اس سے کہا۔  
اے میرے محبوب! پوہ پھٹ گئی ہے مگر تو اس کا جواب فراق کی صورت میں نہ دینا۔

ان کے اشعار میں سے یہ دو شعر ملاحظہ ہوں:

يا عدولى فى مغن مطرب  
كم يهز العطف منه طربا  
حرك الاوتاد لما سفرا  
عند ما تسمع منه وترا  
جو گانے والا مطرب روز روشن میں تاروں کو چھیڑتا ہے اس کے بارے میں مجھے ملامت کرنے والو جب  
تم اس کا ایک تار بھی (بجھتے) سنو تو وہ تمہیں جوش میں لا کر کام کے لیے ابھارتا ہے۔  
برہان محلی تاجر کے لیے ان کے یہ دو شعر لائق ملاحظہ ہیں:



ياسرياً معروفه لیس یحصی وریساز کا بفرع واصل  
 مذعلافی الوری محلك عزا قلت هذا هو العزیز المحلی  
 اے وہ نہر جس کے فیضان کا کوئی شمار نہیں اور اے وہ رئیس جس کی فرع اور اصل دونوں عمدہ ہیں۔  
 جب سے تیرے محل (مقام) کا اعزاز لوگوں میں بلند ہوا ہے۔ (تب سے) میرا کہنا ہے کہ عزیز محلی تو

یہ ہے۔

شہاب فاروقی کی سخاوت و جودت کے بارے میں یہ دو شعر بھی پڑھتے جاے،

قل للذی اضحیٰ يعظم حاتما

ویقول لیس بجوده من لاحق

ان قسسته بسمناح اهل زماننا

اخطأ قیاسك مع وجود الفارق

جو شخص حاتم کی عظمت بیان کرتا ہو ایہ کہتا ہے کہ اس کے بعد اس جیسی سخاوت کہیں نہیں اس سے کہہ دو کہ  
 اگر تم ہمارے دور کے فیاض لوگوں پر اسے قیاس کرو گے تو قیاس مع الفارق کی غلطی کرو گے۔  
 مصر کی تعریف میں ان کے یہ دو شعر سینے:

دعی اللہ مصر اننا فی ظلالها

نروح ونغدو سالمین من الكد

ونشرب ماء النيل منها براحة

واهل زبید یشربون مین الكد

اللہ اس مصر کی نگرانی فرمائے جس کے زیر سایہ ہم لوگ تھکاوٹ اور تکلیف سے محفوظ رہ کر رات اور دن

گزارتے ہیں

اور دریائے نیل کا پانی راحت کے ساتھ پیتے ہیں اور زبید کے باشندے کد (کاوش) کے ساتھ پیتے ہیں۔  
 یہ دو شعر بھی سینے:

قالت وقد فتحت عیونا نعسا

ترمی الوری بالجور فی الاحکام

احلہر هلالک فی زبید فانی

لذوی الفوم فتحت باب سہامی

اس نے اپنی نیند سے بھری ہوئی آنکھیں کھول کر کہا کہ لوگوں پر ظالمانہ احکام کے تیر برسائے جاتے

ہیں۔

مگر تم زبید میں ان کی بوچھاڑ سے چوکس رہو اس لیے کہ میں نے اہل عشق کے لیے اپنے نیزوں کا دروازہ کھول دیا ہے۔

ہندی علما سے مخاطب ہو کر چند اشعار میں علم نحو کا ایک سوال پوچھتے ہیں:

ایا علماء الہندانی سائل  
فحنوا بتحقیق بہ یظہر السر  
فما فاعل قد جر بالخفض لفظہ  
صریحا ولا حرف یکون بہ جر  
ولیس بذی جر ولا بمجاور  
لذی الخفض والانسان للجر یضطر  
فمنوا بتحقیق بہ استفیدہ  
فمن بحر کم مازال یتخرج الدر

اے علمائے ہند! میں ایک سوال پوچھتا ہوں، مہربانی کر کے اس کا ایسا تحقیقی جواب دیجیے کہ جس سے وہ عقدہ کھل جائے۔

کوئی فاعل ایسا نہیں جو لفظاً صریح طور مجرور ہو، درآں حالیکہ کوئی ایسا حرف بھی موجود نہیں جو اسے جر دے۔

کوئی دوسرا عامل جار بھی نہیں اور مجرور کے لیے اعراب جار بھی نہیں کہ انسان جر کے لیے بے تاب ہو۔ تو ازراہ عنایت ایسی تحقیق سے بتائیے کہ اس سے مستفید ہو سکوں کیوں کہ آپ کے دریا سے تو ہمیشہ موتی ہی نکالے جاتے ہیں۔

یہ شعر بھی ملاحظہ ہو:

بجفان تعتری نادینا      وسدیف حین ہاج الصنبر ①

① یہاں سید عبدالحی حسنی لکھنوی نزہۃ الخواطر میں مولانا محمد سورتی کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ ابن جنی (نحوی، سر الصناعت و اسرار البلاغہ) میں کہتے ہیں کہ لفظ ”صنبر“ میں ”ر“ حالت رفعی میں ہے، اس لیے ”ب“ کو مضموم ہونا چاہیے۔ لیکن یہاں فعل بمعنی مصدر کی طرف اضافت مقدر ہے۔ گویا وہ ”حین ہیج الصنبر“ کہنا چاہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ظرف دراصل مصدر کی طرف مضاف ہوتا ہے اور یہاں ”حین“ (طرف) فعل (ہاج) کی طرف مضاف ہے۔ پس لفظ ”صنبر“ مجرور اس لیے ہے کہ یہ فعل بمعنی مصدر کی طرف مضاف ہے اس لیے یہ اسم اگرچہ فاعل ہونے کی وجہ سے حالت رفعی میں ہے لیکن یہاں (مضاف) الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ (نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۳۰ حاشیہ)

ہوائے سرما میں جب ہیجان پیدا کرنے والی روانی پیدا ہوتی ہے تو ہماری قوم بڑے بڑے پیالوں اور کوہان کی چربی کے گرد جمع ہو جاتی ہے۔

## انتقال:

علامہ محمد بن ابوبکر دماینی نے ماہ شعبان ۸۲۷ھ (جولائی ۱۴۲۳ء) کو گلبرگہ (سابق ریاست حیدر آباد، ہندوستان) میں وفات پائی۔

ایک روایت کے مطابق انھیں انگور میں زہر دے دیا گیا تھا۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد ان کا انتقال

ہو گیا ①۔

## ۸۲۔ شیخ محمد بن ابوالبقاء حسینی نقوی کرمانی

شیخ محمد ابوالبقا کا سلسلہ نسب یہ ہے: محمد بن ابوالبقا بن موسیٰ بن ضیاء الدین بن شجاع الدین بن مظفر بن منصور بن غیاث بن محمود بن علی بن احمد بن عبداللہ بن علی نقی حسینی کرمانی، فاضل اور علامہ تھے۔ اصلاً کرمان کے باشندے تھے۔ ان کے جد امجد ضیاء الدین بن شجاع الدین کرمان سے ہندوستان آئے اور دہلی میں قیام پذیر ہوئے۔ دہلی سے لکھنؤ گئے اور پھر وہیں سکونت اختیار کر لی۔ محمد بن ابوالبقا کی ولادت لکھنؤ میں ہوئی، وہیں پرورش پائی اور حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ وہاں سے جون پور گئے جو اس زمانے میں علم و علما کے مرکز کی حیثیت سے ہند اور بیرون ہند میں مشہور تھا۔ جون پور میں شیخ ابوالفتح بن عبدالحی بن قاضی عبدالمتقدر شریکی کنڈی دہلوی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور ان سے کتب درسیہ کی تکمیل کی۔ ظاہری علوم سے فراغت کے بعد ان ہی سے اخذ طریقت کیا۔ جب دونوں قسم کے علوم کی تحصیل کر چکے تو مراجعت فرمائے لکھنؤ ہوئے اور طویل عرصے تک درس و تدریس اور افادہ عام میں مصروف رہے۔ اس اثنا میں شیخ محمد بن قطب الدین لکھنوی، قاضی سعد الدین خیر آبادی اور خلق کثیر نے ان سے کسب علم کیا۔

خیر الزمان لکھنوی، اپنی کتاب باغ بہار میں رقم طراز ہیں کہ شیخ محمد بن ابوالبقا کرمانی کے ایک بیٹے کا نام احمد تھا اور ایک شاگرد بھی احمد کے نام سے موسوم تھے۔ شیخ نے ان دونوں کے ساتھ حجاز کا سفر کیا، مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ تینوں حضرات درہم و دینار سے تہی کیسہ تھے اور زاد راہ کے لیے انھوں نے توکل علی اللہ اور توفیق ذات الہی کو کافی سمجھا۔ حج بیت اللہ کی نعمت سے سرفراز ہوئے اور چھ سال دیار حبیب میں مقیم رہے۔ حرین شریفین میں متعدد کبار شافعی المسلمک علماء و فقہاء اقامت گزیر تھے۔ وہاں ان سے ان اہم فقہی مسائل پر مباحثے ہوئے جو شوافع اور احناف کے درمیان مختلف فیہ ہیں۔ شیخ محمد بن ابوالبقا کی علمی گفتگو اور اسلوب بحث سے متاثر ہو کر شافعی علما نے ان کو "اعظم ثانی" یعنی امام ابوحنیفہ ثانی کا لقب دیا۔

① الضوء اللامع۔ زبیر الخواطر ج ۳ ص ۱۲۵ تا ۱۳۱۔

شیخ وجہیہ الدین جندواروی اپنی تصنیف مصباح العاشقین میں شیخ محمد بن ابوالبقا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ اپنے عصر کے کبار علما میں سے تھے۔ ان کے علاقے کے لوگ تحقیق مسائل اور فتوے کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ سلطان ابراہیم شرقی، ان کے فضیلت علمی کی وجہ سے ان کا معتقد تھا اور مسائل شرعیہ میں ان سے فتوے لیتا تھا۔

صاحب مصباح العاشقین اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلطان نے اہل کفر کے اس گروہ سے قتال کے لیے ایک لشکر روانہ کیا، جنہوں نے سلطانی احکام سے تمرد اور سرکشی اختیار کر لی تھی۔ مگر اس لڑائی میں بعض وہ کافر بھی قتل کیے گئے اور ان کا مال و دولت بھی غصب و نہب کی زد میں آ گیا جو سرکشی اور نافرمانی کے مرتکب نہ تھے۔ یہ بات سلطان کے علم میں آئی تو اس نے شیخ محمد کی طرف رجوع کیا اور ان سے استفتا کیا کہ یہ صورت حال پیش آگئی ہے، اس ضمن میں شرعی احکام کیا ہیں؟ شیخ نے جواب دیا کہ ان سے قتال مباح ہے۔ کفار ہند سب دشمن اسلام ہیں۔ وہ مسلمانوں سے لڑائی کے لیے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ لہذا ان کا قتل کرنا اور ان کے اموال کو غنیمت قرار دینا جائز ہے۔

شیخ محمد بن ابوالبقا کرمانی نے ۲۱ شوال ۸۷۰ھ (۶ جون ۱۴۶۶ء) کو لکھنؤ میں وفات پائی اور شہر کی جانب مغرب میں دریائے گومتی کے کنارے دفن کیے گئے۔ بعد ازاں لوگوں نے وہاں اونچی اونچی عمارتیں تعمیر کر لیں۔ پھر حاکم لکھنؤ آصف الدولہ نے اس کے قریب ”حسینیہ“ کے نام سے ایک آبادی قائم کی تو اس نے شیخ محمد کے مقبرے کو منہدم کر دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ لوگوں نے ان کی قبر کھودی، اس سے ہڈیاں نکالیں اور انھیں لکھنؤ کی ایک اور آبادی میں جس کا نام مفتی گنج ہے، دفن کر دیا ①۔

## ۸۳۔ شیخ محمد بن احمد حسینی بخاری اوچی

شیخ محمد بن احمد بن حسین بن علی حسینی بخاری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین حسین بخاری اوچی کے چھوٹے بھائی تھے۔ ظاہری و باطنی علوم میں یکتا اور جلالت قدر کے مالک تھے۔ صدر الدین لقب تھا اور لوگوں میں شیخ صدر الدین اوچی ملتانی راجو قتال کے نام سے معروف تھے۔ پنجاب کے شہر اوچ میں پیدا ہوئے وہیں نشوونما پائی اور اپنے والد بزرگ وار شیخ احمد بن حسین بخاری اور برادر کبیر شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری اوچی سے اخذ علم اور کسب فیض کیا۔ ان ہی سے خرقہ تصوف پہنا اور ان کے بعد مسند مشیخت پر متمکن ہوئے۔ شیخ صدر الدین محمد جلیل القدر عالم دین، عظیم المرتبت فقیہ اور زاہد شب زندہ دار تھے۔ اولیائے سالکین اور اصحاب مجاہدہ و ریاضت میں سے تھے۔

ان کے تلامذہ اور فیض یافتہ حضرات کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ایک روایت کے مطابق ان سے اتنی کثیر

① نزہۃ النواظر ج ۳، ص ۱۳۱ تا ۱۳۳ بحوالہ باغ بہار۔

تعداد میں لوگوں نے استفاضہ کیا کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔

ان کے چار بیٹے تھے۔ ابوالخیر، ابواسحاق، شیخ جلال الدین اور روح اللہ۔ ان کے بعض اعقاب و اخلاف سر ہند میں جا بسے تھے۔

ان کی محبت اسلام، فقہی حیثیت اور عظمت و جلالت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرشتہ لکھتا ہے کہ جب مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو ایک کافر جس کا نام نواہون تھا اور سلطان فیروز شاہ باربک کی طرف سے اوچ کا حاکم تھا، مخدوم جہانیاں کی عیادت کو آیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات گرامی کو ختم الاولیاء بنایا ہے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ ختم الانبیاء تھے۔ خدا تعالیٰ آپ کو صحت عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے۔ نواہون کی زبان سے یہ الفاظ سن کر سید جلال الدین حسین اپنے بھائی شیخ صدر الدین محمد کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، اس شخص نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا ہے، لہذا شریعت کی رو سے اب یہ مسلمان ہو گیا ہے۔ تم اور حضار مجلس اس کے گواہ ہو۔ اسے اب باقاعدہ زمرہ مسلمین میں شامل کرو۔ نواہون نے یہ بات سنی تو وہ قبول اسلام کے خوف سے بھاگ گیا اور سلطان فیروز شاہ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ فیروز شاہ باربک کے نزدیک نواہون بڑی عزت کا مالک تھا اور وہ اس کو دوست سمجھتا تھا۔ مگر اس کے باوجود اس نے نواہون سے کہا کہ اگر تم نے فی الواقع یہ الفاظ کہے ہیں تو بلاشبہ تو مسلمان ہو۔ سید جلال الدین حسین بخاری تو وفات پا گئے اور یہ معاملہ سید صدر الدین محمد بخاری کے سپرد ہوا۔ انھوں نے اپنے بڑے بھائی کی تجہیز و تدفین وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد نواہون کے معاملے کے گواہوں کو ساتھ لیا اور فیصلے کے لیے عازم دہلی ہو گئے۔ شہر کے قریب پہنچے تو سلطان نے ان کے استقبال کا اہتمام کیا اور علمائے دہلی کو جمع کر کے ان سے نواہون کے بارے میں استفسار کیا۔ اس زمانے میں دہلی کے اہل علم میں سے قاضی عبدالمتقدر کے بیٹے شیخ محمد، علم و فہم اور جودتِ طبع میں مشہور تھے۔ انھوں نے سلطان کو مشورہ دیا کہ سید صدر الدین محمد کے استقبال کے لیے جانا چاہیے اور پھر وہیں مجلس میں ان سے یہ سوال کیا جائے کہ کیا آپ اس کافر کے سلسلے میں تشریف لائے ہیں؟ اگر وہ یہ کہیں کہ ہاں اس کافر ہی کے لیے آیا ہوں تو یہ خود ان ہی کی زبان سے اس کے کفر کا اقرار ہوگا اور ہم ان سے اس مسئلے سے متعلق باقاعدہ بحث کریں گے۔ چنانچہ سلطان نے ان کی فہمائش اور تجویز کے مطابق پہلی ہی مجلس میں سید صدر الدین محمد سے پوچھا کہ آپ اس کافر کے سلسلے میں تشریف لائے ہیں؟ فرمایا اس مسلم کے سلسلے میں آیا ہوں۔ اب شیخ محمد بن عبدالمتقدر سامنے آئے اور کہا: ”اے سید! اس لفظ کی وجہ سے جو اس نے زبان سے نکالا اس پر اسلام لازم نہیں آتا۔“ سید نے فرمایا۔ اے مخدوم زادہ! آپ کی اس بات سے بوائے دیانت نہیں آتی۔ اپنے کفن کی فکر کرو۔“ یہ کہہ کر ان کی طرف تیز نظر سے دیکھا اور فوراً ان کے پیٹ میں شدید درد پیدا ہوا، گھر گئے اور جا کر لیٹ گئے۔ ان کے والد قاضی عبدالمتقدر اس مجلس میں موجود تھے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور عزت و تعظیم بجالا کر سید کی خدمت میں عرض پرداز ہوئے کہ میرا یہی ایک بیٹا ہے۔ میرے عجز و انکسار پر رحم کر کے اس کو معاف کر دیجیے۔ فرمایا وہ تو مرچکا ہوگا، لیکن آپ کا وہ بچہ جو شکم مادر میں

ہے اہل تقویٰ میں سے ہوگا۔ چنانچہ شیخ محمد تو اس درد کی شدت سے وفات پا گئے اور قاضی عبدالمقتدر کو اللہ نے ایک اور لڑکا عطا فرمایا جس کا نام انھوں نے ابوالفتح رکھا<sup>①</sup>۔ اور وہ فی الواقع متقی، پرہیزگار اور عالم و فقیہ ہوئے۔ انھوں نے جون پور میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔

اس گفتگو کے بعد فیروز شاہ باریک نے نواہون کو سید صدر الدین محمد کے سپرد کیا اور کہا کہ اس کے بارے میں شریعت کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے۔ سید موصوف نے نواہون سے فرمایا کہ تو مسلمان ہو گیا ہے اپنے آپ پر شعار اسلام ظاہر کر، لیکن اس نے انکار کیا تو اس کو قتل کر دیا اور پھر اپنے وطن اوچ تشریف لے گئے اور مدت مدید تک اپنے برادر کبیر مخدوم جہانیاں سید جلال الدین حسین بن احمد بخاری کے خلیفہ کی حیثیت سے دعوت و ارشاد میں مشغول رہے۔

شیخ صدر الدین محمد بن احمد حسینی بخاری اوچی نے ہفتے کی رات ۱۶ جمادی الاخریٰ ۸۲۷ھ (۱۶ اپریل ۱۴۲۴ء) کو اوچ میں وفات پائی اور اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے<sup>②</sup>۔

## ۸۴۔ شیخ محمد بن حسین پٹنی

شیخ محمد بن حسین علوی حسینی سندھی ثم گجراتی علم حدیث اور فقہ کے عالم تھے اور مشہور مشائخ میں سے تھے۔ دراصل یہ ارض سندھ سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق ملتان کے باشندے تھے اور سید خدا بخش بن سید حسین کے نام سے معروف تھے۔ وہیں پیدا ہوئے وہیں نشوونما پائی اور اپنے والد بزرگ وار شیخ حسین علوی اور شیخ صدر الدین محمد بن احمد حسینی بخاری سے علم حاصل کیا۔

شیخ محمد بن حسین پٹنی حدیث، فقہ اور تصوف میں یگانہ روزگار تھے۔ صحیح العقیدہ اور مبنی بر صحت فکر و خیال کے حامل صوفی تھے۔ شیخ عبداللہ بن محمود حسینی بخاری کی والدہ مکرمہ کے ساتھ گجرات کے لیے رخصت سفر باندھا اور پھر وہیں اقامت پذیر ہو گئے۔

۵۔ جمادی الاخریٰ ۸۲۷ھ (۳۰ ستمبر ۱۴۲۳ء) کو شہر پٹن میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے<sup>③</sup>۔

① یہاں مورخ فرشتہ کو سہو ہو گیا ہے۔ شیخ ابوالفتح جو شیخ ابوالفتح جون پوری کے نام سے معروف ہیں، قاضی عبدالمقتدر کے بیٹے نہ تھے بلکہ ان کے پوتے تھے اور قاضی عبدالمقتدر کے فرزند عبدالحی کے بیٹے تھے۔ ملاحظہ ہو اخبار الاخبار، ص ۱۷۵۔ نزہتہ الخواطر، ج ۳، ص ۱۳۳، حدائق الحنفیہ، ص ۳۲۲۔ تاریخ شیراز ہند جون پور، ص ۶۰۵۔ یاد رہے یہ وہی قاضی عبدالمقتدر تھا نیسری شریکی کنڈی ہیں جو مشہور عالم و فقیہ تھے۔

② تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۶۸۸ تا ۶۹۰۔ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۹۳۳ء۔ اخبار الاخبار، ص ۱۵۴۔ نیز ملاحظہ ہو نزہتہ الخواطر، ج ۳، ص ۱۳۳، ۱۳۴۔

③ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۱۵۔ نزہتہ الخواطر، ج ۳، ص ۱۳۵۔ بحوالہ مراۃ احمدی۔

## ۸۵۔ شیخ محمد حسین ٹھٹھوی

شیخ محمد حسین بن احمد بن محمد حسینی ٹھٹھوی سندھی، صالح عالم دین اور فقیہ تھے۔ معروف مشائخ اور اصحاب فضل و صلاح میں سے تھے۔ ۸۳۱ھ (۱۴۲۸ء) میں فتح خاں بن اسکندر سندھی کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے اور وہیں کے علما سے فیض علم و معرفت حاصل کیا اور مسند رشد و ہدایت پر فائز ہوئے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ محمد حسین صفائی نے ان کے حالات میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام تذکرۃ المراد رکھا۔ اس نامور عالم و فقیہ اور عظیم شیخ نے باسٹھ سال عمر پا کر ۸۹۳ھ (۱۴۸۸ء) میں وفات پائی ①۔

## ۸۶۔ شیخ محمد بن رفیع الدین بخاری

شیخ محمد بن رفیع الدین کا نسب نامہ یہ ہے: محمد بن رفیع الدین بن محمد بن عبدالوہاب بن محمد بن حسین حسینی بخاری اوچی۔ شیخ صالح اور فقیہ تھے۔ معروف رجال فضل و صلاح میں سے تھے۔ سرزمین سندھ میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ اپنے والد گرامی قدر سے علم فقہ حاصل کیا۔ شیخ محمد بن رفیع الدین کی وفات ۸۸۱ھ (۱۴۷۶ء) میں ہوئی ②۔

## ۸۷۔ شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری گجراتی

شیخ محمد بن عبداللہ بن محمود بن حسین حسینی بخاری گجراتی، شیخ محمد زاہد کے نام سے معروف تھے۔ علم و فقاہت، اتقا و صالحیت اور زہد و عبادت کے اوصاف سے متصف تھے۔ ان کی تاریخ ولادت ۹ رجب ۸۲۸ھ (۲۲ اکتوبر ۱۴۲۳ء) ہے۔ جلیل القدر علمائے عصر سے اخذ علم کیا اور اونچے مرتبے کو پہنچے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد خود مسند تدریس آراستہ کی اور اپنے فیوض علم سے خلق کثیر کو مستفیض فرمایا۔ اس عظیم فقیہ اور بلند مرتبت صوفی نے ۶ شعبان ۸۹۲ھ (۲۸ جولائی ۱۴۸۷ء) کو وفات پائی۔ ان کی قبر قریہ بٹوہ میں ہے ③۔

## ۸۸۔ شیخ محمد بن علاء الدین منیری

شیخ محمد بن علاء الدین بن قاضی عالم بن قاضی جمال الدین ہاشمی ترہتی ثم منیری، شیخ قاضن کے نام سے

① تحفۃ الکرام۔ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۳۵-۱۳۶

② نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۳۶، بحوالہ تذکرۃ السادیۃ البخاریہ از علی اصغر گجراتی

③ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۳۹، ۱۴۰، بحوالہ مرآت احمدی

معروف تھے۔ علوم متداولہ و متعارفہ بالخصوص علم فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ تمام طرق تصوف کے ماہر تھے۔ طریقہ فردوسیہ اپنے والد شیخ علاء الدین سے اخذ کیا تھا۔ اس ضمن میں ان کا سلسلہ سند شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری تک پہنچتا ہے۔ طریقہ سہروردیہ کے لیے شیخ رکن الدین جون پوری سے کسب فیض کیا۔ ان کے اس سلسلہ سند میں پانچویں بزرگ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ہیں۔ طریقہ چشتیہ کے لیے شیخ زاہد بن بدر الدین چشتی کے سامنے زانوائے ادب تہہ کیا۔ یہ سند شیخ نظام الدین اولیا بدایونی سے ملتی ہے۔ سلسلہ قادریہ میں ان کے مرشد شیخ عبدالوہاب بن عبدالرحمن بن جمال الدین صدیقی ہیں۔ طریقہ مداریہ میں شیخ حسام الدین اصفہانی جون پوری سے بیعت ہیں جو براہ راست امام طریقہ مداریہ شیخ معمر بدیع الدین المدار سے بیعت تھے۔ طریقہ شطاریہ میں بغیر کسی واسطے کے امام طریقہ شطاریہ شیخ عبداللہ بن حسام الدین شطاری نوری صدیقی بخاری سے مستفیض ہوئے۔

ان کا حلقہ بہت وسیع تھا جن میں ان کے بیٹے شیخ ابوالفتح ہدیۃ اللہ منیری، شیخ حمید الدین گوالیاری اور بہت سے لوگ شامل ہیں۔

انہوں نے ۳ صفر ۸۹۲ھ (۲۹ جنوری ۱۴۸۷ء) کو وفات پائی اور جون پوری میں دفن کیے گئے ①۔

## ۸۹۔ شیخ محمد بن عیسیٰ جون پوری

شیخ محمد بن عیسیٰ بن تاج الدین بن بہاء الدین جون پوری عالم کبیر اور شیخ زماں تھے۔ سلسلہ نسب حضرت محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ماہ صفر ۷۸۰ھ (جون ۱۳۷۸ء) میں دارالسلطنت دہلی میں پیدا ہوئے اور حملہ تیمور کے زمانے میں اپنے والد بزرگ وار شیخ عیسیٰ کے ساتھ دہلی سے نکلے اور جون پور پہنچے۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے تحصیل علم کی۔ قاضی موصوف ان سے بدرجہ غایت محبت رکھتے تھے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب وہ ان سے علم حاصل کرتے اور اصول بزدوی کا درس لیتے تھے تو انہوں نے اپنے اس عزیز شاگرد کے لیے بحث امر تک اصول بزدوی کی شرح لکھی۔ شیخ محمد نے ان ہی سے تمام علوم حاصل کیے اور بعد ازاں خود بھی طویل عرصے تک فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔ اس اثنا میں ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ پھر ایک دور ایسا آیا کہ علمی بحث و اشغال کا سلسلہ ترک کر دیا اور شیخ فتح اللہ اودھی کے حلقہ بیعت میں داخل ہو گئے اور تمام وقت اللہ کی یاد میں بسر ہونے لگا اور ذکر الہی کو زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ ہر وقت اپنے حجرے میں بیٹھے رہتے۔ پانچ وقت کی نمازوں کے سوا باہر نہ نکلتے۔ نہ کسی کے پاس جاتے اور نہ کسی کے لیے اپنا دروازہ کھولتے۔ کامل چالیس برس ترک و تجرید کی زندگی اختیار کیے رکھی۔ سلاطین و امرا میں سے کسی کا ہدیہ اور نذرانہ قبول نہ کرتے۔:

منقول ہے کہ سلطان ابراہیم شرقی اور اس کا بیٹا سلطان محمود شرقی ان کے بے حد عقیدت مند تھے اور ان

① نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۴۱-۱۴۲۔ بحوالہ الانتصاح۔



کے فضل و کمال کے معترف تھے۔ وہ ہمیشہ اس بات کے متمنی رہے کہ شیخ کبھی ان سے بطور ہدیہ و تحفہ کوئی شے قبول فرمائیں لیکن وہ اس سے گریزاں رہے اور کبھی کوئی چیز قبول نہ کی۔

شیخ محمد بن عیسیٰ سے شیخ بہاء الدین جون پوری، شیخ مبارک بناری اور بہت سے لوگوں نے اخذ فیض کیا۔ اس معروف عالم دین نے ۱۲/ربیع الاول ۸۷۰ھ (۴ نومبر ۱۴۶۵ء) کو انتقال کیا۔ بعض حضرات نے ”سلطان طریقت“ سے تاریخ وفات نکالی ہے ①۔

## ۹۰۔ مولانا محمد بن عین الدین بیجاپوری

مولانا محمد بن عین الدین بیجاپوری کبار علمائے عصر میں سے تھے۔ اپنے والد مکرم شیخ عین الدین سے کسب علم کیا اور کئی سال ان کی صحبت میں رہے۔ رفعت علمی اور مرتبہ فقاہت کی وجہ سے سلطان محمد شاہ بن علاء الدین حسن بہمنی کے دور حکومت میں گلبرگہ کے مفتی اکبر مقرر ہوئے اور اس مسند پر خاصی مدت فائز رہے۔ ۸۰۰ھ (۱۳۹۸ء) میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کے زمانے میں کسی اور بڑے منصب پر فائز ہوئے ②۔

## ۹۱۔ شیخ محمد بن قاسم اودھی

شیخ محمد بن قاسم بن برہان الدین اودھی عالم و فقیہ مرد صالح اور شیخ کامل تھے۔ تصوف و طریقت میں بھی بہرہ وافر حاصل تھا۔ طریقت چشتیہ، طریقت مداریہ اور طریقت سہروردیہ کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔ ان کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے یہ تو لکھا ہے کہ وہ علم فقہ کے عالم تھے لیکن اس موضوع سے متعلق ان کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ طریقت و سلوک کے بارے میں ان کی ایک کتاب کا ذکر کیا گیا ہے جو آداب السالکین کے نام سے موسوم ہے۔

ان کی وفات سلطان سکندر بن بہلول اودھی کے عہد میں جمعرات کے روز ۱۷ محرم ۸۹۶ھ (۳۰ نومبر ۱۴۹۰ء) کو ہوئی ③۔

## ۹۲۔ شیخ محمد بن قطب الدین لکھنوی

شیخ محمد بن قطب الدین بن عثمان صدیقی لکھنوی، شیخ مینا کے نام سے معروف تھے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وہیں شیخ قوام الدین عباسی کے ہاں تربیت پائی۔ فقہ حنفی کی مشہور کتابیں ہدایہ اور شرح وقایہ قاضی فرید الدین

① نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۴۳، ۱۴۴، بحوالہ گنج ارشدی۔

② نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۴۵

③ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۴۵، ۱۴۶۔ بحوالہ مسالک السالکین۔

سے پڑھیں۔ ابھی جوانی کی منزل میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ شیخ قوام الدین وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد صوفیا کی اصطلاح میں خرقہ تصوف شیخ سارنگ سے حاصل کیا، جو شیخ قوام الدین کے تلامذہ میں سے تھے۔ عوارف المعارف شیخ محمد بن ابوالبقا لکھنوی سے پڑھی۔ اللہ نے ان کو زہد و عبادت اور قناعت و استغنا کی دولت بے پایاں سے نوازا اور امور دنیا سے منقطع ہو کر یاد الہی میں مصروف ہو گئے۔ تقویٰ و صالحیت میں ان کے عصر اور شہر کا کوئی شخص ان کا حریف نہ تھا۔ جو ریاضات شاقہ انہوں نے کیں اور ذکر الہی کے جن مرحلوں سے گزرے وہاں ہر انسان نہیں پہنچ سکتا۔ یوں سمجھیے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ذکر الہی میں فنا کر دیا تھا۔ دن کو روزہ رکھتے رات کو قیام کرتے۔ کوئی درپے آزار ہوتا اور اذیت پہنچاتا تو خفگی کا اظہار نہ کرتے۔ نہ اسے طعن و تشنیع کرتے بلکہ ایسے مواقع پر یہ اشعار پڑھتے۔

ہر کہ مارا پار نبود ایزد اور ایار باد  
ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد  
ہر کہ اندر راہ ماخاری نہد از دشمنی  
ہر گلی کز باغ عمرش بشگفتد بے خار باد

یعنی جو ہمیں دوست نہیں بناتا، اللہ اسے دوست بنا لے۔ جو ہمیں تکلیف پہنچائے اسے زیادہ راحت حاصل ہو۔ جو کسی دشمنی کی وجہ سے ہماری راہ میں کانٹے بچھاتا ہے، اس کی عمر کے باغ کا ہر پھول جو کھلتا ہے وہ کانٹے کے بغیر ہو۔

شیخ سعد الدین خیر آبادی اپنے بعض رسائل میں لکھتے ہیں کہ میں بیس سال ان کی رفاقت میں رہا۔ میں نے ان کو ہمیشہ اس انداز سے قبلہ رو بیٹھے ہوئے پایا کہ گویا نماز میں ہیں۔ اس طویل مدت میں نہ تو ان کو پاؤں بچھاتے ہوئے دیکھا اور نہ پاؤں کھڑا کیے ہوئے۔ نہ کھانے کے کوئی چیز طلب کرتے سنا اور نہ عمدہ لباس پہنے ہوئے دیکھا۔ ہمیشہ قبلہ رخ بیٹھتے اور عبادت میں مستغرق رہتے۔

اس جلیل القدر عالم دین اور صاحب تصوف بزرگ نے ۲۳ ذی القعدہ باختلاف روایات ۸۷۷ھ یا ۸۸۴ھ یا ۸۸۸ھ کو وفات پائی اور لکھنؤ میں دفن کیے گئے ①۔

## ۹۳۔ شیخ محمد بن یوسف حسینی دہلوی

شیخ محمد بن یوسف کا شجرہ نسب یہ ہے: محمد بن یوسف بن علی بن محمد بن یوسف بن حسین بن محمد بن علی بن حمزہ بن داؤد بن زید بن ابوالحسن الجندی بن حسین بن ابوعبداللہ بن محمد بن عمر بن یحییٰ بن حسین ابوزید الشہید بن علی اصغر زین العابدین بن حضرت حسین بن حضرت علی بن ابوطالب..... ان کی کنیت ابوالفتح اور لقب صدر الدین تھا۔

① اخبار الاخیار ص ۱۵۶۔ نیز دیکھیے ص ۱۹۳ (در ذکر شیخ سعد الدین خیر آبادی) نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۴۶ تا ۱۴۸۔

حلقہ اہل علم میں شیخ ابوالفتح صدرالدین محمد دہلوی کے نام سے معروف تھے مگر عام طور پر انھیں خواجہ بندہ نواز اور خواجہ گیسو دراز کہا جاتا ہے۔

### خاندان اور ولادت:

شیخ محمد بن یوسف کے آباؤ اجداد اصلاً ہرات کے رہنے والے تھے۔ ان کے بزرگوں میں سے کوئی صاحب دہلی آئے اور پھر وہیں اقامت گزین ہو گئے۔ دہلی اس زمانے میں مسلمان حکمرانوں کا دارالسلطنت تھا۔ شیخ محمد اسی شہر میں ۲۴ رجب ۷۲۱ھ (۳ جولائی ۱۳۲۱ء) کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد مکرم سید یوسف بن علی کو دہلی کے عوام و خواص میں سیدراجا کہا جاتا تھا اور وہ شیخ نظام الدین اولیا کے مرید تھے۔ جوامع الکلم میں خود شیخ محمد کہتے ہیں:

پدر من زیاران شیخ نظام الدین بود ①۔

میرے والد شیخ نظام الدین کے ارادت مندوں میں سے تھے۔

### دہلی سے دولت آباد:

سلطان محمد تغلق نے ایک مرتبہ دہلی کے بجائے دولت آباد کو اپنا دارالسلطنت بنا لیا تھا، جس کو دیو گیز بھی کہا جاتا تھا۔ اس زمانے میں اس کے حکم سے بہت سے علما و مشائخ اور امر اور عمانے دہلی کی سکونت ترک کر کے دولت آباد میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ اس وقت شیخ محمد بن یوسف کی عمر صرف چار سال تھی۔ ان کے والدین بھی دولت آباد چلے گئے تھے۔ وہاں کے صوبے دار شیخ محمد کے ماموں ملک الامرا سید ابراہیم مستوفی تھے۔ شیخ محمد بن یوسف کے نانا بھی شیخ نظام الدین اولیا سے تعلق ارادت رکھتے تھے ②۔

### تعلیم:

والد مکرم اور جد امجد نے بچپن ہی میں ان کو حصول علم کی راہوں پر لگا دیا تھا۔ پہلے پہل خود ہی تعلیم دینا شروع کی تھی۔ ان بزرگوں کی تربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آٹھ سال کی عمر میں ان کی طبیعت دینیات کی طرف مائل ہو گئی اور وہ وضو اور نماز وغیرہ امور دینیہ میں مشغول رہنے اور دلچسپی لینے لگے۔ دس سال کے ہوئے تو ۷۳۱ھ (۱۳۳۱ء) میں والد مکرم دولت آباد میں انتقال کر گئے۔

والد کے انتقال کے بعد تعلیم و تربیت کی ذمہ داری نانا پر آ پڑی اور درسیات کی ابتدائی کتابیں ان ہی سے پڑھیں، لیکن مصباح اور قدوری کا درس ایک اور استاذ سے لیا۔

① جوامع الکلم، ص ۳۸

② سیر محمدی، ص ۹

## پھر دہلی میں:

والد کے انتقال کے کچھ عرصے بعد ان کی والدہ کو اپنے بھائی ملک الامرا سید ابراہیم مستوفی سے کسی معاملے میں اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ ان سے خفا ہو کر ۷۳۶ھ (۱۳۳۶ء) میں دولت آباد سے دہلی چلی گئیں۔ اس وقت سید محمد کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ دہلی میں وہ سلطان قطب الدین کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے گئے تو وہاں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کو دیکھا۔ ان سے بہت متاثر ہوئے اور ۱۶ رجب ۷۳۶ھ (۲۸ فروری ۱۳۳۶ء) کو اپنے بھائی سید چندن کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

## حصول علم کی تلقین:

چراغ دہلی سے بیعت کے بعد ذکر و فکر اور مراقبہ و مکاشفہ میں مشغول رہنے لگے تو ظاہری علوم کی تحصیل میں دل کشی باقی نہ رہی۔ اس زمانے میں وہ قاضی عبدالمقتدر کے حلقہ تلمذ میں شامل تھے۔ مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر ترک تعلیم کا ارادہ ظاہر کیا اور علوم باطنی میں مشغول رہنے کے لیے عرض گزار ہوئے، مگر مرشد کو یہ بات ناگوار گزری اور علوم ظاہری کی تکمیل کی تلقین فرمائی اور حکم دیا کہ ہدایہ اصول بزدوی، رسالہ شمس، کشاف اور مصباح خوب غور سے پڑھو۔ چنانچہ مرشد کے حکم کے مطابق تعلیم کا سلسلہ بدستور جاری رکھا اور انیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ درسیات کی کچھ کتابیں مولانا سید شرف الدین کیتھلی سے، کچھ مولانا تاج الدین مقدم سے اور کچھ قاضی عبدالمقتدر بن رکن الدین شریکی کندی دہلوی سے پڑھیں۔ بلکہ زیادہ کتابیں قاضی عبدالمقتدر سے پڑھیں۔ یہاں تک کہ علم و فضل کے اونچے درجے پر پہنچے اور فتویٰ و تدریس کی اہلیت سے بہرہ ور ہوئے۔

## گیسو دراز کے لقب کی وجہ:

سید محمد بن یوسف کا لقب گیسو دراز کیوں پڑا؟ اس سلسلے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں اور مفتی غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیاء میں رقم طراز ہیں کہ ایک مرتبہ دیگر مریدوں کے ساتھ اپنے مرشد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی پاکی کو اٹھائے جا رہے تھے۔ ان کے بال بڑے بڑے تھے جو پاکی کے پایہ میں الجھ گئے۔ پاکی کو کندھے پر لے کر دور تک نکل گئے۔ پایہ میں بال الجھ جانے سے تکلیف ہوتی رہی لیکن مرشد سے بے پناہ محبت اور بدرجہ غایت تعظیم کی وجہ سے زبان سے کوئی لفظ نہ نکالا اور پاکی اٹھائے ہوئے اسی حالت میں دور تک چلے گئے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کو اس کا علم ہوا تو مرید کی اس عقیدت اور جذبہ محبت سے بہت خوش ہوئے اور یہ شعر پڑھا:

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد  
واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد  
اس واقعہ کے بعد گیسو دراز مشہور ہو گئے ①۔

① اخبار الاخیار ص ۱۳۲۔ خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۸۱۔

## فقاہت:

سید عبدالحی حسنی لکھنوی ان کی علمیت و فقاہت کے بارے میں نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں:

الشیخ الامام الکبیر العلامة الفقیہ الزاہد.....<sup>①</sup>  
 کہ (شیخ محمد بن یوسف) شیخ وقت امام کبیر علامہ فقیہ اور زاہد و عابد تھے۔  
 آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

وبرز فی الفضائل وتأهل للفتوی والتدریس وجمع بین العلم  
 والعمل والزهد والتواضع واحسن السلوک، ووضع اللہ سبحانہ لہ  
 المحبۃ فی قلوب عبادہ لما اجتمع فیہ من خصال الخیر.....<sup>②</sup>  
 یعنی ان میں بہت سے فضائل و اوصاف آشکار ہو گئے۔ افتا و تدریس کی خوبیاں پیدا ہو گئیں،  
 علم و عمل کی نعمت سے نوازے گئے۔ زہد و تقویٰ، تواضع اور حسن سلوک ان کی ذات میں جمع  
 ہو گئے اور خصال محمودہ کے حامل ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں ان کی  
 محبت ڈال دی۔

سید عبدالحی مرحوم ان کے علم و فضل سے متعلق مزید رقم طراز ہیں:

وکان عالماً کبیراً عارفاً قوی النفس، عظیم الہیۃ، جلیل الوقار، جامعاً بین  
 الشریعۃ والطریقۃ، ورعاً، تقیاً، زاہداً، غواصاً فی بحار الحقائق والمعارف،  
 لہ مشارکۃ جیدۃ فی الفقہ والتصوف والتفسیر وفنون اخری.....<sup>③</sup>  
 یعنی وہ بہت بڑے عالم عارف باللہ، قوی النفس، بہت بارعب، بے حد باوقار، جامع شریعت و  
 طریقت، زیور ورع و تقویٰ سے مزین، زاہد و عابد، حقائق و معارف کے غواص اور تفسیر فقہ  
 تصوف اور دیگر علوم و فنون میں اونچے مرتبہ پر فائز تھے.....

افضلیت صحابہ رضوان اللہ علیہم:

شیخ محمد بن یوسف صحابہ کرام اور خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے؟ اس  
 سلسلے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی خود ان ہی کے الفاظ نقل فرماتے ہیں:

① نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۵۲۔

② نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۵۳۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۵۴۔

فرمود چوں در مسائل کلامیہ سخن در فضل صحابہ افتد من بیچ مباحثہ شروع نکندم۔ اما بر مخلصان اصحاب وقتے اگر بحثے کردہ ام بعد از تاکید و سوگند عقیدہ من بہ دل راست است کہ افضل صحابہ ابو بکر، ثم عمر، ثم عثمان، ثم علی۔ امام بحث لفظی ہر آنچه آمد گفتہ می شود و با خلق بیگانہ این قدر بہم نہ کردہ ام ①۔

یعنی (سید محمد بن یوسف) فرماتے ہیں کہ جب کبھی افضلیت صحابہ کا ذکر چھڑا تو میں نے کسی بحث میں حصہ نہیں لیا۔ البتہ مخلص لوگوں سے دوران بحث بخدا یہ ضرور کہا ہے اور اب بھی صدق دل سے کہتا ہوں کہ صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابو بکر، ان کے بعد حضرت عمر، ان کے بعد حضرت عثمان اور ان کے بعد حضرت علی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

البتہ لفظی بحث بہ وقت ضرورت بہر حال کی جاتی ہے اور میں ان کبار صحابہ کی گونا گوں برکتوں اور ان کے نوع بنوع کارناموں سے لوگوں کو بے گانہ و ناشناس نہیں رکھ سکتا۔

### تصنیفات:

- ۱۔ شیخ محمد بن یوسف متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک روایت کے مطابق مختلف عنوانات و مسائل سے متعلق عربی اور فارسی میں انھوں نے ایک سو پچیس کتابیں تصنیف کیں ②۔ ان میں سے چند اہم تصنیفات یہ ہیں۔
- ۱۔ تفسیر قرآن مجید: یہ تفسیر انھوں نے تفسیر کشاف کے انداز پر لکھنا شروع کی تھی لیکن مکمل نہ ہو سکی۔ صرف پانچ پاروں تک ہی لکھ پائے تھے کہ یہ سلسلہ بند ہو گیا۔
- ۲۔ ملتقط: یہ صوفیانہ رنگ میں قرآن مجید کی تفسیر ہے۔
- ۳۔ حواشی کشاف: یہ تفسیر کشاف پر حواشی ہیں۔
- ۴۔ شرح مشارق: یہ حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کی شرح ہے۔
- ۵۔ ترجمہ مشارق: یہ مشارق الانوار کا فارسی ترجمہ ہے۔
- ۶۔ رسالہ سیر النبی ﷺ۔
- ۷۔ شرح فقہ اکبر: عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔
- ۸۔ شرح تعرف: یہ شیخ ابو بکر محمد بن ابراہیم بخاری کی تصنیف تعرف کی شرح ہے۔
- ۹۔ معارف: یہ تصوف کے موضوع پر شیخ شہاب الدین سہروردی کی معروف تصنیف عوارف المعارف کی شرح ہے۔

۱۰۔ ترجمہ عوارف: یہ عوارف المعارف کی فارسی زبان میں شرح ہے۔ مگر ترجمہ عوارف کے نام سے معروف ہے۔

① اخبار الاخیار ص ۱۳۳

② نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۵۵۔

- ۱۱۔ شرح آداب المریدین: یہ شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی کی مشہور تصنیف آداب المریدین کی عربی زبان میں شرح ہے۔
  - ۱۲۔ شرح آداب المریدین: یہ بھی اسی کتاب کی شرح ہے اور فارسی زبان میں ہے۔
  - ۱۳۔ شرح فصوص الحکم: شیخ محی الدین ابن عربی کی مشہور تصنیف فصوص الحکم کی شرح ہے۔
  - ۱۴۔ شرح تمہیدات عین القضاة ہمدانی: یہ شیخ ابوالمعانی عبداللہ المعروف بہ عین القضاة کی تصوف سے متعلق معروف کتاب تمہیدات کی شرح ہے۔
  - ۱۵۔ ترجمہ رسالہ قشیریہ: یہ شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری کے رسالے کا فارسی ترجمہ ہے۔
  - ۱۶۔ حواشی قوت القلوب: یہ شیخ ابوطالب محمد بن ابوالحسن بن علی کی مشہور تصنیف قوت القلوب پر حواشی ہیں۔
  - ۱۷۔ رسالہ استقامت الشریعت بطریقہ الحقیقت: اس میں شریعت، طریقت اور حقیقت کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ اس کا ذکر انڈیا آفس لائبریری کے فارسی مخطوطات میں بھی موجود ہے۔
- یہ ان کی چند تصنیفات ہیں۔ ان کے علاوہ بھی وہ بہت سی کتابوں کے مصنف، شارح اور مترجم تھے۔ ان کتابوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کتنے بڑے عالم تھے اور عربی اور فارسی کے مختلف علوم و فنون پر ان کی نظر کتنی گہری تھی۔

### اولاد:

سید محمد رحمۃ اللہ علیہ کی شادی چالیس سال کی عمر میں سید احمد بن مولانا جمال الدین مغربی کی صاحبزادی بی بی رضا خاتون سے ہوئی۔ ان سے دو لڑکے سید حسین عرف سید محمد اکبر حسینی اور سید یوسف عرب سید محمد اصغر حسینی تولد ہوئے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ دونوں لڑکے جلیل القدر عالم دین تھے اور معقولات و منقولات کی تعلیم دہلی کے نامور اساتذہ قاضی عبدالمتقدر شریکی کندی دہلوی، مولانا خواجگی نحوی، مولانا محمد اور مولانا نصیر الدین قاسم سے حاصل کی تھی۔

سید محمد بن یوسف اپنے بڑے لڑکے سید حسین عرف سید محمد اکبر کے ظاہری اور روحانی کمالات سے بہت متاثر تھے۔ فرمایا کرتے، اگر محمد اکبر میرا لڑکانہ ہوتا تو میں اس کے لیے لوٹے میں پانی بھر بھر کر لاتا۔

سید محمد اکبر متعدد عربی اور فارسی کتابوں کے مصنف تھے جن میں سے چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ شرح ملتقط: یہ ان کے والد بزرگ وار کی قرآن مجید کی تفسیر ملتقط کی شرح ہے۔

۲۔ معارف: یہ علم نحو پر عربی زبان میں ایک رسالہ ہے۔

۳۔ رسالہ علم صرف: یہ علم صرف سے متعلق ایک رسالہ ہے۔

۴۔ رسالہ مسئلہ زبان فارسی:

۵۔ اپنے والد مکرم شیخ محمد بن یوسف کے ملفوظات کے دو مجموعے مرتب کیے جن میں سے ایک کا نام جوامع الکلم ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے۔

سید محمد اکبر ۸۱۱ھ (۱۴۰۸ء) میں اپنے والد کے خلیفہ مقرر ہوئے لیکن سات مہینے بعد گلبرگہ میں وفات پائی گئے۔ والد نے اپنے ہاتھ سے ان کو غسل دیا اور خود ہی تجہیز و تکفین کی۔

دوسرے صاحب زادے سید یوسف عرف سید محمد اصغر حسینی اپنے والد کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔ انھوں نے ان کے انتقال کے بعد گلبرگہ میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔

### گلبرگہ میں قیام:

سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ تقریباً چوالیس (۴۴) سال دہلی میں اقامت گزریں رہے اور ۸۰۱ھ (۱۳۹۹ء) میں حملہ تیمور کے زمانے میں دہلی سے گلبرگہ تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۸۰ برس کی تھی۔ انھوں نے برصغیر پاک و ہند کے متعدد ملوک و سلاطین کا دور دیکھا، جن میں سلطان محمد تغلق، سلطان فیروز شاہ تغلق، فرماں روئے دکن فیروز شاہ بہمنی اور احمد شاہ بہمنی شامل ہیں۔ یہ حکمران ان کے زہد و اتقا اور علم و فضل سے بے حد متاثر تھے۔

### وفات:

سید محمد بن یوسف ۸۰۱ھ (۱۳۹۹ء) میں دہلی سے چلے اور مختلف بلاد و قسبات سے ہوتے ہوئے گلبرگہ پہنچے۔ اس زمانے میں دکن کے تحت حکومت پر فیروز شاہ بہمنی متمکن تھا۔ اس نے ان کی بدرجہ غایت پذیرائی کی اور بہت ہی عزت و احترام سے پیش آیا۔ سید موصوف قیام گلبرگہ کے دوران میں عرصے تک درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے اور لوگوں کی علمی و روحانی تربیت کا اہتمام کرتے رہے۔

اس عظیم عالم و فقیہ اور برصغیر پاک و ہند کے نامور صوفی نے ایک سو چار برس عمر پا کر ۱۶ ذی القعدہ ۸۲۵ھ (یکم نومبر ۱۴۲۲ء) کو سلطان احمد شاہ بہمنی کے دور حکومت میں گلبرگہ میں وفات پائی۔ وفات کے موقع پر ان کے خلیفہ شیخ ابوالفتح نے کہا:

ایں مصیبت دین است

ان کی تاریخ وفات ”مخدوم دین و دنیا“ سے نکلتی ہے ①۔

① تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اخباء الاخیار، ص ۱۳۱ تا ۱۳۶۔ تاریخ فرشتہ، ج اور تذکرہ سلطان احمد شاہ بہمنی۔ خزینۃ الاصفیاء، ج ۱

ص ۳۸۱۔ بزم صوفیہ، ص ۲۸۳ تا ۵۲۰۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۵۲ تا ۱۵۶۔ سیر محمدی۔ جامع الکلم۔



## ۹۴۔ قاضی محمد ساوی

قاضی محمد بن ابو محمد صوفی ساوی۔ فقہ اصول فقہ اور علوم عربیہ میں ماہر کامل تھے۔ بحر تصوف و طریقت کے شناور تھے۔ ظاہری علوم سے تعلق اور قلبی لگاؤ کا یہ عالم تھا کہ زندگی بھر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ بہت سے لوگوں نے ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا۔

سلوک و تصوف میں سلسلہ چشتیہ سے منسلک تھے اور اس سلسلے کے کبار مشائخ میں سے گردانے جاتے تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے مستفیض تھے۔ طویل عرصے تک ان کی صحبت کا شرف حاصل کیا اور علم و معرفت کی بلندیوں تک پہنچے۔ خود ان سے شیخ اختیار الدین عمر ایرجی اور خلق کثیر نے استفادہ کیا۔

ان کی وفات ۸۰۱ھ (۱۳۹۹ء) میں ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق ۱۴ محرم ۸۰۹ھ (یکم جولائی ۱۴۰۶ء) کو سفر آخرت پر روانہ ہوئے اور شہر ایرج میں دفن کئے گئے ①۔

## ۹۵۔ شیخ محمد بن ابو محمد دریابادی

شیخ محمد بن ابو محمد قدوائی دریابادی اپنے زمانے کے نامور عالم و فقیہ اور معروف شیخ تھے۔ قاضی عبدالکریم قدوائی اودھی کی نسل سے تھے۔

شیخ ابوالفتح بن عبدالحی بن عبدالمقتدر کنڈی جون پوری کے شاگرد تھے۔ ان کی تدریسی مساعی کا سلسلہ بہت وسیع تھا، جس سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا اور علم و تحقیق کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ اس عالم دین نے ۸۰۴ھ (۱۴۰۲ء) میں وفات پائی ②۔

## ۹۶۔ قاضی محمد اکرم گجراتی

قاضی محمد اکرم گجراتی عالم و فقیہ اور شیخ وقت تھے۔ گجرات (کاٹھیاواڑ) کے علاقے میں فقہ اور اصول فقہ میں مرجع انام تھے۔ نہروالا میں قاضی القضاة کے منصب بلند پر فائز تھے۔ مفتی رکن الدین ناگوری (مصنف فتاویٰ حمادیہ) نے فتاویٰ حمادیہ کے مقدمے میں ان کے مرتبہ علمی کی بہت تعریف کی ہے۔ اور "الامام العالم و نعمان الثانی و ناقد المعقول و المنقول" وغیرہ بلند القاب کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے ③۔

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۵۶، ۱۵۷ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

② نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۵۷ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

③ مقدمہ فتاویٰ حمادیہ و نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۵۷ نیز ملاحظہ ہو برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ ص ۱۳۷۔

## ۹۷۔ شیخ محمود بن عبداللہ بخاری

شیخ محمود بن عبداللہ بن محمود بن حسین حسینی بخاری۔ ان کا لقب ناصر الدین تھا اور کنیت ابوالحسن تھی۔ شیخ ناصر الدین ابوالحسن گجراتی کے نام سے معروف تھے۔ ۲۳ رمضان المبارک ۸۰۹ھ (۳ مارچ ۱۴۰۷ء) کو علاقہ گجرات کے مردم خیز شہر پٹن میں پیدا ہوئے۔ والدہ ماجدہ کا نام سلطان خاتون تھا جو خداوند خاں گجراتی کی بیٹی تھیں۔ شیخ محمود کے والد شیخ عبداللہ بھی جید عالم تھے۔ انھوں نے اپنے والد سے کسب علم کیا اور فقہ کے جلیل القدر عالم ہوئے۔ علم کے علاوہ تقویٰ و صالحیت میں بھی اپنا ایک مقام رکھتے تھے اور تصوف سے گہرا تعلق تھا۔ ارض گجرات کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ ان کے والد گرامی قدر بھی راہر و سلوک و طریقت تھے۔ والد کی وفات کے بعد ان کی جگہ مسند مشیخت پر متمکن ہوئے۔ خلق کثیر نے ان سے کسب فیض اور اخذ علم کیا۔ ماہ ذی القعدہ ۸۸۰ھ (مارچ ۱۴۷۶ء) میں ایک گاؤں بوہ میں وفات پائی ❶۔

## ۹۸۔ شیخ محمود بن علاء الدین نصیر آبادی

شیخ محمود بن علاء الدین بن قطب الدین حسینی نصیر آبادی، شیخ الاسلام قطب الدین محمد بن احمد حسینی مدنی کی اولاد سے تھے۔ عالم و فقیہ اور شیخ زمان تھے۔ مہد علم میں پیدا ہوئے اور مشیخت و سلوک کی گود میں تربیت پائی۔ ان کے والد بزرگ وار شیخ علاء الدین بھی نامور عالم دین تھے اور نصیر آباد کے قاضی تھے۔ ان کی وفات کے بعد ۷۸۷ ہجری (۱۳۸۵ء) میں نصیر آباد کے منصب قضا پر فائز ہوئے۔ علم فقہ میں مہارت رکھتے تھے۔ فقہ کے علاوہ دیگر علوم و فنون میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ ۸۶۸ھ (۱۴۶۴ء) میں نصیر آباد میں فوت ہوئے ❷۔

## ۹۹۔ شیخ محمود بن محمد دہلوی

شیخ محمود بن محمد دہلوی کا لقب سعد الدین تھا اور کنیت ابوالفضائل تھی۔ شیخ ابوالفضائل سعد الدین کے نام سے معروف تھے۔ عالم کبیر اور علامہ دہر تھے۔ فقہ اور اصول فقہ میں مہارت کا یہ عالم تھا کہ اصول فقہ سے متعلق حافظ الدین نسفی یعنی شیخ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد المعروف بہ حافظ الدین نسفی (متوفی ۸۱۰ھ) کی تصنیف المنار کی شرح سپرد قلم کی اور اس کا نام افاضۃ الانوار فی اضاءۃ اصول المنار رکھا۔ یہ کتاب الحمد للہ الذی الہمنا معالم الاسلام..... الخ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ اس عالم و فقیہ نے ۸۹۱ھ (۱۴۸۶ء) میں انتقال کیا ❸۔

❶ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۵۹، ۱۶۰۔ بحوالہ مرآت احمدی۔

❷ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۶۰۔ بحوالہ مآثر السادات۔

❸ کشف الظنون ج ۲ ص ۱۸۲۳، ۱۸۲۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۶۷۔

## ۱۰۰۔ شیخ مودود بن محمد گجراتی

شیخ مودود بن محمد بن یوسف بن سلیمان عمری اجودھنی نے شیخ رکن الدین ابوالمظفر نہروالی گجراتی کے نام سے شہرت پائی۔ ۷۰۵ھ (۱۳۰۶ء) میں پیدا ہوئے۔ عابد و زاہد اور فقیہ عصر تھے۔ شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی کی اولاد سے تھے اور کبار مشائخ چشتیہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ ریاضت و مجاہدہ، قناعت و توکل، خشیت الہی اور زہد و ورع میں اپنی مثال آپ تھے۔ گلزار ابرار میں مرقوم ہے کہ ۲ شوال ۸۱۱ھ (۱۸ فروری ۱۴۰۹ء) کو علاقہ گجرات کے شہر پٹن میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے، لیکن مرآت احمدی کی روایت کے مطابق تاریخ وفات ۲۲ شوال ۸۲۲ھ (۷ اپریل ۱۴۳۹ء) ہے ①۔ ان کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔ غالباً یہ مسائل فقہ میں مہارت تو رکھتے تھے، لیکن مصنف نہ تھے۔

## — ن —

## ۱۰۱۔ مولانا نجم الدین گلبرگوی

مولانا نجم الدین گلبرگوی عالم و فاضل، فقہ، اصول فقہ اور علوم عربیہ میں ماہر تھے۔ سلطان احمد شاہ بہمنی کے عہد میں فوجی ٹھکانوں کے مفتی اور اس کے مقرب و ندیم تھے۔ جرأت مند و لیر عاقل اور صاف گفتار تھے۔ سچ بات کہنے میں کسی قسم کی ملامت اور خوف کو دامن گیر نہ ہونے دیتے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ جب احمد شاہ نے ہوشنگ شاہ سے لڑائی کے لیے مندوہ کا قصد کیا تو انھوں نے اس کو اس اقدام سے روکا اور لڑائی سے باز رہنے کی تاکید کی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو آپس میں نہیں لڑنا چاہیے۔ مگر ہوشنگ شاہ آگے بڑھا اور قریب تھا کہ لڑائی شروع ہو جائے لیکن احمد شاہ بہمنی نے قدم روک لیے اور لڑائی کا ارادہ ترک کر کے اپنے علاقے میں واپس آ گیا ②۔

## ۱۰۲۔ قاضی نصیر الدین گنبدی

قاضی نصیر الدین دہلوی جون پوری (یا گنبدی) دارالسلطنت دہلی میں پیدا ہوئے اور قاضی عبدالقادر بن رکن الدین شریکی کنڈی سے علم حاصل کیا۔ قاضی ممدوح ان پر انتہائی شفقت فرماتے اور بڑی محنت سے پڑھاتے تھے۔ وہ اپنے اس شاگرد کی ذہانت و قابلیت سے بہت متاثر تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد دہلی میں

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۷۰

② تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۵۰۰-۵۰۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۷۵۔

مسند تدریس بچھائی اور طویل عرصے تک اس پر متمکن رہے۔ پھر حملہ تیمور کے زمانے میں جون پور چلے گئے اور وہاں کے منصب قضا پر فائز ہوئے۔ کئی سال یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ علامہ زمان فاضل عصر اور شیخ وقت تھے۔ فقہ اصول فقہ، علم نحو اور دیگر علوم عربیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ دہلی میں بھی اپنے علم و فضل کی وجہ سے مرجع علماء طلبا تھے اور جون پور میں بھی بلند علمی مقام اور منصب قضا پر متعین ہونے کی بنا پر مرکز خلافت کی حیثیت حاصل تھی۔ مگر جون پور میں ایک ایسا وقت آیا کہ مسند قضا ترک کر دی، لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لی، حکومت کی خدمت سے دست بردار ہو گئے اور سب اطراف سے منقطع اور الگ ہو کر اپنے حجرے میں بیٹھ گئے اور زہد و عبادت کو زندگی کا اصل مقصد قرار دے لیا۔

ان کے علم و فضل کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے جون پور میں علم نحو کی کتاب الارشاد تصنیف کی تو ان کی خدمت میں لائے اور اس کو داخل نصاب کرنے اور طلبا کو باقاعدہ پڑھانے کی درخواست کی۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ کتاب علمی حلقوں میں پھیل جائے گی اور لوگوں میں اس کی پذیرائی ہوگی۔ قاضی نصیر الدین نے کتاب دیکھی تو اس کی تحسین کی اور فرمایا یہ کتاب کسی تعارف و مقبولیت کے لیے داخل نصاب ہونے کی محتاج نہیں ہے۔ ان الفاظ سے مقصد یا تو فی الواقع کتاب کی تحسین و توصیف تھا یا وہ اس کے کچھ مباحث سے اختلاف رکھتے تھے اور اس کا اظہار ضروری نہ سمجھتے تھے لہذا اس مسئلے میں بحث و نزاع میں جانا مناسب نہ سمجھا اور اتنی سی بات کہہ کر مزید گفتگو کا دروازہ بند کر دیا۔

ان سے کسب فیض اور اخذ علم کرنے والوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔

اس عظیم المرتبت عالم دین نے ۳ صفر ۸۱۷ھ (۲۵ مارچ ۱۴۱۴ء) کو جون پور میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ①۔

غالباً یہ کسی کتاب کے مصنف نہ تھے البتہ فقہ و اصول اور دیگر علوم میں یکتا تھے۔

## ۱۰۳۔ قاضی نظام الدین غزنوی

قاضی نظام الدین غزنوی کا سلسلہ نسب یہ ہے: نظام الدین بن صدر الدین حسین بن احمد بن محمد بن احمد بن علی بن محمد بن حسین بن حسن زینبی مدنی غزنوی۔ ان کا سلسلہ نسب علی بن عبداللہ بن جعفر ہاشمی زینبی تک پہنچتا ہے۔ ان کے اجداد میں سے حسین بن حسن مدنی سلطان ابراہیم بن مسعود کے عہد حکومت میں غزنی آئے تھے۔ شیخ نظام الدین غزنی میں پیدا ہوئے وہیں نشوونما پائی اور اپنے والد مکرم شیخ صدر الدین حسین اور دیگر علمائے عصر سے علم حاصل کیا۔ ان کے والد غزنی کے قاضی القضاة تھے جو تمام عمر اس منصب پر فائز رہے۔ غالباً ۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء)

① اخبار الاخیار ص ۱۸۱۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۳۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۷۲، ۱۷۳۔ تاریخ شیراز ہند جون پور ص ۶۲۷، ۶۲۸۔

میں ان کا انتقال ہوا۔ والد کے انتقال کے بعد شیخ نظام الدین غزنی سے وارد ہند ہوئے اور جون پور میں آئے۔ وہاں قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے ملاقات ہوئی تو وہ ان کی بوقلموں علمی صلاحیتوں سے متاثر ہوئے اور انہیں سلطان ابراہیم مشرقی کے پاس لے گئے۔ اس نے ان کو مچھلی شہر کا قاضی مقرر کر دیا۔ بہت بڑے عالم اور شیخ تھے اور فقہ اصول فقہ اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان ابراہیم مشرقی اور اس نواح کے علما و زعماء ان کی بے حد قدر کرتے تھے۔ مستقل سکونت مچھلی شہر میں اختیار کر لی تھی۔ ہندوستان کے مختلف گوشوں میں ان کی اولاد دو احفاد پھیلی اور علمی اعتبار سے بڑے اثر و رسوخ کی حامل ہوئی ①۔

اس جلیل القدر عالم دین اور معروف فقیہ کی نہ تو تاریخ وفات کا علم ہو سکا ہے اور نہ ان کی کسی تصنیف کا پتا چلا ہے۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ یہ نویں صدی ہجری کے برصغیر کے عظیم اور مقتدر عالم دین تھے۔

## ۱۰۴۔ مولانا نور الدین ظفر آبادی

مولانا نور الدین بن اسد الدین ② بن تاج الدین حسینی واسطی ظفر آبادی کی کنیت ابو محمد تھی۔ ۱۶ ذی الحجہ ۷۳۴ھ (۱۱ اگست ۱۳۳۲ء) کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ فقہ اصول فقہ اور صرف و نحو کے علوم مولانا قیام الدین ظفر آبادی سے حاصل کیے۔ ان سے ایک ہزار چالیس احادیث بھی حفظ کیں۔ علم تفسیر بھی ان سے پڑھا۔ علم حدیث کی تحصیل کے لیے مولانا نظام الدین علامی کی خدمت میں حاضری دی۔ اپنے وقت کے نامور فاضل اور شیخ تھے۔ صالحیت و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ اس زمانے کے علما و فقہاء کو تصوف و طریقت سے بھی لگاؤ تھا۔ چنانچہ یہ بھی راہ سلوک کے مسافر ہوئے اور اپنے والد ماجد شیخ اسد الدین سے جو علم طریقت کے ماہر تھے اخذ طریقت کیا۔ علاوہ ازیں تصوف کے موضوع پر ان سے نصوص الحکم اور عوارف المعارف کا درس لیا۔ بعد ازاں سلسلہ تدریس شروع کیا اور افادہ طلباء میں مشغول ہو گئے۔ اپنے شیوخ و اساتذہ کی طرح بہت کم سوتے، کم کھاتے اور کم گفتگو کرتے۔ یعنی تقلیل منام، تقلیل طعام اور تقلیل کلام کے عادی تھے۔ ۲۲ صفر ۸۲۶ھ (۶ فروری ۱۳۲۳ء) کو ظفر آبادی میں سلطان حسین شرقی کے عہد میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے ③۔

① نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۷۷، ۱۷۸۔

② شیخ اسد الدین ۲۹ رجب ۶۶۱ھ (۸ جون ۱۲۶۳ء) کو واسط میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں والدین کے ساتھ وارد ہند ہوئے۔ کچھ دن دہلی میں مقیم رہے۔ پھر کڑھ مانک پور تحصیل منجھن پور ضلع الہ آباد (یو۔ پی۔ ہند) میں قیام پذیر ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے تھے۔ حافظ قرآن اور قاری ہفت قرأت تھے۔ تفسیر حدیث فقہ اور اصول فقہ کے جید عالم تھے۔ طریقت و تصوف سے بھی لگاؤ تھا۔ ۱۶ جمادی الاولیٰ ۷۹۳ھ (۲۱ اپریل ۱۳۹۱ء) کو وفات پائی۔ (تاریخ شیراز ہند جون پور ص ۹۳۸ تا ۹۴۳)

③ تاریخ شیراز ہند جون پور ص ۹۵۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۷۷، ۱۷۸۔ بحوالہ تجلی نور۔

## ۱۰۵۔ یوسف شاہ بنگالی

یوسف بن باربک شاہ بن ناصر الدین بھنگرہ شاہ بنگالہ سلطان شمس الدین بھنگرہ متوفی ۷۵۱ھ (۱۳۵۰ء) کی نسل سے تھے۔ اپنے والد سلطان باربک شاہ کی وفات کے بعد ۸۷۹ھ (۱۴۷۳ء) میں بنگال کے تحت حکومت پر متمکن ہوئے۔ نہایت عادل، نیکو کار، کریم النفس، فاضل اور عالم بادشاہ تھے۔ علم اور عمل دونوں خوبیوں کے جامع تھے۔ ان کی نیک شہرت سے اثر پذیر ہو کر ہر ناجیہ ملک کے علما ان کے پاس آ گئے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کا اصول حکومت تھا۔ یہ بادشاہ کم اور عالم دین زیادہ تھے۔ ان کے دائرہ مملکت میں کوئی شخص حدود شرع سے باہر قدم رکھنے کا مجاز نہ تھا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ملک کے قضاات و صدور کو جمع کر کے انھیں عدل و احسان کی تلقین کرتے۔ علم فقہ کے ماہر تھے۔ کسی فقہی مسئلے سے متعلق فیصلہ دینے میں قضاات عاجز یا متحیر ہو جاتے تو سلطان یوسف فوراً اس فقہی مسئلے کو حل کر دیتے۔ سات سال چھ ماہ حکومت کر کے ۸۸۷ھ (۱۴۸۲ء) میں فوت ہوئے ①۔

ان کا ذکر فقہاء و علما کے ضمن میں اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ بادشاہ ہونے کے ساتھ نامور فقیہ اور عالم دین بھی تھے اور نویں صدی ہجری کے برصغیر میں فقہی اعتبار سے انھیں اونچا مقام حاصل تھا۔

① تاریخ فرشتہ ج ۲، ص ۶۷۶ (طبع نول کشور لکھنؤ ۱۹۳۳) نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۸۰، ۱۸۱

## مراجع و مصادر

اس کتاب کی تصنیف میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا:

- 1- اجد العلوم۔ نواب صدیق حسن خاں۔ مطبع صدیقیہ بھوپال۔ ۱۲۹۵ھ۔
- 2- ابن خلدون اینڈ تیمور لنگ (انگریزی) والٹیر جے۔ فٹل۔ کیلیفورنیا یونیورسٹی۔ ۱۹۵۲ء۔
- 3- اتحاف النبلاء۔ نواب صدیق حسن خاں۔ مطبع نظامی۔ کان پور۔
- 4- اخبار الاخیار (فارسی) شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ مطبع مجتہائی، دہلی ۱۳۳۲ھ۔
- 5- اخبار الاخیار (اردو ترجمہ از مولانا اقبال الدین احمد) دارالاشاعت کراچی۔ ۱۹۶۳ء۔
- 6- ادبی دنیا۔ کشمیر نمبر لاہور۔ شمارہ مارچ، اپریل ۱۹۶۶ء۔
- 7- اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۴ کراسہ ۱۵۔ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب۔ لاہور۔ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی پریس لاہور، ۱۹۶۱ء۔
- 8- ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون۔ اسماعیل پاشا۔ مطبع بیہ استنبول، ۱۹۲۵ء/۱۳۶۳ھ۔
- 9- برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ۔ محمد اسحاق بھٹی۔ ناشر بیت الحکمت لاہور۔
- 10- بزم تیموریہ، سید صباح الدین عبدالرحمن، دارالمصنفین اعظم گڑھ۔
- 11- بزم صوفیہ۔ سید صباح الدین عبدالرحمن، دارالمصنفین اعظم گڑھ۔
- 12- تاریخ تحفہ الکرام جلد اول، دوم، سوم، مطبع حسینی، اشاعشری، محلہ فراش خانہ وزیر گنج لاہور، ۱۳۰۳ء، مطبع ناصری واقع دہلی۔
- 13- تاریخ فرشتہ (فارسی) محمد قاسم فرشتہ، مطبع نول کشور لکھنؤ۔
- 14- تاریخ فرشتہ (فارسی) محمد قاسم فرشتہ، مطبوعہ بمبئی۔
- 15- تاریخ فرشتہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، ۱۹۳۳ء۔
- 16- تاریخ فیروز شاہی، ضیاء الدین برنی، مطبوعہ۔ ایشیا ٹک سوسائٹی بنگال، ۱۸۶۲ء۔
- 17- تاریخ فیروز شاہی، شمس سراج عقیف، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۹۳۸ء۔
- 18- تاریخ مبارک شاہی، یحییٰ بن احمد سرہندی، تصحیح محمد ہدایت حسین۔ ناشر: ایشیا ٹک سوسائٹی بنگال۔ مطبوعہ کلکتہ، ۱۹۳۱ء۔
- 19- تاریخ معصومی۔ میر محمد معصوم بھکری، ناشر: سندھی ادبی بورڈ، کراچی۔ ۱۳۸۴ھ۔ ۱۹۶۳ء۔
- 20- تاریخ طاہری۔ سید طاہر محمد نسائی، ٹھٹھوی۔ ناشر: سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد سندھ، ۱۳۸۴ھ۔ ۱۹۶۳ء۔
- 21- تاریخ کشمیر اعظمی، خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کشمیری۔ ناشر: غلام محمد نور محمد تاجران کتب سری نگر۔
- 22- تاریخ شیراز ہند جون پور، سید اقبال حسین، ناشر: ادارہ شیراز ہند پبلشنگ ہاؤس، جون پور، ۱۹۶۳ء۔
- 23- تحفہ الکرام، میر علی شیر قانع، ناشر: سندھی ادبی بورڈ، کراچی۔
- 24- تذکرہ صوفیائے بنگال۔ اعجاز الحق قدوسی، ناشر: مرکزی اردو بورڈ لاہور۔
- 25- تذکرہ عالم جلد اول، بلاقی داس، میور پریس دہلی، ۱۹۰۸ء۔
- 26- تذکرہ علمائے ہند (فارسی) مولوی رحمان علی، مطبع نول کشور لکھنؤ، ۱۹۱۳ء۔

- 27- تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری) ناشر: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی۔
- 28- تزک بابری، فارسی ترجمہ از خان خانان، میرم خان، مطبوعہ بمبئی، ۱۳۰۸ھ۔
- 29- تزک تیموری، مطبع فتح الکریم، بمبئی، ۱۳۰۷ھ۔
- 30- تزک تیموری، مطبع کریبی، بمبئی، ۱۳۲۶ھ۔
- 31- تزک تیموری (اردو ترجمہ از سید ابوالہاشم ندوی) سنگ میل پبلیکیشنز لاہور۔
- 32- تمدن ہند پر اسلامی اثرات، ڈاکٹر تارا چند، ترجمہ: محمد مسعود احمد، ناشر: مجلس ترقی ادب لاہور۔
- 33- جامع ترمذی، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ۔
- 34- جوامع الکلم، ملفوظات سید محمد بندہ نواز گیسو دراز، مطبوعہ حیدرآباد (دکن)۔
- 35- حدائق الحنفیہ، مولوی فقیر محمد جہلمی، مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۳۶۳ھ، ۱۹۰۶ء۔
- 36- خزینۃ الاصفیاء، مفتی غلام سرور لاہوری، مطبع نول کشور، لکھنؤ۔
- 37- خزینۃ الاصفیاء (جلد اول) اردو ترجمہ از مفتی محمود عالم ہاشمی و علامہ اقبال احمد فاروقی، ناشر: مکتبہ المعارف لاہور، ۱۳۹۲ھ۔
- 38- رود کوثر، شیخ محمد اکرام، ناشر: ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔
- 39- سبحة المرجان فی آثار ہندوستان، میر غلام علی آزاد بلگرامی۔
- 40- سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، خلیق احمد نظامی، ناشر: ندوۃ المصنفین دہلی۔
- 41- سیر المتاخرین، غلام حسین طباطبائی، ترجمہ بنام مرآة السلاطین، گوگل پرنشاد، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ، ۱۲۹۱ھ، ۱۸۷۳ء۔
- 42- سیر العارفين (قلمی) پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور۔
- 43- الضوء اللامع، حافظ سخاوی۔
- 44- طبقات اکبری، خواجہ نظام الدین احمد، تصحیح و تنقیح بی ڈی ایم اے۔ آئی سی ایس ناشر: ایشیا ٹیک سوسائٹی بنگال، مطبوعہ کلکتہ، ۱۹۳۱ء، ۱۹۳۵ء۔
- 45- ظفر نامہ از شرف الدین علی یزدی، تصحیح و تنقیح، مولوی محمد الہد داد۔ ناشر: ایشیا ٹیک سوسائٹی بنگال، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۸۷ء۔
- 46- قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب، ذوالفقار احمد، مطبع فیض منبع عالم، آگرہ، ۱۳۱۶ھ۔
- 47- کشف الظنون، حاجی خلیفہ، مطبع بیہ استنبول، ۱۹۳۱ء، ۱۳۶۰ھ۔
- 48- گلزار ابرار، مصنفہ: محمد غوثی بن حسن بن موسی شطاری، مطبع مفید عام، آگرہ، ۱۳۲۶ھ۔
- 49- مآثر الکرام، میر غلام علی آزاد بلگرامی، ناشر: مکتبہ احیاء العلوم الشرقیہ لاہور، ۱۹۷۱ء۔
- 50- مرآت سکندری، سکندر بن محمد عرف منجھوا بن اکبر، تصحیح و تنقیح، ڈاکٹر شیش چندر مصر و محمد لطف الرحمن، جامعہ مہاراجہ سیاجی راؤ بڑودہ۔ مہاراجہ سیاجی راؤ یونیورسٹی پریس، ۱۸۶۱ء۔
- 51- ماہنامہ المعارف، کلب روڈ لاہور، شمارہ فروری، ۱۹۶۷ء۔
- 52- محبوب الوطن، تذکرہ سلاطین دکن، ابوتراب محمد عبدالجبار ملکاپوری، مطبع نامی فخر نظامی، حیدرآباد (دکن)۔
- 53- نزہۃ الخواطر، جلد ثالث، سید عبدالحی حسنی لکھنوی، دائرۃ المعارف حیدرآباد (دکن)، ۱۳۷۱ھ، ۱۹۵۱ء۔
- 54- ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، سید صباح الدین عبدالرحمن، دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔
- 55- ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے، ناشر: دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔



# فہمائے ہند

دسویں صدی ہجری

محمد اسحاق بھٹی

محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

بہاؤ شاہ

دارالافتاء

الحد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور فون: ۸۸۹۸۶۳۹ ۰۳۰۰

## جملہ حقوق محفوظ

۱۴۳۲/۲۰۱۳ھ

نام کتاب:	فہمائے ہند
مصنف:	محمد اسحاق بھٹی
اہتمام:	محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
مطبع:	بہ اشتراک دارالانوار شفیق پریس
حروف خوانی:	محمد رفیع الدین مجازی
صفحات:	۲۸۴
جلد ساز:	بنیامین
سرورق:	ضیاء الرحمن
کمپوزنگ:	محمود فرید

ڈسٹری بیوٹرز

 <p>فصلی ہاؤس فاضلی بک ہاؤس پبلسنگز</p>	 <p>کتاب سرائے پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات</p>
اردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔ فون: 32212991-32629724	فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور فون: 37239884، 37320318 ای میل: Kitabsaray@hotmail.com

## ترتیب

الف		مقدمہ	
۵۰۳	۱۔ سید ابراہیم بن احمد بغدادی	۴۴۷	سکندر لودھی
۵۰۳	۲۔ شیخ ابراہیم بن جمال الدین سندھی	۴۶۲	ابراہیم لودھی
۵۰۴	۳۔ مولانا ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی	۴۶۳	بابر
۵۰۷	۴۔ قاضی ابراہیم بن محمد کالپوری	۴۶۸	ہمایوں
۵۰۷	۵۔ شیخ ابراہیم بن معین الدین ایرجی	۴۷۱	شیر شاہ سوری
۵۰۸	۶۔ حاجی ابراہیم سرہندی	۴۷۸	ہمایوں کی ہندوستان میں واپسی
۵۱۳	۷۔ شیخ ابراہیم جون پوری	۴۸۲	سلاطین گجرات
۵۱۴	۸۔ قاضی ابراہیم سندھی	۴۸۲	سلطان محمود بیگرہ
۵۱۴	۹۔ شیخ ابواسحاق لاہوری	۴۸۶	سلطان مظفر حلیم
۵۱۵	۱۰۔ شیخ ابوبکر اکبر آبادی	۴۸۹	سلطان بہادر شاہ
۵۱۵	۱۱۔ قاضی ابوسعید بھکری سندھی	۴۹۰	سلاطین سندھ
۵۱۶	۱۲۔ شیخ ابوالغیث حسینی بخاری	۴۹۰	شاہی بیگ
۵۱۷	۱۳۔ شیخ ابوالفتح بن جمال الدین مکی	۴۹۱	مرزا شاہ حسین
۵۱۸	۱۴۔ مفتی ابوالفتح بن عبدالغفور تھانیسری	۴۹۳	جام نظام الدین
۵۱۹	۱۵۔ شیخ ابوالفضل خطیب گازی	۴۹۳	کشمیر
۵۲۰	۱۶۔ سید ابوالفضل حسینی استرآبادی	۴۹۴	سلطنت مالوہ
۵۲۰	۱۷۔ شیخ ابوالقاسم بن احمد مکی	۴۹۵	دکن کی سلطنتیں
۵۲۱	۱۸۔ قاضی ابوالمعالی بخاری	۴۸۹	سلطنت ملتان
۵۲۳	۱۹۔ شیخ ابویزید برہان پوری	۵۰۰	سلطنت بنگال
۵۲۴	۲۰۔ مولانا اشیر الدین کابانی	۵۰۰	ایک وضاحت
۵۲۴	۲۱۔ شیخ احمد بن ابوالفتح غازی پوری	۵۰۰	کچھ اس کتاب کے بارے میں
۵۲۵	۲۲۔ قاضی احمد بن اسماعیل ظفر آبادی		

۵۴۲	۵۰۔ شیخ بدرالدین حسینی اکبر آبادی	۵۲۵	۲۳۔ شیخ آحمد بن اسحاق سندھی
۵۴۲	۵۱۔ شیخ برہان الدین کاپوری	۵۲۵	۲۴۔ شیخ احمد بن اسماعیل مندوی
۵۴۳	۵۲۔ قاضی برہان الدین گجراتی	۵۲۶	۲۵۔ شیخ احمد بن بدرالدین مصری
۵۴۴	۵۳۔ مولانا برہان الدین ملتانی	۵۲۸	۲۶۔ شیخ احمد بن جعفر گجراتی
۵۴۴	۵۴۔ شیخ بلال محدث سندھی	۵۲۸	۲۷۔ شیخ احمد بن خلیل بیچاپوری
۵۴۴	۵۵۔ شیخ بہاء الدین انصاری جنیدی	۵۲۸	۲۸۔ شیخ احمد بن زید الدین جون پوری
۵۴۵	۵۶۔ شیخ بہاء الدین عمری جون پوری	۵۲۹	۲۹۔ شیخ احمد بن ضیاء الدین مندوی
۵۴۵	۵۷۔ شیخ بہاء الدین گجراتی	۵۲۹	۳۰۔ شیخ احمد بن عبدالقدوس گنگوہی
	◆	۵۳۰	۳۱۔ شیخ احمد بن عبدالملک لاہوری
۵۴۶	۵۸۔ شیخ پیر محمد گجراتی	۵۳۰	۳۲۔ شیخ احمد بن مجد الدین شیبانی
	◆	۵۳۱	۳۳۔ شیخ احمد بن محمد نہروالا
۵۴۶	۵۹۔ شیخ تاج الدین مندوی	۵۳۲	۳۴۔ شیخ احمد بن محمد بہاری
۵۴۷	۶۰۔ مولانا تقی الدین پنڈوی	۵۳۲	۳۵۔ مفتی احمد بن محمد سندیلوی
	◆	۵۳۳	۳۶۔ شیخ احمد سرہندی
۵۴۷	۶۱۔ شیخ جعفر بن میراں سندھی	۵۳۳	۳۷۔ شیخ احمد فیاض ایٹھوی
۵۴۹	۶۲۔ قاضی جگن گجراتی	۵۳۴	۳۸۔ سید احمد ملتانی
۵۵۱	۶۳۔ شیخ جلال الدین اکبر آبادی	۵۳۴	۳۹۔ شیخ اسحاق بن کاکولاہوری
۵۵۱	۶۴۔ شیخ جلال الدین جمالی دہلوی	۵۳۶	۴۰۔ شیخ اسماعیل بن ابدال لاہوری
۵۵۲	۶۵۔ شیخ جلال الدین تھانیسری	۵۳۶	۴۱۔ شیخ اسماعیل بن عبداللہ لاہوری
۵۵۲	۶۶۔ شیخ جلال الدین برہان پوری	۵۳۷	۴۲۔ شیخ اسماعیل بن محمد ملتانی
۵۵۳	۶۷۔ قاضی جلال الدین ملتانی	۵۳۷	۴۳۔ علامہ اسماعیل نقشبندی لاہوری
۵۵۳	۶۸۔ شیخ جلال الدین بدایونی	۵۳۷	۴۴۔ شیخ اللہ بخش گیلانی لاہوری
۵۵۴	۶۹۔ شیخ جلال الدین کاپوری	۵۳۸	۴۵۔ شیخ اللہ بخش گجراتی
۵۵۴	۷۰۔ شیخ جمال الدین بن محمود گجراتی	۵۳۸	۴۶۔ شیخ اللہ داد بن عبداللہ جون پوری
۵۵۴	۷۱۔ مفتی جمال الدین بن نصیر الدین دہلوی	۵۴۰	۴۷۔ مولانا اللہ داد بن کمال الدین لکھنوی
۵۵۵	۷۲۔ شیخ جلال الدین برہان پوری		◆
۵۵۵	۷۳۔ شیخ جمال محمد گجراتی	۵۴۱	۴۸۔ شیخ بایزید سندھی
۵۵۶	۷۴۔ مفتی جنید قریشی ملتانی	۵۴۲	۴۹۔ شیخ بدرالدین گجراتی

۵۷۱	۹۸۔ شیخ رحمت اللہ گجراتی	◆	۵۵۶	۷۵۔ شیخ چندن اکبر آبادی	◆
۵۷۱	۹۹۔ شیخ رفیع الدین محدث شیرازی	◆	۵۵۷	۷۶۔ شیخ چندن جون پوری	◆
۵۷۲	۱۰۰۔ شیخ رکن الدین بیانوی	◆	۵۵۷	۷۷۔ شیخ چندن مندسوری	◆
۵۷۲	۱۰۱۔ شیخ رکن الدین سندھی	◆		ح	◆
	ز	◆	۵۵۷	۷۸۔ مولانا حاتم سنبھلی	◆
۵۷۲	۱۰۲۔ شیخ زین الدین بن عبدالعزیز مالاباری	◆	۵۶۱	۷۹۔ قاضی حبیب اللہ گھوسوی	◆
۵۷۳	۱۰۳۔ شیخ زین الدین بن علی مالاباری	◆	۵۶۱	۸۰۔ شیخ احسان الدین متقی ملتانی	◆
	س	◆	۵۶۲	۸۱۔ شیخ حسن بن احمد گجراتی	◆
۵۷۵	۱۰۴۔ شیخ سالار بن ہبۃ اللہ کوروی	◆	۵۶۳	۸۲۔ شیخ حسن بن حسام الدین نارنولی	◆
۵۷۵	۱۰۵۔ شیخ سعد الدین لاری	◆	۵۶۳	۸۳۔ شیخ حسن بن طاہر جون پوری	◆
۵۷۵	۱۰۶۔ مولانا سعد اللہ لاہوری	◆	۵۶۴	۸۴۔ شیخ حسن بن عبداللہ کالپوری	◆
۵۷۶	۱۰۷۔ شیخ سعد اللہ بیانوی	◆	۵۶۴	۸۵۔ شیخ حسن بن موسیٰ گجراتی	◆
۵۷۶	۱۰۸۔ مولانا سعد اللہ سندھی	◆	۵۶۵	۸۶۔ شیخ حسن عرب، دا بھولی گجراتی	◆
۵۷۶	۱۰۹۔ شیخ سعید حبشی	◆	۵۶۵	۸۷۔ خواجہ حسین ہروی	◆
۵۷۷	۱۱۰۔ شیخ سلیمان بن عفان مانڈوی	◆	۵۶۶	۸۸۔ شیخ حسین ہروی	◆
۵۷۷	۱۱۱۔ شیخ سماء الدین ملتانی	◆	۵۶۶	۸۹۔ قاضی حماد ردولوی	◆
	ش	◆	۵۶۶	۹۰۔ مولانا حمید الدین سنبھلی	◆
۵۷۸	۱۱۲۔ شاہی بیگ قندھاری ارغون	◆		خ	◆
۵۷۹	۱۱۳۔ شیخ شرف الدین شیرازی	◆	۵۶۷	۹۱۔ شیخ خواجگی سندھوری	◆
۵۷۹	۱۱۴۔ مولانا شعیب واعظ دہلوی	◆		د	◆
۵۸۰	۱۱۵۔ شیخ شکر گجراتی	◆	۵۶۸	۹۲۔ شیخ داؤد بن فتح اللہ کرمانی	◆
۵۸۰	۱۱۶۔ قاضی شکر اللہ سندھی	◆	۵۶۸	۹۳۔ قاضی دواد فتح پوری سندھی	◆
۵۸۲	۱۱۷۔ مولانا شمس الحق جون پوری	◆	۵۶۹	۹۴۔ قاضی دتہ سیوستانی	◆
۵۸۲	۱۱۸۔ علامہ شمس الحق گیلانی	◆	۵۶۹	۹۵۔ مولانا درویش محمد دہلوی	◆
۵۸۳	۱۱۹۔ قاضی شمس الدین ملتانی	◆		ر	◆
۵۸۳	۱۲۰۔ شیخ شمس الدین بیجاپوری	◆	۵۶۹	۹۶۔ شیخ رانج بن داؤد گجراتی	◆
۵۸۴	۱۲۱۔ مولانا شمس الدین کشمیری	◆	۵۷۰	۹۷۔ شیخ رحمت اللہ سندھی	◆

۵۹۴	۱۴۵۔ قاضی عبدالسمیع اندخانی	۵۸۴	۱۲۲۔ ملا شکر فکنانی کشمیری
۵۹۴	۱۴۶۔ قاضی عبدالشکور سہوانی	۵۸۴	۱۲۳۔ سید شیخ بن عبداللہ حضرمی احمد آبادی
۵۹۶	۱۴۷۔ شیخ عبدالصمد دہلوی		ص
۵۹۷	۱۴۸۔ شیخ عبدالصمد سرہندی		۱۲۴۔ قاضی صدرالدین جالندھری لاہوری
۵۹۷	۱۴۹۔ شیخ عبدالعزیز دہلوی	۵۸۷	۱۲۵۔ شیخ صدرالدین سندھی
۵۹۸	۱۵۰۔ شیخ عبدالعزیز گجراتی	۵۸۷	۱۲۶۔ سید صدرالدین قنوجی
۶۰۱	۱۵۱۔ مولانا عبدالعزیز ابہری کاہانی	۵۸۷	۱۲۷۔ سید صفائی ترمذی
۶۰۳	۱۵۲۔ قاضی عبدالغفور پانی پتی	۵۸۸	۱۲۸۔ قاضی صلاح الدین جون پوری
۶۰۳	۱۵۳۔ مفتی عبدالغفور امر وہی		ض
۶۰۳	۱۵۴۔ شیخ عبدالغفور اعظم پوری		۱۲۹۔ مولانا ضیاء الدین مدنی
۶۰۳	۱۵۵۔ شیخ عبدالغنی فتح پوری		ط
۶۰۳	۱۵۶۔ علامہ عبدالقادر سرہندی		۱۳۰۔ مولانا طیب سندھی
۶۰۳	۱۵۷۔ قاضی عبداللہ سندھی		ع
۶۰۶	۱۵۸۔ مولانا عبداللہ تلنگی		۱۳۱۔ مولانا عباس سندھی
۶۰۸	۱۵۹۔ مولانا عبداللہ جون پوری	۵۸۹	۱۳۲۔ میر سید عبدالاول جون پوری
۶۰۸	۱۶۰۔ شیخ عبداللہ مفتی سندھی	۵۹۰	۱۳۳۔ شیخ عبدالجلیل جون پوری
۶۰۹	۱۶۱۔ شیخ عبداللہ انصاری سلطان پوری	۵۹۰	۱۳۴۔ شیخ عبدالحکیم برہان پوری
۶۱۳	مخدوم الملک کی زندگی کا ایک اور پہلو	۵۹۰	۱۳۵۔ شیخ عبدالحکیم سنہلی
۶۱۶	شیخ عبداللہ نیازی پر بے پناہ تشدد	۵۹۱	۱۳۶۔ مولانا عبداللہ دہلوی
۶۱۷	عمل و کردار کا ایک اور نمونہ	۵۹۱	۱۳۷۔ مولانا عبدالرحمن لاہوری
۶۱۹	علمائے دنیا اور فقہائے سوء	۵۹۱	۱۳۸۔ مولانا عبدالرحمن ملتانی
۶۲۳	تصانیف	۵۹۱	۱۳۹۔ شیخ عبدالرحمن لاہر پوری
۶۲۳	۱۶۲۔ مولانا عبداللہ لاہوری	۵۹۲	۱۴۰۔ میرک عبدالرحمن ٹھٹھوی
۶۲۳	۱۶۳۔ مولانا عبداللہ ملتانی	۵۹۲	۱۴۱۔ مولانا عبدالرحمن ٹھٹھوی
۶۲۴	۱۶۴۔ مولانا عبداللہ بدایونی	۵۹۳	۱۴۲۔ قاضی عبدالرحیم سہارنپوری
۶۲۵	۱۶۵۔ شیخ عبدالمعطی باکشرکی	۵۹۳	۱۴۳۔ شیخ عبدالرشید سندھی
۶۲۸	۱۶۶۔ مفتی عبدالملک امر وہی	۵۹۳	۱۴۴۔ مولانا عبدالسلام لاہوری
۶۲۹	۱۶۷۔ شیخ عبدالملک احمد آبادی		

۶۲۰	۱۸۰۔ شیخ قاسم بن یوسف سندھی	۶۲۹	۱۶۸۔ شیخ عبدالنبی گنگوہی
۶۲۰	۱۸۱۔ مولانا قاسم دیوان سندھی	۶۳۰	منصب صدر الصدور
۶۲۱	۱۸۲۔ قاضی قاضن بھکری سندھی	۶۳۰	مسجد کی جگہ مندر کی تعمیر اور ایک ہندو کا قتل
	ک	۶۳۱	شاتم رسول کی سزا۔ علما کے دو گروہ
۶۲۲	۱۸۳۔ شیخ کبیر الدین جون پوری	۶۳۲	ملا عبد القادر سے اکبر کا استفسار
۶۲۲	۱۸۴۔ مولانا کریم الدین سندھی	۶۳۳	ملا مبارک کی تجویز
	م	۶۳۴	شیخ کاغور و تکبر
۶۲۳	۱۸۵۔ شیخ مبارک بناری	۶۳۶	تصنیفات
۶۲۳	۱۸۶۔ قاضی مبارک گوپاموی	۶۳۶	اکبر کے حکم سے حجاز کو روانگی
۶۲۳	۱۸۷۔ قاضی مبارک جھنجانوی	۶۳۶	وفات
۶۲۴	۱۸۸۔ شیخ مبارک سندھی	۶۳۷	شیخ اور ان کا خاندان
۶۲۴	۱۸۹۔ شیخ مبارک الوری	۶۳۸	شیخ محمد اکرام کا تجزیہ
۶۲۵	۱۹۰۔ شیخ محبت اللہ سدھوری	۶۴۰	بدایونی کی وجہ مخالفت
۶۲۵	۱۹۱۔ علامہ محمد بن احمد فاہی	۶۴۰	فیضی کے اشعار
۶۲۷	۱۹۲۔ شیخ محمد بن احمد نہروالی	۶۴۱	شاتم رسول کی سزا
۶۷۱	۱۹۳۔ شیخ محمد بن اسحاق سندھی	۶۴۶	۱۶۹۔ شیخ عبدالوہاب اکبر آبادی
۶۷۲	۱۹۴۔ شیخ محمد بن طاہر پٹنی	۶۴۷	۱۷۰۔ مولانا عبدالوہاب کشمیری
۶۷۵	۱۹۵۔ شیخ محمد بن عاشق چریا کوٹی	۶۴۷	۱۷۱۔ مولانا عزیز اللہ ردولوی
۶۷۶	۱۹۶۔ شیخ محمد عبدالملک قاری خالدي	۶۴۷	۱۷۲۔ مولانا عزیز اللہ تلنسی
۶۷۶	۱۹۷۔ شیخ محمد عمر بھرق حضری	۶۴۸	۱۷۳۔ مولانا علاء الدین لاہوری
۶۸۰	۱۹۸۔ شیخ محمد بن فخر الدین جون پوری		۱۷۴۔ شیخ علی متقی بن حسام الدین
۶۸۱	رہتاسی	۶۴۸	برہان پوری
۶۸۳	۱۹۹۔ شیخ محمد بن مبارک جون پوری	۶۸۵	۱۷۵۔ مولانا عمر جاموی
۶۸۴	۲۰۰۔ شیخ محمد بن محمد ابھی		ف
۶۸۴	۲۰۱۔ شیخ محمد بن محمد گجراتی	۶۵۹	۱۷۶۔ شیخ فخر الدین اکبر آبادی
۶۸۴	۲۰۲۔ شیخ محمد بن محمد مالکی مصری	۶۵۹	۱۷۷۔ شیخ فخر الدین جون پوری
۶۸۶	۲۰۳۔ شیخ محمد بن محمد ٹھٹھوری سندھی	۶۵۹	۱۷۸۔ قاضی فضل اللہ دیوبندی
		۶۶۰	۱۷۹۔ مولانا فضل اللہ رہتکی

۷۰۵	۲۳۱۔ قاضی من اللہ کاکوروی	◆	۶۸۶	۲۰۴۔ سید محمد بن منتخب امرہوی	◆
۷۰۵	۲۳۲۔ شیخ میران سندھی	◆	۶۸۶	۲۰۵۔ شیخ محمد بن منکن ملانوی	◆
۷۰۵	۲۳۳۔ قاضی مینا بن یوسف مندوی	◆	۶۸۷	۲۰۶۔ سید محمد جون پوری	◆
۷۰۶	۲۳۴۔ شیخ میاں جیو گجراتی	◆	۶۹۳	۲۰۷۔ شیخ محمد بن یوسف برہان پوری	◆
	ن	◆	۶۹۴	۲۰۸۔ شیخ محمد اوچی	◆
۷۰۶	۲۳۵۔ قاضی نجم الدین گجراتی	◆	۶۹۴	۲۰۹۔ مولانا مفتی محمد لاہوری	◆
۷۰۷	۲۳۶۔ قاضی نصر اللہ بھکری سندھی	◆	۶۹۴	۲۱۰۔ شیخ محمد ناطلی فقیہ	◆
۷۰۷	۲۳۷۔ شیخ نصیر الدین گجراتی	◆	۶۹۵	۲۱۱۔ قاضی محمد تھانیسری	◆
۷۰۷	۲۳۸۔ شیخ نظام الدین کاکوروی	◆	۶۹۵	۲۱۲۔ مولانا محمد حسین یزدی	◆
۷۰۸	۲۳۹۔ شیخ نظام الدین ایٹھوی	◆	۶۹۵	۲۱۳۔ مولانا محمد درویش جون پوری	◆
۷۰۹	۲۴۰۔ شیخ نظام الدین نارنولی	◆		۲۱۴۔ مولانا محمد سعید خراسانی المعروف	◆
۷۰۹	۲۴۱۔ شیخ نظام الدین خیر آبادی	◆	۶۹۵	بہ میرکلاں	
۷۱۰	۲۴۲۔ علامہ نظام الدین بدخشی	◆	۶۹۶	۲۱۵۔ قاضی محمد معین لاہوری	◆
۷۱۱	۲۴۳۔ شیخ نوح بن نعمت اللہ سندھی	◆	۶۹۷	۲۱۶۔ میرک محمود بن ابوسعید سندھی	◆
	و	◆	۶۹۷	۲۱۷۔ قاضی محمد بن احمد ناطلی	◆
۷۱۱	۲۴۴۔ مولانا وجیہہ الدین علوی گجراتی	◆	۶۹۸	۲۱۸۔ قاضی محمود بن بابو گجراتی	◆
	ہ	◆	۶۹۸	۲۱۹۔ ملک محمود بن پیارو گجراتی	◆
۷۱۴	۲۴۵۔ علامہ ہبۃ اللہ شیرازی	◆	۶۹۹	۲۲۰۔ قاضی محمود بن حامد گجراتی	◆
	ی	◆	۶۹۹	۲۲۱۔ مفتی محمود بن عطاء اللہ امرہوی	◆
۷۱۵	۲۴۶۔ مولانا یار محمد سندھی	◆	۶۹۹	۲۲۲۔ قاضی محمود گجراتی	◆
۷۱۵	۲۴۷۔ شیخ یحییٰ بن ابوالفیض احراری	◆	۷۰۰	۲۲۳۔ میر مرتضیٰ شریفی شیرازی	◆
۷۱۶	۲۴۸۔ سید یسین سامانوی	◆	۷۰۱	۲۲۴۔ مولانا مرشد الدین صفوی	◆
۷۱۶	۲۴۹۔ قاضی یعقوب مانک پوری	◆	۷۰۱	۲۲۵۔ شیخ مصطفیٰ بن عبدالستار سہارن پوری	◆
۷۱۷	۲۵۰۔ شیخ یوسف بن احمد گجراتی	◆	۷۰۱	۲۲۶۔ شیخ مصلح الدین لاری	◆
۷۱۷	۲۵۱۔ مولانا یوسف سندھی	◆	۷۰۳	۲۲۷۔ سلطان مظفر حلیم والی گجرات	◆
۷۱۷	۲۵۲۔ مولانا یونس سمرقندی	◆	۷۰۴	۲۲۸۔ قاضی منجھلہ جون پوری	◆
۷۱۹	مراجع و مصادر	◆	۷۰۴	۲۲۹۔ قاضی منجھن کمال پوری	◆
			۷۰۴	۲۳۰۔ شیخ منصور لاہوری	◆



## مقدمہ

## سکندر لودھی

اس سلسلے میں کتاب کی دوسری جلد کے مقدمے میں ہم ہندوستان کے لودھی خاندان کی حکومت کے مؤسس اعلیٰ سلطان بہلول لودھی کے علمی کوائف سے اپنے قارئین کو متعارف کراچکے ہیں۔ اب اس خانوادے کے دوسرے حکمران سلطان سکندر لودھی کے علمی و عملی کارناموں سے آپ کو روشناس کرائیں گے۔

سکندر اپنے عظیم باپ سلطان بہلول لودھی کی وفات کے بعد ۸۹۴ھ (۱۴۸۹ء) میں تخت ہند کا وارث بنا۔ یہ اپنے باپ کے ساتھ بہت سے معرکوں میں شریک رہا۔ بڑا شجاع اور جنگ جو بادشاہ تھا۔ انتظامی صلاحیتوں کا مالک سیاسی بصیرت کا حامل اور طرز حکمرانی کے جملہ پہلوؤں سے خوب آگاہ تھا۔ اس کے دور حکومت میں مملکت کی حدیں دور دور تک پھیل گئی تھیں دشمن اس کے زور بازو سے کانپتے اور اس کی جنگی تدبیروں کا لوہا مانتے تھے۔ اس میں بڑی خوبی یہ تھی کہ علم و علما کا دوست اور مذہبی و دینی امور سے کامل دلچسپی رکھتا تھا۔

سکندر کی ماں ایک ہندو سنار کی بیٹی تھی۔ اس کا نام ہیماں تھا۔ کہتے ہیں ہیماں بہت خوب رو عورت تھی۔ بہلول لودھی کی اس پر نظر پڑی تو اس کا گرویدہ ہو گیا اور بالآخر وہ اس کے عقد میں آگئی۔ یہ بھی منقول ہے کہ سکندر کی پیدائش سے قبل ہیماں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ چاند ٹوٹ کر اس کی گود میں آگرا ہے۔ نجومیوں سے اس کی تعبیر پوچھی گئی تو انھوں نے بتایا کہ اس کے لطن سے ایک لائق اور ہونہار بیٹا پیدا ہوگا جو سلطنت کو چار چاند لگائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بہلول نے سکندر کی تعلیم و تربیت کا خاص طور سے اہتمام کیا، لیکن اس کی تعلیم کے حدود کہاں تک پھیلے ہوئے تھے؟ اس نے کن اساتذہ عصر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان سے کن کن علوم کی کون کون کتابیں پڑھیں؟ اس کی وضاحت تاریخ کی کتابوں میں ہماری نظر سے نہیں گزری۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ وہ آغاز زندگی ہی سے سخت دینی حمیت اور شدید مذہبی عصیت کا حامل تھا۔ اس کے فکر و عمل پر اسلام کا غلبہ اور شعائر دین کا قبضہ تھا۔

اس کے حالات میں مرقوم ہے کہ وہ ہندوؤں سے بے حد تعصب رکھتا تھا اور اس ضمن میں کسی قسم کی مداخلت یا رواداری کا قائل نہ تھا۔ اس قسم کا کوئی مسئلہ اگر سامنے آجاتا جس میں دورائیں ہوتیں تو وہ عام طور پر درشت رائے کی تائید کرتا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ اس کے زمانہ شہزادگی میں جب کہ وہ ایک علاقے کا والی تھا، اسے اطلاع پہنچی کہ کرکشیتر میں ہندو کثیر تعداد میں جمع ہو گئے ہیں اور وہ اپنے مذہب کے

مطابق وہاں تالاب میں اشنان اور مندر میں مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں۔ نیز انھوں نے وہاں کچھ ہنگامہ بھی پیا کر رکھا ہے۔ سکندر نے فوری طور پر علما کا محضر طلب کر کے سے مشورہ کیا کہ بغیر کسی تاخیر کے ان ہندوؤں کو قتل اور مندر کو مسمار کر دیا جائے۔ اس محضر میں ملک العلماء میاں عبداللہ بھی موجود تھے۔ علما نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اس اہم مسئلے میں فیصلہ کن رائے ان ہی کی ہو سکتی ہے۔ شہزادہ میاں عبداللہ کی طرف متوجہ ہوا۔ انھوں نے دریافت فرمایا:

کر کشیتز چست؟

کر کشیتز کیا شے ہے؟

جواب ملا ایک تالاب ہے جہاں کفار عبادت کے لیے ملک کے ہر شہر سے جمع ہو کر آتے اور غسل کرتے ہیں۔ نیز وہاں کے مندر اور بت خانے میں اپنے مذہب کے مطابق فرائض عبادت بجالاتے ہیں۔ فرمایا: یہ رسم عبادت کب سے جاری ہے؟

جواب دیا: یہ ایک قدیم رسم ہے۔

ملک العلماء نے تفصیلات سے مطلع ہونے کے بعد فتویٰ دیا:

بت خانہ قدیم راویران ساختن جائز نیست۔

(کسی دیرینہ بت خانے کو تباہ کرنا جائز نہیں۔)

یہ جواب سکندر کی مرضی کے بالکل خلاف تھا۔ ملک العلماء کی زبان سے یہ الفاظ سن کر وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے خنجر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

طرف کفارمی کنی اول ترامی زخم بعد آں بر کر کشیتز خواہم تاخت۔

(کافروں کی طرف داری کرتے ہو۔ میں پہلے تیرا خاتمہ کروں گا۔ پھر کر کشیتز کو تباہ کروں گا۔)

ملک العلماء کے لیے یہ بہت بڑے امتحان کا وقت تھا۔ انھوں نے نہایت جرأت اور متانت سے

جواب دیا:

مرگ حق است، بغیر حکم حق کے نمرود۔ چوں کسے پیش ظالمی آید اول مردن خود را اختیار کردہ می آید

ہر چہ باد اباد۔ چوں مرا پرسید مسئلہ شرع بیان نمود اگر پروائے شرع ندارد ید حاجت پرسیدن نیست۔

(موت حق ہے۔ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نہیں مرتا۔ جب کوئی شخص ظالم کے سامنے آتا ہے پہلے اپنی

موت کے لیے تیار ہو کر آتا ہے۔ جو کچھ بھی ہونا ہے ہو جائے۔ جب آپ نے مجھ سے دریافت کیا تو میں نے

شریعت کا مسئلہ بیان کر دیا۔ اگر آپ کو شریعت کی پروا نہیں ہے تو پھر پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔)

یہ صحیح اور جرات مندانہ جواب سن کر سکندر کا غصہ رفع ہو گیا اور میاں عبداللہ سے کہا:

(اگر اجازت می دادید چندیں ہزار ہا مسلماناں آسودہ می شدند۔)

اگر آپ اجازت دے دیتے تو کتنے ہی ہزار مسلمان مطمئن ہو جاتے۔

جب مجلس برخواست ہو گئی تو سکندر نے ملک العلماء سے خاص طور سے مخاطب ہو کر کہا:  
میاں عبداللہ! شاگاہ گاہ با ملاقات فرمائید ①۔  
(میاں عبداللہ! آپ گاہے گاہے ہم سے ملتے رہیں۔)

### تخت نشینی:

بہلول لودھی نے ۸۹۴ھ (۱۴۸۹ء) میں وفات پائی۔ اس کے بعد سکندر لودھی تخت دہلی پر متمکن ہوا  
..... تخت نشینی سے پہلے اس نے شیخ سماء الدین کنبہ کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا:  
(یا شیخ! می خواہم کہ در علم صرف کتاب میزان پیش شما بخوانم)  
یا شیخ! میں علم صرف کی کتاب میزان آپ سے پڑھنے کا خواہاں ہوں۔  
شیخ نے فرمایا: بدار اسعدك اللہ فی الدارين خیراً ②۔  
(جانو لو! اللہ تمہیں دونوں جہانوں بہتری سے نوازے گا۔)  
سکندر نے یہ کلمہ تین بار شیخ کی زبان سے کہلوایا اور پھر اسے نیک فال سمجھ کر اور ان کے ہاتھ چوم کر  
کھڑا ہو گیا۔

### فرائض و نوافل کا التزام:

تمام مورخین اور تذکرہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ سکندر لودھی ارض ہند کا نہایت متدین بادشاہ تھا  
اور فرائض و نوافل کا سختی سے پابند تھا۔ افسانہ شاہان کا مصنف لکھتا ہے:  
نماز باجماعت ہر پنج وقت میں گزار دے و نوافل بسیاری کر دے و نماز تہجد و اشراق گاہے فوت نہ کر  
دے ③۔

(پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرتا، نوافل کثرت سے پڑھتا اور تہجد اور اشراق کی نماز کبھی ترک  
نہ کرتا۔)

اس کی نیکی اور شب بیداری کا یہ عالم تھا کہ نماز فجر سے تین گھنٹے قبل بیدار ہو جاتا اور غسل کر کے نماز  
تہجد ادا کرتا۔ بعد ازاں:

سہ سپارہ کلام ربانی دست بستہ خواندے ④۔  
(قرآن کے تین سپارے ہاتھ باندھ کر اور کھڑا ہو کر تلاوت کرتا۔)

① واقعات مشاقی ص ۱۶۔

② تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۱۸۶۔

③ سلاطین دہلی کے مذہبی مجامعات ص ۲۴۵ بحوالہ افسانہ شاہان ورق ۳۸۔

④ تاریخ شاہی ص ۴۹۔

## غربا و مساکین کی مدد:

سکندر متعدد اوصاف کا مالک تھا۔ وہ رعایا کے غربا و مساکین کا بے حد خیال رکھتا تھا۔ قابل امداد لوگوں کی سال میں دو مرتبہ فہرستیں تیار کراتا اور ان کی مدد کرتا۔ جاڑوں کے موسم میں بھی غربا میں کپڑے تقسیم کرتا اور گرمیوں کے موسم میں بھی۔ اس نے تقسیم خیرات کے لیے یہ التزام کر رکھا تھا کہ بعض مقامات کے لوگوں کو پکا ہوا کھانا دیا جاتا، کچھ لوگوں کی نقدی اور جنس کی صورت میں مدد کی جاتی اور کچھ مستحقین کو شمشاہی دیا جاتا تھا۔ سلسلہ یوں چلتا تھا کہ ہر روز ہر جمعہ اور سال میں دو مرتبہ حسب ضرورت لوگوں کی امداد کی جاتی۔ غریب لڑکیوں کی شادی کے لیے بھی ان کے والدین کو خاص رقوم عطا کی جاتیں۔

طبقات اکبری کا مصنف نظام الدین احمد بدخشی رقم طراز ہے!

یومیہ و جمعگی و دو مرتبہ انعام در سالے در کل ممالک مخصوص فقرا بود ①۔

(روزانہ اور جمعے کے دن اور سال میں دو مرتبہ تمام علاقوں کے فقرا میں تقسیم کرنے کے لیے چیزیں مخصوص تھیں۔)

سلطان نہ صرف خود مستحقین کی مدد کرتا، بلکہ امرائے سلطنت اور ارکان حکومت کو بھی اس کی تلقین کرتا۔ ان میں سے جو شخص جس قدر غربا کی مدد کرتا، اسی قدر سلطان اس کو معزز و محترم گردانتا تھا۔ یعنی اس کے نزدیک پیمانہ قدر و منزلت مستحقین کی امداد تھا۔

رعایا کا یہاں تک خیال رکھتا تھا کہ ایک مرتبہ ملک میں قحط کی وجہ سے غلے کی پیداوار میں کمی واقع ہو گئی تو عشر معاف کر دیا۔ بعد ازاں حالات بدل گئے اور غلے کی قلت دور ہو گئی مگر عشر وصول نہیں کیا ②۔

طرز بود و باش:

دسویں صدی ہجری کے برصغیر کا یہ نامور حکمران جو تاریخ میں سکندر لودھی کے نام سے معروف ہے، نہایت سادہ زندگی بسر کرتا تھا اور اس کا طرز بود و باش شاہانہ جاہ و جلال کا مظہر نہ تھا، بلکہ اس میں ایک عام آدمی کے اسلوب معاشرت کی جھلک نمایاں تھی۔ اس کا ذکر افسانہ شاہاں کا مصنف ان الفاظ میں کرتا ہے:

عادت سلطان چنان بود تا آنکہ جامہ پارہ نشدے جامہ نو پوشیدے۔ تا آنکہ خواب غلبہ نہ کردے  
نجیدے و نیز تا آنکہ اشتہا غالب نشدے طعام نخوردے ③۔

① طبقات اکبری ج ۱ ص ۳۳۶۔ تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۱۸۶۔

② ایضاً۔

③ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، بحوالہ افسانہ شاہان ورق ۳۹۔

(سلطان کی عادت تھی کہ جب تک کپڑا پھٹ نہ جاتا، نئے کپڑے نہیں پہنتا تھا، جب تک نیند کا غلبہ نہ ہوتا، سوتا نہیں تھا اور جب تک بھوک غالب نہیں آ جاتی تھی، کھانا نہیں کھاتا تھا۔)

احمد یادگار کی روایت کے مطابق وہ اپنا جامہ و پلنگ ہر روز بدلتا تھا اور یہ جامہ و پلنگ یتیم بچیوں کے جہیز میں دے دیا جاتا تھا<sup>①</sup>۔

### مساجد میں ائمہ و خطبا کا تقرر:

سکندر لودھی سخت مذہبی جذبات کا حامل بادشاہ تھا۔ مورخین نے اس کے حالات میں اس ضمن کے بہت سے واقعات تحریر کیے ہیں۔ یہ مقام تفصیل کا متحمل نہیں، اس لیے ہم اس کا مختصر سا تذکرہ کر کے آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ اس کی طرف سے پورے ملک کی مساجد میں قاری، امام، خطیب اور خدام و جاروب کش مقرر تھے اور ان کے وظائف و مشاہرات کا باقاعدہ انتظام تھا رمضان اور عیدین وغیرہ ایام متبرکہ میں زیادہ سے زیادہ فقرا و مساکین کی مدد کی جاتی تھی<sup>②</sup>۔

سکندر لودھی کے مذہبی اور دینی احساسات بہت نازک تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو نظام الدین بدخشی نے طبقات اکبری میں لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے، جس زمانے میں سکندر اپنے بھائی باربک شاہ سے برسرا جنگ تھا، ایک قلندر اس کے سامنے آیا اور سکندر کا ہاتھ پکڑ کر کہا، اس لڑائی میں توفیق پائے گا۔ سکندر نے سختی سے ہاتھ کھینچ لیا اور درشت لہجے میں کہا:

ہر گاہ کہ در طائفہ اسلامیہ جنگ باشد حکم بر یک طرف نباید کرد۔ بلکہ باید گفت در آنچه خیریت اسلام است آں شود۔ و در فتح ہر کہ صلاح خلق باشد از حق باید خواست۔

(جب باہم مسلمانوں کے درمیان سلسلہ جنگ جاری ہو تو ایک فریق کے حق میں فیصلہ نہیں کر دینا چاہیے بلکہ کہنا چاہیے کہ وہی کچھ ظہور میں آئے، جو اسلام کے لیے بہتر ہو، اور اللہ سے اسی فتح کی خواہش کرنی چاہیے، جس میں خلق خدا کی بہتری کا راز مضمون ہو۔)

اس کے ان ہی اوصاف کی بنا پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

بالحقیقت محاذ زمان سلطنت آن سلطان سعادت نشان از حد تقریر و تحریر خارج است<sup>③</sup>۔

حقیقت یہ ہے کہ اس سلطان سعادت نشان کے عہد کی خوبیاں حد تقریر و تحریر سے باہر ہیں۔

① طبقات اکبری، ج ۱، ص ۳۳۶۔

② طبقات اکبری، ج ۱، ص ۳۳۵۔

③ اخبار الاخیار، ص ۲۲۷۔

## شیخ فخر الدین زاہدی سے ملاقات:

سکندر لودھی بہار کے سفر پر گیا تو کئی روز وہاں ٹھہرا اور وہاں کے علما و مشائخ سے ملاقات کی۔ بہار کے ایک بزرگ شیخ فخر الدین زاہدی تھے جو اس علاقے کی مشہور شخصیت تھے۔ ان کے مریدوں میں بنگال کے بادشاہ بھی شامل تھے۔ ان کا معمول تھا کہ آنے والوں کو شربت پلاتے تھے۔ قیام بہار کے زمانے میں سکندر بھی ان کی خدمت میں گیا۔ اتفاق سے اس وقت مصری یا چینی موجود نہ تھی۔ ایک خادم نے اشارے سے شیخ کو یہ بات بتائی۔ انھوں نے انگلی سے اشارہ کیا:

از شیرنی چینی خراشیدہ ساختہ بیارید۔ (مٹھائی پر سے چینی کھرچ کر شربت بناؤ اور لے آؤ) بادشاہ اور اس کے رفقاء نے شربت پیا۔ مولانا جمالی بھی بادشاہ کے ساتھ تھے۔ شیخ سے اجازت لے کر باہر آئے تو بادشاہ نے مولانا جمالی سے کہا۔ یہ اپنے دور کے بہت بڑے شیخ ہیں غیبتاً اس وقت کوئی شیخ نیکی میں ان کی ٹکر کا نہیں ہے لیکن ان میں ایک نقص یہ ہے کہ جاہل ہیں۔ دوران گفتگو میں ”من شمارا غنبا یادمی کردم“ کہا تھا۔ جہالت کی وجہ سے ”غنبا“ اور ”غیبتاً“ میں فرق نہ کر سکے۔ ”من شمارا غیبتاً یادمی کردم“ کہنا چاہیے تھا۔

## نماز جمعہ کے لیے مسجد میں حاضری:

قیام بہار کے زمانے میں سکندر باقاعدگی سے نماز جمعہ کے لیے مسجد میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک روز اسے آنے میں تاخیر ہو گئی تو میاں بدی حقانی نے جو بہار کے جلیل القدر عالم تھے اور سکندر ان کی بہت قدر کرتا تھا، معمول سے زیادہ انتظار کیے بغیر جماعت کھڑی کر دی۔ نماز ختم ہو چکی تو بادشاہ پہنچا۔ مولانا جمالی بھی ساتھ تھے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ نماز ہو چکی ہے۔ لیکن یوں ہی نمازیوں سے مخاطب ہو کر کہا:

اے مردماں! بس اس مقدار تاخیر نباید کرد کہ بادشاہ بیاید۔  
(لوگو! بادشاہ کے انتظار میں اتنی زیادہ تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔)

میاں بدی حقانی نے مولانا جمالی کو جواب دیا:

من نماز خدائے را گزرانیدم و گزاردیم۔

(ہم کو اللہ کی نماز پڑھنا تھی، وہ پڑھ لی۔)

بادشاہ نے مولانا جمالی سے خاموش رہنے کی درخواست کی اور میاں بدی سے مخاطب ہو کر کہا۔

آپ نے بہت اچھا کیا کہ نماز ادا کر لی، کوتاہی تو میری ہے ①۔

① طبقات اکبری ج ۱ ص ۳۲۔ تاریخ داؤدی ص ۵۳، ۵۴۔

## عہد سکندری کے علما:

سلطان سکندر لودھی اونچے درجے کے علمی ذوق کا مالک تھا۔ وہ علما کے مباحثوں میں شریک ہوتا اور بحثوں میں خود حصہ لیتا۔ رات کو بھی اس کی مجلس علم گرم رہتی۔ اس کے عہد میں دور دراز علاقوں اور ملکوں کے بہت سے علما نے جو مختلف علوم و فنون میں مہارت رکھتے تھے، دیار ہند میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

از اکناف عالم از عرب و عجم بعضے بسابقہ استدعا و طلب و بعضے بے آں در عہد دولت او تشریف آوردہ و توطن این دیار اختیار کردند ①۔

(دنیا کے مختلف گوشوں اور عرب و عجم سے بعض علما اس کی طلب و دعوت پر اور بعض بلا دعوت اس کے عہد حکومت میں تشریف لائے اور پھر اس ملک میں سکونت پذیر ہو گئے۔)

عہد سکندری کے علما میں شیخ سعد اللہ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے دادا)، شیخ رزق اللہ مشتاقی (شیخ عبدالحق دہلوی کے چچا۔ یہ عربی، فارسی اور سنسکرت کے عالم تھے۔ ہندی میں راجن اور فارسی میں مشتاقی تخلص کرتے تھے) شیخ عبد الوہاب بخاری، شیخ جلال الدین تبریزی، شیخ عبداللہ تلنسی، شیخ عزیز اللہ تلنسی، شیخ اللہ داد جون پوری، میاں خواجگی اور میاں طہ کے اسمائے گرامی خاص طور پر لائق تذکرہ ہیں۔ شیخ عبداللہ تلنسی دراصل علاقہ ملتان کے ایک قصبہ تلنبہ کے رہنے والے تھے اور سلطان سکندر لودھی کے زمانے میں دہلی میں جا کر اقامت گزیر ہو گئے تھے، بہت بڑے عالم و فقیہ تھے۔ ان کا سلسلہ درس بڑا وسیع اور انداز تدریس نہایت عمدہ تھا۔

خود بادشاہ اس میں شریک ہوتا لیکن اس طرح کہ:

در گوشہ مجلس آہستہ می نشست و بعد از فراغ درس سلام علیکم گفتہ با یک دیگر صحبت می داشتند ②۔

(مجلس درس کے ایک گوشے میں آہستہ سے جا کر بیٹھ جاتا اور درس سے فراغت کے بعد حاضر

خدمت ہو کر السلام علیکم کہتا۔ پھر دونوں ایک دوسرے سے محو گفتگو ہو جاتے۔)

دور سکندری کے ان علمائے کرام کے حالات اپنی اپنی جگہ ہماری اس کتاب میں مرقوم ہیں۔ ان

علمائے عالی مقام میں ایک بزرگ میاں طہ تھے جو بہت سی اصناف علم پر ماہرانہ نظر رکھتے تھے۔ بہترین خطاط بہت بڑے نقاش، علم مقراض میں ماہر اور علم موسیقی میں کامل تھے۔

مسلمانوں کے علاوہ حصول علم کے لیے ہندو بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ سکندر ان کی

بہت قدر کرتا تھا اور کہا کرتا تھا۔ ”ہزار آدمی بہ یک ذات میاں طہ است۔“ (میاں طہ کی ایک ذات میں ہزار

① اخبار الاخیار، ص ۲۲۷۔

② منتخب التواریخ، ص ۳۲۳۔

(آدمیوں کی قابلیت جمع ہے)

میاں طہ کی رسائی عقل اور دست ہنرمند کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ انھوں نے ایک ایسا موتی اپنے ہاتھ سے بنا کر سلطان کو پیش کیا کہ جوہری بھی اس کی شناخت سے قاصر رہے تھے۔ علم کیمیا اور سیمیا میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ انھوں نے بادشاہ کے لیے کاغذ سے ایک ”کلاہ عاج“ تیار کیا تھا۔ ایک عجیب و غریب کرن پھول بنایا، جو سر کی حرکت کے ساتھ کبھی پھول بن جاتا تھا، کبھی غنچہ ①۔

اسی عہد کے ایک اور عالم دین سید رفیع الدین صفوی کا اسم گرامی تذکروں میں مذکور ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان کے حالات تحریر کیے ہیں۔ انھوں نے معقولات کی تحصیل شیخ جلال الدین محمد دوانی سے اور علوم حدیث کی شیخ شمس الدین سخاوی مصری سے کی تھی۔ پہلے حرمین شریفین میں مقیم تھے۔ پھر دہلی آ گئے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

سلطان سکندر راد حق او اعتقاد عظیم پیدا شد ②۔

(سلطان سکندر لودھی کو ان کی ذات سے بہت عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔)  
بعد کو انھوں نے سلطان سے اجازت لے کر آگرہ کو اپنا مسکن ٹھہرایا تھا۔

معدن الشفا یا طب سکندری:

سکندر لودھی کے زمانے کے ایک بزرگ میاں بہوہ تھے جو علم و فضل اور خطاطی و حکمت میں عدیم المثال تھے۔ امرائے سکندری میں ان کو امتیازی حیثیت حاصل تھی اور سکندر ان کی بے حد قدر کرتا تھا۔ انھوں نے بادشاہ کے مشورے سے معدن الشفا کے نام سے علم طب کے موضوع پر ایک ضخیم کتاب تصنیف کی، جس میں ایک ہزار ایک سوسات امراض اور ان کے لیے مناسب ادویہ اور علاج کا ذکر ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں اسلامی طب کی تدوین و ارتقا میں اس کتاب کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہ کتاب ”طب سکندری“ کے نام سے معروف ہے اور حلقہ اہل علم میں متداول و متعارف ہے۔

آگرہ شہر کی تعمیر:

سکندر لودھی کا ایک عظیم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے آگرہ شہر کی بنیاد رکھی اور اسے اپنا دار الحکومت بنایا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اٹاؤہ چندیری اور گوالیار کے راجپوت ہندو راجے اس کے سخت مخالف تھے اور وہ ان سے پریشان رہتا تھا۔ ان کا بیشتر وقت ان سے معرکہ آرائی میں گزرا۔ وسطی ہند میں آگرہ شہر کی بنیاد رکھنے اور اسے

① سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات حاشیہ ص ۴۶، ۴۵۹ بحوالہ تاریخ داؤدی، ص ۵۶۔

② اخبار الاخبار، ص ۲۵۲۔



دارالحکومت بنانے کا بنیادی مقصد ہندو راجاؤں کا زور توڑنا اور ان علاقوں میں اسلام کی نشرواشاعت کے لیے راستہ ہموار کرنا تھا اور اس میں وہ کامیاب رہا۔

### مذہبی تعصب یا اسلامی غیرت:

سلطان سکندر لودھی کے مذہبی تعصب کا مورخین نے خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ خود مسلمان مورخ بھی کھلے لفظوں میں اس کو متعصب گردانتے اور واضح طور سے لکھتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں حد افراط کو پہنچ گیا تھا۔ نظام الدین بدخشی کے الفاظ ہیں:

تعصب اسلام بمرتبہ داشتے کہ دریں باب بسر حد افراط رسانیدہ بود<sup>①</sup>۔

اسلامی معاملات میں وہ یہاں تک تعصب رکھتا تھا کہ سر حد افراط کو پہنچ گیا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ اس زمانے کے ہندوستان میں اس قسم کی مختلف تحریکیں ابھر آئی تھیں جو اسلام اور ہندو مذہب کو باہم خلط ملط کرنے کے لیے کوشاں تھیں۔ مثلاً بھگتی تحریک و وحدت الوجود کا تصور، مسلمان صوفیا اور ہندو جوگیوں کا اتحاد صوفیا کے جذب و سکر وغیرہ کی مختلف منزلیں اور وحدت ادیان وغیرہ وغیرہ۔ یہ مختلف گروہ تھے جو ہندو مذہب اور اسلام کو باہم ملانے یا ایک دوسرے سے قریب لانے کے لیے سعی تھے۔ اس کا اندازہ مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی اس عبارت سے بہ آسانی ہو سکتا ہے:

ایں چہ شور و ایں چہ غوغا کشادہ کسے مومن، کسے کافر، کسے مطیع، کسے عاصی، کسے در راہ کسے

بے راہ، کسے مسلم، کسے پارسا، کسے ملحد، کسے ترسا، ہمہ در یک سلک است<sup>②</sup>۔

یہ کیا شور اور ہنگامہ بپا کر دیا گیا ہے، کوئی مومن ہے، کوئی کافر، کوئی اطاعت گزار ہے، کوئی گنہگار، کوئی صحیح راہ پر گامزن ہے اور کوئی بے راہ رو، کوئی مسلم ہے، کوئی پارسا، کوئی ملحد ہے، کوئی ترسا۔ اصل بات یہ ہے کہ سب ایک ہی سلک میں منسلک ہیں۔

سکندر لودھی کے ہاتھوں بدھن برہمن کا قتل درحقیقت اسی بنا پر ہوا تھا کہ وہ اسلام اور ہندو مذہب میں امتیاز کا قائل نہ تھا اور اس نے اعلان کیا تھا:

اسلام حق است و دین من نیز درست است<sup>③</sup>۔

(اسلام حق ہے اور میرا دین بھی صحیح ہے۔)

یہ وہی بدھن برہمن ہے جس کے قتل میں سکندر لودھی کو بہت بدنام کیا گیا ہے۔

① طبقات اکبری، ج ۱ ص ۳۳۵۔

② مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہی، ص ۲۰۵۔

③ طبقات اکبری، ص ۳۲۲۔

پھر ہندوؤں میں بعض ایسی جماعتیں معرض وجود میں آ گئی تھیں، جو ہندومت کی تبلیغ کے لیے سرگرم عمل تھیں اور ان کا دائرہ عمل نہ صرف دونوں مذہبوں کو متحد کرنے اور ان میں یگانگت کی راہیں تلاش کرنے تک محدود تھا بلکہ یہ مسلمانوں کو حلقہ اسلام سے نکال کر دائرہ ہندویت میں داخل کرنے کی جدوجہد کر رہی تھیں اور مسلمانوں کو علی الاعلان مرتد بنانے کے درپے تھیں۔ ان تحریکوں کا رخ صرف جاہل عوام کی طرف ہی نہ تھا، بلکہ بڑے بڑے امرا اور سرکردہ مسلمان بھی ان سے متاثر ہو کر الحاد و زندقہ کی وادی میں قدم زن ہو گئے تھے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر انھوں نے مسلمان خواتین تک کو رقص و سرود کی تعلیم کے لیے جو ہندوؤں کا مذہبی شعار تھا، ہندوؤں کے حوالے کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان امرا میں کاپلی کے ضابطہ نصیر خاں اور لکھنوتی کے حاکم احمد خان لودھی کے نام خاص طور سے کتب تاریخ میں مرقوم ہیں۔ نصیر خان کے بارے میں طبقات اکبری کا مصنف لکھتا ہے:

اواز جاؤہ مستقیم شریعت تافتہ راہ الحاد و زندقہ پیش گرفتہ و ترک نماز و روزہ دادہ و زنان مسلمہ را بنا نکان ہند و سپردہ تارقاصی تعلیم نمایند ①۔

(اس نے شریعت کے جاہ مستقیم سے منہ موڑ لیا اور الحاد و زندیقہ کی راہ اختیار کر لی۔ نماز و روزہ ترک کر دیا اور مسلمان عورتوں کو رقص سیکھنے کے لیے ہندو نائکوں کے سپرد کر دیا۔) یہی مصنف احمد خان لودھی کے ارتداد کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

خبر رسید کہ احمد خان پسر مبارک خاں لودھی کہ حاکم لکھنوتی بود بمصاحبت کفار طریقہ ارتداد پیش گرفتہ از دین اسلام برگشتہ است ②۔

(اطلاع ملی کہ احمد خان پسر مبارک خاں لودھی نے جو لکھنوتی کا حاکم تھا، کفار کی صحبت کے اثر سے ارتداد کا راستہ اختیار کر لیا ہے اور دین اسلام سے برگشتہ ہو گیا ہے۔) اسی طرح ہندوستان کے نامور محقق جناب خلیق احمد نظامی افسانہ شاہاں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ علاقہ بہار کے ایک شخص کے پورے قبیلے کو ایک ہندو راجہ نے قتل کر دیا تھا۔ اس نے سکندر لودھی کو بتایا:

اولاً مسلمان بودیم عثمانی، الحال زناردار شدہ ام ③۔

(پہلے ہم مسلمان تھے اور عثمانی (نسل سے تھے) اب میں زناردار ہو گیا ہوں۔) واقعہ یہ ہے کہ ہندو اس سلسلے میں بڑے جری ہو گئے تھے ان کے قدم اس میدان میں بہت آگے بڑھ گئے تھے اور ان کی مساعی ارتداد نے جارحیت کی شکل اختیار کر لی تھی۔

شیخ رکن الدین گنگوہی لطائف قدوسی میں فرماتے ہیں:

① طبقات اکبری، ص ۳۲۶۔

② طبقات اکبری، ص ۳۳۱۔

③ سلاطین دہلی، مذہبی رجحانات، ص ۲۵۰، بحوالہ افسانہ شاہاں ورق ۲۹۔

و طرف ہندوستان غلبہ کافراں بود در پرگنہ ردولی عمل کافراں شد شعار اسلام مندرس شدند در بازار گوشت خوک فروختہ می شد حضرت قطبی دل گیر شدہ بیرون آمدند ①۔

یعنی اطراف ہندوستان میں کافروں کا غلبہ تھا۔ قصبہ ردولی میں کفار کا عمل دخل ہو گیا تھا۔ شعار اسلام مٹ گئے تھے۔ بازار میں سور کا گوشت فروخت ہونے لگا تھا جس سے دل برداشتہ ہو کر حضرت قطبی (شیخ عبدالقدوس گنگوہی) باہر نکل آئے تھے۔

ان حالات میں یہ کیوں کر ممکن تھا کہ سکندر لودھی جیسا مسلمان اور پابند شریعت بادشاہ خاموش رہتا اور اسلامی رسوم و عوائد کے تحفظ کے لیے کوئی کوشش نہ کرتا۔ کہا جاتا ہے کہ چوں کہ وہ ہندو ماں کا بیٹا تھا اور بعض لوگ اسے ”کم اصل“ ہونے کا طعن بھی دیتے تھے لہذا اس نے یہ طعن دور کرنے اور خود کو پکا مسلمان ثابت کرنے کے لیے یہ سب کچھ کیا۔ اس دور کے حالات کو سامنے رکھیں تو یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کی حمیت اسلامی اور غیرت دینی اسلام اور مسلمانوں کی بے حرمتی کو برداشت نہ کر سکی اور اس نے ان کانٹوں کو دور کرنے کی طرف ہاتھ بڑھایا جو اسلام کی صراط مستقیم میں جگہ جگہ بکھر پڑے تھے اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کے قلب و ذہن میں چھتے اور انہیں تکلیف پہنچاتے تھے۔ وہ تو مسلمان بادشاہ اور اسلام کا سپاہی تھا۔ کمزور سے کمزور اور چھوٹے سے چھوٹا مسلمان بھی اسلام کی مخالفت برداشت نہیں کر سکتا اور اپنے مواقع پر اسلام اور مسلمانوں کی حمایت کو اپنے آپ پر ضروری قرار دے لیتا ہے۔ بہر حال جس شخص کی بھی اس دور کے ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی اور معاشرتی حالت پر نظر ہے وہ سکندر کو متعصب یا حد اعتدال سے متجاوز نہیں ٹھہرا سکتا۔

کہا جاتا ہے کہ اس نے بدھن برہمن کو ناحق قتل کیا۔ لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ اس نے اس سلسلے میں علمائے عصر کو باقاعدہ جمع کر کے ان سے رائے لی تھی جن میں اس دور کے تقریباً تمام بڑے بڑے مشاہیر اہل علم اور اصحاب فکر شامل تھے۔ مثلاً لکھنوتی کے قاضی پیارہ اور شیخ بدھ دہلی کے میاں قادن بن شیخ خوجو میاں عبداللہ بن اللہ داد تلنہی اور سید محمد بن سعید خان قنوج کے سید احسن، سید امان اور میراں، سیکری کے سید صدر الدین قنوجی اور میاں عبدالرحمن، سرہند کے ملا قطب الدین، ملا صالح اور ملا اللہ داد اور سنبھل کے مولانا عزیز اللہ اس مجلس میں شریک تھے اور ان کو خاص طور پر صرف اسی مسئلے پر گفتگو کے لیے بلایا گیا تھا اور بدھن برہمن کو ان کے متفقہ فتویٰ کے مطابق قتل کیا گیا تھا ②۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ بدھن برہمن کا معاملہ بڑی اہمیت اختیار کر گیا تھا اور یہ شخص اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں بہت دور تک چلا گیا تھا۔ اسی لیے بادشاہ ملک کے مختلف گوشوں سے علما کو طلب کرنے پر مجبور ہوا اور پھر مسئلہ زیر بحث کے تمام پہلوؤں پر پورے غور و خوض کے بعد اس کے قتل کا فتویٰ جاری کیا گیا۔

① لطائف قدوسی ص ۳۱۔

② طبقات اکبری ص ۳۲۲، ۳۲۳۔

## خلاف شرع رسوم کا خاتمہ:

سکندر لودھی کے زمانے میں بہت سی غلط اور غیر شرع رسوم و عوائد ملک میں رائج تھیں، اس نے ان سب کو سختی کے ساتھ ختم کیا۔ ان میں بعض رسمیں مذہب کے رنگ میں رواج پذیر ہو گئی تھیں۔ اس نیک اطوار بادشاہ نے ان کے مرتکبین کے خلاف تعزیری کارروائیاں کیں۔ مثلاً سید سالار مسعود کے نیزے جو ہر سال نکلتے تھے، اس نے تمام ملک میں بند کرادیے۔ فیروز شاہ نے عورتوں کو قبروں پر جانے سے روک دیا تھا لیکن اس کے بعد یہ رسم پھر جاری ہو گئی تھی، سکندر نے اس پر بھی پابندی لگا دی، علاوہ ازیں بہت سی جعلی قبریں وجود میں آ گئی تھیں، انھیں مسمار کرادیا، چچک کی دیوی سیتلا کی پرستش کو سختی سے روکا ①۔

مذہب سے اس شدید لگاؤ اور خدمت دین کے اس گہرے جذبے کے باوجود بادشاہ شراب نوشی کا عادی اور گانے کا شوقین تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ شراب نوشی ایک خفیہ مرض کی وجہ سے کرتا تھا، جو درحقیقت اس کا علاج تھا۔

## ذوق شعری:

سکندر لودھی ذوق شعری بھی رکھتا تھا اور بہت اچھا شاعر تھا۔ گلرخ تخلص کرتا تھا۔ عبدالقادر بدایونی نے اس کی ایک غزل کے یہ شعر نقل کیے ہیں:

سروی کہ سمن پیرہن و گل بدستش	روحیت مجسم کہ دراں پیر ہستش
مشک ختن چست کہ صد مملکت چین	در حلقہ آن زلف شکن در مسکنستش
گلرخ چہ کند جوہر دندان تراوصف	ہچو در سیراب سخن درد ہستش
در سوز مژگان بکشم رشتہ جاں را	تاچاک بدزم کہ دراں پیر ہستش

اس کے ایک مصاحب کا نام مولانا جلال تھا۔ وہ بہت بڑے شاعر تھے۔ ابتدا میں جلالی تخلص کرتے تھے۔ بعد کو جمالی کے تخلص اختیار کر لیا تھا۔ سکندر اور جمالی کے تعلقات انتہائی گہرے اور دوستانہ تھے۔ ایک مرتبہ جمالی کسی معاملے میں سکندر سے خفا ہو کر خراسان کی طرف نکل گئے تھے اور دس سال سے زائد عرصے تک عراق، عرب، عجم، روم، مصر، شام اور ماوراء الہنر کے شہروں میں گھومتے رہے تھے۔ پھر دہلی پہنچے۔ سکندر ان دنوں بدایوں میں تھا۔ وہاں سے جمالی کے نام ایک منظوم خط لکھ کر بھیجا۔ اس خط میں مثنوی مہر و ماہ بھی ان سے طلب کی گئی تھی۔ وہ خط درج ذیل ہے:

اے مخزن گنج لا یزالی اے سالک راہ دیں جمالی

① سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص ۲۶۶، بحوالہ تاریخ داؤدی۔

در گرد جہاں بے زدہ سیر در منزل خود رسیده بالخیر  
 بودی تو مسافر زمانہ الحمد کہ آمدی بخانہ  
 اے شیخ بما برس بزودی بسیار مسافرت نبودی  
 بکشائے بسوئے در گہم گام تادریابی زگلرخی کام!  
 چشم بجمال تو طیان است دل مرغ مثال درفغان است  
 من سکندر تو خضر مائی آں بہ کہ بسوئے ما بیائی  
 باید کہ کتاب مہر و ماہم ارسال دہد چناں کہ خواہم  
 از مہر کشد دو دیدہ را نور آں مہ نشود زدیدہ ام دور  
 بعض تذکروں میں یہ دو شعر بھی اس خط میں مندرج ہیں:

در مکہ و مدینہ گشتی گوہر بودی خزینہ گشتی  
 در شیخ زدوستان نشد سیر تشریف نمودش کشد ویر

بادشاہ نے شیخ سماء الدین کنبوہ کو بھی تحریر کیا کہ جمالی کو فوری طور پر اس کے پاس بدایوں بھیجا جائے۔ چنانچہ شیخ نے جمالی کو مجبور کر کے بادشاہ کے پاس بھیجا اور ان سے کہا کہ فقرا کو بادشاہوں کی مجلس میں جانے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ ان کے ذریعے سے بہت سے مساکین اور مستحقین کے مسائل حل ہو جاتے ہیں اور ان کی تکلیفیں رفع ہو جاتی ہیں۔

اس موقع پر مولانا جمالی اور مولانا جامی کی ملاقات اور ان کے تعلقات کا ذکر بھی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ مولانا جمالی جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا جا چکا ہے، دربار سکندری کے نامور ادیب اور شاعر تھے۔ دہلی کے باشندے تھے۔ کنبوہ برادری سے تعلق رکھتے تھے، بچپن میں یتیم ہو گئے تھے، مگر بڑے ذہین اور طباع تھے۔ ذاتی محنت و کوشش سے تعلیم و تربیت کی اونچی منزلوں پر فائز ہو گئے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بقول شیخ عبدالحق محدث دہلوی یگانہ روزگار و مجمع اطوار ہوئے<sup>①</sup>۔ ان کا ذکر ملا عبد القادر بدایونی نے بھی کیا ہے۔<sup>②</sup> درویش منش اور فقیر وضع تھے۔ اثنائے سفر میں ہرات پہنچے تو مولانا جامی سے ملاقات ہوئی۔ پہلی ملاقات میں تو جامی ان سے متعارف ہونے کے بجائے سخت خفا ہوئے۔ بعد کو جب ان کے جوہر فکری جامی کے سامنے کھلے تو دونوں میں گہری دوستی ہو گئی۔ مولانا محمد حسین آزاد نے ان کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ ان کے الفاظ کا مفہوم یہ ہے:

بزرگوں سے سنا ہے کہ پہلی ملاقات میں مولانا جمالی نے اپنا حال کچھ ظاہر نہ کیا اور پاس جا بیٹھے۔ تن برہنہ فقط لنگ باندھے تھے۔ فقیرانہ حالت تھی۔ جامی نے کہا: ”میان تو وخر

① اخبار الاخبار، ص ۲۲۷۔

② منتخب التواریخ، ص ۳۲۶۔

چند فرق است؟“ انھوں نے بالشت بیچ میں رکھ دی ①۔

جامی نے تخیل کیا اور کہا ”کیستی؟“ جمالی نے جواب دیا۔ ”از خاکساران ہند!“ ان کا کلام جامی تک

پہنچ چکا تھا۔ پوچھا: ”از سخنان جمالی چیزے یاد داری“ جواب میں یہ شعر پڑھے:

دو سہ گز کے بوریہ دپوستکے دکے پُر درد دوستکے

لنکے زیر و لنکے بالا نے غم دزد و نے غم کالا

اس قدر بس بود جمالی را عاشق رند ولا ابالی را

جامی بولے: طبع شعر داری؟ یعنی کچھ کہتے ہو؟ جمالی نے جواب میں یہ مطلع پڑھا

مارا ز خاک کویت پیرا ہنی است برتن

آں ہم ز آب دیدہ صد چاک تا بدامن

یہ کہا اور آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ بدن پر تمام گرد پڑی تھی۔ سینہ پر جو آنسو پڑے، گرد چاک

چاک ہو گئی۔ جامی سمجھ گئے۔ اٹھ کر گلے ملے اور تعظیم و تواضع سے پیش آئے ②۔

یہ شعر بھی جمالی کی ایک غزل کے ہیں جو بڑے وجد آفریں ہیں:

طال شومتی الی منازلکم ایہا الغائبون عن نظری

روز و شب موسم خیال شامت فاسئلوا عن خیالکم خبری

شیخ جمالی دور سکندری کے مشہور ادیب و شاعر اور نیک طینت بزرگ تھے۔ انھوں نے سیر العارفین

کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف کی جسے بزرگان دین کے تذکرے کی حیثیت حاصل ہے۔ بقول بدایونی یہ

کتاب ”اگرچہ منزہ از اسقام و اغلاط نیست“ تاہم اس موضوع سے متعلق یہ کتب حوالہ میں سے ہے۔ مطبع رضوی

دہلی میں ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۴ء) کو طبع ہوئی۔ ۱۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

وفات:

مورخین نے سلطان سکندر لودھی کی بہت تعریف کی ہے اور اس کی نیکی، خدا ترسی اور رعایا پروری کے

مختلف واقعات تفصیل سے بیان کیے ہیں اور لکھا ہے کہ اس کے بعض واقعات و مشاہدات تو اس نوعیت کے ہیں

کہ لوگ ان کو اس کی ”کرامات“ قرار دیتے تھے۔ شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں:

① مقبول ہے کہ جمالی جب اس ہیئت کدائی کے ساتھ جس کا ذکر آزاد نے کیا ہے، جامی کی مجلس میں بغیر کسی تعارف یا تمہید

کے سیدھے مسند پر شاعر کے پہلو میں جا بیٹھے تو جامی نے بگڑ کر پوچھا: ”میاں شادو خرچہ قدر تفاوت است“ اس وقت ان

میں اور جامی میں ایک بالشت کا فرق تھا۔ انھوں نے جواب دیا: ”یک وجب۔“ (آب کوثر، حاشیہ ص ۴۶۱)

② دربار اکبری، بحوالہ آب کوثر، ص ۴۶۱۔

وازوے نیز درباب فراست بلکہ کرامت حکایات نقل می کنند ①۔

یعنی اس کی فراست بلکہ کرامت کی بہت سی حکایات لوگ نقل کرتے ہیں۔

رزق اللہ مشتاقی کا کہنا ہے کہ داڑھی منڈانے کے علاوہ اس میں کوئی عیب نہ تھا:

در تمام اعمال و افعال او جائے انگشت نہ الا کہ ریش سے تراشید۔

اس کے اعمال و افعال میں کہیں بھی انگلی رکھنے کی گنجائش نہ تھی مگر یہ کہ داڑھی منڈاتا تھا۔

سکندر لودھی خناق کے مرض میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس کا علاج کرایا گیا مگر تکلیف روز بروز بڑھتی چلی

گئی۔ دوران تکلیف میں بادشاہ نے ایک دن اپنے امام شیخ لاڈن کو بلا کر حکم دیا کہ نماز روزہ داڑھی منڈانے

شراب نوشی کرنے اور (غلام اور لونڈیوں کے) کان و ناک کا نٹنے کے کفارے کی رقم کا تعین کر کے مجھے بتاؤ۔

پھر کہا:

خزانہ از بیت المال علیحدہ است از اہل علم و صلحا رساند۔

کہ خزانے سے جو بیت المال سے الگ ہے یہ رقم علماء و صلحا کی خدمت میں پیش کر دی جائے۔

ارض ہند کے اس خادم اسلام بادشاہ نے اٹھائیس سال پانچ ماہ تک بڑے شان و شوکت کے ساتھ

حکومت کی اور ۱۷ ذی القعدہ ۹۲۳ھ (یکم دسمبر ۱۵۱۷ء) کو دارالسلطنت آگرہ میں مرض خناق میں مبتلا ہو کر

وفات پائی۔

مولانا جمالی جو طویل سیر و سیاحت کے بعد سکندر کے دربار میں واپس آ گئے تھے اور مستقل طور پر

دوبارہ اس کی مصاحبت اختیار کر لی تھی بادشاہ کی وفات سے نہایت مغموم ہوئے اور ایک دردناک مرثیہ کہا۔ اس

مرثیے کے چند شعر یہ ہیں:

خلق حیران و پریشانست شہنشاہ چہ شد	ہم برسینہ زنان دست کہ اللہ چہ شد
مہر در آتش غم سوخت شفق خوں بارید	انجم از چرخ فروریخت کہ آں ماہ چہ شد
ظلمت آباد شد آفاق ز شام غم او	یارب آں طلعت خورشید سحر گاہ چہ شد
خون گرہ شد بگوز آہ دم شد مسدود	در غم آنکہ مراہدم و ہمراہ چہ شد
دھک آں فرحت و آں بہجت و آں حل چہ شد	اوخ آں دولت و آں مسند و آں گاہ چہ شد
نیک خواہاں وے ایں لفظہ اجل خواہ شدند	کاں خدادان و خدائین و خدا خواہ چہ شد

ہا تم گفت مپندار کہ او در خاک است

قد مشن ہچو ہمیر بسر افلاک است

## ابراہیم لودھی

سکندر کے بعد اس کے بیٹے ابراہیم لودھی نے باپ کی جگہ لی۔ اس کے زندگی کے وہ پہلو جو ہمارے موضوع سے تعلق رکھتے ہیں اور جن سے اس کے مذہبی و دینی افکار کی کوئی جھلک قارئین کے سامنے آ سکتی ہے، پردہ خفا میں ہیں۔ بہت سے امر اور وسا اور علما و زعماء کو جو سکندر کے زمانے میں بے حد اعزاز و اکرام کے مالک تھے، ابراہیم کے عہد میں مشکوک نگاہوں سے دیکھا جانے لگا اور ان سے ذلیل کن سلوک روا رکھا گیا۔ مولانا جمالی کے بارے میں بھی اس کے دل میں کدورت پیدا ہو گئی تھی۔ انھوں نے سکندر لودھی کی وفات پر جو مرثیہ کہا تھا، اس کا ایک شعر یہ تھا:

اے سلیمان زماں آہ کجائی آخر  
تا کنم پیش تو از فتنہ دیواں فریاد

ابراہیم کے ایک مصاحب فرید نے سلطان سے یہ کہہ دیا کہ اس شعر میں جمالی نے تم کو اور تمام افغانوں کو 'دیو' سے تعبیر کیا ہے۔ بس اس نے یہ بات دل میں بٹھالی۔ جمالی خود لکھتے ہیں:

وآں فرید مذکور ایں بیت را در میان انداخت و سلطان ابراہیم را با افغانان دیگر باز نما سید کہ  
شیخ جمالی شمارا دیو گفته است چنانچہ سلطان را با افغان دیگر بکلی از من مکر ساخت۔

بہر حال امرائے سلطنت سے اس تکدر اور ذہنی رنجش کا نتیجہ یہ ہوا کہ لودھی خاندان کی حکومت میں ضعف و نقاہت کے آثار پیدا ہو گئے اور اس کا تحت حکومت تیزی سے ڈولنے لگا۔ خود لودھی خاندان کے بعض امرائے جن میں دولت خاں لودھی پیش پیش تھا، اس کے خلاف مضبوط محاذ قائم کر لیا۔ اس نے اپنے بیٹے خان خاناں کو ظہیر الدین بابر کے پاس کابل بھیجا تا کہ وہ ہندوستان پر حملہ کر کے ابراہیم لودھی کی حکومت کا خاتمہ کر دے اور اس ملک پر خود قابض ہو جائے۔ مختلف امرائے درمیان کچھ عرصے تک بابر کی مراسلت جاری رہی۔ بالآخر اس نے ہندوستان پر حملہ کر دیا اور پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی اور بابر کی فوجوں کے درمیان گھمسان کارن پڑا اور جمادی الاخری ۹۳۲ھ (اپریل ۱۵۲۶ء) کو ابراہیم لودھی کی فوج کو بابر کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست ہوئی اور خود ابراہیم کو قتل کر دیا گیا۔

سلطان ہند ابراہیم لودھی کی نعش خاک و خون میں لت پت پڑی پانی پت کے میدان میں انقلاب دوراں کا مرثیہ پڑھ رہی تھی۔ اتنے میں جمالی نے آگے بڑھ کر بابر کو مبارک باد دی اور ساتھ ہی یہ شعر پڑھے:

ز افغان فغاں برآمد آن دم کہ شد حسامت اشباح را مخرب ارواح را محصل  
از صدمہ سمندت ہر فیل کوہ پیکر در خاک و خون فرو شد ہچو ہمار و در گل



در حلقہ سپاہت کا مدد و پراز خون چوں نقطہ ز سرخی در چشم گشتہ داخل  
لیکن اس موقع پر خود بابر کی حالت دگرگوں تھی اور وہ اس ہیبت ناک و عبرت خیز منظر کو دیکھ کر لرز رہا  
تھا۔ اس نے خود ابراہیم لودھی کا سر زمین سے اٹھایا اور احترام کے ساتھ دفن کیا۔

در آں ہال عبرت بخش بر خود لرزید، سرا و از خاک برگرفت ①۔

اس عبرت ناک منظر سے خود (بابر) لرز گیا اور اس کا سر خاک میں سے اٹھایا۔

ابراہیم لودھی نے ہندوستان پر نو سال حکومت کی۔ اس کی موت کے ساتھ ہی ارض ہند میں لودھی

خاندان کے ۷۶ سالہ دور حکومت کی بساط ہمیشہ کے لیے الٹ گئی۔ رہے نام اللہ کا!

## بابر

اب ہندوستان کی تاریخ ایک اور ورق الٹی ہے اور یہ ملک لودھی خاندان کے قبضے سے نکل کر مغلیہ  
خاندان کے زیر نگیں آ جاتا ہے۔ اس خانوادے کا پہلا حکمران جس نے باقاعدہ حکومت ہند کی زمام ہاتھ میں لی  
بابر ہے۔ اس کا شجرہ نسب یہ ہے۔ بابر بن عمر بن ابو سعید بن میران شاہ بن تیمور۔ بابر کا باپ شیخ عمر حنفی  
المذہب اور خوش عقیدہ آدمی تھا۔ پانچوں وقت کا نمازی تھا۔ اس کا زیادہ وقت قرآن شریف کی تلاوت میں  
صرف ہوتا تھا۔ خواجہ عبید اللہ احرار کا مرید تھا اور تاریخ کی کتابوں کا دلچسپی سے مطالعہ کرتا تھا ②۔

بابر کے نانا کا نام یونس خاں تھا۔ وہ مولانا شرف الدین یزدی کے صحبت یافتہ علماء و فضلا کی مجالس علمیہ  
میں بیٹھنے والے اور نیک سیرت بزرگ تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت سوز اور قرأت سے کرتے تھے۔ یعنی بابر ماں  
اور باپ دونوں طرف سے علمی گھرانے کا فرد تھا۔ ان دونوں گھرانوں کو بزرگان دین سے ہمیشہ قلبی اور روحانی  
تعلق رہا۔ اس کا نام ظہیر الدین بابر اس دور کے مشہور بزرگ خواجہ عبید اللہ احرار نے رکھا تھا۔

## ولادت اور ابتدائی تعلیم:

بابر کی تاریخ ولادت ۶ محرم ۸۸۸ھ (۱۴ فروری ۱۴۸۳ء) ہے اس نے ابتدائی تعلیم شیخ فرید بیگ بابا  
علی قلی خدائی بیروی بیگ اور خواجہ مولانا قاضی عبداللہ سے پائی۔ وہ اپنے ترک میں اپنے ان اساتذہ کی بہت  
تعریف کرتا ہے۔ علما میں سے وہ مولانا عبدالرحمان جامی، ملا سعد الدین تفتازانی کی اولاد کے ایک بزرگ شیخ  
الاسلام سیف الدین احمد، علم کلام کے ماہر ملا حسن، میر جمال الدین محدث، عربی ادب کے استاد میر عطاء اللہ  
مشہدی اور نامور فقیہ قاضی اختیار کا بے حد مداح ہے اور ان کا ذکر بڑے احترام کے ساتھ کرتا ہے۔

① تاریخ شاہی، ص ۹۸۔

② ترک بابر

## تخت نشینی:

بابر بارہ برس کی عمر میں ۱۵ رمضان ۸۹۹ھ (۱۹ جون ۱۴۹۴ء) کو فرغانہ کا بادشاہ ہوا۔ بڑا باہمت اور انتہائی مستقل مزاج حکمران تھا۔ اس کی زندگی جنگ و قتال اور حرب و ضرب کی ایک طویل داستان ہے۔ حریفوں سے کش مکش کے نتیجے میں اس کو اپنا آبائی وطن چھوڑنا پڑا۔ پھر حالات نے کچھ ایسی کروٹ لی کہ کابل میں حکومت قائم کر لی۔ اسی اثنا میں ابراہیم لودھی کے کئی بااثر امرانے جو اس کے سلوک سے نالاں تھے باہر سے مراسلت کی اور بعض لوگ خود کابل بھی اس کے پاس پہنچے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۹۳۰ھ (۱۵۲۴ء) میں بابر نے ہندوستان کی طرف کوچ کیا اور مختلف واقعات و منازل سے گزرتا اور حالات کے نشیب و فراز کا مقابلہ کرتا ہوا پانی پت کے میدان میں آ رکا۔ اب پانی پت سے چھ کوس کے فاصلے پر بابر اور ابراہیم لودھی کی فوجیں ایک دوسرے کے قریب پڑاؤ ڈالے بیٹھی تھیں۔ بابر کے فوجیوں نے ابراہیم کے لشکر پر شب خون مارنا شروع کیا۔ آخر کار ماہ رجب ۹۳۲ھ (اپریل ۱۵۲۶ء) میں دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے پر اتریں اور لڑائی کے لیے صف آرا ہوئیں۔ ابراہیم لودھی کی فوج ایک لاکھ سوار اور ایک ہزار ہاتھیوں پر مشتمل تھی۔ ادھر بابر کے لشکر میں صرف پندرہ ہزار سوار اور پیادے تھے۔ لڑائی کا آغاز ہوتے ہی صورت حال انتہائی ہولناک ہو گئی اور کشتوں کے پشے لگ گئے۔ الم ناک کی انتہا اس وقت ہوئی جب شاہ ہند ابراہیم لودھی کا سر قلم کر دیا گیا۔ جنگ کی ہولناکی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ملا عبدالقادر بدایونی مصنف منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ اس جنگ کو ختم ہوئے دو قرن (۷۵ سال) گزر گئے لیکن اب تک اس میدان سے بدستور وہ داستان بکس اور بزن کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

۹۹۷ھ (۱۵۸۹ء) میں خود مصنف منتخب التواریخ صبح کے وقت لاہور سے فتح پور سکیری کی طرف جا رہا تھا۔ اس میدان سے گزرا تو یہی ہولناک آوازیں کان میں آئیں۔ جو لوگ ہمراہ تھے سمجھے کہ شاید دشمن آگے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جو سنا تھا وہ خود دیکھا۔ خدا کی قدرت خدا کے حوالے کر کے ہم سب آگے بڑھ گئے۔ اس فتح کے بعد بابر اسی روز دہلی گیا اور اپنے نام کا خطبہ پڑھایا۔ شہزادہ ہمایوں اور دوسرے بڑے امرا کو آگرہ کی طرف جانے کا حکم ہوا۔ ابراہیم کا بہت بڑا خزانہ تھا جو بابر کے ہاتھ آیا اور سپاہیوں میں تقسیم کیا گیا۔

تخت ہندوستان جو اب تک بے شمار بادشاہوں کی داد و دہش کا نظارہ کر چکا تھا، ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی کے قبضے میں آیا، لیکن یہ صرف تخت ہندوستان تھا پور ملک ہندوستان اس کے قبضے میں ابھی نہیں آیا تھا۔ مختلف راجے اور بہت سے حکمران اس وسیع ملک میں موجود تھے ان کے ساتھ بابر کی لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا اور رانا سانگا کے ساتھ اس کی لڑائی کو تو خالص جہاد کا درجہ حاصل تھا اور اس کا مقصد محض اعلائے کلمتہ اللہ

تھا۔ یہ لڑائی ۹۳۳ھ (۱۵۲۷ء) میں ہوئی، اس میں راجپوت ہندوستان کے راجے اور بابر کے حریف لودھی امرا سب شامل تھے۔ ان کی فوج پونے دو لاکھ کے قریب تھی جو بابر کے مقابلے میں پہاڑ کی طرح کھڑی تھی۔ بابر نے اس موقع پر جہاد کا نعرہ بلند کیا۔ اللہ سے فتح کی دعا مانگی اور شراب نوشی اور ریش تراشی ترک کی اور میدان غزائے کوڈ پڑا۔ اللہ نے اسے فتح سے نوازا۔

### شہد ملی افکار:

ہندوستان میں بابر کو جن حالات سے سابقہ پڑا اور وہ جن تکلیف دہ مراحل سے دوچار ہوا، وہ اپنی جگہ نہایت عجیب و غریب ہیں۔ ان کی وجہ سے اس کے عمل و فکر کا دھارا بالکل بدل گیا اور اس کی زندگی کے شب و روز اور ہی قالب میں ڈھل گئے۔ اس نے شراب نوشی ترک کر دی اور ریش تراشی سے تائب ہو گیا۔ اس سے متاثر ہو کر اور بھی بہت سے امیروں اور فوجیوں نے ان عیوب سے توبہ کی اور اپنا رشتہ و تعلق اللہ سے وابستہ کر لیا۔

### ذوق شعری اور تصانیف:

بابر بہت سے اوصاف و کمالات کا مالک تھا۔ وہ نہایت متمحل مزاج اور نرم خوی بادشاہ تھا۔ خطا کار کو معافی دینے اور اس پر اعتماد کرنے میں بڑا فراخ حوصلہ تھا۔ وہ بہترین شاعر بھی تھا۔ اس کا دیوان شاہی کتب خانہ رام پور میں موجود ہے۔

اس نے ۹۲۸ھ (۱۵۲۲ء) میں ایک مثنوی ”مبین“ اپنے لڑکے کامران کے لیے لکھی، جو مذہبی، فقہی اور اخلاقی مسائل کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب دو ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کو ”فقہ مبین“ اور ”فقہ بابر“ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کی شرح شیخ زین الدین نے مبین کے نام سے تحریر کی۔

بابر کی یہ شدید خواہش تھی کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کی جائے جو مسائل شرعیہ کو محیط ہو۔ اس کے لیے اس نے حکم بھی جاری کیا۔ بعد ازاں شیخ نور الدین خوانی نے اس اہم کام کی انجام دہی کی ذمہ داری قبول کی جو شیخ زین الدین خوانی کی اولاد سے تھے۔ انھوں نے ہرات میں نشوونما پائی، شیخ الاسلام سیف الدین احمد کے شاگرد تھے جو ملا سعد الدین تفتازانی کی اولاد سے تھے۔ انھوں نے مستند روایات و کتب سے مسائل شرعیہ کو ضبط تحریر میں لانا شروع کیا اور ہدایہ، شرح وقایہ، شرح مختصر وقایہ، کافی، فتاویٰ قاضی خان اور خزانہ وغیرہ کتب فقہ کی مدد سے ایک کتاب تیار کی، جس کا نام فتاویٰ بابر رکھا۔

بابر نے اپنے مرشد خواجہ عبید اللہ احرار کے ایک منظوم رسالہ ”والدیہ کا“ ترکی میں قیام ہند کے زمانے میں ۹۳۵ھ (۱۵۲۹ء) کو ترجمہ کیا۔

رسائل عروض کے نام سے ترکی شاعری کے عروض پر ۹۳۳ھ (۱۵۲۷ء) میں ایک رسالہ لکھا۔ ۹۱۵ھ

(۱۵۰۹ء) کو اس نے اپنے ایک ہم جلیس خواجہ کلاں کو قلعہ بجور کی نگرانی کے لیے بھیجا۔ اس کی جدائی سے پریشان ہو کر اس کو یہ قطعہ لکھا:

قرار و عہد بیار ایں چنین نبود مرا گرید ہجر و مرا کر دے قرار آخر  
 بہ عشور ہائے زمانہ چہ چارہ ساز و کس بجور کرد جدا یار را از یار آخر  
 آخری مصرعے میں قلعہ بجور کی رعایت سے لفظ جور نے قطعے میں خاص ادبی لطف پیدا کر دیا ہے۔  
 پانی پت کی لڑائی کے موقع پر بابر کو غیر ملکیوں سے واسطہ پڑا تو اجنبی ماحول اور اجنبی زبان سے وہ  
 خود بھی پریشان ہوا اور اس کے ساتھ بھی بہت حیران ہوئے تو اس نے یہ شعر کہا:

شدہ جمعے و بود جمعے پریشان  
 گرفتار قوے و قوے عجائب

بیانہ کا قلعہ فتح کیا تو اس کے حاکم نظام خاں کو وفاداری کے وعدہ و قرار پر قائم رہنے کی تاکید کی اور یہ  
 قطعہ لکھ بھیجا۔ اس میں بیانہ کی رعایت سے لفظ بیان قابل ملاحظہ ہے:

ستیزہ مکن اے میر بیانہ چالاکی و مردانگی ترک عیان است  
 گر زود نیائی و نصیحت نہ کنی گوش آنجا عیاں است چہ حاجت بہ بیان است

بابر نے اپنی جودت طبع سے ایک خاص خط ایجاد کیا، جس کا نام خط بابر ہی تھا۔ اس خط میں قرآن مجید  
 لکھ کر مکہ معظمہ بھیجا۔ اس خط کے بارے میں بدایونی لکھتا ہے:

واز جملہ غرائب و اختراعات آن شاہ مغفرت پناہی خط بابر است کہ مصحفی بداں خط نوشتہ و بمکہ فرستادہ ①۔

عہد بابر کے علما و فضلا:

عہد بابر کے چند معروف علمائے دین کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

شیخ زین الدین: صدر کے عہدے پر فائز تھے اور معقولات و منقولات کے عالم تھے۔ رانا سانگا پر بابر  
 نے فتح پائی تو اس خوشی میں مسلمانوں سے محصول لینا معاف کر دیا تھا۔ اس کے لیے شیخ زین الدین ہی نے  
 فرمان لکھا جو تمام ملک میں بھیجا گیا۔

مولانا شہاب الدین معمری: قرآن و حدیث پر وسیع نظر رکھتے تھے۔ شاعر بھی تھے۔ حقیر تخلص کرتے  
 تھے۔ معمر گوئی میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد علمائے کرام اور اصحاب فن دربار بابر میں موجود تھے۔

## کتب خانہ:

بابر کا کتب خانہ متنوع کتابوں پر مشتمل تھا۔ وہ سفر و حضر میں اسے ساتھ رکھتا تھا۔ ۹۳۰ھ (۱۵۲۳ء) میں وہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو لاہور کے قریب غازی خاں سے تصادم کی نوبت آئی۔ غازی خاں کو شکست ہوئی تو بابر قلعے میں داخل ہوا۔ وہاں سے بے شمار دولت اس کے ہاتھ آئی۔ لیکن بابر کے نزدیک سب سے قیمتی سرمایہ غازی خاں کا کتب خانہ تھا۔ غازی خاں بڑا علم دوست تھا۔ شاعری کا بھی اعلیٰ مذاق رکھتا تھا۔ اس نے ہر قسم کی عمدہ اور خوش خط لکھی ہوئی کتابیں جمع کر رکھی تھیں۔ بابر نے ان کتابوں میں سے کچھ اپنے لیے مخصوص کیں، کچھ شہزادہ ہمایوں کو دیں اور کچھ کامران کے لیے کابل بھیج دیں۔

## وصیت:

بابر انتہائی بہادر، معاملہ فہم، منصف، نیک سیرت، تدبیر حرب کا ماہر، صاف ذہن اور عقل مند بادشاہ تھا۔ فضا سے مستقبل کے آثار تلاش کر لینے اور لوگوں کے چہروں سے ان کے دلوں کی بات پڑھ لینے میں اسے کمال حاصل تھا۔ اس کا اندازہ اس کی وصیت سے ہو سکتا ہے جو اس نے اپنے بیٹے ہمایوں کو کی۔ ہمایوں چوں کہ آگے چل کر اس ملک کی زمام حکومت ہاتھ میں لینے والا تھا، اس لیے یہ وصیت اپنے اندر بڑی اہمیت رکھتی ہے اور اس سے پتا چلتا ہے کہ بابر اس ملک کے باشندوں کی ذہنی و فکری خصوصیات پر کس طرح حاوی ہو گیا تھا۔

فرزند من! ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ اس نے تمہیں اس ملک کا بادشاہ بنایا ہے۔ اپنی بادشاہی میں تمہیں حسب ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

① مذہبی تعصب کو اپنے دل میں ہرگز جگہ نہ دینا، بلکہ لوگوں کے مذہبی جذبات اور مذہبی رسوم کا کامل احترام کرنا اور کسی رورعایت کے بغیر سب کے ساتھ پورا انصاف کرنا۔

② گاؤ کشی سے بالخصوص پرہیز کرو، تاکہ اس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں تمہارے لیے عزت و احترام کی جگہ پیدا ہو جائے اور اس طرح وہ احسان اور شکر پے کے سبب سے تمہارے مطیع ہو جائیں۔

③ تمہیں کسی قوم اور اہل مذہب کی عبادت گاہ مسمار نہیں کرنی چاہیے اور ہمیشہ سب کے ساتھ پورا انصاف کرنا چاہیے۔ تاکہ بادشاہ اور رعیت کے تعلقات دوستانہ بنیادوں پر استوار ہوں اور ملک میں

امن و امان رہے۔

④ اسلام کی اشاعت، ظلم و ستم کی تلوار کے بجائے لطف و احسان کی تلوار سے زیادہ بہتر طریق سے ہو سکے گی۔

⑤ شیعہ سنی اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کرتے رہو۔ اس کو اہمیت دینے سے اس ملک میں اسلام کی جڑیں کمزور ہوں گی۔

۶ اپنی رعایا کی مختلف خصوصیات کو سال کے مختلف موسم سمجھوتا کہ حکومت ضعف و اضمحلال کے مرض سے محفوظ رہ سکے ①۔

بابر کے بارے میں مورخین کی یہ رائے بہت حد تک قرین صواب ہے کہ وہ تمام اوصاف کا حامل ہونے کے باوجود مدبر نہ تھا۔ اس نے اپنے زمانہ بادشاہت میں نہ تو افغانستان میں اصلاحات کی طرف توجہ کی نہ ہندوستان میں۔

## وفات:

بابر نے ۵ جمادی الاولیٰ ۹۳۷ھ (۲۵ دسمبر ۱۵۳۰ء) کو انتقال کیا۔ اس نے کل پچاس برس عمر پائی۔ بارہ سال کی عمر میں تاج شاہی سر پر رکھا۔ اڑتیس برس حکومت کی جس میں پانچ برس ہندوستان کے زمانہ حکومت کے بھی شامل ہیں۔

بابر کے حالات تو زک بابر، منتخب التواریخ، اکبر نامہ، طبقات اکبری، مآثر رحیمی، منتخب اللباب، سیر المتاخرین اور تاریخ فرشتہ وغیرہ کتب تاریخ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

## ہمایوں

بابر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نصیر الدین محمد ہمایوں ہندوستان کا تخت نشین ہوا۔ اس کی ولادت ۲ ذی القعدہ ۹۱۳ھ (۶ مارچ ۱۵۰۸ء) کو کابل کے قلعے میں ہوئی۔ اس نے حکومت وسطوت کی گود میں پرورش پائی اور بادشاہوں کی اولاد کی طرح فنون جنگ اور اصول حرب میں مہارت پیدا کی۔ ترکی، فارسی، علم ہیئت، ہندسہ، نجوم، شعر اور معما گوئی میں ماہر تھا۔ رصد گاہیں تعمیر کرنے میں پوری دست گاہ رکھتا تھا۔ شیخ جلال الدین ٹھٹھوی سندھی، شیخ ابوالقاسم جرجانی، مولانا الیاس اردبیلی، نور الدین سفیدونی اور علامہ قطب الدین رازی سے مختلف علوم و فنون کی تحصیل کی۔ ہمایوں کا زیادہ وقت مطالعہ کتب میں صرف ہوتا تھا۔

ہمایوں نے اپنے باپ کی وفات کے بعد ۹ جمادی الاولیٰ ۹۳۷ھ (۲۹ دسمبر ۱۵۳۰ء) کو آگرہ میں ادھر ہندوستان کا تاج شاہی سر پر رکھا اور ادھر مخالفتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کے بھائی بھی مخالفتوں کی فہرست میں شامل تھے۔ لیکن مخالفین کے مقابلے میں ہمایوں کا رویہ فراخ دلانہ تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ مخالفتوں میں سے کچھ لوگ والی گجرات سلطان بہادر سے جا ملے تھے۔ ہمایوں نے بار بار سلطان بہادر کو خط لکھ کر ان کی واپسی کا مطالبہ کیا مگر اس نے ہمیشہ نفی میں جواب دیا اور ہمایوں کے خطوں کو کوئی اہمیت نہ دی۔ مجبوراً ہمایوں کو تنخیر گجرات کا ارادہ کرنا پڑا۔ اس کے لیے وہ آگرہ سے روانہ بھی ہو گیا، مگر جب اسے معلوم ہوا

① رود کوثر، ص ۲۳، بحوالہ ترجمہ از انڈین اسلام (ٹائیٹس) اس وصیت کی ایک نقل سٹیٹ لائبریری بھوپال میں موجود ہے۔

کہ سلطان بہادر خود چتوڑ کا محاصرہ کیے بیٹھا ہے تو وہ سارنگ پور میں رک گیا اور اس کے اخلاقی شجاعت نے اجازت نہ دی کہ ایسے وقت میں جب کہ سلطان بہادر چتوڑ کے محاصرے میں مصروف اور دشمن سے برسریکا رہے اس پر فوج کشی کی جائے۔ اس کو دشمن سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کر لینا ہمایوں نے شیوہ مردانگی کے خلاف گردانا۔ یوں تو ہمایوں کے مخالفوں اور حریفوں کی فہرست بڑی وسیع ہے، لیکن تاریخ ہند اس کے جس حریف کا بہت بڑے عنوان کے ساتھ ذکر کرتی ہے اور اس کے بوقلموں نقوش حکمرانی کو اپنے صفحات میں نمایاں طور سے پیش کرتی ہے وہ شیر خاں سوری ہے۔ شیر خاں معمولی حیثیت سے ترقی کر کے یہاں تک پہنچا کہ اس نے ہندوستان کے عظیم فاتح بابر کے بیٹے شہنشاہ ہند ہمایوں کے ساتھ پنجہ آزمائی کی۔ شیر خاں نے ہمایوں کے بھائیوں کو بھی اس کے مقابلے میں لاکھڑا کیا اور آسانی کے ساتھ انھیں اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گیا۔ ہمایوں کو تمام اطلاعات برابر پہنچ رہی تھیں لیکن اس کی عادت تھی کہ لڑنے پر آتا تو مسلسل لڑتا ہی رہتا اور کئی کئی مہینے میدان جنگ میں گزر جاتے۔ آرام کرنے لگتا تو ایک مدت آرام ہی میں گزار دیتا۔ جب اس کو اطراف ملک سے مسلسل کئی قسم کی خطرناک خبریں ملنے اور شیر خاں کی سرگرمیوں کی پیہم اطلاعات پہنچنے لگیں تو اس نے آگرہ سے حرکت کی اور مختلف مقابلے اور محاربے کرتا ہوا بنگال جا پہنچا۔ ہمایوں کی اس پیش قدمی کی خبر شیر خاں کو ملی تو اس نے جھاڑ کھنڈ کے راستے سے یلغار کی اور قلعہ رہتاس کے دروازے پر جا دستک دی۔ شیر خاں نے رہتاس کے راجے سے درخواست کی کہ پردہ نشین عورتیں میرے ساتھ ہیں، آپ کا قلعہ بہت مضبوط اور محفوظ ہے۔ میں ان عورتوں کو اس قلعے میں چھوڑنا چاہتا ہوں۔ رہتاس کا راجا لالچ میں آ گیا۔ اس نے اس خیال سے کہ عورتوں کا مال و دولت ہاتھ آئے گا، اجازت دے دی اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ شیر خاں نے پردہ دار ڈولوں میں دو ہزار مسلح سپاہیوں کو بٹھا کر قلعے کے اندر بھیج دیا۔ جب ڈولے رکھے گئے تو بجائے عورتوں کے خون خوار سپاہی تلواریں سونت کر باہر نکل آئے اور قلعے کے محافظوں اور مہینوں کو تلوار کی دھار پر رکھ لیا۔ اس طرح شیر خاں آسانی سے قلعے پر قابض ہو گیا۔

ہمایوں بنگال سے واپس آیا تو راستے میں شیر خاں گھات لگائے بیٹھا تھا اور اس اثنا میں اس نے کافی فوج بھی جمع کر لی تھی۔ ہمایوں کے لشکر کی بے سروسامانی کا علم بھی شیر خاں کو ہو چکا تھا۔ جو سہ کے مقام پر شیر خاں کی فوج نے آگے بڑھ کر شاہی لشکر کا راستہ روک لیا۔ دریائے گنگا کی شاخ رماہی ندی برسات کے پانی سے لبریز چل رہی تھی۔ اس ندی کے دونوں کناروں پر فریقین نے مورچے جما لیے۔ تین ماہ تک برابر لڑائی ہوتی رہی، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ایک روز ہمایوں نے ملا عزیز کو شیر خاں کے پاس صلح کا پیغام دے کر بھیجا۔ ان سے شیر خاں پہلے سے متعارف تھا۔ وہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ سخت گرمی میں شیر خاں آستین چڑھائے اور پھاوڑہ ہاتھ میں لیے خندق کھود رہا ہے اور پسینے سے شرابور ہے۔ ملا محمد عزیز کو دیکھ کر اس نے ہاتھ دھوئے۔ ان کے لیے شامیانہ نصب کرایا اور خود بلا تکلف وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ جب بادشاہ کا پیغام سن چکا تو جواب میں کہا:

”میری طرف سے ہمایوں بادشاہ کو اتنا جا کر کہہ دیجیے کہ تم خود لڑنا چاہتے ہو لیکن تمہارا لشکر

لڑنے پر رضامند نہیں اور میں لڑنا نہیں چاہتا مگر میرا لشکر لڑائی پر مصر ہے۔“

اس سے کچھ دن بعد خود شیر خاں نے شیخ خلیل کو ہمایوں کے پاس بھیجا۔ شیخ خلیل ایک مشہور بزرگ تھے جو شیخ فرید الدین شکر گنج کی اولاد سے تھے اور شیر خاں کے پیر تھے۔ شیر خاں نے ان سے کہا، وہ بادشاہ سے کہہ دیں کہ میں بنگال کے سوا اور کسی علاقے سے سروکار نہیں رکھتا۔ اگر یہ علاقہ مجھے دے دیا جائے تو وہاں بھی خطبہ اور سکہ بادشاہ کے نام کا ہوگا۔ کہتے ہیں اس نے یہ عہد حلف اٹھا کر کیا۔ ہمایوں اس پر اعتماد اور یقین کر کے صلح پر رضامند ہو گیا اور پوری طرح مطمئن ہو کر ندی پر پل باندھنے کا حکم دیا تا کہ دوسرے دن صبح کو کوچ کیا جائے۔ لیکن شیر خاں کا یہ پیغام صلح محض دھوکا تھا۔ اس نے دوسرے روز علی الصبح شاہی لشکر پر اچانک حملہ کر دیا۔ ہمایوں کی فوج بالکل بے خبر تھی۔ پریشانی میں اس کو صف آرائی کا موقع بھی نہ ملا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شیر خاں کے ایک ہی حملے سے ہمایوں شکست کھا گیا۔ جو پل اس نے ندی عبور کرنے کے لیے تیار کرایا تھا، پٹھانوں نے توڑ دیا اور ان کے توپچیوں اور تیراندازوں نے کشتیوں میں بیٹھ کر ہمایوں پر گولوں اور توپوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس ناگہانی حملے میں ہمایوں کے بہت سے ساتھی مارے گئے۔ بادشاہ نے گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ جب ڈوبنے لگا تو ایک سقے نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کی مدد کی اور دریا پار کرایا۔ اس وقت شیر خاں نے یہ شعر کہا:

فرید حسن را تو شاہی دہی

سپاہ ہمایوں بہ ماہی دہی

اس کے استاد نے اس کو اس طرح اصلاح دی:

یکے را بر آری و شاہی دہی

سپاہ ہمایوں بہ ماہی دہی

یہ واقعہ ۹۴۶ھ (۱۵۳۹ء) میں پیش آیا۔

اس کے بعد شیر خاں نے بنگال کے علاقے پر فوج کشی کی اور متعدد لڑائیوں کے بعد سارا بنگال اس کے قبضے میں آ گیا۔ وہاں اس نے اپنے نام کا خطبہ پڑھا اور شیر شاہ کے خطاب سے تخت نشین ہو گیا۔ اس سے اگلے سال شیر شاہ نے بہت بڑی تیاری کے ساتھ آگرہ کا عزم کیا۔ اب ہمایوں کے بھائی اور بعض امراء سلطنت دہنی اور عملی طور پر ہمایوں کے مزید مخالف ہو گئے تھے اور شیر شاہ کو یہ خبریں برابر موصول ہو رہی تھیں جس سے اس کا حوصلہ بہت بڑھ گیا تھا۔ تاہم شیر شاہ کے حملے کی اطلاع پا کر ہمایوں مقابلے کو نکلا۔ لیکن بھائیوں کی بے وفائی کی وجہ سے پھر نا کامی کا منہ دیکھنا پڑا اور عین میدان جنگ میں ہمایوں کے ساتھیوں نے راہ فرار اختیار کی۔ مجبوراً بادشاہ نے گھوڑا گنگا میں ڈال دیا اور پانی کے شدید بہاؤ میں پشت کی طرف سے دریا میں گر



پڑا۔ اس وقت شمس الدین محمد غزنوی نے مدد کی اور بادشاہ کو دریا عبور کرایا۔ وہاں سے ہمایوں آگرہ گیا، مگر شیر شاہ برابر اس کے تعاقب میں چلا آ رہا تھا، اس لیے وہ وہاں بھی نہ ٹھہر سکا اور فوراً پنجاب چلا گیا۔ یہ واقعہ ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ء) میں پیش آیا۔

ہمایوں نے لاہور پہنچ کر آئندہ اقدام کے بارے میں غور کرنا شروع کیا۔ مگر بھائیوں میں سخت پھوٹ پڑ چکی تھی۔ آخر فیصلہ ہوا کہ کشمیر فتح کیا جائے تاکہ بادشاہ وہاں چلا جائے۔ چنانچہ شاہی فوج اور بعض کشمیریوں کی مدد سے ۲۲ رجب ۹۴۷ھ (۲۲ نومبر ۱۵۴۰ء) کو کشمیر پر قبضہ کر لیا گیا۔ اسی اثنا میں پتا چلا کہ شیر شاہ نے پنجاب کا رخ کر لیا ہے اور اس کی فوجیں لاہور سے صرف بتیس کوس دور رہ گئی ہیں۔ یہ سن کر ہمایوں دریائے راوی عبور کر کے لاہور سے نکل گیا۔ اس وقت محدود تعداد پر مشتمل فوج اس کے ساتھ تھی اور وہ اپنی حاملہ بیوی کے ساتھ اونٹ پر سوار تھا۔ اس قافلے کا رخ علاقہ سندھ کی طرف تھا۔ عمر کوٹ پہنچے تو ۵ رجب ۹۴۹ھ (۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء) کو شہزادہ اکبر پیدا ہوا۔ یہ لوگ راستے میں علاقائی حکمرانوں سے لڑتے جھگڑتے اور بھوک پیاس کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے سندھ عبور کر کے ایران جا پہنچے۔ وہاں سے شاہ طہماسپ صفوی سے مدد لے کر ہمایوں نے قندھار اور کابل پر حملہ کیا اور ان شہروں کو فتح کرنے کے بعد وہاں ایک مضبوط فوج منظم کی اور پھر ہندوستان پر حملہ کر کے اسے دوبارہ فتح کیا۔

یہ ہمایوں کے لیے سخت آزمائش اور مصیبت کا دور تھا۔ ہندوستان کی وسیع سرزمین اس کے لیے تنگ ہو گئی تھی۔ شیر شاہ مسلسل اس کے تعاقب میں لگا ہوا تھا اور اس کو کہیں ٹھہرنے اور قدم جمانے کا موقع نہ ملتا تھا۔ مگر اس نے ہمت نہیں ہاری اور ہندوستان پر حملے اور قبضے کی تیاریوں میں مصروف رہا۔ آئندہ سطور میں شیر شاہ سوری اور اس کے خاندان کے ان افراد کا ذکر کیا جائے گا جو ہمایوں کے بعد تخت ہند پر متمکن ہوئے۔ اس کے بعد پھر ہمایوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔ ہمایوں کا برصغیر میں یہ پہلا دور حکومت ہے جو دس سال ۹۳۷ھ تا ۹۴۷ھ (۱۵۳۱ء تا ۱۵۴۰ء) پر مشتمل ہے۔

## شیر شاہ سوری

ہندوستان کی تاریخ اب ایک اور شخص کو ابھارتی اور اس ملک کے بادشاہ کی حیثیت سے سامنے لاتی ہے۔ وہ ہے شیر شاہ سوری! شیر شاہ کا اصل نام فرید خاں تھا۔ اس کے باپ کا نام حسن اور دادا کا ابراہیم تھا۔ ابراہیم درحقیقت افغانستان کے علاقہ رن کارہنے والا تھا اور وہاں کے سور خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ سلطان بہلول لودھی کے عہد حکومت میں ہندوستان آیا اور اس کے لشکر میں ملازم ہو گیا اور عرصے تک حصار فیروزہ اور نارنول میں کار پرداز رہا۔ ابراہیم کی وفات کے بعد اس کے بیٹے حسن نے سلطان سکندر لودھی کے ایک امیر

جمال خاں کی ملازمت اختیار کر لی۔ اسے جمال خاں کی طرف سے سہسرام اور خواص پور، قلعہ رہتاس کے ماتحت پرگنے جاگیر میں ملے۔ پانچ سو سوار اس کی نگرانی اور ماتحتی میں خدمات انجام دیتے تھے۔ حسن کے آٹھ بیٹے تھے جن میں ایک فرید خاں تھا۔ جاگیر کی تقسیم اور انتظام کے سلسلے میں فرید خاں کی باپ اور بھائیوں سے چپقلش ہو گئی اور اس نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کی جون پور کی راہ لی۔ جون پور اس زمانے میں مرکز علم و فضل تھا۔ وہاں اس نے طالب علمی کی زندگی اختیار کر لی۔ مشہور اساتذہ سے کافیہ اور اس کی شرح (مصنفہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی) سکندر نامہ، گلستاں، بوستاں اور دوسری درسی کتابیں باقاعدہ سبقاً سبقاً پڑھیں۔ اس کے اوقات جون پور کے مدرسوں اور خانقاہوں میں گزرتے تھے جہاں وہ علما و صلحا سے استفادہ کرتا، اپنی قابلیت بڑھاتا اور فکر و ذہن کی تربیت و اصلاح کے سامان بہم پہنچاتا تھا۔

اس کے بعد باپ سے صلح ہو گئی اور اسے جاگیروں کے انتظام و انصرام پر مامور کر دیا گیا۔ اپنی اس عمل داری کے زمانے میں فرید خاں نے بڑے عدل و انصاف اور حسن انتظام کا ثبوت دیا اور عقل مندی وزیر کی سے اپنے حریفوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس کا یہ انتظامی دور بہت مختصر رہا اور بعض معاملات میں باپ سے پھر اختلاف پیدا ہو گیا۔

اب سلطان ابراہیم لودھی کا دور حکومت تھا۔ فرید خاں آگرہ چلا گیا اور وہاں سلطان کے ایک سردار دولت خاں کی ملازمت اختیار کر لی۔ ایک روز اس نے ابراہیم لودھی سے اپنے باپ (حسن) کی شکایت کی۔ سلطان نے خفگی کا اظہار کیا اور کہا: ”یہ تو بہت غلط آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس کا باپ اس سے ناراض ہے اور یہ الٹا اس کی شکایت کرتا ہے۔“

کچھ عرصے بعد حسن وفات پا گیا تو دولت خاں نے اس کی جاگیر کے پرگنے فرید خاں کو واپس دلا دیے اور وہ خاصی مدت تک جاگیروں ہی میں رہا۔ لیکن بھائیوں سے مخالفت کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔ بعد ازاں بہار چلا گیا اور سلطان محمد خاں کا ملازم ہو گیا، جس نے سلطان ابراہیم لودھی کے قتل کے بعد بہار میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی اور اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر لیا تھا۔ ایک دن فرید نے سلطان محمد خاں کی رکاب میں شیر کا شکار کیا۔ اس کی بہادری سے متاثر ہو کر سلطان نے اس کو ”شیر خاں“ کا خطاب عطا کیا اور یہ فرید خاں کے بجائے شیر خاں کے نام سے مشہور ہو گیا۔

اب شیر خاں انقلاب احوال سے دوچار اور حالات کے نشیب و فراز سے گزرتا ہوا بابر کے دربار میں جا پہنچا اور سلطان جنید برلاس کی سفارش سے جو بابر کی طرف سے مانگ پور اور کڑہ کا حاکم تھا، شاہی ملازمین کی سلک میں منسلک ہو گیا۔ ایک مرتبہ بابر چندیری کے سفر پر روانہ ہوا تو شیر خاں اس کے ہم رکاب تھا۔ شیر خاں ذہین اور تیز فہم آدمی تھا۔ اس سفر میں اس کو اندازہ ہوا کہ مغل حکمران امور مملکت اور ملک میں بنیادی اصلاحات کے نفاذ کی ضرورت سے بے پروا ہے اور اس کے عمال حکومت رشتہ تو لے کر لوگوں کے معاملات کو بگاڑنے میں لگے ہوئے

ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر شیر خاں کو یقین ہو گیا کہ مغلوں سے بادشاہت چھین لینا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے، بس کمر ہمت باندھ لینے ضرورت ہے۔ چنانچہ اس وقت سے وہ حصول اقتدار کی تدبیروں میں لگ گیا۔ ایک روز بابر نے کھانا کھاتے وقت دسترخوان پر شیر خاں کی کوئی گستاخانہ اور خلاف ادب حرکت دیکھی تو ایسے الفاظ استعمال کیے جن سے شیر خاں کی مخالفت کا اظہار ہوتا تھا۔ اہل مجلس نے بھی موقع پا کر شیر خاں کی خود سری اور باغیانہ خیالات بابر کے گوش گزار کیے۔ شیر خاں خوف زدہ ہو کر شاہی لشکر سے بھاگ گیا اور واپس اپنی جاگیر میں چلا گیا۔ تاہم اس اثنا میں وہ آرام سے نہیں بیٹھا۔ مختلف امرا و حکام سے ملنے اور تعلقات بڑھانے میں مصروف رہا۔

پھر ہمایوں تخت نشین ہوا تو شیر خاں اس سے بھی ملا۔ بعد کو بعض معاملات میں اس سے شدید اختلاف پیدا ہو گیا اور نوبت لڑائی تک پہنچی۔ لڑائی میں بھائیوں اور ساتھیوں کی بے وفائی اور شیر خاں کے حسن تدبیر سے ہمایوں کو شکست کھا کر ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ء) میں راہ فرار اختیار کرنا پڑی اور شیر خاں نے شیر شاہ کا لقب اختیار کر کے ہندوستان کا تاج شاہی سر پر رکھا۔ یہ ہے اس کے زمام اقتدار ہاتھ میں لینے اور ہندوستان کے تخت حکومت پر قابض ہونے کا مختصر پس منظر۔ اس میں واقعات کی اور بھی متعدد کڑیاں ایک دوسری سے ملی ہوئی ہیں مگر ہم اس سے تعرض کیے بغیر جلد آگے بڑھنا چاہتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ اب برصغیر کی تاریخ بادشاہت نے سوری خاندان کے لیے اپنا دروازہ کھول دیا اور نہایت شان و شوکت کے ساتھ آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔

## شیر شاہ سوری کا دور حکمرانی:

شیر شاہ بڑا مدبر عالم و فاضل، علما کا دوست و ہمدرد اور عادل و منصف بادشاہ تھا۔ اس نے ملک میں باقاعدہ اصلاحات جاری کیں اور اپنی قلمرو کو نظم و نسق کی مضبوط لڑی میں پر دیا۔ رعایا کا بدرجہ غایت خیر خواہ تھا اور اس کو ہر اعتبار سے آرام و آسائش بہم پہنچانے کے لیے کوشاں رہتا تھا۔ اس نے بنگال سے لے کر اٹک تک جو پورے چار ماہ کا راستہ تھا، ایک عظیم شاہراہ بنائی، جو پندرہ سو کوس لمبی تھی، اس میں آگرہ سے لے کر مانڈو تک ہر کوس پر ایک سرائے، مسجد اور پختہ کنواں تعمیر کرایا اور ہر مسجد میں ایک امام اور مؤذن مقرر کیا۔ پانی کی بہم رسانی کے لیے مختلف مقامات پر سقے مقرر کیے۔ ہندوؤں کے لیے ہندو سقے کا علیحدہ انتظام کیا۔ اس طویل شاہراہ پر دورویہ درخت لگائے گئے تاکہ مسافر دھوپ سے محفوظ رہیں۔ راستوں کی مسافت کا اندازہ کرنے کے لیے میل نصب کرائے۔

اس نے اپنی مملکت میں دیانت دار قاضی اور منصف مقرر کیے۔ اس کے عدل و انصاف کی شہرت ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی تھی۔ بدایونی کے الفاظ ہیں کہ بڑھیا بھی اگر جنگل میں سونے کا تھال اچھالتی ہوئی چلی جاتی، تو کسی کو مجال نہ تھی کہ اسے ٹیڑھی نظر سے دیکھے۔ بدایونی منتخب التواریخ میں اس کی معدلت گستری کی تعریف میں لکھتا ہے: ”میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ میری پیدائش ماہ ربیع الثانی ۹۴۷ھ (اکتوبر

۱۵۴۰ء) میں اس عادل بادشاہ کے زمانے میں ہوئی۔“

شیرشاہ جنگی تدبیروں کا ماہر تھا اور حزم و احتیاط کے ساتھ میدان جنگ میں اترتا تھا۔ وہ عموماً مقابلے کی بجائے حکمت عملی سے لڑائی جیتنے کا خواہاں ہوتا۔

اس کے دور حکمرانی کو برصغیر میں زریں دور سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن اس کو اطمینان سے حکومت کرنے کا موقع نہ ملا۔ پوری زندگی ہنگاموں میں گزری، حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں آئی تو عمر ڈھل چکی تھی۔ وہ آئینہ دیکھ کر کہا کرتا تھا، ”افسوس ہے مجھے اس وقت حکومت ملی جب میری زندگی کی شام ہو چکی تھی۔“

شیرشاہ کے زمانے میں حرین شریفین کا سفر انتہائی دشوار گزار اور خطرناک تھا۔ ڈاکوؤں اور لٹیروں نے راستے روک رکھے تھے اور حجاج کے قافلے خطرات میں گھرے رہتے تھے۔ شیرشاہ حجاج کے راستوں کو لٹیروں سے محفوظ کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا اور اس ضمن میں شاہ روم سے گفتگو کر کے کسی آخری نتیجے پر پہنچنے کا خواہاں تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہر ملک کے مسلمان بادشاہ اس میں تعاون کریں اور مشترکہ طور سے ایک شاہراہ امن بنائیں۔ وہ مشہور عالم دین سید رفیع الدین محدث کو اپنا وکیل و نمائندہ بنا کر حرین شریفین بھیجنے کا ارادہ بھی رکھتا تھا، لیکن دست اجل نے اس کی مہلت نہ دی۔

اس نے بندوبست اراضی کا اہتمام کیا اور زمینداروں اور مزارعوں سے غیر ضروری مالیہ کی وصولی کا سلسلہ ختم کیا۔ تاجروں کو محصولات کی کثرت سے نجات دلائی۔

علاء الدین خلجی کے بعد یہ برصغیر کا پہلا بادشاہ تھا جس نے ملک میں بنیادی اصلاحات جاری کیں اور فوج اور دیگر محکموں کو اس دور کے جدید تقاضوں کے مطابق منظم کیا۔ وہ علما کی بے حد قدر کرتا اور دینی معاملات میں ان سے مشورے لیتا تھا۔ اس کے عہد حکومت کے علمائے کرام کے حالات کتاب کے آئندہ اوراق میں مرقوم ہیں۔

اس نے مختلف امور کی انجام دہی کے لیے اپنے اوقات شب و روز کو چند حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ کچھ حصے عبادت کے لیے، کچھ عدل و قضا کے لیے اور کچھ اصلاح عسا کر کے لیے مخصوص تھے۔ اس کا معمول تھا کہ رات کے تیسرے حصے میں بیدار ہو جاتا، غسل کر کے نماز تہجد پڑھتا اور وظائف و اوراد میں مصروف ہو جاتا۔ پھر مختلف محکموں کے حسابات دیکھتا اور متعلقہ حکام و امرا سے گفتگو کر کے اس دن کے ضروری اور اہم امور کے سلسلے میں ان کو ہدایات دیتا۔ بعد ازاں نماز فجر جماعت کے ساتھ ادا کرتا اور وظائف میں مشغول ہو جاتا۔ نماز و وظائف سے فارغ ہونے کے بعد امرا سے گفتگو کرتا، پھر نماز اشراق پڑھتا۔ بعد ازاں اہل حوائج سے ان کی ضروریات سے متعلق گفتگو کرتا اور انھیں ضرورت کی چیزیں مثلاً گھوڑے، سامان ضروری اموال وغیرہ عطا کرتا۔ پھر مظلومین و مستحقین کی طرف عنان توجہ مبذول ہو جاتی، ان کی داد رسی و حق رسی کے لیے مناسب احکام جاری کیے جاتے۔ اہل عسا کر کو وہ بالخصوص مرکز توجہ ٹھہراتا تھا۔ عسکری نظام کو مضبوط بنانے کے لیے وہ اس کے

عہدہ داروں سے انتہائی تفصیل سے گفتگو کرتا۔ پھر امر اور سفر اور وکلایں سلطنت کو شرف باریابی بخشا اور ضروری احکام جاری کرتا۔ ڈاک خود پڑھتا اور اس کے جواب لکھواتا۔ مختلف علاقوں سے آئے ہوئے لوگوں کی درخواستیں وصول کرتا اور ان پر مناسب فرامین تحریر کراتا۔ پھر علما و مشائخ کی صحبت میں مسائل و احکام کی مجلس منعقد کرتا اور پیش آئند امور کے بارے میں ان سے شرعی نقطہ نظر سے مشورے لیتا اور ان کو عملی جامہ پہناتا۔ اتنے میں ظہر کی نماز کا وقت ہو جاتا اور باجماعت نماز ادا کرتا۔ نماز کے بعد تلاوت قرآن میں مصروف ہو جاتا۔ اس نے اپنے عمال و حکام کے نام یہ حکم جاری کر رکھا تھا کہ عدل و انصاف میں قطعی طور سے کوتاہی نہ کی جائے اور اس باب میں کافرو، مسلم، امیر و غریب اور چھوٹے بڑے کے درمیان کوئی امتیاز روا نہ رکھا جائے۔ اس نے قضا کے نام فرمان جاری کیا تھا کہ نماز باجماعت کی ہر حال میں پابندی کی جائے۔ رشوت اور طمع و حرص کو اس نے اپنی مملکت سے ختم کر دیا تھا۔ باغیوں، چوروں، لٹیروں اور راشیوں کا سخت دشمن تھا اور ان کو شدید سزا دیتا تھا۔ غرض اس کا عہد حکومت ہر اعتبار سے مثالی تھا۔

### وفات:

شیر شاہ کی زندگی کا بیشتر حصہ میدان جنگ میں گزرا اور اس کی موت بھی اسی حالت میں واقع ہوئی ۹۵۲ھ (۱۵۴۵ء) میں اس نے قلعہ کالنجر کا محاصرہ کیا جو ہندوستان کا ایک نہایت مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا۔ قلعے کی فصیل کے گرد سرنگیں کھودی گئیں، ان سرنگوں کے ذریعے مسلمان بہادر قلعے میں داخل ہوئے۔ قلعے کے اندر شیر شاہ کی نگرانی میں بارودی گولے دشمن پر پھینکے جا رہے تھے۔ اتفاق سے ایک گولا قلعے کی دیوار سے ٹکرا کر شاہی لشکر میں لوٹ آیا اور پھٹ گیا۔ اس کے اثر سے وہاں پڑے ہوئے تمام گولے پھٹ گئے اور ہر طرف آگ پھیل گئی۔ شیر شاہ بھی شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا اور سارا جسم جل کر سیاہ ہو گیا۔ بارودی مورچے کے قریب ہی بادشاہ کے لیے ایک چھوٹا سا خیمہ نصب کر دیا گیا تھا۔ شیر شاہ اسی نازک حالت میں دوڑتا ہوا اس خیمے میں پہنچا۔ فوج دشمن پر یورش کر رہی تھی اور بادشاہ خیمے میں بے ہوش پڑا تھا۔ جب ہوش آتا تو چلا چلا کر لوگوں کو قلعہ فتح کرنے پر اکساتا۔ کوئی اسے دیکھنے جاتا تو اسے محاذ پر جانے کا اشارہ کرتا۔ جاں بلب بادشاہ کے اس عزم کو دیکھ کر فوج کے حوصلے اور بڑھ جاتے۔ شیر شاہ حالت اضطراب و بے قراری میں بار بار قلعے کی فتح کے بارے میں دریافت کرتا۔ اس دن سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ شیر شاہ کے جسم پر صندل اور گلاب کا لپ کیا گیا۔ تکلیف برابر بڑھتی گئی۔ جوں ہی بادشاہ نے فتح کی خوش خبری سنی، جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ یہ حادثہ ۱۲ ربیع الاول ۹۵۲ھ (۲۳ مئی ۱۵۴۵ء) کو پیش آیا۔ اس کا آبائی قبرستان سہرام میں تھا، میت وہیں لے جا کر دفن کی گئی۔

شیر شاہ سوری نے پندرہ برس تک سرداری اور حکومت کی اور تقریباً پانچ سال ہندوستان کا خود مختار بادشاہ رہا۔ اس کا سال ولادت رجب ۸۷۷ھ (دسمبر ۱۴۷۲ء) اور سال جلوس ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ء) ہے۔ مقام

جلوس آگرہ اور دارالحکومت دہلی تھا۔ مدت بادشاہت چار سال چار ماہ پندرہ یوم بنتی ہے۔ تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول ۹۵۲ھ (۲۴ مئی ۱۵۴۵ء) ہے۔

## سلیم شاہ سوری

سلطان شیر شاہ سوری کے بعد ۱۵ ربیع الاول ۹۵۲ھ (۲۷ مئی ۱۵۴۵ء) کو اس کا بیٹا سلیم شاہ سوری سریر آرائے تخت ہند ہوا۔ یہ زیادہ پڑھا لکھانہ تھا، مگر باپ کی طرح بڑا عادل اور منصف مزاج تھا۔ اس نے بھی ملکی اصلاحات اور حکومت کے نظم و نسق کو مستحکم کرنے کی طرف عنان توجہ مبذول کی۔ شہر تعمیر کیے، زراعت کو ترقی دی، رعایا کے مفاد کو ملحوظ خاطر رکھا اور اس سے عدل و احسان کا برتاؤ کیا۔ یہ عبادت گزار اور نیک نفس بادشاہ تھا۔ مسجد میں لوگوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرتا، علما سے عزت و تکریم سے پیش آتا اور علمی مسائل میں ان سے مذاکرہ کرتا۔ مسکرات سے اس کو شدید نفرت تھی اور غیر شرعی امور کے ارتکاب سے دامن کشاں رہتا تھا۔ فوج کے لیے اس کے والد شیر شاہ نے بھی اصلاحات نافذ کیں لیکن اس نے ان اصلاحات میں مزید اضافہ کیا۔

سلیم شاہ نے عسکری نظام کو جدید قالب میں ڈھالا اور اس کو دو حصوں میں مرتب کیا۔ ایک چھوٹا حصہ اور ایک بڑا حصہ۔ چھوٹا حصہ کم نفری پر مشتمل تھا اور بڑا حصہ زیادہ نفری پر۔! چھوٹے حصے میں چار درجے رکھے۔ ایک درجہ پچاس افراد کی نفری پر، دوسرا دو سو کی، تیسرا ڈھائی سو کی، اور چوتھا پانچ سو کی نفری پر مشتمل تھا۔ بڑا حصہ پانچ ہزار دس ہزار اور بیس ہزار کی نفری کو محوی تھا۔ اسی ترتیب سے ان پر امر کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ فوج میں فارسی اور ہندی زبانوں پر عبور رکھنے والے محرر مقرر کیے۔

محکمہ قضا میں پٹھان اور ہندی قاضی متعین کیے۔ سنا رگاؤں سے لے کر کابل کی سرحدوں تک اس نے فوجی چھاؤنیاں تعمیر کیں۔ گزرگاہوں اور راستوں میں شیر شاہ نے مسافروں کے آرام کے لیے جو سرائیں تعمیر کی تھیں، سلیم شاہ نے ان میں اور اضافہ کیا، اور بہت سی نئی سرائیں بنوائیں۔ راستوں میں پانی کا انتظام کیا۔ اس نے لنگر خانے بھی جاری کیے، جن میں مسلمانوں کو پکا ہوا کھانا اور ہندوؤں کو اناج دیا جاتا تھا۔

اس کی زندگی کے شب و روز کا بیشتر حصہ اگرچہ حرب و ضرب میں گزرا، مگر اس نے کبھی رعایا کی خبر گیری اور اصلاحی امور سے صرف نظر نہیں کیا اور اس کی گونا گوں مصروفیات اصلاح احوال اور علمائے دین سے تعلقات کی راہ میں حائل نہیں ہو سکیں۔

سلیم شاہ میں ایک خوبی یہ تھی کہ بلند کردار اور بلند حوصلہ بادشاہ تھا۔ اس ضمن میں یہ واقعہ لائق تذکرہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ ایک قصبے میں قیام پذیر ہوا، جس کا نام ”بن“ تھا، حسب معمول عصر اور مغرب کی نماز کے درمیان تنہا قلعہ مان گڑھ کی سیر کے لیے جا رہا تھا، جو قصبہ بن سے پانچ چھ کوس کے فاصلے پر واقع تھا۔ راستے میں ایک

شخص فریاد کرتا ہوا سامنے آیا اور بادشاہ کا راستہ روک کر بغل سے تلوار نکالی اور حملہ کر دیا۔ سلیم شاہ نے تیزی سے اس کے وار کو روکا۔ جان سے تونچ گیا مگر معمولی زخم آئے۔ وہ شخص دوسرا وار کرنا چاہتا تھا کہ سلیم شاہ پہلو بچا کر اس سے لپٹ گیا اور تلوار چھین لی۔ اتنے میں کچھ اور لوگ بھی وہاں آگئے اور حملہ آور کو پکڑ لیا گیا۔ لوگوں نے حملہ آور سے پوچھنا شروع کیا کہ تم نے یہ حرکت کس کے اشارے سے کی ہے۔ بادشاہ نے یہ کہہ کر لوگوں کو تفتیش و تحقیق سے روک دیا کہ معلوم نہیں یہ شخص غلط بیانی کر کے کتنے گھروں کو برباد کر دے۔ اس کے بعد بادشاہ کے حکم سے اسے فوری طور پر قتل کر دیا گیا۔ اس کی تلوار دیکھی تو پتا چلا کہ یہ وہی تلوار ہے جو سلیم شاہ نے اقبال خاں کو دی تھی۔ اقبال خاں عرصے تک شیر شاہ کی خدمت میں رہا تھا، مگر چھوٹا پن اس کی فطرت میں داخل تھا۔ لوگوں نے سلیم شاہ کو اسے قتل کرنے کو کہا لیکن اس نے جواب دیا، اپنے پروردہ کو قتل کرنے سے مجھے شرم آتی ہے۔

سلیم شاہ عبادت گزار، طباع و ذہین اور علما و صلحا کا عقیدت مند تھا، مگر ساتھ ہی لطیفہ گو بھی تھا اور لطیفہ سن کر خوش ہوتا تھا۔ کہتے ہیں پنجاب جاتے ہوئے جب وہ الور ٹھہرا تو ایک دن دور سے مخدوم الملک ملا عبد اللہ سلطان پوری کو آتے ہوئے دیکھا۔ مصاحبوں سے کہا۔ ”تمہیں معلوم ہے یہ کون آ رہا ہے؟“ بولے ”حضور ہی فرمائیں“ سلیم شاہ نے کہا۔ ”بابر بادشاہ کے پانچ بیٹے تھے جن میں چار تو ہندوستان سے نکل گئے مگر یہ پانچواں یہاں رہ گیا۔“ ایک مصاحب سرمست خاں نے کہا۔ ”یہ فتنے کی جڑ آپ نے کیوں رہنے دی؟“ سلیم شاہ نے جواب دیا۔ ”کیا کروں اس سے بہتر آدمی مجھے نظر نہیں آتا۔“ جب مخدوم الملک مجلس میں آئے تو بادشاہ نے نہایت اعزاز کے ساتھ انھیں اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور مرورید کی تسبیح عنایت کی جو تیس ہزار روپے کی تھی اور اسی وقت کسی نے پیش کی تھی۔

سلیم شاہ کا زمانہ علم و علما کے اعتبار سے بڑا زرخیز تھا اور یہ بادشاہ اہل علم کا بہت قدر دان تھا۔ اس کے دربار میں شعر و شاعری اور مختلف مسائل پر علما کے درمیان مذاکروں اور مباحثوں کا ہنگامہ پھاڑتا۔

سلیم شاہ نے نو سال بادشاہت کی، ۹۶۱ھ (۱۵۵۳ء) میں وفات پائی۔ اس کی میت کو سہرام لے جا کر شیر شاہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ اسی سال گجرات کے خداترس اور عادل بادشاہ سلطان محمود کو برہان نامی ایک خادم نے شہید کر دیا۔ دکن کے بادشاہ نظام الملک نے بھی اسی سال انتقال کیا۔ یہ سال گویا بادشاہوں کی موت کا سال تھا۔

سلیم شاہ کے بعد:

سلطان سلیم شاہ سوری کے بعد اس کا بیٹا فیروز شاہ تخت نشین ہوا، جو دس سال کا کم سن بچہ تھا۔ لیکن تخت نشینی کے تیسرے ہی دن سلیم شاہ کے سالے مبارز خاں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ مبارز خاں کی بہن بھائی کے قدموں میں گر پڑی اور منت و لجاجت سے عرض گزار ہوئی کہ اس بچے کو قتل نہ کرو، بادشاہی تم لے لو، میں اس کو

کسی نامعلوم مقام میں لے کر چلی جاؤں گی۔ لیکن ظالم بھائی پر بہن کی لجاجت کا کوئی اثر نہ ہوا اور محل سرا میں گھس کر ماں کے سامنے اس کم سن بچے کا سرتن سے جدا کر دیا۔ اس بچے کے قتل سے سلیم شاہ سوری کی نسل ختم ہو گئی۔ فیروز شاہ کے بعد اس کا قاتل ماموں مبارز خاں سلطان محمد عادل کا لقب اختیار کر کے تخت ہند پر متمکن ہوا۔ یہ شخص عدلی کے عرف سے معروف تھا۔ اس کا دور ہنگاموں اور بغاوتوں کا دور تھا۔ ادھر مغل حکمران ہمایوں کی فوج بھی دوبارہ تخت ہند پر قبضہ کرنے کے لیے ملک میں داخل ہو گئی تھی اور آگرہ اور اٹاواہ تک پیش قدمی کر چکی تھی۔ عدلی نے اس کے مقابلے کے لیے بہت سی فوج ہاتھی اور خزانہ دے کر ہیمنوں بقال کو بھیجا جس کو ہیمنوں بنیا بھی کہا جاتا ہے۔ یہ شخص شیر شاہ کے زمانے میں معمولی حیثیت کا مالک تھا اور ترقی کرتے کرتے اونچے منصب پر فائز ہو گیا تھا۔ اسی اثنا میں ایک لڑائی میں ایک شخص سلطان محمد بہادر نے جو عدلی سے بغاوت کر کے ایک علاقے کا حاکم بن بیٹھا تھا، ۹۶۲ھ (۱۵۵۵ء) میں عدلی کو قتل کر دیا۔ سور خاندان نے اس ملک پر صرف پندرہ سال حکومت کی۔

### ہمایوں کی ہندوستان واپسی:

ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھانے اور اس ملک سے بھاگ جانے کے بعد خاموش نہیں بیٹھا۔ اس نے شاہ طہماسپ صفوی کی مدد سے پہلے کابل و قندھار کو فتح کیا اور پھر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اس نے بے وفا بھائیوں اور حریفوں کا زور ختم کر کے اس ملک پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ تاریخ ہند کا نیا باب اس کے سامنے کھل گیا اور وہ آگے بڑھا تو تاج شاہی اس کے سر کی زینت بننے کے لیے بے تاب تھا۔

### علما کا احترام:

ہمایوں بہت سی خوبیوں کا مالک تھا۔ علما کا بے حد احترام کرتا تھا۔ اس ضمن کا یہ واقعہ قابل بیان ہے کہ ہمایوں نے ہندوستان پر حملہ کرنے سے پہلے بیرم خاں کی معرفت مولانا زین الدین محمود سے ملاقات کی۔ مولانا ممدوح خراسان کے موضع بہدا کے رہنے والے تھے۔ کئی بزرگوں اور عالموں کے صحبت یافتہ تھے۔ مولانا عبدالرحمن جامی اور مولانا عبدالغفور سے بھی ملاقات کر چکے تھے۔ بیرم خاں ان کا شاگرد تھا اور ان کے درس میں حاضر ہوا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ ہمایوں نے کچھ لوگوں کو کھانے پر بلایا۔ مولانا زین الدین محمود کو بھی دعوت دی۔ مہمانوں کے ہاتھ دھلانے کا وقت آیا تو ہمایوں نے خود اپنے ہاتھ میں آفتابہ اٹھایا اور طشت بیرم خاں نے پکڑا۔ اس دعوت میں مولانا سید جمال الدین محدث کے پوتے میر حبیب اللہ بھی موجود تھے۔ مولانا نے میر حبیب اللہ کی طرف اشارہ کر کے ہمایوں سے کہا۔ ”ان کو جانتے ہو یہ کون ہیں؟“ ہمایوں ان کے سامنے بھی آفتابہ لے گیا۔



میر صاحب گھبرا گئے۔ تھوڑا سا پانی لیا اور جلد جلد ہاتھوں پر ڈالا۔ لیکن مولانا نے نہایت اطمینان کے ساتھ اچھی طرح ہاتھ دھوئے۔ اس موقع پر ہمایوں کی رگ ظرافت پھڑکی تو مولانا سے پوچھا۔ ”کتنے پانی سے ہاتھ دھونا مسنون ہے“ فرمایا جتنے پانی سے ہاتھ اچھی طرح دھل جائیں۔

مولانا زین الدین کی مخلصانہ محبت اور شفقت سے ہمایوں بہت خوش ہوا اور ان سے باقاعدہ استفادہ کرتا رہا۔ بعد کو اس نے بیرم خاں کے ذریعے کچھ رقم بھی ان کی خدمت میں پیش کی۔ لیکن وہ تحفہ لینے کے عادی نہ تھے لہذا انکار کر دیا۔ بیرم خاں کا اصرار زیادہ بڑھا تو وہ رقم بادل نحواستہ قبول کر لی اور اس کے بدلے میں اپنے ہاتھ سے بنی ہوئی بہت سی کمائیں جو اس رقم سے زیادہ قیمت کی تھیں اور اس وقت ضروری تھیں بادشاہ کے پاس بھجوادیں کہ اصولاً و شرعاً ہدیہ یک طرفہ نہیں دونوں طرف سے ہوتا ہے۔

اسی طرح علما کی عزت و تعظیم کے بارے میں ہمایوں سے متعلق یہ واقعہ بھی مشہور ہے اور تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ جب تسخیر ہند کے لیے اس نے دوسری مرتبہ چڑھائی کی تو مفسر قرآن شیخ حمید سنبھلی اس کے استقبال کے لیے گئے۔ ہمایوں ان کا بڑا معتقد تھا۔ ایک دن شیخ نے ہمایوں سے کہا۔ ”تمہارا پورا لشکر رافضی معلوم ہوتا ہے۔“ ہمایوں نے پوچھا۔ ”وہ کیسے؟“ فرمایا۔ ”اب کی بار تمہارے سپاہیوں کے نام یار علی، کفش علی اور حیدر علی وغیرہ ہیں۔ دوسرے کسی خلیفہ کے نام پر کسی فوجی کا نام نہیں۔“ شیخ کی بات سن کر ہمایوں کو طیش آ گیا۔ اس وقت ہاتھ میں قلم پکڑا ہوا تھا۔ اس کو غصے سے فرش پر پھینکتے ہوئے کہا: ”نام پدر من کبیر عمر شیخ بود۔“ (میرے دادا کا نام عمر شیخ تھا) یہ کہہ کر ہمایوں تیزی سے محل سرا میں چلا گیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد باہر آ گیا اور نرمی اور تحمل سے شیخ کو اپنے صحیح عقائد سے آگاہ کیا۔

شیخ حمید سنبھلی کی اس بات کا دراصل پس منظر یہ تھا کہ ہمایوں نے ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے شاہ طہماسپ صفوی سے مدد لیتے وقت شیعہ عقائد قبول کرنے سے صاف لفظوں میں انکار نہیں کیا تھا اور صفویوں کا لشکر لے کر ہی بدخشاں پر چڑھائی کی تھی اس سے شیخ کو یہ شبہ پیدا ہوا کہ شاید اس نے شیعیت قبول کر لی ہے۔ ہمایوں نے اپنے دادا عمر شیخ کے نام کا حوالہ دے کر شیعیت سے اپنی برأت ظاہر کی۔

عہد ہمایوں کے علمائے کرام اور فقہائے عظام کے واقعات و حالات اس کتاب میں متعدد مقامات پر مذکور ہیں۔

## ہمایوں کے اوصاف:

ہمایوں امور سلطنت پر گہری نظر رکھتا تھا، مروجہ علوم میں ماہر تھا، علاوہ ازیں علوم نجوم و ہیئت پر بھی اسے کمال حاصل تھا۔ علما و فضلا کی دل سے قدر کرتا تھا۔ بزرگان دین اور شعرا سے اسے محبت تھی اور خود بھی اچھا شاعر تھا۔ اس میں یہ خوبی تھی کہ ہمیشہ با وضو رہتا اور اللہ اور رسول (ﷺ) کا نام کبھی بے وضو زبان پر نہ لاتا۔ اگر

کوئی ایسا نام لینے کی ضرورت پڑتی جو ”عبد“ اور لفظ ”اللہ“ سے مرکب ہو۔ مثلاً عبداللہ، عبدالرحمن، عبدالحی وغیرہ تو فقط ”عبدل“ کہہ کر پکارتا کہ مبادا بے وضو نام اللہ زبان پر آ جائے۔

اس کی زبان پر کبھی گالی نہ آتی۔ جب بہت غصے میں آ جاتا تو منہ سے ”ہے نادان“ کے سوا کوئی کلمہ نہ نکلتا۔ مجلس میں آتا تو کبھی بایاں پیر پہلے نہ رکھتا۔ کسی اور شخص کی بھی مجال نہ تھی کہ مجلس میں آتے وقت بایاں پاؤں پہلے رکھے۔ اگر کسی سے کبھی چوک ہو بھی جاتی تو اسے پیچھے لوٹا دیتا اور کہتا دوبارہ مجلس میں آئے۔ اس کی حیا اور متانت کا یہ عالم تھا کہ کبھی قہقہہ مار کر نہیں ہنسا اور کبھی کسی کی طرف گھور کر نہیں دیکھا۔

ہمایوں کی علمی و شعری اور ملکی معاملات پر غور و خوض کی محفلیں رات بھر جی رہتیں۔ کبھی اس کی طرف سے تکان یا تکاسل کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ بے حد سخی اور فیاض تھا۔ کہتے ہیں اس کی فیاضی کے مقابلے میں تمام ہندوستان کا خراج بھی کافی نہ تھا۔ اسی لیے محکمہ مالیات کے عمال اس کے سامنے نقد روپیہ نہیں لاتے تھے۔

### کتب خانہ:

ہمایوں صاحب علم حکمران تھا اور اس کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس کا کتب خانہ بڑا وسیع اور مختلف عنوانات کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ اس کے وقت کا ایک حصہ مطالعہ کتب کے لیے مخصوص تھا۔ دہلی کے شیر شاہی قلعے کی سہ منزلہ عمارت کی آخری منزل میں اس نے اپنا کتب خانہ قائم کر رکھا تھا۔ وہ چوں کہ علم نجوم اور کواکب کا بھی ماہر تھا اس لیے اس منزل میں اس کی رصد گاہ بھی تھی۔ ہمایوں کے اس شاہی کتب خانے کے مہتمم کا نام نظام تھا جو باز بہادر کے عرف سے معروف تھا۔ ہمایوں کے ذوق مطالعہ اور شوق کتب بینی کا یہ عالم تھا کہ میدان جنگ میں بھی ایک چھوٹا سا سفری کتب خانہ اس کے ساتھ رہتا۔ چنانچہ اس نے جب کھمبایت کا محاصرہ کیا تو دیگر کتابوں کے ساتھ تاریخ تیمور کا وہ نسخہ بھی موجود تھا جو بہزاد نے مصور کیا تھا۔ ایک جنگلی قبیلے نے ہمایوں کے فوجی کیمپ پر چھاپہ مارا تو یہ نسخہ گم ہو گیا تھا، لیکن جلد ہی مل گیا تھا۔

### دو شاعروں کا دلچسپ واقعہ

عہد ہمایوں میں علمائے دین کے علاوہ متعدد شعرائے کرام بھی تھے جو اونچے درجے کے شاعر ہونے کے ساتھ مروجہ علوم میں بھی ماہر کامل تھے۔ ان میں سے دو شاعروں کا ایک واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ یہ شاعر تھے زین الدین خان وفائی اور ابوالواحد فارغی! دونوں بابر کے زمانے میں وارد ہند ہوئے تھے اور علم و فضل کی مختلف اصناف پر گہری نظر رکھتے تھے۔ زین الدین وفائی کے بارے میں ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ بابر نے ان کو پورے ہندوستان کا صدر الصدور بنا دیا تھا۔ تمام اصناف نظم و نثر میں انھیں مہارت حاصل تھی، خاص طور سے فن معما گوئی، تاریخ اور بدیہہ گوئی میں عدیم المثال تھے۔ آگرہ میں جمنائے کنارے ایک مسجد اور مدرسہ ان کی یادگار تھا۔

جب یہ پہلی مرتبہ بابر کے پاس آئے تو بادشاہ نے پوچھا ”تمہاری عمر کیا ہے؟“ فی البدیہہ جواب دیا۔ ”بس پانچ برس پہلے ”چہل سالہ“ تھا اور اب ”چہل سالہ“ ہوں اور دو برس بعد ”چہل سال“ پورے ہوں گے۔

اسی زمانے کے دوسرے شاعر ابو الواحد فارغی تھے۔ یہ درویش مزاج اور شیریں کلام شاعر تھے۔ دونوں میں گہری دوستی تھی، دونوں اکٹھے ہندوستان آئے اور بابر سے وابستہ ہوئے۔ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں نے ایک ہی سال۔ ۹۴۰ھ (۱۵۳۳ء) میں یکے بعد دیگرے وفات پائی اور ایک ہی جگہ مقبرہ شیخ زین الدین وفائی میں ان کی تدفین ہوئی۔ بدایونی نے لکھا ہے

کہ جب یہ دونوں ہندوستان آنے کے ارادے سے سفر کر رہے تھے تو اتنے تلاش تھے کہ ان کے پاس سوائے ایک پرانی پوستین کے کچھ بھی نہ تھا۔ ہرات سے کابل پہنچے تو وفائی نے فارغی سے کہا، میں پوستین فروخت کرنے بازار جاتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم وہاں آ کر مسخرہ پن نہ کرنا۔ انہوں نے یہ شرط قبول تو کر لی مگر اس پر عمل نہ کر سکے۔ وہ بازار میں وفائی کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ ایک شخص سے پوستین کا سودا ہونے لگا تو خریدار اتنی قیمت دینے پر آمادہ نہ ہوا، جتنی وہ مانگتے تھے۔ وہ صرف پانچ اشرفیاں دیتا تھا۔ وفائی زیادہ مانگتے تھے۔ مالک اور خریدار کے درمیان جھگڑا دیکھ کر فارغی سے رہا نہ گیا۔ وہ اجنبی کی طرح وہاں پہنچے اور دونوں کے درمیان دلالی کے فرائض انجام دینے لگے۔ گاہک زیادہ قیمت لگانے پر آمادہ نہ ہوا اور بات لمبی ہو گئی، تو فارغی پوستین ہاتھ میں پکڑ کر گاہک سے مخاطب ہوئے۔ ”اے بے انصاف، پوستین کے اس ایک ایک ٹکڑے میں پانچ اشرفی کے تو فقط پسو اور جوئیں ہیں۔“ یہ سن کر گاہک چلتا بنا اور پوستین وفائی کے ہاتھ میں پکڑی رہ گئی۔ وفائی کو سخت غصہ آیا اور بگڑ کر فارغی سے کہا۔ ہم تو ایک ایک روٹی تک کے محتاج ہیں اور تم اس حالت میں بھی مسخرہ پن سے باز نہیں آتے۔

اس طرح کے اور بھی کئی دلچسپ واقعات ان کے متعلق تاریخ کی کتابوں میں منقول ہیں۔

## وفات:

۷ ربیع الاول ۹۶۳ ہجری (۲۰ جنوری ۱۵۵۶ء) کو ہمایوں اس کتب خانے کی چھت پر گیا، جو دہلی کے قلعہ دین پناہ میں قائم کیا گیا تھا۔ مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد چھت سے نیچے اتر رہا تھا کہ کان میں اذان کی آواز پڑی۔ اذان کے احترام میں وہیں بیٹھ گیا۔ اٹھنے لگا تو عصا اچٹ گیا۔ اچانک بادشاہ کا پاؤں پھسلا اور وہ بیٹھوں پر سے پھلستا ہوا زمین پر آ گیا۔ اس ضرب سے خاصی چوٹیں آئیں۔ کچھ افاقہ ہوا تو شیخ جولی کو پنجاب میں شہزادہ اکبر کے پاس روانہ کیا اور اس کو اپنی حالت کی اطلاع پہنچائی۔ چوٹیں شدید تھیں۔ بادشاہ ان سے جاں بر نہ ہو سکا اور حادثے سے سات روز بعد ۱۵ ربیع الاول ۹۶۳ ہجری (۲۸ جنوری ۱۵۵۶ء) کو اس دنیائے فانی سے آنکھیں پھیر لیں اور عالم جادوانی کے سفر پر روانہ ہو گیا۔

ہمایوں نے اکیاون برس عمر پائی اور پچیس سال سے زائد عرصہ فرائض حکمرانی انجام دیے ①۔  
ہمایوں کی وفات کے بعد جلال الدین اکبر نے باپ کی جگہ سنبھالی۔ اگر اللہ کو منظور ہوا اور حالات نے موافقت کی تو اکبر کے حالات اس کتاب کی چوتھی جلد کے مقدمے میں تحریر کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔  
کیوں کہ اکبر کا عہد اقتدار گیارہویں صدی ہجری ہے۔

## سلاطین گجرات

اس وقت ہم اس عہد کے ہندوستان کی حالات پڑھ رہے ہیں جب کہ وہ حکمرانی کے اعتبار سے کئی حصوں میں بٹا ہوا ہے اور اس میں متعدد مضبوط علاقائی حکومتیں قائم ہیں۔ ان میں ایک حکومت علاقہ گجرات کی ہے۔ اس کا پایہ تخت احمد آباد تھا۔ اس کے نویں صدی ہجری کے حکمران احمد شاہ کے حالات ہم فقہائے ہند کی دوسری جلد میں پڑھ آئے ہیں۔ دسویں صدی ہجری میں جن سلاطین گجرات نے داد حکمرانی دی ان میں سلطان محمود بیگرہ کا نام خصوصیت سے لائق تذکرہ ہے۔

### سلطان محمود بیگرہ:

سلطان محمود بیگرہ ماہ شعبان ۸۶۳ھ (جون: ۱۴۵۹ء) میں تخت گجرات پر متمکن ہوا۔ اس وقت اس کی عمر صرف تیرہ سال دو ماہ تین روز تھی۔ اس کو ”بیگرہ“ کے تسمیہ سے موسوم کرنے کی دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہندی زبان میں بیگرہ اس بیل کو کہتے ہیں جس کے سر پر بانیں اور دائیں جانب دو بڑے بڑے سینگ ہوں۔ چون کہ بیل کے سینگوں کی طرح اس کی بڑی بڑی موچھیں تھیں اس لیے وہ بیگرہ مشہور ہو گیا۔ دوسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ہندی میں ”بے“ کے معنی ”دو“ اور ”گرہ“ کے معنی ”قلعہ“ کے ہیں۔ اس نے جونا گڑھ اور جاناپانیر کے دو قلعے فتح کیے تھے جو استحکام و مضبوطی کے لحاظ سے اس دور کے ہندوستان کے مشہور قلعے تھے لہذا اسے ”بیگرہ“ کے نام سے موسوم کیا گیا۔

اپنے اوصاف و اطوار کی رو سے سلطان محمود بیگرہ سرزمین گجرات کا ایک عالی مرتبت حکمران تھا۔ ارض گجرات متعدد سلاطین کا پایہ تخت رہی مگر اس سے قبل یا بعد میں اس قسم کا کوئی حکمران اس کو دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ داد و عدل، نیکی و دین داری، رعایا پروری و غریب نوازی، شان و شکوہ، فتح و کامرانی اور شجاعت و بسالت میں گجرات کا کوئی سلطان اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔ حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ اس عہد میں ہندوستان کے دیگر علاقوں اور خراسان میں بھی جو سلاطین داد حکمرانی دیتے تھے وہ ان ہی اوصاف و کمالات سے متصف تھے جن

① بابر، شیر شاہ سوری، سلیم شاہ سوری اور ہمایوں سے متعلق تفصیلی واقعات کے لیے دیکھیے تو زک بابر، ہمایوں نامہ، منتخب التواریخ، طبقات اکبری، تاریخ فرشتہ، آثار حیمی اور زبدۃ التواریخ وغیرہ کے متعلقہ ابواب۔

سے محمود بیگرہ متصف تھا۔ تخت خراسان پر حسین مرزا متمکن تھا اور اس کی مسند وزارت پر میر علی شیر فائز تھا اور مسند ملائی و شاعری مولانا جامی کے قبضے میں تھی۔ حکومت دہلی کی زمام اقتدار سلطان سکندر لودھی کے ہاتھ میں تھی اور کاروبار وزارت روشن فکر عالم دین میاں بہوہ انجام دیتے تھے۔ اورنگ مانڈو پر سلطان غیاث الدین بن محمود خلجی سرفراز تھا۔ دکن کی بساط سلطنت سلطان محمود بہمنی کے دست بلند ہمت میں تھی۔

سلطان بیگرہ کے بارے میں مرآت سکندری کا مصنف رقم طراز ہے:

می تو اں گفت کہ روح سلطان محمود غازی بعد از چندیں سال بر روح سلطان محمود بیگرہ تجلی

کرده بود کہ ہمہ افعال و اعمال سلطنت مشابہت و مضارعت باں شہریار غزوت آثار

داشت ❶-

یعنی کہا جاسکتا ہے کہ کچھ مدت بعد غازی سلطان محمود غزنوی کی روح سلطان محمود بیگرہ کی روح میں منتقل ہو گئی تھی، کیوں کہ اس کی سلطنت کے افعال و اطوار اسی جنگ جو اور بہادر سلطان کے مشابہ تھے۔

یہ محمود غزنوی کی طرح بت شکن اور شرک دشمن بادشاہ تھا۔ شرک کی حمایت اور اسلام کی مخالفت قطعاً برداشت نہ کرتا تھا۔

سلطان محمود بیگرہ نے اپنی سلطنت میں بہترین اصلاحات نافذ کیں اور ہر موقع پر رعایا کے مفاد کو پیش نظر رکھا۔ اس کا حکم تھا کہ امراء حکومت اور سپاہ میں سے جو شخص درجہ شہادت سے بہرہ ور ہو جائے یا طبعی موت مر جائے اس کی جاگیر اس کے بیٹے کے حوالے کر دی جائے۔ اگر بیٹا نہ ہو تو آدھی جاگیر بیٹی کو دی جائے۔ اگر بیٹی نہ ہو تو اس کے دیگر متعلقین کے سپرد کر دی جائے تاکہ اس کے لیے یہ وجہ کفاف اور ذریعہ معاش ثابت ہو اور ان لوگوں کو روزگار کی کوئی شکایت باقی نہ رہے۔

رعایا میں مال و دولت کی تقسیم میں محمود بیگرہ بڑا وسیع القلب تھا۔ کسی شخص نے ایک امیر کے بیٹے کے متعلق کہا کہ وہ اپنی عادات کے لحاظ سے اس قابل نہیں کہ اسے مال و دولت سے نوازا جائے۔ سلطان نے فوراً جواب دیا دولت اس میں خود یہ عادت پیدا کر دے گی کہ وہ اس کے قابل ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے دور حکومت میں کوئی شخص غربت یا ناداری کا شکار نہ تھا۔ ہر امیر کئی کئی پرگنوں کا مالک تھا۔ عام لوگ بھی آسائش و راحت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ رعیت میں دولت و ثروت کو عام کرنے کی اس نے جو پالیسی اختیار کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرزمین گجرات امن و امان کا گہوارہ بن گئی۔ چوروں اور ڈاکوؤں کا وجود ختم ہو گیا اور جرائم پیشہ لوگ ارتکاب جرائم سے توبہ کر کے سلطان کے مطیع و فرماں بردار ہو گئے۔ معذوروں اور اپاہجوں کی گزر اوقات کے لیے وظائف مقرر تھے۔ لوگوں کی سکونت کے لیے سرکاری خرچ سے مکان اور رباط تعمیر کیے گئے۔ مسافروں کے لیے سرائیں بنائی گئیں۔ تعلیم کے لیے ہر گاؤں میں مدارس قائم کیے گئے اور عبادت و نماز کے لیے عالی شان

مسجد میں معرض تعمیر میں لائی گئیں۔

بے روزگاروں اور بے کاروں کو ان کی قابلیت کے مطابق کام پر متعین کیا جاتا تھا۔ ظلم و تعدی کا نام و نشان باقی نہ رہا تھا اور پورے ملک گجرات میں عدل و انصاف کا بول بالا تھا۔ غلہ عام ملتا تھا اور ہر چیز ارزاں نرخ پر مہیا ہوتی تھی۔ بعض چیزیں مفت تقسیم کی جاتی تھیں۔

محمود بیگرہ کی فوجی طاقت بے حد مضبوط تھی اور ہر معرکے میں فتح یاب ہوتی تھی۔ سپاہیوں کو زیادہ سے زیادہ رعایت دی جاتی تھی۔ اس نے عمال کے نام فرمان جاری کر رکھا تھا کہ کسی سپاہی کو پریشان نہ کیا جائے اور ان کی ضروریات کے حصول میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔ فوجیوں کو حکم تھا کہ ان کو قرض کی ضرورت ہو تو سود پر قرض نہ لیں۔

حکم کردہ بود کہ ہج کس از لشکریان من قرض بر بانگیرد خزانچی علاحدہ مقرر کردہ بود کہ از سپاہی ہر کس کہ بقرض حاجت داشتہ باشد باو بدہد و بوعده بگیرد ازاں جہت ربا خوراں حال سگ داشتند بلکہ ایشاں را از سگ کمتری انگاشتند می فرمود اگر مسلماناں قرض بر با خورند از دست ایشاں غزا چگونہ آید۔ از برکت حسن نیت و خلوص عمل او حق تعالی ہمیشہ ظفر و رکاب و نصرت ہم عنان می داشت ①۔

یعنی اس نے حکم جاری کر دیا تھا کہ میرے فوجیوں میں سے کوئی شخص سود پر قرض نہ لے۔ اس کے لیے علیحدہ خزانچی مقرر تھا کہ فوج میں سے جس شخص کو بھی قرض کی ضرورت ہو اسے دے دیا جائے۔ اور وعدہ لیتا تھا کہ اس طرح کے سود خوروں کو وہ کتے کی حیثیت دیں گے بلکہ کتے سے بھی ذلیل گردانیں گے۔ کہا کرتا تھا کہ اگر سود پر قرض لے کر کھائیں گے تو جہاد کے فرائض کس طرح انجام دیں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کے حسن نیت کی برکت اور خلوص عمل سے اللہ نے اسے ہمیشہ فتح و ظفر سے نوازا اور نصرت الہی ہر موقع پر اس کے ہم عنان رہی۔

محمود بیگرہ رعیت کا اس درجہ خیر خواہ تھا کہ اس نے گجرات کے شہروں میں لوگوں کے لیے راستوں میں سایہ دار اور پھل دار درخت لگائے۔ بکثرت کنوئیں کھدوا کر پانی کا وافر انتظام کیا۔ قصبات و دیہات میں تعمیر مکانات کے لیے لوگوں میں سرکاری زمین تقسیم کی اور زراعت کے لیے حسب ضرورت اراضی عطا کی۔ شاہراہیں اس قدر کشادہ اور صاف ستھری تھیں کہ گرد و غبار کا نشان تک نہ تھا اور مسافروں پر کسی قسم کے آثار سفر ظاہر نہ ہوتے تھے۔

یوں تو سرزمین گجرات کا یہ فرماں روا حیات مستعار کے ہر دور میں یاد الہی میں مصروف رہا اور اس کی زندگی کے اکثر لمحات ذکر خداوندی میں بسر ہوئے مگر آخری دنوں میں اس نے اللہ کی اطاعت و عبادت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا اور اس درجہ رقیق القلب ہو گیا تھا کہ ذرہ ذرہ سی بات پر اللہ کے ڈر سے آنکھوں

سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ سلطان کی اس کیفیت کو دیکھ کر ملک سارنگ عرف قوام الملک نے عرض کیا: ”مرتبہ بادشاہت پر فائز ہونے کے باوجود اور درجہ شہنشاہیت پر سرفراز ہونے کے باوصف یہ گریہ کیوں ہے اور یہ خوف وزاری کس وجہ سے آپ پر طاری ہے؟“

”کہا: اے بے عقل میں تجھے اس کا کیا جواب دوں۔ میری تمنا ہے کہ کہیں کانوں میں یہ آواز پڑ جائے“ کہ ”عاقبت محمود محمود خواہد بود۔“ سفر عمر جاری ہے اور گزرا وقت واپس نہیں آتا۔ اسی لیے آنکھوں سے آنسو بہاتا اور دل پر حسرت رکھتا ہوں۔ افسوس ہے میں نے اللہ کی قدر اس طرح نہیں جانی جس طرح جاننا چاہیے اور جس طرح جانی اس پر عمل نہیں کیا ①۔“

سلطان موصوف علمائے دین اور فقہائے کرام سے بہت تعلق و مودت رکھتا تھا۔ وہ اگرچہ علوم مروجہ کا زیادہ عالم نہ تھا مگر علما کی صحبت اور فضلا کی مصاحبت سے بے شمار مسائل دینی اشعار تاریخی واقعات اسے حفظ ہو گئے تھے اور جب وہ مجلس میں دینی مسائل پر بات کرتا تو اس پر عالم و فقیہ کا گمان ہوتا تھا۔ می دانستند کہ سلطان عالم و فقیہ است۔ اس لیے کہ وہ اپنی قوت طبع اور زکاوت فہم کی بنا پر دقیق اور گہرے علمی نکات بیان کرتا تھا ②۔

بہر حال سلطان محمود بیگرہ بہت سے اوصاف کا حامل تھا۔ علاقہ گجرات کا یہ نہایت بہادر فاتح اور مجاہد بادشاہ تھا۔ اس کے عہد حکومت میں سلطنت گجرات میں وسعت پیدا ہوئی اور اس کی سرحدیں دور دور تک پھیل گئی تھیں۔ اس نے ہندوستان کے بعض غیر مسلم حکمرانوں کو کئی بار شکست دی اور ان کے بہت سے علاقوں پر اپنا پرچم اقتدار لہرایا، لیکن اس موقع پر ہم اس کی زندگی کے اس پہلو کو بیان نہیں کرنا چاہتے۔ اس وقت ہمارا مقصد صرف اس کے دینی و علمی اور اسلامی و اخلاقی گوشوں کی اختصار کے ساتھ نشان دہی کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ علمائے دین سے یہ سلطان کس درجہ تو در دو محبت رکھتا تھا۔

علمی لحاظ سے اس کا زمانہ بڑا زرخیز تھا اور عرب و عجم کے متعدد چوٹی کے اہل علم اور مشہور اصحاب حدیث گجرات میں آ کر سکونت پذیر ہو گئے تھے جن میں علامہ جلال الدین محمد بن محمد مالکی مصری خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔ سلطان نے ان کی بڑی تکریم کی اور ان کو اپنی قلمرو میں وصولی جزیرہ کے محکمہ پر متعین کیا۔ ان کے علم و فضل کی وجہ سے انھیں ملک الحدیثین کے لقب سے سرفراز کیا۔ بلاد ہند کے یہ پہلے محدث ہیں جنھیں یہ لقب عطا کیا گیا۔ ان کے علاوہ علامہ مجد الدین محمد بن محمد الابی اور علامہ ابوالقاسم بن احمد بن محمد شافعی المعروف بہ ابن فہد بھی دیار ہند میں تشریف لائے۔ علامہ ابن فہد فتح الباری کا ایک نسخہ بھی اپنے ساتھ لائے تھے جو ان کے والد اور عم محترم کے ہاتھ کا مکتوبہ تھا۔ پھر علامہ بہتہ اللہ بن عطاء اللہ شیرازی اور علما کی ایک بڑی جماعت نے اس دور میں قصد ہند کیا۔

① مرآت سکندری، ص ۱۰۶ تا ۱۰۵۔

② مرآت سکندری، ص ۱۰۹۔

سلطان محمود بیگرہ کے لیے کئی اہل علم نے کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً عبدالکریم بن عطاء اللہ شیرازی نے طبقات محمود شاہی اور شمس الدین محمد شیرازی نے آثار محمود شاہی لکھی۔ شیخ یوسف بن احمد بن عثمان حسینی نے منظر الانسان کے نام سے تاریخ ابن خلکان کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

اس زمانے میں گجرات کے محکمہ قضا پر قاضی نجم الدین فائز تھے جن کے عدل و انصاف کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی اور جو قضا کے سلسلے میں کسی کی رعایت نہ کرتے تھے۔

سلطان بیگرہ کی زندگی کے بہت سے واقعات کتب تاریخ میں مرقوم ہیں لیکن تنگ دامانی صفحات ان کے تذکرے سے مانع ہے۔ گجرات کے اس نامور سلطان نے ۲ رمضان المبارک ۹۱۷ھ (۲۴ نومبر ۱۵۱۱ء) کو وفات پائی۔ پچپن برس حکومت کی اور ۶۹ سال کی عمر پر کفوت ہوا۔

### سلطان مظفر حلیم

سلطان مظفر حلیم، سلطان محمود بیگرہ کا بیٹا تھا، ۲۰ شوال ۸۷۵ھ (۱۱ اپریل ۱۴۷۱ء) کو پیدا ہوا۔ اس نے سلطنت و حکومت کی گود اور علم و فضل کے ماحول میں تربیت حاصل کی۔ اپنے دور کے مشاہیر اساتذہ فن سے تعلیم حاصل کی، جن میں علامہ مجد الدین محمد بن محمد الابیجی اور مشہور محدث شیخ جمال الدین محمد بن عمر بن مبارک حمیری حضرمی المعروف بہ بحر ق کے اسمائے گرامی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔ شیخ بحر ق کے سامنے حصول علم حدیث کے لیے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مظفر حلیم دسویں صدی ہجری کے گجرات کا والی تخت ہونے کے ساتھ ساتھ محدث و فقیہ اونچے مرتبے کا عالم اور حافظ قرآن حکیم تھا۔ علاوہ ازیں نیک رحم دل اور پیکر جود و سخا تھا۔ اپنے والد سلطان محمود بیگرہ کی وفات کے بعد ۳ رمضان ۹۱۷ھ (۲۵ نومبر ۱۵۱۱ء) کو تخت گجرات کا وارث بنا۔ اس نے اکرام علماء، تعظیم فقہاء، تحفظ حدود مملکت، جہاد فی سبیل اللہ عدل و انصاف اور جودت و سخاوت کو اپنے لیے فرض ٹھہرا لیا تھا۔ فنون حرب، طریق جنگ و جہاد اور تیر اندازی و شمشیر زنی میں اس دور میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ انتہائی تقویٰ شعار، عزیمت و عفو کا کامل نمونہ لوگوں سے درگزر کرنے میں بے مثال، خطا کاروں کی خطا معاف کرنے میں فراخ حوصلہ، بلند کردار، سلیم الطبع، عبادت گزار اور بہترین شہسوار تھا۔ منجھا ہوا خطاط اور خوش نویس تھا۔ اقسام کتابت میں نسخ، ثلث اور رقاع پر عبور رکھتا تھا۔ قرآن مجید اپنے ہاتھ سے لکھ کر مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ بھیجتا۔ قول و فعل میں آثار سنت کا تتبع اور عامل احادیث نبوی تھا۔ علمائے دین کی بے حد تعظیم کرتا تھا۔ ابتدا میں اسے مشائخ و صوفیا سے حسن ظن نہ تھا، لیکن بعد کو طبیعت کا رخ بدل گیا اور ان کو لائق تعظیم گردانے لگا تھا۔ موت کو یاد کر کے آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

ہمیشہ با وضو رہتا، نماز با جماعت ادا کرتا اور رمضان کے روزے پابندی سے رکھتا۔ مے نوشی سے سخت نفرت تھی، اسراف و تبذیر اور فضول خرچی سے ہر حال میں دامن بچاتا اور کسی معاملے میں جائز حدود سے قدم



آگے نہ بڑھاتا۔ رعایا کے حالات سے باخبر رہنے کی کوشش کرتا۔ عام طور سے بھیس بدل کر کبھی دن اور کبھی رات کو بازاروں اور گلیوں کے چکر لگاتا۔ تاریخ کے مطالعہ کا شائق تھا اور گزشتہ دور کے ملوک و سلاطین کے کوائف و واقعات دلچسپی سے پڑھتا۔ مختصر یہ کہ اوصاف گونا گوں کی بنا پر سلطان مظفر حلیم اپنے اسلاف و اقران سے سبقت لے گیا تھا۔

اس کی زندگی کے بہت سے واقعات تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ جانپانیر کے قاضی کی عدالت میں گھوڑوں کے ایک تاجر نے بادشاہ کے خلاف یہ استغاثہ دائر کیا کہ بادشاہ نے اس کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا ہے۔ اس سے گھوڑے خریدے ہیں مگر ان کی قیمت ادا نہیں کی، بذریعہ عدالت بادشاہ سے ان کی قیمت دلائی جائے۔ قاضی نے اپنا فرستادہ بھیج کر بادشاہ کو عدالت میں طلب کیا۔ وہ ملزم کی حیثیت سے عدالت میں آیا اور آداب بجالا کر قاضی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اب مدعی اور مدعا علیہ دونوں قاضی کی عدالت میں کھڑے ہیں۔ قاضی نے مدعا علیہ بادشاہ کو حکم دیا کہ عدالت کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ عدالت میں نہ اسے بیٹھنے کی اجازت ہے اور نہ زیادہ اونچی آواز سے بات کرنے کی۔ قاضی نے مدعی تاجر اور مدعا علیہ بادشاہ کا بیان لیا، تو تاجر کا دعویٰ صحیح ثابت ہوا۔ تاجر نے اسی وقت قاضی کی عدالت میں رقم لینے کا مطالبہ کیا اور قاضی سے عرض کی جب تک پوری رقم ادا نہیں کر دی جاتی، بادشاہ کو عدالت سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دی جائے۔ چنانچہ بادشاہ کو مجبوراً اسی وقت رقم تاجر کو ادا کرنا پڑی۔ حساب صاف ہو گیا تو قاضی نے تاجر سے سوال کیا: ”رقم پوری مل گئی یا کچھ باقی رہ گئی ہے؟“ تاجر نے جواب دیا: ”مل گئی ہے۔“ اب قاضی اپنی جگہ سے اٹھا اور بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ نے قاضی کا ہاتھ پکڑ کر کرسی پر بٹھایا۔ خود دوسری کرسی پر اس کے برابر بیٹھا، صحیح فیصلہ کرنے پر اس کی تعریف کی اور کہا، یہ آپ کے لیے امتحان کا وقت تھا، اگر آپ میرے لحاظ میں آ کر مدہنت کرتے تو میں اس منصب سے آپ کو علیحدہ کر کے، کسی بہتر شخص کو اس پر متعین کر دیتا۔ میری دعا ہے اللہ آپ کو اس حق گوئی کا بہتر صلہ عطا فرمائے۔ عہدہ قضا پر آپ ہی جیسے شخص کو متمکن ہونا چاہیے۔ قاضی نے کہا، بادشاہت بھی آپ ہی جیسے اونچے کردار کے آدمی کو زیب دیتی ہے۔

سلطان مظفر حلیم نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حجاج کے لیے رباط بنایا، اور اس میں مدرسہ قائم کیا جس کے اخراجات وہ خود ادا کرتا تھا۔

سرزمین گجرات کا یہ سلطان عابد و زاہد اور مستجاب الدعوات تھا۔ ایک مرتبہ اس کے عہد ۹۳۱ھ (۱۵۲۵ء) میں گجرات میں شدید قحط پڑا اور لوگ سخت تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ بادشاہ نے صدقہ و خیرات کیا اور لوگوں کے ساتھ نماز استسقا کے لیے باہر نکلا۔ نہایت عجز و انکسار اور خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اس کی دعا کے آخری الفاظ یہ تھے:

اللہم انی عبدک ولا املک لنفسی شیئاً فان تک ذنوبی حسبت

القطر عن خلقك فها ناصيتي بيدك فاغثنا يا ارحم الراحمين۔  
اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں میں اپنے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ اگر میرے گناہوں کی وجہ سے تو نے بارش کو اپنی مخلوق سے روک لیا ہے تو میرے یہ پیشانی کے بال تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اے ارحم الراحمین ہم پر بارش برسا۔

یہ الفاظ کہے اور پیشانی زمین پر رکھ دی۔ سجدہ میں گر پڑا اور بار بار یا ارحم الراحمین کے الفاظ زبان سے ادا کرنے لگا۔ پھر زمین سے سر نہیں اٹھایا یہاں تک کہ ہوا چلنا شروع ہوئی، آسمان پر بادل نمودار ہوئے اور گرج چمک کے ساتھ مینہ برسنے لگا۔ اب اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کیا اور نماز و دعا سے فارغ ہو کر بارش میں بھیگتا اور صدقہ و خیرات کرتا ہوا عام لوگوں کے ساتھ گھر آیا۔

سلطان مظفر حلیم کے اس قسم کے متعدد واقعات کتب تاریخ میں منقول ہیں۔ اس پر نرمی اور حلیمیت اس درجہ غالب تھی کہ لفظ ”حلیم“ اس کے نام کا مستقل جز بن گیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ اپنے دیگر فرائض سلطانی سے محروم تھا اور محض ایک نیک اور متحمل مزاج حکمران تھا۔ یہ گجرات کا نہایت باہمت فاتح، صاحب تدبیر اور شجاع بادشاہ تھا۔ اس کے عہد میں مملکت گجرات کی حدود میں بڑی وسعت ہوئی اور متعدد علاقے اور مضبوط قلعے مفتوح ہوئے۔ لیکن یہاں پر اس کی زندگی کے اس پہلو کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں، صرف اس کے علمی گوشوں کی وضاحت اور علم و علما سے تعلقات اور روابط کی نشان دہی کرنا پیش نگاہ ہے۔

سلطان باقاعدہ عالم دین تھا، حصول علم کا اس درجہ شائق تھا کہ ایام سلطانی میں اساتذہ حدیث سے صحاح ستہ کا درس لیا اور یہ کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں۔ کتب تفسیر میں تفسیر معالم زیر مطالعہ رہتی۔ حصول علم کے بارے میں اس کی تگ و تاز کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

روزے تفسیر معالم التنزیل مطالعہ می فرمود۔ گفت کہ من در ایام بادشاہی نسبت باایام شہزادگی تحصیل بیشتر کردم۔ صحاح ستہ را در ایام سلطانی خواندم۔ الحال نصف تفسیر معالم التنزیل مطالعہ کردم و امید دارم کہ نصف دیگر در بہشت خوانم ①۔

ایک دن وہ تفسیر معالم التنزیل کا مطالعہ کر رہا تھا کہ کہا میں نے زمانہ بادشاہی میں بہ نسبت زمانہ شہزادگی کے زیادہ علم حاصل کیا ہے۔ صحاح ستہ کی تکمیل زمانہ بادشاہی میں کی ہے۔ اب تک نصف معالم التنزیل پڑھ چکا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ نصف باقی جنت میں پڑھوں گا۔

وفات:

مظفر حلیم کی وفات جمعہ کے روز ہوئی۔ سورج ڈھل چکا تو وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی۔ نماز کے بعد

① مرآت سکندری، ص ۱۶ تا ۱۵۔

محل سرا میں جانے لگا تو قدم لڑکھڑا گئے۔ طبیعت پہلے سے خراب تھی۔ اب اور نقاہت طاری ہو گئی۔ مستورات رونے لگیں تو انھیں صبر کی تلقین کی۔ اتنے میں ایک مصاحب خاص اسد الملک راجہ محمد حسین آیا۔ اس کے لیے علم و عمل کی دعا کی اور کہا، تم نے میری بڑی خدمت کی ہے اس کا بدلہ تو تمہیں اللہ ہی دے گا، اب آخری خدمت یہ کرو کہ وفات کے وقت میرے پاس حاضر رہو اور سورہ لیس پڑھو۔ مجھے غسل اپنے ہاتھ سے دینا۔ اس کے بعد راجہ مدوح کے لیے دعائے خیر کی۔ اتنے میں اذان کی آواز کان میں پڑی تو پوچھا۔ اذان وقت پر ہو رہی ہے؟ اسد الملک نے جواب دیا، یہ جمعے کی اذان ہے اور ان لوگوں کے لیے ہے جو نماز میں حاضر ہونے کی طاقت رکھتے ہیں۔ سلطان نے کہا، ظہر کی نماز تو میں تمہارے پاس پڑھوں گا، لیکن عصر کی نماز ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے اللہ کے پاس جنت میں ادا کروں گا۔ یہ کہہ کر لوگوں کو نماز جمعہ کے لیے مسجد میں بھیج دیا اور خود گھر میں نماز ظہر پڑھی اور بصورت دعا یہ آیت تلاوت کی:

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَاوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ أَنْتَ وَلِيِّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا  
وَالْحَقِّيْنِي بِالصَّلِحِينَ ①

اے میرے پروردگار تو نے مجھے سلطنت کا بڑا حصہ عطا فرمایا اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ مجھ کو پوری فرماں برداری کی حالت میں دنیا سے اٹھائیو اور مجھ کو نیک بندوں میں شامل کیجیو۔

اس کے بعد مصلے سے اٹھا اور چار پائی پر لیٹ گیا۔ قبلہ رخ ہو کر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا اور جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ اس عادل و عالم بادشاہ نے پندرہ سال آٹھ مہینے حکومت کرنے کے بعد ۲ جمادی الاولیٰ ۹۳۲ھ (۱۴ مارچ ۱۵۲۶ء) کو وفات پائی ②۔

### سلطان بہادر شاہ

دسویں صدی ہجری کے سلاطین گجرات میں سلطان بہادر شاہ کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ یہ سلطان منظر کا لڑکا تھا۔ عید الفطر کے دن ۹۳۲ھ (۱۱ جولائی ۱۵۲۶ء) کو تخت گجرات پر متمکن ہوا۔ تہور و شجاعت، تدبیر و سیاست، فہم و فراست اور سخاوت و معدلت گستری میں اپنے اسلاف کا صحیح نمونہ تھا۔ اس کے عہد حکومت میں سلطنت گجرات کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، اس میں کئی نئے علاقے اور نئے شہر داخل ہوئے، جن میں اس کے

① سورہ یوسف: ۱۰۱

② تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مرآت سکندری، ص ۱۷۳ تا ۲۳۵۔ تا، فرشتہ، ج ۲، ص ۳۱۳ تا ۳۲۴۔

نام کا خطبہ پڑھا اور سکہ جاری کیا گیا۔ پھر یہ تماشا بھی چشم فلک نے اسی کے عہد میں دیکھا کہ ۹۴۲ھ (۱۵۳۶ء) میں ہمایوں نے گجرات کا قصد کیا اور اس پر حملہ کر کے بعض علاقوں میں سلطان کو شکست دی۔

سلطان بہادر شاہ کو پرتگالیوں نے بندر دیو میں ۳ رمضان ۹۴۳ھ (۱۵۳۷ء) کو دھوکے سے شہید کر دیا تھا۔ اس وقت سلطان تنہا تھا، کوئی دوسرا اس کے ساتھ نہ تھا۔ ایک پرتگالی مریض کی عیادت کے بہانے سے اس کو وہاں بلایا گیا، ندیموں اور مصاحبوں نے ہر چند جانے سے روکا اور پرتگالیوں کی نیت پر شبے کا اظہار کیا مگر سلطان نے کوئی پروا نہ کی اور ساتھیوں کے روکنے کے باوجود کشتی میں سوار ہو کر بندر دیو جانے کا عزم کیا اور مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوا۔ بہادر شاہ بیس سال کی عمر میں تخت گجرات پر بیٹھا۔ گیارہ سال حکومت کی۔ اکتیس برس کی عمر میں درجہ شہادت حاصل کیا۔

سلطنت گجرات کا آخری بادشاہ محمود بن لطیف تھا۔ اس نے اوائل ربیع الاول ۹۴۴ھ (اگست ۱۵۳۷ء) کو گجرات کا چتر شاہی اس وقت سر پر رکھا، جب حکومت کی بنیادیں ہل چکی تھیں اور مغلوں نے ارض گجرات کو اپنے شدید حملوں کا نشانہ بنا لیا تھا۔ سلطان محمود کو اوائل ربیع الاول ۹۶۱ھ (فروری ۱۵۵۴ء) کو قتل کیا گیا اور اس کی موت کے ساتھ ہی گجرات کا ڈیڑھ سو سالہ دور حکومت ختم ہو گیا۔ اب گجرات دوبارہ تخت دہلی کے ماتحت آ گیا اور اس پر مغلوں کا پرچم اقتدار لہرانے لگا۔<sup>①</sup>

نویں صدی ہجری کے سلاطین گجرات نے علم و علما کی کی جو خدمات انجام دیں اس کا ذکر فقہائے ہند کی دوسری جلد کے مقدمے میں کیا جا چکا ہے اور جو واقعات دسویں صدی ہجری کے عہد میں رونما ہوئے ان کا تذکرہ اختصار کے ساتھ ان سطور میں پیش کر دیا گیا ہے۔

### سلاطین سندھ

برصغیر میں علاقہ سندھ کو باب الاسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نواح میں یہ وہ خطہ ارض ہے جہاں پہلے پہل اسلام کے قدم جمے اور اس ملک میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے پھیلاؤ کے لیے فضا، ہموار ہوئی۔ قدیم دور کے برصغیر میں سندھ اور ہند دو الگ الگ ملک تھے اور سندھ کو اسلامی علوم کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ ہم اس موقع پر اپنے موضوع کی حدود سے باہر قدم نہیں رکھنا چاہتے۔ مختصر الفاظ میں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دسویں صدی ہجری کے سندھ کی علمی حیثیت کیا تھی اور اس کے کون کون حکمران علم و علما سے کس درجہ تعلق و مودت رکھتے تھے۔

شاہی بیگ:

دسویں صدی ہجری کے سندھی ملوک و سلاطین میں تاریخ ہمیں ایک بہت بڑے فاضل عالم دین اور

① تفصیل کے لیے دیکھیے مرآت سکندری، ص ۳۲۸ تا ۳۵۸۔

منصف حکمران سے متعارف کراتی ہے جس کا نام شاہی بیگ بن ذی النون ارغون قندھاری ہے۔ شاہی بیگ دراصل قندھار کا بادشاہ تھا جو اپنے باپ ذی النون کی وفات کے بعد تخت قندھار کا وارث بنا تھا۔ اس کا اسلوب زندگی دیگر حکمرانوں سے بہت حد تک مختلف تھا۔ یہ علم و فضل کا پیکر اور تدین و صالحیت کا مرقع تھا۔

شاہی بیگ کا شامیانہ اقتدار عرصے تک سرزمین قندھار پر تیار رہا۔ پھر ۹۱۳ھ (۱۵۰۷ء) میں مغل حکمران بابر نے قندھار پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ شاہی بیگ نے بابر سے شکست کھا کر سندھ کا رخ کیا اور اس علاقے کو فتح کر کے اپنے تسلط میں لے لیا۔

شاہی بیگ عالم دین اور معقولات و منقولات کا ماہر بادشاہ تھا اور کئی کتابوں کا مصنف تھا۔ اس نے متعدد فنی و علمی کتابوں پر حواشی و تعلیقات لکھیں جن میں شرح کافیہ، تعلیقات علی شرح المطالع، سید شریف کی شرح سراجیہ پر تعلیقات جو علم میراث کے موضوع سے متعلق ہے، خاص طور سے مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر کتب و رسائل پر بھی بہت سے حواشی و تعلیقات سپرد قلم کیں۔

سندھ کے اس ذی علم اور صاحب تصنیفات حکمران نے ۲۸ شعبان ۹۱۸ ہجری (۸ نومبر ۱۵۱۲ء) کو بھکر میں وفات پائی اور عارضی طور پر اسے وہیں دفن کیا گیا۔ بعد ازاں اس کی میت مکہ مکرمہ منتقل کی گئی اور قبرستان معلیٰ میں اس کی تدفین عمل میں آئی ①۔

اس کے عہد کے علمائے کرام اور فقہائے عظام کے حالات کتاب کے آئندہ اوراق میں مذکور ہیں۔

## مرزا شاہ حسین

مرزا شاہ حسین ۸۷۶ھ (۱۴۷۲ء) میں پیدا ہوا اور اپنے باپ شاہی بیگ کی وفات کے بعد ۹۲۸ھ (۱۵۲۲ء) کو حکومت سندھ کی باگ ڈور ہاتھ میں لی۔ اس نے مہد علم و فضل میں پرورش پائی اور سلطنت و حکمرانی کے ماحول میں تربیت کی منزلیں طے کیں۔ ابتدائے عمر ہی میں اسے اس عہد کے جید علمائے کرام کے حلقہ تلمذ میں داخل کر دیا گیا تھا جن میں مصلح الدین لاری اور شیخ یونس سمرقندی کے اسمائے گرامی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔ ایک مدت تک یہ ان مشاہیر اساتذہ کرام کی ملازمت و صحبت میں رہا اور مختلف علوم و فنون میں مہارت پیدا کی۔ یہ اس دور کے سندھ کا وہ بادشاہ تھا جس کے علم و فضل اور تحقیق و تفحص کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

زمانہ طالب علمی میں یہ اپنے درس کے مضامین کو باقاعدہ ضبط تحریر میں لانے کا عادی تھا اور یہ مضامین کئی اجزا میں پھیل گئے تھے۔ تاریخ معصومی کے مصنف سید معصوم کا بیان ہے کہ انہوں نے بلد سیوستان میں وہاں کے قاضی کے پاس ان مسودات کو دیکھا تھا۔ وہ دس اجزا پر مشتمل تھے۔

مرزا شاہ حسین عادل و کریم اور محبت اہل علم اور شریف النفس تھا۔ صلحا و انقیاء سے اس کا طویل صحبتیں

① تفصیلات کے لیے دیکھیے مرات سکندری، ص ۳۱۸۵۲۵۸۔

رہتیں اور ان سے انتہائی عزت و احترام سے پیش آتا، ان کی علمی مجلسوں سے مستفید ہوتا، امور مہمہ میں ان سے مشورے لیتا، شریعت مطہرہ کی روشنی میں آگے قدم بڑھاتا اور انھیں صلوات و جوائز سے نوازتا۔

اس کے عہد حکومت کا یہ واقعہ کتب تاریخ میں مرقوم ہے کہ ۹۱۷ھ میں ایک عالم دین قاضی شکر اللہ قندھار سے سندھ کے ایک شہر ٹھٹھہ تشریف لے گئے۔ سندھ میں ان دنوں سلطان شاہی بیگ داد حکمرانی دیتا تھا۔ اس نے ان کی قابلیت اور گونا گوں صلاحیتوں سے متاثر ہو کر ان کو ٹھٹھہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ اس منصب کی نازک اور اہم ذمہ داریوں کو انھوں نے وقار و احترام اور دبدبہ و وطنہ کے ساتھ انجام دیا۔ شاہی بیگ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مرزا شاہ حسین وارث تخت ہوا۔ ایک مرتبہ اس نے بعض تاجروں سے چند گھوڑے خرید کیے اور ان کی قیمت ادا کرنے سے عمداً تساہل و تاخیر سے کام لیا۔ تاجروں نے ناامید ہو کر قاضی شکر اللہ سے رجوع کیا اور ان کی عدالت میں بادشاہ کے خلاف مدعی بن کر حاضر ہوئے۔ وہ عدالت میں حاضر ہوا تو اسے مدعی تاجروں کے ساتھ کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا۔ دعویٰ پیش ہوا۔ قاضی کے سوال پر مدعا علیہ بادشاہ نے تاجروں کے موقف کی تصدیق کی اور قیمت نہ ادا کرنے کا اقرار کیا۔ قاضی نے تاجروں کے حق میں فیصلہ دیا اور سلطان نے تاجروں کو قیمت ادا کر دی۔ فیصلے کے بعد قاضی شکر اللہ اپنی مسند سے اٹھے۔ آداب سلطانی بجالائے اور سلطان کو اپنے پاس بٹھایا۔ اب بادشاہ نے تلوار نکالی جو اس نے اپنی قبا میں چھپا رکھی تھی اور اسے قاضی کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ تلوار میں نے آپ کے لیے رکھی تھی۔ اگر آپ صحیح فیصلہ نہ کرتے اور میرے لحاظ میں اپنے مقام و منصب کی ذمہ داریوں کا خیال نہ رکھتے تو اس تلوار سے آپ کی گردن اڑا دیتا۔“

قاضی شکر اللہ نے بھی بادشاہ کی یہ بات سن کر مسند کے نیچے سے برہنہ تلوار نکال کر بادشاہ کو دکھائی اور کہا۔ ”میں نے بھی یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ مبادا بادشاہ خلاف شریعت قدم اٹھائے اور کوئی شخص اسے ٹوکنے کی جرات نہ کرے تو میں خود اس تلوار سے سیاست شرعی بجالاؤں گا۔“

اس کے بعد سلطان اس فیصلے پر اظہار مسرت کرتے ہوئے عدالت سے باہر نکل گیا۔ اس نے صرف اس بنا پر تاجروں کو قیمت ادا کرنے میں تساہل سے کام لیا تھا کہ وہ قاضی موصوف کو اپنے بارے میں آزمانا چاہتا تھا اور اسے یہ معلوم کرنا مقصود تھا کہ قاضی صحیح فیصلہ کرتا ہے یا نہیں؟ اس واقعہ سے کچھ عرصے بعد قاضی شکر اللہ منصب قضا سے الگ ہو گئے تھے اور سب امور سے منقطع ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی ①۔

مرزا شاہ حسین نے ۱۱ ربیع الاول ۹۶۱ھ (۱۴ فروری ۱۵۵۴ء) کو وفات پائی۔ اس کی میت مکہ مکرمہ منتقل کی گئی اور اپنے باپ کے پہلو میں اسے دفن کیا گیا۔ اس نے چھبیس سال عمر پائی اور چونتیس برس حکومت کی۔ اس کے عہد حکومت کے فقہائے کرام کا تذکرہ کتاب کے آئندہ صفحات میں ملے گا۔

① تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ معصومی، ص ۱۹۵ تا ۲۰۱۔ تاریخ فرشتہ ج ۲، ص ۵۱۵، ۴۱۵۔ مآثر جمہی ج ۲، ص ۲۹۷

## جام نظام الدین

نظام الدین نندہ بن پاینہ بن اتر بن صلاح الدین بن تما جی۔ یہ سندھ کے قبیلہ سمہ سے تعلق رکھتا تھا۔ شیخ شہاب الدین احمد بن حجر کی نے اپنے رسالہ ریاض الرضوان میں مآثر عبدالعزیز آصف خاں کے ضمن میں اس کا سلسلہ نسب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچایا ہے۔ آصف خاں کی روایت سے یہ بھی لکھا ہے کہ جام نظام الدین نندہ مخزومی تھا اور قبیلہ بنی مخزوم کا فرد تھا۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ وہ اسی برصغیر کا نجا رہا تھا اور قبیلہ سمہ سے تعلق رکھتا تھا۔ بہر حال وہ نسباً کوئی بھی ہو یہ واقعہ ہے کہ دسویں صدی ہجری کے سندھ کا یہ نہایت عادل و منصف عالم و فاضل رحمہ اللہ خدا ترس رعایا پرور، نرم خو اور نیک فطرت بادشاہ تھا۔ اس نے ۵ ربیع الاول ۸۶۶ھ (۸ دسمبر ۱۴۶۱ء) کو سندھ کی زمام حکومت ہاتھ میں لی اور اڑتالیس سال برسر اقتدار رہا۔ خود عالم تھا اور اہل علم سے مشفقانہ مراسم رکھتا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے دو اصحاب علم مصاحبوں..... شمس الدین اور میر معین الدین..... کو علامہ جلال الدین دوانی کی خدمت میں مختلف تحائف دے کر شیراز بھیجا اور انہیں سندھ تشریف لانے کے لیے عرض کیا لیکن ان کے وہاں پہنچنے سے قبل دوانی وفات پا چکے تھے۔

جام نظام الدین کی نیکی اور مسلمانوں سے محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ مسلمان حکمرانوں سے لڑائی کو سخت ناپسند کرتا تھا اور اپنے گھوڑے کی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر کہا کرتا تھا 'اللہ ہمیں لڑائی کے لیے تیری پیٹھ پر سوار ہونے سے بچائے' کیوں کہ ہمارے ملک کی سرحدیں مسلمانوں سے ملی ہوئی ہیں۔ آخر ہم کس سے برسر پیکار ہوں گے۔ بہر کیف جام نظام الدین نندہ سندھ کا ایک بہت ہی متقی، متورع اور نیک کردار بادشاہ تھا۔ اس کے عصر کو تاریخ میں احسن اعصار سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے عہد کو بہترین عہد کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے زمانے کے علما و فقہاء کا ذکر اس کتاب میں موجود ہے۔ سندھ کے اس بلند اطوار بادشاہ نے ۹۱۴ھ (۱۵۰۸ء) کو وفات پائی ①۔

## کشمیر

سرزمین برصغیر کا یہ سرسبز و شاداب خطہ جسے وادی کشمیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اسلام کی نشرو اشاعت کے اعتبار سے آٹھویں صدی ہجری سے قبل تقریباً بنجر تھا۔ اس میں شاہ مرزا بن طاہر خراسانی نے اسلام کی شمع روشن کی جو ۱۵ھ (۱۳۱۵ء) کو کشمیر آئے اور ایک ہندو راجہ کی ملازمت کرنے لگے۔ بعد ازاں بہت تھوڑے عرصے میں حکومت کشمیر کے اعلیٰ منصب پر فائز ہو گئے اور پھر اپنے اثر و رسوخ اور مقبولیت کی وجہ سے تخت شاہی پر قبضہ کر لیا۔ ان کا پوتا سکندر سلاطین کشمیر میں سب سے زیادہ طاقت ور اور با اثر حکمران تھا۔ اس کے

① مآثر جیبی ج ۲، ص ۲۷۲ تا ۲۵۴۔

لڑکے سلطان زین العابدین ۸۱۷ تا ۸۷۷ھ (۱۴۱۴ء تا ۱۴۷۲ء) نے پچاس سال بڑی شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی۔ یہ دور اس خاندان کی حکومت کا انتہائی عروج کا دور تھا۔ اس بلند ہمت بادشاہ نے کئی شہر آباد کیے۔ آمدورفت کے لیے پل تعمیر کیے اور نئے قلعے بنائے۔ اس کا دارالسلطنت سری نگر تھا۔ اس کی توسیع و ترقی کی طرف اس نے خاص طور سے توجہ مبذول کی۔ اس خاندان کی حکومت کا سلسلہ ۹۹۵ھ (۱۵۸۷ء) تک چلا جب کہ مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر نے اسے فتح کر کے اپنی حدود مملکت میں شامل کر لیا۔

کشمیر کے پہلے قابل ذکر عالم دین اور نامور مصنف و مبلغ امیر کبیر سید علی ہمدانی ۷۱۶ھ (۱۳۱۶ء) تھے۔ یہ اصلاً ہمدان کے باشندے تھے۔ وہاں سے ہجرت کر کے کشمیر آئے اور پھر مستقل طور پر یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ ان کے فرزند سید محمد بھی اچھے عالم اور مصنف تھے۔ ان کے بعد دسویں صدی ہجری کے علمائے کرام میں مولانا رضی الدین کشمیری متوفی ۹۵۶ھ (۱۵۴۹ء) اور مفتی فیروز کشمیری متوفی ۹۷۷ھ (۱۵۶۹ء) کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اس عہد کے کشمیری علماء و فقہاء کا تذکرہ قارئین محترم کتاب کے آئندہ اوراق میں پڑھیں گے۔

### سلطنت مالوہ

ارض ہند میں علم و فضل کے نشروذیوع کے سلسلے میں مالوہ کی سلطنت کا ذکر بھی کتب تاریخ میں نمایاں طور پر کیا گیا ہے۔ یہ سلطنت ۸۰۴ھ (۱۴۰۲ء) میں عالم وجود میں آئی اور ۹۷۹ھ (۱۵۷۱ء) تک قائم رہی۔ اس اثنا میں یکے بعد دیگرے متعدد حکمران اس کی تخت پر جلوہ افروز ہوئے جن میں سے بعض نے علم و ادب کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بالخصوص سلطان محمود نے اپنے عہد حکومت میں علما کی بڑی پذیرائی کی اور علم کی خدمت کو اپنی زندگی کا ضروری جز قرار دیا۔ دسویں صدی ہجری میں ارض مالوہ میں جن علمائے کرام کے نقوش علمی اجاگر ہوئے ان میں چندیری کے مولانا شاہ احمد شرعی کا اسم گرامی تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ ثبت رہے گا جو عالم دین، فقیہ، کثیر العبادت اور صاحب طریقت بزرگ تھے۔ ان کے حالات میں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ تفسیر کشاف کے نامور مصنف زختری نے جو مسلکاً معتزلی تھے اہل سنت پر طعن کرتے ہوئے یہ دو شعر کہے:

و جماعة سموا ہوا ہم سنة و جماعة حمر لعمری مولفة

قد شبہوا بخلقہ فتحو فوا شنع الوری فستروا بالبلکفہ

مولانا شاہ احمد شرعی نے اسی وزن اور قافیہ میں اس کا جواب ان دو شعروں میں دیا۔

عجا لقوم ظالمین تلقبوا بالعدل ما فیہم لعمری معوفہ

قد جاء ہم من حیث لا یدر ونہ تعطیل ذات اللہ مع نفی الصفة

شاہ احمد شرعی نے ۹۲۸ھ (۱۵۲۲ء) کو وفات پائی ①۔

① اخبار الاخیار ص ۲۲۱، ۲۲۰۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۸۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۳۲، ۱۳۳۔



## دکن کی سلطنتیں

سلطان محمد بن تغلق کی وفات کے بعد ہندوستان کی مرکزی حکومت میں کمزوری کے آثار پیدا ہو گئے تھے، بلکہ دکن کی بہمنی سلطنت تو اس کی تو زندگی ہی میں عالم وجود میں آ گئی تھی اور بہت مضبوط ہو گئی تھی۔ سلطان مذکور نے اس کو باقاعدہ تسلیم بھی کر لیا تھا۔ بہمنی سلطنت رو بڑوال ہوئی تو علاقہ دکن میں چھوٹی بڑی پانچ سلطنتیں قائم ہو گئی تھیں، جن میں تین سلطنتیں اپنے اوصاف و خصوصیات کی بنا پر بڑی اہم تھیں، اور وہ تھیں بیجاپور کی عادل شاہی، گولکنڈہ کی قطب شاہی اور احمد نگر کی نظام شاہی سلطنتیں۔ ان سلطنتوں میں علم و تحقیق کے میدان میں بڑی وسعت پیدا ہوئی اور متعدد علمائے کرام نے مختلف علوم و فنون پر کتابیں تصنیف کیں۔ دینی مدارس جاری کیے اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ تفصیل کا یہ محل نہیں، اختصار کے ساتھ ہم ان حکومتوں اور ان کے حکمرانوں کی خدمت علمی کا ذکر کریں گے۔

### عادل شاہی سلطنت

بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت، اگرچہ ہندوستان کی علاقائی سلطنت تھی، لیکن بڑی مضبوط اور مستحکم سلطنت تھی۔

### یوسف شاہ:

عادل شاہی خاندان کا پہلا حکمران یوسف شاہ تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اصلاً ترکی کے عثمانی خاندان کا فرد تھا اور سلطان مراد بن بایزید یلدرم متوفی ۸۵۴ھ (۱۴۵۰ء) کا بیٹا تھا۔ سلطان مراد کے بعد ترکی کی عنان حکومت اس کے بیٹے سلطان محمد فاتح نے اپنے ہاتھ میں لی تو یوسف کو اپنے اس بڑے بھائی سے جان کا خطرہ پیدا ہو گیا اور وہ اس کے ڈر سے ترک وطن پر مجبور ہو گیا۔ ترکی سے بھاگ کر پہلے وہ ساوہ کے مقام پر گیا۔ بعد ازاں داخل ہند ہوا۔ یہاں آ کر اس نے احمد آباد میں سکونت اختیار کی۔ پھر حالات نے یوری کی اور اسے بیجاپور کا والی مقرر کر دیا گیا۔ پانچ سال وہ اس منصب پر متعین رہا۔ منقول ہے کہ ۹۹۶ھ (۱۴۹۱ء) کو محمود شاہ بہمنی کے ایام حکومت میں اس نے سلطنت بہمنیہ کے متعدد شہروں پر قبضہ کر لیا اور بالآخر بیجاپور میں عادل شاہ کا لقب اختیار کر کے وہاں کا مستقل بادشاہ بن گیا۔ یہ شیعئی المسلمک تھا۔ ۹۰۸ھ (۱۵۰۳ء) کو اس نے بیجاپور میں بارہ اماموں کا خطبہ پڑھا۔ ملوک ہند میں یہ پہلا بادشاہ تھا جس نے اپنے ملک میں ائمہ اثنا عشرہ کے نام کا خطبہ پڑھا، اور اس مذہب کی ترویج کی۔ یہ عادل، کریم النفس، حلیم الطبع اور عالم و فاضل حکمران تھا۔ علما کا بے حد احترام کرتا تھا۔ اچھا شاعر بھی تھا۔ یہ شعر اسی کے ہیں:

آں کس کہ علم را بہ نیک نامی گزاشت در مزرع دہر تخم بنکوئی کاشت  
 نیکوای زندہ جاوید اند مرد آنکہ بمردو نام نکو نگزاشت  
 بیجاپور کے عادل شاہی خاندان کا یہ پہلا حکمران تھا۔ اس نے ۹۱۷ھ (۱۵۱۱ء) میں وفات پائی۔

## علی عادل شاہ:

عادل شاہی حکمرانوں میں ایک حکمران علی عادل شاہ تھا، جو خود بھی صاحب علم تھا اور علمائے کرام کا بھی بدرجہ غایت قدر دان تھا۔ علم نحو، منطق، فلسفہ و حکمت اور علم کلام کا ماہر تھا۔ ان علوم کی تحصیل اس نے اپنے دور کے مشہور فضلا، خواجہ عنایت اللہ شیرازی اور امیر فتح اللہ شیرازی سے کی تھی۔ خط نسخ، خط ثلث اور خط رقاع میں مہارت رکھتا تھا۔ شعر و انشا، فن حرب اور علوم سیاسیہ میں درجہ کمال پر فائز تھا۔ ۹۶۵ھ (۱۵۵۸ء) میں بیجاپور کے تخت فرماں روائی پر متمکن ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں بیجاپور کو مدینۃ العلم کی حیثیت حاصل تھی۔

علی عادل بھی مسلک شیعہ تھا لیکن علم و علما کی تعظیم و تکریم میں بڑا وسیع القلب تھا۔ اس کے زمانے میں حدود مملکت میں وسعت پیدا ہوئی اور اس نے متعدد مستحکم قلعے اور کئی شہر فتح کیے۔ اس کے دور حکومت میں بھی بارہ اماموں کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ شیعہ علما کو اس کے نزدیک بالخصوص تقرب حاصل تھا اور اس کی سلطنت میں شیعہ مذہب کی بڑی ترویج ہوئی۔ اس عالم و فاضل بادشاہ نے تیس سال حکومت کر کے ۲۳ صفر ۹۸۸ھ (۱۹ اپریل ۱۵۸۰ء) کو وفات پائی۔

## سلطنت قطب شاہیہ

علاقہ دکن میں سلطنت قطب شاہیہ کا آغاز اس طرح ہوا کہ عراق کے شاہی خاندان کا ایک شخص قلی نامی سلطان محمود شاہ بہمنی کے زمانے میں ارض دکن میں وارد ہوا۔ یہ شخص دراصل شاہ عراق میرزا جہان شاہ مقتول کا نواسہ تھا اور اس کی جائے ولادت ہمدان تھی۔ سلطان محمود شاہ بہمنی کے غلاموں میں ترک غلاموں کو بڑی عزت اور اہمیت حاصل تھی۔ اس نے قلی کو ان ہی غلاموں کی سلک میں منسلک کر لیا۔ یہ شخص علم حساب کا ماہر تھا اور خط سیاق کی کتابت میں عبور رکھتا تھا، لہذا سلطانی حرم کے محلات کا مشرف مقرر ہوا۔ شاہی خاندان کی مستورات اس کے حسن اخلاق اور امانت و دیانت سے بہت خوش تھیں۔ اتفاق سے حرم شاہی کی جاگیروں کے بعض منتظمین کی طرف سے جو علاقہ تلنگ میں واقع تھیں یہ شکایات پہنچنا شروع ہوئیں کہ وہاں چوروں اور رہزنوں کی بہت بڑی تعداد نے قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا ہے اور منتظمین جاگیر اور عام رعایا ان سے سخت پریشان ہے۔ سلطان نے ان کی سرکوبی کے لیے کچھ لوگوں کو وہاں بھیجنا چاہا تو قلی نے اپنی خدمات پیش کیں اور رہزنوں کی سرکوبی کا وعدہ کیا۔ چنانچہ سلطان نے اس کی درخواست منظور کر کے ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر اس کو

وہاں بھیجا۔ اس نے چند ہی روز میں قطاع طریق اور رہزنیوں سے پورے علاقے کو صاف کر دیا اور سرکشوں کا نام و نشان باقی نہ چھوڑا۔ سلطان نے خوش ہو کر اس کو کئی دیہات اور بلدء گوکنڈہ بطور جاگیر عطا کیے اور قطب المملکی کے خطاب سے نوازا۔ یہ مدت تک اس نواح میں سپہ سالار کی حیثیت سے خدمات انجام دیتا رہا۔ اس دور میں اس کو مختلف فرمانوں اور تحریروں میں صاحب القلم و السیف لکھا جاتا تھا۔

بعد کو جب سلطان محمود شاہ بہمنی کی سلطنت میں کمزوری کے آثار نمودار ہوئے تو اس علاقے میں ۹۱۸ھ (۱۵۱۲ء) اس نے خود اپنی حکومت قائم کر لی اور قطب شاہ کے نام سے سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس مملکت کے اہم مناصب پر اس نے اپنے عزیزوں اور بھائیوں کو فائز کیا اور سلطان محمود شاہ بہمنی سے بھی تعلقات قائم رکھے۔ اس کی خدمت میں شاہی رسم و رواج کے مطابق تحائف و ہدایا پیش کیے اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ اس نے بھی بارہ اماموں کے نام کا خطبہ پڑھنا شروع کا اور اثناعشری مذہب اختیار کیا۔

قطب شاہ نے بہمنی سلاطین سے تو گہرے اور مخلصانہ تعلقات قائم کیے مگر مختلف حکومتوں اور فرماں رواؤں کی طرف سے اس کو بہت سی پریشانیاں بھی لاحق ہوئیں، جن کی تفصیل میں جانا ہمارے موضوع سے خارج ہے؛ تاہم مجموعی طور پر اس کا دور حکومت علما و فقہاء کے لیے اطمینان بخش تھا۔ اس کے عہد میں جہاں مملکت کی حدیں وسیع ہوئیں وہاں علوم و فنون نے بھی ارتقا کی منزلیں طے کیں۔

قطب شاہ نے خاصی لمبی عمر پائی۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ جمشید حیدر اور ابراہیم۔ جمشید بھی کافی عمر کو پہنچ گیا تھا اور تمنائے بادشاہی میں داڑھی سفید کر لی تھی۔ اس نے ایک ترک غلام کو باپ کے قتل پر آمادہ کیا۔ چنانچہ ایک دن بادشاہ دریا کے کنارے بیٹھا تھا کہ جمشید کے ترک غلام نے تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا۔ جمشید نے جو پاس ہی کھڑا تھا، شمشیر آ ب دار سے اس غلام کا بھی خاتمہ کر دیا تا کہ کسی وقت باپ کے قتل کا راز فاش نہ ہو سکے۔ قطب شاہ کا سانحہ قتل ۹۵۰ھ (۱۵۴۳ء) کو پیش آیا اور اس نے تینتیس سال حکومت کی۔

## جمشید قطب

سلطان قلی قطب کے بعد اس کا بیٹا جمشید قطب شاہ دکن کی گوکنڈہ سلطنت کے تحت حکومت پر متمکن ہوا۔ یہ بھی مذہباً شیعہ تھا۔ اس کے عہد کا یہ واقعہ قابل بیان ہے کہ اس زمانے میں ابراہیم عادل شاہ اور برہان نظام شاہ کے درمیان بعض معاملات میں جھگڑا چل رہا تھا۔ جمشید قطب شاہ اس سلسلے میں برہان نظام شاہ کا حامی تھا۔ وہ اس کی مدد سے فوج لے کر روانہ بھی ہوا مگر اس اثنا میں برہان نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ کے درمیان مصالحت ہو گئی تھی۔

اس صلح سے قطب شاہ خوش نہ تھا۔ اس نے برہان نظام شاہ سے اس کا اظہار کیا اور اس کی طرف جانے کے لیے عازم سفر ہوا، مگر اس کی سلطنت کے ایک عالم دین ملا محمود نے اس کو اس سفر سے روکا اور ان

خطرات سے آگاہ کیا، جن کے پیش آنے کا انھیں یقین تھا۔ قطب شاہ کو اس پر غصہ آ گیا اور اس نے جوش غضب میں ملا محمود کی ناک کاٹ ڈالی۔ اب قطب شاہ وہاں پہنچا تو اس کی مخالفت میں ہنگامہ بپا ہو گیا اور تلوار سے قطب شاہ کا چہرہ ناک اور گلہ زخمی ہو گئے، جس کی وجہ اس کو اکل و شرب میں سخت دشواری پیش آتی تھی اور وہ کسی کے سامنے کوئی چیز تناول نہ کرتا تھا۔

اس حادثے کے بعد وہ ملا محمود سے طالب عفو ہوا اور انھیں اپنے دربار میں تشریف لانے کی دعوت دی مگر انھوں نے آنے سے معذرت کر دی۔ شدت مرض سے جمشید نہایت بد مزاج اور بد اخلاق ہو گیا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر لوگوں کو جیل میں ڈال دیتا اور موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ اس نے سات سال حکومت کر کے ۹۵۷ھ (۱۵۵۰ء) میں بعارضہ تپ دق وفات پائی۔

### سلطان ابراہیم قطب شاہ:

جمشید کے بعد اس کا بھائی ابراہیم قطب شاہ تخت نشین ہوا۔ یہ بھی مذہباً شیعہ تھا۔ بڑا عقل مند و فہیم، مدبر اور سخی تھا، لیکن قہر و غضب کا عنصر اس کے مزاج پر غالب تھا۔ ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ تازیانے کی ضرب سے مخالف کے پاؤں کے ناخن انگلیوں سے علیحدہ کر کے برتن میں رکھ کر اس کے سامنے لائے جائیں تو اسے اطمینان ہوگا۔

اس کے عہد میں راستوں اور جنگلوں میں ڈاکوؤں اور چوروں کی بڑی کثرت ہو گئی تھی۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ اس کا طریق احتساب و حفاظت اس انداز کا تھا کہ سوداگر اور تاجران سے بالکل محفوظ تھے اور بلا کسی خوف اور خطرے کے دن رات محو سفر رہتے تھے۔

ابراہیم قطب شاہ نے بتیس سال چند ماہ حکومت کرنے کے بعد ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء) کو وفات پائی۔

### سلطنت نظام شاہیہ

نظام شاہیہ سلطنت کی ابتدا نظام الملک بحری سے ہوئی۔ اس کے تحت حکومت پر بھی دسویں صدی ہجری میں کئی نیک دل اور علم پرور بادشاہ متمکن ہوئے، جن کے عہد میں علما کی بڑی قدر دانی ہوئی اور علوم و فنون کی نشر و اشاعت میں اضافہ ہوا۔

### سلطنت ملتان

برصغیر کی دسویں صدی ہجری کی علاقائی سلطنتوں میں ایک سلطنت ملتان کی تھی۔ ملتان، اقلیم برصغیر کا وہ خطہ ارض ہے جو اسلام کے ابتدائی عہد ہی میں اسلامی تہذیب و ثقافت کی ضو افشانیوں سے منور ہو گیا تھا۔ اسے

یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ ہمیشہ اسلام کی نامور اور اہم شخصیتوں کا مسکن رہا اور اس کی گود میں جلیل القدر علما و فقہا اور مشائخ کرام نے نشوونما پائی اور پھر آگے چل کر ان کی خدمات گونا گوں کا دائرہ انتہائی وسعت پذیر ہوا۔ ملتان شہر کے علاوہ اس کے مضافات میں بھی بہت سے جلیل القدر علمائے کرام پیدا ہوئے جنہوں نے مختلف علوم و فنون پر کتابیں تصنیف کیں اور اپنی مساعی علم کی بنا پر شاہان عصر کے درباروں میں بھی بے پناہ عزت و توقیر کے مستحق قرار پائے اور عوام میں بھی بدرجہ غایت لائق تعظیم گردانے گئے۔ ان کے اسمائے گرامی تاریخ کی کتابوں اور تذکروں میں نمایاں الفاظ کے ساتھ مرقوم ہیں۔ رحمہم اللہ جامعین۔

ملتان کی سرزمین حکومت و فرماں روائی کے اعتبار سے بھی خاص اہمیت کی حامل ہے اور علم و فضل کے لحاظ سے بھی انتہائی زرخیز ہے۔ یہ علاقہ کئی قسم کے انقلابات دیکھ چکا ہے اور بہت سی علمی و فقہی کاوشوں کا مرکز رہا ہے۔ اس کے حکمرانوں میں شیخ یوسف قریشی کا نام تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو لنگاہ خاندان کے تسلط کے بعد ملتان سے نکل کر دہلی پہنچے تو سلطان بہلول لودھی نے نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنی بیٹی ان کے بیٹے شیخ عبداللہ کے عقد میں دے دی تاکہ برصغیر کے اس بلند مرتبت خاندان سے اس کا رشتہ و تعلق پیدا ہو۔

### حسین لنگاہ:

ملتان پر لنگاہ خاندان کے حکمرانوں میں قطب الدین لنگاہ کا بیٹا شاہ حسین لنگاہ ایک صاحب عزم و ہمت بادشاہ تھا۔ قابلیت، مستعدی، نیکی اور خداترسی میں ممتاز تھا۔ علم و فضل کے زیور سے بھی آراستہ تھا۔ اس کے ایام حکومت میں علوم و فنون کی ترقی کی نئی راہیں کھلیں اور اس کے دربار میں علما و فضلا کی بے حد قدر دانی ہوئی۔ اس کے وقت کا بڑا حصہ اصحاب علم کی مجلسوں میں بسر ہوتا تھا۔ یہ صلح کل بادشاہ تھا۔ سلطان بہلول لودھی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان سکندر لودھی دہلی کے تخت پر متمکن ہوا تو حسین لنگاہ نے اسے باپ کی تعزیت کا پیغام بھیجا اور ساتھ ہی تخت حکومت پر فائز ہونے کی مبارک باد پیش کی۔ شاہی رسوم کے مطابق تحائف و ہدایا بھی ارسال کیے۔ سلطان سکندر لودھی نے بھی اس کے فرستادوں کی بے حد تکریم کی اور انھیں شاہانہ خلعت عطا کر کے اکرام و تعظیم کے ساتھ رخصت کیا۔

حسین لنگاہ نے بادشاہ گجرات سلطان مظفر حلیم کے ساتھ بھی سلسلہ مراسلت جاری کیا اور اس کی خدمت میں اپنے ایک عالم دین قاضی محمد احمد کو مختلف تحائف دے کر بھیجا۔ سلطان مظفر حلیم بھی والی ملتان کے ایلچی سے انتہائی احترام کے ساتھ پیش آیا۔ بہر حال ملتان کا یہ حکمران بہت سی خصوصیات کا مالک تھا۔ اس نے چونتیس سال ایک روایت کے مطابق تیس سال حکومت کر کے ۹۰۴ھ یا ۹۰۸ (۱۴۹۹ء یا ۱۵۰۳ء) کو وفات پائی۔

ان سلطنتوں کے علاوہ برہان پور وغیرہ کی علاقائی سلطنتیں بھی خدمت علوم میں کسی سے پیچھے نہیں

رہیں۔ ان کے بھی بعض حکمران علما و فقہاء سے قلبی تعلق رکھتے تھے اور ان کی تعظیم و تکریم میں پیش پیش رہتے تھے لیکن ان کے واقعات کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ یہ سب کوائف تاریخ میں وضاحت کے ساتھ مرقوم ہیں۔

## سلطنت بنگال

سرزمین برصغیر کی علاقائی سلطنتوں میں بنگال کی سلطنت بھی ایک مضبوط اور طاقت ور بااختیار سلطنت تھی۔ اس کے بعض حکمرانوں کے عہد میں بہت سے علما و فقہاء نے علوم و فنون کی خدمت کی اور مختلف مقامات پر درس و تدریس کا غلغلہ بلند کیا۔ اس نواح میں دسویں صدی ہجری کے جن حکمرانوں نے علوم کی ترویج کی اور علمائے کرام کو خدمات دینیہ انجام دینے کے مواقع فراہم کیے ان میں سید شریف مکی جو سلطان علاء الدین کے نام سے تخت بنگال پر متمکن ہوا، خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ اس بادشاہ نے ستائیس سال ارض بنگال پر حکومت کی اور ۹۲۷ھ (۱۵۲۱ء) کو وفات پائی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے سلطان نصیب شاہ نے باپ کی جگہ لی۔ یہ بھی باپ کے نقش قدم پر چلا، لیکن زندگی کے آخری دور میں فسق و فجور میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس کا سال وفات ۹۲۳ھ (۱۵۳۷ء) ہے ①۔

## ایک وضاحت

ان علاقائی سلطنتوں کے بارے میں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ اگرچہ سیاسی اعتبار سے ان کے حکمران ایک دوسرے سے شدید اختلافات رکھتے تھے اور بسا اوقات نوبت جنگ و جدال تک پہنچ جاتی تھی، لیکن علمائے دین، فقہائے کرام اور مشائخ عظام کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ آزادانہ طور پر خدمات علمی انجام دیتے اور متحارب و متخالف ملکوں میں پوری آزادی سے سفر کرتے اور آمد و رفت رکھتے تھے۔ ہر ملک کے تشنگان علوم اور اصحاب علم حضرات بلا کسی روک ٹوک کے ایک دوسرے سے ملتے اور استفادہ و استفادہ کرتے تھے۔ یعنی حکمران آپس میں متضاد محاذوں پر کھڑے نظر آتے تھے اور علمائے کرام کو ہر سلطنت کے حدود میں آنے جانے، قیام پذیر ہونے اور استفادہ و افادہ کے مواقع میسر تھے۔

## کچھ اس کتاب کے بارے میں

یہ فقہائے ہند کی تیسری جلد ہے جو خوانندگان محترم کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس میں بنگلہ دیش سمیت برصغیر پاک و ہند کے دسویں صدی ہجری کے دو سو باون علما و فقہاء کے حالات و سوانح بیان کیے گئے

① سلطنت کشمیر، سلطنت مالوہ، دکن کی علاقائی سلطنتوں، سلطنت ملتان اور سلطنت بنگال کے بارے میں تفصیلات کے لیے دیکھیے، تاریخ فرشتہ، ج ۲ کے متعلقہ ابواب۔

ہیں۔ ان میں سے بعض حضرات کے حالات بہت کم ملے ہیں اور بعض کے کچھ زیادہ۔ جو مواد میسر آیا وہ صفحات قرطاس پر منتقل کر دیا گیا۔ مواد کی فراہمی میں عاجز راقم السطور کو جو محنت کرنا پڑی اور حوالوں کی تلاش و جستجو میں جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ اصحاب علم اس ضمن کے تمام پہلوؤں سے بخوبی آگاہ ہیں۔

مقدمہ کتاب میں برصغیر کے ان ملوک و سلاطین کا ذکر آپ کے مطالعہ میں آچکا جو دسویں صدی ہجری میں اس خطہ ارض میں داد حکمرانی دیتے رہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اپنے دور کے علما و فقہاء سے ان کے مراسم و تعلقات کس نوعیت کے تھے اور ان کے دل میں ان کی کیا قدر و منزلت تھی۔ اس سلسلے میں اگرچہ بے حد اختصار سے کام لینے اور ہر قدم پر قلم کے لگام کو کھینچنے کی کوشش کی گئی ہے، تاہم کہیں کہیں واقعات کے تقاضے سے معاملہ قدرے تفصیل کی حدوں تک پہنچ گیا ہے اور یہ تفصیل فائدے سے خالی نہیں ہے۔

اس کتاب میں قابل احترام قارئین کو اگر کوئی اچھی بات نظر آئے تو اسے محض اللہ کا فضل قرار دیں اور اگر کسی مقام پر لغزش کا احساس ہو تو مہربانی فرما کر اس سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی اصلاح کر دی جائے

اس کے بعد ان شاء اللہ اس سلسلے کی چوتھی جلد پیش کی جائے گی جو گیارہویں صدی ہجری کے علما و فقہاء کے حالات پر مشتمل ہوگی۔

رب یسر ولا تعسر و تمم بالخیر۔ اللہم و فقنا لما تحب و ترضی۔

بندہ عاجز

محمد اسحاق بھٹی



Handwritten text in the left margin, including a vertical line and some illegible characters.



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دسویں صدی ہجری

الف

### ۱۔ سید ابراہیم بن احمد بغدادی

سید ابراہیم بن احمد بن حسن شریف حسنی جیلانی بغدادی عالم کبیر اور شیخ وقت تھے۔ اپنے دادا حسن شریف سے اخذ علم کیا جن کا سلسلہ سند و اجازہ شیخ عبدالقادر جیلانی تک منتہی ہوتا ہے۔ والد بزرگ وار شیخ احمد بغدادی کی زندگی میں وارد ہند ہوئے اور عرصے تک برصغیر کے مختلف بلاد و امصار کی سیاحت کرتے رہے۔ پھر کالپی میں سکونت اختیار کر لی۔ وہاں ان کی علمی شہرت پھیلی تو طلبا کی بہت بڑی تعداد ان کے گرد جمع ہو گئی اور درس و تدریس اور افادہ عوام میں مصروف ہو گئے۔ طلبا ان کے طریق تدریس اور اسلوب تعلیم سے بدرجہ غایت مطمئن اور متاثر تھے۔ زیادہ تر وقت اسی خدمت علم میں صرف ہوتا تھا۔ تفسیر حدیث اور تصوف کی تدریس میں بالخصوص دلچسپی لیتے۔ تفسیر قرآن حکیم کے سلسلے میں عام طور پر معالم التنزیل اور جامع الاصول کا درس دیتے۔ کتب احادیث میں سے صحیح بخاری اور سنن ابوداؤد بڑے شوق اور توجہ سے پڑھاتے۔ تصوف کی کتابوں میں سے عوالم الجنیدی اور ملہمات القادریہ کی طرف خصوصیت سے طلبا کو توجہ دلاتے اور بے حد اہتمام سے ان کے مختلف مقامات کی وضاحت کرتے اور مسائل تصوف میں ڈوب کر اس کی زلف گرہ گیر کو سلجھاتے۔ علما و مشائخ کی کثیر تعداد نے ان سے کسب علم اور اخذ فیض کیا۔ شیخ نظام الدین بن سیف الدین علوی کا کوروی کا اسم گرامی بھی ان کے تلامذہ کی وسیع فہرست میں شامل ہے ①۔

سید ابراہیم بن احمد بغدادی دسویں صدی ہجری کے برصغیر پاک و ہند کے وہ عالم دین اور فقیہ ہیں جو تفسیر حدیث فقہ اور تصوف وغیرہ علوم مروجہ پر عبور رکھتے اور باقاعدہ طلبائے علم کو ان کا درس دیتے تھے۔ مگر ان کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔

### ۲۔ شیخ ابراہیم بن جمال الدین سندھی

شیخ مفتی ابراہیم بن جمال الدین سندھی علم و فضل میں اپنے دور کے ممتاز بزرگ تھے۔ ان کا شمار علمائے باعمل اور اصحاب تقویٰ حضرات میں ہوتا تھا۔ علم فقہ میں مہارت کا یہ عالم تھا کہ ان کے عصر اور علاقے کا

① نزہۃ الخواطر ج ۴، ص ۲، بحوالہ کشف المتواری۔

کوئی شخص ان کا حریف نہ تھا۔ مختلف مسائل میں لوگ ان ہی سے استفسار کرتے اور قضاتِ سندھ ان ہی کے بیان کردہ مسائل کو معمول بہا ٹھہراتے تھے۔ اس عالم دین نے تمام دنیوی آسائشوں اور راحتوں سے اپنے آپ کو بے نیاز کر لیا تھا۔ لوگوں سے منقطع ہو کر گھر کے گوشہ تنہائی میں بیٹھ جاتے اور علم و عمل سے قلب و روح کی غذا مہیا کرتے۔ نہ کبھی مال و دولت جمع کرنے کی کوشش کی اور نہ فقر و فاقہ اور تنگ دستی کے مسلسل اور متواتر حملوں سے بے بس ہو کر کبھی اضطراب و پریشانی کا اظہار کیا۔ ہمیشہ علم و مطالعہ کو اصل سرمایہ قرار دیا اور اسی پر خوش رہے۔ ایثار پیشہ اور قانع بزرگ تھے۔ اٹھانوے سال عمر پا کر اس دار الفنا سے دار البقا کو روانہ ہوئے ①۔

افسوس ہے ہم ان کی کسی تصنیف کا سراغ لگانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

### ۳۔ مولانا ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی

مولانا ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی ”ابراہیم جامع“ کی نام سے مشہور تھے۔ فضلاءِ عصر اور علمائے مشاہیر میں سے تھے۔ ملتان میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت پائی۔ اپنے والد بزرگ و ایشخ فتح اللہ ملتانی سے علم حاصل کیا اور طویل عرصہ ان سے منسلک و ملازم رہے۔ پھر درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع تھا جن میں ان کے بیٹے سعد اللہ بھی شامل ہیں۔

مولانا ابراہیم جامع کے علم و فضل اور مرتبہ فقہی کو سمجھنے کے لیے فتح ملتان اور اس پر والی سندھ مرزا شاہ حسین ارغون کے حملے کا ذکر ضروری ہے۔ مختصر الفاظ میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ ملتان پر جب خاندان لنگاہ داد حکمرانی دیتا تھا تو اس کے ایک حکمران کا نام محمود شاہ لنگاہ تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس خاندان کے اکثر افراد اور لنگر خاں نے جو ان میں خاصے اثر و رسوخ کا مالک تھا، محمود شاہ لنگاہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور وہ والی سندھ مرزا شاہ حسین ارغون سے جاملے جو ان کا حریف تھا۔ ان لوگوں نے شاہ حسین ارغون کی مدد سے ملتان کے قصبات و دیہات پر حملہ کر کے ان پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ اس سے علاقہ ملتان کے معززین اور سرکردہ لوگوں کو سخت تشویش ہوئی۔ وہ گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں شہر ملتان کی طرف روانہ ہوئے اور محمود شاہ کے بیٹے کو جو طفل صغیر تھا، حسین شاہ لنگاہ کا خطاب دے کر ملتان کے تخت حکومت پر بٹھا دیا اور اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ حسین شاہ لنگاہ برائے نام بادشاہ تھا، درحقیقت کاروبار حکومت محمود شاہ لنگاہ کے داماد شجاع الملک بخاری کے ہاتھ میں تھا۔ وہی امور سلطنت پر قابض تھا اور ملتان کے حالات کو بگاڑنے کا باعث درحقیقت وہی تھا۔ مرزا شاہ حسین ارغون نے موقع کو غنیمت جانا، وہ فوج کی ایک خاص تعداد کے ساتھ ملتان کی طرف بڑھا اور بغیر کسی مزاحمت کے شہر میں داخل ہو کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ انتہائی سخت تھا اور اس پر ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ باشندگان شہر گھبرا اٹھے اور شجاع الملک بخاری کے پاس

① ماثر جیمی، ج ۲، ص ۳۳۸۔ تاریخ معصومی، ص ۳۳۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۲۔

آئے اس سے کہا ہمارے پاس جنگی سامان بھی ہے گھوڑے بھی ہیں اور فوج بھی اچھی خاصی تعداد میں موجود ہے آپ ہمیں منظم کریں اور فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے دشمن کا مقابلہ کرنے کی اجازت دیں ممکن ہے اللہ تعالیٰ مدد کرے اور ہمیں فتح حاصل ہو۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ قلعے کی حفاظت بھی ہمارے فرائض میں شامل ہے جہاں تک ہو سکے ہمیں مقابلہ کرنا چاہیے۔ لیکن شجاع الملک نے دربار میں تو ان کی کسی بات کا جواب نہ دیا البتہ علیحدگی میں چند سرداروں اور سرکردہ امیروں کو بلا کر کہا کہ ابھی شاہ حسین لنکاہ کی حکومت مضبوط نہیں ہوئی اور اس میں قرار و استحکام پیدا نہیں ہوا۔ اگر ہم ان حالات میں جنگ کی غرض سے شہر سے نکلیں گے اور حملہ آور فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان کارزار میں اتریں گے تو خطرہ ہے کہ ہمارے آدمی کثیر تعداد میں مارے جائیں گے اور لوگوں کی اکثریت مرزا شاہ حسین ارغون سے جا ملے گی اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم چپ چاپ شہر میں بیٹھے رہیں اور حالات کا انتظار کریں۔ مولانا ابراہیم جامع کے لڑکے جو مولانا سعد اللہ لاہوری کے نام سے موسوم تھے اور افاضل روزگار میں سے تھے فرماتے ہیں کہ اہل ملتان کے لیے وہ انتہائی تکلیف اور اضطراب کا وقت تھا اور خود میں بھی ان دنوں ملتان کے قلعے میں محصور تھا۔

مولانا سعد اللہ لاہوری سے منقول ہے کہ مرزا شاہ حسین ارغون کی فوجیں ملتان میں داخل ہو چکی تھیں اور انھوں نے چاروں طرف سے قلعے کو اس طرح گھیر رکھا تھا کہ اس کے تمام دروازے بند تھے نہ کوئی شخص اندر سے باہر آ سکتا تھا نہ باہر سے اندر جا سکتا تھا اور نہ کسی کو کھانے پینے اور استعمال کی کوئی چیز پہنچ سکتی تھی۔ محاصرے نے طول پکڑا اور کئی مہینے جاری رہا جس کی وجہ سے معاملہ فاقہ کشی تک پہنچ گیا اور لوگوں کی یہ حالت ہو گئی کہ بلی اور کتا بھی ہاتھ لگتا تو کھا جاتے۔ پھر ایک تکلیف دہ صورت حال یہ پیدا ہو گئی کہ شجاع الملک نے جن تین ہزار افراد کو قلعے کی حفاظت پر متعین کیا تھا انھوں نے شہر میں لوٹ کھسوٹ شروع کر دی۔ جو شخص قلعے سے باہر نکلتا اس کو بھی تہ تیغ کر دیا جاتا۔ اس اضطراب اور پریشانی کے عالم میں محصورین قلعے کے اوپر سے کود کود کر خندق میں گرنے لگے۔ اس طرح ایک سال کئی مہینے تک محاصرہ جاری رہا اور ۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) کی ایک شب کو مرزا شاہ حسین ارغون کی فوج قلعے میں داخل ہو گئی اور قلعہ فتح ہو گیا۔ فتح کے بعد انھوں نے بے شمار لوگوں کو قتل کیا اور بہت سوں کو گرفتار کر لیا۔

مولانا سعد اللہ لاہوری بیان کرتے ہیں کہ جب شاہ حسین ارغون کی فوج نے لوگوں کو گھروں میں داخل ہو کر ان کے مال و اسباب لوٹنا شروع کیے تو چند فوجی میرے مکان میں گھس آئے۔ اس وقت میرے والد مولانا ابراہیم جامع گھر میں بیٹھے تھے۔ وہ پورے پینسٹھ سال اہل ملتان اور اس کے گرد و نواح کو فیض یاب کرتے اور علما و طلبا کو مختلف علوم و فنون کی تعلیم دیتے رہے تھے بدرجہ غایت نیک اور پرہیزگار عالم دین تھے۔ ارغونی فوج نے ان کی بہت اہانت کی ان کا مال و متاع لوٹ لیا اور گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔ بعد ازاں ان کے لڑکے مولانا سعد اللہ لاہوری کو بھی گرفتار کر کے وزیر کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

مولانا سعد اللہ کہتے ہیں اس وقت وزیر اپنے مکان کے صحن میں لکڑی کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اس کے حکم سے میرے پاؤں میں لوہے کی زنجیر ڈالی گئی، جس کا ایک سرا مضبوطی کے ساتھ اس کے تخت کے پائے سے باندھ دیا گیا تھا۔ مجھے اپنے والد مولانا ابراہیم جامع کے بارے میں کچھ علم نہ تھا کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔ البتہ اتنا معلوم تھا کہ وہ گرفتار ہیں اور ارغونی فوج کے قبضے میں ہیں، میں انھیں یاد کر کے زار و قطار رو رہا تھا اور فوراً گریہ سے مسلسل میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ کچھ دیر بعد وزیر نے قلم دان طلب کیا اور قلم درست کر کے کچھ لکھنا چاہا۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ وضو کر کے لکھے تو بہتر ہے۔ قدرت خداوندی ملاحظہ ہو کہ وہ اٹھا اور وضو کے لیے غسل خانے میں گیا۔ اس وقت وہاں کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ میں نے موقع کو غنیمت جانا، اپنی جگہ سے اٹھا اور لکھنے کے لیے جو کاغذ اس نے اس تیار کیا تھا، اس پر قصیدہ بردہ کا یہ شعر لکھ دیا:

فما لعینک ان قلت اکففا ہمتا وما بقلبک ان قلت استتفق بہم

یہ لکھ کر میں اپنی جگہ پر بیٹھ گیا، لیکن آنسو بدستور میری آنکھوں سے جاری تھے۔

اب وزیر وضو کر کے آیا، تخت پر بیٹھا، کاغذ پر نگاہ ڈالی تو اس پر یہ شعر مرقوم تھا۔ اس نے مکان کے چاروں طرف دیکھا، میرے سوا کوئی اور اس کو نظر نہ آیا تو مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ ”یہ شعر تم نے لکھا ہے؟“ میں نے جواب دیا۔ ”جی ہاں میں نے ہی لکھا ہے۔“ پھر پوچھا۔ ”تم کون ہو؟“ میں نے اپنی اور اپنے باپ کی سرگزشت بیان کی۔ اس نے میرے باپ مولانا ابراہیم جامع کا نام سنا تو فوراً تخت سے اٹھا۔ اپنے ہاتھ سے میرے پاؤں کی زنجیر کھولی، اپنا پیرا ہن مجھے پہنایا اور اسی آن سواری پر بٹھا کر مرزا شاہ حسین ارغون کے دیوان خانے میں لے گیا اور اس کے سامنے پیش کر کے میرے باپ کی علمی حیثیت بیان کی۔ شاہ حسین ارغون نے فوراً میرے باپ کو بلایا۔ اس وقت اتفاق سے حسین کے دربار میں مختلف علما موجود تھے اور ہدایہ کے ایک فقہی مسئلے پر بحث ہو رہی تھی۔ میرے باپ سے بھی اس بحث میں حصہ لینے کو کہا گیا۔ وہ فقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ انھوں نے زیر بحث مسئلہ سے متعلق اس انداز سے گفتگو کی اور باوجود ذہنی پریشانی اور جسمانی تکلیف کے اس کو اس اسلوب سے بیان کیا کہ حضار مجلس بہت محظوظ ہوئے اور بادشاہ بھی انتہائی متاثر ہوا۔ اس نے اسی وقت مجھے اور میرے والد کو ایک ایک خلعت خاص مرحمت فرمایا اور خازن کو حکم دیا کہ مولانا ابراہیم کو لوٹا ہوا اثاثہ البیت واپس کیا جائے اور ان کے مکان پر پہنچایا جائے۔ اگر وہ مال موجود نہ ہو تو اسی وقت سرکاری خزانے سے اس کی قیمت ادا کی جائے۔ پھر بادشاہ نے ان سے اپنے ساتھ ٹھٹھہ تشریف لے جانے کی درخواست کی۔ انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ سفینہ عمر کنارے آ لگا ہے۔ سفر آخرت درپیش ہے اور چند روز کی زندگی باقی ہے۔ اب میں اپنے اس قدیم شہر ملتان کی سکونت ترک کر کے آپ کے ساتھ نہیں جاسکتا۔

اس واقعہ کے دو ماہ بعد مولانا ابراہیم جامع، اللہ کے جوار رحمت میں پہنچ گئے۔ یہ ۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) کا

واقعہ ہے ①۔

دسویں صدی ہجری کے برصغیر کے یہ عالم دین اگرچہ علم فقہ اور دیگر علوم پر گہری نظر رکھتے تھے اور جیسا کہ گزشتہ سطور میں واضح ہو چکا، ان کا حلقہ تلمذ بھی خاصا وسیع تھا اور ان کی علمی شہرت بھی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی، مگر ہم ان کی کسی فقہی تصنیف کا سراغ نہیں لگا سکے۔ معلوم ہوتا ہے، مولانا ممدوح مسائل فقہ اور کتب فقہ کے ماہر تو تھے لیکن اس موضوع سے متعلق کسی کتاب کے مصنف نہ تھے۔

## ۴۔ قاضی ابراہیم بن محمد کالپوی

قاضی ابراہیم بن محمد پنواری کالپوی عرصے تک نواح کالپی کے ایک قصبے پنواری میں اقامت گزین رہے۔ بہت سے اوصاف کے حامل اور متعدد خوبیوں کے مالک تھے۔ ہدایہ شیخ عبدالملک کالپوی سے پڑھا، جن کی کالپی میں مسند تدریس آراستہ تھی۔ قاضی ابراہیم کالپوی عالم و فقیہ بھی تھے اور صاحب ورع و تقویٰ بھی۔ یعنی فقاہت اور تقویٰ دونوں کے جامع تھے۔ عمر بھر درس دینے اور طلبائے علم کو پڑھانے میں مشغول رہے۔ عالم دین، خوش نویس، فصیح البیان اور محبوب القلوب تھے۔ فقہی مسائل کو موضوع بحث ٹھہراتے تو سب سے سبقت لے جاتے۔ بے شمار علما و طلبانے ان سے استفاد کیا۔

دسویں صدی ہجری کے اسلامی ہند کے یہ وہ فقیہ اور عالم ہیں جو فقہی مسائل پر عبور تو رکھتے تھے اور اس کی عقدہ کشائی میں ماہر بھی تھے، مگر جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے، کسی فقہی کتاب کے مصنف نہ تھے۔ ان کے علم و فقاہت کا دائرہ تدریس و افتاء اور زبانی مباحث تک محدود تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت بڑی خدمت فقہ ہے۔ فقاہت میں عبور کا مطلب تصنیف ہی نہیں، تدریس بھی ہے اور یہ زیادہ مشکل اور صبر آزما کام ہے۔ مسائل و معلومات میں جو درک، گہرائی اور وسعت، تدریس سے پیدا ہوتی اور قلب و ذہن کے عمیق خانوں میں جاگزیں ہوتی ہے، وہ بالعموم تصنیف سے نہیں ہو سکتی۔ لہذا کہنا چاہیے کہ بسا اوقات تدریس کا پلڑا تصنیف پر بھاری ہوتا ہے۔

## ۵۔ شیخ ابراہیم بن معین الدین ایرجی

شیخ ابراہیم بن معین الدین بن عبدالقادر حسنی ایرجی دہلوی، علم و فضل کے مرتبہ بلند پر فائز تھے اور اپنے زمانے کے شہرہ آفاق علما میں سے تھے۔ بہت بڑے فقیہ اور مروجہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر تھے۔ تصوف و سلوک سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ شیخ علیم الدین محدث سے اخذ علم اور شیخ بہاء الدین بن عطاء اللہ جنیدی قادری شطاری سے کسب طریقت کیا۔ شیخ بہاء الدین نے اذکار و اشغال سے متعلق ان کے لیے ایک رسالہ بھی تصنیف کیا تھا۔ سلطان سکندر لودھی کے عہد حکومت کے آخری دنوں یعنی ۹۲۰ھ (۱۵۱۳ء) میں دہلی تشریف لائے اور ان کے کمالات علمی سے متاثر ہو کر شیخ عبداللہ دہلوی، میاں لادن، مولانا عبدالقادر صابون گر اور دیگر اصحاب علم و

طریقت ان کے حلقہ تلمذ میں شامل ہوئے۔ سب مشاغل دنیوی سے منقطع ہو کر درس و افادہ میں مشغول ہو گئے تھے۔ کتابیں جمع کرنے اور پڑھنے کے انتہائی شائق تھے۔ تمام علوم و فنون کی کتابیں ان کے پاس موجود تھیں۔ اس دور میں دہلی اور اس کے گرد و نواح میں فراوانی علم اور وسعت مطالعہ میں کوئی شخص ان کی ٹکر کا نہ تھا۔ مگر اس وسیع النظر اور کثیر المطالعہ عالم کی لوگوں نے قدر نہ کی اور ان کے صحیح مرتبے کو نہ پہچانا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو گھر کی چار دیواری میں محصور کر لیا تھا اور تصحیح کتب کو اپنا مشغلہ قرار دے لیا تھا۔ وہ اس نہج سے کتابوں کی تصحیح کرتے اور ان کے نکات و غوامض کو حل فرماتے کہ قاری سرسری نظر ہی سے دقت سے دقت مسائل کو سمجھنے اور مشکل سے مشکل مقامات کو احاطہ فہم میں لانے میں کامیاب ہو جاتا۔ شیخ ابراہیم سماع کے مخالف تھے۔ وہ اس قسم کی مجلسوں میں شامل نہ ہوتے جن میں سماع کا اہتمام ہوتا۔

اس جید عالم دین کا حلقہ تلامذہ بڑا وسیع تھا۔ جو حضرات ان سے علم حاصل کرنے کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے ان میں شیخ رکن الدین بن عبدالقدوس گنگوہی، شیخ عبدالعزیز بن حسن دہلوی اور شیخ نظام الدین بن سیف الدین کا کوری خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

شیخ ابراہیم نے ۹۵۳ھ (۱۵۴۶ء) ہجری کو سلیم شاہ سوری کے ایام حکومت میں دہلی میں وفات پائی اور امیر خسرو کی قبر کے قریب شیخ نظام الدین اولیا کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔

ان کو ایرجی اس لیے کہتے ہیں کہ اصلاً ایرج کے باشندے تھے جو اس وقت علاقہ مالوہ میں ایک قصبہ تھا<sup>①</sup>۔

## ۶۔ حاجی ابراہیم سرہندی

حاجی ابراہیم سرہندی ہندوستان کے مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کے عہد کے فضلا اور کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ اس زمانے میں عالم دین کو ملایا شیخ یا مولانا کہا جاتا تھا۔ مگر ابراہیم سرہندی کو اس قسم کے الفاظ سے مخاطب نہیں کیا جاتا تھا بلکہ حاجی کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ انہوں نے مفتی ابوالفتح بن عبدالغفور تھانیسری اور دیگر علمائے کرام سے تحصیل کی۔ پھر حرمین شریفین گئے۔ حج و زیارت کے شرف سے مشرف ہوئے اور شیخ شہاب الدین احمد ابن حجر پیشی مکی سے حدیث پڑھی۔ بعد ازاں واپس ہندوستان آئے، ملوک و امرا سے تقرب حاصل کیا اور جلال الدین اکبر بادشاہ کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ ان میں ایک خوبی یہ تھی کہ سنسکرت کے بھی عالم تھے اور اکبر کے حکم سے ”اتھر بن وید“ کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ بہت بڑے عالم ذہن اور زود فہم تھے۔ مگر سخت جھگڑالو، زبان دراز، مجادلہ و مباحثہ کے شائق، مناظرے کے دلدادہ اور لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کے ماہر تھے۔ علما پر سخت تنقید کرتے اور کسی کو خاطر میں نہ لاتے۔ ابوالفتح گیلانی، فتح اللہ شیرازی اور ابوالفضل بن ملا مبارک کے

① اخبار الاخیار ص ۲۵۱، ۳۵۰۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۷۔ ۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۵۴۔ سیر المتاخرین ج ۱ ص ۲۷۹۔

سخت مخالف تھے اور ان پر زبان طعن دراز کرنے میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہ کرتے تھے۔ نقد و بحث کے دوران میں آداب شاہی کو بھی خاطر میں نہ لاتے اور بادشاہ کے دربار میں علما و فضلا کی اہانت کرنے میں کوئی باک محسوس نہ کرتے۔ ایسے مواقع پر اپنے علمی وقار اور شخصی مرتبے کو نظر انداز کر دیتے تھے۔

ملا عبد القادر بدایونی، اکبر کے مقررین اور درباری علما میں سے تھے اور حاجی ابراہیم سرہندی کی عادات و اطوار سے خوب آگاہ تھے۔ انہوں نے اپنی تصنیف منتخب التواریخ میں متعدد مقامات پر ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک جگہ اکبری دربار کے علما کا تذکرہ کرتے ہوئے لطفی کے طور پر لکھتے ہیں۔

”ان ہی دنوں بادشاہ کی محفل میں ایک بڑا دلچسپ لطیفہ پیش آیا۔ اکبر کی مجلس میں حاجی ابراہیم سرہندی بھی موجود تھا، جو ہمیشہ علما سے الجھتا رہتا اور اپنی بڑائی جتانے کے لیے مباحثے کرتا رہتا تھا اور بحث میں طرح طرح کے مغالطے پیدا کر کے مخالف کو پریشان کر دیتا تھا۔ جس وقت تاشقندی نے اپنی تفسیر پیش کی ① تو حاجی نے مرزا مفلس کو چھیڑنے کے لیے پوچھا ”موسیٰ کیا صیغہ ہے اور کس مادے سے مشتق ہے؟“ مرزا مفلس علوم عقلیہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس کا جواب جیسا دینا چاہیے تھا نہ دے سکے اور عوام نے یقین کر لیا کہ حاجی ابراہیم بہ لحاظ علم سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بڑی نا انصافی کی بات تھی۔ کچھ لوگوں نے قاضی زادہ لشکر سے جسے بادشاہ نے مٹھرا کا قاضی مقرر کیا تھا، کہا ”تم بحث میں کیوں حصہ نہیں لیتے؟“ اس نے بے ساختہ جواب دیا۔ ”اگر حاجی ابراہیم مجھ سے ”عیسیٰ“ کا صیغہ پوچھ بیٹھے تو اس وقت بھلا میں کیا جواب دے سکوں گا؟“ بلاشبہ اس نے یہ بڑی عمدہ بات کہی تھی ②۔

ملا عبد القادر بدایونی اس دور کو بہت یاد کرتے ہیں اور انہیں یاد رفتگان ستاتی ہے تو افسوس کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

و مدت ده سال ازاں تاریخ الیوم گزشتہ و آں جماعت مباحثین و مناظرین چہ محقق و چہ مقلد کہ از صد نفر متجاوز بودند یک کس نمی بیند و ہمہ روی در نقاب کُلُّ نفس ذائقۃ الموت مانند۔

جرت الرياح علی مکان دیار ہم فکانہم کاناو علی ميعاد  
حالانکہ بمقتضائے النعمۃ اذا فقدت عرفت آں صحبناں رایادی کند خونابہ حسرت از دیدہ فرومی بار  
دومی زارومی نالدومی گوید کہ دریں حسرت آباد کاشکے روزی چند دیگر ہم اقامت می نمودند کہ بہر حال مغتنم بودند و  
خطاب منحصر با ایشان بود۔

پائی در زنجیر پیش دوستاں بہ کہ ہا بیگانگاں در بوستاں

① یہ حافظ تاشقندی تھے جو عربی کے مشہور عالم تھے۔ انہوں نے سورہ محمد ﷺ کی ایک تفسیر لکھی تھی، جس سے ان کے علمی مرتبے کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۹۷۷ھ (۱۵۷۰ء) میں تاشقندی فوت ہوئے۔ (منتخب التواریخ ص ۴۲۶)

② منتخب التواریخ، ص ۱۹۶۔

اس پشہ مضرور راو اس نقشہ مصدر را غیر از داغ حرماں و نالہ پنہاں چہ در مان غفر اللہ الماضین و رحم الباقین۔  
 افسوس کہ یاران ہمہ از دست شدند در یائی اجل یگاں یگاں پست شدند  
 بودند تنگ شراب در مجلس عمر یک لحظہ زما پیشترک مست شدند ❶  
 یعنی اس تاریخ سے اب تک کہ دس سال کی مدت گزر چکی ہے ان مباحثہ کرنے والوں کی جماعت میں سے جو سو  
 سے زیادہ افراد پر مشتمل تھی، محقق و مقلد کوئی بھی نظر نہیں آتا ہے۔ سب کے چہروں پر موت اپنا سیاہ نقاب ڈال  
 چکی ہے۔ بے شک کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔

زخیل درد کشاں غیر مانماند بیار بادہ کہ ماہم غنیمتیم بے  
 وہ محفلیں اجر گنیں اور ایک میں سو گوار رہ گیا ہوں کہ جب بھی ان کی یاد آتی ہے میری غم زدہ آنکھیں  
 حسرت کے ساتھ خون کے آنسو روتی ہیں اور دل نالہ و فریاد کرنے لگتا ہے۔ کاش وہ لوگ کچھ دن اور جی جاتے  
 کہ بہر حال اس قحط الرجال میں ان کی ہستیاں بڑی غنیمت تھیں۔ اب کس سے بات کریں، تبادلہ خیالات کی  
 لذت تو بس ان کے ساتھ ہی چلی گئی۔ اب مجھ ناکارہ و افتادہ کے لیے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں رہا کہ ان کی  
 جدائی کے داغ سے جلتا رہوں اور چپکے چپکے آہ و فریاد کرتا رہوں۔

افسوس کہ یاران ہمہ از دست شدند در یائے اجل یگاں یگاں پست شدند  
 بودند تنگ شراب در مجلس عمر یک لحظہ زما پیشترک مست شدند  
 اس سے چند صفحات آگے چل کر صاحب زمان کے متعلق پیشین گوئی کے سلسلے میں عبدالقادر بدرا یونی  
 رقم طراز ہیں۔

حاجی ابراہیم سرہندی کا تقرر گجرات کی صدارت پر کیا گیا تھا۔ اس نے ائمہ سے رشوت لے کر کافی  
 روپیہ اور مال و اسباب جمع کر لیا۔ اگر وہ بے چارے رشوت دینے سے انکار کر دیتے تھے تو وہ ان کی مدد معاش  
 روک دیتا تھا۔ اس کی حرکتیں بادشاہ کے علم میں بھی آئیں اور یہ بھی پتا چلا کہ وہ دکن جانے کا ارادہ کیسے ہوئے  
 ہے۔ چنانچہ اسے بغاوت کے الزام میں معزول کر دیا گیا اور واپس بلا کر حکیم عین الملک کے سپرد کر دیا گیا۔ تاہم  
 شبانہ مجلسوں میں اس کو باقاعدہ بلایا جاتا تھا۔ اس نے اس زمانے میں بزرگان دین کے متعلق جھوٹی سچی باتیں لکھ  
 کر ایک رسالہ بادشاہ کی خدمت میں خوشامد کے طور پر پیش کیا، لیکن اس کا پول بہت جلد کھل گیا۔ اصل میں اس  
 نے ایک پرانی کرم خوردہ کتاب میں غیر معروف خط میں ابن عربی سے منسوب کر کے ایک جعلی عبارت لکھی تھی  
 کہ صاحب زمان بہت سی عورتوں سے نکاح کرے گا، داڑھی منڈا ہوگا اور ایسی ہی علامتیں جو اکبر میں پائی جاتی  
 تھیں، رسالے میں درج کر دی تھیں۔ یہ رسالہ اکبر کو بہت پسند آیا اور مہربان ہو کر اسے مقربوں میں شامل کر لیا۔  
 حاجی ابراہیم کی مذکورہ تحریر کے مطابق میاں امان پانی پتی کے بھتیجے ملا ابوسعید کی کتابوں میں سے ایک



پرانا رسالہ فراہم کیا گیا، جس میں ایک موضوع حدیث درج تھی کہ ایک صحابی کا لڑکا داڑھی منڈا کر جب حضور اکرم ﷺ کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا کہ اہل جنت کی یہی وضع ہوگی۔ یہ ”حدیث“ بھی اکبر کو بڑے اہتمام سے دکھائی گئی۔

شاہ فتح اللہ ابو الفضل اور حکیم ابوالفتح کے ساتھ حاجی ابراہیم سرہندی بڑی بے باکی سے مباحثے کیا کرتا تھا اور ان کو ترکی بہ ترکی جواب دیتا تھا۔ اس لیے اکبر نے اس کو رتھنپور کے قلعے میں بھیج دیا۔ وہ اسی جگہ فوت ہوا، اس کی لاش قلعے کی فصیل سے نیچے پھینک دی گئی۔ لاش لمبے کپڑوں میں لپیٹی ہوئی تھی، اس لیے یہ مشہور ہوا کہ اس نے خود اپنے آپ کو قلعے سے نیچے گرادیا۔ یہ حادثہ ۹۹۴ھ (۱۵۸۶ء) میں پیش آیا ①۔

اس سے چند صفحات آگے چل کر لکھا ہے:

حاجی ابراہیم سرہندی کو پہلے ہی معزول کر دیا گیا تھا۔ اس کے متعلق بادشاہ کو یہ رپورٹ ملی تھی کہ اس نے کافی مال متاع جمع کر لیا تھا اور اس کے حرم میں بہت سی عورتیں ہیں اور وہ دکن کی طرف فرار ہو جانے کی فکر میں ہے۔ اسے گرفتار کر کے اسی سال بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اکبر نے کچھ عرصہ اسے عین الملک کی نگرانی میں رکھا اور بعد میں قلعہ رتھنپور بھیج کر قتل کر دیا گیا ②۔

محمد حسین آزاد نے بھی دربار اکبری میں حاجی ابراہیم سرہندی کا ذکر کیا ہے اور اپنے خاص اسلوب بیان اور انداز تحریر میں ان کے مختصر حالات بیان کیے ہیں۔ وہ دربار اکبری سے متعلق علما کے کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

حاجی ابراہیم سرہندی، مباحثوں میں بڑا جھگڑالو اور مغالطوں میں چھلاوے کا تماشا تھے۔ ایک دن چار ایوان کے جلسے میں مرزا مفلس سے کہا کہ موسیٰ کیا صیغہ ہے اور اس کا ماخذ اشتقاق کیا ہے؟ مرزا علوم عقلی کے سرمائے میں بہت مال دار تھے مگر اس جواب میں مفلس ہی نکلے۔ شہر میں چرچا ہو گیا کہ حاجی نے مرزا کو لاجواب کر دیا اور حاجی بڑے ہی فاضل ہیں۔ جاننے والے جانتے تھے کہ یہ بھی تاثیر زمانہ کا ایک شعبہ ہے۔ یہ رباعی ملا صاحب نے فرمائی:

از بہر فساد و جنگ بعضے مردم کردند بکوائے گرہی خود را گم

در مدرسہ ہر علم کہ آموختہ اند فی القبر یضرُّہم ولا ینفعہم ③

بادشاہ جلال الدین اکبر علما کی بحثوں سے بہت دلچسپی لیتا تھا۔ اس قسم کی مجالس رات کو بھی جاری رہتی

① منتخب التواریخ، ص ۲۲۹۔

② ایضاً، ص ۲۲۲۔

③ دربار اکبری، ص ۳۸، ۳۹۔

تھیں۔ دربار اکبری کے اہل علم ان میں باقاعدہ شامل ہوتے تھے۔ اس ضمن میں محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:

لطیفہ: تحصیل فوائد پر نظر کر کے بادشاہ خوش اعتقاد دل سے چاہتا تھا کہ یہ جلسے گرم رہیں۔ چنانچہ ان ہی دنوں میں قاضی زادہ لشکر سے کہا کہ تم رات کو بحث میں نہیں آتے؟ عرض کی، حضور آؤں تو سہی لیکن حاجی وہاں مجھ سے پوچھیں، عیسیٰ کیا صیغہ ہے تو کیا جواب دوں؟ یہ لطیفہ اس کا بہت پسند آیا ①۔

منتخب التواریخ کے مصنف ملا عبدالقادر بدایونی دربار اکبری میں شامل ہوئے تو حاجی ابراہیم سرہندی نے ان سے بھی اپنی عادت کے مطابق پنچہ آزمائی شروع کر دی۔ ملا صاحب کو اکبری کی حمایت حاصل تھی۔ آزاد لکھتے ہیں۔

”ملا صاحب کو دیکھتے ہی کہہ دیا کہ حاجی ابراہیم کسی کو سانس نہیں لینے دیتا، یہ اس کا کلمہ توڑے گا۔ چنانچہ علم کا زور، طبیعت بے باک، جوانی کی امنگ، بادشاہ خود مدد کو پشت پر اور بڑھوں کا اقبال بڑھا ہو چکا تھا۔ یہ حاجی سے بڑھ کر شیخ صدر کو ٹکریں مارنے لگے ②۔

حاجی ابراہیم سرہندی کی عادات اور ان کے کردار اور انجام کے بارے میں محمد حسین آزاد رقم طراز ہیں:

حاجی ابراہیم سرہندی کے رہنے والے تھے مگر بڑے جھگڑالو تھے۔ مباحثوں میں حریف کا منہ بند کر دیتے تھے اور مغالطے کے بادشاہ تھے۔ ابھی یہ بات ابھی وہ بات۔ ابھی یہاں ابھی وہاں۔ اکبر نے چاہا کہ دستی مہر پر ”اللہ اکبر“ کھدوائے۔ حاجی صاحب مخالفت پر کھڑے ہو گئے اور یہ روکنادین داری کی رعایت سے نہ تھا، فقط تقریر کی زور آزمائی تھی۔ پھر بادشاہ کی رغبت دیکھ کر آپ ہی سرخ و زعفرانی لباس کے جواز کا بھی فتویٰ دے دیا۔ میر سید محمد میر عدل نے عصا تو اٹھایا تھا مگر بیچ گئے۔ لفظ کم بخت، ملعون پر خیر گزر گئی، بھاگ گئے ورنہ وہ مار بیٹھتے۔

آخر ۹۹۵ھ (۱۵۸۷ء) میں احمد آباد گجرات کے صدر ہو کر گئے۔ چند روز کے بعد دربار میں خبر پہنچی کہ خوب رشوتیں کھائی ہیں۔ مشائخ و ائمہ مساجد سے ہزاروں روپیہ لیا ہے، جس نے نہیں دیا اس کی مدد معاش سے وضع کر لیا ہے اور جو روؤں سے گھر بھر لیا ہے۔ انھیں بھی خبر لگ گئی۔ چاہتے تھے کہ دکن کو بھاگ جائیں۔ دربار میں خبر جا پہنچی۔ بادشاہی پیادوں نے جالیا۔ پکڑے آئے۔ حکیم عین الملک کے حوالے ہوئے۔ پھر بھی رات کے دربار میں بلائے جاتے رہے تھے۔ مگر اب یہاں کے دربار کا عالم اور ہو گیا تھا۔ انھوں نے رنگ دیکھ کر دقیانوسی کرم خوردہ رسالہ نکالا۔ شیخ محی الدین ابن العربی کی عبارت کے حوالے سے اس میں ایک عبارت لکھی یا لکھوادی کہ حضرت امام مہدی کی بہت سی بیبیاں ہوں گی اور وہ داڑھی منڈے ہوں گے اور کئی اتے پتے اور بھی ایسے لکھے کہ اکبر میں موجود تھے۔ اس سے یہ ثابت کرتے تھے کہ اکبر امام مہدی ہیں۔ یہ نسخہ نہ چلا۔

① دربار اکبری، ص ۳۹۔

② ایضاً، ص ۳۹، ۴۰۔

بادشاہ نے رتھنپور کے قلعے میں بھیج کر قید کر دیا۔ ملا صاحب ❶ اکبر کی شکایتوں کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ وہاں اوج رفعت نے خواری کے گڑھے میں گر دیا اور مطلب اپنا نکالا (یعنی مار ڈالا)۔

ابوالفضل لکھتے ہیں کہ حاجی نے پہرے والوں سے سازش کر کے کپڑے کے تھان کھول کر لٹکائے کہ کند کی طرح اس پر سے اتر جائیں۔ قضا نے دھکا دیا اور وہ گر پڑے اور صبح کو مرے ہوئے ملے ❷۔

سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے بھی نزہۃ الخواطر میں حاجی ابراہیم سرہندی کا تعارف کرایا ہے اور سال وفات ۹۹۳ھ (۱۵۸۶ء) تحریر کیا ہے ❸ ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی منتخب التواریخ میں یہی سال وفات لکھا ہے۔ البتہ محمد حسین آزاد نے دربار اکبری میں جس انداز میں ان کی وفات کا واقعہ بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ان کی وفات ۹۹۵ھ (۱۵۸۷ء) میں ہوئی۔ ہمارے خیال میں اس ضمن میں ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان صحیح ہے، کیونکہ وہ ان کے معاصر تھے اور تمام واقعات کے عینی شاہد۔

حاجی ابراہیم سرہندی بلاشبہ اپنے وقت کے عالم دین اور فقیہ تھے۔ ❹ مگر افسوس ہے، مناظرہ بازی، زبان درازی، مکر و فریب، رشوت خوری، بحث و جدل، ہر ایک سے بچنے آزمانی اور علم کی کشتی اور عقل کے دنگل کے لیے کمر بستہ ہو جانے کے شوق نے ان کو کسی کام کا نہ چھوڑا اور غلط کرداری کی بنا پر وہ زندگی کے ایسے موڑ پر جا کھڑے ہوئے جس سے اگلی منزل تباہی کے سوا اور کوئی نہ تھی۔ اہل علم کا اصل شیوہ تو سنجیدگی و متانت سے خدمت دین اور تبلیغ کتاب و سنت ہے نہ کہ خصومت و الزام تراشی کے مواقع پیدا کرنا اور دوسرے کی تذلیل و توہین پر اتر آنا۔

## ۷۔ شیخ ابراہیم جون پوری

شیخ ابراہیم جون پوری بڑے فاضل شخص تھے اور اپنے عصر کے مشہور فقہاء میں سے تھے۔ انہوں نے شاہ آباد میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے ساتھ علم کلام کے اس مسئلے پر مناظرہ و مباحثہ کیا تھا کہ کسی شخص معین کے لیے یہ کہنا کہ یہ اہل جنت سے ہے یا اہل جہنم سے جائز ہے یا نہیں؟ شیخ ابراہیم کا موقف یہ تھا کہ میرے اور اللہ کے درمیان یا میرے اور لوگوں کے درمیان تعلق و رابطہ کی جو نوعیت ہے اس کے پیش نظر کسی خاص اور معین شخص کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اہل جنت سے تعلق رکھتا ہے یا اہل جہنم سے! ❺ اس بحث کی تفصیل شیخ محمد بن مبارک جون پوری کے حالات میں بیان کی گئی ہے۔

❶ صاحب منتخب سے التواریخ عبدالقادر بدایونی مراد ہیں۔

❷ دربار اکبری، ص ۷۲۔

❸ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۵۶۔ حاجی ابراہیم سرہندی کے حالات کے لیے اذکار ابراہیم، ص ۳۸۳، ۳۸۵ بھی دیکھیے۔

❹ منتخب التواریخ، ص ۳۲۶۔

❺ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۷۔

## ۸۔ قاضی ابراہیم سندھی

قاضی ابراہیم دریلوی سندھی کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ دریلہ کے رہنے والے تھے اور ان کا شمار سندھ کے جلیل القدر علما میں ہوتا تھا۔ ان کے بیٹے شیخ عبد اللہ سندھی مکہ مکرمہ چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کی اولاد واعقاب میں اللہ نے بڑی برکت عطا فرمائی ①۔

## ۹۔ شیخ ابواسحاق لاہوری

شیخ ابواسحاق بن حسین قادری لاہوری اپنے عہد کے عالم اجل اور صالح بزرگ تھے۔ شیخ داؤد بن فتح اللہ جہنی وال سے اخذ طریقت کیا تھا۔ ان سے عرصے تک منسلک رہے۔ بعد ازاں لاہور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اپنے دور کے عالم کبیر اور تفسیر قرآن میں ماہر تھے ②۔

ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ دلچسپ انداز میں لکھتے ہیں:

شیخ ابواسحاق لاہوری حضرت میاں شیخ داؤد کے خلیفہ تھے اور اپنی تیز رفتاری میں مشہور تھے۔ ان کے دل میں مرشد کی محبت جاگزیں تھی۔ تغیرات زمانہ اور انقلابات دوراں سے ہمیشہ بے نیاز رہے۔ ان کو دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی اور دل میں خدا طلبی کا جذبہ جاگ اٹھتا تھا۔ بلاشبہ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔

ان کے بس دو تین رفیق تھے۔ ان کے علاوہ نہ کسی سے ملتے اور نہ کسی کو اپنے ہاں بلا تے۔ پیری مریدی کا کوئی سلسلہ نہیں رکھا تھا۔ ہمیشہ ایک حجرے میں جو ایک باغ میں تھا گوشہ نشین رہتے۔ شیخ داؤد جہنی وال سے ملاقات کا اشتیاق ہوتا تو لاہور سے پیدل نکل جاتے اور ایک رات میں چالیس کوس کا فاصلہ طے کر کے شیر گڑھ پہنچ جاتے اور ان کو ملے بغیر واپس آ جاتے۔

خود ملا عبد القادر بدایونی بھی ان کی خدمت میں گئے تھے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

ایک سال میں بھی لاہور میں ان بزرگ وار کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور ان کے ہاں ایک رات اور ایک دن مہمان رہا۔ دوسرے دن شیر گڑھ کے لیے صرف ایک محافظ کے ساتھ روانہ ہو گیا، حالاں کہ وہ زمانہ نہایت خطرناک تھا۔ راستے میں رہزن اور لٹیرے میرا راستہ روک لیتے اور حیران ہو کر پوچھتے کہ اس خطرناک جنگل میں تم تنہا کہاں جا رہے ہو؟ میں جیسے ہی جواب میں یہ کہتا کہ میاں شیخ ابواسحاق کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اب شیخ داؤد کے پاس شیر گڑھ جا رہا ہوں تو وہ ان کا نام سن کر عقیدت و احترام سے پیش آتے۔ کھانے

① تاریخ معصومی ص ۲۳۲۔ تحفۃ الکرام ص ۲۳۲۔ نزہۃ النواظر ج ۴ ص ۷۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۱۔

② شیخ داؤد کچھ عرصہ جہنی وال میں قیام پذیر رہنے کے بعد شیر گڑھ چلے گئے تھے جو ضلع اوکاڑہ (پنجاب) کا ایک قصبہ ہے۔

جہنی وال کو اب ”چونیاں“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جو ضلع قصور کی ایک تحصیل ہے۔

پینے کے لیے دودھ دہی وغیرہ لے آتے اور راستہ بتا کر احتیاط و حفاظت کے لیے کہتے کہ جہاں کوئی خطرناک آدمی ملے اس کو شیخ ابواسحاق کا نام بتا دینا۔

اس سے آگے ملا عبدالقادر رقم طراز ہیں:

جس سال شیخ داؤد جہنی وال نے انتقال کیا، ان کی وفات کے کچھ ہی دن بعد پنجاب میں عام وبا پھوٹ پڑی تھی۔ اسی وبا میں تین چار ماہ کے اندر اندر شیخ کے تمام اہل خاندان اور مشہور خلفا جو تقریباً پچاس ساٹھ آدمی تھے ایک کے بعد ایک اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کچھ ہی عرصے بعد شیخ ابواسحاق بھی انتقال فرما گئے ①۔

مفتی غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیاء میں لکھتے ہیں:

شیخ ابواسحاق مروجہ علوم میں مہارت رکھتے تھے، تفسیر، حدیث اور فقہ کے عالم تھے اور اپنی خانقاہ میں ان علوم کی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے۔ تمام عمر لوگوں کی ہدایت میں مصروف رہے اور خلق کثیر نے ان سے علمی اور روحانی فیوض حاصل کیے۔ ۵ محرم ۹۸۵ھ (۲۵ مارچ ۱۵۷۷ء) کو لاہور میں وفات پائی ②۔

سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے تاریخ وفات ۶ محرم ۹۸۴ھ (۱۵ اپریل ۱۵۷۶ء) تحریر کی ہے ③۔

## ۱۰۔ شیخ ابوبکر اکبر آبادی

شیخ ابوبکر قرشی حنفی اکبر آبادی عالم و فقیہ تھے اور اپنے دور کے مشہور افاضل میں سے تھے۔ سلطان سکندر لودھی کے عہد حکومت میں ہندوستان کے مشہور شہر آگرہ میں آئے اور پھر وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ علم فقہ میں ان کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ امام محمد بن حسن شیبانی کی کتاب وصایا کی شرح لکھی۔ پھر اصول بزدوی کی شرح سپرد قلم کی۔ آگرہ کے نواح میں جوگی پور کے مقام پر وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ④۔

## ۱۱۔ قاضی ابوسعید بھکری سندھی

قاضی ابوسعید بن قاضی زین الدین بھکری سندھی اپنے وقت کے شیخ اور فاضل بزرگ تھے۔ ان کا شمار دسویں صدی ہجری کے معروف سندھی اور ہندی علمائے کرام میں ہوتا ہے۔ علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، اصول فقہ اور علوم عربیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ ذکاوت و فطانت میں ضرب المثل تھے۔ فضیلت و حاضر جوابی میں اس دور میں کوئی ان کا مد مقابل نہ تھا ⑤۔

① خزینۃ الاصفیاء ج ۱، ص ۱۳۲، ۱۳۳۔

② منتخب التواریخ، ص ۲۹۴، ۲۹۵۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۸۷۔

④ اذکار ابرار، ص ۲۲۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۹۸۔

⑤ تحفۃ الکرام، ص ۴۴۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۹۔

تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

قاضی ابوسعید بھکری ولد قاضی زین الدین بونور فضیلت و حضور قریحت از ممتاز ان روزگار بود ①۔  
یعنی قاضی ابوسعید ولد قاضی زین الدین بھکری و نور فضیلت اور حاضر جوابی میں اپنے عہد کے ممتاز بزرگوں میں سے تھے۔

## ۱۲۔ شیخ ابوالغیث حسینی بخاری

شیخ ابوالغیث حسینی بخاری بہت بڑے فقیہ اور صالح عالم دین تھے۔ کبار مشائخ و علما سے کسب فیض و اخذ علم کیا اور مرتبہ بلند کو پہنچے۔ پھر ملوک و امرا کے مقررین و ندما میں شامل ہو گئے مگر اس کے باوجود صلاح و تقویٰ کے زیور سے آراستہ تھے۔ بذل و سخا، حسن کردار، صداقت شعاری، آثار سلف صالحین کی اقتدا اور اوقات معینہ میں عبادت گزار اور غیرہ میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ اس کے ساتھ ہی درس و افادہ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اللہ نے ان کو مال و دولت کی نعمت عطا کی و جاہت و حشمت سے نوازا اور عز و شرف سے بہرہ ور فرمایا۔ لیکن ساتھ ہی یہ توفیق خداوندی بھی شامل حال رہی کہ نماز باجماعت کے اس حد تک پابند تھے کہ کبھی تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہوئی، حتیٰ کہ بیماری میں بھی باقاعدہ اس پر عمل پیرا رہے۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے ان کا تذکرہ نہایت عقیدت و احترام سے کیا ہے۔ ان کے فارسی الفاظ کا

ترجمہ یہ ہے:

میر ابوالغیث بخاری بڑے پاک مشرب اور عالی ہمت بزرگ تھے۔ ان کے اخلاق پر فرشتوں کے اخلاق کا گمان ہوتا تھا، غنا کے پردے میں فقر کی جھلک صاف دکھائی دیتی تھی۔ انہوں نے بہت سے علما و مشائخ سے استفادہ کیا تھا اور سخاوت و بخشش، آزادہ روی، حسن معاشرت، صدق معاملت اور میل جول میں اللہ کی کھلی نشانی تھے۔ احکام شریعت کی پابندی اور صوفیانے سلف و خلف کی پیروی پوری طرح کرتے تھے۔ اتباع سنت اور نماز باجماعت سے ایسا شغف تھا کہ مرض میں بھی باوجود اس کی شدت کے، تکبیر تحریمہ کبھی ان سے فوت نہ ہونے پائی۔ ان کی مجلس کبھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کے ذکر اور بزرگان دین کی باتوں سے خالی نہ رہی۔ ان کی تاریخ وفات ”میرستودہ سیر“ سے نکلتی ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے اس تقویٰ شعار فقیہ اور عالم دین نے ۹۹۵ھ (۱۵۸۷ء) کو قونج کے مرض سے لکھنؤ میں وفات پائی اور دارالسلطنت دہلی میں اپنے آبائی قبرستان میں دفن کیے گئے۔ ان کی کسی تصنیف کا پتا نہیں چل سکا ②۔

① تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۱۔

② منتخب التواریخ، ص ۳۲۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۴۲۔ نزہۃ النواظر، ج ۲، ص ۱۰۹۔

## ۱۳۔ شیخ ابوالفتح بن جمال الدین مکی ثم ہندی

شیخ ابوالفتح بن جمال الدین عباسی مکی ثم ہندی اکبر آبادی اپنے زمانے کے معروف عالم اور فقیہ تھے۔ دراصل شروان کے باشندے تھے، لیکن طویل عرصے تک مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر رہنے کی وجہ سے مکی مشہور ہو گئے تھے۔ سلطان سکندر لودھی کے عہد حکومت میں وارد ہند ہوئے اور اکبر آباد (آگرہ) میں سکونت اختیار کی۔ لہذا اکبر آبادی کہلائے۔

شیخ ابوالفتح سیر و سیاحت کے شائق تھے۔ اپنے وطن سے خشکی کے راستے عازم ہند ہوئے۔ جب دریائے سندھ کے کنارے پہنچے تو دیکھا کہ امیر بحر ایک غیر مسلم ہے۔ نہایت کبیدہ خاطر ہوئے اور کہا جس ملک کے مسلمانوں کی عنان اختیار دوسروں کے ہاتھ میں ہو ابوالفتح کو اس ملک میں رہنا زیب نہیں دیتا۔ لہذا قندھار لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ اتفاق سے ان دنوں فرماں روئے اقلیم ہند سلطان سکندر لودھی اطراف ملتان کا دورہ کر رہا تھا۔ اسے پتا چلا کہ ایک پرہیزگار عالم و فقیہ وارد سندھ ہوا تھا اور اب واپس جا رہا ہے تو اس نے ایک عریضہ ارسال خدمت کیا اور بے حد عجز و انکسار کے ساتھ ہندوستان دارالسلطنت (آگرہ) تشریف لانے کی درخواست کی۔ شیخ نے سلطان اور ارکان حکومت کی نصیحت کی غرض سے سلطان سے ملاقات کی۔ وہ انتہائی محبت و عقیدت سے پیش آیا۔ شیخ نے اس کو اس سے بھی زیادہ منکسر و متواضع پایا، جس کا اندازہ اس کی تحریر سے ہوا تھا۔

سکندر لودھی نیک دل اور علما و صلحا کا قدردان حکمران تھا۔ شیخ ابوالفتح مکی کا وہ بدرجہ غایت احترام کرتا تھا۔ بعض لوگوں کو سلطان کے اس تعلق خاطر کی بنا پر شیخ سے حسد پیدا ہو گیا اور وہ شیخ کو اذیت پہچانے اور سلطان کو ان سے بدگمان کرنے کے درپے ہوئے۔ چنانچہ ایک دولت مند حاسد نے شیخ کی طرف سے ان کے اندازِ تحریر سے بالکل ملتا جلتا خط سلطان کے ایک دشمن کے نام تحریر کیا۔ خط چونکہ باقاعدہ سازش کے تحت بھیجا گیا تھا، اس لیے منصوبے کو مکمل کرنے کے لیے چند راہ گیروں کو دے دیا گیا۔ کاتب نے راہ گیروں سے ساز باز کر رکھی تھی، اس نے خط ان سے برآمد کر کے سلطان کو پہنچا دیا۔ سازش کی کڑیاں کچھ اس طرح ملائی گئی تھیں کہ خط دیکھتے ہی بادشاہ کو اس کی صحت کا یقین ہو گیا۔ اس نے وہی خط شیخ کو بھیجا اور کسی قدر شکوہ بھی کیا۔ شیخ نے جواب میں کہا، ابوالفتح اس قماش کا آدمی نہیں ہے کہ اس قسم کی دل آزار تحریر سے اپنے قلم کو ملوث کرے۔ یہ مجھ پر افترا باندھا گیا ہے۔ مفتری بہت جلد اپنے کیفر کردار کو پہنچ جائے گا۔ منقول ہے کہ ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اس شخص کا ہاتھ ایک مست اونٹ نے اس طرح چبا ڈالا کہ وہ بے کار اور خشک ہو گیا۔

شیخ ابوالفتح کے حالات میں یہ واقعہ بھی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ سکندر لودھی کے بعد تخت ہند کا وارث جب ابراہیم لودھی بنا تو ظہیر الدین بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ سلطان ابراہیم لودھی نے اس سے مقابلے کی زبردست تیاری کی اور قلمروئے ہند کے ہر طبقے کو لڑائی کے لیے آمادہ کیا۔ اس سلسلے میں اس نے جو

نفری جمع کی اس میں باقاعدہ سرکاری فوج کے علاوہ علماء و فضلاء اور فقرا بھی شامل تھے۔ علماء و فضلاء کے لیے یہ حکم تھا کہ وہ شبینہ لشکر میں ہم رکاب رہیں۔ بزرگان دین میں سے سید رفیع الدین شیرازی بھی شامل لشکر تھے اور شیخ ابو الفتح بھی حکم شاہی کے مطابق بادل نحواستہ اس فوج میں شریک تھے۔ فوجیوں کا یہ بہت بڑا قافلہ دارالحکومت (آگرہ) سے کوچ کر کے دہلی پہنچا۔ وہاں بادشاہ کے حکم ثانی کے انتظار میں کئی دن ٹھہرنا پڑا۔ ایک روز مغرب اور عشا کے درمیان شیخ ابو الفتح مکی صحن میں ٹہل رہے تھے کہ یک بارگی سمت مغرب سے عجلت کے ساتھ لوٹے۔ ایک شخص نے جو وہاں کھڑا تھا، شیخ کے اس اچانک لوٹنے کو بلاوجہ قرار دیا اور صورت حال سے آگاہ ہونے کی غرض سے دریافت کیا کہ ٹہلتے ٹہلتے اس طرح مغرب کی جانب لوٹنے کا آخر کیا سبب ہے؟ فرمایا اللہ کے نزدیک اس طرف سے اس لشکر پر خدائی آفت اور ازلی آشوب کا نازل ہونا مقدر ہو چکا ہے۔ لہذا یہاں سے بھاگنا ضروری ہے۔ دوسرے روز علی الصبح اپنے دوستوں کو آگاہ کر کے آگرہ کو روانہ ہو گئے۔

جب ابراہیم لودھی کا لشکر ظہیر الدین بابر سے مقابلے کے لیے پانی پت پہنچا اور دونوں متحارب فوجیں میدان جنگ میں ایک دوسرے سے ٹکرائیں تو زبردست لڑائی ہوئی، سلطان ابراہیم مارا گیا، کثیر تعداد میں فوج قتل ہوئی اور بے شمار لوگ کھیت رہے۔

منقول ہے کہ سرزمین ہند کے اس عالم کبیر اور جلیل القدر فقیہ نے ایک سو چونتیس سال کی عمر پائی۔ اس طویل مدت میں خلق کثیر کو راہ ہدایت پر لگایا، لاتعداد متلاشیان حق اور طالبان علم کو فیض پہنچایا۔ ۲۲ شعبان ۹۵۳ھ (۱۸ ستمبر ۱۵۴۶ء) کو آگرہ میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔ نماز جنازہ شیخ رفیع الدین محدث شیرازی نے پڑھائی ①۔

## ۱۴۔ مفتی ابوالفتح بن عبدالغفور تھانیسری

مفتی ابوالفتح بن عبدالغفور بن شرف الدین عمری تھانیسری اپنے عصر کے شیخ و امام اور عالم کبیر تھے۔ ان کی فضیلت و نبالت سب کے نزدیک مسلمہ تھی۔

فقہ اصول فقہ اور نحو کا علم قاضی محمد فاروقی سے حاصل کیا اور علوم حکمیہ کی تکمیل شیخ حسین بکری سے کی۔ پھر آگرہ گئے اور وہیں مستقل طور سے شیخ رفیع الدین محدث شیرازی کے جوار میں سکونت اختیار کر لی اور ان سے حدیث پڑھی۔ اس ہندی عالم و فقیہ نے پورے پچاس سال آگرہ میں مسند درس بچھائے رکھی۔ جن اکابر علماء نے ان کے حلقہ تلمذ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی ان میں شیخ افضل محمد تمیمی، قاضی ناصر الدین، حاجی ابراہیم سرہندی، ملا عبدالقادر بدایونی، شیخ کمال الدین حسین اور دیگر بہت سے حضرات شامل تھے۔

مفتی ابوالفتح نے ۸ جمادی الاولیٰ ۹۷۶ھ (۲۹ اکتوبر ۱۵۶۸ء کو) کو وفات پائی۔ ان کے بعض

① اذکار برابر، ص ۲۳۸، ۲۳۹۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۰۔



شاگردوں نے تاریخ وفات ”موت مفتی“ سے نکالی ہے ①۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

شیخ ابوالفتح تھانیسری اپنے زمانے کے بڑے تبحر اور بلند مرتبت عالم تھے۔ حدیث کا علم مولانا سید میر رفیع الدین محدث سے حاصل کیا۔ میر صاحب ہی کے محلے میں آگرہ میں تقریباً پچاس سال تک علوم عقلیہ و نقلیہ کا درس دیتے رہے۔ ان کے درس سے بڑے بڑے ذہین اصحاب علم پیدا ہوئے ہیں۔ میں نے اور میاں کمال الدین حسین نے بھی ان بزرگ وار کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا ہے۔

مفتی ابوالفتح کے لڑکے بھی صاحب علم تھے اور آگرہ کی مسند افتا پر فائز تھے چنانچہ بدایونی لکھتے ہیں:

ان کے لڑکے شیخ عیسیٰ اب آگرہ میں مفتی کے عہدے پر متعین ہیں ②۔

اکبری عہد کے اس جلیل القدر فقیہ کی کسی تصنیف کا پتا نہیں چل سکا۔

## ۱۵۔ شیخ ابوالفضل خطیب گازی رونی

شیخ ابوالفضل خطیب گازی رونی عالم کبیر اور علامہ دہر تھے۔ معقول و منقول اور اصول و فروع کے ماہر تھے۔ ان کا شمار اپنے عصر کے مشہور اساتذہ میں ہوتا تھا۔ شیراز میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ ملا جلال الدین محمد اسعد صدیقی دوانی وغیرہ علمائے وقت سے علم حاصل کیا۔ پھر وارد ہند ہوئے اور سلطان محمود گجراتی کے عہد حکومت میں گجرات گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ شاہان گجرات نے ان کی بڑی سرپرستی کی۔ عرصے تک احمد آباد میں درس و تدریس کے ذریعے تبلیغ علم میں مصروف رہے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے تحصیل علم کی جن میں ابوالفضل اور فیضی کے والد ملا مبارک بن خضر ناگوری بھی شامل ہیں۔ دیگر علوم کے ساتھ ساتھ اس عالم دین کی قرآن مجید پر خصوصیت سے نظر تھی اور اس کے مشکل مقامات کو حل کرنے میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ بعض تذکرہ نگار انہیں اصلاً شیراز کا باشندہ سمجھ کر شیرازی لکھتے ہیں اور بعض گازیوں کی طرف نسبت کر کے گازی رونی کہتے ہیں۔

بہت اچھے مصنف بھی تھے۔ ان کی تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں:

① حاشیہ و تعلیقات علی تفسیر البیضاوی: تفسیر بیضاوی پر یہ ان کے بہترین حواشی ہیں۔ ان میں آیات کی شان نزول کی بھی وضاحت کی گئی ہے اور بعض علمی نکات و لطائف بھی بیان کیے گئے ہیں۔ تفسیر بیضاوی کا یہ نسخہ پشاور اور رام پور کے کتب خانوں میں موجود ہے۔

② حاشیہ علی شرح المواقف: یہ حاشیہ کتب خانہ پشاور میں موجود ہے کہتے ہیں بہت اچھا حاشیہ ہے۔

① منتخب التواریخ، ص ۳۲۳، تذکرہ علمائے ہند، ص ۶، نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۲۱۔

② منتخب التواریخ، ص ۳۲۳۔

۳ شرح الارشاد: یہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی تصنیف الارشاد کی شرح ہے۔ یہ کتاب نحو کے موضوع پر ہے۔ اس ہندی عالم دین نے ۹۵۹ھ (۱۵۵۲ء) میں وفات پائی ①۔

## ۱۶۔ سید ابوالفضل حسینی استرآبادی

سید ابوالفضل حسینی استرآبادی، شیخ وقت فاضل دوران اور عالم کبیر تھے۔ شافعی المسلک تھے۔ یوں تو علم کے تمام گوشوں پر عبور رکھتے تھے، مگر علوم حکمیہ کے تو خصوصیت سے ماہر تھے۔ علامہ جلال الدین محمد بن اسعد دوانی کے شاگرد تھے۔ برصغیر میں تشریف لائے اور گجرات (کاٹھیاواڑ) میں مقیم ہو گئے۔ وہاں ان کے درس و تدریس کا غلغلہ بلند ہوا تو بے شمار تشنگان علوم حاضر خدمت ہونے لگے اور اس نواح میں بہت جلد علما و طلبا کے لیے ایک مرکز کی حیثیت اختیار کر گئے۔ اس دور میں اصحاب علم کی کثیر تعداد نے ان سے استفادہ کیا، جن میں شیخ عبدالعزیز بن محمد گجراتی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔

فقہی اعتبار سے شافعی مسلک سے متعلق تھے اور ان کی عادت تھی کہ کتب شافعیہ میں جو آسان فقہی مسائل مرقوم ہیں، ان میں بھی اشکال کی ایک صورت پیدا کر دیتے تھے۔ مثلاً یہ مسئلہ سب کو معلوم ہے کہ سجدہ سہو اس وقت کیا جائے گا جب نمازی سے سہو نماز کا کوئی رکن ادا ہونے سے رہ جائے۔ مگر سید ابوالفضل حسینی کہتے تھے، اگر کوئی شخص عمد نماز کا کوئی رکن ادا نہ کرے تو اس پر بھی سجدہ سہو لازم آتا ہے۔ اس پر بحث شروع کر دیتے، انہیں ہر چند سمجھانے کی کوشش کی جاتی کہ سجدہ سہو کو اسی بنا پر ”سہو“ کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق نماز میں سہو ہو جانے سے ہے، عمد سے نہیں، لیکن وہ بدستور بحث جاری رکھتے اور کہتے، اگر کوئی رکن نماز ترک ہو گیا ہے تو سجدہ سہو لازم آتا ہے۔ وہ رکن سہو ترک ہو گیا ہے یا عمداً اسے ادا نہ کیا گیا ہو، دونوں صورتوں میں سجدہ سہو کرنا لازم ہے۔ اسی طرح اور بھی بعض فقہی مسائل میں لوگوں کو الجھا دینے کے عادی تھے۔ کتب فقہ بالخصوص شافعی فقہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔

انسوس ہے دسویں صدی ہجری کے برصغیر کے اس فقیہ کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کا علم نہیں ہو

سکا ②۔

## ۱۷۔ شیخ ابوالقاسم بن احمد ملی

شیخ ابوالقاسم کا سلسلہ نسب یہ ہے: ابوالقاسم بن احمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن عبد اللہ بن فہد الشرف محمد بن محبت ابی بکر تقی ہاشمی شافعی ملی۔ اپنے اسلاف کی طرح ابن فہد کے نام سے معروف تھے۔ ہفتے کی

① اذکار ابرار ص ۲۷۳۔ نزہۃ النواظر ج ۴ ص ۱۲۱۳۔ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۶۳، ۳۳۷، ۳۳۸۔

② نزہۃ النواظر ج ۴ ص ۱۲۱۳۔

رات ۱۲ ربیع الاول ۸۲۶ھ کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو دہلی میں طلب علم کے شوق نے انگریزی اور قاہرہ و دمشق کی درس گاہوں کی راہ لی۔ وہاں کے اساتذہ سے کسب فیض کیا اور سند و اجازہ سے بہرہ ور ہو کر مکہ مکرمہ کو واپس لوٹے۔ پھر عازم ہند ہوئے اور گجرات کو جو اس دور میں مرکز علماء و فقہا تھا، اپنا مسکن ٹھہرایا۔ وہاں طویل عرصہ مقیم رہے۔ بعد ازاں عمر کے آخری دور میں ماٹو تشریف لے گئے اور وہیں اس دنیائے فانی سے عالم جادوانی کو سدھارے۔

شیخ ابوالقاسم بن احمد کی اونچے درجے کے شافعی المسلک فقیہ تھے۔ سید عبداللحی حسنی لکھنوی، نزہتہ الخواطر میں محمد بن عمر آصفی کی تصنیف ظفر الولہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ شیخ ابوالقاسم کی نے جب ساحل ہند پر قدم رکھا تو ان کے پاس صحیح بخاری کی شرح، فتح الباری کا ایک نسخہ تھا، جو ان کے والد اور عم محترم کے ہاتھ کا مکتوبہ تھا۔ یہ نسخہ انھوں نے گجرات کاٹھیاواڑ کے ایک حکمران کو پیش کیا۔<sup>①</sup> سلطان محمود شاہ بیگرہ کی وفات کے بعد گجرات سے ماٹو گئے اور ۸۰ سال سے زائد عمر پا کر ۹۲۵ھ (۱۵۱۹ء) میں فوت ہوئے۔<sup>②</sup>

## ۱۸۔ قاضی ابوالمعالی بخاری

قاضی ابوالمعالی بخاری، شیخ عصر عالم کبیر اور فقیہ زماں تھے۔ کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ ان کے عہد میں فروع و اصول میں کوئی ان کا حریف نہ تھا۔ فقہ حنفی پر ان کی وسعت نظر کا یہ عالم تھا کہ بقول مولوی رحمان علی:

”او در فقہ چنان دست گاہی داشت کہ اگر بالفرض و التقدر، جمیع کتب فقہ حنفی از عالم بر افتادے او از سر نو تو انست نوشت“<sup>③</sup>

یعنی وہ علم فقہ میں اس درجہ دست گاہ رکھتے تھے کہ اگر بالفرض فقہ حنفی کی تمام کتابیں دنیا سے ختم ہو جاتیں تو وہ انھیں از سر نو لکھ سکتے تھے۔

سید عبداللحی حسنی لکھوی رقم طراز ہیں کہ فقہ پر عبور کی بنا پر انھوں نے اس موضوع سے متعلق حسب المفتی کے نام سے ایک مسبوط و مفصل کتاب لکھی جو تقریباً ساٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کا ایک نسخہ خدا بخش لاہوری (پٹنہ۔ ہندوستان) میں موجود ہے۔ اس کا آغاز ”الحمد لله الذي جعل العلم هداية الى الدرجات العظمى۔“..... الخ

① یہ نسخہ سلطان محمود شاہ بیگرہ متوفی ۲ رمضان المبارک ۹۱۷ھ (۲۳ نومبر ۱۵۱۱ء) کو پیش کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے فتح الباری کا یہ

پہلا نسخہ تھا جو دیار ہند میں آیا اور اسے ایک شافعی المسلک فقیہ مکہ مکرمہ سے یہاں لائے

② نزہتہ الخواطر ج ۳ ص ۱۵۱۴۔

③ تذکرہ علمائے ہند ص ۶۔

کے الفاظ سے ہوتا ہے ①۔

یہ نامور عالم و فقیہ دراصل توران کے رہنے والے تھے ۹۶۹ھ (۱۵۶۲ء) میں مغل حکمران جلال الدین اکبر کے عہد میں ہندوستان آئے اور آگرہ میں مقیم ہو گئے۔ آگرہ میں انھوں نے مسند درس و تدریس آراستہ کی، جس میں بے شمار حضرات نے اخذ علم کیا۔ ان کے شاگردوں میں اکبری عبد کے مشہور مورخ و عالم ملا عبدالقادر بدایونی بھی شامل تھے۔ بدایونی نے اپنی معروف تصنیف منتخب التواریخ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

قاضی ابوالمعالی، عزیز بخاری کے داماد شاگرد اور خلیفہ تھے۔ ان کو فقہ پر ایسا عبور تھا کہ اگر فقہ حنفی کی تمام کتابیں دنیا سے اٹھالی جائیں تو وہ از سر نو ان سب کو لکھوادیتے۔ انھوں نے عبداللہ خاں بادشاہ توران کو فن منطق اور علم جدل ختم کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ ماوراء النہر سے ملا عصام الدین الفرائسی اور ان کے بدباطن طلبا ان ہی کی وجہ سے شہر بدر کیے گئے تھے۔ اس ہنگامے کا سبب یہ ہوا کہ جب یہ علم بخارا اور سمرقند میں پھیلا تو خبیث اور شریر لڑکے جہاں بھی کسی سلیم الطبع صالح آدمی کو دیکھتے تو کہنے لگتے: ”یہ تو گدھا ہے۔“ (هذا حمار) کیونکہ ”لا حیوان“ اس سے منسوب ہے۔ منطق کی اصطلاح میں ”نفی عام“ چوں کہ ”نفی خاص کو مستلزم“ ہے لہذا اس سے سلب انسانیت لازم آتا ہے۔ اس قسم کے منطقی مغالطے جب کثرت سے پھیل گئے تو قاضی ابوالمعالی نے والی توران عبداللہ خاں کو اس کے سدباب پر آمادہ کیا اور اس گروہ کو وہاں سے نکلوا دیا اور منطق و فلسفہ کی تعلیم پر پابندی عائد کر دی۔ اسی زمانے میں قاضی ابوالمعالی کے مخالفوں نے یہ غلط روایت بھی ان کی طرف منسوب کی کہ وہ کہتے ہیں جس کاغذ پر منطق لکھی ہو اس سے استنجا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ②۔

اس کے ساتھ ہی ملا عبدالقادر لکھتے ہیں:

”قاضی ابوالمعالی ہمیشہ ہر نماز کے بعد حلقے میں ذکر کیا کرتے اور مرید بناتے تھے۔ وہ ۹۶۹ھ (۱۵۶۲ء) کو آگرہ آئے تھے۔ میں نے شرح وقایہ کے پہلے چند سبق ان سے پڑھے۔ بلاشبہ وہ اس فن میں بحر بے پایاں تھے ③۔“

مولانا محمد حسین آزاد نے دربار اکبری میں ”شیخ عبدالقادر بدایونی امام اکبر شاہ“ کے عنوان کے ضمن میں قاضی ابوالمعالی کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

قاضی ابوالمعالی بخاری کو جب عبداللہ خاں ازبک نے جلاوطن کیا تو وہ بھی آگرہ آئے۔ ان کے جلاوطن کرنے کا قصہ بھی عجیب ہے۔ خود لکھتے ہیں کہ جب علم منطق توران میں

① نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۱۶۔

② منتخب التواریخ ص ۳۲۹، ۳۳۔

③ ایضاً۔

پہنچا تو دیکھتے ہی دیکھتے لوگ بڑے شوق سے اس کی طرف متوجہ ہوئے مگر مصالحو ایسا تیز لگا کہ سب فلسفی فیلسوف ہو گئے۔ جب کسی نیک بخت صاحب دل کو دیکھتے تو اس کی ہنسی کرتے اور کہتے ”گدھا ہے گدھا۔“ لوگ منع کرتے تو کہتے کہ ہم دلیل منطقی سے ثابت کر دیتے ہیں۔ دیکھو ظاہر ہے کہ یہ لاجیوان ہے اور حیوان عام ہے انسان خاص ہے۔ جب حیوانیت اس میں نہیں تو انسانیت جو کہ اس سے خاص ہے وہ بھی نہیں۔ پھر گدھا نہیں تو کیا ہے۔ جب ایسی ایسی باتیں حد سے گزر گئیں تو مشائخ صوفیاء نے فتویٰ لکھ کر عبداللہ خاں کے سامنے پیش کیا اور منطق کا پڑھنا پڑھانا حرام ہو گیا۔ اس میں قاضی ابوالمعالی، ملا عصام، ملا مرزا جان اور اکثر اشخاص بد عقیدہ ہو کر وہاں سے نکالے گئے ①۔

اس سے آگے ملا عبدالقادر بدایونی کے بارے میں آزاد لکھتے ہیں:

(ملا عبدالقادر) کہتے ہیں کہ چند سبق شرح وقایہ کے میں نے بھی قاضی ابوالمعالی سے پڑھے اور حق یہ ہے کہ اس علم میں وہ دریائے بے پایاں تھے۔ نقیب خاں بھی اس میں شریک ہوئے ②۔

مسائل فقہ پر مشتمل ان کی تصنیف حسب المفتی ہے، جس کے نسخے بانکی پور، رام پور، قاہرہ اور انڈیا آفس لندن کی لائبریریوں میں موجود ہیں ③۔

دسویں صدی ہجری کے اس عظیم اور جید عالم دین کی تاریخ ولادت و وفات کا علم نہیں ہو سکا۔

## ۱۹۔ شیخ ابو یزید برہان پوری

شیخ ابو یزید بن لشکر محمد برہان پوری، شیخ صالح اور فقیہ وقت تھے۔ اپنے والد اور شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی سے اخذ فیض کیا۔ پھر مسند مشیخت پر فائز ہوئے۔ خلق کثیر کو فیض پہنچایا۔ عبادت گزار، زاہد، قانع، عقیف اور متوکل علی اللہ تھے۔ تمام دنیوی علاقے سے منقطع ہو کر عبادت الہی میں مصروف ہو گئے تھے۔ ۹۹۹ھ (۱۵۹۱ء) میں فوت ہوئے ④۔

① قاضی ابوالمعالی کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں، کیوں کہ وہ تو بہت بڑے فقیہ تھے اور خود اہل منطق کی اس قسم کی مغالطہ آمیزیوں کے شاک تھے۔ ان ہی نے تو عبداللہ خاں سے اس کی شکایت کی تھی۔ ان کے توران سے نکلنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ علمائے منطق ان کے شدید مخالف ہو گئے تھے۔

② دربار اکبری، ص ۲۲۵۔

③ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، ص ۳۰۱۔

④ اذکار ابرار، ص ۳۹۳، ۳۹۴۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۷۔

## ۲۰۔ مولانا اشیرالدین کاہانی

مولانا اشیرالدین بن عبدالعزیز ابہری ثم کاہانی سندھی اپنے وقت کے معروف علما اور اصحاب صلاح و تقویٰ میں سے تھے۔ محدث اور شیخ تھے۔ درحقیقت ہرات کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے ۹۲۸ھ (۱۵۲۲ء) میں اپنے والد مکرم شیخ عبدالعزیز کے ساتھ بلاد سندھ میں آئے اور ایک گاؤں ”کاہان“ میں سکونت پذیر ہو گئے جو اس زمانے میں سیوستان کے نواح میں اقلیم سندھ میں واقع تھا۔ تمام علوم میں ماہر کامل تھے۔ مروجہ کتب حدیث اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ ہر وقت درس و افادہ میں مصروف رہتے۔ بلاد سندھ کے بے شمار طلبانے ان سے اخذ علم کیا ①۔

میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے تحفۃ الکرام میں ان کا اور ان کے والد ماجد کا ذکر کیا ہے۔ ان کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے۔

مخدوم عبدالعزیز محدث ابہری اور ان کے فرزند تبحر اور تحقیق و تدقیق میں یگانہ اور اقلیم علم کے شہنشاہ جام فیروز کے زمانے میں شاہ اسماعیل صفوی کی بغاوت کی وجہ سے اپنے دونوں گورہان عالی (یعنی) سراسر فضل و سرتاپا ہنر فرزندوں، مولانا اشیرالدین جن کی فضیلت و کمال کا غلغلہ حد آسمان سے بھی اوپر جا پہنچا تھا اور مولانا یار محمد جو جامعیت علوم میں یگانہ روزگار تھے کے ساتھ ہرات سے موضع کاہان میں تشریف فرما ہوئے اور مولید ثلاثہ کی مانند اس سرزمین کو اشاعت علم سے سرور روح کا چشمہ بنا دیا۔ پھر وہ ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو رہے اور کتاب حیات کے مطالعہ سے یہیں آنکھیں بند کیں۔ شرح مشکوٰۃ شریف اور اکثر کتب مروجہ کے حواشی جیسی عجیب و غریب تصانیف یادگار چھوڑ گئے ②۔

محمد معصوم بھکری نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ اس کی روایت کے مطابق وہ ۹۱۸ھ (۱۵۱۲ء) میں شاہ اسماعیل صفوی کی بغاوت کی وجہ سے وارد کاہان ہوئے۔ نیز یہ کہ ان کی شرح مشکوٰۃ مکمل نہیں ہو سکی اور اس کا مسودہ ان کے کتب خانے میں موجود ہے ③۔

## ۲۱۔ شیخ احمد بن ابوالفتح غازی پوری

شیخ احمد بن ابوالفتح غازی پوری، شہر غازی پور میں پیدا ہوئے جو ہندوستان کے صوبہ یوپی میں واقع ہے۔ وہیں پلے بڑھے اور اپنے والد ماجد شیخ ابوالفتح اور دیگر علمائے عصر سے کسب علم کیا۔ فقہ و اصول اور علوم

① مآثر جمعی ج ۲ ص ۲۷۵۔

② تحفۃ الکرام ص ۲۳۲۔ نیز دیکھیے نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۔

③ تاریخ معصومی فارسی ص ۱۰۶۔

عربیہ پر عبور رکھتے تھے۔ تذکرہ نگاروں نے انہیں بہت بڑے فقیہ و عالم اور شیخ قرار دیا ہے۔ بعد کو موضع زمانیہ میں سکونت اختیار کر لی تھی جو اعمال غازی پور میں ایک قریہ ہے۔ درس و افادہ میں مصروف رہتے تھے اور یہی ان کا اصل مشغلہ تھا ①۔

## ۲۲۔ قاضی احمد بن اسماعیل ظفر آبادی

قاضی احمد بن اسماعیل حسینی واسطی ظفر آبادی احمد نور کے نام سے معروف تھے۔ عالم و فاضل تھے۔ فقہ حنفی میں ید طولی حاصل تھا۔ فہم حدیث میں بھی شہرت رکھتے تھے۔ ظفر آباد کے منصب قضا پر فائز تھے۔ تصوف و سلوک سے بھی لگاؤ تھا اور اس سلسلے میں اپنے والد مکرم سے بیعت تھے۔ تصنیف و تالیف اور درس و تدریس ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ تصوف کے موضوع پر رموز المعانی ان کی تصنیف ہے۔ اپنے نام سے ایک قریہ آباد کیا جس کو احمد نور کے نام سے موسوم کیا۔ مغل حکمران جلال الدین اکبر کے عہد حکومت میں ۹۹۵ھ (۱۵۸۷ء) میں وفات پائی۔ ”گلزار ارم یافتند“ مادہ تاریخ ہے ②۔

## ۲۳۔ شیخ احمد بن اسحاق سندھی

شیخ احمد بن اسحاق سندھی ارض سندھ میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ شیخ عبدالرشید سندھی سے علم حاصل کیا اور مسند تدریس کو زینت بخشی۔ سرزمین سندھ کے شیخ اور فاضل بزرگ تھے۔ صالح و عقیف، متقی و پرہیزگار اور متدین شخص تھے۔ ان کے بہت سے کشوف و کرامات اور عجیب و غریب واقعات مشہور ہیں۔ ۹۳۶ھ (۱۵۳۰ء) کو سندھ کے ایک مقام ہالہ کنڈھ میں فوت ہوئے ③۔

## ۲۴۔ شیخ احمد بن اسماعیل مندوی

شیخ احمد بن اسماعیل قادری مندوی اپنے وقت کے عالم و محدث تھے۔ حدیث، فقہ اور دیگر علوم کے ماہر تھے۔ حریم شریفین کا سفر کیا اور طویل عرصے تک مشہور شافعی المسلمک عالم شیخ محمد بن ابوالحسن البکری سے انسلاک و لزوم اختیار کیے رکھا اور ان سے اخذ علم کیا ④۔

نہ تو ان کی کسی تصنیف کا پتا چل سکا ہے اور نہ تاریخ ولادت و وفات کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکی ہیں۔ صرف یہ پتا چلا ہے کہ دسویں صدی ہجری کے محدث و فقیہ تھے۔

① نزہتہ الخواطر ج ۳ ص ۱۸ بحوالہ عاشقہ۔

② تاریخ شیراز ہند جون پور ص ۹۹۳۔ نزہتہ الخواطر ج ۳ ص ۱۸۔

③ تاریخ معصومی ص ۲۹۹۔ تحفۃ الکرام ص ۳۶۱، ۳۶۲۔ نزہتہ الخواطر ج ۳ ص ۱۸۔

④ اذکار ابرار ص ۲۴۴۔ نزہتہ الخواطر ج ۳ ص ۱۸۔

## ۲۵۔ شیخ احمد بن بدر الدین مصری

شیخ احمد بن بدر الدین عباسی مصری ثم ہندی گجراتی۔ ان کا لقب شہاب الدین تھا۔ شافعی المسلک تھے۔ جید عالم، بہت بڑے محدث اور اپنے عصر کے شیخ تھے۔ تقویٰ و صالحیت میں بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔ ان کے علم و فضل کی فراوانیوں کی وجہ سے اس دور کے علمائے کرام ان کی انتہائی توقیر کرتے تھے۔

یہ عالم دین جمعے کی رات ۹۰۲ھ (۱۴۹۷ء) کو مصر میں پیدا ہوئے اور ہوش سنبھالتے ہی حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ اپنے دور کے مشاہیر مشائخ و فضلاء کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیے، جن میں شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری، علامہ شیخ برہان الدین بن ابو شریف، شیخ الامام نور الدین مکی، شیخ کمال الدین طویل، شیخ زین الدین غزی اور شیخ نور الدین بلتجی کے اسمائے گرامی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔ ۹۳۶ھ (۱۵۳۰ء) کو زبید میں شیخ الاسلام ابو العباس طہبداوی بکری سے ملے اور ان سے اخذ علم کیا۔

شیخ احمد مصری مذاہب اربعہ اور ان کی فقہیات پر عبور رکھتے تھے۔ ان کے محفوظات و مسودات میں سے جو علمی چیزیں ان کے بعد دست یاب ہوئیں، وہ حسب ذیل ہیں:

۱) فقہ سے متعلق نووی کی المنہاج پر حواشی و تعلیقات۔

۲) شاطبیہ، قرأت کے بارے میں۔

۳) حدیث کے موضوع پر مقدسی کی العمدہ پر حواشی۔

۴) نووی کی اربعین پر حواشی۔

۵) الاجرومیہ، جو علم نحو کے موضوع پر ہے۔

۶) مختصر ابی شجاع پر حواشی۔

یہ شافعی محدث و فقیہ، علم حرف یعنی حروف کے محل استعمال اور ان کی خصوصیات، علم فلکیات اور علم میقات میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ علم و فضل کی اس فراوانی کے ساتھ ساتھ خشیت الہی، ورع و تقویٰ، انکسار و تواضع، لوگوں سے اختلاط اور میل جول سے احتراز، مواقع شہرت سے گریز، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے تمسک، مسلک سلف کی پابندی اور قرآن و حدیث پر عمل، ان کی نمایاں خصوصیات تھیں۔

ان کے والد بزرگ وار شیخ بدر الدین مصری کے بارے میں یہ حکایت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ وہ ملک شام میں قیام فرماتے تھے کہ شدید مرض میں مبتلا ہو گئے اور حالت مرض میں رسول اللہ ﷺ کے احکام و فرامین اور آپ کی رسالت و نبوت کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے صحت کی التجا کی۔ چنانچہ عالم رویا میں آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ان سے فرما رہے ہیں ”ابو احمد! کھڑے ہو جاؤ۔ تمہیں اس مرض سے اللہ نے شفا یاب کر دیا ہے۔“ اس وقت ان کا کوئی ایسا بچہ نہ تھا، جس کا نام احمد ہو اور ان کی بیوی مصر میں تھیں، جو حالت حمل میں



تھیں۔ چند روز بعد بچے کی ولادت کی اطلاع آئی۔ اس بچے کا نام انھوں نے احمد رکھا اور یہ وہی احمد ہیں جن کا اسم گرامی سرعنوان ہے۔

شیخ احمد کو بے شمار اشعار یاد تھے جو اکثر مجلسوں میں سناتے تھے اور ان کا پس منظر بھی بیان فرماتے تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ ۹۲۳ھ (۱۵۱۷ء) کے لگ بھگ میں مکہ مکرمہ میں مقیم تھا کہ وہاں میں نے عبداللہ باکثیر سے یہ واقعہ سنا، وہ کہتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں ایک مصری عالم تشریف لائے۔ ایک روز انھوں نے حرم شریف میں وعظ کہنا شروع کیا۔ انھوں نے پہلے الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ پڑھا۔ پھر وعظ کا آغاز مندرجہ ذیل اشعار سے کیا اور کہا کہ بچپن میں میرے والد نے مجھے یہ اشعار سنائے تھے:

اذا شئت ان تحي سليمان من الاذى      و ذنبك و مغفور و عرضك صين  
فلا ينطلق منك اللسان بسوءة      فعندك سوءات وللناس السن  
و عينك ان اهدت اليك معاييا      فغمض و قل يا عين للناس اعين  
و عاشر بمعروف و سامح من اعتدى      ولا تدفع الا بالتى هي احسن

اگر تم اذیتوں اور تکلیفوں سے محفوظ رہنا چاہتے ہو اور یہ خواہش رکھتے ہو کہ تمہارے گناہ بخشے جائیں

اور تمہاری عزت مصون رہے۔

تو اس کی صورت یہ ہے کہ (کسی کے بارے میں) تمہاری زبان سے برائی کی کوئی بات نہ نکلنے پائے، کیوں کہ اگر تم لوگوں کی برائیوں سے واقف ہو تو لوگ بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں۔ اگر تمہاری آنکھیں کسی کے عیوب تمہارے سامنے ظاہر کریں تو خاموش رہو اور آنکھوں سے کہو کہ لوگوں کے پاس بھی آنکھیں موجود ہیں۔

نیکی کی بات کرو اور زیادتی کرنے والے سے درگزر کرو اور لوگوں سے بہترین انداز سے گفتگو کرو۔ وہ ان اشعار کی مکمل تصویر تھے۔

كان والله فقيها عالما      وله عرض مصئون ما اتهم

غير لا يدري مدرات الوري      ومدارت الوري امر مهم

بخدا وہ فقیہ اور عالم تھے۔ ہر قسم کے اتہام سے ان کی عزت محفوظ تھی۔ وہ اس بات کی پروا نہ کرتے

تھے کہ لوگ کیا سلوک کرتے ہیں اور لوگوں کا سلوک بہت بڑی چیز ہے۔

شیخ احمد بن بدرالدین شافعی مصری نے ۴ رمضان المبارک ۹۹۲ھ (۱۵۸۳ء) کو احمد آباد میں وفات

پائی ❶۔

❶ النور السافر فی اخبار القرن العاشر ص ۳۰۴ تا ۳۰۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۰۹۔

## ۲۶۔ شیخ احمد بن جعفر گجراتی

شیخ احمد بن جعفر بن محمود حسینی سندھی گجراتی، ۸۷۰ھ (۱۴۶۶ء) کو گجرات میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے والد مکرم شیخ جعفر اور دیگر علمائے عصر کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد طویل عرصے تک تدریس اور افادہ طلبا میں مصروف رہے۔ پھر حرمین شریفین کا قصد کیا اور حج و زیارت سے بہرہ ور ہوئے۔ وہاں سے واپس آ کر پھر گجرات میں مسند تدریس کو رونق بخشی اور عمر بھر یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ اپنے دور کے شیخ و عالم اور ماہر تجوید تھے۔ قرأت و تجوید اور علوم دینیہ میں ید طولی رکھتے تھے۔ دسویں صدی ہجری کے اس ہندی عالم دین سے بے شمار علما و طلبا نے استفادہ کیا۔ پیر کے دن ۱۶ صفر ۹۴۴ھ (۲۵ جولائی ۱۵۳۷ء) کو وفات پائی ①۔

## ۲۷۔ شیخ احمد بن خلیل بیجاپوری

شیخ احمد بن خلیل بیجاپوری عالم و فاضل اور محدث تھے۔ اساتذہ ہند سے تعلیم حاصل کی۔ پھر حرمین شریفین گئے اور حج و زیارت سے بہرہ ور ہوئے۔ بعد ازاں وہاں کے آئمہ عصر سے علم حدیث پڑھا اور مراجعت فرمائے ہند ہوئے۔ یہاں آ کر عادل شاہ بیجاپوری کے ندما و مقربین میں شامل ہو گئے۔ وہ ان سے اس قدر قرب و ربط رکھتا تھا کہ سفر و حضر میں اپنے سے جدا نہ ہونے دیتا۔ اس محدث و فقیہ نے عید الفطر کی رات ۹۸۰ھ (۳ فروری ۱۵۷۳ء) کو موضع کندر میں وفات پائی جو اعمال بلگام میں واقع ہے۔ ان کے بعض شاگردوں نے لفظ ”فرشتہ“ سے ان کی تاریخ وفات نکالی ہے ②۔

## ۲۸۔ شیخ احمد بن زین الدین جون پوری

شیخ احمد بن زین الدین بروہی جون پوری جون پور کے نواح میں ایک مقام ”برونہ“ کے رہنے والے تھے۔ صالح عالم دین اور فقیہ عصر تھے۔ بہت نیک اور پرہیزگار تھے۔ شیخ معروف بن عبدالواسع جون پوری کے شاگرد تھے اور شیخ معروف مولانا اللہ داد کے تلمیذ و مرید تھے جو مدارک التنزیل ہدایہ کافیہ اور شافیہ کے شارح تھے۔ شیخ احمد نے اخذ طریقت بھی شیخ معروف سے کیا اور لمبی مدت تک ان سے وابستہ رہے یہاں تک کہ مرتبہ کمال کو پہنچے۔

اکثر علوم مروجہ میں ماہر تھے۔ تتبع شریعت مطہرہ اور زاہد وقائع بزرگ تھے۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ

① نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۱۲۰ بحوالہ مرآت احمدی۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۲

لوگوں کے تحائف و ہدایا قبول نہ کرتے اور اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے۔ ان کے شیخ نے کچھ رقم دے دی تھی اس سے تجارت کرتے اور جو نفع حاصل ہوتا اس سے گزر بسر کرتے تھے۔ ان کے یہ اقوال مشہور ہیں:

الزم الفقراء فان الخیر فیہم

واسئل العلماء فان الحق معہم

کہ فقراء سے وابستہ رہو خیر ان ہی میں ہے۔

امور دینیہ میں علما سے سوال کرو اس لیے کہ حق ان کے ساتھ ہے۔

یکم جمادی الاخری ۹۶۳ھ (۱۲ اپریل ۱۵۵۶ء) کو برونہ میں انتقال کیا ①۔

## ۲۹۔ شیخ احمد بن ضیاء الدین مندوی

شیخ احمد بن ضیاء الدین حسینی مندوی مشہور عالم و فقیہ تھے اور تصوف و طریقت سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ سراج العاشقین کے لقب سے ملقب تھے۔ شیخ سلیمان بن عفان مندوی کے فیض یافتہ تھے۔ عابد و زاہد، قلیل الطعام، قلیل النوم، راضی برضائے الہی اور متوکل علی اللہ تھے۔ ۲۹ محرم ۹۸۸ھ ۱۶ مارچ ۱۵۸۰ء کو فوت ہوئے ②۔

## ۳۰۔ شیخ احمد بن عبدالقدوس گنگوہی

شیخ احمد بن عبدالقدوس گنگوہی حنفی المسلمک تھے اور علم و فقاہت میں معروف! تصوف و سلوک سے گہرا لگاؤ تھا اور مشہور مشائخ وقت میں گردانے جاتے تھے اپنے والد بزرگ و ارشد شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے فیض یافتہ تھے۔ سماع غنا، تواجد اور وحدت الوجود کے قائل تھے اور اس باب میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا نقطہ نظر بھی یہی تھا۔ حلت غنا اور اثبات وحدت الوجود سے متعلق انھوں نے الگ الگ رسالے تصنیف کیے۔ لیکن ان مسائل میں ان کے بیٹے شیخ عبدالنبی مجدد گنگوہی صدر الصدور نے ان کی مخالفت کی اور حرمت سماع پر ایک رسالہ تصنیف کیا، جس میں اپنے والد شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مسلک کی سخت تردید کی۔ اس پر شیخ عبدالقدوس نے بیٹے کو گھر سے نکال دیا تھا اور وہ دہلی چلے گئے تھے۔ بادشاہ ہند جلال الدین اکبر کو ان کی علمی رفعت کا پتا چلا تو اس نے ان کو صدور الصدور کے منصب سے نوازا۔ شیخ احمد بن عبدالقدوس نے ۹۷۲ھ (۱۵۶۵ء) میں وفات پائی ③۔

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۲، ۲۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۸۔

② نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۳ بحوالہ اخبار الاصفیا۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۳ بحوالہ اخبار الاصفیا۔

### ۳۱۔ شیخ احمد بن عبد الملک لاہوری

شیخ احمد بن عبد الملک لاہوری فقہی مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے۔ اور فاضل آدمی تھے۔ حدیث و فقہ کے ماہرین میں سے تھے۔ بعض درسی کتابیں شیخ منصور لاہوری سے پڑھیں اور امہات الکتب کے لیے شیخ عبد اللہ بن شمس الدین سلطان پوری کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیے اور ان ہی کے ساتھ لاہور آئے اور پھر یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ سر اپا فقر فنا فی اللہ پیکر زہد اور پابند شریعت تھے۔ ہمیشہ تدریس و افادہ میں مصروف رہے۔ جمعہ کے روز ۱۰ محرم ۹۶۶ھ (۱۲۳ اکتوبر ۱۵۵۸ء) کو فوت ہوئے ①۔

### ۳۲۔ شیخ احمد بن مجد الدین شیبانی

شیخ احمد بن مجد الدین بن تاج الدین شیبانی نارانولی، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی کی نسل سے تھے۔ نارانول میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ شیخ حسن بن خالد ناگوری اور شیخ بایزید بن قیام الدین اجمیری سے تحصیل علم کی اور کئی سال ان کی صحبت و ملازمت میں رہے۔ شیخ وقت اور بہت بڑے عالم تھے۔ کتابوں پر عبور و استحضار کا یہ عالم تھا کہ اٹھارہ سال کی عمر میں مسند تدریس پر فائز ہو گئے تھے۔ نارانول سے اجمیر چلے گئے۔ جب رانا سانگا اجمیر پر حملہ آور ہوا اور اس نے مسلمانوں کو قتل اور ان کے اموال و دولت کو لوٹنا شروع کیا تو ۹۲۲ھ (۱۵۱۶ء) کو وہاں سے نکلے اور نارانول چلے گئے۔ کچھ عرصہ وہاں ٹھہرے پھر ناگور منتقل ہو گئے۔ وہیں سفر آخرت کو روانہ ہوئے۔

فاضل، متقی اور متورع بزرگ تھے۔ ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مصروف رہتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے۔ ان کا معمول تھا کہ آدھی رات کو اٹھ جاتے اور ذکر و عبادت اور تہجد میں مصروف ہو جاتے۔ چاشت کے وقت تک کسی سے بات تک نہ کرتے۔ اس کے بعد ظہر تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا۔ پھر عصر تک اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ عصر کے بعد وعظ و تذکیر کے انداز میں مدارک التزیل کا درس دیتے۔ درس کے وقت ان پر رقت و بکا کا غلبہ طاری رہتا اور قلب کی دنیا بدلی ہوئی نظر آتی۔ مدارک التزیل کے درس کا وہی انداز تھا جو ان کے بزرگوں اور اساتذہ کا تھا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کسی بڑے سے بڑے کی پروانہ نہ کرتے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کم عمری کے دور میں طلب معاش کی سلسلے میں اپنے چند متعلقین کے ساتھ مانڈو گئے۔ شیخ محمود دہلوی وہاں کے شیخ الاسلام اور حکومت کی طرف سے علما کے صدر الصدور تھے۔ جماعت کھڑی ہوئی تو شیخ محمود نے اللہ اکبر کہہ کر امام سے پہلے ہی نماز کے لیے ہاتھ باندھ لیے۔ نماز

① نزہۃ النواظر ج ۳ ص ۲۲ بحوالہ اخبار الاصفیاء ص ۲۳، ۲۴۔

سے فارغ ہوئے تو شیخ الاسلام سے کسی نے بھی کچھ نہ کہا۔ شیخ احمد کو یہ بات ناگوار گزری وہ آگے بڑھے اور شیخ الاسلام سے کہا، آپ کی نماز نہیں ہوئی، اس لیے کہ امام کی تکبیر کہنے سے پہلے ہی آپ نے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیے تھے۔

مانڈو کی شاہی رسم یہ تھی کہ لوگ پوری طرح زمین کی طرف جھک کر اور انگوٹھا زمین پر رکھ کر شیخ الاسلام کو سلام کرتے تھے، لیکن شیخ احمد شیبانی اور قاضی ادریس دہلوی جو زبردست عالم تھے، شاہی رسم کے مطابق سلام نہیں کرتے تھے۔ وہ برملا کہتے تھے کہ یہ بدعت ہے۔ یہ دونوں شریعت کے مطابق السلام علیکم کہتے اور بادشاہ کے برابر بیٹھتے۔

بادشاہ نے عدل و انصاف کے تقاضوں کو بطریق احسن پورا کرنے کی غرض سے قاضی ادریس کو اجیر کا قاضی مقرر کیا تھا اور چار گاؤں انعام میں دیے تھے اور مسند افتا شیخ احمد کے سپرد کی تھی۔ ان کے اسلاف بھی اس مسند پر فائز رہے تھے۔

اس عالم دین نے ۲۵ صفر ۹۲۷ھ (۶ فروری ۱۵۲۱ء) کو انتقال کیا ①۔

### ۳۳۔ شیخ احمد بن محمد نہروالی

شیخ احمد بن محمد بن قاضی خان عدنی خرقانی۔ ان کی کنیت ابو العباس تھی اور لقب علاء الدین۔ ابو العباس علاء الدین احمد نہروالی گجراتی کے نام سے معروف تھے۔ مفتی قطب الدین محمد نہروالی کے والد تھے جو مکہ مکرمہ کے منصب افتا پر فائز تھے، ان کے جد امجد کا نام قاضی خاں تھا، مگر یہ وہ قاضی خاں نہیں ہیں جو مشہور فتاویٰ (قاضی خاں) کے مصنف ہیں، بلکہ یہ علمائے نہروالیوں سے ہیں۔

شیخ احمد بن محمد ۸۷۰ھ (۱۴۶۶ء) میں پیدا ہوئے اور نہروالا کے فاضل علما سے علم حاصل کیا۔ پھر عازم حرمین شریفین ہوئے اور وہاں ائمہ حدیث کی ایک بڑی جماعت سے کتب احادیث پڑھیں۔ صحیح بخاری کی سند عالی کے حامل تھے، جس کا سلسلہ صرف چھ واسطوں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے جو درج ذیل ہے:

شیخ احمد بن محمد نے صحیح بخاری حافظ نور الدین ابو الفتوح احمد بن عبداللہ طاوسی نزیل گجرات سے پڑھی جو صلاح و تقویٰ سے متصف تھے۔ انھوں نے شیخ یوسف ہروی سے پڑھی جو سوہ صد سالہ کے نام سے معروف تھے یعنی انھوں نے تین سو سال عمر پائی۔ (واللہ اعلم بالصواب) انھوں نے محمد بن شاد بخت فرغانی سے پڑھی جو ایک معمر بزرگ تھے۔ انھوں نے سمرقند کے ایک بہت بڑے بزرگ شیخ ابولقمان یحییٰ بن عمار بن مقبل شاہان ختلانی

① اخبار الاخیار ص ۱۸۳ تا ۱۸۶۔ اذکار ابرار ص ۲۲۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۴۲۔

سے پڑھی جنھوں نے ایک سو تینتالیس سال عمر پائی۔ انھوں نے شیخ محمد بن یوسف فربری سے سماعت کی۔ انھوں نے خود جامع صحیح بخاری امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ شیخ ابوالعباس احمد علاء الدین نہروانی نہایت صالح عالم دین اور اپنے دور کے معروف محدث تھے۔ مکہ مکرمہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

شیخ احمد کے بیٹے قطب الدین محمد کا بیان ہے کہ جب تک میرے والد کی بینائی قائم رہی وہ ہر سال قربانی کے دن رمی کے فوراً بعد جمرہ عقبہ سے مکہ مکرمہ آ جاتے۔ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے حطیم میں بیٹھ جاتے اور طواف کرنے والوں کو دیکھتے رہتے۔ نماز مغرب تک وہیں بیٹھتے۔ مغرب کے بعد بیت اللہ کا طواف اور سعی کرتے۔ پھر منیٰ میں واپس چلے جاتے۔ فرمایا کرتے اولیاء اللہ کے لیے ضروری ہے کہ ہر سال حج کریں اور افضل پر عمل پیرا ہوں اور افضل یہ ہے کہ یوم النحر کو دن کے پہلے حصے میں طواف زیارت کے لیے آئیں۔ میں بھی یہی کرتا ہوں کہ حطیم میں بیٹھ کر طواف کرنے والوں کو دیکھتا رہتا ہوں شاید کہ میری نظر کسی ایسے نیک آدمی پر پڑ جائے یا اس کی نظر مجھ پر پڑ جائے جس کی وجہ سے میں اللہ کے نزدیک کامیاب قرار پا جاؤں۔ بینائی ختم ہونے کے بعد بھی وہ معمول کے مطابق وہیں آ کر بیٹھ جاتے اور فرماتے میں تو کسی کو دیکھ نہیں سکتا، لیکن ممکن ہے کسی مرد صالح کی نظر مجھ پر پڑ جائے اور میں اللہ کا صالح بندہ بن جاؤں۔ ان کی وفات ۹۴۹ھ (۱۵۴۲ء) کو مکہ مکرمہ میں ہوئی ①۔

### ۳۴۔ شیخ احمد بن محمد بہاری

شیخ احمد بن محمد بن طیب بہاری عالم و فقیہ تھے اور ان کا شمار اپنے زمانے کے نامور فقہاء میں ہوتا تھا۔ قصبہ بہار کے قریب ایک قریہ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ اپنے والد گرامی شیخ محمد بن طیب سے جو اس دور کے عالم دین اور مشہور اساتذہ میں سے تھے اور شیخ بدھا طیب کے نام سے معروف تھے کسب علم کیا ②۔ سرزمین ہند کے دسویں صدی ہجری کے اس فقیہ کی کسی تصنیف کا پتا نہیں چل سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنف نہ تھے بلکہ مسائل فقہ پر عبور رکھتے اور طلباء کو اس کی تعلیم دیتے تھے۔

### ۳۵۔ مفتی احمد بن محمد سندیلوی

مفتی احمد بن محمد حسینی سندیلوی شیخ وقت عالم و فقیہ اور اصولی تھے۔ مسلکاً حنفی تھے۔ اپنے عصر کے ان فقہاء و اصولیین میں سے تھے جو اس ضمن میں خاص شہرت کے حامل تھے۔ صوبہ یوپی کے شہر سندیلہ میں پیدا

① الاعلام باعلام بیت الحرام ص ۹۔ یادایام ص ۶۲۔

② لطائف قدوسی ص ۲۷۸، ۲۷۹۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۶۔

ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ اپنے والد بزرگ وار اور دیگر علمائے وقت سے علم حاصل کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے شہر سندیلہ کی مسند افتا پر فائز ہوئے اور ایک عرصے تک اس پر متمکن رہے ①۔ ان کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔ غالباً یہ مصنف نہ تھے۔ البتہ فقہی مسائل پر مہارت رکھتے تھے اور صاحب فتویٰ تھے۔

## ۳۶۔ شیخ احمد سرہندی

شیخ احمد سرہندی حنفی مسلک کے حامل تھے۔ عالم و فقیہ تھے اور ان حضرات میں سے تھے جو اس زمانے میں سرزمین پاک و ہند میں فقہ و اصول کے بلند مرتبے پر فائز تھے۔ تمام عمر مسند تدریس بچھائے رکھی اور بے شمار لوگوں کو علم فقہ کی تعلیم دی۔ مسائل فقہی پر اس درجہ عبور تھا کہ افتا میں مرجع خلافت ہوئے۔ ۹۸۶ھ (۱۵۷۸ء) میں وفات پائی ②۔

## ۳۷۔ شیخ احمد فیاض ایٹھوی

شیخ احمد فیاض ایٹھوی بڑے عالم متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ اپنے عہد کے مشہور فقہاء میں سے تھے۔ تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ کثیر المطالعہ، کثیر الدرس اور فصیح البیان تھے۔ بات چیت کا انداز بڑا پیارا اور دھیما تھا۔ عذوبت لسان میں ممتاز تھے۔ علائق دنیوی سے منقطع ہو کر درس و افادے میں مشغول ہو گئے تھے اور دین و تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ تکلفات سے قطعی دور تھے۔ قناعت و زہدان کا شیوہ اور مسلمانوں کی خیر خواہی ان کا پیشہ تھا۔

ملا عبد القادر بدیوانی لکھتے ہیں کہ دین سے محبت کا یہ عالم تھا اور قوت حفظ اس درجہ تیز تھی کہ بہت زیادہ معمر ہو گئے تھے اور چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی تھی مگر قرآن مجید ایک سال کے عرصے میں حفظ کر لیا تھا۔ اکثر درسی کتابیں پڑھانے میں مشغول رہتے۔ کوئی شاگرد پڑھتے ہوئے غلطی کر جاتا تو محض یادداشت سے ٹوک دیتے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ میں جب ان سے ملنے گیا تو شرح وقایہ کا درس دے رہے تھے۔

نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے سختی سے قائل تھے۔ ان کے ہم عصر اور ہم شہر ایک اور عالم دین شیخ نظام الدین ایٹھوی تھے جو میاں نظام الدین ایٹھوی کے نام سے مشہور تھے وہ فاتحہ خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ شیخ احمد فیاض اس باب میں ان سے بحث کرتے ان کی تردید فرماتے اور کہتے کہ جب حدیث رسول اللہ ﷺ میں امام کی اقتدا میں سورہ فاتحہ پڑھنے کو واجب ٹھہرایا گیا ہے تو آپ اس سے کیوں روکتے ہیں؟

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۷۔ بحوالہ عاشقہ۔

② اذکار برابر ص ۵۰۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۳۰۔

اور حدیث پر کیوں عمل پیرا نہیں ہوتے ①۔

سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے انھیں حنفی المسلك قرار دیا ہے ②۔

برصغیر کے دسویں صدی ہجری کے اس عظیم المرتبت فقیہ اور متقی و زاہد عالم دین کی نہ تو کسی تصنیف کا علم ہو سکا ہے اور نہ تاریخ ولادت و وفات کا پتا چل سکا ہے۔

### ۳۸۔ سید احمد ملتانی

سید احمد ملتانی فقہ اصول کلام اور علوم عربیہ کے جید علما میں سے تھے۔ سلطان سکندر لودھی کے عہد حکومت میں دہلی آئے اور مختلف مشائخ سے ملے۔ پھر شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی صحبت اختیار کی۔ ان سے عوارف المعارف اور عرائس البیان وغیرہ کتب تصوف کا درس لیا۔ اپنے مرشد اور استاد شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی طرح یہ بھی وحدت الوجود کے قائل تھے مگر علم و فضل اور فقاہت میں یگانہ تھے۔ شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے لطائف قدوسی میں ان کا ذکر کیا ہے ③۔

### ۳۹۔ شیخ اسحاق بن کولہاوری

شیخ اسحاق بن کولہاوری لاہوری، شیخ وقت اور جلیل القدر عالم تھے۔ مشہور بزرگ فرید الدین مسعود اجدھنی ④ (گنج شکر) کی اولاد سے تھے۔ لاہور میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی اور اپنے والد شیخ کولہاوری نے ۸۸۲ھ (۱۴۷۷ء) سے اخذ علم کیا۔ شیخ کولہاوری کے فیض یافتہ تھے۔ پیر محمد کے علاوہ انھوں نے دیگر علمائے عظام سے بھی تعلیم حاصل کی ⑤۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں شیخ اسحاق کا ذکر بڑے عقیدت مندانہ انداز میں کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

شیخ اسحاق کے والد کا نام شیخ کولہا تھا۔ لاہور کے لوگ شیخ اسحاق کے معتقد ہیں۔ وہ بڑے صاحب علم، متوکل اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ کبھی کسی کے دروازے پر نہیں گئے نہ کسی سے کسی شے کے طالب ہوئے۔ ہمیشہ درس و تدریس میں مصروف رہتے۔ صوفی مشرب ہونے کے باوجود تمام علوم میں ماہر کامل تھے۔ ہر آن اللہ کی

① منتخب التواریخ ص ۳۰۷۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۱۔

② نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۱۔

③ لطائف قدوسی ص ۵۵، ۵۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۲۔

④ اس زمانے میں پاک پٹن کو "اجودھن" کہا جاتا ہے۔

⑤ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۲، ۳۳۔



یاد میں مشغول رہتے۔ جب تک ان سے کوئی بات نہ پوچھی جاتی، اس وقت تک از خود بات نہ کرتے تھے۔ ایک دن ایک شخص نے راستہ چلتے ہوئے ان کو پکڑ لیا اور کھیر کا ایک دیگچہ ان کے سر پر رکھ دیا اور کہا، اس کو میرے ساتھ لے چل۔ حضرت نے بلا تامل و انکار دیگچہ سر پر اٹھا لیا اور بازار سے لے کر اس کے مکان تک پہنچا دیا۔ اسی دن سے اس کے دل سے کھوٹ نکل گیا اور وہ دنیا داری ترک کر کے ایک عالم دین بن گیا۔

ملا عبد القادر مزید لکھتے ہیں۔

میں نے ۹۹۵ھ (۱۵۸۷ء) میں شیخ موصوف سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ ایک دن میں نے فیضی سے جسے ان ہی دنوں ملک الشعرا کا خطاب ملا تھا، مذکورہ بالا واقعہ بیان کیا، فیضی جیسا کہ اس کی عادت تھی، ماضی و حال کے تمام علما و مشائخ کا مذاق اڑاتا تھا۔ شیخ اسحاق کی بھی مذمت کرنے لگا۔ اس کی باتوں پر میں صبر کر کے خاموش ہو رہا۔ ٹھیک یاد نہیں وہی رات تھی یا دوسری، میں نے خواب میں دیکھا کہ فیضی ایک جنگل میں ٹھہرا ہوا ہے اور ایک پرانے کھنڈر میں جس کی بس دو تین دیواریں کھڑی تھیں، شیخ اسحاق ان تو بچپوں کی جماعت میں ہیں جو ہر چاند رات کو بادشاہی اعزاز میں بندوقیں سر کرتے ہیں۔ انہوں نے بندوق اٹھا کر میری طرف چلا دی اور میرے چاروں طرف چنگاریاں بکھر گئیں۔ یہ دیکھ کر مجھ پر خوف طاری ہو گیا اور میں جاگ اٹھا۔ دوسرے ہی دن شیخ کی خدمت میں نذر لے کر گیا، جسے انہوں نے قبول فرمایا۔ میں نے اپنے خواب کا یہ قصہ بیان کیا تو کچھ نہ کہا، بس دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

وہ لاہور کے بہت سے مشہور علما کے استاذ ہیں، جیسے شیخ سعد اللہ بنی اسرائیل جو اپنے زمانے کے بے مثل عالم ہیں اور شیخ منور وغیرہ۔

بدایونی آگے چل کر رقم طراز ہیں:

شیخ اسحاق کا کو جوانی میں شکار کے بڑے شوقین تھے، چنانچہ سبق پڑھانے سے جب فارغ ہوتے، باز عقاب وغیرہ لے کر شکار کے لیے نکل کھڑے ہوتے اور شکار گاہ میں پیدل ہی گھومتے رہتے۔ انہوں نے سو سال سے زیادہ عمر پائی۔ ۹۹۶ھ (۱۵۸۸ء) میں انتقال فرمایا ①۔

سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے ملا عبد القادر بدایونی کے حوالے سے یہ سن وفات بھی لکھا ہے اور ساتھ ہی اخبار الاصفیا کے حوالے سے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ وہ ۲۹ ربیع الاول ۹۹۷ھ (۵ فروری ۱۵۸۹ء) کو فوت ہوئے ②۔

① منتخب التواریخ ص ۲۹۵، ۲۹۶۔ نیز ملاحظہ ہو طبقات اکبری ج ۲ ص ۳۶۰۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۲۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۳۳۔

## ۴۰۔ شیخ اسماعیل بن ابدال لاہوری

شیخ اسماعیل کا سلسلہ نسب آٹھ واسطوں سے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تک منتہی ہوتا ہے جو یہ

ہے:

اسماعیل بن ابدال بن نصر بن محمد بن موسیٰ بن عبدالجبار بن ابوصالح بن عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر شریف جیلانی۔ یہ عالم اجل اور شیخ وقت تھے۔ اپنے عصر کے علمائے مشاہیر میں گردانے جاتے تھے۔ فقہ اصول فقہ کلام اور علوم عربیہ میں ان کو بہرہ وافر حاصل تھا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد سے یہ پہلے بزرگ ہیں جو ہندوستان میں تشریف لائے۔ ان سے قبل اس خاندان کے کسی بزرگ نے ہندوستان کا قصد نہیں کیا۔ اگر کیا بھی تو سکونت اختیار نہیں کی۔ یہ دارالسلطنت دہلی میں آئے اور عرصے تک وہاں قیام پذیر رہے۔ پھر رتھنبور منتقل ہو گئے اور وہیں فوت ہوئے۔ ان سے بے شمار علما و مشائخ نے کسب فیض اور اخذ علم کیا، جن میں شیخ محمد بن حسن جون پوری، شیخ عبدالملک بن عبدالغفور پانی پتی المعروف شیخ امان اللہ پانی پتی، علامہ جمال الدین لاہوری اور شیخ عبدالرزاق ساکن جھنجھانہ خاص پور سے قابل ذکر ہیں۔

شیخ اسماعیل بن ابدال نے ۹۹۴ھ (۱۵۸۶ء) میں وفات پائی۔ تاریخ وفات ان اشعار سے نکلتی ہے۔

شد جو اسماعیل از دارا لبقا مسکن خود یافت در دار السلام  
رحلتش آمد عیاں ممتاز وقت نیز "اسماعیل مخدوم آنام" ①

۹۹۴ھ

۹۹۴ھ

شیخ اسماعیل بن ابدال کی نسبت لاہور کی طرف ہے اور یہ لاہوری مشہور ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لاہور میں رہے ہیں، مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ لاہور کب آئے اور کس زمانے میں یہاں سکونت پذیر ہوئے۔

## ۴۱۔ شیخ اسماعیل بن عبداللہ لاہوری

شیخ اسماعیل بن عبداللہ بن محمد حسنی اچھی ثم لاہوری، شیخ وقت، صالح عالم دین، نامور فقیہ اور نہایت متقی تھے۔ شہراچ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے والد گرامی شیخ عبداللہ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر جلال الدین اکبر کے عہد حکومت میں وارد لاہوری ہوئے، اس نے ان کو ہزار بیگہ خراجی زمین عطا کی اور انھوں نے لاہور میں سکونت اختیار کر لی۔

① اخبار الاخیار ص ۲۰۸۔ خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۱۳۵، ۱۳۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۶۔

خرزینۃ الاصفیا میں مفتی غلام سرور لاہوری رقم طراز ہیں کہ بادشاہ ہند جلال الدین اکبر ان کا بہت معتقد تھا۔ اس نے ان کو لاہور بلایا اور یہاں رہنے کی درخواست کی۔ علاقہ فیروز پور میں گزارے کے لیے ہزار بیگہ زمین بھی عطا کی۔ الفاظ یہ ہیں:

اکبر بادشاہ مشتاق دیدار پر انوار آن جناب شد و آن حضرت رادر لاہور طلبیدہ از غایت اعتقاد یک ہزار بیگہ زمین زرعی در علاقہ فیروز پور گزرانید حضرت سید در لاہور بمقام لکھی محلہ..... سکونت اختیار کرو۔ مگر وہ چوں کہ بدرجہ کمال مستغنی المزاج اور فقیر منش تھے اس لیے زمین قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ لاہور میں سکونت اختیار کر لی۔ جلال الدین اکبر کے عہد میں ۹۷۸ھ (۱۵۷۱ء) کو لاہور میں فوت ہوئے ①۔

## ۴۲۔ شیخ اسماعیل بن محمد ملتانی

شیخ اسماعیل بن ابراہیم فتح اللہ ربیع اسماعیلی ملتانی ثم بیدری احمد آباد (بیدر) میں پیدا ہوئے۔ وہیں تربیت پائی اور اپنے والد گرامی شیخ ابراہیم سے اخذ علم اور کسب فیض کیا۔ کافی عرصہ ان کی صحبت میں رہے اور تصوف و معرفت سے اس درجہ بہرہ یاب ہوئے کہ مرتبہ بلند کو پہنچے۔ بہت بڑے عالم پرہیزگار اور فقیہ تھے۔ والد ماجد کی وفات کے بعد سلطان عماد شاہ نے ان کو علاقہ برار میں تشریف لانے کی دعوت دی جو انھوں نے قبول کر لی اور وہاں اس نے ایک قریہ عطا کیا جس کا نام پٹھری تھا۔ وہیں اقامت پذیر ہو گئے اور وہیں ۱۳ رمضان ۹۸۵ھ (۲۴ نومبر ۱۵۷۷ء) کو وفات پائی ②۔

## ۴۳۔ علامہ اسماعیل نقشبندی لاہوری

شیخ علامہ اسماعیل لاہوری حدیث اور فقہ کے جید علما میں سے تھے اور حدیث میں سند عالی رکھتے تھے۔ کتاب و سنت کی کتابیں ایران میں شیخ الاسلام سیف الدین شہید ہروی اور شیخ جمال الدین عطاء اللہ حسینی محدث سے پڑھیں۔ ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء) کو لاہور میں فوت ہوئے ③۔

## ۴۴۔ شیخ اللہ بخش گیلانی لاہوری

شیخ اللہ بخش بن محمد بن زین العابدین بن عبدالقادر حسنی اوچی لاہوری مشہور عالم و فقیہ اور برصغیر کے معروف مشائخ میں سے تھے۔ لاہور آئے اور یہیں اقامت گزین ہو گئے۔ اپنے دور کے مقتدائے خلأق تھے۔ خلق کثیر نے ان سے اخذ فیض کیا۔ لاہور سے عازم بنگال ہوئے اور بنگال ہی میں ۹۹۴ھ (۱۵۸۶ء) کو وفات پائی ④۔

① خرنیتہ الاصفیا ج ۱ ص ۱۲۷۔ نزہتہ الخواطر ج ۳ ص ۳۷۔

② نزہتہ الخواطر ج ۳ ص ۳۷۔

③ اذکار ابرار ص ۲۹۸۔ نزہتہ الخواطر ج ۳ ص ۳۸۔

④ اخبار الاخیار ص ۲۰۶۔ بضمّن حالات سید زین العابدین۔ خرنیتہ الاصفیا ج ۱ ص ۱۳۶۔ نزہتہ الخواطر ج ۳ ص ۳۹۔

## ۲۵۔ شیخ اللہ بخش گجراتی

شیخ اللہ بخش چشتی گجراتی، فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر علما میں سے تھے اور متقی و صالح بزرگ تھے۔ طویل عرصہ درس و تدریس اور افادہ طلبا میں مصروف رہے۔ پھر بحث و اشتغال سے کنارہ کش ہو کر سلوک و تصوف کی وادیوں میں آگئے تھے۔ اس سلسلے میں شیخ محمد غوث گوالیاری سے اخذ فیض کیا اور خاصی مدت تک ان سے منسلک رہے۔ ایام تصوف میں صاحب وجد و حال بزرگ تھے، لیکن زندگی کے آخری دنوں میں ان کے اندر پھر انقلاب و تغیر کی لہر اٹھی اور قرآن و حدیث کے مطالعہ کو زندگی کا نصب العین ٹھہرایا اور شب و روز اسی میں بسر ہونے لگے۔ انھوں نے ۱۲ ربیع الثانی ۹۷۰ھ (۹ دسمبر ۱۵۶۲ء) کو وفات پائی ①۔

## ۲۶۔ شیخ اللہ داد ② بن عبد اللہ جون پوری

شیخ اللہ داد بن عبد اللہ جون پوری دیار ہند میں اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور فاضل بزرگ تھے۔ جون پور میں پیدا ہوئے، وہیں نشوونما پائی اور شیخ عبد الملک جون پوری سے تعلیم حاصل کی جو اس دور کے جلیل القدر عالم اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے تلمیذ تھے۔ ان کو صرف ایک واسطے سے قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ حصول علم کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور علم و افتا اور تحقیق و تدقیق کی بلند منزلوں پر پہنچے۔

میر سید غلام علی آزاد بلگرامی نے سبحة المرجان فی آثار ہندوستان، ماثر الکرام اور دنیات الاعلام میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے اساتذہ میں شیخ عبد اللہ تلنسی اور شیخ عزیز اللہ تلنسی کے اسمائے گرامی درج کیے ہیں، لیکن نزہتہ الخواطر میں سید عبدالحی حسنی لکھنوی اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ شیخ عبد اللہ تلنسی اور شیخ عزیز اللہ تلنسی دونوں بزرگ سلطان سکندر لودھی کے زمانے میں تلنبہ (ملتان) سے دہلی گئے اور یہ وہ زمانہ تھا جب شیخ اللہ داد جون پور کی مسند تدریس پر فائز تھے اور ان کا شمار اس نواح کے کبار اساتذہ میں ہوتا تھا۔ لہذا ایسی صورت میں دہلی جا کر ان کے حلقہ تلمذ میں شامل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں کسی تذکرے میں یہ مرقوم نہیں ہے کہ شیخ اللہ داد جون پوری نے تلنبہ جا کر ان سے استفادہ کیا ہو۔ البتہ ان دونوں بزرگوں سے ان کا لقا ثابت ہے اور ایک دوسرے سے بحث مباحثے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سکندر لودھی نے اپنی قلمرو کے تمام علما کو جمع کیا۔ ایک

① اذکار ابرار ص ۴۰۱، ۴۰۲۔ نزہتہ الخواطر ج ۳ ص ۳۹۔

② تذکرہ نگاروں نے ان کا نام الھدٰد لکھا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ لفظ اللہ داد ہے اس لیے آئندہ ہم اسے اللہ داد ہی لکھیں گے۔

جانب سے تلبہ کے شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ اور دوسری طرف سے شیخ اللہ داد اور ان کے لڑکے شیخ بہکاری نے علمی مباحثہ کیا، جس سے معلوم ہوا کہ پہلے دو بزرگ تقریر میں اور دوسرے دو تحریر میں سب سے فائق تر ہیں۔ اگر یہ دونوں بزرگ ان کے استاذ ہوتے تو ان سے بحث و مناظرہ نہ کرتے، کیوں کہ استاد کے احترام کا تقاضا یہی ہے۔

شیخ اللہ داد جون پوری، تفسیر فقہ، اصول فقہ اور علم نحو میں بے نظیر تھے اور ان علوم میں ان کے زمانے میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ وہ بیک وقت کئی خوبیوں کے حامل تھے صاحب افتا بھی تھے، عظیم مصنف بھی تھے اور بلند مرتبے کے مصنف اور شارح بھی! ان کی علمی ہمہ گیری اور وسعت مطالعہ کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تفسیر فقہ اور نحو تینوں علوم کی بلند پایہ کتابوں میں حواشی تحریر کیے اور ان کی شرحیں لکھیں، جس کی تفصیل یہ ہے:

① تفسیر مدارک التزیل پر حواشی لکھے اور اس کے مشکل مقامات کی شرح سپرد قلم کی۔ یہ حواشی پوری تفسیر کے نہیں ہیں، بلکہ سورت نمبر ۱۳ اور ۳۷ کے ہیں۔ یہ کتاب انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔

② ہدایہ کی شرح۔

③ اصول بزدوی کی شرح اور تعلیق

④ کافیہ پر حواشی اور اس کے اہم مقامات کی عقدہ کشائی۔

⑤ کافیہ کی شرح۔

⑥ حاشیہ علی شرح جامی۔

⑦ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی شرح کافیہ جو ایک بہترین شرح ہے اور حواشی ہندیہ کی نام سے معروف ہے، اس پر مولانا اللہ داد جون پوری نے حواشی لکھے۔

ان کے یہ علمی اور تدریسی و تصنیفی کارنامے ان کے اساتذہ و شیوخ کی زندگی میں نمایاں ہو کر اہل علم کے سامنے آگئے تھے۔

شیخ اللہ داد فقہی مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے اور بعد کو تصوف اور طریقت سے بھی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ تصوف اور طریقت سے لگاؤ کی بھی ایک عجیب وجہ ہوئی۔ وہ یہ کہ اس زمانے کے مشہور بزرگ اور صوفی حامد شاہ مانک پوری جون پور تشریف لائے اور شیخ اللہ داد کے ہمدرد و رفیق شیخ حسن طاہران کے مرید ہو گئے۔ شیخ اللہ داد کو یہ بات ناگوار گزری اور اپنے اس دوست سے کہا کہ تم نے حامد شاہ مانک پوری کے حلقہ ارادت میں شامل ہو کر طلبائے علم کے علمی وقار کو نقصان پہنچایا ہے۔ شیخ حسن طاہران نے شیخ حامد شاہ کے مرتبہ علم اور روحانیت کی بڑی تعریف کی مگر وہ اپنی رائے پر قائم رہے۔ بالآخر حسن طاہران نے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیے اور حامد شاہ کی علم و

تحقیق کا امتحان لیجیے۔ شیخ اللہ داد نے ہدایہ کے چند مشکل مقامات ذہن میں مجتمع کیے اور ان کے حل و کشود کے لیے ان کی مجلس میں جا پہنچے۔ گفتگو ہوئی تو انھوں نے باتوں باتوں میں ہدایہ کے ان مقامات کی اس انداز میں تشریح کی کہ وہ حیران رہ گئے اور اسی وقت ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔

شیخ اللہ داد جون پوری نے ۹۲۳ھ (۱۵۱۷ء) کو جون پور میں وفات پائی ①۔

## ۴۷۔ مولانا اللہ داد بن کمال الدین لکھنوی

مولانا اللہ داد بن کمال الدین بن محمد بن محمد اعظم حسینی لکھنوی، شیخ وقت اور فاضل شخص تھے۔ ان کا شمار اس دور میں سرزمین ہند کے مشہور علما میں ہوتا تھا۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے، وہیں بچپن کا زمانہ گزرا۔ اسی شہر میں شباب کی منزلیں طے کیں اور اسی کی فضا میں کہولت اور بڑھاپے کو پہنچے۔ لکھنؤ ہی کے علما سے اخذ علم کیا اور پھر وہیں درس و افتا کی مسند پر فائز ہوئے اور کتابیں تصنیف کیں۔

ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں ان سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وہ نہایت صاحب تصرف ذہین، مستعد اور دانش مند عالم دین تھے۔ فقہ اصول فقہ اور علوم عربیہ میں تو بالخصوص اس زمانے میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ علم نحو میں انھوں نے ایک رسالہ لکھا، جس کا نام ایک مقتدر حاکم کے نام پر ”قبطون“ رکھا تھا۔ اس کی عبارت انتہائی پر تکلف تھی۔ میں حسین خاں کے عہد حکومت میں جب لکھنؤ گیا تو ان سے ملاقات کی۔ ان کی تصانیف میں دو چیزیں بڑی عجیب و غریب اور نادر تھیں۔ ان میں سے ایک رسالہ تھا جس کا طول چودہ سطر کا تھا اور عرض بھی اتنی ہی سطر کا تھا۔ اس کے حاشیوں میں بھی مضمون تحریر تھا۔ اس رسالے میں چودہ علوم کے احکام و مسائل درج تھے۔ دوسرا ایک اور رسالہ تھا جو مقامات حریری کی طرز پر لکھا گیا تھا۔ اس کے پانچ حصے تھے۔ اس کا نام انھوں نے قیطون رکھا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ میری اور بھی تصانیف ہیں۔

بدایونی اس سے آگے مزید لکھتے ہیں:

ان کے چچازاد بھائیوں کا بیان ہے کہ یہ چودہ علوم پر مشتمل رسالہ اور رسالہ قیطون دراصل حکیم زبرقی کی تصانیف ہیں جو قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے زمانے میں جون پور آیا تھا اور بعض مسائل کے بارے میں ان سے اس کا مشہور مناظرہ اور مباحثہ ہوا تھا اور وہ فحول علمائے عصر میں سے تھا۔ پھر وہ دونوں رسالے

① اخبار الاخیار، ص ۱۹۷۔ منتخب التواریخ، ص ۸۶۔ حدائق الحسینہ، ص ۳۶۴، ۳۶۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۴۱، ۴۲۔ خزینۃ

الاصفیاء، ص ۱۴۲۔ تاریخ شیراز ہند جون پور، ص ۶۳۰، ۶۳۱۔ مآثر الکرام، ص ۷۶۔ سبۃ المرجان فی آثار ہندوستان، ص

۴۳۔ کشف الظنون۔ قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب، ص ۱۹۶۔ ابجد العلوم، ص ۸۹۴، ۸۹۵۔ تجلی نور حصہ دوم از

مولوی نور الدین جون پوری، ص ۳۹، ۴۰۔

مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے شیخ اعظم لکھنوی کے کتب خانے میں پہنچے۔ شیخ اعظم شیخ اللہ داد کے والد تھے ① اور انھیں اہل علم کی طرف سے امام اعظم ثانی (امام ابوحنیفہ) کا خطاب ملا تھا۔ ان کی وفات کے بعد یہ رسالے وراثتاً میاں اللہ داد لکھنوی کے قبضے میں آئے اور آخر دم تک ان کے پاس رہے۔ انھوں نے ان کی تصنیف کو اپنی طرف منسوب کر لیا۔

منتخب اللباب میں خانی خاں لکھتے ہیں کہ جب جلال الدین اکبر نے جون پور کا عزم کیا اور خان زمان خاں کی طرف روانہ ہوا تو لکھنؤ بھی گیا۔ وہاں اس نے مولانا اللہ داد سے ملنے کی خواہش ظاہر کی اور اس کا تذکرہ عبدالنبی گنگوہی سے کیا۔ انھوں نے ان کے فضل و کمال کی تعریف کی تو انھیں مولانا کی خدمت میں بھیجا اور پیغام دیا کہ بادشاہ ان سے ملاقات کا خواہاں ہے۔ وہ گئے مگر مولانا نے بادشاہ کے پاس جانے اور ان سے ملنے سے انکار کر دیا۔ نماز کا وقت آیا تو بادشاہ جامع مسجد میں گیا اور وہاں ان سے ملاقات کی۔ بادشاہ نے ان کے علم و فضل سے متاثر ہو کر ان سے منصب افتا پر فائز ہونے کی درخواست کی جس کو منظور کرنے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ یہ ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء) کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد وہ عمر بھر اسی منصب پر فائز رہے۔ انھوں نے ۹۹۱ھ (۱۵۸۳ء) میں وفات پائی ②۔

## ب

### ۲۸۔ شیخ بایزید سندھی

میرک بایزید بن ابوسعید بن میر علی شاہ عرب شاہی سبزواری ثم سندھی سکھری، شیخ عصر اور عالم و فقیہ تھے۔ ان کا شمار اس دور کے مشہور فضلاء میں ہوتا تھا۔ اصلاً سبزواری کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے قندھار آئے پھر شاہی بیگ ارغون قندھاری کے ساتھ ارض سندھ میں داخل ہوئے اور سکھر اور بھکر دو شہروں کے شیخ الاسلام مقرر کیے گئے۔ اس زمانے میں سکھر میں سکونت اختیار کر لی تھی ③۔

① شیخ اعظم ثانی لکھنوی، مولانا اللہ داد لکھنوی کے پردادا تھے۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: شیخ اعظم ثانی بن شیخ ابوالبقا بن موسیٰ بن شیخ ضیاء الدین کرمانی۔ اپنے عصر کے تبحر عالم اور علوم ظاہری اور باطنی میں یگانہ تھے۔ علم فقہ میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا اور فقہی مسائل کے متعلق بڑی صاف اور مدلل گفتگو کرتے تھے۔ اس علم سے متعلق کئی رسائل کے مصنف تھے۔ ان کے پردادا ہلاکو خاں کے زمانے میں کرمان سے ہندوستان میں آئے اور شاہ سمرقندی سے ملاقات کی غرض سے لکھنؤ پہنچے اور ان ہی کی وجہ سے اس شہر میں متوطن ہو گئے تھے۔ (تذکرہ علمائے ہند ص ۲۳، ۲۴)

② منتخب التواریخ ص ۳۰۷، ۳۰۸۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۵، ۲۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۲۲، ۲۳۔

③ تحفۃ الکرام ص ۲۰۲۔ نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۲۸۔

## ۴۹۔ شیخ بدرالدین گجراتی

شیخ بدرالدین بن جلال الدین گجراتی حنفی المسلمک تھے۔ گجرات میں پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے اور اپنے والد مکرم شیخ جلال الدین سے علم حاصل کیا۔ شیخ جلال الدین نے اپنے باپ شیخ محمد سے اور شیخ محمد نے اپنے باپ علامہ شیخ کمال الدین دہلوی سے اخذ علم کیا۔ شیخ بدرالدین عالم و فقیہ، صحیح العقیدہ صوفی اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے ①۔ افسوس ہے ان کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔

## ۵۰۔ شیخ بدرالدین حسینی اکبر آبادی

شیخ بدرالدین بن جلال الدین اکبر آبادی ۹۴۳ھ (۱۵۳۶ء) کو اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے اور شیخ جلال الدین بن عبداللہ اکبر آبادی اور شیخ ابو الفتوح بن عبدالغفور تھانیسری سے اخذ علم کیا۔ بہت بڑے عالم و فقیہ تھے اور اپنے دور کے فحول علما میں گردانے جاتے تھے۔ تصوف و طریقت سے بھی تعلق تھا۔ اپنے والد شیخ جلال الدین اکبر آبادی کے بعد مسند مشیخت پر متمکن ہوئے۔ نہایت قانع، عقیف اور زیور صلاح و تقویٰ سے آراستہ تھے۔ پچپن سال کی عمر پا کر ۲۹ ربیع الاول ۹۹۸ھ (۲۶ جنوری ۱۵۹۰ء) کو فوت ہوئے ②۔

## ۵۱۔ شیخ برہان الدین کالپوی

شیخ برہان الدین بن تاج الدین کالپوی، شیخ صالح اور فقیہ وقت تھے اور کبار مشائخ میں شمار کیے جاتے تھے۔ شیخ عبدالملک بن ابراہیم کالپوی سے اخذ علم کیا اور کافی عرصہ ان کی صحبت و رفاقت میں رہے۔ پھر لوگوں سے منقطع ہو کر گھر میں گوشہ گیر ہو کر بیٹھ گئے۔ زندگی کے آخری دم تک گھر سے باہر نہیں نکلے۔ حتیٰ کہ دن بھی گھر ہی میں کیے گئے۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں بڑے احترام سے ان کا ذکر کیا ہے۔

ان کے فارسی الفاظ کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

شیخ برہان الدین بڑے زاہد، متوکل، گوشہ نشین اور مستغنی بزرگ تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ میاں اللہ داد کی صحبت میں، جن کا سلسلہ ایک واسطے سے سید محمد جون پوری سے ملتا ہے، صرف تین دن رہے اور تین دنوں میں فقر و غنا کا وہ فیض حاصل کیا کہ درجہ کمال کو جا پہنچے۔ نہایت عبادت گزار اور صاحب حضور تھے۔ تقریباً پچاس سال تک گوشت بلکہ بہت سی چیزوں کا کھانا پینا ترک کیے رکھا، صرف تھوڑے سے دودھ اور مٹھاس پر گزار کرتے رہے۔ آخری عمر میں تو پانی تک ترک کر دیا تھا۔ نظر بظاہر بس ایک روحانی اور نورانی مجسمہ دکھائی دیتے تھے۔

① نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۵۱ بحوالہ مجمع الابرار۔

② افکار ابرار، ص ۳۸۲، ۳۸۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۵۱۔



کاپی میں ان کا حجرہ نہایت تنگ و تاریک تھا۔ اس حجرے میں وہ ہمیشہ ذکر و فکر اور مراقبے میں مشغول رہتے تھے۔ عربی علوم نہیں پڑتے تھے، پھر بھی قرآن مجید کی تفسیر اس بلاغت کے ساتھ بیان کرتے کہ حیرت ہوتی تھی۔ ان کی صحبت میں دلوں کو کھول دینے والا اثر تھا۔

ملا عبدالقادر ان سے خود اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں جب چنار کے سفر سے لوٹا، ۹۶۷ھ (۱۵۶۰ء) کا کوئی مہینا تھا اور عبداللہ اوزبک کا دور دورہ تھا۔ ایک رات شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، بڑی سنجھی ہوئی باتیں کیں اور اپنے ہندی اشعار جو وعظ و نصیحت، تصوف اور توحید و تجرید کے مضامین پر مشتمل تھے سنائے۔

دوسرے دن مہر علی سلدوز جو درویش دوستی کی صفت کے باوجود پورا ترکی تھا اور مردم آزاری اور ستم رانی سے باز نہیں آتا تھا، میرے ساتھ شیخ کی ملاقات کے لیے گیا۔ عجیب اتفاق ملاحظہ ہو کہ جب وہ چلنے لگا تھا تو اس نے خدمت گاروں اور ملازموں کی خوب پٹائی کی تھی اور ان کو مغلظ گالیاں دی تھیں۔ جب ہم شیخ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے سب سے پہلے جو بات کی وہ یہ حدیث تھی:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

یہ حدیث پڑھ کر انہوں نے اس کے نکات کی بڑی عالمانہ اور دلکش پیرایہ میں تشریح کی۔ اس سے مہر علی پر ایسا اثر ہوا کہ وہ کھڑا ہو گیا اور اپنے کپے پر نام دم اور شرمندہ ہو کر توبہ کرنے لگا۔ شیخ سے دعا کی درخواست کی۔ کچھ نذرانہ بھی پیش کیا جو شیخ نے قبول نہ کیا۔

بدایونی آخر میں لکھتے ہیں:

شیخ ممدوح کی عمر سو سال ہوئی ہے۔ ۹۷۰ھ/۱۵۶۳ء میں رحلت فرمائی۔ میں نے ان کی تاریخ اس مسرع سے نکالی ہے۔

دل گنت کہ شیخ اولیا بود ①

## ۵۲۔ قاضی برہان الدین گجراتی

قاضی برہان الدین نہروالی گجراتی، شیخ شہاب الدین گجراتی کی اولاد سے تھے۔ شیخ وقت عالم و فاضل اور محدث و فقیہ تھے۔ ان کا شمار ان مشہور اساتذہ میں ہوتا تھا جنہوں نے پہلے پہل (ہندوستان) علاقہ گجرات

① مولانا سید عبدالحی لکھنوی نے نزمہ الخواطر میں انہیں فقیہ قرار دیا ہے۔ اگر وہ عربی علوم کے عالم نہ تھے تو فقیہ کیوں کر ہو گئے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ علوم عربیہ میں بہت زیادہ عبور اور مہارت نہ رکھتے ہوں۔ عربی سے لگاؤ کے بغیر قرآن کی تفسیر بھی بلاغت کے ساتھ بیان کرنا محال نظر ہے۔

② منتخب التواریخ، ص ۲۷۹، نزمہ الخواطر، ج ۳، ص ۵۵، ۵۶۔ اذکار ابرار، ص ۳۰۵۔

میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور علوم کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بنے۔ تمام عمر درس و افادہ میں مصروف رہے اور بے شمار تشنگان علوم نے ان سے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ ان کی تاریخ وفات کا علم نہیں ہو سکا، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ہندوستان کے دسویں صدی ہجری کے نامور عالم، عظیم فقیہ اور مشہور معلم و مدرس تھے ❶۔

### ۵۳۔ مولانا برہان الدین ملتانی

مولانا برہان الدین ملتانی حنفی المسلک تھے۔ فاضل بزرگ تھے اور فقہ، اصول فقہ اور علوم عربیہ کے ماہر علما میں سے تھے۔ موجودہ جغرافیائی لحاظ سے ہندوستان کے علاقہ ہریانہ کے مشہور شہر حصار میں مسند تدریس پر فائز تھے۔ ان سے بے شمار علما و طلبا نے اخذ علم کیا۔ شیخ عبداللہ بن بہلول سندیلوی گجراتی نے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر حصار میں تفسیر اور بعض کتب درسیہ پڑھی تھیں۔ بعد ازاں ان کے ساتھ مولانا برہان الدین ملتانی نے گجرات کا سفر کیا تھا ❷۔

### ۵۴۔ شیخ بلال محدث سندھی

شیخ بلال سندھی عالم کبیر اور محدث وقت تھے۔ تفسیر اور حدیث کے اونچے مرتبے کے علما میں سے تھے۔ شریعت مطہرہ کے پابند اور عامل کتاب و سنت تھے۔ تصوف و طریقت میں بھی بہرہ وافر حاصل تھا۔ اس ضمن میں ان سے بہت سے کشوف و کرامات کا ذکر بھی کیا جاتا ہے ❸۔

### ۵۵۔ شیخ بہاء الدین انصاری جیندی

شیخ بہاء الدین بن ابراہیم بن عطاء اللہ انصاری جیندی، مشرقی پنجاب کے شہر جیند کے رہنے والے تھے جو سابق ریاست جیند کا دار الحکومت تھا۔ ان کی جائے پیدائش بھی جیند تھی اور نشوونما بھی اسی شہر میں ہوئی۔ بہت بڑے عالم، شیخ، فقیہ، علوم عربیہ اور اصول فقہ کے ماہر تھے۔ متعدد مشائخ و علما اور بزرگان دین کی صحبت میں رہے اور اس سلسلے میں بہت سے بلا و قصابات میں گھومے پھرے۔ حج و زیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور حرم شریف میں شیخ احمد الشریف جیلانی شافعی سے طریقہ قادریہ کے مطابق اخذ فیض کیا۔ بعد ازاں مراجعت فرمائے ہند ہوئے اور حاکم مالوہ سلطان غیاث الدین خلجی کے عہد میں مانڈو آئے۔ وہاں عرصہ تک قیام فرما رہے۔ پھر احمد آباد کے شہر بیدر کا سفر کیا۔ اذکار و اشغال کے موضوع پر شیخ ابراہیم بن معین الدین ایرجی کے لیے ایک رسالہ بھی تصنیف کیا۔ ۹۲۱ھ (۱۵۱۵ء) میں وفات پائی۔ ان کی قبر الہ آباد میں ہے ❹۔

❶ یادایام ص ۶۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۵۵۔ بحوالہ ظفر الوالہ۔

❷ اذکار ابرار ص۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۵۶۔

❸ اذکار ابرار ص ۳۷۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۵۶۔

❹ اخبار الاخبار ص ۱۹۸ تا ۲۰۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۵۹، ۶۰۔

## ۵۶۔ شیخ بہاء الدین عمری جون پوری

شیخ بہاء الدین کا سلسلہ نسب یہ ہے: بہاء الدین بن خلق اللہ بن مبارک بن احمد بن ابوالخیر بن نصر اللہ بن محمود بن شیخ حمید الدین عمری ناگوری ثم جون پوری اپنے وقت کے فقیہ عالم محدث اور شیخ تھے۔ شیخ محمد بن عیسیٰ جون پوری کے شاگرد تھے۔ علوم عالیہ میں ان کا مرتبہ بڑا بلند تھا۔ تصوف و طریقت سے بھی دلچسپی تھی اور اس سلسلے میں شیخ حامد شاہ مانک پوری کے فیض یافتہ تھے۔ گنج ارشدی میں شیخ غلام رشید کے بیان کے مطابق سات سال شیخ حسین بالادستی کے ساتھ رہے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب شیخ حسین جون پور میں مقیم تھے۔ ان کے بالادست تشریف لے جانے کے بعد سترہ سال شیخ محمد بن عیسیٰ جون پوری کی صحبت میں بسر کیے۔ پھر شیخ حامد شاہ مانک پوری سے منسلک ہو گئے۔ نو سال ان کی خدمت میں گزارے۔ ان کے علاوہ بھی متعدد مشائخ اور بزرگان دین سے استفادہ کیا۔

بعد ازاں عازم حرمین شریفین ہوئے اور تین سال مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے۔ یہ تین سال انہوں نے سب سے علیحدگی و انزو اختیار کر کے جبل ابی قیس پر بسر کیے۔ جبل ابی قیس سے صرف نماز کے اوقات میں نیچے اترتے اور مسجد حرام میں نماز ادا کرتے۔ ان کی عمر سو سال سے متجاوز ہو چکی تھی، لیکن بینائی بالکل صحیح تھی۔ مکہ مکرمہ میں حدیث پڑھی اور عالی سند حاصل کی۔ وہاں طریقہ نقشبندیہ کے مطابق شیخ کمال الدین اسماعیل شروانی سے کسب فیض کیا اور کافی عرصہ ان کی صحبت میں رہے۔ شیخ کمال الدین اسماعیل شروانی، شیخ کبیر عبید اللہ احرار کے فیض یافتہ تھے۔

شیخ بہاء الدین جون پوری کی حدیث سے محبت اور دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ دن رات حدیث کی مختلف کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔

ان کی ایک تصنیف بھی ہے جس کا نام ارشاد السالکین ہے۔ اپنے موضوع میں نہایت مفید اور عمدہ کتاب ہے۔

اس عالم دین نے ۱۹ رمضان ۹۱۱ھ (۱۲ فروری ۱۵۰۶ء) کو ایک روایت کے مطابق ۱۴ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ (۱۴ اکتوبر ۱۵۰۵ء) کو وفات پائی ①۔

## ۵۷۔ شیخ بہاء الدین گجراتی

شیخ بہاء الدین بن معز الدین بن شہاب الدین خطاب گجراتی، شیخ صالح اور فقیہ تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بھائی نفیل بن خطاب قریشی کی اولاد سے تھے۔ احمد آباد میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت پائی۔

① اخبار الاخیار ص ۱۹۷، ۱۹۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۶۰، ۶۱۔ تاریخ شیراز ہند جون پور ص ۶۶۳، ۶۶۵۔

عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ طریقت بھی تھے۔ عمر کا طویل حصہ سیر و سیاحت میں بسر کیا۔ ہندوستان سے باہر بھی گئے۔ واپس آ کر آٹھ سال گجرات میں مقیم رہے۔ پھر برہان پور چلے گئے اور وہاں بہت بڑی خانقاہ تعمیر کی اور تمام عمر اسی خانقاہ میں عبادت الہی میں گزار دی۔ ۹۱۲ھ/۱۵۰۶ء میں وفات پائی ①۔

## ۵۸۔ شیخ پیر محمد گجراتی

شیخ پیر محمد کا سلسلہ نسب مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: پیر محمد بن جلال الدین بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابراہیم بن جعفر بن جلال بن محمود بن عبداللہ بن عبدالحمید بن عبدالرحمن بن عثمان بن مصعب بن ابان بن عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

شیخ پیر محمد رحمۃ اللہ علیہ موضع جانپانیر میں پیدا ہوئے جو اعمال گجرات میں واقع تھا۔ وہیں نشوونما پائی اور اپنے زمانے کے اساتذہ سے اخذ علم کیا۔ پھر حرمین شریفین کا سفر کیا اور حج و زیارت سے متمتع ہوئے۔ واپس آئے تو شیخ محمد غوث گوالیاری سے طریقت و تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ کافی عرصے تک ان سے منسلک رہے اور ان کے بعد مسند مشیخت پر فائز ہوئے۔ شیخ پیر محمد گجراتی عالم و فقیہ بھی تھے اور سلوک و تصوف سے بھی وابستگی رکھتے تھے۔ ۹۶۹ھ/۱۵۶۲ء میں فوت ہوئے ②۔

## ۵۹۔ شیخ تاج الدین مندوی

شیخ تاج الدین یوسف بن کمال الدین قرشی رتھنوری ثم مندوی مالوی ۸۸۵ھ/۱۴۸۰ء کو رتھنور میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ شیخ وقت صالح عالم دین اور فقیہ زمان تھے۔ اس کے ساتھ ہی طریقت و صلاح میں بھی ایک مقام رکھتے تھے اور مشہور مشائخ میں سے تھے۔ حصول علم سے فارغ ہوئے تو ماٹڈ و تشریف لے گئے۔ وہ سلطان ناصر الدین شاہ خلجی کا عہد تھا۔ سلطان ان سے نہایت اکرام سے پیش آیا۔ عزت سے ٹھہرایا اور ہر ممکن طریق سے ان کی امداد کی۔ شیخ تاج الدین مندوی نے ۹۵۰ھ/۱۵۴۳ء میں انتقال کیا ③۔

① نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۶۲، ۶۳ بحوالہ بحر خار۔

② نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۶۶ بحوالہ تاریخ دکن از عبدالجبار آصفی۔

③ اذکار ابرار ص ۲۳۹ تا ۲۵۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۶۸، ۶۹۔

## ۶۰۔ مولانا تقی الدین پنڈوی

وزیر کبیر مولانا تقی الدین بن عین الدین پنڈوی محدث اور فقیہ تھے۔ سلطان مبارک نے ازراہ تکریم ان کو ملا کا لقب دیا تھا۔ ان کے والد مولانا عین الدین کو مجلس مختار اور ان کے دادا کو مجلس سرور کا خطاب عطا کیا تھا۔ وہ علاقہ بنگال میں نصرت شاہ اور ان کے والد حسین شریف کی کے عہد میں طویل مدت تک منصب وزارت پر متمکن رہے۔ بنگال کے مختلف شہروں میں انھوں نے بہترین اور یادگار عمارتیں تعمیر کیں جن میں شہر سنار گاؤں میں ایک بہت بڑی مسجد ہے۔ یہ مسجد ۹۲۹ھ/۱۵۲۳ء میں تعمیر کی تھی۔ اس کے آثار ابھی تک باقی ہیں ①۔

### ج

## ۶۱۔ شیخ جعفر بن میران سندھی

شیخ جعفر بن میران بوبکانی سندھی بلاد سیوستان کے ایک شہر بوبک میں پیدا ہوئے اور خالص علمی ماحول میں پرورش پائی۔ اپنے دور کے عالم کبیر اور شیخ تھے۔ ان کا شمار علاقہ سندھ کے مشہور فقہاء میں ہوتا تھا۔ ان کے والد شیخ میران بوبکانی کا سلسلہ درس جاری تھا جس میں بے شمار علما و طلبا نے استفادہ کیا۔ مستفیدین کی جماعت میں شیخ طاہر بن یوسف سندھی برہان پوری بھی شامل ہیں۔

شیخ جعفر نے اپنے باپ (شیخ میران) سے تحصیل کی۔ جہاں یہ علوم شرعیہ میں معلومات تامہ رکھتے تھے وہاں حکمت و فلسفہ ادب و انشا، منطق و نجوم و جفر میں بھی ماہر تھے۔ لیکن آخر عمر میں ان علوم سے دلچسپیاں ختم کر دی تھیں اور کتب حدیث و تصوف کے مطالعہ میں منہمک ہو گئے تھے۔ یہاں یہ بات لائق تذکرہ ہے کہ تصوف میں کامل اشتغال کے باوجود مسائل شرعیہ میں میلان طبع شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی آراء و تحقیقات کی طرف تھا۔

شیخ جعفر بوبکانی مخدوم نوح کے ہم عصر تھے۔ جامع کمالات اور مقتدر عالم دین تھے۔ تحفۃ الکرام میں مخدوم نوح اور شیخ جعفر کے بارے میں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ ایک روز مخدوم نوح نے کہا: ”میں نے اللہ تعالیٰ کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے۔“ شیخ جعفر نے جواب دیا: ”ان آنکھوں سے نہ دیکھا ہوگا۔ اس کیفیت کو واضح کرنے کے لیے آپ کو چاہیے کہ جب ایسی حالت آپ پر طاری ہو تو کسی خادم کو اپنی آنکھیں بند کرنے کا حکم دیں۔ اگر اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار قائم رہے تو پھر یقین کیجیے کہ یہ آنکھ وہ ظاہری آنکھ اور یہ دیدار وہ عام دیدار نہیں ہے۔“

مخدوم نوح نے یہ تجربہ کرنے کے بعد فرمایا: ”اگر جعفر نہ ہوتا تو نوح کافر ہو جاتا۔“

شیخ جعفر بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ مندرجہ ذیل کتابیں ان کی تصانیف میں شامل ہیں۔

① الممتانہ فی مرمة الخزانة: ان کی یہ تصنیف فقہی اور علمی اعتبار سے خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کا اصل باعث گجرات کے ایک عالم دین قاضی جگن گجراتی متوفی ۹۲۰ھ/۱۵۱۳ء کی تصنیف 'خزانة الروایات' ہے۔ یہ کتاب فروغ حنفیہ کو محیط ہے، لیکن محققین کے نزدیک یہ کتاب غیر مستند، غیر معتبر اور ناقابل اعتماد ہے اور رطب و یابس کا پلندہ ہے۔ علامہ مخدوم جعفر بوبکانی نے الممتانہ کی تصنیف کے وقت اس کتاب کو سامنے رکھا اور وہ تمام مواد اس سے نکال دیا جو سند و اعتبار کے نقطہ نظر سے ناقابل اعتنا ہے۔ اس کے بجائے مفتی بہا مسائل اور قوی روایات کا اضافہ فرمایا۔ اس محنت و کاوش کے بعد یہ کتاب الممتانہ فی مرمة الخزانة کے نام سے موسوم ہوئی۔ اب اس کتاب کو بجا طور پر کبار اعلام فقہ کے نزدیک معتبر اور مستند قرار دیا جاتا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۲ء (۱۳۸۱ھ) میں سندھی ادبی بورڈ کراچی (لجنہ احیاء الادب السندی) کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔ اس پر مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سندھی نے مبسوط اور معلومات افزا مقدمہ تحریر کیا ہے۔ یہ خالص فقہی نوعیت کی کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ جعفر بوبکانی شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کے افکار و آرا سے بہت متاثر تھے۔

② حل العقود فی طلاق السنود: یہ علامہ ممدوح کی ایک عجیب و غریب تصنیف ہے۔ اس میں باشندگان سندھ کے طلاق دینے کے طریقے اور شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب بعض قدیم کتب خانوں میں موجود ہے۔ اس سے دسویں صدی ہجری کے سندھی تمدن اور زبان پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔

③ الصادق المنصف المحق بالدلائل التي هي بالتقديمه احري واحق: یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔

④ حاصل النهج: یہ فارسی زبان میں ایک رسالہ ہے۔

⑤ نهج التعليم-

⑥ عجاله النافعین-

⑦ حل العقود-

افسوس ہے شیخ جعفر بوبکانی کے اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہو سکے ①۔

① تحفۃ الکرام ص ۲۵۹-۲۶۰۔ مقدمتہ الممتانہ فی مرمة الخزانة (از مولانا ابوسعید غلام مصطفیٰ سندھی) از کار ابرار ص ۳۷۴

۳۷۵۔ نزہتہ الخواطر ج ۳ ص ۶۹، ۷۰۔ تاریخ معصومی ص ۲۷۸۔ کشف الظنون ج ۱ ص ۷۰۲۔ النافع الکبیر ص ۱۲۔

یادایام ص ۵۳۔ برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ ۲۲۲-۲۲۳۔

## ۶۲۔ قاضی جگن گجراتی

قاضی جگن گجراتی حنفی المسلک تھے۔ معروف عالم و شیخ اور مشہور فقیہ تھے۔ علاقہ گجرات کے ایک قصبہ ”کن“ کے رہنے والے تھے۔ فقہ حنفی کے مسائل پر مشتمل ان کی ایک مسبوٹ اور مفصل تصنیف ہے جو خزائنہ الروایات کے نام سے موسوم ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس کو غیر مستند اور غیر معتبر کتاب قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ قاضی موصوف نے مسائل جمع کرنے اور روایات غریبہ کو اکٹھا کرنے میں عمر کھپا دی۔ اس کتاب کا آغاز انھوں نے کتب العلم سے کیا ہے، کیوں کہ ان کو اشرف العبادات کی حیثیت حاصل ہے۔

اس کے بارے میں حاجی خلیفہ کے الفاظ یہ ہیں:

خزانة الروایات فی الفروع۔ للقاضی جکن الحنفی الہندی  
الساکن کن من الگجرات و هو مجلا اولہ الحمد لله الذی خلق  
الانسان و علمہ البیان الخ۔ ذکر فیہ انه افنی عمرہ فی جمع  
المسائل و غریب الروایات و ابتداء بکتب العلم لانه اشرف  
العبادات ①۔

مولانا عبدالحی محلی فرنگی محلی لکھنوی نے بھی اس کتاب کے متعلق اظہار رائے کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔  
انه من الکتب الغیر المعترہة لانه مملو من الرطب و الیابس مع  
ما فیہ من الاحادیث المخترعة و الاخبار المختلفہ ②  
یعنی یہ کتاب (خزائنہ الروایات) کتب غیر متعبرہ میں سے ہے اس لیے کہ یہ رطب و یابس  
سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں موضوع احادیث اور مختلف فیہ روایت درج کی گئی ہیں۔

بہر حال قاضی جگن گجراتی کی یہ تصنیف جو خزائنہ الروایات کے نام سے معروف ہے اور مسائل حنفیہ کو محیط ہے، اہل علم کے نزدیک ناقابل اعتماد اور غیر مستند ہے۔ علامہ مخدوم جعفر بوبکانی سندھی اپنی کتاب ”المتانہ“ کی تصنیف کے وقت اس کتاب کو پیش نگاہ رکھا اور اس سے غیر معتبر مسائل اور غیر مستند مواد کو نکال دیا اور اس کے بجائے مفتی بہا مسائل اور قوی روایات کا اضافہ کیا۔ انھوں نے اس میں سے ایک نئی فقہی کتاب تصنیف کی، جس کا نام المتانہ فی مرمة الخزانة رکھا۔ اس کا ذکر علامہ جعفر بوبکانی کے ترجمہ میں کیا گیا ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں جو کتب فقہ معروض تحریر

① کشف الظنون ج ۱ ص ۷۰۲۔

② النافع الکبیر ص ۱۲۔

میں آئیں یہ کتاب ان سب کے مندرجات و اقتباسات کا مجموعہ ہے اور مرتب نے ان کتابوں کا عام طور پر حوالہ دیا ہے۔ اس کی ترتیب بھی اس نوع کی دوسری کتابوں جیسی ہے۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ شروع میں کتاب العلم کے عنوان سے ایک مقدمہ تحریر کیا گیا ہے۔ مصنف نے یہ واضح کیا ہے کہ فقہ کے مطالعے اور دینی مسائل کی تحقیق سے ان کو تمام عمر گہری دلچسپی رہی اور اس کے نتائج کو انھوں نے ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر دیا ہے۔

کتاب العلم میں مصنف نے علم اور علما کی فضیلت بیان کی ہے۔ وہ خود حنفی تھے۔ اس لیے امام ابوحنیفہ کے اوصاف و فضائل پر بھی ایک مقالہ قلم بند کیا ہے، فتاویٰ اور مفتی سے متعلق فنی نکات کی بھی تشریح کی ہے اور اصول فتاویٰ کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ شرط اولیں یہ ہے کہ فتاویٰ قرآن اور حدیث سے اخذ کردہ دلائل قطعیہ پر مبنی ہوں۔ اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو پھر فتاویٰ امام ابوحنیفہ کے فیصلوں اور اس کے بعد امام ابو یوسف اور امام محمد کے فیصلوں کے مطابق ہوں۔ اگر امام ابوحنیفہ اور ان کے دونوں شاگردوں کی آرا میں اختلاف ہو تو پھر مفتی کو اختیار ہے کہ جس رائے کو چاہے راجح ٹھہرائے، لیکن اگر کسی شاگرد کی رائے استاد کی رائے کے مطابق نہ ہو تو پھر ان کی رائے کو ترجیح دی جائے۔ بجز اس صورت کے کہ مستند فقہانے استصلاح کے پیش نظر دونوں شاگردوں میں کسی ایک کی رائے کو قبول کیا ہو۔ اگر مفتی کو کوئی مستند حدیث مل جائے اور وہ اس کے اطلاق کے بارے میں مطمئن ہو تو پھر امام ابوحنیفہ کی رائے نظر انداز کر دی جائے، کیوں کہ خود ان کا یہ مشہور قول ہے کہ اگر میری رائے مستند حدیث کے خلاف ہو تو اس کو نظر انداز کر دو ①۔

قاضی جگن گجراتی کے سال ولادت کا تو علم نہیں ہو سکا۔ البتہ ان کا سن وفات ۹۲۰ھ/۱۵۱۳ء ہے۔ یہ چار بھائی تھے اور چاروں منصب قضا پر متعین تھے ②۔

سید عبدالحی لکھنوی ”یادایام“ میں قاضی جگن کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

قاضی جگن گجرات کے بہت بڑے عالم تھے، مگر ان کا نام و نسب تک محفوظ نہیں۔ قاضی چلی نے کشف الظنون میں لکھا ہے کہ قاضی جگن گجرات کے قصبہ کن میں رہتے تھے۔ حیف ہے کہ ایک شخص قسطنطنیہ میں بیٹھ کر بتائے کہ یہ کہاں کے رہنے والے تھے اور خود گجرات والے اتنا بھی نہ جانتے ہوں۔ فقہ حنفی میں ان کی کتاب خزائن الروایات بہت مشہور کتاب ہے، مگر علمائے احناف اس کی روایتوں کو معتبر نہیں سمجھتے۔ تقریباً ۹۲۰ھ/۱۵۱۳ء میں انھوں نے رحلت کی ③۔

① عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۹۱۔

② ملاحظہ ہو: مقدمہ المتانہ فی مرمة الخزانة۔ نزہة الخواطر، ج ۲ ص ۸۲۔ یادایام ص ۶۲۔ برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ ص ۲۲۵۔

③ یادایام ص ۶۲۔



## ۶۳۔ شیخ جلال الدین اکبر آبادی

شیخ جلال الدین بن عبداللہ بن یوسف اکبر آبادی ۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور اپنے والد مکرم شیخ عبداللہ بن یوسف سے علوم عربیہ فقہ اور نحو کی تعلیم حاصل کی۔ منطق و حکمت کے لیے علامہ ابوالبقا بن عبداللہ خراسانی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابھی بیس سال کی عمر کو نہیں پہنچے تھے کہ فارغ التحصیل ہو گئے اور مسند تدریس کوزینت بخشی۔ ان کی علمی شہرت دور دراز تک پھیل گئی اور ان کا شمار اپنے عصر کے اکابر علماء میں ہونے لگا۔ جن حضرات نے ان سے اخذ علم کیا۔ ان کی تعداد بہت وسیع ہے ان میں قاضی جلال الدین ملتانی، شیخ افضل محمد انصاری، شیخ بدر الدین بن جلال الدین حسینی اور خلق کثیر شامل ہے۔ اس شیخ وقت اور عالم دین نے ۱۶ ذی القعدہ ۹۶۱ھ کو اکبر آباد (آگرہ) میں وفات پائی ①۔

دسویں صدی ہجری کے اس عالم و فقیہ کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔

## ۶۴۔ شیخ جلال الدین جمالی دہلوی

شیخ جلال الدین بن فضل اللہ دہلوی دارالسلطنت دہلی میں پیدا ہوئے۔ ظاہری علوم کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد شیخ سماء الدین ملتانی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے طویل مدت تک ان کی صحبت میں رہے اور تصوف و طریقت سے بہرہ ور ہوئے۔ پھر بغداد، مصر، دمشق، شیراز، ہرات، بلاد اندلس، اردستان اور خراسان وغیرہ کا سفر کیا اور ائمہ فن سے ملاقات کی جن میں شیخ جلال الدین محمد بن اسعد دوانی، مولانا عبدالرحمن جامی، شیخ عبدالغفور لاری، محمد حنفی، احمد اندلسی اور نظام الدین شیرازی کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس اثنا میں وہ حجاز بھی گئے۔ حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور شیخ شہاب الدین احمد ابن حجر پیشی مکی سے علم حاصل کیا۔ پھر مراجعت فرمائے ہند ہوئے اور سب اطراف سے منقطع ہو کر گھر میں بیٹھ گئے اور زہد و عبادت کو اپنا مشغلہ قرار دے لیا۔

بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ شاعر بھی تھے جمالی تخلص کرتے تھے۔ مغل بادشاہ ہمایوں ان کا بہت معتقد تھا اور ان کی دین داری اور تقویٰ و صلاح سے انتہائی متاثر تھا۔ اس نے کئی دفعہ ان کو عہدہ صدارت پیش کیا مگر انھوں نے قبول نہیں فرمایا۔ فارسی میں ان کا ایک دیوان ہے جس کا نام مہر و ماہ ہے۔ ان کی تصانیف میں مرآة المعانی اور سیر العارفین شامل ہیں۔ سیر العارفین مختلف مشائخ کے حالات اور سوانح پر مشتمل ہے۔ ان کا ایک شعر یہ ہے:

ماراز خاک کویت پیرا ہن است برتن آں ہم ز آب دیدہ صد چاک تا بدامن

اس عالم دین اور معروف شاعر نے ۱۰ ذی القعدہ ۹۴۲ھ / یکم مئی ۱۵۳۶ء کو وفات پائی ②۔

① اذکار ابرار ص ۱۳۱، ۲۶۸، ۲۶۹۔ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۷۰، ۷۱۔

② مفتاح التواریخ، ص ۱۵۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۷۱، ۷۲۔

## ۶۵۔ شیخ جلال الدین تھانیسری

شیخ جلال الدین بن محمود عمری تھانیسری، مرد صالح اور کبار مشائخ میں سے تھے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ بحث و اشتغال کو اس انداز سے <sup>مطعم</sup> نظر ٹھہرایا کہ ابنائے عصر میں درجہ امتیاز کو پہنچے۔ طویل عرصہ درس و افادہ میں مصروف رہے اور ساتھ ہی مسند افتا و تصنیف پر فائز ہوئے۔ پھر شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے حلقہ طریقت میں داخل ہوئے اور تصوف و سلوک کی منزلیں طے کرنے لگے۔ اس میں اتنا آگے بڑھے کہ سب امور میں قطع علاق کر کے کلیتہً زہد و عبادت میں منہمک ہو گئے۔ نوے برس عمر پائی۔ اس اثنا میں ریاضت و عبادت کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ آخری عمر میں بہت کمزور ہو گئے تھے۔ چلنے پھرنے کی ہمت نہ رہی تھی اور ہر وقت تکیے پر ٹیک لگا کر بیٹھے رہتے تھے، مگر جوں ہی کان میں اذان کی آواز پڑتی، جسم میں طاقت لوٹ آتی، فوراً کھڑے ہو جاتے اور تعدیل ارکان کے ساتھ نماز ادا کرتے۔

ارشاد اللطائف کے نام سے ان کی ایک تصنیف بھی ہے جو سلوک و تصوف کے موضوع پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں گمراہ اور جاہل صوفیا کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔ مدعیان تصوف کو زہد و اتقا اور عبادت الہی پر کار بند رہنے کی تاکید کی ہے اور کہا ہے کہ وہ سلف صالحین کے مسلک پر عمل پیرا ہوں، اصول شریعت کو ملحوظ رکھیں، تلاوت قرآن مجید کا التزام کریں، نوافل و سنن باقاعدہ پڑھتے رہیں، فرائض کی ادائیگی میں زیادہ سے زیادہ سعی کریں اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کا اہتمام کریں، کیوں کہ صوفیا کی اصل ذمہ داری یہی ہے۔

پچانوے سال عمر پا کر ۱۴ ذی الحجہ ۹۸۹ھ / ۹ جنوری ۱۵۸۲ء کو تھانیسری میں وفات پائی ①۔

## ۶۶۔ شیخ جلال الدین برہان پوری

شیخ جلال الدین برہان پوری، متوکل کے نام سے معروف تھے۔ مشہور علماء و فقہاء اور کبار مشائخ میں سے تھے۔ شیخ شرف الدین بن عبدالقدوس گجراتی برہان پوری سے کسب فیض کیا اور کئی سال ان کی صحبت و رفاقت میں رہے۔ حتیٰ کہ مرتبہ مشیخت کو پہنچے۔ ان سے سید ابراہیم بھکری اور بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق ۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء میں ایک روایت کے مطابق ۹۸۸ھ / ۱۵۸۰ء میں فوت ہوئے ②۔

دسویں صدی ہجری کے اس عالم و فقیہ کی کسی تصنیف کا پتا نہیں چل سکا۔

① تذکرہ علمائے ہند ص ۴۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۷۲، ۷۳۔ اخبار الاخیار ص ۲۸۵۔ اذکار ابرار ص ۵۷۹، ۵۸۰۔ انوار

العارفین ص ۲۲۶۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۲۳۹، ۲۴۰۔ طبقات اکبری ص ۳۹۳، ۳۹۴۔

② نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۷۳۔

## ۶۷۔ قاضی جلال الدین ملتانی

قاضی جلال الدین ملتانی، فاضل کبیر، تبحر عالم اور شیخ عصر تھے۔ ان کا شمار اپنے دور کے کبار علما میں ہوتا تھا۔ بھکر میں پیدا ہوئے اور ملتان میں نشوونما پائی۔ حصول علم کے لیے آگرہ گئے اور شیخ جلال الدین بن عبداللہ اکبر آبادی سے درسی کتابیں پڑھیں۔

ایک روایت کے مطابق پہلے گجرات گئے اور علامہ شیخ وجیہ الدین بن نصر الدین علوی گجراتی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے، پھر عازم آگرہ ہوئے اور وہاں ایک مدت گوشہ خمبول میں بسر کی اور عرصے تک تجارت میں بھی مصروف رہے۔ پھر سب امور کی طرف سے منقطع ہو کر درس و افادہ کو مقصد حیات قرار دے لیا۔ بہت عرصہ اکبر آبادی میں یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ اہل علم میں ان کے فضل و کمال کا لوہا مانا گیا۔ اس زمانے میں مغل بادشاہ جلال الدین اکبر ہندوستان پر داد حکمرانی دیتا تھا۔ قاضی کمال الدین یعقوب کردی جو فقہ و اصول میں عدیم النظیر تھے، منصب قاضی القضاات پر متمکن تھے۔ اکبر نے قاضی موصوف کو اس منصب سے علیحدہ کر کے شیخ جلال الدین کو ان کی جگہ قاضی القضاات مقرر کیا۔ وہ خاصا عرصہ اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ بعد ازاں اکبر نے ان کو معزول کر کے دیگر علما کے ساتھ بلاد دکن میں بھیج دیا تھا۔

دیانت و امانت میں بے مثل تھے، مگر ان کا بیٹا نہایت بد دیانت تھا۔ اس منصب سے ان کی علیحدگی کا باعث وہی تھا، ورنہ اکبر ان سے بہت مطمئن تھا۔ باشندگان دکن نے ان کی آمد کی خبر سنی تو نہایت خوش ہوئے اور بڑی تعظیم سے پیش آئے، مگر دکن میں سکونت اختیار نہیں کی۔ دکن سے بیجاپور تشریف لے گئے اور وہاں کے حاکم نے ان کی بڑی تکریم کی۔ بیجاپور ہی ۹۹۹ھ/۱۵۹۱ء میں انتقال کیا ①۔

لیکن ملا عبدالقادر بدایونی ان کے انتقال کے بارے میں لکھتے ہیں:

بزیارت بیت اللہ الحرام مشرف شد و ہماں دعوت حق را البیک اجابہ ②۔ (کہ حج کے لیے گئے اور وہیں وفات پا گئے)

## ۶۸۔ سید جلال الدین بدایونی

سید شریف جلال الدین حسینی بدایونی، بدایوں میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ پھر عازم دہلی ہوئے اور وہاں شیخ عبداللہ بن الہداد (اللہ داد) عثمانی تلبینی سے منطق و حکمت کی کتابیں پڑھیں۔ پھر آگرہ گئے اور وہاں شیخ رفیع الدین محدث صفوی شیرازی سے حدیث کی تکمیل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد واپس

① منتخب التواریخ ص ۳۰۵۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۲۴/۲۲۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۷۲۔

② منتخب التواریخ ص ۳۰۵۔

بدایوں آئے اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو تمام عمر جاری رہا۔ بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے اخذ علم کیا، جن میں شیخ عبداللہ بدایونی، سید محمد امروہوی اور بہت سے لوگ شامل ہیں ①۔

دسویں صدی ہجری کے اس عالم کی نہ تو تاریخ ولادت و وفات کا علم ہو سکا ہے اور نہ کسی تصنیف کا۔

## ۶۹۔ شیخ جلال الدین کاپوی

شیخ جلال الدین صوفی، کاپوی کے باشندے تھے۔ جلال واصل کے نام سے مشہور تھے۔ حنفی المسلمک تھے اور اپنے زمانے کے صالح عالم دین اور نیک فقیہ تھے۔ نسلا مولانا خواجگی نحوی سے تعلق رکھتے تھے۔ طریقت سے بھی لگاؤ تھا۔ اس سلسلے میں صاحب جواہر خمسہ شیخ محمد غوث عطاری کے فیض یافتہ تھے۔ تصوف سے دلچسپی کے بعد وجد و حال کی کیفیت کا غلبہ ہو گیا تھا۔ بادشاہ ہند جلال الدین اکبر ان کا معتقد تھا اور ان سے حسن ظن رکھتا تھا۔ ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء کے لگ بھگ کاپوی میں فوت ہوئے ②۔

## ۷۰۔ شیخ جمال الدین بن محمود گجراتی

شیخ جمال الدین بن محمود بن علم الدین بن سراج الدین عمری گجراتی، گجرات میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے والد شیخ محمود اور چچا زاد بھائی نصیر الدین بن مجد الدین گجراتی سے اخذ علم کیا۔ ان کے آباو اجداد کا شمار علما و فضلا میں ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں یہ بھی ان ہی کے نقش قدم پر چلے اور جامع علم و معرفت ہوئے۔ صالح، متقی اور فقیہ تھے۔ شاعر بھی تھے۔ فارسی میں ان کا ایک دیوان بھی ہے۔ ان کی تصنیفات میں سے ایک کتاب مذاکرہ ہے جو فارسی زبان میں ہے اور حقائق و معارف پر مشتمل ہے۔

اس عالم و فقیہ بزرگ کو ۹ ربیع الاول ۹۰۴ھ / ۲۵ اکتوبر ۱۴۹۸ء کو ایک روایت کے مطابق ۹۰۸ھ ۱۵۰۳ء کو کفار ہند نے احمد آباد میں شہید کر دیا تھا ③۔

## ۷۱۔ مفتی جمال الدین بن نصیر الدین دہلوی

مفتی جمال الدین بن نصیر الدین بن سماء الدین دہلوی، خانوادہ علم و صلاح سے تعلق رکھتے تھے، اپنے والد نصیر الدین اور بڑے بھائی شیخ عبدالغفور سے تعلیم حاصل کی۔ پھر دہلی میں درس و افادہ میں مصروف ہو

① نزہتہ الخواطر ج ۴، ص ۷۵۔ منتخب التواریخ ص ۸۶۔

② منتخب التواریخ ص ۳۲۶۔ اذکار ابرار ص ۵۹۲۔ نزہتہ الخواطر ج ۴، ص ۷۵۔

③ انوار العارفين ص ۳۷۹، ۳۸۰۔ نزہتہ الخواطر ج ۴، ص ۷۷۔

گئے۔ عالم و فاضل شخص تھے۔ اسی بنا پر دارالسلطنت دہلی میں مفتی احناف کے منصب بلند پر فائز ہوئے۔ کنو برادری کے فرد تھے اور میاں جمال خاں مفتی دہلی کے نام سے معروف تھے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ علوم عربیہ کے دقیق اور پیچیدہ مسائل کے حل و کشود میں ماہر تھے۔ علوم عقلی و نقلی دونوں پر عبور تھا۔ بالخصوص تفسیر فقہ اصول اور کلام میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ زاہد قانع، حلیم الطبع اور شریف النفس تھے۔ ملوک و سلاطین اور وزراء و امرا کے دروازوں پر کبھی دستک نہیں دی۔ اس کے باوجود اس طبقے میں انتہائی تعظیم کے حال تھے۔ شب و روز درس و افادہ میں مشغول رہتے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ سکا کی کی مفتاح العلوم کی شرح سپرد قلم کی اور ان کی دونوں شرحوں پر محاکمہ کیا۔ عضدی کی شرح لکھی اور شروع سے آخر تک چالیس مرتبہ اس کا درس دیا۔ انوار الفقہ کی شرح ضبط تحریر میں لائے۔ علم نحو کی مشہور کتاب شرح جامی پر مفصل و بسیط حاشیہ لکھا جس کا آغاز الحمد لله المرفوع شانہ، المنصوب برہانہ، المجرّد سلطانہ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے

دسویں صدی ہجری کے اس عالم و فقیہ نے نوے سال عمر پا کر ۹۸۴ھ/۱۵۷۶ء میں داعی اجل کو لبیک

کہا ①۔

## ۷۲۔ شیخ جمال الدین برہان پوری

شیخ جمال الدین برہان پوری، صالح عالم دین اور اپنے دور کے محدث تھے۔ برہان پور میں شیخ ابراہیم کی مسجد میں مسند تدریس پر فائز تھے۔ مشہور محدث شیخ طیب بن یوسف سندھی، جب برہان پور تشریف لائے اور سندھی پورہ میں اقامت گزین ہوئے، جو شیخ ابراہیم کی مسجد سے ایک میل کی مسافت پر واقع تھا تو انہوں نے ان کی آمد کو مغتنم جانا اور باوجود یکہ عوام و خواص میں عظیم مرتبے کے حامل تھے روزانہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے اور علمی استفادہ کرنے لگے۔ چنانچہ ان سے باقاعدہ شروع سے آخر تک صحیح بخاری پڑھی ②۔

دسویں صدی ہجری کے اس عالم حدیث و فقہ نے برہان پور میں وفات پائی۔ افسوس ہے ان کی ولادت و وفات کی تاریخ کا علم نہیں ہو سکا۔

## ۷۳۔ شیخ جمال محمد گجراتی

شیخ جمال محمد بن ملک چاند گجراتی، گجرات میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت کی منزلیں طے

① منتخب التواریخ ص ۳۰۴، ۳۰۵۔ طبقات اکبری ص ۳۹۱۔ المشاہیر ص ۷۶۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۴۳-۴۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۷۸، ۷۹۔

② اذکار ابرار ص ۳۹۹۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۷۸۔

کیں۔ جموجی کے عرف سے معروف تھے اور گجرات (کاٹھیاواڑ) کے مشہور علما و مشائخ میں سے تھے۔ ان کا شمار علم حدیث کے بہت بڑے علما میں ہوتا اور انھیں محدث کہا جاتا تھا۔ حج و زیارت کا شرف حاصل کیا۔ حج سے واپس آ کر عرصے تک گجرات میں مقیم رہے۔ پھر برہان پور تشریف لے گئے اور وہاں جا کر باقاعدہ مسند تدریس آراستہ کی۔ تفسیر اور حدیث کے جلیل القدر عالم تھے۔ روزانہ صبح سے شام تک تدریس میں مصروف رہتے۔ ۱۵۹۰ھ/۱۱۹۸ء کو برہان پور میں انتقال کیا ①۔

## ۷۴۔ مفتی جنید قریشی ملتانی

مفتی جنید بن بہاء الدین قریشی ملتانی، اکبر آبادی، شیخ وقت، فقیہ عصر اور عالم زماں تھے۔ مہد علم و فضل میں پیدا ہوئے اور صلاح و تقویٰ کے ماحول میں پرورش پائی۔ اپنے والد شیخ بہاء الدین سے علم حاصل کیا۔ پھر ان کی جگہ افتا و تدریس کی مسند پر متمکن ہوئے۔ جہاں بہت بڑے عالم و فاضل تھے وہاں جو دو سخا اور حلم و کرم میں بھی بے نظیر تھے۔ ان کا دسترخوان بہت وسیع تھا۔ کھانے کے وقت مہمانوں کو اپنے ساتھ لاتے۔ ہر شخص کی سفارش کرتے، اس کے کام آتے اور ہر ممکن طریق سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے۔ ایک روایت کے مطابق ۴ شعبان ۱۵۹۸ھ/۲۸ مئی ۱۵۹۰ء کو اور ایک روایت کے مطابق ۱۵۹۹ھ/۱۵۹۱ء کو اکبر آباد (آگرہ) میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ②۔

## بج

## ۷۵۔ شیخ چندن اکبر آبادی

شیخ چندن اکبر آبادی، فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے جید علما میں سے تھے۔ طریقت و تصوف سے بھی لگاؤ تھا۔ اس سلسلے میں شیخ سماء الدین دہلوی سے مستفیض ہوئے۔ متقی اور عالم و فاضل بزرگ تھے۔ ان کا ایک قول ہے:

جبت الی اربعة اشياء العلم و العمل و الحیات و العافیة۔

مجھے چار چیزیں محبوب ہیں۔ علم، عمل، زندگی اور عافیت ③۔

نہ ان کی تاریخ ولادت و وفات کا علم ہو سکا اور نہ کسی تصنیف کا پتا چل سکا ہے۔

① ایضاً ص ۳۳۸، ۳۳۹۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۹۷۔

② اذکار ابرار ص ۳۹۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۷۹۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۸۱۔

## ۷۶۔ شیخ چندن جون پوری

شیخ چندن جون پوری، جلیل القدر عالم حدیث اور بہت بڑے فقیہ تھے۔ درس و افادہ کے لیے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا۔ ان کے تلامذہ میں شیخ نصیر الدین جھونسوی کا اسم گرامی قابل ذکر ہے، جنہوں نے ان سے جون پور میں تمام درسی کتابیں پڑھیں ①۔

## ۷۷۔ شیخ چندن مندسوری

شیخ چندن بن بدھا بن چچو مندسوری، متقی اور پرہیزگار عالم دین تھے۔ تصوف سے بھی تعلق رکھتے تھے اور سلسلہ چشتیہ سے منسلک تھے۔ شیخ صدر الدین چشتی سے اخذ فیض کیا تھا۔ مند تدریس پر فائز تھے۔ بہت سے علما و طلبا نے ان سے کسب علم کیا تھا۔ نایاب اور عمدہ کتابیں جمع کرنے کا بے حد شوق تھا اور ایسی بہترین کتابیں ان کے کتب خانے میں موجود تھیں جو اور کسی کے پاس نہ تھیں۔ اگر کسی ایسی شخص میں جمع کتب اور مطالعہ کا شوق دیکھتے جو ان کو خریدنے کی استطاعت نہ رکھتا تو اس کو بلا تامل اور بلا کسی معاوضے کے کتابیں دے دیتے۔ اصلاً سکندرہ کے رہنے والے تھے لیکن ان کے دادا چچو وہاں سے مندسور چلے گئے تھے لہذا انہوں نے مندسور کو اصل وطن قرار دے لیا تھا اور وہیں اقامت گزین تھے۔ ۲۳ رمضان المبارک ۹۵۳ھ / ۱۷ نومبر ۱۵۴۶ء کو فوت ہوئے۔

ح

## ۷۸۔ مولانا حاتم سنہجلی

مولانا حاتم بن ابو حاتم سنہجلی، دیار ہند کے نامور علما میں سے تھے۔ شیخ وقت اور عالم کبیر تھے۔ مختصرات سے فارغ ہونے کے بعد مشہور عالم و محقق شیخ عزیز اللہ تللی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور پھر ان سے اس طرح وابستگی اختیار کی کہ معقول و منقول کی تمام کتب درسیہ ان ہی سے پڑھیں۔ ان سے اخذ طریقت بھی کیا۔ پھر شیخ علاء الدین دہلوی کی خدمت میں گئے ان سے بھی فیض تصوف و سلوک حاصل کیا۔ بعد ازاں ہندوستان کے صوبہ یوپی کے مردم خیز شہر سنہجلی میں مند تدریس بچھائی اور پورے چالیس سال درس و افادہ عوام میں مصروف رہے۔ اس طویل مدت میں ان سے بے شمار تشنگان علم نے اپنی علمی تشنگی بچھائی اور سیرابی ذہن و فکر کا سامان فراہم کیا۔

فاضل کبیر، کثیر الدرس، عبادت گزار، پیکر متانت اور حلیم الطبع تھے۔ ان کا حلقہ درس بہت وسیع تھا اور دور دراز سے شائقین علم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے استفادہ کرتے اور ان کے حلقہ تلمذ میں شامل

① نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۸۱، بحوالہ گنج ارشدی۔

ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ ان کے تلامذہ کی وسیع و کثیر جماعت میں ارض ہند کے مشاہیر میں سے سید محمد امروہوی، ملا عبدالقادر بدایونی، شیخ ابوالفتح خیر آبادی، شیخ عثمان بنگالی اور بہت سے علما شامل ہیں۔

ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں: کہ ۹۶۰ھ/۱۵۵۳ء میں جب میری عمر صرف بارہ سال کی تھی، میں اپنے والد ماجد کے ساتھ سنبھل میں ان کی خدمت میں گیا، ان کی خانقاہ میں قصیدہ بردہ کا درس ختم کر کے رخصت ہونے کی اجازت طلب کی۔ انھوں نے تبرکاً فقہ حنفی کی کتاب کنز الدقائق کے چند سبق پڑھائے اور مجھے اپنے خاص مریدوں میں داخل کیا۔ میرے والد سے فرمایا، ہم نے آپ کے بیٹے کو اپنے استاد شیخ عزیز اللہ تلنہی کی طرف سے کلاہ اور شجرہ دیا ہے تاکہ یہ علوم ظاہری سے مستفید ہو ①۔

دوسری جگہ بدایونی ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”یہ میاں عزیز اللہ تلنہی کے شاگرد ہیں، معقول و منقول میں ان جیسا جامع عالم کوئی اور نہ تھا۔ خاص طور سے علم حدیث، اصول، فقہ اور علوم عربیہ میں بے نظیر تھے۔ مشہور ہے کہ شرح مفتاح اور مطول، انھوں نے اول سے آخر تک چالیس مرتبہ پڑھائی۔ دوسری منتہی کتابیں بھی اسی طرح پڑھاتے رہے۔“

”ملا علاء الدین لاری شرح عقائد نسفی پر ایک حاشیہ بڑے دعوے سے لکھ کر ان کے پاس لے گئے، انھوں نے مطالعہ کے بعد اس پر ایسے اعتراضات وارد کیے کہ ملا علاء الدین سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔“

”میاں صاحب کو فقہ میں امام اعظم ثانی کہنا چاہیے۔ ریاضت و مجاہدہ بھی بہت کرتے تھے، تقویٰ و صلاح سے آراستہ تھے۔ ان علمی کمالات کے ساتھ عرصے تک مقتدر حاکم بھی رہے۔“

”خان خانان بیرم خاں کے زمانے میں ایک مرتبہ میں پانچ سال بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس زمانے میں شیخ مبارک کے ہاں میں بھی پڑھتا رہا تھا۔ اس ملاقات کے موقع پر میں نے ان کو شیخ مبارک کا ایک استفتا پیش کیا۔ پہلے تو وہ اس طویل غیر حاضری کے زمانے کے حالات پوچھتے رہے۔ پھر فرمایا:

”شیخ مبارک کس طرح کے عالم ہیں؟“

میں نے عرض کیا: ”علییت، تقویٰ، فقر و مجاہدہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بے مثل و بے نظیر ہیں۔“ اس زمانے میں شیخ موصوف ان باتوں کے بڑے پابند تھے۔ فرمایا: ”ہم نے ان کی بڑی تعریف سنی ہے، لیکن وہ مہدوی مشہور ہیں۔ آخر اس کی کیا حقیقت ہے؟“

میں نے جواب دیا: ”وہ میر سید محمد جون پوری کی بزرگی اور ولایت کے قائل ہیں، ان کا مہدویت کے قائل نہیں ہیں۔“

فرمایا: ”میر سید محمد کے کمالات میں کیا شک ہو سکتا ہے۔“



اس مجلس میں میاں حاتم کے شاگرد میر سید محمد عدلی بھی موجود تھے۔ انہوں نے دریافت کیا:  
”پھر ملا مبارک کو لوگ مہدوی کیوں کہتے ہیں؟“

میں نے جواب دیا: ”وہ چوں کہ سب کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اس لیے لوگ ان کو مہدوی سمجھنے لگے ہیں۔“

اس پر انہوں نے کہا: ”ایک دفعہ عبدالحی خراسانی، خان خاناں کے سامنے شیخ مبارک کی بہت مذمت کر رہا تھا، اس کی کیا وجہ تھی؟“

میں نے کہا: ”شیخ مبارک نے ایک مرتبہ اس کو خط کے ذریعے کچھ نصیحتیں کی تھیں۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز باجماعت پڑھا کرو۔ بس یہ بات اسے ناگوار گزری اور اس نے یہ گمان کیا کہ شیخ مہدوی ہیں اور مجھ کو رافضی سمجھنے لگے ہیں۔“

میرا یہ جواب سن کر میر سید محمد عدلی نے کہا: ”عبدالحی خراسانی کا اپنے رفض پر یہ استدلال تو صرف اسی صورت میں صحیح ہوتا جب کہ وہ اس منطقی کلیہ پر پورا اترے کہ ”تو نماز باجماعت ادا نہیں کرتا اور جو کوئی نماز باجماعت ادا نہ کرے وہ رافضی ہے لہذا تو رافضی ہوا۔ حالانکہ اس کلیہ کا کبریٰ ممنوع ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی منطقی کلیہ پر پوری نہیں اترتی کہ شیخ امر بالمعروف کرتے ہیں اور جو کوئی امر بالمعروف کرے وہ مہدوی ہے۔“

اس گفتگو کے بعد میاں حاتم سنبھلی نے فرمایا: ”میں شیخ مبارک کے اس استفتا پر مہر کر دوں گا، لیکن میرے پاس ایک اور استفتا آیا ہے، جس پر تمام علما کے دستخط ہیں۔ مجھے اس پر کچھ شبہات ہیں، تم اسے شیخ بہاء الدین کے پاس لے جاؤ، جو بڑے محقق اور مفتی ہیں اور ان سے کہو کہ سفر کی وجہ سے میرے پاس کتابیں نہیں ہیں، اگر آپ اس روایت کو، جس کی بنیاد پر آپ نے اس استفتا پر دستخط کیے ہیں، بعینہ بھیج دیتے تو بہتر ہوتا۔ آپ نے فتویٰ دیا ہے کہ مصیبت کے عالم میں لوگ اپنے بچوں کو فروخت کر سکتے ہیں۔“

اس فتویٰ کے سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ روایت صرف ”فتاویٰ ابراہیم شاہی“ میں ملتی ہے، فقہ کی دوسری کتابوں میں اس کی تصدیق نہیں ہوتی، اور فتاویٰ ابراہیم شاہی کو علما کے نزدیک معتبر کتاب نہیں سمجھا جاتا کہ اس کی بنا پر فتویٰ دیا جاسکے۔ اس کے جواب میں اگر آپ یہ کہیں کہ مفتی مرجوحہ روایات میں سے کسی روایت کو ترجیح دے سکتا ہے تو میں کہوں گا کہ ابراہیم شاہی کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ حالت اضطراری میں ”ابوین“ کے لیے اولاد کی بیع کرنا جائز ہے۔

ظاہر ہے ”ابوین“ کا لفظ باپ اور دادا پر مشتمل ہے، چنانچہ نکاح کے سلسلے میں جس کے ابوین مسلمان ہوں، وہ اس کا کفو ہے، یعنی جس کے آباء شرف اسلام سے مشرف ہوئے۔ اس لیے یہاں بالا تفاق ابوین سے باپ اور دادا مراد ہے، نہ کہ ماں اور باپ۔ ہم اس روایت میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اولاد کی بیع کا دونوں کو اکٹھے بطریق اجتماع اختیار حاصل ہے، نہ کہ فرداً فرداً کسی ایک کو۔ انفرادی حیثیت سے بیع کی آخر کیا دلیل ہو سکتی ہے۔“

اس سے آگے بدایونی لکھتے ہیں:

میاں حاتم نے شیخ مبارک کا استفتا تو اپنے پاس رکھ لیا اور مذکورہ استفتا مجھے دے دیا۔ یہ استفتا میں نے شیخ مبارک کو دکھایا تو انھوں نے میاں حاتم کی فقہت کی بہت تعریف کی اور کہا۔ ”ان کو دعا و سلام کے بعد میری طرف سے کہنا کہ ہم نے بھی اس مشکل کی وجہ سے اس پر مہر نہیں کی تھی۔“

پھر جب میں نے وہ استفتا شیخ بہاء الدین کو دکھایا تو فرمایا: ”چوں کہ دوسرے مفتیوں نے اس پر تصدیقی دستخط کر دیے تھے اس لیے میں نے ان پر بھروسہ کیا اور زیادہ غور نہ کیا بے شک مجھ سے سہو ہو گیا۔“

شیخ بہاء الدین کے اس اعتراف غلطی پر بدایونی لکھتے ہیں: ”یہ بھی شیخ بہاء الدین کی حق بنی، حق پرستی نیک نفسی اور انصاف پسندی تھی کہ باوجود اس عظمت و کمال کے انھوں نے اپنی غلطی تسلیم کر لی۔“

ملا عبد القادر بدایونی نے ایک جگہ ان کا سال وفات ۹۶۹ھ / ۱۵۶۲ء تحریر کیا ہے اور تاریخ وفات ”درویش دانشمد“ سے نکالی ہے ①۔ دوسری جگہ ۹۶۸ھ / ۱۵۶۱ء درج کیا ہے اور تاریخ اللہ کے فرمان: عند ملیک مقتدر سے نکالی ہے ②۔

یہاں ایک تو اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ انسان اگرچہ کسی بھی بڑی سے بڑی مصیبت میں مبتلا ہو، اولاد کو فروخت نہیں کر سکتا۔ قرن اول سے لے کر اب تک کتنی ہی مثالیں ایسی ملتی ہیں کہ اسلام کی بعض نہایت اونچی اور متقی شخصیتوں کو سخت مصائب و آلام کے دور سے گزرنا پڑا ہے مگر کسی نے یہ حرکت نہیں کی کہ اس سے مخلصی حاصل کرنے کے لیے اپنی اولاد کو بیچ ڈالا ہو، کیوں کہ یہ انسانیت کے منافی فعل ہے۔ فقہ اسلامی تو رہی ایک طرف کوئی معمولی سے معمولی اخلاق بھی اس کی اجازت نہیں دیتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ بلاشبہ دو مقامات پر قرآن مجید میں ابویہ کا لفظ بر سبیل تغلیب باپ اور دادا کے لیے آیا ہے۔ مثلاً سورہ یوسف میں ہے:

”..... كَمَا اَتَمَّهَا عَلٰى اَبْوَيْكَ مِنْ قَبْلِ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ط (آیت: ۶)

حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت یوسف کے دادا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پردادا ہیں۔

یا سورہ الاعراف میں ہے ”يٰۤاِبْنٰى اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكَ الشَّيْطٰنُ كَمَا اَخْرَجَ اَبْوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ۔“

یہاں ابویکم کا منطوق آدم و حوا ہیں۔

لیکن متعدد مقامات پر قرآن مجید میں لفظ ابویں ماں اور باپ کے لیے آیا ہے نہ کہ باپ اور دادا کے لیے۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

① وَلَا بُوَيْهٖ لِكُلِّ وَاٰحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ (سورہ النسا آیت ۱۱)

① منتخب التواریخ ۲۷۸۔

② ایضاً ص ۳۰۱، ۳۰۲۔ نیز ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند ص ۲۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۸۳۔

۲) اسی آیت میں وَرِثَہُ، اَبُوہُ۔ یہاں بھی اَبُوہُ سے ماں باپ ہی مراد ہیں۔

۳) وَامَّا الْغُلْمُ فَكَانَ اَبُوہُ مُؤْمِنِيْنَ ..... (الکہف: ۸۰)

لفظ اَبُوہُ کا اطلاق ماں اور باپ پر ہوا ہے۔

۴) فَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰی يُوسُفَ اَوٰی اِلَيْہِ اَبُوہِہِ (یوسف: ۹۹)

۵) وَرَفَعَ اَبُوہِہِ عَلٰی الْعَرْشِ (یوسف: ۱۰۰)

سورہ یوسف کی ان دونوں آیتوں میں اَبُوہِہِ کا لفظ ماں اور باپ کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔

اسی طرح حدیث میں ہے۔ اَبُوَاہُ يَهُودَ اِنِهٖ وَ يَنْصِرَانِهٖ وَ يَمَجَّسَانِهٖ۔ یہاں لفظ اَبُوَاہُ سے

مراد ماں اور باپ ہیں۔

ان سطور کا مقصد یہ ہے کہ شیخ حاتم سنبھلی بلاشبہ بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے مگر ان کی یہ بات صحیح نہیں

کہ قرآن میں اَبُوہِہِ کا لفظ ماں باپ کے لیے نہیں آتا، باپ دادا کے لیے آتا ہے۔ اَبَاءُ کا لفظ البتہ قرآن میں

آبا و اجداد کے لیے استعمال ہوا ہے۔

یہاں لفظ اَبُوہِہِ سے ماں باپ مراد ہیں۔

## ۷۹۔ قاضی حبیب اللہ گھوسوی

قاضی حبیب اللہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: حبیب اللہ بن احمد بن ضیاء الدین بن یحییٰ بن شرف الدین بن

نصیر الدین بن مفتی حسین عثمانی اصفہانی ثم گھوسوی جون پوری۔ ایک روایت کی رو سے ان کا سلسلہ نسب حضرت

ابان بن عثمان کی طرف اور ایک روایت کی رو سے حضرت عمر بن عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منتہی ہوتا ہے۔ شیخ

عصر عالم دین اور اپنے علاقے کے عظیم المرتبت فقیہ تھے۔ اس نواح میں علوم عربیہ اور فقہ و اصول کے جلیل القدر

علما میں سے تھے۔ اعمال جون پور میں ایک قصبے کا نام گھوسی تھا، حکومت وقت کی طرف سے انھیں وہاں کا قاضی

مقرر کیا گیا تھا۔ تمام عمر اس منصب پر فائز رہے۔ تصوف و طریقت سے بھی لگاؤ تھا اور اس سلسلے میں شیخ علی بن

قوام الدین جون پوری سے اخذ فیض کیا تھا ❶۔

## ۸۰۔ شیخ حسام الدین متقی ملتانی

شیخ حسام الدین متقی ملتانی، نہایت نیک اور صالح عالم دین تھے۔ ملتان میں فروکش تھے۔ ان کے

تقویٰ و تدین کا یہ عالم تھا کہ لفظ ”متقی“ ان کے نام کا مستقل جز بن گیا تھا۔ کھانے پینے میں احتیاط کا یہ حال تھا

کہ ان کے پاس خراجی زمین تھی جس میں خود کاشت کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے کام کر کے سامان اکل و شرب

❶ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۸۵۔ بحوالہ عاشقیہ۔

فراہم کرتے تھے۔ اس زمین کا خراج بھی باقاعدہ حکومت کو ادا کرتے تھے، لیکن جب ملتان کے سیاسی حالات خراب ہو گئے اور علاقے میں فتنہ و فساد پھیل گیا، تو خراجی اور دوسری زمینیں ایک دوسری سے مختلط ہو گئیں اور دونوں میں امتیاز باقی نہ رہا تو یہ زمین چھوڑ دی اور کوئی دوسرا ذریعہ معاش اختیار کر لیا۔

مشکوک اور مشتبہ چیزوں کے استعمال سے اور ایسے مقامات پر جانے اور ان سے فائدہ اٹھانے سے پرہیز کرتے تھے، جہاں ان کے نقطہ نظر سے کوئی اشتباہ پایا جاتا ہو۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مقبرہ کے سایہ میں نہیں بیٹھتے تھے اور صاف لفظوں میں کہتے تھے کہ یہ عمارت بیت المال کی رقم سے بنائی گئی ہے جو سب مسلمانوں کا مشترکہ مال تھا اور ان سے پوچھے بغیر یہ مال صرف ایک شخص کی قبر پر خرچ کر دیا گیا ہے۔ یہ ان کے مال کا ضیاع ہے۔ لہذا اس کے سایہ میں بیٹھنا اور کسی صورت میں بھی اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بڑے جری تھے۔ اس ضمن میں نہ کسی قسم کی ملامت کی پروا کرتے تھے نہ کسی سے خوف زدہ ہوتے اور نہ کسی کی رورعایت کے قائل تھے۔

مشتبہات سے دامن کشاں رہتے۔ اگر بے خبری میں کبھی مشتبہ لقمہ حلق سے نیچے اتر جاتا تو پیٹ میں ثقالت اور ذہن میں انقباض کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ ایک مرتبہ کھانا کھایا اور یہی صورت حال پیش آئی اور سخت تکلیف سے دوچار ہوئے۔ چنانچہ اسی حال میں گھر گئے اور تحقیق کی تو پتا چلا کہ خادم چولہا بنانے اور آگ جلانے کے لیے پڑوسی کی ایک اینٹ اٹھا کر لایا تھا۔ اسی وقت پڑوسی کے گھر گئے اس کو اینٹ کا معاوضہ دیا اور اس سے معافی مانگی۔ پھر کہیں ثقالت و انقباض کی کیفیت سے مخلصی حاصل ہوئی۔

ایک مرتبہ ایک شخص غلطی سے ان کے جوتے پہن کر گھر لے گیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ جوتے شیخ حسام الدین متقی کے ہیں۔ اسی وقت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کو جوتے پیش کیے اور معذرت طلب کی۔ شیخ نے یہ کہہ کر اس کو جوتے بھی واپس کر دیے اور ان کی قیمت بھی عطا کی کہ میں نے اپنی ہر شے اللہ کی راہ میں وقف کر دی ہے تاکہ اگر کوئی شخص ان کو میری اجازت کے بغیر اپنے تصرف اور استعمال میں لے بھی آئے تو گنہگار نہ ہو۔

ملتان کے اس جید عالم دین، پابند شریعت اور پرہیزگار بزرگ نے ۹۶۰ھ/۱۵۵۳ء میں وفات

پائی ۱۔

## ۸۱۔ شیخ حسن بن احمد گجراتی

شیخ حسن بن احمد بن نصیر الدین عمری ابو صالح محمد گجراتی، علامہ شیخ کمال الدین دہلوی کی اولاد میں سے تھے۔ ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء کو احمد آباد میں پیدا ہوئے اور وہیں کے علما سے علم حاصل کیا۔ فارغ التحصیل ہونے

۱ اخبار الاخیار، ص ۲۱۳، ۲۱۴۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۴۔ خزینۃ الاصفیاء، ص ۴۲۶، ۴۲۷۔ نزہۃ النواظر، ج ۴، ص ۸۶۔

کے بعد اپنے والد شیخ احمد اور چچا شیخ جمال الدین سے اخذ طریقت کیا۔  
تفسیر، فقہ، اصول، علوم عربیہ اور تصوف کے عالم کبیر تھے اور علوم کی ان تمام شاخوں پر کامل عبور رکھتے تھے۔ ۹۲۱ھ/۱۵۳۵ء میں مسند سلوک اور مشیخت پر فائز ہو گئے تھے۔

متعدد کتابوں کے مصنف تھے جن میں قرآن حکیم کی ایک تفسیر بھی ہے۔ اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آیات کے باہم ربط و تعلق کو واضح کیا گیا ہے اور اس ضمن میں نہایت محنت اور احتیاط کا ثبوت دیا ہے۔ علاوہ ازیں تفسیر بیضاوی پر حواشی و تعلیقات سپرد کیں۔ پھر نزہۃ الارواح پر عمدہ اور لطیف حاشیہ لکھا۔  
اس جلیل القدر عالم و فقیہ اور مصنف نے ۲۸ ذی القعدہ ۹۸۱ھ/۲۱ مارچ ۱۵۷۴ء یا ماہ شوال ۹۸۲ھ/ فروری ۱۵۷۵ء میں انسٹھ سال کی عمر پر داعی اجل کو لبیک کہا ①۔

## ۸۲۔ شیخ حسن بن حسام الدین نارنولی

شیخ حسن بن حسام الدین نارنولی اپنے دور کے عالم اور فقیہ تھے۔ قاضی تاج الدین ہروی کی نسل سے تھے۔ نارنول میں پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش پائی اور اپنے والد شیخ حسام الدین سے کتب درسیہ کی تکمیل کی۔ شیخ شمس الدین نارنولی سے فیض طریقت حاصل کیا۔ پھر شیخ نظام الدین کی خدمت میں گئے اور کافی عرصے تک ان کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ بعد ازاں لاہور تشریف لے آئے اور وہیں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ چالیس سال تک لاہور میں ان کا سلسلہ تدریس جاری رہا۔ اس میں ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ و استفاضہ کیا۔

یہ عالم و فقیہ اور صاحب طریقت و سلوک بزرگ ۹۹۸ھ/۱۵۹۰ء میں سفر آخرت پر روانہ ہوئے ②۔

## ۸۳۔ شیخ حسن بن طاہر جون پوری

شیخ حسن بن طاہر بن کمال الدین عباسی جون پوری عالم دین اور فقیہ تھے۔ تصوف سے بھی تعلق رکھتے تھے اور بلاد ہند کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ اصل وطن ملتان تھا لیکن ان کے والد شیخ طاہر حصول علم کی غرض سے ملتان سے بہار چلے گئے تھے انھوں نے وہیں شیخ محمد بن طیب کے مدرسے میں تعلیم حاصل کی۔ وہیں شادی کی اور وہیں شیخ حسن پیدا ہوئے۔ پھر جون پور تشریف لے گئے، حسن نے جون پور میں نشوونما پائی۔ بچپن ہی میں حصول علم کی راہ پر گامزن ہو گئے تھے۔ اس زمانے میں جون پور میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے تلامذہ کی مسند درس پچھی ہوئی تھی۔ حسن نے ان ہی سے تحصیل کی اور شیخ محمد بن عیسیٰ جون پوری کی بیٹی سے

① انوار العارفین ص ۳۸۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۸۷۔ اذکار ابرار ص ۳۲۱۔ یادایام ص ۶۳۔

② نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۸۸۔ بحوالہ اخبار الاصفیا۔

ان کی شادی ہوئی۔ ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد شیخ حامد بن ابو حامد چشتی مانک پوری سے اخذ طریقت کیا۔ شیخ حامد نے اپنے اس مرید کو کمال الحق کے لقب سے ملقب کیا۔ شیخ ان کی نیکی اور رشد و سعادت سے بہت متاثر تھے اور کہا کرتے تھے: حسن قیامت کے روز میری مغفرت کے لیے حجت ثابت ہوگا۔

یہ عالم کبیر اور فقیہ عارف سلطان سکندر لودھی کے عہد میں جون پور سے آگرہ چلے گئے تھے۔ وہاں خاصی مدت قیام پذیر رہنے کے بعد دہلی تشریف لے گئے تھے۔ دہلی میں اپنے اہل و عیال سمیت بجی منڈل میں سکونت فرمائی جو سلطان تغلق کے محلات میں سے ایک محل کا نام تھا۔

ان کی تصنیفات میں ایک کتاب مفتاح الفیض ہے اور علم توحید اور سلوک کے موضوع سے متعلق کچھ رسائل کا بھی پتا چلتا ہے۔ جمعے کے روز ۲۲ ربیع الاول ۹۰۹ھ / ۱۶ ستمبر ۱۵۰۳ء کو دہلی میں وفات پائی ①۔

## ۸۴۔ شیخ حسن بن عبداللہ کاپوی

شیخ حسن بن عبداللہ قریشی کاپوی اپنے دور کے مشہور افاضل میں سے تھے اور صالحیت و علمیت دونوں سے متصف تھے۔ کاپی میں پیدا ہوئے وہیں پلے بڑھے اور اساتذہ عصر سے تعلیم پائی۔ حدیث کی سند شیخ عبدالنبی محدث گنگوہی سے حاصل کی۔ طریقت کے لیے شیخ برہان الدین انصاری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بہت بڑے عالم زیور صالحیت سے مزین اور متقی تھے۔ شعر و شاعری کا بھی شوق رکھتے تھے اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ صوفیا کی مجالس غنا میں جاتے تو عقل و دین اور سکون و اعتدال کے ساتھ جاتے اور ان میں خالص توحید کی باتیں کرتے۔ تدریس و افادہ ان کا اصل کام تھا، زیادہ تر اسی میں مصروف رہتے۔ ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء کو راہی جنت الفردوس میں ہوئے ②۔

## ۸۵۔ شیخ حسن بن موسیٰ گجراتی

شیخ حسن بن موسیٰ گجراتی کی ولادت گجرات میں ہوئی اور وہیں ابتدائی تربیت کی منزلیں طے کیں۔ اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے اور صلاح و تقویٰ سے آراستہ عالم دین تھے۔ حدیث و فقہ اور علم نحو کی تحصیل اپنے عصر کے نامور اساتذہ سے کی۔ بعد ازاں شیخ جلال الدین بن احمد بن جعفر حسینی رفاعی سے طریقت و سلوک کا درس لیا۔ ۹۳۱ھ / ۱۵۳۵ء میں مغل حکمران سلطان نصیر الدین ہمایوں نے گجرات فتح کیا تو شیخ حسن وہاں سے مانڈو چلے گئے تھے وہیں شادی کی اور اللہ نے اولاد بھی دی۔ گلزار ابرار کے مصنف شیخ محمد غوثی مانڈوی ان کے بیٹے تھے۔ شیخ حسن گجراتی متدین، عقیف النفس، متقی، نرم خو، صالح عالم و فقیہ تھے۔ جمعہ کے روز ۱۴ صفر ۹۷۳ھ / ۱۰ ستمبر ۱۵۶۵ء کو فوت ہوئے ③۔

① اخبار الاخیار ص ۱۹۵، ۱۹۶۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۲۰۹، ۲۱۰۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۴۷۔

② اذکار ابرار ص ۳۵۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۸۹، ۹۰۔

③ اذکار ابرار ص ۶۰۸، ۶۱۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۹۰، ۹۱۔

## ۸۶۔ فقیہ حسن عرب دا بھولی گجراتی

شیخ حسن عرب دا بھولی گجراتی بہت بڑے فاضل اور علامہ تھے اور دیار ہند کے مشہور عرب فقیہ تھے۔ بلکہ لفظ فقیہ اس کے نام کا جزو تھا اور انھیں فقیہ حسن عرب دا بھولی کہا جاتا تھا۔ سلطان محمود شاہ بیگرہ اور اس کے بیٹے مظفر شاہ حلیم کے ایام حکومت میں علاقہ احمد آباد کے قصبہ سرکھچ کے مدرسے میں درس و افادہ کی خدمات انجام دیتے تھے۔ ان سے شیخ عبدالقادر اجینی اور خلق کثیر نے علم حاصل کیا ①۔

## ۸۷۔ خواجہ حسین ہروی

خواجہ حسین ہروی شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی کے فرزندوں میں سے تھے۔ معقولات کی کتابیں مولانا عصام الدین اور ملا حنفی سے پڑھیں۔ علوم شرعیہ و منقولات کی تحصیل شیخ ابن حجر سے کی۔ انشا پردازی، صنائع، بدائع، حسن بیان، فصاحت و بلاغت اور مزاج و لطافت میں عدیم النظر تھے۔ شاعر بھی تھے اور ان کا ایک دیوان بھی ہے۔ بقول بدایونی اوسط درجے کے شاعر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:

اے از مژہ بے تو آب رفتہ      دزدیدہ خیال و خواب رفتہ  
خود را بما چناں کہ نبودی نمودہ      افسوس آں چناں کہ نمودی نبودہ  
اس شعر کا ماخذ غالباً یہ رباعی ہے:

گویم مگر زاہل و قائم نہ ایم      اندر صفت صدق و صفائیم نہ ایم  
آراستہ ظاہریم و باطن نہ چناں      افسوس کہ آنچہ می نمایم نہ ایم  
یہ اشعار بھی ان ہی کے ہیں:

باما گرہ چو غنچہ در ابرو گلندہ      با غیر لب چوپستہ خنداں کشودہ

محببتے کہ مرا با تو ہست می خواہم      ہمیں تو دانی و من دانم و خدا دانند  
جلال الدین اکبر نے ان کو سنگھاسن بیتی کا فارسی ترجمہ کرنے پر مامور کیا تھا۔ مگر یہ کام مکمل نہ ہو سکا۔ اس ترجمے پر انھوں نے جو نعت لکھی تھی، اس کے چند شعر یہ ہیں:

خوش الحان عند لپے باغ و بلاغ      ملکل زگش از کل مازاغ  
کشیدہ در زبور نسخ بے قیل      قلم بر نسخہ توریت و انجیل  
نبوت را بدر گاہش حوالہ      امام الانبیا ختم الرسالہ

① اذکار ابرار، ص ۵۲۸، بضمین حالات شیخ عبدالقادر۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۹۱۔

آنم کہ ممالک سخن ملک منست صراف خرد صیرنی سلک منست  
 ہر ہفت ورق زد دفتر من ورقست اسرار دد کون بر سر کلک منست  
 خواجہ حسین ہروی نے ۹۷۹ھ/۱۵۷۱ء میں وفات پائی۔ فیضی نے جو ان کا تربیت یافتہ تھا۔ ”دام ظلہ“  
 سے تاریخ وفات نکالی ①۔

## ۸۸۔ شیخ حسین بزری

شیخ حسین بزری عظیم المرتبت عالم دین اور خطہ ہند کے مشہور فاضل تھے۔ دہلی کے مدرسے میں طلبا  
 کے درس و افادہ میں مصروف رہتے۔ ارض ہند کے اس عہد کے مدارس میں مروجہ و مشہورہ علوم میں کوئی ان کا  
 ثانی نہ تھا۔ سب علماء و مدرسین سے ممتاز و سربر آوردہ تھے۔ نہایت بلند اخلاق تھے۔ یوں سمجھیے کہ علم و اخلاق  
 کے تمام محاسن ان کی ذات میں جمع تھے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ بے شمار علماء و طلبا نے ان سے  
 استفادہ کیا ②۔

ان کے بارے میں اس سے کچھ زیادہ معلوم نہیں ہو سکا۔

## ۸۹۔ قاضی حماد ردولوی

قاضی حماد ردولوی، فقہی اعتبار سے حنفی مسلک سے منسلک تھے۔ اپنے عصر کے شیخ اور عالم تھے۔  
 دسویں صدی ہجری کے ملک ہند کے نامور علماء میں سے تھے۔ درس و تدریس ان کا اصل مشغلہ تھا ③۔

## ۹۰۔ مولانا حمید الدین سنہلی

مولانا حمید الدین سنہلی، شیخ وقت و واعظ خوش بیان اور عالم و فقیہ تھے۔ مفسر قرآن تھے اور نہایت موثر  
 انداز سے تفسیر بیان کرتے تھے۔ آیات قرآنی کے ذریعے تذکیر و موعظت میں اس وقت ان کا کوئی حریف نہ  
 تھا۔ مغل حکمران نصیر الدین ہمایوں کے عہد کے عالم تھے اور ہمایوں ان کی بدرجہ غایت تکریم بجالاتا اور ان سے  
 انتہائی محبت رکھتا تھا۔ دین کے معاملے میں بہت صاف گو تھے اور سچ بات کہنے میں کسی کی پروا نہ کرتے تھے۔  
 اس سلسلے میں منتخب التواریخ میں ملا عبدالقادر بدایونی نے ان کا یہ عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ ہمایوں نے جب تسخیر  
 ہند کا دوسری دفعہ ارادہ کیا اور وہ اس کے لیے ایران سے روانہ ہوا تو شیخ موصوف اس کے استقبال کے لیے کابل

① منتخب التواریخ ص ۳۳۷، ۳۳۸۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۵۰۔ بزم تیموریہ ص ۱۰۳۔

② منتخب التواریخ ص ۳۲۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۹۷۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۹۷۔ لطائف قدوسی ص ۸۔



پہنچے۔ ہمایوں چوں کہ ان کا معتقد تھا اس لیے انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ایک دن شیخ نے اس سے کہا۔ ”تمہارا سارا لشکر رافضی معلوم ہوتا ہے۔“ ہمایوں نے پوچھا: ”وہ کیسے؟“ کہا: ”اب میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے سپاہیوں کے نام یار علی، کفش علی اور حیدر علی وغیرہ ہیں۔ دوسرے کسی صحابی یا خلیفہ کے نام پر کسی سپاہی کا نام نہیں ہے۔“ ہمایوں کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی وہ طیش میں آ گیا۔

اس وقت اس کے ہاتھ میں قلم تھا غصے میں اس کو فرش پر پھینک دیا اور کہا۔  
نام پدر من کلاں خود عمر شیخ است دیگر نمی دانم۔

میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا کہ میرے دادا کا نام عمر شیخ تھا۔

یہ کہہ کر جلدی سے محل سرا میں چلا گیا، لیکن تھوڑی دیر بعد باہر آیا اور نہایت نرمی اور عقیدت سے اس نے شیخ کو اپنے عقیدے سے آگاہ کیا۔

شیخ حمید الدین سنہلی نے ۷ محرم ۹۸۳ھ / ۱۱۸ اپریل ۱۵۷۵ء کو سنبھل میں وفات پائی ①۔

کہتے ہیں شیخ حمید الدین نے ہمایوں سے یہ بات اس لیے کہی تھی کہ اس نے بادشاہ طہماسپ صفوی سے مدد لیتے وقت شیعہ عقائد قبول کرنے سے صاف لفظوں میں انکار نہیں کیا تھا اور صفویوں کا لشکر لے کر بدخشاں پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس سے شیخ کو شبہ گزرا کہ اس نے شیعیت قبول کر لی ہے، لیکن اس نے شیخ کے سامنے اپنا اصل مسلک ظاہر کر دیا تو وہ مطمئن ہو گئے۔

خ

## ۹۱۔ شیخ خواجگی سدھوری

شیخ خواجگی بن علی بن خیر الدین بن نظام الدین انصاری سدھوری۔ ان کے جد امجد شیخ نظام الدین سدھوری ۸۴۰ھ / ۱۴۳۷ء میں وارد ہند ہوئے اور علاقہ اودھ کے ایک بڑے گاؤں سدھور میں سکونت پذیر ہوئے۔

شیخ خواجگی کی ولادت سدھور میں ہوئی اور وہیں پلے بڑھے۔ پھر حصول علم کے لیے جون پور گئے اور وہاں کے اساتذہ سے تحصیل علم کی۔ بعد ازاں شیخ تاج الحق جون پوری سے اخذ طریقت کیا۔

شیخ خواجگی اپنے وقت کے متقی و صالح عالم دین اور عظیم فقیہ تھے۔ ساتھ ہی ان کا شمار کبار مشائخ چشتیہ میں ہوتا تھا۔ ان کے علم و مشیخت اور رفعت منزلت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ شیخ عبدلقدوس گنگوہی ان کو اپنے رساہل و مکاتیب میں شیخ الاسلام کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں۔ ان کے چار بیٹے تھے اور چاروں اس دور کے

① منتخب التواریخ ص ۱۲۷۔ طبقات اکبری ص ۳۹۱۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۵۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۹۸، ۹۹۔

علمائے دین میں سے تھے ①۔

دسویں صدی ہجری کے اس عالم و فقیہ کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔ نہ ان کی ولادت و وفات کی تاریخ کا پتا چل سکا ہے۔

## ۹۲۔ شیخ داؤد بن فتح اللہ کرمانی

شیخ داؤد کے والد فتح اللہ اپنے اس بیٹے کی ولادت سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے اور ابھی صغیر سنی کے عالم میں تھے کہ والدہ بھی فوت ہو گئیں۔ ان کی تربیت بڑے بھائی رحمت اللہ کے ہاں ہوئی۔ پہلے قرآن مجید پڑھا، پھر حصول علم میں مشغول ہو گئے اور اس دور کے بعض علما سے فقہ اور دیگر علوم کی تحصیل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد وارد لاہور ہوئے اور شیخ اسماعیل بن عبداللہ اوچی سے اخذ طریقت کیا۔ نہایت متقی، عارف باللہ، فقیہ وقت اور عالم دین تھے۔ تمام اطراف سے قطع علاق کر کے پنجاب کے ایک قصبے شیر گڑھ میں (جواب ضلع اوکاڑہ میں شامل ہے) سکونت اختیار کر لی تھی اور کلیئۂ زہد و عبادت میں مصروف ہو گئے تھے۔ بے حد سخی اور جودت طبع کے مالک تھے۔ سال میں ایک یا دو مرتبہ گھر کا سارا مال و اسباب مستحقین میں صدقہ کر دیتے۔ کوئی شے اپنے پاس نہ رکھتے۔ ان کی وفات ۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء کو شیر گڑھ میں ہوئی ②۔

## ۹۳۔ قاضی داؤد فتح پوری سندھی

قاضی داؤد حنفی سندھی دراصل فتح پور کے رہنے والے تھے جو اس زمانے میں علاقہ سندھ میں موضع سیوی کے قریب ایک قریہ تھا۔ شیخ وقت اور عالم و فقیہ تھے۔ سندھ کے حکمران سلطان محمود شاہ کے عہد میں بھکر منتقل ہو گئے تھے۔ سلطان مذکور نے ان کی علمی و فقہی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر انھیں بھکر کا قاضی مقرر کر دیا تھا اور ان کا شمار لائق و مشاہیر قضات میں ہوتا تھا۔ طویل عرصے تک اس منصب پر فائز رہے۔ سلسلہ قضا میں بہترین کردار کے حامل تھے۔ انھیں ۸ ماہ شوال ۹۸۱ھ/۳ جنوری ۱۵۷۴ء کو مجبوس کر کے زہر دے دیا گیا تھا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی ③۔

① لطائف قدوسی ص ۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۰۴۔

② اذکار ابرار ص ۲۰۷۔ اخبار الاخیار ص ۲۰۷، ۲۰۸۔ منتخب التواریخ ۲۸ تا ۲۹۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۰۸۔

③ مآثر جمعی ج ۲ ص ۳۳۶۔ تاریخ معصومی ص ۳۲۹۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۵۔ تحفۃ الکرام ص ۴۳۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۰۹۔

## ۹۴۔ قاضی دتہ سیوستانی

قاضی دتہ بن شرف الدین سیوستانی، شیخ اور عالم و فقیہ تھے، صالح علمائے دین میں شمار کیے جاتے تھے۔ فقہ اور علوم عقلیہ کی تحصیل اپنے والد شیخ شرف الدین کے علاوہ شیخ محمود اور شیخ عبدالعزیز ہروی سے کی۔ تفسیر و حدیث کے لیے شیخ بلال تلہتی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیے۔ بعد ازاں کبار مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی رفاقت اختیار کی۔ حتیٰ کہ تفسیر، حدیث، فقہ، ہیئت، جفر اور دیگر تمام مروجہ علوم کے ماہر ہو گئے۔ تصوف و طریقت کے بھی اونچے مرتبے کو پہنچے۔ مسائل و معانی پر دقیق نظر رکھتے تھے۔ بڑے باصلاحیت بزرگ تھے۔ حافظہ اس درجہ تیز تھا کہ علوم و فنون کی اکثر کتابیں زبانی یاد تھیں۔ قرآن مجید کی اٹھارہ تفسیروں کا مطالعہ اور ان کے معانی و دقائق پر عبور حاصل کیا۔

ان کے تلامذہ میں حکمران سندھ سلطان حسین بن شاہی بیگ شامل ہیں۔ شیخ عثمان سندھی، ان کو استاذ کے لقب سے ملقب کرتے تھے ①۔

## ۹۵۔ مولانا درویش محمد دہلوی

یہ مولانا درویش محمد واعظ تھے جو اصلاً ماوراء النہر کے باشندے تھے۔ وہاں سے ہندوستان آئے اور دہلی میں مقیم ہو گئے۔ شیخ وقت اور عالم فقہ تھے۔ دہلی سے حرمین شریفین گئے۔ وہاں کئی سال مقیم رہے۔ پھر ۹۵۵ھ/۱۵۴۸ء میں ہندوستان آئے اور بہت سے مشائخ و صوفیاء کی صحبت میں رہے اور ان سے اخذ فیض کے بعد دوبارہ دہلی میں اقامت گزین ہو گئے۔

عبادت گزار، حسن اخلاق کے مالک اور جادہ صلاح و تقویٰ پر گامزن تھے۔ ۹۹۷ھ/۱۵۸۹ء کو فوت ہوئے ②۔

## ۹۶۔ شیخ راج بن داؤد گجراتی

شیخ راج کا سلسلہ نسب یہ ہے: راج بن داؤد بن محمد بن عیسیٰ بن احمد۔ سرزمین ہند کے خطہ گجرات کے رہنے والے تھے۔ حنفی المسلک تھے۔ حدیث و فقہ اور دیگر علوم پر عبور رکھتے تھے۔ ۹ صفر ۸۷۱ھ (۲۰ ستمبر ۱۴۶۶ء) کو علاقہ گجرات کے شہر احمد آباد میں پیدا ہوئے اور یہیں کے ایک عالم محمود بن محمد مقری سے صرف و نحو

① تحفۃ الکرام ص ۳۳۳۔ تاریخ معصومی ۲۶۹، ۲۷۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۱۰۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۵۔

② اخبار الاخیار ص ۲۸۶، ۲۸۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۱۰۔

منطق اور عروض وغیرہ کے علوم حاصل کیے۔ مخدوم بن برہان الدین سے معافی و بیان کی تحصیل کی۔  
محمد بن تاج الدین سے علم ہیئت اور علم کلام کی تکمیل کی۔ یہاں تک کہ تمام مروجہ علوم و فنون اور شعرو  
شاعری میں درجہ کمال کو پہنچے۔ فہم رسا اور جودتِ طبع کے مالک تھے۔ مکہ مکرمہ میں ۸۹۴ھ (۱۴۸۹ء) کو صاحب  
الضوء الملامع علامہ سخاوی سے ملے تو ان سے الفیئۃ الحدیث کی سند و اجازہ سے بہرہ مند ہوئے۔ بعد ازاں ہندوستان  
واپس آئے اور ۹۰۴ھ (۱۴۹۹ء) میں جنت کو سدھارے ①۔

## ۹۷۔ شیخ رحمت اللہ سندھی

شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ بن ابراہیم عمری سندھی۔ علاقہ سندھ کے موضع دریلہ میں پیدا ہوئے۔ وہیں  
نشوونما پائی اور عوام و خواص کی نگاہ میں فضیلت و عظمت کے حامل ہوئے۔ بعد ازاں اپنے والد شیخ عبداللہ کے  
ہمراہ گجرات تشریف لے گئے۔ پھر حرمین شریفین کا قصد کیا اور وہاں صاحبِ تنزیہہ الشریعہ شیخ علی بن محمد بن  
غریق خطیب مدنی اور دیگر ائمہ حدیث سے علم حدیث حاصل کیا۔ پھر شیخ عبداللہ بن سعد اللہ سندھی کی معیت  
میں مراجعت فرمائے ہند ہوئے اور گجرات میں اقامت اختیار کی۔ چونکہ حرمین شریفین جانے سے قبل گجرات  
میں مقیم تھے اور طویل عرصے تک وہاں رہے تھے لہذا اس شہر کو ان کے اصل وطن کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔  
وہاں سالہا سال درس و افادہ میں مصروف رہے اور بے شمار لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ تقویٰ و عزیمت کے  
حامل تھے۔ قیام حجاز کے دوران میں باوجود شدید ضرورت اور تنگ دستی کے کسی سے تحفہ یا نذر قبول نہ کرتے۔  
صاحبِ کنز العمال شیخ علی متقی ملتانی بھی ان دنوں حجاز میں مقیم تھے۔ شیخ رحمت اللہ اور شیخ عبداللہ ان کے حلقہ ارادت  
میں شامل ہو گئے تھے۔ شیخ رحمت اللہ کو عثمانی حکومت کی طرف سے مستحقین اور اصحاب احتیاج میں تقسیم کرنے کے  
لیے بہت سامال و اسباب اور نقدی ارسال کی جاتی اس میں سے اپنی ذات کے لیے کوئی چیز قبول نہ فرماتے۔

شیخ رحمت اللہ متعدد کتابوں کے مصنف تھے جن میں ایک کا نام کتاب المناسک ہے جس کا آغاز  
الحمد لله اکمل الحمد علی ماہدانا للاسلام..... الخ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ مشہور عالم ملا علی قاری  
ہروی نے ۱۰۱۲ھ (۱۶۰۳ء) میں المسلك المقتسط فی المنسک المتوسط کے نام سے اس کی شرح لکھی۔  
ان کی ایک اور تصنیف منسک الصغیر ہے۔ اس کی شرح بھی ۱۰۱۰ھ (۱۶۰۲ء) میں ملا علی قاری  
نے سپرد قلم کی اور اس کو ہدایۃ السالک فی نہایۃ المسالک کے نام سے موسوم کیا۔ حاجی خلیفہ نے  
کشف الظنون میں اس کا ذکر کیا ہے۔

شیخ رحمت اللہ کے استاذ شیخ علی بن محمد خطیب کی تصنیف کا نام تنزیہہ الشریعہ عن الاحادیث  
الموضوعة ہے۔ انھوں نے اپنے شیخ کی اس کتاب کی تلخیص کی۔

① تذکرہ علمائے ہند ص ۶۲۔ طرب الامثل بتراجم الافاضل ص ۱۹۶، ۱۹۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۱۱۔ یادایام ص ۶۱، ۶۲۔

شیخ رحمت اللہ سویں صدی ہجری کے ارض ہند کے وہ بزرگ تھے جو علم و فضل اور تقویٰ و صالحیت کے زیور سے آراستہ تھے۔ شیخ رحمت اللہ سندھی اور شیخ عبداللہ سندھی کو اپنے علم و تقویٰ کی وجہ سے حرمین شریفین میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور دونوں کو شیخین کہا جاتا تھا۔ شیخ رحمت اللہ درج ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

- ① المناسک الصغیر: اس کتاب کا قلمی نسخہ برلن لائبریری میں موجود ہے۔
  - ② لباب المناسک و عباب المسالك: اس کے قلمی نسخے بانکی پور لائبریری اور حیدرآباد (دکن) کے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہیں۔
  - ③ المناسک الاوسط: اس کا قلمی نسخہ پشاور یونیورسٹی میں موجود ہے۔
  - ④ رسالہ فی اقتداء بالشافعیة و الخلاف بذلك: یہ رسالہ قاہرہ یونیورسٹی میں موجود ہے۔
  - ⑤ مجمع المناسک و نضع المناسک: اس کے قلمی نسخے قاہرہ اور ترکی کے کتب خانہ سلیمانہ میں محفوظ ہیں۔
- شیخ رحمت اللہ کا انتقال ایک روایت کے مطابق ۸ محرم ۹۹۳ھ (۹ دسمبر ۱۵۸۶ء) کو اور ایک اور روایت کے مطابق ۱۲ محرم ۹۹۳ھ (۴ جنوری ۱۵۸۵ء) کو مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اپنے دور کے شیخ، عالم و فاضل اور محدث و فقیہ تھے ①۔

## ۹۸۔ شیخ رحمت اللہ گجراتی

شیخ رحمت اللہ بن عزیز اللہ عمری گجراتی، عالم دین اور متوکل علی اللہ تھے۔ مہد علم میں پیدا ہوئے اور معرفت و تصوف کی گود میں پرورش پائی۔ اپنے والد مکرم شیخ عزیز اللہ گجراتی سے علم فقہ اور دیگر علوم کی تحصیل کی، ان ہی سے اخذ فیض کیا، اور اس میں اتنا آگے بڑھے کہ ان کا شمار دیار ہند کے باعمل علما، کبار مشائخ اور اللہ کے متقی بندوں میں ہونے لگا۔ صلاح و تقویٰ، زہد و عبادت، ورع و استقامت اور عفت و توکل میں اونچے مرتبے پر فائز تھے۔ والد کی وفات کے بعد مسند مشیخت پر متمکن ہوئے۔ اور ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ و استفادہ کیا۔ اس عالم و فقیہ اور شیخ کبیر نے ۱۹ جمادی الاخریٰ ۹۶۷ھ (۱۷ مارچ ۱۵۶۰ء) کو وفات پائی ②۔

## ۹۹۔ شیخ رفیع الدین محدث شیرازی

شیخ رفیع الدین بن مرشد الدین حسینی صفوی شیرازی ثم ہندی اکبر آبادی، بہت بڑے عالم دین اور

- ① اذکار ابرار ص ۵۰۴۔ اخبار الاخیار ص ۲۸۰، ۲۸۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۱۲، ۱۱۳۔ کشف الظنون ج ۲ ص ۱۸۳۱۔ طرب الامائل بتراجم الافاضل ص ۱۹۷۔ ابجد العلوم ص۔ ہدیۃ العارفین ج ۱ ص ۳۶۶۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۶۲، ۲۶۵۔ تحفۃ الکرام ص ۴۴۳، ۴۴۴۔
- ② نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۱۳، ۱۱۴۔ اذکار ابرار ص ۲۰۴، ۲۰۵۔

محدث تھے اور ہندوستان کے نامور اور جید علما میں گردانے جاتے تھے۔ علم و عمل کے ساتھ ساتھ جو دوسرا اور لطف و کرم کی دولت سے بھی بہرہ ور تھے۔ علامہ جلال الدین محمد بن اسعد صدیقی دوانی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ حج و زیارت کا شرف بھی حاصل کیا۔ سرزمین حجاز میں صاحب الضوء اللامع شیخ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوتی مصری سے علم حدیث کی تحصیل کی اور عرصے تک ان کی خدمت میں رہے۔ بعد ازاں وارد ہند ہوئے اور سلطان سکندر لودھی کے عہد حکومت میں آگرہ کو اپنا مسکن ٹھہرایا۔ سکندر لودھی ان سے انتہائی تکریم سے پیش آیا۔ وہ انھیں حضرت عالی قدر کے الفاظ سے مخاطب کرتا تھا۔ اس جلیل القدر عالم حدیث نے ۹۵۴ھ (۱۵۴۷ء) کو آگرہ میں وفات پائی ①۔

## ۱۰۰۔ شیخ رکن الدین بیانوی

شیخ رکن الدین بن محمود بیانوی، شہر بیانہ میں پیدا ہوئے۔ وہیں نشوونما پائی اور وہیں اپنے عہد کے اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ بعد کو بیانہ سے مانڈو چلے گئے تھے اور پھر وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ باعمل عالم تھے۔ فقہ اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ گھر ہی میں سلسلہ تدریس جاری کر رکھا تھا۔ نماز کے علاوہ گھر سے باہر نہ نکلتے تھے۔ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۹۹۲ھ (۱۴ مئی ۱۵۸۴ء) کو فوت ہوئے ②۔

## ۱۰۱۔ شیخ رکن الدین سندھی

شیخ رکن الدین سندھی حنفی المسلك تھے۔ شیخ بلال محدث تلمیذی کے شاگرد تھے۔ متو کے عرف سے معروف تھے۔ اپنے عصر کے فاضل بزرگ تھے۔ حدیث اور فقہ کے ممتاز علما میں سے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے جن میں شرح الاربعین، شرح خلاصہ کیدانی اور کچھ اور رسائل شامل ہیں۔ ۹۴۹ھ (۱۵۴۲ء) کو ٹھٹھہ میں وفات پائی ③۔

ز

## ۱۰۲۔ شیخ زین الدین بن عبدالعزیز مالا باری

شیخ زین الدین بن عبدالعزیز بن زین الدین بن علی مالا باری، ہندوستان کے علاقہ مالا بار میں فروکش تھے اور اس نواح میں بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ شافعی المسلك تھے اور اپنے دور کے مشہور اور نامور فقیہ

① اخبار الاخیار ص ۲۵۱، ۲۵۲۔ مفتاح التواریخ ص ۱۵۶۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۶۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۱۵۔

② اذکار ابرار ص ۳۷۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۱۵، ۱۱۶۔

③ تاریخ معصومی ص ۲۷۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۱۶۔

تھے۔ تمام علوم مروجہ کے ماہر تھے۔ مکہ مکرمہ میں شیخ شہاب الدین احمد بن حجر پیشی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ فقہ شافعی سے متعلق قرہ العین فی مہمات الدین کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ ۹۸۲ھ (۱۵۷۴ء) میں ایک مختصر رسالے کی بسیط و مفصل شرح سپرد قلم کی، فتح المعین شرح قرۃ العین کے نام سے موسوم کیا۔ ارشاد العباد الی سبیل الرشاد کے نام سے ایک رسالہ لکھا جو نصیحت و موعظت سے متعلق ہے۔ ان کی ایک تصنیف تحفۃ المجاہدین ہے۔ ایک اور رسالہ بھی ہے جو موعظت کے سلسلے کی احادیث و آثار کو محیط ہے۔ اس عظیم المرتبت شافعی عالم و فقیہ کے حالات اس سے زیادہ معلوم نہیں ہو سکے۔ انہوں نے ۹۹۱ھ (۱۵۸۳ء) کو وفات پائی۔ شافعی فقہ کے متعلق مالا بار کے علاقے میں ان کی تصنیفات بہت مقبول ہیں ①۔

## ۱۰۳۔ شیخ زین الدین بن علی مالا باری

شیخ زین الدین بن علی بن احمد مالا باری طلوع آفتاب کے بعد جمعرات کے روز ۱۲ شعبان ۸۷۱ھ یا ۸۷۲ (۱۴۶۷ء یا ۱۴۶۸ء) کو علاقہ مالا بار کے ایک شہر کش میں پیدا ہوئے۔ کم عمر ہی تھے کہ ان کے عم محترم قاضی زین الدین بن احمد مالا باری جب فنان کے قاضی مقرر ہوئے تو انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ وہیں قرآن مجید پڑھا اور حفظ کیا اور مختلف علما و شیوخ سے صرف و نحو اور فقہ وغیرہ علوم کی مختلف کتابیں پڑھیں۔

مشہور عالم شیخ شہاب الدین احمد بن عثمان بن ابوالخل یمینی سے حدیث اور فقہ کی تکمیل کی۔ علم فرائض کی کتاب الکافی بھی ان سے پڑھی۔

شیخ ابوبکر فخر الدین بن قاضی رمضان شالیاتی مالا باری کے سامنے فقہ اور اصول کے لیے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ شیخ موصوف نے شیخ شمس الدین جو جری، شیخ زکریا انصاری اور شیخ کمال الدین محمد بن ابوشریف وغیرہ علمائے دین سے اخذ علم کیا تھا۔

طریقت و تصوف سے بھی لگاؤ تھا اور شیخ قطب الدین بن فرید الدین بن عز الدین اجودھنی سے طریقہ چشتیہ کے مطابق اخذ فیض کیا تھا۔

شیخ زین الدین مالا باری شافعی مسلک کے حامل تھے۔ امام وقت علامہ دہر اور شیخ عصر تھے۔ عالم باعمل اور محقق تھے۔ ناشر علم و معرفت اور کثیر الاذکار و الاشغال تھے۔ تمام وقت نیکی و خیر کی اشاعت اور تلقین نصیحت و موعظت میں مصروف رہتے۔ بدعات و منکرات کی مخالفت، سنت کی ترویج، مظلوم کی حمایت اور اسلام کی تبلیغ ان کا اصل کام تھا۔ ان کی وجہ سے علاقہ مالا بار میں بہت سی بدعات ختم ہوئیں، سنت کی اشاعت کے مواقع پیدا ہوئے، علم دین پھیلا اور بے شمار غیر مسلم دائرۃ اسلام میں داخل ہوئے۔

① نزہۃ النحوا طرز ج ۲، ص ۱۱۷، ۱۱۸۔ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۹۸۔

شیخ ممدوح متعدد کتابوں کے مصنف تھے جن میں سے چند کتابیں یہ ہیں:  
 مرشد الطلاب الی الکریم الوہاب: یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔  
 سراج القلوب: یہ ان کی متوسط اور جامع تصنیف ہے۔  
 المسعد فی ذکر الموت: یہ کتاب ذکر موت کے متعلق ہے  
 شمس الہدیٰ: یہ تذکیر و موعظت پر مشتمل ہے۔  
 تحفة الاحباء و حرفة الالباء: یہ ادعیہ ماثورہ سے متعلق ہے  
 ارشاد القاصدین فی اختصار منهاج الدین: یہ امام غزالی کی تصنیف کا اختصار ہے۔  
 ایچی کی شعب الایمان کا عربی میں ترجمہ کیا۔

کفایة الفرائض: یہ الکافی کا اختصار ہے جو فرائض کے موضوع سے متعلق ہے۔  
 الصفامن الشفا: قاضی عیاض کی الشفا کا اختصار ہے۔  
 تسهیل الکافیہ: شرح کافیہ ابن حاجب۔ علم نحو کے بارے میں ہے۔  
 کفایة الطالب فی حل کافیة ابن الحاجب: یہ کافیہ پر حاشیہ ہے۔  
 الفیہ ابن مالک پر مختصر حاشیہ: یہ علم نحو میں ہے  
 ابن الوردی کی التحفہ پر دو حاشیے سپرد قلم کیے۔  
 ابن مقرئ کی الارشاد پر حاشیہ۔

قصص و اخبار انبیا کے بارے میں ایک تصنیف۔  
 رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر ایک کتاب۔  
 بداية الاذکیالی طریقة الاولیاء۔  
 سلوک و تصوف کے موضوع پر ایک قصیدہ۔

تحریر اہل الایمان علی جہاد عبدة الصلیبان: یہ کتاب اس زمانے میں تصنیف کی  
 جب پرتگالی مالا بار پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اس میں پرتگالیوں نے غلبہ حاصل کر کے فتنہ و فساد پھیلا دیا تھا اور  
 بہت سے علاقوں کو نذر آتش کر دیا تھا۔

نظم و نثر پر مشتمل اور بہت سے رسائل و مکاتیب میں جو انھوں نے ملوک و امرا کے نام تحریر کیے۔  
 مالا بار کے اس شافی المسلك عالم و فقیہ اور مصنف و محقق نے جمع کی رات نصف شب کے بعد ۱۷  
 شعبان ۹۲۸ھ (۱۲ جولائی ۱۵۲۲ء) کو فنان میں وفات پائی ①۔

① نزہۃ الخواطر، ج ۳ ص ۱۱۸، ۱۱۹۔ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ۔ ص ۳۱۸، ۳۱۹۔



\_\_\_\_\_س\_\_\_\_\_

## ۱۰۴۔ شیخ سالار بن ہبۃ الدین کوروی

شیخ سالار بن ہبۃ الدین کوروی ارض ہند کے ایک مقام کوڑہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ صغر سنی ہی میں اپنے شہر کے اساتذہ سے حصول علم میں مشغول ہو گئے تھے بعد ازاں دوسرے شہروں میں گئے اور علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ یاب ہوئے۔ جن حضرات سے اخذ علم اور کسب فیض کیا، ان میں شیخ یعقوب سوی، شیخ شمس الدین جون پوری، شیخ نظام الدین فتح پوری اور شیخ بہاء الدین جون پوری خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے شہر واپس آئے اور علوم و معارف کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔

شیخ سالار حنفی المسلك تھے اور اپنے عصر کے عالم و فقیہ زاہد و عابد، عقیف و متقی، پیکر دیانت و متانت اور کثیر العبادت بزرگ تھے۔ ان کے اعقاب و اخلاف میں بہت سے علما پیدا ہوئے۔ انہوں نے بدھ کے روز ۲۷ ربیع الثانی کو ایک روایت کی مطابق ۸ ربیع الاول ۹۳۶ھ (۲۳ جولائی ۱۵۳۹ء) کو وفات پائی ①۔

نظہ ہند کے اس جید عالم اور صاحب طریقت فقیہ کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔ معلوم ہوتا ہے ان کا شمار ان فقہائے ہند میں ہوتا ہے جو کسی کتاب کے مصنف نہ تھے۔

## ۱۰۵۔ شیخ سعد الدین لاری

شیخ سعد الدین لاری ثم ہندی ماٹھوی عالم وقت اور عظیم محدث تھے اور برصغیر پاک و ہند کے ان ذی مرتبت حضرات میں سے تھے جو تفسیر و حدیث میں عبور رکھتے تھے۔ ۱۱ جمادی الاولیٰ ۹۰۲ھ (۱۳ جنوری ۱۴۹۷ء) کو شہر ماٹھوی میں فوت ہوئے ②۔

## ۱۰۶۔ مولانا سعد اللہ لاہوری

مولانا سعد اللہ بن ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی لاہوری ۹۲۲ھ (۱۵۱۶ء) کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ بعض کتب درسیہ اپنے والد شیخ ابراہیم سے پڑھیں اور ۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) تک ان سے انسلاک و وابستگی اختیار کیے رکھی۔ والد کی وفات بھی ۹۳۲ھ ہی میں ہوئی۔ اسی سال یا اس سے کچھ عرصہ بعد ملتان سے لاہور آ گئے۔ وہاں شیخ عبدالرحمن بن عزیز اللہ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ بخاور خاں کی روایت کے مطابق علم حاصل کرنے کے بعد شیخ بایزید دیپال پوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ پھر ایک ایسا دور آیا کہ اپنے عہد کے شیخ اور فاضل

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۲۱۔

② نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۲۲۔

عالم دین بن گئے اور کثرت درس و افادہ میں ان کا شمار اس زمانے کے مشہور علما میں ہونے لگا۔ ان کا سلسلہ درس لاہور میں جاری تھا اور علوم کے مختلف گوشوں کی تدریس میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ ان سے خلق کثیر نے استفادہ کیا، جن میں بلدہ لاہور کے معروف عالم شیخ منور بن عبدالمجید بھی شامل ہیں۔

۶۹ سال عمر پا کر ۹۹۹ھ (۱۵۹۱ء) میں وفات پائی ①۔

## ۱۰۷۔ شیخ سعد اللہ بیانوی

شیخ سعد اللہ بیانوی بڑے فاضل اور صالح تھے۔ علم نحو پر عبور رکھتے تھے اس لیے نحوی مشہور ہوئے۔ مشرقی ہند کے باشندے تھے۔ اپنے عصر کے اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ تصوف و طریقت سے بھی تعلق تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہندوستان کے معروف شہر بیانہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور اسی شہر کو درس و افادہ کا مرکز ٹھہرایا تھا، یہاں تک کہ تمام اصناف علوم کے حصول کے لیے لوگ ان ہی کی طرف رجوع کرنے لگے تھے۔

ذکاوت و فطانت میں اپنے دور کے فقید المثال عالم تھے۔ نحو میں بالخصوص مہارت رکھتے تھے اور اس سلسلے میں درجہ اجتہاد پر فائز تھے۔ ان کے شاگردوں کا حلقہ بڑا وسیع تھا، جن میں ملا عبدالقادر بدایونی بھی شامل ہیں، جو سلیم شاہ سوری کے عہد کے آخری دنوں میں اپنے نانا کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ان سے کافی پڑھا تھا۔ تاریخ وفات ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء) ہے ②۔

## ۱۰۸۔ مولانا سعد اللہ سندھی

مولانا سعد اللہ سندھی حنفی المسلك تھے۔ علم و فضل میں یگانہ تھے اور ارض ہند کے اجل اور جید علما میں سے تھے۔ کثرت معلومات کا یہ حال تھا کہ حصول علم کے لیے دور دراز سے لوگ ان کی خدمت میں آتے تھے۔ ان کے لڑکے کا نام عبداللہ تھا، جنھوں نے قاضی عبداللہ بن ابراہیم سندھی کے ساتھ مکہ مکرمہ کو ہجرت کر لی تھی ③۔ دسویں صدی ہجری کے ہندوستان کے اس عالم و محقق کے حالات کا اس سے زیادہ علم نہیں ہو سکا۔

## ۱۰۹۔ شیخ سعید حبشی

شیخ سعید بن ابوسعید حبشی، صالح عالم دین تھے اور کبار علمائے عصر میں گردانے جاتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس درجہ متعصب مقلد تھے کہ اکثر ان کی حمایت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تنقیص پر

① اذکار ابرار ص ۴۷۴۔ طبقات اکبری ۳۹۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۲۳۔

② منتخب التواریخ ص ۳۱۵۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۷۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۲۳۔

③ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۲۴، ۱۲۵۔

اتر آتے تھے۔ اپنے دور کے فقیہ اور بہت سے علوم کے ماہر تھے۔ حافظ قرآن تھے۔ عام طور پر تلاوت قرآن میں مصروف رہتے۔ حبشی امرا ان کو بے حد لائق تعظیم قرار دیتے اور ان کی مالی امداد کرتے تھے۔ حصول علم کا شوق ہمیشہ دامن گیر رہا۔ حج بیت اللہ کے لیے گئے تو وہاں شیخ ابن حجر پیشمی کے حلقہ تلمذ میں داخل ہو گئے۔ کتابیں جمع کرنے کا بھی بہت شوق تھا۔ ۹۹۱ھ (۱۵۸۳ء) کو احمد آباد میں وفات پائی ①۔  
ان کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔

## ۱۱۰۔ شیخ سلیمان بن عفان مانڈوی

شیخ سلیمان بن عفان دہلوی مانڈوی، بہت بڑے عالم و فقیہ بھی تھے اور صاحب طریقت و تصوف اور عارف باللہ بھی۔ وعظ و ارشاد اور لوگوں کی دینی تلقین و تربیت میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اشاعت علم دین میں مختلف بلاد و امصار میں گھومے پھرے اور بہت سے علما و مشائخ سے ملاقات کی۔ دیگر علوم کے علاوہ تجوید و قرآت کے ماہر تھے۔ مولانا عبدالقدوس گنگوہی نے ان سے اخذ فیض کیا، تجوید سیکھی۔ اور عرصہ دراز تک ان کی خانقاہ میں مقیم رہے۔

شیخ سلیمان پہلے دہلی میں اقامت گز بن، تھے۔ عرصہ تموم کے زمانے میں دہلی سے مانڈو گئے اور کچھ مدت وہاں مقیم رہنے کے بعد گجرات چلے گئے۔ گجرات سے غازم زمرین شریفین ہوئے اور پورے پچاس سال وہاں اقامت اختیار کیے رکھی۔ واپس ہندوستان آئے تو مانڈو کو اپنا مسکن قرار دیا۔

اس عالم و فقیہ نے ۱۴ محرم ۹۴۴ ہجری (۲۳ جون ۱۵۳۷ء) کو دہلی میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے

گئے ②۔

## ۱۱۱۔ شیخ سماء الدین ملتانی

شیخ سماء الدین بن فخر الدین ملتانی دہلوی ۸۰۸ھ (۱۴۰۶ء) کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کی طرف صغریٰ ہی میں راغب ہو گئے تھے۔ چنانچہ میر سید شریف جرجانی کے تلمیذ مولانا ثناء الدین ملتانی کے حلقہ درس میں داخل ہوئے اور ان سے ظاہری علوم کی تکمیل کی۔ تصوف و طریقت میں شیخ کبیر الدین حسینی بخاری سے استفادہ کیا۔ علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر فنون رسمیہ و ظاہریہ میں کامل ورع و تقویٰ میں یکتا اور عفت و قناعت میں بے مثل تھے۔ عرصے تک ملتان میں مسند تدریس بچھائے رکھی اور بے شمار تشنگان علوم کو مختلف علوم کی تعلیم دی۔ بعض واقعات کی بنا پر ملتان سے رتھنپور اور وہاں سے بیانہ چلے گئے تھے۔ پھر دہلی آ گئے تھے اور وہیں سکونت

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۲۵ بحوالہ النور السافر۔

② اخبار الاخیار ص ۲۲۱۔ اذکار ابرار ص ۳۲۳، ۳۲۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۲۹۔

اختیار کر لی تھی۔ سلطان بہلول لودھی کے عہد کے عالم دین تھے۔ آخر عمر میں بصارت زائل ہو گئی تھی اور پھر بغیر کسی دوا و علاج کے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے خود بخود آنکھیں ٹھیک ہو گئی تھیں۔

باوقار، بارعب، عظیم المرتبت، متورع اور بلند کردار عالم دین تھے۔ دنیا سے کوئی شغف نہ تھا۔ ہمیشہ درس و افادے میں مصروف رہتے اور دین کی تبلیغ کرتے۔

کنبو برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ کہتے ہیں یہ کنب کی طرف منسوب ہے جو غزنی کے قریب ایک آبادی کا نام ہے۔ اس میں واؤ نسبتی ہے۔ یعنی باشندگان کنب کو کنبو کہا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غزنی سے وارد ہند ہوئے اور یہاں آ کر کنبو کہلائے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ یہ دراصل فارسی لفظ ”انبوہ“ کا مخفف ہے۔ یعنی چھوٹا گروہ۔ یہ ایک ایسی جماعت تھی جو بہت کم لوگوں پر مشتمل تھی اور اس نے ایسے لوگوں پر غلبہ حاصل کیا تھا جو تعداد میں ان سے کہیں زیادہ تھے۔ پھر آہستہ آہستہ ایک برادری کی شکل اختیار کر گئے اور کثرت استعمال سے ان کو کم انبوہ کے بجائے کنبوہ کہا جانے لگا۔

شیخ سماء الدین ملتانی مصنف و محشی بھی تھے۔ انھوں نے شیخ فخر الدین کی لمعات پر حواشی تحریر کئے جو اس کے حل مطالب و معانی میں بڑی مدد دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ رسالہ مفتاح الاسرار ان کی تصنیف ہے۔ انھوں نے ۱۷ جمادی الاولیٰ ۹۰۱ھ (فروری ۱۴۹۶ء) کو دہلی میں وفات پائی ①۔

ش

## ۱۱۲۔ شاہی بیگ قندھاری ارغون

شاہی بیگ بن ذی النون ارغون قندھاری قندھار کا بادشاہ تھا جو اپنے باپ ذی النون کی وفات کے بعد وارث تخت بنا۔ یہ فاضل اور عالم بادشاہ تھا۔ ایک مدت تک قندھار کے تحت حکومت پر متمکن رہا۔ پھر مغل حکمران ظہیر الدین بابر نے اس سے حکومت چھین کر پلک پر قبضہ کر لیا اور یہ علاقہ سندھ میں آ گیا اور سندھ کو فتح کر کے اس پورے علاقے پر اپنا پرچم اقتدار لہرا دیا۔

شاہی بیگ، معقولات و منقولات کا جید عالم تھا اور متعدد کتابوں کا مصنف تھا جن میں ایک علم نحو کی منتہی کتاب کافیہ ابن حاجب کی شرح ہے۔ دوسری کتاب شرح المطالع پر تعلیق ہے۔ علم فرائض و میراث کے بارے میں سید شریف کی مشہور شرح السراجیہ پر بھی شاہی بیگ نے تعلیقات سپرد قلم کیں۔ اس کے علاوہ اور بھی

① اخبار الاخبار، ص ۲۱۱، ۲۱۲۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۸۱، ۸۰۔ زہدۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۳۰، ۱۳۱۔ مفتاح التواریخ، ص ۱۳۸

حدائق الحنفیہ، ص ۳۵۶، ۳۵۵۔ اذکار ابرار، ص ۲۰۹، ۲۱۰۔ المشاہیر، ص ۴۶، ۲۷۔

کتب و رسائل پر تعلیقات و حواشی لکھے۔

شاہی بیگ بڑا متدین بادشاہ تھا اور قرآن سے بہت تعلق رکھتا تھا۔ زندگی آخری منزل میں داخل ہوا تو حافظ محمد شریف کو طلب کیا اور سورہ یس پڑھنے کو کہا۔ انہوں نے سورہ یس شروع کی اور وَمَا لِيَ لَا اَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِيْ وَالِيْهِ تَرْجَعُوْنَ ❶ تک پہنچے تو بادشاہ نے کہا۔

اے قاری اعادہ کن

قاری دوبارہ پڑھو۔

چوں بآیہ قَالَ يٰكَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ رَسِيْدًا جَانِجًا تَسْلِيْمًا ❷۔

یعنی جب قاری آیت: قَالَ يٰكَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ ❷ پر پہنچا کر جان اللہ

کے حوالے کر دی۔

شاہی بیگ نے ۲ شعبان ۹۲۸ھ (۲۷ جون ۱۵۲۲ء) کو وفات پائی اور سندھ کے شہر بھکر میں دفن کیے گئے۔ بعد ازاں ان کی نعش مکہ مکرمہ میں منتقل کر دی گئی اور قبرستان معلیٰ میں سپرد خاک کیا گیا ❸۔

### ۱۱۳۔ شیخ شرف الدین شیرازی

شیخ شرف الدین شیرازی فاضل آدمی تھے اور اپنے عصر کے مشہور علما میں سے تھے۔ شیراز میں پیدا ہوئے اور وہیں ترتیب و تعلیم کی منزلیں طے کیں۔ تکمیل تعلیم کے بعد وارد ہند ہوئے اور شیخ محمد غوث گوالیاری سے اخذ طریقت کیا۔ ایک مدت تک احمد آباد میں ان سے منسلک رہے۔ پھر بیجا پور تشریف لے گئے اور وہاں سکونت اختیار کر لی۔ تفسیر بیضاوی پر حاشیہ تحریر کیا۔ ۹۳۴ھ (۱۵۲۸ء) میں فوت ہوئے ❹۔

### ۱۱۴۔ مولانا شعیب واعظ دہلوی

مولانا شعیب بن مفتی منہاج دہلوی دراصل لاہور کے باشندے تھے اور صغریٰ ہی میں طلب علم کی غرض سے لاہور چلے گئے تھے اور پھر وہیں مستقل طور سے سکونت اختیار کر لی تھی، اس لیے دہلوی کہلائے۔ دہلی

❶ یسن: ۲۲ ترجمہ: اور میرے پاس کون سا عذر ہے کہ میں اس (معبود) کی عبادت نہ کروں، جس نے مجھ کو پیدا کیا اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

❷ یس: ۲۶، ۲۷۔ ترجمہ: کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا۔

❸ تفصیل کے لیے دیکھیے: مآثر جمعی، ج ۲، ص ۲۸۳ تا ۲۹۶۔ تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۵۱۳، ۵۱۴۔ تحفۃ الکرام، ص ۱۷۵ تا

۲۰۸۔ تاریخ معصومی بسلسلہ ارغون حکومت ص ۱۱۰ اور اس سے آگے۔

❹

میں سکونت و اقامت کی ایک وجہ یہ تھی کہ سلطان سکندر لودھی کے عہد میں شہر دہلی کے مفتی مقرر ہو گئے تھے۔ شیخ وقت اور صالح عالم دین تھے۔ مسلکی اعتبار سے جنفی تھے۔ بہت بڑے واعظ اور ناصح تھے۔ اپنے والد سے کسب علم کیا اور بلند مرتبے کو پہنچے۔ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ حسن سیرت اور حسن صورت کے مالک تھے۔ علم و عمل اور تذکیر و موعظت میں بے مثال تھے۔ نہایت موثر و وعظ کہتے تھے۔ ان کی مجالس و وعظ میں علما بھی حاضری دیتے اور بہت متاثر ہوتے۔ ان کی گفتگو کی اثر انگیزیوں کا یہ عالم تھا کہ ہر بات سننے والے کے دل میں اترتی چلی جاتی۔ ناممکن تھا کہ ان کی مجلس و وعظ کے قریب سے کوئی گزرے اور بغیر سنے چلا جائے۔ وعظ میں قرآن مجید کی آیات پڑھتے اور نصیحت آموز واقعات بیان کرتے۔

اس عالم باعمل اور مشہور واعظ نے ۹۳۶ھ (۱۵۳۰ء) کو وفات پائی اور دہلی میں حوض شمشئی کے قریب

مدفون ہوئے ①۔

## ۱۱۵۔ شیخ شکر گجراتی

شیخ شکر ناطلی گجراتی ہندوستان کے علاقہ گجرات کے نامور عالم و فقیہ تھے اور اللہ کے متقی بندوں میں سے تھے۔ ان کی جائے پیدائش موضع بھیمڑی ہے۔ یہ موضع اس زمانے میں شہر احمد نگر سے تین دن کی مسافت پر واقع تھا۔ اپنے عصر کے اساتذہ سے علم حاصل کیا اور درس و افادہ میں مصروف ہو گئے۔ مدت مدید تک خدمت تدریس انجام دیتے رہے۔ پھر بحث و اشتغال کو ترک کر کے زہد و عبادت کو اپنا مشغلہ قرار دے دیا۔ ان کا انتقال ۹۷۰ھ (۱۵۶۳ء) کے قریب ہوا ②۔

## ۱۱۶۔ قاضی شکر اللہ سندھی

قاضی شکر اللہ کا نسب نامہ یہ ہے: شکر اللہ بن وجہ الدین بن نعمت اللہ بن عرب شاہ بن میرک شاہ بن جمال الدین محدث حسنی و شکی شیرازی، شیخ وقت اور عالم کبیر تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ اصلاً ہرات کے رہنے والے تھے۔ ۹۰۶ھ (۱۵۰۱ء) میں ہرات سے قندھار منتقل ہو گئے۔ اکیس سال قندھار میں مقیم رہے اور ۹۲۷ھ (۱۵۲۱ء) کو علاقہ سندھ میں داخل ہوئے اور ٹھٹھہ میں سکونت اختیار کی۔ اس زمانے میں سلطان شاہی بیگ ارغون سندھ کے اورنگ سلطنت پر متمکن تھا۔ یہ حکمران خود بھی عالم تھا اور علم و علما کا بھی قدردان تھا۔ نیکی اور دین داری سے بھی بہرہ ور تھا۔ اس سے شیخ شکر اللہ کی ملاقات ہوئی تو وہ ان کے علم و فضل، حدیث و فقہ پر عبور، امور دینی میں مہارت، معاملات شرعی میں انہماک، حسن سیرت اور بلندی کردار سے بہت متاثر ہوا اور

① لطائف قدوسی ص ۶۱۔ اخبار الاخبار ص ۲۲۵، ۲۲۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۸۵۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۸۵۔

② اذکار ابرار ص ۳۰۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۳۸۔

ان کو ٹھٹھہ کے منصب قضا پر فائز کر دیا، جس پر وہ کئی سال تک متمکن رہے۔

شاہی بیگ کی وفات کے بعد ۹۲۸ھ (۱۵۲۲ء) میں اس کا بیٹا حسین، تختِ سندھ کا مالک بنا۔ یہ عادل و منصف عالم و کریم، محب اہل علم اور نیک بادشاہ تھا۔ قاضی شکر اللہ اس کے عہد میں بھی بدستور مسند قضا پر متمکن رہے۔ یہ بھی ان کے فہم و فراست، علم و فقاہت اور معدلت گستری سے متاثر تھا اور اسی بنا پر ان کی بے حد قدر کرتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس اہم منصب کی ذمہ داریوں کو انہوں نے نہایت وقار و احترام اور دبدبہ و طنطنہ کے ساتھ انجام دیا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ سلطان حسین نے بعض تاجروں سے چند گھوڑے خرید کیے اور ان کی قیمت ادا نہ کرنے سے تساہل و تاخیر سے کام لیا۔ تاجروں نے بادشاہ کے رویے سے تنگ اور مایوس ہو کر قاضی شکر اللہ سے رجوع کیا اور ان کی عدالت میں بادشاہ کے خلاف مدعی بن کر حاضر ہوئے۔ قاضی موصوف نے مدعا علیہ کی حیثیت سے بادشاہ کو عدالت میں طلب کر لیا۔ بادشاہ عدالت میں حاضر ہوا تو اسے مدعی تاجروں کے ساتھ کھڑا ہونے کا حکم دیا گیا۔ دعویٰ پیش ہوا تو قاضی کے سوال کرنے پر مدعا علیہ بادشاہ نے تاجروں کے موقف کی تصدیق کی اور قیمت ادا نہ کرنے کا اقرار کیا۔ قاضی نے فریقین کے بیان سن کر بادشاہ کے اقرار کرنے پر تاجروں کے حق میں فیصلہ دیا اور سلطان نے تاجروں کو قیمت ادا کر دی۔ فیصلہ سنانے کے بعد قاضی شکر اللہ اپنی جگہ سے اٹھے، قاعدے کے مطابق آدابِ سلطانی بجالائے اور سلطان کو اپنے پاس بٹھایا۔ اب بادشاہ نے تلوار نکالی جو اس نے قبائلی چھپا رکھی تھی اور اسے قاضی کے سامنے رکھتے ہوئے کہا:

”یہ تلوار میں نے آپ کے لیے رکھی تھی۔ اگر آپ صحیح فیصلہ نہ کرتے اور میرے آداب و لحاظ میں اپنے منصب کی بلندی کا خیال نہ رکھتے تو اس تلوار سے آپ کی گردن اڑا دیتا۔“

قاضی شکر اللہ نے بھی بادشاہ کی یہ بات سن کر مسند کے نیچے سے برہنہ تلوار نکال کر دکھائی اور کہا: ”میں نے بھی یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ مبادا بادشاہ خلاف شریعت قدم اٹھائے اور کوئی شخص اس کو ٹوکنے کی جرات نہ کرے تو میں خود اس تلوار سے سیاست شرعی بجالاؤں گا۔“

اس کے بعد سلطان اس فیصلے پر اظہار مسرت کرتے ہوئے عدالت سے باہر نکل گیا۔ اس نے تاجروں کو صرف اس لیے قیمت ادا کرنے میں تساہل سے کام لیا تھا کہ وہ قاضی شکر اللہ کو اپنے بارے میں آزمانا چاہتا تھا اور اسے یہ معلوم کرنا مقصود تھا کہ بادشاہ کے خلاف اس مقدمے میں قاضی صحیح فیصلہ کرتا ہے یا نہیں؟ اس واقعہ سے کچھ عرصہ بعد قاضی شکر اللہ منصب قضا سے الگ ہو گئے تھے اور لوگوں سے منقطع ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی ①۔

① تحفۃ الکرام، ص ۵۹۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۱۳۸، ۱۳۹۔

قاضی شکر اللہ کا خاندان، ٹھٹھہ میں سادات شکر اللہی شیرازی کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ خانوادہ علم و فضل اور دینی مرتبے کی بنا پر دوسروں سے ممتاز رہا۔ یہ خاندان اب بھی اپنے قدیم محلے میں آباد ہے ①۔

## ۱۱۷۔ مولانا شمس الحق جون پوری

مولانا شمس الحق جون پوری، شیخ کامل اور صالح عالم دین تھے۔ علم و معرفت میں یگانہ تھے اور اس ضمن میں اپنے تمام اقران و معاصرین سے فوقیت لے گئے تھے۔ ان کا سلسلہ درس جاری تھا جس سے بے شمار علماء و طلبا استفادہ کرتے تھے۔ کلمہ حق کہنے میں بے باک تھے اور بغیر کسی خوف اور ملامت کے ہر ایک کے سامنے حق بات کہتے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کا پیشہ تھا۔ علوم متداولہ میں ماہر تھے۔ حق گوئی کی وجہ سے لوگوں میں مولانا شمس الحق جون پوری حقانی مشہور تھے۔ ۲۸ محرم ۹۵۰ھ (۳ مئی ۱۵۴۳ء) کو جون پور میں فوت ہوئے ②۔

## ۱۱۸۔ علامہ شمس الحق گیلانی

علامہ شمس الحق گیلانی، جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہد کے عالم و فاضل تھے۔ فقہ و اصول، علم نحو اور منطق و فلسفہ میں عدیم النظیر تھے۔ بہت بڑے طبیب بھی تھے اور حکیم الملک کے عرف سے معروف تھے۔ ہمیشہ درس و افادہ میں مصروف رہے اور بے شمار لوگوں نے ان سے کسب فیض کیا۔ سخی، کریم النفس، راسخ العقیدہ، صادق القول اور حق پرست عالم دین تھے۔ طلبا سے بدرجہ غایت تعلق خاطر اور ہمدردی رکھتے تھے۔ ان کے تمام اخراجات خود ادا کرتے اور ان کے بغیر کھانا نہ کھاتے۔ صرف اس بنا پر کسی مجلس میں نہ جاتے کہ درس کا وقت ضائع ہوگا اور طلبا پریشان ہوں گے۔ تمام عہد میں یکساں عبور رکھتے تھے۔

شاہ ہند جلال الدین اکبر ان کی بے حد قدر کرتا تھا اور اس کے تمام امرا و مصاحبین ان کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ضرورت مندوں کی سفارش اور ان کی امداد میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہ کرتے۔ احکام شریعت کی پابندی اور دین داری میں رسوخ کا یہ عالم تھا کہ جب اکبر کے خیالات میں فسق و فجور نے غلبہ پایا اور علمائے سونے اس کی تائید کرنا شروع کی تو علامہ شمس الحق نے کھل کر ان کی مخالفت کی اور علمائے سو کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اس باب میں نہ کسی سے کبھی خوف زدہ ہوئے اور نہ کسی مروت میں آئے۔ ہمیشہ کلمہ حق بلند کیا اور بلا خوف و خطر کیا۔

ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں ان کے علم و فضل اور تدین و تقویٰ کی بے حد تعریف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "یوں تو تمام علوم کے ماہر تھے، مگر طب میں تو جالینوسِ زماں اور مسیحِ دوراں تھے۔ ابوعلی سینا

① ماہنامہ "معائنہ" اعظم گڑھ۔ بابت ماہ جون ۱۹۴۷ء۔ مضمون "فتاویٰ عالم گیری کے دو سندھی مولفین اور ان کے اجداد۔"

② نزہۃ الخواطر ج ۴، ص ۱۴۳ بحوالہ گنج ارشدی۔



اور جالینوس وغیرہ حکما کے بے حد مداح تھے۔ اس ضمن میں انہوں نے یہ واقعہ تحریر کیا ہے کہ ایک دن شیخ سلیم چشتی کی مجلس میں بیٹھے فقہ نصاب مدارس اور فقہاء کے واقعات بیان کر رہے تھے۔ ساتھ ہی اطبا کی تعریف و توصیف اور شیخ بوعلی سینا کی خوبیاں اور اوصاف کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب دور اکبر کے علماء حکما ایک دوسرے سے الجھ کر اپنے اپنے نقطہ نظر کی تائید میں لڑنے جھگڑنے میں مصروف تھے۔ وہ کہتے ہیں، میں ابھی نیا نیا دربار اکبری میں گیا تھا، کسی سے جان پہچان نہ تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ شیخ سلیم چشتی اور علامہ شمس الحق گیلانی کے درمیان کیا مسئلہ موضوع بحث ہے۔ تاہم میں نے ان کی چند باتیں سن کر شیخ شہاب الدین سہروردی کے یہ اشعار پڑھ دیے۔

و کم قلت للقوم انتم علی شفا حفرة من کتاب الشفا  
فما استهانوا بتوبیخنا فرغنا الی اللہ حسبی کفا  
فلما توا علی دین اسطاطلیس وعشنا علی ملة المصطفا

مزید تائید کے لیے مولانا جامی کا یہ شعر جو تحفہ الاحرار میں ہے سنا دیا:

نور دل از سینہ سینا مجوی روشنی از چشم نابینا مجوی

یہ اشعار سن کر حکیم الملک سخت غصے میں آگئے اور بری طرح بگڑے۔ شیخ سلیم نے کہا یہاں تو پہلے ہی آگ لگی ہوئی تھی تم نے اسے اور بھڑکا دیا۔ بہر حال یہ دین اکبر کے حامیوں کے شدید مخالف تھے اور تاحدا مکان ان کی خوب خبر لیتے تھے۔ جب مذہبی حالات بہت زیادہ خراب ہو گئے تو بادشاہ سے مکہ معظمہ جانے کی اجازت طلب کی اور ۹۸۸ھ یا ۹۸۹ھ (۱۵۸۰ یا ۱۵۸۱ء) میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے اور وہیں وفات پائی ①۔

## ۱۱۹۔ شیخ شمس الدین ملتانی

شیخ شمس الدین بن صدر الدین بن شہر اللہ ملتانی لاہوری، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی اولاد سے تھے اور عالم و فقیہ تھے۔ اپنے والد سے علم حاصل کیا، پھر لاہور آگئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ ۲۶ ربیع الاول ۹۸۸ھ (۱۱ مئی ۱۵۸۰ء) کو فوت ہوئے ②۔

افسوس ہے اس سے زیادہ نہ ان کے حالات کا علم ہو سکا ہے اور نہ کسی تصنیف کا پتا چل سکا ہے۔

## ۱۲۰۔ شیخ شمس الدین بیجا پوری

شیخ شمس الدین بیجا پوری وقت کے عدا مد اور فاضل بزرگ تھے۔ شیراز میں پیدا ہوئے، وہیں نشوونما

① منتخب التواریخ، ص ۳۳۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۴۰، ۱۴۱۔

② اخبار الاصفیاء۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۴۰۔

پائی اور وہیں کے اساتذہ سے اخذ علم کیا۔ مختلف علوم کے ماہر تھے۔ شیراز میں انہوں نے تفسیر بیضاوی پر حاشیہ تحریر کیا۔ بعد ازاں وارد ہند ہوئے اور شیخ محمد غوث گوالیاری سے فیض حاصل کیا۔ پھر بیجا پور تشریف لے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ قانع، مستغنی، عقیف اور متوکل علی اللہ تھے۔ زندہ دل تخلص کرتے تھے۔

ماہ رجب ۹۸۶ھ (ستمبر ۱۵۷۸ء) میں وفات پائی ①۔

## ۱۲۱۔ مولانا شمس الدین کشمیری

مولانا شمس الدین کشمیری اپنے دور کے فاضل بزرگ تھے، حنفی المسلك تھے۔ کشمیر کے باشندے تھے اور شمس الدین پال کے نام سے معروف تھے۔ فقہ و کلام میں ماہر اور شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ حریت فکر، آزادی ضمیر اور صدق مقال میں اپنے دور میں لاثانی تھے۔ فصیح البیان اور بلیغ اللسان تھے۔ مختلف علمی و فقہی مسائل میں علما سے مباحثہ و مناظرہ میں بہت تیز تھے اور اکثر ان پر غالب رہتے تھے ②۔

دسویں صدی ہجری کے اس عالم فقہ کی تاریخ وفات کا علم نہیں ہو سکا اور نہ کسی تصنیف کا پتا چل سکا ہے۔

## ۱۲۲۔ ملا شنگرف کنائی

ملا شنگرف کنائی کشمیری، شیخ اور فاضل آدمی تھے۔ کشمیر میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے شہر کے اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ پھر حرمین شریفین گئے اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہیں شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی شافعی مکی سے حدیث پڑھی۔ پھر واپس کشمیر آئے اور مسند درس بچھائی۔ ان سے بے شمار لوگوں نے اخذ علم کیا۔ ان کے پاس شیخ ابن حجر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی حدیث کی سند موجود تھی۔ علاقہ کشمیر کے نامور محدث و فقیہ اور جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے۔ ملا فیروز مفتی ان کے برادر زادہ تھے ③۔

## ۱۲۳۔ سید شیخ بن عبداللہ حضرمی احمد آبادی

سید شیخ بن عبداللہ عیدروس حسینی حضرمی، شیخ کبیر اور عالم و فاضل تھے۔ یہ احمد آباد کے وہ صاحب علم بزرگ تھے جن کا فیض عام ہوا اور اس نواح کے بلاد و امصار کے تمام لوگ ان سے مستفیض ہوئے۔ ۹۱۹ھ (۱۵۱۳ء) کو ترمیم میں پیدا ہوئے۔ عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو قرآن مجید حفظ کیا اور حصول علم میں مصروف ہو گئے۔ اپنے والد مکرم کے علاوہ امام شہاب الدین بن عبدالرحمن اور شیخ عبداللہ بن محمد باقشیر سے تحصیل علم کی۔ پھر

① اذکار ابرار، ص ۳۵۴، ۳۵۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۴۰۔

② حدائق الحنفیہ، ص ۳۹۱، ۳۹۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۴۳۔

③ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۴۴۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۸۹۔

یمن گئے اور وہاں شیخ محمد بن عمر باقضام وغیرہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ بعد ازاں ۹۳۸ھ (۱۵۳۲ء) میں اپنے والد کے ہمراہ عازم حجاز ہوئے اور حج کی سعادت حاصل کی۔ مکہ مکرمہ میں شیخ ابوالحسن بکری سے ملے اور ان سے سماع علم کیا۔ حج سے فراغت کے بعد اپنے والد کے ساتھ مدینہ طیبہ کا قصد کیا۔ پھر واپس تریم گئے۔ کچھ عرصہ بعد ۹۴۱ھ (۱۵۳۵ء) میں دوبارہ عازم حج ہوئے۔ اس زمانے میں ان کے والد زندہ تھے۔ اب کی بار تین سال مکہ مکرمہ میں اقامت اختیار کی اور طلب علم اور اللہ کی عبادت میں مصروف رہے۔ اس اثنا میں شیخ شہاب الدین احمد بن حجر بیہقی، علامہ عبداللہ بن احمد فاکہی، ان کے بھائی عبدالقادر، علامہ عبدالرؤف بن یحییٰ اور علامہ محمد بن خطاب مالکی سے اخذ علم کیا۔ مکہ مکرمہ کے ان علما سے انھوں نے بہت استفادہ کیا اور تفسیر، حدیث، فقہ، اصول حدیث، اصول فقہ، علوم عربیہ، تصوف، فرائض و میراث اور حساب میں مہارت پیدا کی۔ مکہ مکرمہ کے دوران قیام میں جہاں وہ مختلف علوم و فنون کے حصول میں مشغول رہے وہاں طواف اور عمرے بھی کثرت سے کیے۔ مکہ مکرمہ سے عازم زبید ہوئے اور وہاں کی علما و اساتذہ سے استفادہ کیا۔ پھر تریم واپس گئے اور تقریباً تیرہ سال وہاں مقیم رہے۔

اب یہ عالم دین ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ء) کو ہندوستان آئے اور احمد آباد میں وزیر عماد الملک کے ہاں اقامت اختیار کی۔ احمد آباد میں انھوں نے اپنے آپ کو درس و تدریس اور افادہ عام کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس نواح میں ان سے بے شمار حضرات نے استفادہ کیا اور علم و فضل کی نعمت سے متمتع ہوئے، جن میں خود ان کے لڑکے عبدالقادر، نواسے محمد بن عبداللہ سورتی، سید بن علی، شیخ احمد بن علی، بسکری، عبداللہ بن احمد فلاح، محمد بن احمد فاکہی اور شیخ حمید بن عبداللہ سندھی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

سید شیخ بن عبداللہ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ انھوں نے العقد النبوی لسر المصطفوی، کتاب الفوز والبشریٰ اور اپنے قصیدہ تحفۃ المرید کی دو شرحیں لکھیں جن میں ایک بڑی ہے اور ایک چھوٹی۔ بڑی کا نام حقائق التوحید ہے اور چھوٹی کا سراج التوحید۔ ایک رسالہ معراج نبوی سے متعلق ہے اور ایک عدل کے موضوع پر ہے۔ تصوف کے بارے میں بھی ان کی ایک تصنیف ہے۔ سید شیخ شاعر بھی تھے اور ان کا ایک دیوان بھی ہے جس میں سے چند اشعار یہ ہیں:

لنا بالرسول المصطفیٰ خیر نسبة	مسللة تعلوا علی کل رتبة
ائمہ علم اللہ جوہر سرہ	زواہر حلم قدوة للطریقة
شموس تجلت و البدور طوالع	نجوم لنا بالسعد منه استمدت
شموس بدت فی عالم الغیب اشرفت	بدر و بدت ابدال اوتار صفوة

بعض علمائے کرام نے جن میں شیخ حمید بن عبداللہ سندھی اور شیخ احمد بن علی بسکری کی شامل ہیں، شیخ بن عبداللہ کے حالات و سوانح قلم بند کیے ہیں۔ شیخ احمد بن علی بسکری کی نے جو رسالہ لکھا، اس کا نام نزہة الاخوان و النفوس فی مناقب شیخ بن عبداللہ العیدروس رکھا۔ ان کے لڑکے شیخ عبدالقادر نے بھی ان

کے حالات قلم بند کیے ہیں۔

حضرت شیخ بتیس سال احمد آباد میں قیام فرما رہے اور ہفتے کی رات ۲۵ رمضان ۹۹۰ھ (۱۱۳ اکتوبر ۱۵۸۲ء) کو احمد آباد میں فوت ہوئے ①۔

## ص

### ۱۲۴۔ قاضی صدر الدین جالندھری لاہوری

قاضی صدر الدین قریشی عباسی لاہوری بادشاہ ہند جلال الدین اکبر کے دور کے شیخ و عالم اور فقیہ تھے۔ فقہ و اصول کلام اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ بعض کتب درسیہ مخدوم الملک عبداللہ سے اور بعض دیگر علما و اساتذہ سے پڑھیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جلال الدین اکبر سے ملے تو وہ ان کے علم و فضل سے بہت متاثر ہوا اور ان کو علاقہ گجرات کے شہر بھڑوچ کا قاضی مقرر کر دیا۔ عالم باعمل اور پرہیزگار تھے۔ فرائض قضا عمدگی سے انجام دیتے تھے۔ تحقیق علوم اور ان کے منطوق و مفہوم میں اپنے استاذ شیخ عبداللہ سے زیادہ لائق اور فاضل تھے۔ حلو منطق، عذوبت بیان، ملاحظت لسان اور کثرت مطالعہ میں اس دور کا کوئی عالم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ تمام علوم و فنون اور اقسام ادب پر گہری نظر رکھتے تھے۔ بحث و اشتغال میں منہمک رہتے اور عمدہ طریق سے گفتگو کرتے۔ وسیع المشرب، کھلے دل کے مالک اور فراخ حوصلہ تھے۔ جس شخص کو عابد و زاہد اور امور دنیا سے منقطع سمجھتے، اس سے حسن ظن قائم کر لیتے اور اس کے تقویٰ و ولایت کا دم بھرنے لگتے۔ اگرچہ وہ درحقیقت کتنا ہی مبتدع، سخط کردار اور عامل خلاف شریعت ہوتا۔ ایک دن مجذوبوں کی ہیئت میں ایک بدعتی شخص کو آتے دیکھا۔ تعظیم و احترام میں بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر اس کے سامنے اس انداز سے کھڑے ہو گئے جس انداز سے نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔ ان کو دیکھ کر اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت خضر میرے ساتھ رہتے ہیں۔ آپ کو ان سے ملا سکتا ہوں۔ یہ الفاظ سنتے ہی اس کے قدموں میں گر گئے اور عرض کناں ہوئے کہ مجھے حضرت خضر کی زیارت کرادو۔ وہ مکار کہنے لگا ان سے ملاقات تو کرادوں گا مگر آج کل سخت متفکر ہوں۔ میری ایک بیٹی جوان ہے اس کی شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن سامان تیار کرنے کے لیے سرات سوتکے (سکہ رائج الوقت) کی ضرورت ہے۔ وہ کہیں سے مل جائے تو اس فکر سے سبک دوش ہو کر خضر کی زیارت کر اسکوں گا۔ انھوں نے فوراً سات سوتکے دیا اور اس فکر سے اس کو آزاد کر دیا۔

اب وہ ”مجذوب“ ان کو ”خضر سے ملانے“ کے لیے دریا پر لے گیا اور ہاتھ پکڑ کر دریا میں داخل ہو گیا۔ مجذوب طویل قامت تھا اور قاضی کوتاہ قد تھے۔ جب دونوں گہرے پانی میں گئے تو پانی قاضی کی گردن

① النور السافر، ص ۳۷۲ تا ۳۷۹۔ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۱۳۶ تا ۱۳۸۔

سے اوپر چلا گیا وہ وہیں رک گئے اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ ”مجذوب“ نے کہا کہ میں تو آپ کو خضر سے ملانا چاہتا تھا مگر آپ تو خود ہی نہیں ملنا چاہتے۔ پانی سے ڈر گئے ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔

قاضی صدر الدین لاہوری بلند کردار شخص تھے۔ ہر وقت اللہ کا خوف دل پر طاری رہتا۔ خشیت الہی سے بہت روتے اور آنکھوں سے آنسو جاری رہتے۔ علم ظاہری کے علاوہ تصوف و طریقت سے بھی بہرہ ور تھے اور اس سلسلے میں شیخ موسیٰ حداد کے فیض یافتہ تھے جن کا شمار مجاذیب کی جماعت میں ہوتا تھا۔

طویل عرصے تک بھڑوچ کے عہدہ قضا پر متعین رہے اور وہیں ۱۵ رمضان ۹۹۰ھ (۳ اکتوبر

۱۵۸۲ء) کو وفات پائی ①۔

## ۱۲۵۔ شیخ صدر الدین سندھی

شیخ صدر الدین سندھی اقلیم سندھ کے نامور علما میں سے تھے اور سلطان سندھ جام نظام الدین کے عہد کے علمائے فقہ میں سے تھے۔ تمام عمر درس و افادہ میں مصروف رہے۔ علما و فضلا کی بڑی جماعت نے ان سے استفادہ کیا اور ہزاروں افراد نے ان کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ ابتدا میں مدعی مہدویت سید محمد جون پوری کے شدید مخالف تھے لیکن جب وہ سندھ آئے اور شیخ نے ان سے ملاقات کی اور دونوں کی آپس میں گفتگو ہوئی تو وہ سید محمد کے عقیدت مندوں کے زمرے میں شامل ہو گئے ②۔

## ۱۲۶۔ سید صدر الدین قنوجی

سید صدر الدین قنوجی شیخ وقت اور فاضل کبیر تھے اور اپنے عصر کے جید علما میں سے تھے۔ سلطان سکندر لودھی ان کی بہت تکریم کرتا تھا اور ان کے علم و فضل سے متاثر ہو کر اس نے ان کو اپنے ندیموں میں شامل کر لیا تھا۔ ان کے بھائی سید حسن اور سید امام تھے وہ بھی وقت کے علما میں سے تھے ③۔

## ۱۲۷۔ سید صفائی ترمذی

سید صفائی بن مرتضیٰ حسینی ترمذی شیخ وقت اور عالم و فقیہ تھے۔ فقہ اصول فقہ اور علوم عربیہ کے معروف عالم تھے۔ سلطان محمود شاہ والی سندھ ان کا بہت قدر دان تھا اور اس نے قطب الدین شاہ کی وفات کے بعد ان کو شہر بھکر کی مسند قضا اور مسند شیخ الاسلام پر متعین کر دیا تھا۔ بھکر کی جامع مسجد ان ہی کی کوشش سے تعمیر کی گئی۔

① منتخب التواریخ، ص ۳۰۷۔ طبقات اکبری، ص ۳۹۰۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۹۲، ۹۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۵۷، ۱۵۸۔ اذکار ابرار، ص ۲۱۰، ۲۱۱۔

② تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۵۸۔

③ ابجد العلوم، ص ۹۳۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۵۸، ۱۵۹۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۷۔

اللہ نے ان کو اولاد صالح عطا فرمائی، جن میں محمد معصوم مصنف تاریخ سندھ خاص شہرت رکھتے ہیں۔ علم فقہ کے اس عالم نے ذی القعدہ ۹۹۱ھ (نومبر ۱۵۸۳ء) کو وفات پائی ❶۔

## ۱۲۸۔ قاضی صلاح الدین جون پوری

قاضی صلاح الدین خلیل جون پوری ارض ہند کے معروف شیخ اور عالم و فقیہ تھے۔ قاضی نظام الدین مصنف فتاویٰ ابراہیم شاہیہ کے نواسے تھے۔ اپنے محترم نانا کی گود میں پرورش پائی اور ان ہی سے اخذ علم کیا۔ ان کی وفات کے بعد مسند قضا پر متمکن ہوئے اور بیس سال اس منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ حسن اخلاق کے مالک، شیریں کلام، فصیح البیان اور بلند مرتبت عالم دین تھے۔ مروجہ اصناف علم میں مہارت رکھتے تھے۔ مسائل کی جزئیات پر استحضار تھا اور اس سلسلے میں بڑی شہرت کے مالک تھے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع تھا، جن میں شارح صحیح بخاری سید عبدالاول بن علاء الدین حسینی جون پوری کا اسم گرامی خاص طور سے لائق تذکرہ ہے۔ شرح الاشباہ و النظیر فی الفروع، ان کی تصنیف ہے ❷۔

دسویں صدی ہجری کے اس عالم فقہ کی تاریخ وفات کا علم نہیں ہو سکا۔

— ض —

## ۱۲۹۔ مولانا ضیا الدین مدنی

مولانا ضیاء الدین حسینی مدنی، شیخ و عالم اور محدث تھے۔ ان کا شمار حدیث لغت اور نحو کے تبحر علماء میں ہوتا تھا۔ ہندوستان آئے تو دارالسلطنت دہلی میں ٹھہرے، وہاں دو سال مقیم رہے۔ پھر اودھ گئے اور لکھنؤ کے قریب ایک قریہ میں اقامت گزین ہوئے، جس کا نام کاکوری تھا۔ کاکوری میں پانچ سال چار مہینے رہے اور درس و تدریس کو اپنا مشغلہ قرار دے رکھا۔ اس اثنا میں ان سے شیخ نظام الدین بن سیف الدین علوی کاکوری نے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ صحیح بخاری اور جامع الاصول کا بھی باقاعدہ درس لیا۔ کاکوری میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے ❸۔

دسویں ہجری کے اس فقیہ کی تاریخ ولادت و وفات کا علم نہیں ہو سکا۔

❶ مآثر جمعی، ج ۲، ص ۳۳۶۔ تحفۃ الکرام، ص ۳۹۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۱۵۹۔ تاریخ معصومی، ص ۳۲۷، ۳۲۸۔

❷ تاریخ شیراز ہند جون پور، ص ۱۰، ۱۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۱۶۱۔

❸ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۱۶۲، ۱۶۳۔ بحوالہ کشف المتواری۔

ط

## ۱۳۰۔ مولانا طیب سندھی

مولانا طیب بن ابوالطیب ٹھٹھوی سندھی ممتاز علما میں سے تھے، شیخ عصر عالم اجل اور اپنے دور کے محدث تھے۔ شیخ ہارون کی اولاد سے تھے۔ ارض سندھ میں پیدا ہوئے، وہیں نشوونما پائی۔ مفتی یونس سندھی سے علم حاصل کیا اور کئی سال ان سے وابستہ رہے۔ پھر علاقہ برار کی طرف روانہ ہوئے اور شہر ایچ پور میں سکونت اختیار کی۔ خاصا عرصہ وہاں مقیم رہے۔ پھر شیخ طاہر بن یوسف سندھی کے ساتھ برہان پور میں داخل ہوئے۔

درس و افادہ ان کا اصل کام تھا۔ ساری زندگی اسی خدمت میں صرف کر دی۔ متعدد حضرات نے ان سے علم حاصل کیا، شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی بھی ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ انہوں نے ان سے اصول و کلام کی بعض درسی کتابیں پڑھیں۔ ان کی تصنیفات میں سے ایک تو رسالہ غوثیہ کی شرح ہے۔ دوسرے مشکوٰۃ پر مفید تعلیقات و حواشی ہیں۔

مولانا طیب سندھی نے ۹۹۰ھ (۱۵۸۲ء) کے لگ بھگ وفات پائی ①۔

ع

## ۱۳۱۔ مولانا عباس سندھی

مولانا عباس بن جلال پاتری سندھی اپنے دور میں سرزمین سندھ کے شیخ اور فاضل بزرگ تھے۔ علاقہ سندھ کے ایک قریہ پاتری میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ء) کے اوائل میں پاتری سے ہبکور چلے گئے تھے جو اعمال بھکر میں ایک گاؤں تھا۔ عالم کبیر، قانع و عقیف اور تفسیر حدیث اور فقہ کے ماہر تھے۔ اس نواح میں اپنے فضل و کمال میں بہت مشہور تھے۔ ہبکور میں سکونت اختیار کی اور ہر طرف سے منقطع ہو کر درس و تدریس میں مصروف ہو گئے اور بے شمار لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ ان کے تلامذہ میں قاضی عبدالسلام سندھی اور خلق کثیر شامل ہے۔ چھیا نوے سال کی عمر پا کر ۹۹۸ھ (۱۵۹۰ء) میں فوت ہوئے ②۔

دسویں صدی ہجری کے سندھ کے اس عظیم المرتبت عالم دین اور فقیہ کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا اور نہ اس سے زیادہ ان کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکی ہیں۔

① اذکار ابرار، ص ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۶۵۔

② مآثر جمعی، ج ۲، ص ۳۳۸۔ تاریخ معصومی، ص ۳۳۱، ۳۳۲۔ گلزار ابرار، ص ۳۰۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۶۷۔

## ۱۳۲۔ میر سید عبدالاول جون پوری

سید عبدالاول بن علاؤ الدین حسینی جون پوری، اصلاً اعمال جون پور کے ایک مقام زید پور کے باشندے تھے۔ ان کے آباء اجداد میں سے کوئی بزرگ ارض دکن میں چلے گئے تھے، یہ وہیں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی اور شیخ علاء الدین سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ اپنے علاقے کے شیخ و عالم اور محدث فقیہ تھے۔ دکن سے گجرات تشریف لے گئے اور عرصے تک وہاں قیام پذیر رہے۔ پھر عازم حرمین شریفین ہوئے اور حج و زیارت کا شرف حاصل کیا۔ وہاں سے ہند کی طرف مراجعت کی اور احمد آباد میں اقامت گزین ہوئے۔ وہاں مدت تک درس و تدریس میں مصروف رہے اور بے شمار تشنگان علوم کو علم کی نعمت سے متمتع کیا۔ ان کے اس دور کے بہت سے تلامذہ میں شیخ طاہر بن یوسف سندھی شامل ہیں۔ احمد آباد سے دہلی کا قصد کیا اور دو سال وہاں قیام رہا۔

شیخ عبدالاول بہت سی کتابوں کے مصنف تھے جن میں سے ایک کتاب کا نام فیض الباری ہے جو صحیح بخاری کی شرح ہے۔ پھر میراث و فرائض کی مشہور کتاب سراجی کو نظم کیا اور اس کی بسیط و مفصل شرح قلم بند کی۔ ایک تصنیف تحقیق نفس کے موضوع میں ہے۔ ایک سفر السعاده کی تلخیص ہے۔ اسی طرح تصوف کی کتاب فتوحات مکیہ اور علم معانی و بیان کی معروف کتاب مطول پر تعلیقات و حواشی سپرد قلم کیے۔ علاوہ ازیں اور بھی کتب و رسائل کے مصنف ہیں۔ اس محدث و فقیہ اور عالم و مصنف نے ۹۶۸ھ (۱۵۶۱ء) کو دہلی میں وفات پائی ①۔

## ۱۳۳۔ شیخ عبدالجلیل جون پوری

شیخ عبدالجلیل بن طہ انصاری جون پوری، فقہائے حنیفہ میں سے تھے اور فاضل شخص تھے۔ مشہور بزرگ شیخ عبداللہ ہروی کی اولاد سے تھے۔ حدیث و فقہ اور دیگر علوم میں ید طولی رکھتے تھے۔ تصوف و طریقت سے بھی لگاؤ تھا اور شیخ عبدالعزیز بن حسن عباسی دہلوی کے فیض یافتہ تھے۔ حج کے لیے مکہ مکرمہ کو روانہ ہوئے تو دہلی میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں قتل ہو گئے تھے۔ یہ حادثہ ۹۹۰ھ (۱۵۸۲ء) کو پیش آیا ②۔

## ۱۳۴۔ شیخ عبدالحکیم برہان پوری

شیخ عبدالحکیم بن بہاء الدین بن معز الدین برہان پوری نے علم و معرفت کی گود میں پرورش پائی اور

① اخبار الاخیار ص ۲۵۳ تا ۲۵۷۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۲۲۷ تا ۲۲۸۔ تجلی نوزج ص ۲۲ تا ۲۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۶۷

۱۶۸۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۶۔ اذکار ابرار ص ۲۷۶ تا ۲۷۵۔

② اذکار ابرار ص ۳۵۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۶۹۔ بحوالہ گنج ارشدی۔



تصوف و طریقت کی آغوش میں پلے بڑھے۔ شیخ صالح اور فقیہ نام ورتھے۔ اپنے والد شیخ بہاء الدین سے اخذ فیض کیا اور طویل عرصے تک ان سے وابستہ رہے۔ امور دنیا سے منقطع ہو کر اپنے آپ کو زہد و عبادت میں مشغول کر لیا تھا ❶۔

### ۱۳۵۔ شیخ عبدالحلیم سنہجلی

شیخ عبدالحلیم بن حاتم سنہجلی، شہر سنہجلی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ اپنے والد کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیا۔ طویل عرصے تک ان سے اخذ علم کرتے رہے اور مرتبہ بلند کو پہنچے۔ صالح عالم دین اور کبار علمائے وقت میں سے تھے۔ ان کے والد بھی مسند تدریس پر فائز تھے۔ یہ بھی تمام عمر درس و تدریس میں مصروف رہے۔ قناعت و توکل اور صلاح ظاہری سے آراستہ تھے۔ ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء) کو وفات پائی ❷۔

### ۱۳۶۔ مولانا عبدالحی دہلوی

مولانا عبدالحی بن جلال بن فضل دہلوی، اپنے عصر کے مشاہیر افاضل میں سے تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے وہیں پلے بڑھے اور وہیں اپنے دور کے اساتذہ سے اخذ علم کیا۔ اپنے والد سے کسب فیض کیا۔ نہایت فاضل، کریم النفس، حسن اخلاق کے حامل، متواضع اور انتہائی محسن بزرگ تھے۔ ۹۵۹ھ (۱۵۵۲ء) کو فوت ہوئے ❸۔

### ۱۳۷۔ مولانا عبدالرحمن لاہوری

مولانا عبدالرحمن بن احمد بن عبدالملک لاہوری، صالح عالم دین اور اپنے وقت کے مشہور فضلاء میں سے تھے۔ اپنے باپ کی جگہ مسند تدریس پر فائز ہوئے اور عمر بھر یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ بے شمار علمائے ان سے اخذ علم کیا۔ ۹۷۰ھ (۱۵۶۳ء) میں فوت ہوئے ❹۔

### ۱۳۸۔ مولانا عبدالرحمن ملتانی

مولانا عبدالرحمن بن عزیز اللہ ملتانی شیوخ وقت اور اکابر فضلاء عصر میں سے تھے۔ ملتان میں پیدا ہوئے

❶ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۶۹۔

❷ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۷۰۔

❸ ایضاً

❹ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۷۱، بحوالہ اخبار الاصفیاء۔

اور وہیں نشوونما پائی۔ اپنے والد سے علم حاصل کیا۔ اور پھر خدمت تدریس میں مصروف ہو گئے۔ کئی سال لاہور میں مسند درس و تدریس بچھائے رکھی۔ ان سے شیخ سعد اللہ بن ابراہیم ملتانی اور خلق کثیر نے علمی استفادہ کیا ①۔

## ۱۳۹۔ شیخ عبدالرحمن لاہر پوری

شیخ عبدالرحمن بن علاء الدین بن عطاء اللہ بن ظہیر الدین عباسی لاہر پوری، خلیفہ ہارون الرشید عباسی کی اولاد سے تھے۔ علاقہ اودھ کے ایک گاؤں لاہر پور میں پیدا ہوئے، وہیں تربیت پائی اور اپنے والد شیخ علاء الدین سے علم حاصل کیا۔ ان کی وفات کے بعد دہلی گئے۔ وہاں شیخ عبداللہ بن اللہ داد عثمانی تلنسی کی مسند تدریس سنبھی ہوئی تھی، ان کے حلقہ درس میں داخل ہوئے اور اخذ علم کیا۔ طویل عرصے تک ان کی صحبت میں رہے یہاں تک کہ علم میں ماہر ہو گئے اور فتویٰ نویسی اور تدریس کی اہلیت پیدا ہو گئی۔ شیخ وقت اور فاضل کبیر تھے۔

اس زمانے میں تخت ہند پر سلطان سکندر لودھی متمکن تھا۔ شیخ عبدالرحمن اپنی گونا گوں صلاحیتوں کی بنا پر اس کے مقربین و مصاحبین میں داخل ہو گئے۔ بارہ سال اس خدمت پر مامور رہے۔ پھر عازم جون پور ہوئے۔ جون پور میں ایک بزرگ اور صوفی شیخ عبدالسلام کا چشمہ فیض جاری تھا، تمام علائق دنیوی سے منقطع ہو کر ان سے وابستہ ہو گئے اور زہد و عبادت کی زندگی اختیار کر لی۔ اللہ نے لمبی عمر عطا فرمائی تھی۔ ۱۲ ذی الحجہ ۹۷۶ھ (۲۸ مئی ۱۵۶۹ء) کو اپنے وطن لاہر پور میں وفات پائی ②۔

## ۱۴۰۔ میرک عبدالرحمن ٹھٹھوی

میرک عبدالرحمن بن محمود بن ابوسعید حنفی ٹھٹھوی، ارض سندھ کے شیخ اور فاضل بزرگ تھے اور اپنے دور کے جید علما میں سے تھے۔ مروجہ علوم عقلیہ و نقلیہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ہمیشہ درس و تدریس میں مشغول رہے اور خلق کثیر کو علمی فائدہ پہنچایا۔ ۹۹۱ھ (۱۵۸۳ء) میں فوت ہوئے ③۔

## ۱۴۱۔ مولانا عبدالرحمن ٹھٹھوی

مولانا عبدالرحمن ٹھٹھوی سندھی علاقہ سندھ میں مرزا عیسیٰ ترخان اور اس کے بیٹے مرزا باقی کے دور حکومت میں شیخ وقت اور فاضل کبیر تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم مشہورہ میں بے نظیر تھے۔ علمائے امریک بہت بڑی تعداد نے ان سے استفادہ کیا ④۔

① اذکار ابرار، ص ۴۷۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۷۱۔ بحوالہ اخبار الاصفیا۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۷۲۔ بحوالہ اصول المقصود۔

③ مآثر جمہی، ج ۲، ص ۳۲۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۷۲۔

④ مآثر جمہی، ج ۲، ص ۳۳۷۔ تاریخ معصومی، ص ۲۹۸۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۹۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۷۱۔

## ۱۴۲۔ قاضی عبدالرحیم سہارن پوری

قاضی عبدالرحیم بن عبدالرزق بن خواجہ سالار انصاری سہارن پوری، شیخ زمان اور معروف عالم و فقیہ تھے اور اپنے عہد کے اکابر علماء میں سے تھے۔ سہارن پور میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت پائی۔ تمام عمر درس اور افادہ عام میں صرف کر دی۔ معقول و منقول میں مہارت رکھتے تھے۔ سلطان سکندر لودھی کے عہد حکومت کے عالم دین تھے۔ ملوک و سلاطین کی مجلسوں میں جانے سے گریز کرتے تھے۔ سکندر لودھی ان کے علم و فضل سے بہت متاثر تھا۔ اس نے ان کو منصب قضا پر متعین کرنا چاہا لیکن انھوں نے انکار کر دیا، مگر وہ برابر اصرار کرتا رہا۔ بالآخر بڑی مشکل سے رضا مند ہوئے اور اس اہم منصب کی ذمہ داری کو قبول کیا۔ دسویں صدی ہجری کے اس نامور عالم و فقیہ نے ۹۶۰ھ (۱۵۵۳ء) میں داعی اجل کو لبیک کہا<sup>①</sup>۔

## ۱۴۳۔ شیخ عبدالرشید سندھی

شیخ عبدالرشید سندھی ہالہ کنڈی کے رہنے والے تھے جو اعمال سیوستان میں واقع تھا۔ فاضل و متقی بزرگ تھے اور کبار علمائے عصر میں سے تھے۔ درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے۔ ان سے بے شمار علماء و مشائخ نے اخذ علم اور کسب فیض کیا جن میں شیخ احمد بن اسحاق اور ان کے بڑے بھائی شیخ محمد شامل ہیں<sup>②</sup>۔

## ۱۴۴۔ مولانا عبدالسلام لاہوری

مولانا عبدالسلام لاہوری، بہت بڑے شیخ، فاضل اور اپنے عصر کے مشہور علماء میں سے تھے۔ لاہور میں سلسلہ تدریس میں کوئی ان کا مد مقابل نہ تھا اور وہ اس مسند عالی کے بادشاہ تھے۔ دور دراز کے علمائے گرامی قدران کے علمی فضل و کمال کے معترف تھے، جن میں ترکستان کے علامہ محمد سعید<sup>③</sup> کا اسم گرامی خاص طور سے

① نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۳۔ بحوالہ مرآت سکندری

② تحفۃ الکرام ص ۴۷۲۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۹۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۷۷۔

③ مولانا محمد سعید ترکستانی اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم دین تھے۔ ملا احمد جند سے علم حاصل کیا۔ ملا محمد سرخ سے بھی استفادہ کیا اور کچھ عرصہ ملا عصام الدین ابراہیم کے حلقہ درس میں داخل رہے۔ وارد ہند ہونے کے بعد مغل حکمران جلال الدین اکبر سے ملاقات ہوئی تو اس کو ان کی مصاحبت پسند آئی۔ ان پر درویشی اور انکسار کا غلبہ تھا مگر اس کے باوجود بہت خوش مزاج اور ذہین تھے۔ عالم اتنے اونچے درجے کے تھے کہ اس زمانے میں ان سی معلومات کا حامل شاید ہی کوئی دیار ہند میں موجود ہو۔ فصیح البیان تھے، سلجھی ہوئی اور دل کش گفتگو کرتے تھے۔ بہت بڑا حلقہ درس تھا۔ شاگردوں پر بڑی شفقت و مہربانی فرماتے تھے۔ ارض ہند سے کابل گئے اور ۹۷۰ھ (۱۵۶۳ء) میں انتقال کر گئے۔ (منتخب التواریخ)

قابل ذکر ہے۔ وہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ ۹۶۶ھ (۱۵۵۹ء) میں ہندوستان آئے تو انھوں نے دیکھا کہ اس پورے خطہ ارض میں (جس کو اب برصغیر پاک و ہند سے تعبیر کیا جاتا ہے) مولانا عبدالسلام لاہوری واحد عالم دین تھے جو گونا گوں علمی کمالات میں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ انھوں نے ۹۸۳ھ (۱۵۷۵ء) کو لاہور میں انتقال کیا ①۔

## ۱۴۵۔ قاضی عبدالسمیع اندخانی

قاضی عبدالسمیع حنفی اندخانی، صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی کی اولاد سے تھے۔ شیخ و عالم تھے۔ علوم حکمیہ میں بالخصوص ان کا شمار مشاہیر علما میں ہوتا تھا۔ مولانا احمد جند کے شاگرد تھے۔ اکبر کے زمانے میں ہندوستان آئے اور منصب قضا پر فائز کر دیے گئے۔ شرح المواقف، شرح المطالع اور ان کے حواشی کی تدریس میں بے مثال تھے ②۔

## ۱۴۶۔ قاضی عبدالشکور سہسوانی

قاضی عبدالشکور بن اسماعیل بن عطاء اللہ حسینی مودودی امر و ہوی ثم سہسوانی، اپنے دور کے دیار ہند کے معروف علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد مکرم (اسماعیل) اور جد امجد (عطاء اللہ) اس عصر کے عالم اور فاضل بزرگ تھے۔ سلاطین دہلی کے دربار میں اس خاندان کے بزرگوں کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کے آبا و اجداد میں ایک بزرگ خواجہ سید محمد خطیر گزرے ہیں جو قاضی عبدالشکور کی آٹھویں پشت یعنی ۶۸۷ھ (۱۲۸۸ء) میں سلطان غیاث الدین بلبن کے ولی عہد شہزادہ محمد شاہ شہید کے اتالیق اور ملکی و فوجی امور میں ان کے معتمد خاص تھے۔ ملتان اور پنجاب کے علاقوں کے منتظم تھے اور اس سلسلے میں عمدہ شہرت کے مالک! جنگ تاتار میں محمد شاہ نے شہادت پائی اور خواجہ محمد خطیر سخت زخمی ہوئے۔ پھر غیاث الدین نے ان کو منصب وزارت عطا کیا۔ کینخسرو بن محمد شاہ شہید کو خواجہ محمد خطیر ہی کی کوشش سے ولی عہد مقرر کیا گیا تھا۔ مگر غیاث الدین کی وفات کے بعد امرائے سلطنت نے معز الدین کی قیادت کو تخت نشین کیا اور ولی عہد کو قتل کر دیا گیا اور ساتھ ہی دہلی میں خواجہ محمد خطیر کے داخلے کی ممانعت کے احکام جاری ہو گئے۔ پھر جب سلطان جلال الدین خلجی بادشاہ ہند ہوا تو اس نے ۶۸۸ھ (۱۲۸۹ء) میں خواجہ محمد خطیر کو دوبارہ عہدہ وزارت پر متمکن کر دیا۔ بعد ازاں علاء الدین خلجی سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے بھی خلعت وزارت پیش کیا۔ اس ضمن میں تاریخ فرشتہ کے الفاظ پڑھیے:

① گلزار ابرار، ص ۶۹۶ تا ۶۹۸۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۷۹۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۷۹۔ ہفت اقلیم، ج ۳، ص ۲۲۳، ۲۲۴۔

چنانچہ حضرت خواجہ سید خطیر را کہ بہ نیکی ذات و پسندیدگی صفات و اصابت رائے و بہ نظام ملکی و فوجی اشتہار بکمال داشت بعہدہ وزارت ممتاز گردانید و مہمات و قوام سلطنت برائے صواب دید آنحضرت واگزاشت ①۔

بہر حال قاضی عبدالشکور کے اسلاف کو سلاطین دہلی کے ہاں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی اور ان کے دادا خواجہ عطاء اللہ کو دربار سلاطین لودھی سے ملک العلماء کا خطاب ملا تھا۔ ۸۹۷ھ (۱۴۹۲ء) کو سکندر لودھی کے عہد میں ان کے والد مکرم قاضی اسماعیل کو منصب قضا عطا ہوا۔ یہ خاندان کئی پشتوں سے سہوان میں مقیم تھا اور ورع و تقویٰ، تقدس و نجابت، مکارم اخلاق اور پابندی شرع میں ممتاز تھا۔ ان کے بزرگ مختلف سلاطین ہند کے دور سے عہدہ قضا پر متعین چلے آ رہے تھے۔

قاضی اسماعیل کی وفات کے بعد ان کے بیٹے قاضی عبدالشکور سہوان اور اس کے مضافات کے قاضی القضاة مقرر ہوئے۔ یہ شیخ وقت عالم و فقیہ اور نہایت صالح بزرگ تھے۔ امر وہہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ مغل حکمران نصیر الدین ہمایوں کے عہد حکومت میں سہوان اور اس کے گرد و نواح کے قاضی مقرر کیے گئے۔ اس علاقے میں قاضی عبدالشکور اور ان کے والد قاضی اسماعیل نے بے حد دینی خدمات انجام دیں۔ ان کی تبلیغی مساعی سے بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ہزاروں ہندوؤں نے مسلمان ہونے کا شرف حاصل کیا۔ بہت سے مسلمان متبع شریعت ہوئے۔ متعدد افراد نے علم و فضل کی دولت حاصل کی اور بہت بڑی تعداد ان کی کوشش سے نور ہدایت سے مستنیر ہوئی۔

منصب قضا پر متعین کرنے کے بعد ہمایوں نے سرزمین سہوان کی وہ جاگیریں جو اس سے قبل قاضی عبدالشکور کے خسر کے بیٹوں محمد حسن اور طاہر کے پاس تھیں قاضی عبدالشکور کو دے دیں۔ لیکن قاضی ممدوح نے وہ جاگیریں اپنے پاس نہیں رکھیں بلکہ اپنے خسر کے مندرجہ بالا بیٹوں ہی کے نام منتقل کر دیں اور خود عدل و انصاف اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ تقریباً تیس سال وہ وسادہ قضا پر متمکن رہے اور اس طویل مدت میں اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں حتی الامکان کبھی دانستہ طور پر کسی کوتاہی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ پھر ایک وقت آیا کہ ان کے خسر کے بیٹوں کے دل میں اس غلط اندیشے نے کروٹ لی کہ یہ جاگیریں وہ ان سے کہیں دوبارہ واپس نہ لے لیں۔ چنانچہ اس موہوم خطرے کے پیش نظر انھوں نے ان کو قتل کرادیا۔

ایک روایت کے مطابق یہ حادثہ ۲۰ ربیع الاول ۹۴۲ھ (۱۸ ستمبر ۱۵۳۵ء) کو وقوع پذیر ہوا ②۔ لیکن دوسری روایت کے مطابق انھیں جمعے کے روز ۱۰ محرم ۹۴۷ھ (۱۷ مئی ۱۵۳۰ء) کو مسجد قاضی محلہ چوک (سہوان) میں اس وقت شہید کیا گیا جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ ان کا مادہ تاریخ ”بے شبہ

① تاریخ فرشتہ ج ۱ حالات سلطان علاء الدین خلجی

② نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۸۰۔ بحوالہ نخبة التواریخ۔

شہید رشد ۹۲۷ھ ہے ①۔ انھیں ضرب تیغ سے شہید کیا گیا اور ان کے خون کے قطرے قرآن مجید کے اوراق پر گرے۔ وہ قرآن مجید تک اب ان کے ورثا کے پاس موجود ہے۔ انھیں مسجد چوک میں دفن کیا گیا۔ جس سال انھیں شہید کیا گیا، اسی سال سلطنت ہند ایک عظیم انقلاب سے دوچار ہوئی۔ یعنی مغل فرماں روا نصیر الدین ہمایوں، جس نے ان کو منصب قضا عطا کیا تھا اور ۹۳۷ھ (۱۵۳۱ء) سے سرزمین ہند پر داد حکمرانی دے رہا تھا، ماہ رجب ۹۲۷ھ (نومبر ۱۵۴۰ء) کو دس سال کی بادشاہت کے بعد شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ایران بھاگ گیا اور اس طرح ہندوستان پر اس کا پہلا دور حکمرانی ختم ہوا اور تخت شیر شاہ سوری کے لیے خالی کیا۔ پھر اس نے ۹۶۳ھ (۱۵۵۶ء) میں ہندوستان پر چڑھائی کی اور فتح یاب ہوا۔ دوسری مرتبہ وہ تھوڑا عرصہ حکومت کرنے کے بعد وفات پا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا جلال الدین اکبر اورنگ سلطنت پر متمکن ہوا۔ قاضی عبدالشکور سہوانی کی شہادت کے بعد ان کے عم محترم خواجہ سید عبداللہ معروف بہ شاہ پنجمین، دادخواہ کی حیثیت سے حاکم سنبھل کے پاس گئے اور اپنے نامور بھتیجے کے قاتلوں کے خلاف نالش کی۔ چنانچہ وہ اس میں کامیاب ہوئے اور قاتلوں کو سزا دی گئی۔

قاضی ممدوح کے پانچ بیٹے تھے۔ قاضی محمد صالح، مفتی محمد فاضل، خواجہ صدر الدین محمد حاکم الملقب بہ شاہ ولایت بندگی، مولانا محمد قاسم اور مولانا محمد ہاشم ②۔ یہ پانچواں علم و فضل اور نیکی و صالحیت کی دولت سے بہرہ ور تھے۔ والد کی وفات کے بعد انھیں بحکم سلطانی قضا و افتا کے مناصب جلیلہ پر متعین کیا گیا اور تولیت اوقاف دی گئی۔ نیز انعامات سلطانی، خلعت اور جاگیریں عطا کی گئیں ③۔

## ۱۲۷۔ شیخ عبدالصمد ردولوی

شیخ عبدالصمد بن اسماعیل بن صفی الدین بن نصیر الدین صفوی ردولوی، ردولی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ اپنے والد شیخ اسماعیل بن صفی الدین سے علم حاصل کیا اور ایک مدت تک ان کی صحبت و رفاقت میں رہے۔ یہاں تک کہ علوم و فنون پر نظر و استحضار میں اپنے تمام اقران و معاصرین پر سبقت لے گئے۔ فقہ و کلام اور علوم عربیہ میں یگانہ روزگار تھے۔

شیخ عبدالصمد ردولوی، شیخ اسماعیل ردولوی کے سب سے بڑے لڑکے تھے۔ فہم و ذکاوت، علم و ادراک

① حیوة العلماء، ص ۱۲۔

② مولانا محمد ہاشم عالم دین اور فقیہ تھے۔ کتاب بستان فقیہ ابوللیث سمرقندی کا ایک نسخہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا، ہندوستان میں موجود ہے جو بوسیدہ، کرم خوردہ اور ناتمام ہے۔ اس نسخے پر جابجا ان کے محققانہ حواشی ہیں۔ آخری ورق پر ۹۹۲ھ مرقوم ہے۔ عبارت خاتمہ مع نام و نسب کاتب اور مہر و دعائے ختم مندرج ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ حیوة العلماء ص ۱۲)

③ تفصیل کے لیے دیکھیے حیوة العلماء ص ۱۰ تا ۱۵۔ نیز دیکھیے نزہۃ الخواطر ج ۴، ص ۱۷۹ تا ۱۸۰۔

اور ذہانت و فراست میں اپنے دور کے عدیم المثال بزرگ تھے۔ شیخ عبدالقدوس ردولوی گنگوہی ان کے چھوٹے بھائی تھے جو علم و فضل، تصوف و طریقت اور زہد و عبادت میں مشہور تھے۔ وہ ان کو اپنے مراسلات و مکتوبات میں نہایت عزت و احترام کے الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں اور ان کے لیے صدر، محقق المعانی، مبین الفرقانی اور نعمان الثانی جیسے بھاری بھر کم القاب استعمال فرماتے ہیں ①۔

## ۱۲۸۔ شیخ عبدالصمد سرہندی

شیخ عبدالصمد حسینی سرہندی اپنے عصر کے فاضل بزرگ تھے اور فقہ، اصول فقہ اور علوم عربیہ میں ماہر تھے۔ اس زمانے میں جون پور کو علم و تصوف کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی اور شیخ قوام الدین جون پوری کا چشمہ فیض جاری تھا چنانچہ شیخ عبدالصمد نے وہاں کا قصد کیا اور ان سے مستفیض ہوئے ②۔

افسوس ہے دسویں ہجری کے اس سرہندی عالم و فقیہ کے اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ یہ بھی پتا نہیں چل سکا کہ یہ کب پیدا ہوئے، کہاں علم حاصل کیا، کن کن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اور خود ان سے کون کون حضرات مستفید ہوئے اور کب اور کہاں وفات پائی۔

## ۱۲۹۔ شیخ عبدالعزیز دہلوی

شیخ عبدالعزیز بن حسن بن طاہر عباسی دہلوی جون پوری ۸۹۸ھ (۱۴۹۳ء) کو جون پور میں پیدا ہوئے۔ ابھی عالم طفولیت ہی میں تھے کہ والد مکرم شیخ حسن وفات پا گئے۔ والد کی وفات کے بعد تربیت و تعلیم کی ذمہ داری والدہ پر آ پڑی۔ نیک بخت ماں نے بڑی محنت سے تربیت کی۔ عمر کی کچھ منزلیں طے ہوئیں تو شیخ محمد بن عبدالوہاب حسینی بخاری دہلوی کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ ان سے اور شیخ ابراہیم بن معین الدین ابرجی حسینی نے علم حاصل کیا۔ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ تصوف و طریقت سے بھی بہرہ یاب ہوئے۔ پھر عازم ظفر آباد ہوئے۔ وہاں قاضی خاں بن یوسف ناصحی کا سلسلہ فیض جاری تھا اور وہ تصوف میں ان کے والد کے کبار فیض یافتہ حضرات میں سے تھے، تین سال ان کی خدمت میں رہے۔

شیخ عبدالعزیز دہلوی جہاں اپنے دور کے جلیل القدر عالم دین تھے وہاں کثیر العبادت اللہ کی یاد میں مصروف رہنے والے، منکسر المزاج، طیب النفس، خوش طبع اور مستغنی عن الناس بھی تھے۔

ذاتی معاملات میں امر اور حکام سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے اور تمام وقت یاد الہی میں مصروف رہتے تھے۔ تاہم لوگوں کے کام کرانے میں ہر آن مستعد نظر آتے اور ان کے لیے خود اپنے معمولات چھوڑ کر اور

① نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۱۸۰۔

② ایضاً ص ۱۸۳۔ بحوالہ عاشقیہ۔

روزمرہ کے وظائف ترک کر کے بھی امرا و حکام کے پاس جاتے اور زہد و عبادت میں مشغول رہنے کے باوجود اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتے، جب تک سفارش قبول نہ کر لی جاتی اور ضرورت مند کا کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچ جاتا۔ بعض اوقات صبح سے شام تک یہی سلسلہ جاری رہتا اور تمام دن اصحاب اختیار کے دروازوں پر دستک دینے میں صرف ہو جاتا، کیوں کہ لوگوں کے کام آنا اور جائز امور میں ان کی سفارش کرنا ان کے نزدیک بہت بڑی نیکی سے تعبیر تھا۔

اکبر کے ابتدائی عہد میں شیخ عبدالعزیز کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی۔ بیرم خاں ان کا معتقد تھا۔ دوسرے امراء اکبری بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اخذ فیض کرتے تھے۔

ان کا سلسلہ تدریس بھی جاری تھا اور سلسلہ تصنیف بھی۔ تفسیر اور تصوف کے ماہر تھے اور اس موضوع سے متعلق کتابوں کا باقاعدہ درس دیتے تھے۔ ان کا تصنیفی ذوق بڑا بلند تھا اور وہ بائیس کتابوں کے مصنف یا شارح تھے۔ علم فقہ میں بھی عبور رکھتے تھے۔ اس موضوع کے بارے میں ان کی ایک تصنیف بھی ہے جس کا نام عمدۃ الاسلام ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور فقہ حنفی پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ علم سلوک کے متعلق آداب السلوک ان کی ایک تصنیف ہے۔ شیخ آمان اللہ پانی پتی کے رسالہ غیر یہ کے جواب میں رسالہ عینیہ تحریر کیا۔

اس فقیر منش عالم دین نے پیر کے روز ۶ جمادی الاخریٰ ۹۷۵ھ (۸ دسمبر ۱۵۶۷ء) کو دہلی میں وفات پائی۔ اپنے مکتوبات میں اپنے نام سے پہلے اپنے آپ کو ”ذره ناچیز“ لکھتے تھے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ وفات کے بعد جب ان کا مادہ تاریخ نکالا گیا تو معلوم ہوا کہ یہی لفظ ان کا مادہ تاریخ وفات ہے۔ ان کے شاگردوں میں ملا عبدالقادر بدایونی (مصنف منتخب التواریخ) شامل ہیں ①۔

## ۱۵۰۔ شیخ عبدالعزیز گجراتی

شیخ عبدالعزیز گجراتی کا سلسلہ نسب یہ ہے: ابوالقاسم عبدالعزیز بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن شاہو بن تگودر بن جام نندہ سندھی گجراتی۔ یہ سلطنت گجرات میں وزیر اعظم تھے، جنہیں مسند عالی کہا جاتا تھا، حکومت کی طرف سے آصف خاں کا لقب عطا ہوا تھا۔

ابوالقاسم عبدالعزیز جمعرات ۱۲ ربیع الاول ۹۰۷ھ (۲۵ ستمبر ۱۵۰۱ء) (ایک روایت کے مطابق ۹۰۹ھ (۱۵۰۳ء)) کو جاپانیر میں پیدا ہوئے اور اپنے والد (محمد) کی گود میں تربیت پائی۔ ابتداً عمر ہی میں حصول علم میں مشغول ہو گئے تھے۔ پہلے صرف نحو اور معانی و بیان کی تعلیم حاصل کی۔ پھر علوم شرعیہ کی طرف توجہ مبذول کی اور قاضی برہان الدین نہروالا کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ ان سے حدیث اور اس سے متعلقہ

① تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۲۲، ۱۲۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۸۳، ۱۸۴۔ مفتاح التواریخ، ص ۱۷۶۔ رود کوثر، ص ۱۷۰۔ تاریخ

شیراز ہند جون پور، ص ۶۷۶، ۶۷۷۔ اخبار الاخبار، ص ۲۸۲۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز، ص ۹۰۔



علوم کی تحصیل کی۔ بعد ازاں خطیب ابوالفضل گاذرونی اور سید ابوالفضل استر آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے منطق و فلسفہ اصول اور طب کی کتابیں پڑھیں۔ تعلیم سے فارغ ہوئے تو اللہ نے ان کے لیے اقبال و کامیابی کے دروازے کھول دیے اور سلطان بہادر شاہ والی گجرات نے (جو یکم شوال ۹۳۲ھ (۱۱ جولائی ۱۵۲۶ء) کو تخت گجرات پر متمکن ہوا اور رمضان المبارک ۹۳۳ھ (مارچ ۱۵۳۷ء) کو اسے پرتگالیوں نے دریا میں غرق کر دیا) ان کو اپنی ندیم و مصاحب مقرر کر لیا۔ وزارت کا منصب عطا کیا اور حبیب الملک کا خطاب دیا۔ اس زمانے میں بہادر شاہ کا وزیر اعظم مجد الدین محمد بن محمد ایچی تھا، جو بڑی عمر کو پہنچ گیا تھا اور بہت کمزور ہو گیا تھا۔ وہ وزارت عظمیٰ سے مستعفی ہوا تو سلطان نے اس کی جگہ ابوالقاسم عبدالعزیز کو وزارت عظمیٰ کا منصب عطا کیا اور ان کو مسند عالی آصف خاں کے لقب سے ملقب کیا۔ اسی اثنا میں ہمایوں نے گجرات پر غلبہ حاصل کر لیا تو ان کو ۹۳۲ھ (۱۵۳۶ء) میں مکہ مکرمہ بھیج دیا گیا۔ وہاں یہ سکہ رائج الوقت کے سات سو صندوق لے کر گئے اور بے شمار دولت مستحقین میں تقسیم کی۔ ۹۳۳ھ (۱۵۳۸ء) میں مکہ مکرمہ پہنچے تھے۔

والی مکہ ابونبی بن برکات حسینی سے ملاقات ہوئی تو دونوں ایک دوسرے سے متاثر ہوئے۔ بعد ازاں مکہ مکرمہ سے مصر پہنچے۔ اس وقت ان کے وکیل سراج الدین عمر نہر والا اور والی مکہ کے حاجب ان کے ساتھ تھے۔ حاکم مصر خسرو پاشا کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو اس نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ جب دونوں کی آپس میں گفتگو ہوئی تو حاکم مصر ان کے اسلوب کلام اور علم و فضل سے انتہائی متاثر ہوا اور کہا: وہ ملک کیوں کر کسی حادثے سے دوچار ہو سکتا ہے جس کے ارکان حکومت میں آپ جیسے ذہن و فکر کے حامل افراد موجود ہوں۔ انھوں نے جواب دیا، کسی ملک کو فتح تو تلوار کے زور سے کیا جاتا ہے مگر اس کے تحفظ کے لیے رائے و تدبیر سے بہرہ ور ہونا ضروری ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے دو مثالیں دیں۔ ایک بنو امیہ کے حکمران مروان کی کہ وہ بڑا شجاع اور بہادر حکمران تھا اور ساتھ ہی انتہائی صابر بھی تھا، یہاں تک کہ مصائب و آلام پر صبر کی وجہ سے لوگوں نے اسے حمار کا لقب دے رکھا تھا اور وہ مروان الحمار کے نام سے معروف تھا۔ رائے و تدبیر کی نعمت سے محروم تھا، لہذا ناکام رہا۔

دوسری مثال انھوں نے عبدالحمید کاتب کی دی جو منصور عباسی کے دور کا بہت بڑا ادیب تھا۔ جب منصور نے اس کے قتل کا حکم دیا تو اس نے منصور سے زندہ رہنے کی التجا کی اور کہا مجھے قتل نہ کرو اور مکتوبات و رسائل اور دستاویزیں معرض کتابت میں لانے کی خدمت پر مامور کر دو۔ منصور نے کہا۔ ہمارے لیے تمہاری تحریر سے بڑھ کر اور کوئی شے نقصان دہ نہیں ہو سکتی۔ تمہارا قلم تلوار سے زیادہ مہلک ہے۔ تمہیں زندہ رہنے دینا اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے کہا حکومت و فرمان روائی اللہ کے ہاتھ میں ہے، جب تک اسے کسی سلطنت کو باقی رکھنا منظور ہوتا ہے، وہ اس کے ارباب اقتدار کو عقل و فراست اور رائے و تدبیر کی دولت سے نوازتا رہتا ہے

اور جب اس کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے تو وہ اس سے اس عظیم نعمت کو چھین لیتا ہے۔

شیخ عبدالعزیز کچھ عرصہ مصر میں رہے۔ پھر مختلف علاقوں سے ہوتے ہوئے واپس مکہ مکرمہ پہنچے۔ ۹۵۵ھ (۱۵۴۸ء) تک وہاں قیام پذیر رہے۔ اس سلسلے کے واقعات بہت طویل ہیں اور ہمارے موضوع سے تعلق بھی نہیں رکھتے اس لیے ان کے تذکرے کی ضرورت نہیں ہے۔ سلطان محمود شاہ تخت گجرات پر متمکن ہوا تو اس نے ان کو واپس ہندوستان بلا لیا اور وزارت کا منصب عطا کیا۔

مکہ مکرمہ میں یہ تقریباً دس سال مقیم رہے۔ اس طویل مدت میں انھوں نے کوئی فرض نماز بلا عذر شرعی گھر میں ادا نہیں کی۔ بلا ناغہ بیت اللہ میں باجماعت نماز پڑھتے۔ تمام وقت تلاوت قرآن، مطالعہ حدیث اور مطالعہ فقہ میں صرف ہوتا وہاں کے علما و فقہانے علمی مجالسیں رہتیں اور دقیق اور اہم شرعی مسائل زیر بحث آتے۔ تفسیر میں زیادہ تر بیضاوی و کشاف کا مطالعہ کرتے۔ احادیث میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحاح ستہ اور ان کے شروح و حواشی خود پڑھتے، دوسروں کو بھی پڑھاتے۔ کتب فقہ میں سے ہدایہ، اس کی شروح، کنز اور اسی قسم کی دیگر کتابوں سے دلچسپی رکھتے۔ اصول فقہ میں تلویح، شرح مواقف اور ان کے حواشی کو سامنے رکھتے۔ غرض ہر وقت علمی و فقہی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتے اور مکہ مکرمہ کے علمائے کرام سے دلچسپ بحثیں ہوتیں۔

تہجد کے پابند تھے، نماز خشوع و خضوع سے پڑھتے، قرآن مجید سے انتہائی شغف تھا۔ ان کا معمول تھا کہ سفر میں ہوں یا حضر میں، ہر رات نماز تہجد میں کم و بیش دس پارے کامل غور و فکر سے پڑھتے۔ ہر رمضان میں بیت اللہ میں اعتکاف کرتے اور ہمہ وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہتے۔

فقر اور مساکین، علما و فقہا، زہاد و صلحا اور اولیا و مشائخ سے خاص تعلق رکھتے، ان کی مجلسوں میں بیٹھتے، ان کی مالی امداد کرتے اور ان سے مل کر خوشی اور مسرت کا اظہار فرماتے۔

علمائے مکہ میں ایک عالم دین شیخ ابوالحسن بکری شافعی تھے جو علوم میں اجتہاد و امامت کے مرتبے پر فائز تھے۔ ان کی عادت تھی کہ کبھی کسی کے گھر نہ جاتے اور کسی سے کوئی رابطہ نہ رکھتے، خود دار اور صاحب عظمت عالم تھے۔ ان کی ملاقات شیخ عبدالعزیز گجراتی سے ہوئی تو ان کے علم و فضل، فقاہت اور وسعت مطالعہ سے بہت متاثر ہوئے اور بلا تکلف ان کے ہاں آنے جانے لگے۔

شیخ عبدالعزیز نے مکہ مکرمہ میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا، جس کی مسند تدریس پر شیخ عزالدین عبدالعزیز زمزمی اور شیخ شہاب الدین احمد بن حجر کی فائز تھے۔

تخت گجرات پر سلطان محمود شاہ متمکن ہوا تو اس نے ان کو مکہ مکرمہ سے ہندوستان واپس بلا لیا اور عہدہ وزارت پر متعین کیا۔ سلطان مذکور ہر معاملے میں اس سے مشورہ لیتا اور وہ اس کے نزدیک ہر اعتبار سے قابل اعتماد تھے۔ افسوس ہے اس عالم دین رکن حکومت کو اوائل ربیع الاول ۹۶۱ھ (فروری ۱۵۵۴ء) میں ایک اور رکن

حکومت برہان الدین نے قتل کرادیا۔ ان کی شہادت پر ایک کھرام بپا ہو گیا اور مختلف حضرات نے ان پر کئی مرثیے لکھے ①۔

شیخ عبدالعزیز گجراتی کے حالات میں شیخ ابن حجر مکی نے ایک رسالہ تحریر کیا تھا۔

## ۱۵۱۔ مولانا عبدالعزیز ابہری کاہانی

مولانا عبدالعزیز ابہری کاہانی جو شیخ عماد الدین کاہانی سندھی کے لقب سے ملقب تھے اپنے دور کے محدث و فقیہ تھے اور ان کا شمار حدیث و فقہ کے اکابر علما میں ہوتا تھا۔ عرصے تک مدرسہ شاہ رخ مرزا (یا مدرسہ سلطانیہ) اور ہرات کی خانقاہ اخلاصیہ میں درس دیتے اور تشنگان علوم کو اپنے فیوض علمیہ سے سیراب کرتے رہے۔ دراصل یہ ایران کے شہر ہرات کے رہنے والے تھے۔ جب بلاد ایران فسادات کی لپیٹ میں آئے اور وہاں شاہ اسماعیل صفوی نے خروج کیا تو یہ ۹۲۸ھ (۱۵۲۲ء) کے لگ بھگ ہرات سے نکلے اور ارض سندھ میں آ کر مقیم ہو گئے۔ ان کے دو بیٹے مولانا اثیر الدین اور مولانا یار محمد بھی ساتھ تھے جو جلیل القدر علمائے دین تھے۔ سندھ میں ان دنوں جام فیروز کی حکومت تھی۔ انھوں نے کاہان کو اپنا مسکن ٹھہرایا جو اعمال سیوستان میں ایک معروف قریہ تھا۔ بہت جلد ان کی شہرت قرب و جوار میں پھیل گئی اور طلبائے علم و سبب تعداد میں حصول علم کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ ان سے بے شمار علمائے شاگردوں نے لوگوں کو بہت فیض پہنچایا۔

تدریس کے علاوہ ان کا تصنیفی ذوق بھی بلند تھا جس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ انھوں نے نظام الدین علی شیر کے لیے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح لکھی اور بھی مختلف درسی کتابوں پر حواشی و تعلیقات سپرد قلم کیں۔ ملا عبدالباقی نہاوندی نے والی سندھ جام فیروز کے عہد کے واقعات بیان کرتے ہوئے مآثر رحیمی میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ مشکوٰۃ کی شرح یہ مکمل نہیں کر پائے تھے۔ الفاظ یہ ہیں:

و در آن وقت مخدوم عبدالعزیز ابہری محدث و مولانا اثیر الدین و مولانا ② محمد پسران او کہ ہر یک عالمے تبحر بودند بکاہان رفتہ چند سنین بنشر و افادہ علوم پر داخند و آمدن ایشان از ہرات بسند بسبب خروج شاہ اسماعیل بود در ایران بتاریخ شہور ثمان و عشرین و تسعمائے و شرح مشکوٰۃ نوشتہ انداماً با تمام نرسیدہ۔ و جامع علوم عقلی و نقلی بودہ و در کاہان بجوار رحمت ایزدی پیوستہ در بقعہ کاہان برآ سودہ اند ③۔

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۸۵ تا ۱۹۳۔ نیز دیکھیے تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۲۵۰ تا ۲۵۱۔

② دیگر تذکروں میں مولانا یار محمد مرقوم ہے۔

③ مآثر رحیمی ج ۲ ص ۲۷۵۔

یعنی جام فیروز کے عہد حکومت میں مخدوم عبدالعزیز ابہری محدث اور ان کے بیٹے مولانا اشیر الدین اور مولانا محمد جو کہ تبحر عالم تھے، کاہان تشریف لائے اور کئی سال نشر علوم اور افادہ طلبا میں مصروف رہے۔ یہ حضرات شاہ اسماعیل صفوی کے خروج کی وجہ سے جو کہ ۹۲۸ھ (۱۵۲۲ء) کے زمانے میں ایران میں ہوا تھا، ہرات سے سندھ آئے۔ انھوں نے مشکوٰۃ کی شرح سپرد قلم کی لیکن وہ ناتمام رہی۔ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے۔

خطہ کاہان میں اللہ کے جوار رحمت میں آسودہ ہیں۔

کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے ان کی شرح مشکوٰۃ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

عبدالعزیز بن محمد بن عبدالعزیز الابہری المتوفی (فی حدود) سنة خمس تسعين و تمانمائة لامير على شير و سماه منهاج المشكوه ②۔

یعنی عبدالعزیز بن محمد بن عبدالعزیز ابہری نے جو ۸۹۵ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے، امیر علی شیر کے لیے (مشکوٰۃ کی شرح لکھی) اور اس کو منهاج المشکوٰۃ کے نام سے موسوم کیا۔

بہر حال مولانا عبدالعزیز ابہری دسویں صدی ہجری کے دیار ہند کے ایک عالم و فقیہ اور محدث بزرگ تھے۔ انھوں نے تدریس اور تصنیف دونوں طریق سے اہل علم کو مستفید فرمایا۔ ان کا تذکرہ اگرچہ مختصر الفاظ میں ہے تاہم برصغیر کی اسلامی اور علمی تاریخ کی متعدد کتابوں میں کیا گیا ہے ④۔

① تاریخ معصومی میں ۹۱۸ھ (۱۵۱۲ء) لکھا ہے۔ دیکھیے ص ۱۰۶۔

② کشف الظنون ج ۲ ص ۱۷۰۰۔

③ حاجی خلیفہ سے ان کے سن وفات کے بارے میں سہو ہو گیا ہے۔ بلاشبہ ان کی صحیح تاریخ وفات کا علم نہیں ہو سکا، تاہم یہ حقیقت ہے کہ وہ تاریخ معصومی کی روایت کے مطابق ۹۱۸ھ (۱۵۱۳ء) میں اور ماثر رحیمی کے مطابق ۹۲۸ھ (۱۵۲۲ء) میں سندھ آئے۔ سندھ میں عرصے تک تدریسی اور تصنیفی خدمات انجام دیتے رہے۔ لہذا ۸۹۵ھ (۱۴۹۰ء) کو کسی صورت میں ان کا سن وفات قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہاں صاحب نزہۃ الخواطر علامہ عبدالحی حسنی لکھنوی سے بھی کشف الظنون کے حوالے کے سلسلے میں سبقت قلم ہو گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

و ذکرہ الفاضل الجلبی فی کشف الظنون؛ وقال انه مات سنة ثمان وعشرين وتسع مائة ولا یصح فانه خرج من ہرات فی تلك السنة ومات بکاهان۔ (نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۹۳)

یعنی کشف الظنون میں حاجی خلیفہ چلبی نے ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے ۹۲۸ھ (۱۵۲۲ء) میں وفات پائی، یہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس سال تو وہ ہرات سے نکلے تھے۔ ان کی وفات کاہان ہوئی۔

نزہۃ الخواطر کے الفاظ نقل کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ حاجی خلیفہ نے ان کا سال وفات ۹۲۸ھ (۱۵۲۲ء) نہیں لکھا بلکہ ۸۹۵ھ (۱۴۹۰ء) لکھا ہے، لفظوں میں بھی اور ہندسوں میں بھی۔

④ ملاحظہ ہو۔ ماثر رحیمی ج ۲ ص ۲۷۵۔ تاریخ معصومی ص ۱۰۶۔ تحفۃ الکرام ص ۴۴۲۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۹، ۲۷۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۹۳، ۱۹۴۔

## ۱۵۲۔ قاضی عبدالغفور پانی پتی

قاضی عبدالغفور پانی پتی بھولا کے عرف سے معروف تھے۔ شیخ وقت اور عالم و فقیہ تھے۔ ان کا شمار اپنے عصر کے مشاہیر فقہاء میں ہوتا تھا۔ حنفی المسلك تھے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے معاصر تھے۔ وحدت الوجود کے مسئلے سے متعلق انہوں نے شیخ عبدالقدوس سے مناظرہ و مباحثہ بھی کیا تھا۔ شیخ عبدالقدوس کے بیٹے شیخ رکن الدین محمد بن عبدالقدوس نے لطائف قدوسی میں اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ مناظرہ خاصی دیر جاری رہا تھا۔ بالآخر قاضی ممدوح خاموش ہو گئے تھے اور شیخ کی گفتگو کا جواب نہیں دے سکے تھے ①۔

## ۱۵۳۔ مفتی عبدالغفور امر وہوی

مفتی عبدالغفور بن عبدالملک بن محمود حسینی امر وہوی عالم باعمل، فقیہ اور اللہ کے صالح بندے تھے۔ ان کے والد شیخ عبدالملک امر وہی کی مسند افتا پر فائز تھے۔ باپ کی وفات کے بعد ۹۵۰ھ (۱۵۴۳ء) میں مفتی عبدالغفور نے یہ مسند سنبھالی اور علم و افتا کے سلسلے میں باپ کے صحیح جانشین ہوئے۔ تادم زندگی اس منصب پر متمکن رہے۔ ۹۹۰ھ (۱۵۸۲ء) میں یا اس کے لگ بھگ وفات پائی۔ ۹۹۰ھ (۱۵۸۲ء) میں یہ مسند ان کے بیٹے مفتی عبدالقدوس کے سپرد ہوئی ②۔

## ۱۵۴۔ شیخ عبدالغفور اعظم پوری

شیخ عبدالغفور اعظم پوری اعظم پور کے رہنے والے تھے جو ہندوستان کے صوبہ یوپی میں واقع ہے۔ صالح عالم دین اور فقیہ وقت تھے۔ مسلک حنفی تھے۔ کتب درسیہ شیخ نظام الدین کا کوروی سے پڑھیں اور طویل مدت تک ان سے وابستہ رہے۔ تصوف و طریقت سے دلچسپی پیدا ہوئی تو شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اخذ طریقت کیا۔ اللہ نے صورت و سیرت دونوں سے نوازا تھا۔ علمائے ربانی میں سے تھے۔ بیعت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ بیعت لینے والوں کو امور خیر پر قائم رہنے کی تلقین کرتے اور برائی کے ارتکاب سے روکتے۔ عوام کے علاوہ علماء و مشائخ نے بھی ان سے استفادہ اور استفادہ کیا۔

دسویں صدی ہجری کے اس ہندی عالم دین نے بیاسی ۸۲ سال کی عمر پا کر ۹۸۵ھ (۱۵۷۷ء) میں

وفات پائی ③۔

① لطائف قدوسی ص ۵۶۵۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۹۵۔

② نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۹۵۔ بحوالہ نخبۃ التواریخ۔

③ منتخب التواریخ ص ۲۹۲۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲۵۔ طبقات اکبری ص ۳۹۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۹۶، ۱۹۵۔

## ۱۵۵۔ شیخ عبدالغنی فتح پوری

شیخ عبدالغنی بن حسام الدین صدیقی فتح پوری ایک فاضل بزرگ تھے اور فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ فتح پور میں پیدا ہوئے جو اعمال لکھنؤ میں واقع ہے۔ وہیں نشوونما پائی۔ عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو حصول علم کے لیے جون پور کا قصد کیا اور وہاں شیخ معروف بن عبدالواسع جون پوری اور دیگر علما سے کسب علم کیا۔ شیخ نظام الدین عثمانی اٹیٹھوی بھی ان کے شریک درس تھے اور ان کی آپس میں بہت دوستی تھی۔ مدت تک شیخ معروف کی خدمت میں رہے۔ علم طریقت بھی ان سے حاصل کیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے وطن فتح پور واپس آئے اور درس و افادہ میں مصروف ہو گئے ①۔

## ۱۵۶۔ علامہ عبدالقادر سرہندی

علامہ عبدالقادر حنفی سرہندی (جنہیں گلزار ابرار میں مولانا عبدالقادر صابونی لکھا گیا ہے) شیخ عصر اور فاضل بزرگ تھے۔ علم و تحقیق کی وسعتوں کی بنا پر دسویں صدی ہجری میں دیار ہند کے مشہور اساتذہ میں گردانے جاتے تھے۔ شیخ الہداد (اللہ داد) بن صالح سرہندی سے تحصیل علم کی اور بہت عرصے تک ان سے وابستگی و مصاحبت اختیار کیے رکھی۔ پھر دہلی میں مسند تدریس پر فائز ہوئے اور تمام عمر درس و افادہ میں مصروف رہے۔ اپنے عصر اور شہر میں ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا۔ مخدوم الملک شیخ عبداللہ سلطان پوری اور بہت سے لوگوں نے ان سے کسب علم کیا۔

علوم و فنون پر علامہ عبدالقادر سرہندی کے عبور و مہارت کا یہ عالم تھا کہ شیخ الہداد جون پوری (اللہ داد جون پوری) نے علم نحو کی مشہور کتاب کافیہ کی جو شرح لکھی اس پر انہوں نے حواشی و تعلیقات لکھیں جس کی علامہ عصام الدین اسفراہینی نے اس درجہ تحسین کی کہ انہیں اپنی کتاب الاطول تحفے کے طور پر بھیجی۔ ان کی شہرت علمی کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ علم بیان کی معروف کتاب مطول کے محشی شیخ حسن چلی ہندوستان آئے تو ان کی زیارت و ملاقات کے لیے سرہند گئے۔ ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور ان کے فضل و کمال کا واضح الفاظ میں اعتراف کیا ②۔

## ۱۵۷۔ قاضی عبداللہ سندھی

قاضی عبداللہ بن ابراہیم عمری سندھی دیار سندھ کے ایک شہر دریلہ میں پیدا ہوئے اور شارح مشکوٰۃ

① نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۹۶ بحوالہ تحقیق الانساب۔

② اذکار ابرار (دریاد شیخ اللہ داد بن صالح) ص ۴۹۴۔ مرآة العالم بخاور خان۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۹۸۔

شیخ عبدالعزیز ابہری سے اخذ علم کیا۔ اپنے زمانے کے شیخ عالم و فقیہ متقی اور پرہیزگار تھے۔ مگر مزاج میں سختی اور تیزی کا عنصر غالب تھا۔ ابتدا میں اپنے اصل وطن درہیلہ میں رہتے تھے اور وہاں ان کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ لیکن جب شاہی بیگ نے سندھ فتح کیا تو باغبان اور راوت چلے گئے تھے پھر کچھ عرصہ ہی بعد ۹۳۲ھ (۱۵۲۸ء) میں سندھ سے عازم گجرات ہوئے وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہیں وفات پائی۔

قاضی عبداللہ کے تین خلیفے اور شاگرد تھے، وہ تھے شیخ صالح، شیخ رحمت اللہ اور شیخ حمید۔ شیخ رحمت اللہ اور شیخ حمید قاضی ممدوح کے فرزند تھے۔ پہلے تو یہ دونوں ہندوستان رہے بعد کو حرین شریفین چلے گئے تھے۔ دونوں بھائیوں نے عمر کا زیادہ حصہ وہیں گزارا اور خدمت دین میں مصروف رہے۔

قاضی عبداللہ کے بیٹے شیخ رحمت اللہ اپنے عہد کے یگانہ عالم دین تھے۔ احکام حج کے بارے میں انھوں نے تین رسالے تصنیف کیے جن میں ایک کا نام ”المسک الحج“ ہے۔ ملا علی قاری نے اس کو بالخصوص اہمیت دی اور اس کی شرح لکھی۔ ان کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا۔

دوسرے فرزند شیخ حمید بھی علم و فضل کے زیور سے آراستہ اور علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر تھے۔ تفسیر و حدیث میں خصوصیت سے درک حاصل تھا۔ تاریخ معصومی کے مصنف میر محمد معصوم بھکری کے استاد تھے۔ میر موصوف نے ان سے مشکوٰۃ اور دیگر کتب احادیث کا باقاعدہ درس لیا اور سند و اجازہ سے سرفراز ہوئے۔ حرین شریفین گئے اور پھر مکہ شریف ہی میں سکونت اختیار کر لی۔ وہاں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور مکہ مکرمہ کے علما میں قدر و منزلت کے حامل قرار پائے۔

قاضی عبداللہ سندھی مکہ مکرمہ کس طرح پہنچے؟ اور زادراہ کہاں سے ملا؟ بات یہ ہے کہ ان کے قیام گجرات کے زمانے میں ایک عالم شیخ علی متقی گجرات میں موجود تھے جن کے زہد و اتقا کی بڑی شہرت تھی اور اسی وجہ سے بلاد گجرات میں بہت ہی قبولیت و عظمت کے مالک تھے۔ والی گجرات بہادر شاہ ان کے فضل و کمال کا انتہائی معترف تھا اور ان کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان سے استفادہ کرنے کا خواہاں تھا، مگر شیخ متقی اس پر رضامند نہ ہوتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ بادشاہ ان کی مجلس میں آئے۔ ایک روز اس نے قاضی عبداللہ سندھی سے بات کی اور بتائی ہوا کہ شیخ علی متقی اسے اپنی مجلس میں حاضر ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ قاضی موصوف نے شیخ سے بادشاہ کی اس خواہش کا اظہار کیا اور ان کی مجلس میں آنے کے لیے سفارش کی تو نہایت خفا ہوئے اور فرمایا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ وہ میرے پاس اپنی تمام منکرات اور خلاف شرع امور کے ساتھ آئے اور میں اسے نیکی پر عمل پیرا ہونے کا اور برائی سے رکنے کا حکم نہ دوں۔ میں لازماً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجالاؤں گا۔ اگر اسے یہ منظور ہے تو آنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ قاضی نے بادشاہ سے بات کی تو اس نے عرض کیا کہ وہ جس انداز سے چاہیں امر بالمعروف کریں اور جس صورت میں مناسب سمجھیں نہی عن المنکر فرمائیں، مجھے سب منظور ہے۔

اب شیخ نے حاضر مجلس ہونے کی اجازت دی تو وہ انتہائی احترام کے ساتھ اندر آیا۔ شیخ کے ہاتھ کو بوسہ دیا وہاں کچھ دیر بیٹھا اور چلا گیا۔ پھر اس نے ایک لاکھ تکہ جو سکہ راج الوقت تھا، شیخ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ پوری رقم شیخ نے قاضی عبداللہ کو دے دی جو حرمین شریفین جانے کے لیے ان کا زادراہ ہوئی ①۔

## ۱۵۸۔ مولانا عبداللہ تلنہی

مولانا عبداللہ بن اللہ داد عثمانی تلنہی، شیخ عصر علامہ دہر اور فاضل وقت تھے۔ علاقہ ملتان کے مشہور مقام تلنبہ کے رہنے والے تھے۔ تلنبہ میں پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش پائی اور پھر اسی شہر اور اس کے قرب و جوار کے علما سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ یعنی حساب اور علوم عربیہ کی چند کتابیں پڑھیں۔ اور لکھنے کی مشق کی۔ مزید حصول علم کا شوق دامن گیر ہوا تو دیار ہند سے نکلے اور عراق عجم کی راہ لی۔ وہاں علامہ عبداللہ یزوی کا سلسلہ تدریس جاری تھا ان کے حلقہ تلمذ میں شامل ہوئے اور ان سے منطق و فلسفہ کی تکمیل کی۔ کئی سال ان سے استفادہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آغاز عمر اور عنفوان شباب ہی میں علوم نقلیہ و عقلیہ پر اس درجہ عبور حاصل کر لیا کہ سب سے سبقت لے گئے۔ اب وہ علوم مروجہ میں ماہر تھے اور اس باب میں اپنا کوئی حریف نہ رکھتے تھے۔ فرط ذکاوت، تیزی ذہن، قوت حافظہ اور سرعت ادراک میں اپنے معاصرین میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔

فارغ التحصیل ہو کر وطن واپس آئے تو ان کا شمار ملک کے اکابر علما میں ہونے لگا۔ اپنے شہر تلنبہ میں مسند تدریس آراستہ کی اور کئی سال درس و افادہ میں مصروف رہے۔ پھر ملتان اور اس کے گرد و نواح کے علاقے فتنہ و فساد کی زد میں آئے، تو تلنبہ کی سکونت ترک کر کے دہلی چلے گئے۔ (اس سفر میں مولانا عزیز اللہ تلنہی بھی ان کے ساتھ تھے جن کے حالات آگے بیان ہوں گے) تخت دہلی پر ان دنوں سلطان سکندر لودھی متمکن تھا۔ وہ علما کا بہت قدر دان تھا۔ اس کو مولانا عبداللہ کی دہلی میں آمد کی اطلاع ہوئی تو بے حد خوش ہوا۔ ان کی تشریف آوری کو مغتنم جانا اور ان کے علم و فضل کی فراوانیوں سے متاثر ہو کر انھیں ملک العلماء کا خطاب عطا کیا۔

سکندر لودھی کی طرف سے مولانا عبداللہ تلنہی کو دہلی کی مسند تدریس پیش کی گئی۔ ان کا حلقہ درس بہت وسیع تھا اور انھوں نے منطق و حکمت کی مشکل و دقیق کتابوں کو نہایت تحقیق سے پڑھانا شروع کیا۔ ان کے دہلی کے درس سے دیار ہند کے چالیس بتجر اور عظیم عالم دین فارغ ہو کر نکلے۔ انھوں نے مروجہ نصاب میں بڑی تبدیلی کی اور اس زمانے کے حالات کے مطابق اس میں نئی نئی کتابیں داخل کیں، مثلاً ان سے پہلے ہندوستان کے مدارس میں منطق کی شرح شمسہ اور علم کلام کی شرح الصحائف اور دیگر چند رسائل پڑھائے جاتے تھے، انھوں نے نصاب کو وسعت دی اور اس میں بہت سی دیگر کتابوں کو شامل کیا۔

① تاریخ معصومی، ص ۲۷۸، ۲۷۹۔ تحفۃ الکرام، ص ۴۴۲، ۴۴۳۔ اخبار الاخبار، ص ۲۸۰، ۲۸۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۰۲۔ نزہۃ

الخواطر، ج ۲، ص ۲۰۲، ۲۰۳۔ اذکار ابرار، ص ۵۰۴۔



شاہ ہند سکندر لودھی ان کے درس میں استفادے کی غرض سے حاضر ہوتا لیکن بے پاؤں آتا اور ادب سے ایک گوشے میں آ کر بیٹھ جاتا تا کہ بادشاہ کی آمد کی وجہ سے طلباء کے سبق میں خلل واقع نہ ہو۔ درس کے بعد مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا، ان کو سلام کرتا اور دیر تک مودب ہو کر ان کی صحبت میں بیٹھتا۔ اس ضمن میں ملا عبدالقادر بدایونی کے یہ الفاظ قابل مطالعہ ہیں:

ومی گویند کہ سلطان سکندر در وقت درس شیخ عبداللہ آید و بتقریب اینکہ مبادا خلل در سبق طلبہ افتد پنہاں در گوشہ مجلس آہستہ می نشست و بعد از فراغ درس سلام علیک گفتہ با یک دیگر صحبت می داشتند ①۔

سکندر لودھی علم اور اہل علم کا قدردان تھا۔ علما کی مجلس میں باقاعدہ حاضری دیتا اور ان کے خیالات سے استفادہ کرتا۔ وہ کبھی کبھی علما کے اجتماع بھی منعقد کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اقطاع ہند کے مختلف علمائے کرام کو جمع کیا۔ اس مجلس میں بعض مسائل زیر بحث لائے گئے۔ اس نے علما کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک فریق مولانا عبداللہ تلنسی اور مولانا عزیز اللہ تلنسی پر مشتمل تھا اور دوسرا شیخ الہداد (اللہ داد) جون پوری اور ان کے بیٹے شیخ بھکاری پر.....! بحث و مناظرہ کا آغاز ہوا تو دونوں فریقوں نے خوب خوب داد تحقیق دی۔ بحث تحریری اور تقریری دونوں صورتوں میں ہوئی۔ سلطان خود بھی ذی علم تھا اور مسائل کی باریکیوں کو سمجھتا تھا۔ اس نے فیصلہ دیا کہ فریق اول حسن تقریر میں فریق ثانی سے بازی لے گیا ہے اور فریق ثانی حسن تحریر میں فریق اول سے بڑھ گیا ہے۔

مولانا عبداللہ تلنسی علم فقہ سے بھی تعلق رکھتے تھے اور ان کا شمار اپنے دور کے نامور فقہاء میں ہوتا تھا۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع تھا جن میں سے چالیس سے زائد جلیل القدر علمائے دین نے خاص طور سے شہرت حاصل کی۔ ان میں مفتی جلال الدین ان کے بڑے بھائی شیخ عبدالغفور بن نصیر الدین دہلوی، میاں شیخ گوالیاری اور میراں جلال الدین بدایونی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے ہر عالم ان کے فیض صحبت سے نابغہ روزگار ہوئے اور اپنے عصر کے مشاہیر اساتذہ میں گردانے گئے۔ وہ اعلیٰ درجے کا تصنیفی ذوق بھی رکھتے تھے۔

مولانا عبداللہ تلنسی پہلے ہندی عالم ہیں جنہوں نے ہندوستان میں پہلے فلسفے کے مطالعے کو فروغ دیا اور پہلے ہندی مصنف ہیں جنہوں نے فلسفے کے موضوع پر کتابیں تصنیف کیں۔ انہوں نے بدیع المیزان کے نام سے منطق کی مشہور کتاب میزان المنطق کی شرح لکھی جو اس موضوع پر ایک ہندی عالم کی اولین تصنیف ہے۔ یہ شرح اور اصل متن اب بھی مقبول ہیں اور برصغیر میں منطق کے طلباء ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

اس کتاب کے قلمی نسخے انڈیا آفس لاہور لکھنؤ اور دہلی کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

مولانا عبداللہ تلنسی نے ۹۲۲ھ (۱۵۱۶ء) کو دہلی میں وفات پائی۔ قرآن کے الفاظ: **أُولَئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى** سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے ①۔

## ۱۵۹۔ مولانا عبداللہ جون پوری

مولانا عبداللہ بن اللہ داد جون پوری، حنفی المسلک تھے اور اپنے عصر کے شیخ و فاضل بزرگ تھے۔ جون پور میں پیدا ہوئے وہیں نشوونما پائی اور بچپن ہی میں اپنے والد مکرم شیخ اللہ داد جون پوری سے تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ علوم عربیہ میں ممتاز درجے تک پہنچے اور اپنے معاصرین و اقران سے فوقیت لے گئے۔ یہ وہی عالم دین ہیں جنہیں مصنف منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی شیخ بہکاری کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ برصغیر میں یہ رواج ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اصل ناموں کے علاوہ پیار سے دوسروں ناموں سے بھی پکارتے ہیں اور پھر یہ نام آخر تک بطور عرف ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے مولانا عبداللہ کے نام کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ ان کا اصل نام عبداللہ تھا انہیں بچپن میں بہکاری کے نام سے پکارا جاتا تھا جس کا آخر تک ان پر اطلاق ہوتا رہا۔

تذکرہ علمائے ہند میں شیخ بہکاری جون پوری ابن شیخ اللہ داد جون پوری کے عنوان سے ان کا تذکرہ موجود ہے اور انہیں سلطان سکندر لودھی کے عہد کے جید علما میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ وہی شیخ بہکاری ہیں اور ان کے والد شیخ اللہ داد جون پوری بھی وہی بزرگ ہیں جو سلطان سکندر لودھی کے دربار کے ایک مناظرے میں مولانا عبداللہ تلنسی اور مولانا عزیز اللہ تلنسی سے تحریر میں سبقت لے گئے تھے ②۔

## ۱۶۰۔ شیخ عبداللہ متقی سندھی

شیخ عبداللہ بن سعد اللہ متقی سندھی، سرزمین سندھ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ سندھ سے گجرات چلے گئے۔ گجرات میں سندھ کے ایک اور عالم و فقیہ قاضی عبداللہ بن ابراہیم سندھی مقیم تھے۔ ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ء) میں ان سے ملاقی ہوئے۔ پھر حرمین شریفین تشریف لے گئے اور وہاں کے علمائے کرام اور صاحب کنز العمال شیخ علی متقی برہان پوری سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ مدینہ منورہ میں طویل عرصے تک مقیم رہے۔ یہاں تک کہ شیخ عبداللہ مہاجر مدنی کے نام سے معروف ہوئے۔ تفسیر اور حدیث کے جلیل القدر عالم تھے ان کے زمانے میں علم و فضل کے میدان میں کوئی ان کی ٹکر کا نہ تھا۔

مدینہ منورہ میں کئی سال کی اقامت کے بعد ۹۷۷ھ (۱۵۷۰ء) میں شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ

① تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۱۔ ابجد العلوم ص ۸۹۴۔ مآثر الکرام ص ۱۷۶، ۱۷۵۔ سبحة المرجان ص ۴۲۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص

۲۰۵، ۲۰۴۔ منتخب التواریخ ص ۸۶۔ حدائق الحنفیہ ص ۳۶۲، ۳۶۳۔

② نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۰۵۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۳۳۔ نیز ملاحظہ ہو منتخب التواریخ ص ۸۶۔

سندھی کی معیت میں مراجعت فرمائے ہند ہوئے اور کئی سال گجرات میں مقیم رہے وہاں درس و افادہ میں مشغول ہو گئے۔ اس اثنا میں ان سے خلق کثیر نے استفادہ کیا اور بہت سے علما ان کے حلقہ درس سے فارغ ہو کر نکلے۔ گجرات سے پھر عازم مکہ مکرمہ ہوئے۔

شیخ عبداللہ جہاں زیور علم و فضل سے آراستہ تھے وہاں ورع و تقویٰ اور زہد و عبادت میں بھی عدیم المثال تھے اور اسی بنا پر لوگوں میں عبداللہ متقی کے نام سے معروف تھے۔

تصنیف و تالیف کے ذوق سے بھی بہرہ ور تھے۔ جمع المناسک و نفع المناسک ان کی تصنیفات میں سے ہے۔ یہ کتاب انھوں نے ۹۵۰ھ (۱۵۴۳ء) میں تصنیف کی۔ اس کے علاوہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے عوارف المعارف پر حواشی تحریر کیے۔

دسویں صدی ہجری کے ہندوستان کے اس نامور مفسر اور شہرہ آفاق محدث نے ماہ ذی الحجہ ۹۸۴ھ کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی ①۔

النور السافر میں ان کے بارے میں جو الفاظ مرقوم ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے:  
شیخ علامہ بہت سے فنون کے ماہر تھے۔ عبداللہ بن سعد الدین مدنی سندھی نے ذی الحجہ ۹۸۴ھ (مارچ ۱۵۷۷ء) کے ماہ ذی الحجہ میں مکہ شریف میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف میں سہروردی کی عوارف المعارف پر حاشیہ بھی ہے ②۔

## ۱۶۱۔ شیخ عبداللہ انصاری سلطان پوری

شیخ عبداللہ بن شمس الدین انصاری سلطان پوری عالم کبیر اور شیخ عصر تھے۔ مخدوم الملک کے خطاب سے مشہور تھے۔ اصلاً علاقہ سندھ کے شہر ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے دادا ٹھٹھہ سے مشرقی پنجاب کے شہر جالندھر چلے گئے تھے۔ شیخ عبداللہ اسی علاقے کے ایک مقام سلطان پور میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ اس زمانے میں سرہند میں علامہ عبداللہ سرہندی متوفی ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۲ء) کی مسند تدریس پچھی ہوئی تھی۔ یہ وہاں پہنچے اور ان سے کتب درسیہ کی تکمیل کی۔ سرہند سے دہلی گئے۔ وہاں شیخ ابراہیم بن معین الدین حسینی اربجی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ ان سے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد واپس اپنے شہر آ گئے اور تدریس و تصنیف اور تذکیر و مواعظت میں مشغول ہو گئے۔ وسعت علم اور عمل و تقویٰ میں خاص شہرت کے حامل تھے اور اس سلسلے میں ان کو اللہ نے بڑی قبولیت اور عظمت سے نوازا تھا ③۔

① تحفۃ الکرام ص ۴۴۳۔ تاریخ معصومی ص ۲۸۱۔ ہدیۃ العارفین ج ۱ ص ۲۷۲، ۲۷۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۲، ۲۶۸۔

نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۰۵، ۲۰۶۔

② النور السافر ص ۳۵۷۔

③ منتخب اللباب ج ۱ ص ۲۳۰، ۲۳۱۔

مغل حکمران نصیر الدین ہمایوں ان سے بے حد عقیدت رکھتا تھا۔ اس نے ان کو شیخ الاسلام کا منصب عطا کیا اور جب تک وہ حکمران رہا یہ اس منصب پر فائز رہے۔

شیخ عبداللہ سلطان پوری نے ہندوستان کے چار عظیم الشان بادشاہوں ہمایوں — شیر شاہ سوری، سلیم شاہ سوری اور جلال الدین اکبر — کا زمانہ پایا۔ یہ چاروں بادشاہ ان سے بے حد احترام سے پیش آتے تھے اور ان کے امرا و وزرا بھی ان کی بدرجہ غایت تکریم کرتے تھے۔ ہمایوں نے اپنے پہلے دور حکومت میں بھی ان کو پورے ملک ہند کا شیخ الاسلام مقرر کیا اور پھر جب وہ ایران سے واپس آ کر دوبارہ سریر آرائے سلطنت ہند ہوا تو بھی اس نے ان کو اسی منصب جلیلہ پر فائز کیا۔ شیر شاہ سوری نے ان کو صدر الاسلام کے لقب سے ملقب کیا۔ اس کا بیٹا سلیم شاہ سوری تو ان کا اتنا معتقد تھا کہ ان کو اپنے برابر تخت پر بٹھاتا اور پیش بہانہ ڈرانے پیش کرتا تھا۔

ہمایوں کے بعد ہندوستان کے اورنگ حکومت پر جلال الدین اکبر متمکن ہوا تو اس نے ان کو مخدوم الملک کے خطاب سے نوازا اور ایک لاکھ دام ان کا وظیفہ مقرر کیا۔ کئی سال تک اکبر ان سے انتہائی اکرام کے ساتھ پیش آتا رہا، لیکن جب اس کے دربار میں ملا مبارک کا عمل دخل ہوا اور اس نے بادشاہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ تو خود مجتہد فی المذہب ہے اس کے لیے مذہبی معاملات میں صدور و قضاة کی بات ماننا اور ان کی رائے پر عمل کرنا ضروری نہیں، تو اس نے ان کو دیار ہند سے نکل جانے اور حرمین شریفین چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ء) میں انھوں نے اس ملک سے رخت سفر باندھا اور مکہ مکرمہ جا پہنچے۔ وہاں کے اکابر علما کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے۔

اس زمانے میں شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی وہاں مقیم تھے۔ وہ ان سے انتہائی اجلال و تعظیم سے پیش آئے اور ان کی تشریف آوری کو علم اور اہل علم کے لیے نیک شگون قرار دیا۔ وہ خاصا عرصہ وہاں اقامت گزین رہے اور اس اثنا میں طلباء و علما نے ان سے بہت استفادہ کیا۔ بعد ازاں واپس ہندوستان آگئے اور گجرات میں مقیم ہو گئے، جہاں انھیں زہر کھلا کر مار دیا گیا۔

وہ علامہ زماں اور یگانہ دوراں تھے۔ حدیث، فقہ، اصول اور باقی علوم عربیہ اور تاریخ میں کوئی ان کا ہم سر نہ تھا۔ تمام مروجہ نقلی اور عقلی علوم میں ماہر کامل تھے۔ اہل بدعت اور اہل ہوا کے شدید مخالف تھے اور ان سے متعلق برملا اظہار عداوت کرتے تھے۔ دین کی ترویج اور شریعت کی تنفیذ میں ہر آن کوشاں رہتے اور اس سلسلے میں کسی سے کوئی رعایت نہ برتتے۔

ان کا تصنیفی ذوق بھی بلند تھا اور وہ متعدد کتابوں کے مصنف تھے جن میں کشف الغمہ، منہاج الدین، عصمتہ الانبیاء، شرح شمائل النبی ﷺ، شرح عقیدہ حافظیہ اور بہت سے رسائل شامل ہیں۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں شیخ عبداللہ سلطان پوری کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں، شیخ

موصوف متعصب اہل سنت میں سے تھے اور شیعہ کے شدید مخالف تھے۔ اس ضمن میں ملا عبدالقادر اور شیخ عبداللہ کے درمیان مکالمہ بھی ہوا اس کی جو تفصیل ملا موصوف نے بیان کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:

شیخ عبداللہ کو اس پر اصرار تھا کہ روضۃ الاحباب کا تیسرا دفتر امیر جمال الدین محدث کا تصنیف کردہ نہیں ہے۔ جس سال گجرات فتح ہوا تھا اور وہ (شیخ عبداللہ سلطان پوری) شاہی دیوان خانے کے وکیل تھے اور یہ زمانہ ان کے جاہ و جلال کا زمانہ تھا، میں (ملا عبدالقادر بدایونی) پنجاب کے سفر سے واپس آیا اور شیخ ابو الفضل (جو ابھی شاہی ملازم نہیں ہوا تھا) اور حاجی سلطان تھا پیری کے ساتھ مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری سے ملاقات کے لیے گیا۔ ہم نے دیکھا وہ روضۃ الاحباب کے تیسرے دفتر کو کھولے بیٹھے تھے اور کہہ رہے تھے۔ ”دیکھو ایرانی علما نے دین میں کتنی خرابی پیدا کر دی ہے۔“ پھر انھوں نے وہ شعر دکھایا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف میں کہا گیا تھا:

ہمیں بس بود حق نمائی او  
کہ کند شک در خدائی او

کہنے لگے ”اس نے تو فرض سے آگے بڑھ کر حلول خداوندی تک معاملہ پہنچا دیا ہے۔ میں نے طے

کر لیا ہے کہ اس جلد کو شیعوں کے سامنے جلا ڈالوں۔“

اس سے آگے ملا عبدالقادر لکھتے ہیں:

میں اس وقت نہایت گم نام اور غیر معروف تھا اور یہ ان سے پہلی ملاقات تھی پھر بھی جرأت کر کے

میں نے کہا یہ شعر تو ان اشعار کا ترجمہ ہے جو امام شافعی سے منسوب ہیں:

لو ان المرتضیٰ ابدی محلہ لصار الناس طرا سجدا لہ

کفی فی فضل مولانا علی وقوع الشک فیہ انہ اللہ

یہ اشعار سن کر عبداللہ سلطان پوری نے مجھے گھور کر دیکھا اور کہا: ”یہ کس کتاب میں ہیں؟“

میں نے کہا ”شرح دیوان امیر میں!“ کہا ”اس دیوان کا شارح قاضی میر حسین میبذی ہے اور وہ

بھی فرض سے متہم ہے۔“ میں نے کہا۔ یہ ”الگ بحث ہے۔“ ابو الفضل اور حاجی سلطان اپنے لبوں پہ ہاتھ رکھ

کر برابر مجھے خاموش ہو جانے کا اشارہ کر رہے تھے۔

پھر میں نے کہا: ”بعض معتبر لوگوں سے میں نے سنا ہے کہ روضۃ الاحباب کا تیسرا دفتر میر جمال

الدین محدث کا نہیں ہے ان کے بیٹے میرک شاہ یا کسی اور کا ہے۔ اس لیے کہ اس کا اسلوب تحریر پہلے دو دفتروں

کے اسلوب تحریر سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس کا اسلوب شاعرانہ ہے اور پہلے دو دفتروں کا محدثانہ ہے۔“

مخدوم الملک نے جواب دیا: ”اے بابا! میں نے تو دوسرے دفتر میں بھی ایسی باتیں دیکھی ہیں جو

صریحاً بدعت اور فاسد عقیدے پر دال ہیں۔ میں نے ان مقامات پر حواشی لکھ رکھے ہیں۔ چنانچہ مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت طلحہ نے جب سب سے پہلے حضرت امیر المومنین (علی) سے بیعت کی تو آپ نے فرمایا: ”یدشلاء و بیعة شلاء (یعنی ہاتھ بھی شل اور بیعت بھی شل) غور کرو کہ جو ہاتھ جنگ احد کے دن رسول اکرم ﷺ کی پناہ بنا ہوا تھا اور جس پر گیارہ زخم آئے تھے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ براشگون کہیں، جو شرعاً ممنوع ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں اسے جھوٹ سمجھتا ہوں۔“

میں نے کہا: ”تفاوت اور اشگون میں بڑا فرق ہے۔“ اس وقت ابوالفضل نے چپکے سے میرے ہاتھ کو پکڑ کر رگڑا اور آگے بات کرنے سے روک دیا۔

مخدوم الملک نے میرے بارے میں پوچھا: ان کی تعریف کیا ہے؟“ ساتھیوں نے میرے متعلق ان کو کچھ باتیں بتائیں اور یہ ملاقات بخیریت ختم ہو گئی۔“ اس سے آگے بدایونی لکھتے ہیں:

جب ہم وہاں سے نکلے تو دوستوں نے کہا خیریت گزری کہ انہوں نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اگر پھنس جاتے تو کون چھڑانے والا تھا۔ مزید لکھتے ہیں:

اول اول جب مخدوم الملک نے شیخ ابوالفضل کو دیکھا تو اپنے شاگردوں سے کہا تھا کہ ”اس شخص سے دین میں بہت خلل واقع ہوگا۔“

چوٹلفیش بدیدم بنمودم اہل دیں را  
کہ شود بلائے جانہا بہ شما سپردم دیں را

مخدوم الملک شیخ عبداللہ سلطان پوری نے ۹۹۰ھ (۱۵۸۲ء) میں مکہ معظمہ سے واپس آنے کے بعد گجرات میں وفات پائی۔ ان کی تاریخ وفات میں یہ قطعہ کہا گیا:

رفت مخدوم ملک وبا خود برو رحمتہ اللہ نشان پیشانی  
جستم از دل چو سال تاریخش گفت بشمار مصرعہ ثانی

انہیں گجرات میں جلال الدین اکبر کے حکم سے زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ یہ ۹۹۰ھ یا ۹۹۱ھ (۱۵۸۲ یا ۱۵۸۳ء) کا واقعہ ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہیں اکبر کی طرف سے ہر وقت جان کا خطرہ رہتا تھا وہ اسی خطرے اور خوف سے جاں بحق ہو گئے۔ ان کی موت تو گجرات میں واقع ہوئی مگر پوشیدہ طور پر ان کی میت کو جالندھر لا کر دفن کیا گیا۔

مخدوم الملک اس قدر مال دار تھے کہ ان کی موت کے بعد تین کروڑ روپے ان کے خزانے سے برآمد

ہوئے۔

ایک رویت کے مطابق ان کی وفات اس طرح ہوئی کہ جب اکبر نے دین الہی ایجاد کیا تو انہوں نے نہ صرف اس کو ماننے سے انکار کر دیا بلکہ اس کے مقابلے پر اتر آئے۔ اس پر اکبر نے ان کو اپنے ملک سے نکل جانے کا حکم دیا۔ یہ ایک مسجد میں معتکف ہو گئے۔ اکبر نے کہا کہ یہ مسجد بھی میرے ملک کی زمین میں واقع ہے آپ اس سے بھی نکل جائیں۔ چنانچہ وہ حرین شریفین چلے گئے۔ حج سے واپس آئے تو گجرات میں قیام پذیر ہوئے۔ وہاں اکبر کے حکم سے کھانے میں زہر ملا کر ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا ①۔

مولوی فقیر محمد جہلمی نے ان کا ذکر گیارہویں صدی ہجری کے فقہاء و علما میں کیا ہے اور ان کی تاریخ وفات ۱۰۰۶ھ (۱۵۹۱ء) تحریر کی ہے جو صحیح نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ دسویں صدی ہجری کے عالم و فقیہ ہیں اور ان کا سن وفات ۹۹۰ھ یا ۹۹۱ھ (۱۵۸۲ء یا ۱۵۸۳ء) ہجری ہے۔

### مخدوم الملک کی زندگی کا ایک اور پہلو:

صمصام الدولہ شاہ نواز خاں نے مآثر الامرا میں مخدوم الملک عبداللہ انصاری کے حالات خاصی تفصیل سے بیان کیے ہیں جن سے ان کی زندگی کا ایک اور پہلو بھی سامنے آتا ہے۔ ذیل میں مآثر الامرا کی پوری فارسی عبارت کا اردو ترجمہ دیا جاتا ہے۔

مخدوم الملک عبداللہ انصاری، شیخ شمس الدین سلطان پوری کا لڑکا ہے۔ اس کے بزرگوں نے ملتان سے سلطان پور آ کر سکونت اختیار کی۔ ملا عبداللہ نے مولانا عبدالقادر سرہندی سے تحصیل علوم کی اور شرعی علوم میں ماہر کامل ہوئے۔ اس کی فضیلت کی شہرت ساری دنیا میں پھیل گئی۔ شرح ملا جامی پر حاشیہ لکھا اور سیرت نبوی ﷺ پر منہاج الدین تصنیف کی۔ سلاطین وقت اس کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ہمایوں بادشاہ اس کی طرف بہت ہی عنان توجہ مبذول رکھتا تھا۔

جب شیر شاہ سوری بادشاہ ہوا تو اس نے اس کو صدر الاسلام کا خطاب دیا۔ کہتے ہیں ایک دن اپنے دور حکومت میں سلیم شاہ سوری نے ملا عبداللہ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا تھا بابر بادشاہ کے پانچ بیٹے تھے چار چلے گئے ایک باقی رہ گیا ہے۔ سرمست خان نے کہا ایسے فتنہ پرداز کو زندہ کیوں چھوڑ رکھا ہے؟ جواب دیا اس سے بہتر آدمی نہیں ملتا۔ جب ملا قریب آیا تو سلیم شاہ نے اسے تخت پر بٹھایا۔ مروارید کی تسبیح اس کو پیش کی جس کی قیمت بیس ہزار روپے تھی۔

ملا عبداللہ نہایت متعصب شخص تھا۔ اس تعصب کو وہ دین داری سے تعبیر کرتا تھا اور اس کے پردے میں مخالفوں کے خلاف اپنے غیظ و غضب کے اظہار کا اس کو خوب موقع ملتا تھا۔ شیخ علانی کا قتل بھی اس کے اسی

① منتخب التواریخ ص ۳۰۲، ۳۰۳۔ مآثر الامرا ج ۳ ص ۳۱۵ تا ۳۱۹۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲

ص ۲۰۶ تا ۲۰۸۔ رود کوثر ص ۹۲ تا ۱۰۷۔ حدائق الحنفیہ ص ۳۹۷۔

تعصب اور مخالفت کی وجہ سے عمل میں آیا تھا۔

شیخ علانی، شیخ حسن کے لائق فرزند تھے جن کا شمار بنگال کے کبار مشائخ میں ہوتا تھا۔ انھوں نے علوم ظاہری و باطنی اپنے والد بزرگ وار سے حاصل کیے تھے۔ بیت اللہ سے واپس آنے کے بعد بیانہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ان کا اصل مشغلہ تھا۔ اس زمانے میں ایک اور بزرگ شیخ عبداللہ نیازی نے بھی بیانہ میں آ کر اقامت اختیار کر لی تھی۔ شیخ عبداللہ نیازی، شیخ سلیم چشتی کے خلفا میں سے تھے اور سفر حجاز سے واپس آنے کے بعد میر سید محمد جون پوری سے وابستہ ہو گئے تھے جو اپنے آپ کو مہدی کہتے تھے۔ شیخ علانی کو عبداللہ کا اسلوب حیات پسند آیا۔ وہ متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے اور اس ضمن میں یہاں تک آگے بڑھ گئے تھے کہ شب کو صبح کے لیے کوئی چیز گھر میں باقی نہ رہنے دیتے، سب کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے۔ پانی کے مٹکے بھی خالی کر دیتے کہ کل اللہ تعالیٰ کوئی اور ذریعہ پیدا فرمادے گا۔

ملا عبداللہ سلطان پوری نے شیخ علانی پر بدعت و خروج کا الزام عائد کیا اور سلیم شاہ سوری کو جو اس وقت ہندوستان کا بادشاہ تھا اس بات پر آمادہ کیا کہ شیخ علانی کو بیانہ سے طلب کیا جائے اور اسے مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے خیالات کے بارے میں علما سے مذاکرہ کرے۔ چنانچہ مباحثہ و مذاکرہ کا اہتمام کیا گیا اور اس میں شیخ علانی غالب آئے اور حاضرین مجلس اس سے بہت متاثر ہوئے۔ خود سلطان سلیم شاہ علانی کی گفتگو اور انداز کلام سے اثر پذیر ہوا اور آہستہ سے شیخ کے کان میں کہا، آپ مہدویت کا انکار کر دیں، میں آپ کو اپنی حکومت کا محتسب مقرر کر لوں گا۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو یہاں سے جتنی جلدی ممکن ہو سکے نکل جائیں، علما نے آپ کے قتل کا فتویٰ دے دیا ہے۔ چنانچہ شیخ دکن کے علاقے میں چلے گئے۔

کچھ عرصے بعد سلطان سلیم شاہ نیاز یوں کی شورش ختم کرنے کی غرض سے پنجاب کی طرف متوجہ ہوا۔ اب ملا عبداللہ کو موقع ملا اس نے سلطان سے کہا شیخ عبداللہ نیازی، نیازی قبائل کا پیر ہے اور یہ تمام لوگ اس کے معتقد ہیں۔ بادشاہ نے ۹۵۵ھ (۱۵۴۸ء) کو شیخ عبداللہ نیازی کو دربار میں بلایا اور ان پر اتنے کوڑے ڈنڈے اور لاتیں پڑیں کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔

منقول ہے کہ جب تک انھیں ہوش رہا وہ ربنا اغفر لنا ذنوبنا پڑھتے رہے۔ کچھ افاقہ ہوا تو سیاحت پر روانہ ہو گئے اور مہدویت سے توبہ کر لی۔ ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ء) میں جلال الدین اکبر سے ملے جب کہ وہ بنارس اور انک کے نواح میں تھا۔ اس نے تھوڑی سی زمین مدد معاش کے لیے دی۔ شیخ عبداللہ نیازی نے نوے سال کی عمر میں ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۲ء) کو وفات پائی۔

سلیم شاہ سوری نیاز یوں کی مہم سے واپس آیا تو عبداللہ انصاری نے پھر شیخ علانی کے خلاف اس کے کان بھرنے شروع کر دیے اور اس نے ان کو دربار میں طلب کیا۔ سلیم شاہ اب بھی ذاتی طور پر انھیں کوئی سزا دینے کے حق میں نہ تھا۔ اس نے ان سے پہلی ملاقات والی بات دہرائی اور مہدویت سے علیحدگی اختیار کرنے



کی تلقین کی اور اپنی سلطنت کا محتسب مقرر ہونے کو کہا، مگر شیخ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ ادھر ملا عبداللہ نے ان کو سخت سزا دینے پر اصرار کیا۔ سلیم شاہ نے ملا سے کہا، تم جانو اور شیخ علانی جانے میں اس معاملے میں دخل نہیں دینا چاہتا۔ ملا نے حکم دیا، شیخ کو کوڑے لگائے جائیں۔ شیخ علانی پہلے ہی بیمار اور جسمانی طور پر کمزور تھے۔ تیسرے کوڑے میں ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس پر بس نہیں کیا، ان کی لاش کو ہاتھی کے پیر سے باندھ کر گھسیٹا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس روز اتنی سخت آندھی چلی کہ لوگوں کو قیامت کی آمد کا گمان ہونے لگا۔ شیخ علانی کی لاش پر اس قدر پھول پڑے کہ معلوم ہوتا تھا ان سے قبر تیار ہو گئی ہے۔ اس واقعہ کے بعد سلیم شاہ کی حکومت بھی دو سال سے زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ اور ختم ہو گئی۔

جب ہمایوں نے ہندوستان پر دوبارہ قبضہ کیا تو اس نے ملا عبداللہ کو شیخ الاسلام کا خطاب دیا۔ ہمایوں کے بعد اس کا بیٹا جلال الدین اکبر سریر آرائے سلطنت ہند ہوا تو ملا عبداللہ کو مخدوم الملک کا خطاب ملا۔ بیرم خان نے ایک لاکھ روپے کی آمدنی کا پرگنہ تانک والا اس کو دے کر اس کا مرتبہ تمام امرا و اکابر سے بڑھا دیا اور اس کو سلطنت ہند کا بڑا رکن بنا دیا۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بعض واقعات کی بنا پر اکبر کا مزاج، علما کے بارے میں بدل گیا تو جلوس اکبری کے چوبیسویں سال ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ء) میں مخدوم الملک ملا عبداللہ اور شیخ عبدالنبی صدر الصدور کو ایک دوسرے کی رفاقت میں حجاز روانہ کر دیا گیا۔ یہ اس لیے کہ یہ دونوں ایک مدت سے آپس میں متصادم و مخالف چلے آ رہے تھے اور ان کا یہ باہمی مخالف و تصادم اس درجہ شدید تھا کہ ملک بدر ہونے کے باوجود بھی ان دونوں میں نہ راستے میں اتحاد و اتفاق ہو سکا اور نہ مقامات مقدسہ میں پہنچ کر رفع کدورت کی کوئی صورت پیدا ہو سکی۔

مخدوم الملک ملا عبداللہ چوں کہ افغانوں (یعنی شیر شاہی حکومت) کے زمانے سے لے کر اکبری دور تک تمام حکمرانوں کے نزدیک معزز و محترم رہا تھا، احتیاطاً تدبیر حسن تدبیر رائے تجربے اور مال داری سے متصف تھا، اور اس کی دانش مندی کی شہرت ہر جگہ پہنچ گئی تھی، اس لیے مفتی مکہ شیخ ابن حجر کی اس کے استقبال کے لیے آئے اور اس کا بہت ہی احترام کیا، یہاں تک کہ موسم حج میں اس کے لیے کعبۃ اللہ کا دروازہ کھولا گیا۔

اسی اثنا میں اکبر کے بھائی مرزا محمد حکیم نے اکبر کی مخالفت شروع کر دی۔ جب یہ بات مخدوم الملک ملا عبداللہ کے علم میں آئی تو اگرچہ ہندوستان میں کوئی اختلال واضمحلال واقع نہیں ہوا تھا اور نہ کوئی غیر معمولی حادثہ رونما ہوا تھا، مگر مخدوم الملک نے یقین کر لیا کہ ملک میں تغیر کی لہر آئے گی اور وہ طمع امارت اور حب جاہ کی بنا پر ہندوستان واپس آ گیا اور صدر الصدور شیخ عبدالنبی کی معیت میں احمد آباد (گجرات) پہنچا۔ اب دونوں نے اندر ہی اندر بادشاہ کی مخالفت شروع کر دی۔

جب یہ بات جلال الدین اکبر کے علم میں آئی کہ دونوں اپنے مخصوص مفادات کی بنا پر مختلف محفلوں اور مجلسوں میں اس کے متعلق ناشائستہ باتیں کرتے ہیں تو اس معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے خفیہ طور پر کچھ لوگوں کو

ان پر متعین کر دیا۔ خفیہ طور پر اس لیے کہ حرم کی بیگمات بادشاہ سے ان کی سفارش اور صفائی پیش کرتی تھیں۔ ۹۹۱ھ (۱۵۸۳ء) میں بادشاہ کے خوف کی وجہ سے مخدوم الملک عبداللہ وفات پا گیا۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ بادشاہ کے اشارے سے اس کو زہر دے دیا گیا تھا۔ لوگوں نے خفیہ طور اس کو جالندھر میں لا کر دفن کر دیا۔

مخدوم الملک کی وفات کے بعد قاضی علی اس کے اموال کی تلاشی اور ضبطی پر مقرر ہوا۔ لاہور میں بہت سے خزینے اور دینے برآمد ہوئے ان میں سونے کی اینٹوں کے کئی صندوق اس کے آبائی قبرستان کے حصے سے نکلے۔ ان قبروں کو اس انداز سے بنایا گیا تھا کہ ان میں مردے دفن کیے گئے ہیں۔ تحقیق اموال کی وجہ سے اس کے لڑکے بھی بتلائے مصیبت رہے۔ اس کے گھر سے تین کروڑ روپیہ برآمد ہوا<sup>①</sup>۔

### شیخ عبداللہ نیازی پر بے پناہ تشدد:

اس دور کی تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ملا عبداللہ سلطان پوری کا دل احترام انسانیت سے بالکل خالی ہو گیا تھا۔ وہ بے شک عالم دین تھا مگر نہایت حاسد کینہ پرور اور علما کا دشمن تھا۔ اس نے بہت سے لوگوں کو قتل کرایا جن میں شیخ عبداللہ نیازی بھی شامل ہیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ سلیم شاہ سوری اور نیازی پٹھانوں کی باہمی مخالفت کے زمانے میں سلیم شاہ ان سے جنگ کے لیے آگرہ سے پنجاب کی طرف روانہ ہوا تو مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری بھی اس کے ساتھ تھا۔ جب لشکر شاہی بیانہ کے قریب پہنچا تو حالات کو اپنی تائید میں پا کر سلیم شاہ سے کہا: شیخ علانی کا فتنہ تو معمولی نوعیت کا تھا جس سے نجات مل گئی۔ سب سے بڑا فتنہ تو شیخ عبداللہ نیازی کا ہے جو شیخ علانی کا مرشد اور نیازیوں کا پیر ہے اور ہمیشہ تین چار سو مسیح افراد کو اپنے ساتھ رکھتا ہے جس سے بیانہ کے پہاڑی علاقے میں فتنہ و فساد کراتا رہتا ہے۔ سلیم شاہ جو پہلے ہی نیازیوں کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ اسی وقت حاکم بیانہ میاں بہوہ کے نام فرمان بھیجا کہ شیخ نیازی کو فوراً حاضر کیا جائے۔ میاں بہوہ شیخ عبداللہ نیازی کا بہت عقیدت مند تھا اس نے خفیہ طور پر شیخ سے درخواست کی کہ آپ کی زندگی خطرے میں ہے اور مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ چند روز کے لیے یہاں سے کسی طرف چلے جائیں میں بادشاہ کو آپ کے نہ ملنے کے بارے میں کوئی معقول وجہ لکھ کر بھیج دوں گا۔ اتنے میں بادشاہ کے دل سے آپ کا خیال نکل جائے گا۔ لیکن شیخ عبداللہ نیازی نے حاکم بیانہ کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا بادشاہ کے دل سے میرے متعلق کوئی بات نہیں نکلے گی۔ مخدوم الملک میرے درپے آزار ہے اور وہ ہمیشہ میری تاک میں رہتا ہے۔ میں اگر کسی دور دراز مقام پر چلا بھی جاؤں گا بادشاہ پھر مجھے وہاں سے طلب کرے گا اور اس صورت میں مجھے طویل سفر کی زحمت اٹھانا پڑے گا۔ اس سے بہتر ہے کہ میں ابھی اس سے مل لوں جب کہ وہ صرف دس کوس کے فاصلے پر مقیم ہے۔ خدا کا جو فیصلہ ہے وہ

① مآثر الامراء ج ۳ ص ۲۵۲ تا ۲۵۷۔

بہر حال پورا ہو کر رہے گا۔

غرض حاکم بیانہ میاں بہوہ کے روکنے کے باوجود شیخ عبداللہ نیازی بیانہ سے چل کر راتوں رات شاہی لشکر میں پہنچ گئے اور صبح کے وقت جب کہ سلیم شاہ کوچ کی تیاری کر رہا تھا اور گھوڑے پر سوار ہونے کو تھا اس کے سامنے آئے اور کہا۔ ”السلام علیکم“۔ میاں بہوہ بھی موجود تھا۔ اس نے زبردستی سے ان کی گردن سلیم شاہ کے حضور یہ کہتے ہوئے جھکا دی: ”اے شیخ! بادشاہوں کو اس طرح سلام کرتے ہیں۔“ شیخ نے بہوہ کو غصے کی نظروں سے دیکھا اور کہا: ”جو سلام سنت ہے اور جو رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو اور صحابہ رسول اللہ ﷺ کو کرتے تھے وہ وہی ہے جو میں نے کیا اور اس کا طریقہ بھی وہی ہے۔ اس کے سوا میں اور کسی سلام کو نہیں جانتا۔“

شیخ نیازی کو دیکھ کر اور اس کی زبان سے یہ الفاظ سن کر سلیم شاہ نے غضب ناک ہو کر پوچھا: ”علائی کا پیر یہی ہے؟“ ملا عبداللہ سلطان پوری نے جو گھات میں لگا ہوا تھا اور اسی وقت کا منتظر تھا جھٹ سے کہا: ”ہاں یہی ہے۔“

بادشاہ نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور انھوں نے ان کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ شیخ کو جب تک ہوش رہا وہ آیت پڑھتے رہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاسْرًا فَنَافِيْ اٰمِرِنَا وَتَبَّتْ اَقْدَامُنَا وَانصُرْنَا عَلٰى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ (ال عمران: آیت ۱۴۷)

(اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ اور زیادتیاں جو ہم اپنے کاموں میں کرتے رہے ہیں معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت فرما) سلیم شاہ نے پوچھا: ”یہ کیا کہہ رہا ہے؟“

ملا عبداللہ نے جواب دیا: ”مجھ کو اور آپ کو کافر کہہ رہا ہے۔“

سلیم شاہ کا پارا اور چڑھ گیا اور ان کو اور زیادہ اذیت پہنچائی۔ غرض بادشاہ ایک گھنٹے سے زیادہ وقت وہاں گھوڑے پر سوار کھڑا رہا اور اس مظلوم کو جرم بے گناہی میں سزا دیتا رہا۔ جب یقین ہو گیا کہ ان کا دم نکل گیا ہے تو آگے بڑھ گیا۔ مگر شیخ میں ابھی زندگی کی آثار باقی تھے۔ سلیم کے کوچ کے فوراً بعد لوگوں نے ان کو چڑھے میں لپیٹ کر برابر ایک دن اور ایک رات آگ کی گرمی میں رکھا تب ان کو کچھ ہوش آیا۔ یہ حادثہ ۹۵۵ھ (۱۵۴۸ء) میں پیش آیا تھا۔ شیخ عبداللہ نیازی نے آخری عمر میں عقیدہ مہدویت سے توبہ کر لی تھی۔ انھوں نے نوے سال کی عمر پا کر ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۲ء) کو جلال الدین اکبر کے عہد میں وفات پائی ①۔

عمل و کردار کا ایک اور نمونہ:

تذکرہ نویسوں نے مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری کی زندگی کے مختلف واقعات بڑی تفصیل سے

① منتخب التواریخ ص ۱۰۸، ۱۰۹۔

بیان کیے ہیں اور اس کے عمل و کردار کے تمام گوشوں کی وضاحت کی ہے۔ منقول ہے کہ اس نے فتویٰ دیا تھا کہ اس دور میں حج کی فرضیت ساقط ہو چکی ہے بلکہ حج پر جانا معصیت کے ذیل میں آتا ہے۔ جب لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے یہ دلیل دی کہ حج کے لیے اگر خشکی کے راستے جائیں تو یہ گجرات اور عراق کا راستہ ہے جو شیعوں اور قزلباشوں کی لوٹ مار کی وجہ سے پُر خطر ہے اور اگر سمندر کے راستے جائیں تو فرنگیوں سے پروانہ راہ داری لینے کی ذلت برداشت کرنا پڑتی ہے جس پر حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی تصویریں چسپاں ہوتی ہیں اور یہ بت پرستی کی ایک شکل ہے۔ اس لیے شرعی اعتبار سے یہ دونوں راستے حج کے لیے بند ہو گئے ہیں ①۔

یہ بھی منقول ہے کہ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے بھی وہ یہ حیلہ کرتا تھا کہ سال کے اختتام پر سارا مال بیوی کے نام پر منتقل کر دیتا اور دوسرے سال کے اختتام پر یہی مال اپنے نام پر واپس لے لیتا ②۔

بدایونی لکھتے ہیں: غرض اس کی کنجوسی و بخالت اور رذالت و خباثت کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔ اس نے علما و مشائخ اور بالخصوص پنجاب کے مستحق لوگوں پر بہت زیادتیاں کی تھیں۔ یہ بڑا مال دار شخص تھا، مگر جب بادشاہ جلال الدین اکبر نے اس سے سوال کیا: ”تم پر حج فرض ہے؟“ تو اس نے جواب دیا۔ ”نہیں؟“ ③۔ بے شبہ اس نے لوگوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔ بہت سے علما و امرا کو قتل کرایا، کسی کو مہدویت کے الزام میں موت کے گھاٹ اتارا، کسی کو رخصت و شیعیت کی طرف منسوب کر کے ختم کر ڈالا اور کسی کو بادشاہ کا باغی اور مخالف ظاہر کر کے ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ اس کی زندگی کے واقعات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رحم دلی اور انسانی ہمدردی سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

دیگر تذکرہ نگاروں کے علاوہ بدایونی نے منتخب التواریخ میں اس کے اس قسم کے کردار کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔

شیخ داؤد جہنی وال کو بھی جو ضلع لاہور میں قیام پذیر تھے مخدوم الملک ملا عبداللہ نے پریشان کیا۔ سلیم شاہ سوری سے ان کی شکایت کی کہ ان کے مرید ”یاداؤد“ ”یاداؤد“ کا ورد کرتے ہیں۔ سلیم شاہ نے ان کو فوراً اپنے دارالحکومت گوالیار طلب کیا۔ یہ وہاں پہنچے تو سلیم شاہ نے گوالیار سے باہر نکل کر نہایت عزت و احترام کے ساتھ ان سے ملاقات کی اور وہ ان کے زہد و اتقا سے بہت متاثر ہوا۔ مخدوم الملک بھی بادشاہ کے ساتھ تھے۔ بادشاہ اور مخدوم الملک کچھ دیر ان سے گفتگو کرتے رہے۔ بدایونی نے اس کا ذکر کیا ہے، مگر یہ نہیں بتایا کہ وجہ مخالفت اور سبب طلبی کیا تھا۔ بدایونی لکھتا ہے۔

بعد از حرف و حکایت پرسیدہ اند کہ تقریب طلب فقرا منقطع چه بود؟ مخدوم الملک گفتہ کہ مریدان شمارا

① منتخب التواریخ ص ۲۲۱۔

② ایضاً۔

③ منتخب التواریخ ص ۲۲۱۔

شنیدم کہ در وقت ذکر گفتن یا داؤد یا داؤدی گویند۔ جواب دادہ اند مگر اشتباہ در استماع رفتہ باشد۔ والا این جماعت ظاہراً یاودود یاودوی گفتہ باشند۔

یعنی گفت و شنید کے بعد شیخ نے دریافت کیا کہ ہم فقرا کو یہاں طلب کرنے کا آخر کیا مقصد ہے؟ مخدوم الملک نے کہا، ہم نے سنا ہے ورد کرتے وقت آپ کے مرید یا داؤد یا داؤد کہتے ہیں۔ شیخ نے جواب دیا، سننے والے کو اشتباہ ہوا ہے۔ میرے مرید تو یاودود یاودود کہتے ہیں۔

بعد ازاں سلیم شاہ نے شیخ کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ سلیم شاہ کے علاوہ مخدوم الملک نے بھی ان کی تکریم کی اور ان کے مواعظ و نصائح سے متاثر ہوا۔ ان کی باتیں سن کر مخدوم الملک نے بادشاہ سے کہا۔

ازیں روئے دروغ نیاید۔

جو جی چاہے پوچھو یہ دروغ گوئی سے کام نہیں لیں گے۔

علمائے دنیا اور فقہائے سوء:

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی مشہور تصنیف ”تذکرہ“ میں مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری اور صدر الصدور شیخ عبدالنبی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور ان کی زندگی کے ظالمانہ اور متعصبانہ گوشوں کی بڑی وضاحت کی ہے۔ وہ انھیں ”علمائے دنیا اور فقہائے سوء“ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ علمائے حق اور مشائخ کرام پر ان کے ظلم و زیادتی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک ایسے گروہ کو بھلا علمائے دنیا اور فقہائے سوء کب چین سے بیٹھنے دے سکتے تھے؟ چوروں اور قاتلوں کو ان لوگوں سے امن مل سکتا ہے، مگر مصلحین امت اور عشاق حق کے لیے امن و انصاف کہاں ہے؟<sup>①</sup> سلیم شاہ اور نیازی افغانوں کے درمیان باہمی چپقلش چلی آ رہی تھی۔ مخدوم الملک نے اس سے فائدہ اٹھایا اور اسے سیاسیات کا رنگ دیا۔ چنانچہ اس نے شیخ علانی اور عبداللہ نیازی کے خلاف سلیم شاہ کے کان بھرے اور انھیں بادشاہ اور اس کی حکومت کے مخالف قرار دیا۔ مولانا آزاد رقم طراز ہیں۔

”لیکن چون کہ پولیٹیکل خطرے کے بغیر سلیم شاہ برا بیچتے نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے مخدوم الملک وغیرہ نے اسی سنت قدیمہ علمائے سوء کو اختیار کیا اور سلیم شاہ کہ ایک سادہ لوح افغان تھا، فوراً آمادہ مخالفت ہو گیا“<sup>②</sup>۔

صدر الصدور ملا عبدالنبی اور مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری دونوں دنیا دار، حب جاہ میں مبتلا اور ایک دوسرے کے شدید مخالف تھے۔ مولانا آزاد کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

① تذکرہ ص ۷۸۔

② تذکرہ ص ۷۹۔

بدایونی لکھتے ہیں کہ اگرچہ ملا عبدالنبی صدر اور مخدوم الملک دونوں ایک ہی تنور کے سوختے تھے اور صلحائے امت و اہل اللہ کی اذیت و مخالفت میں ہم رنگ و ہم آہنگ۔ لیکن چوں کہ دنیا کے عشق نے دونوں میں رقابت کا رشتہ قائم کر دیا تھا، اس لیے خود بھی ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہتے اور آپس کی ٹکریں برابر چلتی رہتیں، نتیجہ یہ نکلا کہ آپس کی ٹکروں ہی سے دونوں پاش پاش ہو گئے، کسی دوسرے ہاتھ کی ضرورت ہی نہ رہی۔ بسخربون بیوتہم بایدیہم کا منظر نظروں میں پھر گیا ①۔“

اس سے آگے مولانا فرماتے ہیں:

”بدایونی لکھتے ہیں کہ مخدوم الملک نے جب ملا عبدالنبی کو برسر عروج و صدارت دیکھا تو ان کے رد میں ایک پوری کتاب لکھ ماری اور ثابت کیا کہ ان کے پیچھے نماز بھی درست نہیں، تاہم صدارت و شیخ الاسلامی چہ رسد؟ باپ نے عاق کر دیا ہے اور مزید براں یہ کہ بوا سیر خونی کا عارضہ ہے۔ خیر پہلی دلیل تو جیسی کچھ ہے ظاہر ہے، لیکن دوسری دلیل بڑی ہی پر لطف اور دلچسپ رہی۔ یاران ظرافت پیشہ اس کو لے اڑے اور خوب خوب ستم ظریفیاں کی گئیں۔ اس طرح یہ دونوں ایک دوسرے پر حملے کرتے رہتے اور اسی میں دونوں کی چوریاں کھلتیں اور پردے فاش ہوتے گئے ②۔“

مولانا ابوالکلام آزاد نے ان دونوں کے اس قسم کے کردار کو بہت وضاحت سے بیان کیا ہے اور اس پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ پھر منتخب التواریخ وغیرہ کے حوالے سے ان کے انجام کی تفصیل بیان کی ہے۔ ایک جگہ مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری کے اہل علم پر مظالم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لیکن سبحان اللہ! مکافات و مجازات عمل کا قانون الہی کس طرح اس دنیا ہی میں اپنا کام انجام دے رہا ہے اور آخرت کی منزل ابھی باقی ہے۔ لو کانوا یعلمون۔ بالآخر ایک زمانہ آیا کہ یہی مخدوم الملک تھے اور یہی ہندوستان۔ مگر پیشوائی و شیخ الاسلامی ایک طرف رہی، عزت و آبرو سے اپنا بڑھا پاپا بھی بسر نہ کر سکے اور عہد اکبری کے نئے نئے مفتیوں کے ہاتھوں وہ ذلتیں اور خواریاں نصیب ہوئیں کہ بقول ملائے بدایونی: یوم تبلی السرائر کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ یا تو یہ حال کہ ان کے قلم شیخ الاسلامی کی ایک گردش اہل اللہ کی زندگیوں کا فیصلہ کر دیتی تھی، یا یہ یوم العذاب دیکھنا پڑا کہ حاجی ابراہیم سرہندی اور شیخ ابوالفضل جیسے نوخیز و احداث بھری مجلس میں ان کے فسق و تقویٰ کا فیصلہ کرنے لگے اور عمر بھر کی بد اعمالیوں کا ایک ایک کر کے حساب دینا پڑا ③۔“

① تذکرہ ص ۱۲۲

② تذکرہ ص ۱۲۵

③ ایضاً ص ۹۷، ۹۸

مخدوم الملک ملا عبداللہ اور صدر الصدور عبدالنبی کے حالات تمام مورخین نے بیان کیے ہیں۔ شیخ محمد اکرام مرحوم نے بھی ان کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے اور ان کی زندگی کے متنازعہ فیہ پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔<sup>①</sup> اکرام صاحب مرحوم نے بڑی تحقیق سے ان کے بارے میں اظہار رائے کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

”بدایونی نے عہد اکبری کے جو حالات لکھے ہیں ان سے خیال ہوتا ہے کہ اکبر نے علما کا اقتدار ان کی کج بختیوں اور حماقتوں کی وجہ سے کم کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی ”تذکرہ“ میں خرابیوں کا باعث مخدوم الملک اور صدر الصدور کی شخصی کوتاہیوں کو قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانی کی رائے نقل کی ہے: ”ہر فتورے کہ دریں زمان در ترویج ملت و دین ظاہر گشتہ از شومی علمائے سواست کہ فی الحقیقت شرار مردم و نصوص دین اند۔“ اور ان دو بزرگوں کو اس بیان کا مصداق قرار دیا ہے اور اب یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ ”علمائے سوء“ سے مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی مراد ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اس کی وضاحت نہیں کی، لیکن اس معاملے میں مولانا محمد ناظم ندوی کی رائے ہمیں زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، جنہوں نے تعلیمات مجددیہ کے پیش لفظ میں ”علمائے سوء“ سے ”مبارک ناگوری کے دونوں ذہین و طباع بیٹے ابوالفضل اور فیضی اور تاج الدین دہلوی (کذا)“ مراد لیے ہیں۔ شاید ان کے علاوہ قاضی خان بدخشی کی طرف بھی اشارہ ہو، جنہوں نے بادشاہ کے لیے سجدہ تہیت جائز قرار دیا۔“

اس سے آگے وہ بدایونی کی رائے سے اختلاف کا تاثر دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بدایونی کے علاوہ عہد مغلیہ میں علما کے جتنے تذکرے لکھے گئے اور جن کا ماخذ منتخب التواریخ نہیں ان میں بالعموم شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک کی تعریف کی گئی ہے۔ مثلاً حضرت مجدد کے شاگرد اور خلیفہ (اور ان کی مشہور سوانح عمری حضرات القدس کے مصنف) جنہیں سترہ سال مرشد کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا، سنوآت الاتقیاء (قلمی) میں شیخ عبدالنبی کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”شیخ عبدالنبی ابن شیخ احمد حنفی رضی اللہ عنہ عالم و محدث بود..... اتسرع بر کمال داشت و در اتباع سنت و رفع بدعت رسوخ تمام نصیب وقت اوشده بود۔ و در امر معروف و نہی منکر بر سلاطین و امرا شدت کردے..... صاحب تصانیف شریفہ است۔ در سنہ نہ صد و نو دو یک در عہد عرش آشیانی شہادت یافت۔ مع صاحب فیض گفت سانش عقل“

اس سے آگے رقم طراز ہیں:

اخبار الاصفیا (قلمی) میں جو ابوالفضل کے بھانجے عبدالصمد نے اسی زمانے میں لکھی، اس طرح کا

① ملاحظہ ہو رود کوثر، ص ۹۳ تا ۱۰۷۔

اظہار خیال کیا گیا ہے:

”شیخ عبدالنبی بن شیخ احمد بن شیخ عبدالقدوس چشتی گنگوہی، عنوان صحیفہ دین و دالش و فہرست جریدہ علم و عمل بود۔ در عنفوان برنائی ..... بحر میں شریفین شتافت و حدیث دراں خیر البقاع نزد شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ..... استماع نمودہ بوطن گاہ خرامید۔ و (کمر) در رواج ارکان شریعت غرابر بستہ ..... آرام گاہ فتح پوری۔ کتاب سنن الہدایہ از دیادگار است۔“

اس سے آگے مرقوم ہے:

”دوسرے معاصرانہ تذکروں میں بھی (مثلاً مرآة العالم میں)۔ (سوائے ان کے جنہوں نے طبقات شاہ جہانی کی طرح بدایونی پر انحصار کیا ہے) شیخ عبدالنبی بلکہ مخدوم الملک کا ذکر بھی تعریف کے ساتھ کیا گیا ہے، بالخصوص حضرت مجدد کے شاگرد اور سوانح نگار خواجہ بدرالدین سرہندی کی شیخ عبدالنبی کی تعریف کے بعد یہ قیاس کہ حضرت مجدد نے انھیں ”علمائے سوء“ میں شمار کیا ہوگا، صحیح نہیں معلوم ہوتا۔“

اس سے آگے اکرام صاحب مرحوم مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کی صفائی پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”مخدوم الملک کی شخصی کوتاہیوں میں کلام نہیں، عبادت خانہ کے مباحثوں میں بھی علما نے بالعموم بڑی ناعاقبت اندیشی سے کام لیا، جس سے اکبر کے دل میں طبقہ علما کے لیے کوئی احترام باقی نہ رہا۔ لیکن اکبر کی علما سے اختلاف کی وجہ فقط ان کی کوتاہیاں اور قابل اعتراض باتیں نہ تھیں۔ بلکہ ان کی خوبیاں اور ترویج شرع کی کوششیں بھی وجہ مخالفت ہو گئیں۔ مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کے ضمن میں یہ بات قابل غور ہے کہ شیخ عبدالنبی پر کوئی جائز اور وزنی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ ان کی ذاتی دیانت داری پر کسی نے شبہ ظاہر نہیں کیا۔ بے شک وہ احکام شرعیہ کی پابندی میں سخت تھے لیکن مذہبی نقطہ نظر سے تو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں اور جس واقعہ (متھرا کے برہمن کو سزائے قتل) پر اکبر سے ان کا اختلاف ہوا، اس میں نوے فی صد علما بلکہ اس سے زیادہ شیخ عبدالنبی کے ہم خیال ہوں گے۔“

”مخدوم الملک میں شخصی کمزوریاں زیادہ تھیں، لیکن ان کی جس چیز کی شکایت کی جاتی ہے۔ یعنی شدت احتساب۔ وہ بھی شرعی نقطہ نظر سے خوبی ہے، برائی نہیں۔ انہوں نے (بقول بدایونی) شیخ ابوالفضل کی نسبت جو یہ کہا تھا کہ پتا نہیں، اس شخص سے دین میں کیا کیا فتنے برپا ہوں گے، اسے بھی واقعات نے درست ثابت کیا اور شیخ مبارک کی راسخ الاعتقادی کی نسبت انھیں جو شبہ تھے وہ بھی بے جا نہ تھے۔ شیعوں کے متعلق ان کا جو نقطہ نظر تھا، وہی حضرت مجدد الف ثانی کا تھا“

”واقعہ یہ ہے کہ مہدویت کی مقبولیت، شیعیت کی اشاعت، شطاری اور دوسرے آزاد صوفیانہ طریقوں کی ترویج سے ملک میں جو روحانی انتشار رونما تھا، اس کے سدباب میں مخدوم الملک کی محتبانہ کوششیں، شیخ



مبارک کی علمیت و آزاد خیالی اور شیخ علائی کی نیک نفسی اور خلوص سے زیادہ مفید تھیں ①۔  
 شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے حالات کے ضمن میں اخبار الاخیار میں  
 مولانا عبداللہ سلطان پوری کا ذکر کیا ہے ②۔

(حقیقت یہ ہے کہ مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری اور صدر الصدور شیخ عبدالنبی عہد اکبری کی دو) معروف علمی شخصیتیں ہیں۔ ان کے بارے میں بہت سی باتیں تذکروں میں مرقوم ہیں۔ شیخ عبدالنبی کے حالات اگرچہ اس کتاب میں دوسری جگہ بھی لکھے گئے ہیں مگر چونکہ مخدوم الملک کے ضمن میں بھی ان کا تذکرہ لازماً آتا ہے لہذا یہاں بھی ان کے متعلق بعض چیزوں کا زبان پر آجانا گزیر تھا۔  
 تصانیف:

مخدوم الملک جہاں بہت بڑے عالم تھے وہاں مصنف بھی تھے اور تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ عقیقتہ الانبیاء کشف الغمہ عن بصائر الائمہ اور منہاج الدین ان کی تصنیفات میں سے ہیں ③۔

## ۱۶۲۔ مولانا عبداللہ لاہوری

مولانا عبداللہ بن عبدالحق شریف حسینی لاہوری شیخ وقت عالم باعمل اور صالح بزرگ تھے۔ ان کا شمار تفسیر حدیث اور فقہ کے جید علما میں ہوتا تھا۔ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے۔ تمام عمر لاہور میں درس و افادہ میں مصروف رہے۔ خلق کثیر کو مستفید کیا اور بہت سے علما ان کے حلقہ درس سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ ۹۴۳ھ (۱۵۳۷ء) کو لاہور میں وفات پائی۔ حدائق الحنفیہ میں انھیں سید عبداللہ بھاکری لکھا گیا ہے۔ لیکن مدفن لاہور ہے اور سن وفات بھی یہی ہے ④۔

## ۱۶۳۔ مولانا عبداللہ ملتانی

مولانا عبداللہ مفتی ملتانی اپنے عصر کے شیخ اور عالم کبیر تھے اور ان کا شمار علوم عربیہ کے جلیل القدر علما میں ہوتا تھا۔ ملتان میں پیدا ہوئے وہیں پلے بڑھے اور اسی شہر کے مشہور اساتذہ سے تحصیل علم کی۔ پھر ملتان سے بھکر منتقل ہو گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ بھکر میں ان کا باقاعدہ سلسلہ تدریس جاری تھا جس سے بے شمار تشنگان علوم نے استفادہ کیا۔ فقہ اصول لغت اور علم نحو میں مہارت رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں علوم حکمیہ میں بھی عبور حاصل تھا۔ دسویں صدی ہجری کے برصغیر کے اس عظیم عالم دین نے ۹۷۰ھ (۱۵۶۳ء) کو وفات پائی ⑤۔

① رود کوثر، ص ۹۶ تا ۹۸

② اخبار الاخیار، ص ۲۲۲

③ ہدیۃ العارفین ج ۱ ص ۲۷۳۔ طبقات اکبری بھی دیکھیے ص ۳۹۰۔ نیز ملاحظہ ہو اذکار ابرار، ص ۲۹۵ در حالات مخدوم الملک۔

④ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۰۸ تا ۲۰۹۔ حدائق الحنفیہ ص ۳۷۳۔

⑤ مآثر جیسی ج ۲ ص ۳۳۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۱۰۔ تاریخ معصومی ص ۳۲۸

## ۱۶۴۔ مولانا عبداللہ بدایونی

مولانا عبداللہ ہندی سامانوی ثم بدایونی، شیخ صالح اور مشہور عالم دین تھے۔ مشرقی پنجاب کے ایک شہر سامانہ میں پیدا ہوئے۔ یہ دراصل ہندو تھے۔ ان کے والدین بھی ہندو دھرم کے حامل تھے۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق والدین نے بیٹے کو مسجد میں ایک مسلمان استاد سے تعلیم دلانا شروع کی، جن سے انھوں نے حساب و ریاضی کی چند کتابیں پڑھیں۔ ایک روز سعدی شیرازی کی بوستاں کا درس لے رہے تھے کہ یہ شعر پڑھا:

محال است سعدی کہ راہ صفا تو اوں رفت جز درپے مصطفیٰ

استاد سے عرض کیا اس شعر کی معنی ہندی زبان میں سمجھائیے۔ استاد نے کہا۔ تجھے اس سے کیا غرض ہے؟ کہا، جب تک آپ اس کا مطلب ذہن نشین نہیں کرائیں گے میں آگے سبق نہیں پڑھوں گا۔ استاد نے معنی سمجھائے تو شاگرد نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کی شخصیت اور تعلیمات کے بارے میں استفسار کیا۔ جب آنحضرت ﷺ کے مکارم و فضائل اور اخلاق حسنہ کی وضاحت کی گئی تو کلمہ طیبہ پڑھا اور جذب و بے خودی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کی اطلاع ماں باپ کو ہوئی تو دوڑے ہوئے آئے اور ڈرا دھمکا کر اسلام قبول کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ نہ مانے تو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

اب وہ ماں باپ سے قطع تعلق کر کے سامانہ سے نکل کھڑے ہوئے اور دہلی جا پہنچے۔ وہاں شیخ عبدالغفور بن نصیر الدین ملتانی دہلوی اور شیخ جلال الدین بدایونی وغیرہ علمائے کرام کا سلسلہ درس جاری تھا، اس میں شامل ہوئے اور علوم عربیہ کی تعلیم مکمل کی۔ دہلی میں ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد بدایوں کی راہ لی۔ وہاں شیخ عبدالباقی بدایونی سے اخذ طریقت کیا۔ پھر خیر آباد گئے اور شیخ صفی الدین عبدالصمد سائپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے بھی تصوف و طریقت کی تعلیم حاصل کی اور کچھ عرصہ ان کی رفاقت میں رہے۔ وہاں سے پھر بدایوں آگئے اور اپنے آپ کو افادۂ عام اور عبادت کے لیے وقف کر دیا اور اصل وطن سامانہ کو خیر باد کہہ کر ہمیشہ کے لیے بدایوں ہی کو اپنا مسکن قرار دے لیا۔

علوم مروجہ و متداولہ مثلاً فقہ و اصول اور نحو میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ صحیح معنوں میں جامع انواع خیر اور ماہر علوم نقلیہ و عقلیہ تھے۔ اونچے درجے کے فقیہ اور معلم تھے۔ مذاہب فقہیہ پر گہری نظر تھی۔ شریف النفس، صحیح الدین اور قوی الفہم تھے۔ زاہد و عابد، قانع و متقی اور قلیل الغذا تھے۔ بہت بوڑھے ہو گئے تھے مگر پیدل چل کر بازار جاتے اور اپنی ضرورت کی چیزیں خود خرید کر لاتے۔ جہاں تک ہو سکتا، کسی کو اپنے ذاتی کام کے لیے نہ کہتے۔ اگرچہ مشائخ کی طرف سے انھیں لوگوں کو اپنے حلقہ بیعت میں داخل کرنے کی اجازت حاصل تھی لیکن اس سے گریز کرتے اور مشائخ کی اس رسوم پر عمل کرنے سے محترز رہتے جو ان کے ساتھ مخصوص ہیں۔

مولانا عبداللہ بدایونی کے حالات ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں تحریر کیے ہیں۔ ملا عبدالقادر

کو ان سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ وہ اپنے اس عظیم استاد کی بہت تعریف کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ وہ مشکل اور دقیق مسائل نہایت آسانی سے حل کر دیتے تھے اور بعض ایسے مسائل علمیہ و نکات غامضہ جو ہر عالم کے ذہن کی گرفت میں نہیں آسکتے ان کے تمام گوشوں کو وہ بلا کسی کتاب کی طرف رجوع کیے نہایت وضاحت سے بیان کر دینے پر قدرت رکھتے تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے ان سے علم کلام اور اصول فقہ کی بعض کتابیں پڑھیں۔

طبقات اکبری میں بھی ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ مرقوم ہے۔

شیخ عبداللہ بدایونی کہ دراصل ہندو بودہ است و در وقت خواندن گلستان چوں بنام پینمبر رسیدہ از استاد پرسید کہ این چه کس است؟ و استاد پارہ بیان از مناقب آنحضرت نمودہ و بہ شرف اسلام مشرف گشتہ۔ بعلم و فضل موصوف است و بہ ورع و تقویٰ معروف۔

دسویں صدی ہجری کے ہندوستان کے اس عالم و فقیہ کی تاریخ وفات کا تو علم نہیں ہو سکا۔ البتہ اتنا پتا چلتا ہے کہ انھوں نے نوے سال کی عمر پر داعی اجل کو لبیک کہا<sup>①</sup>۔

## ۱۶۵۔ شیخ عبدالمعطلی باکشرکی ہندی

شیخ عبدالمعطلی بن حسن بن عبداللہ باکشرکی ہندی احمد آبادی شافعی المسلمک تھے۔ شیخ و عالم اور اپنے عصر کے محدث کبیر تھے۔ عبدالقادر حضرمی نے النور السافر میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ شیخ موصوف ماہ رجب ۹۰۵ھ (فروری ۱۵۰۰ء) کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ علما و فضلا کی ایک بڑی جماعت سے ملے اور معقولات و منقولات کے بہت سے علوم میں مہارت حاصل کی۔ مکہ مکرمہ سے ہندوستان آئے اور پھر یہیں اقامت اختیار کر لی۔ برجستہ گوئی اور حاضر جوابی میں دسترس حاصل تھی خوش مزاج تھے۔ ان کے بہت سے نوادر اور لطائف کلام مشہور ہیں۔ زندگی کے آخری دم تک سلامت روی و عفت پر قائم رہے۔ ذہانت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ کہتے ہیں اپنے ایک شیخ سے پوری کتاب الشفاء ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالی۔ یہ کتاب انھوں نے نماز صبح کے بعد شروع کی تھی اور آغاز ظہر تک ختم کر لی۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری ان کے اساتذہ میں سے ہیں۔ ان سے صحیح بخاری اسی طرح سنی جس طرح خود شیخ الاسلام نے اپنے والد سے قراءت سنی تھی۔ اپنے والد ہی سے صحیح بخاری اصحاب الحدیث کی اصطلاح میں سماعاً روایت کرتے ہیں۔ شیخ زکریا انصاری صحیح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی سے روایت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ عبدالمعطلی اپنے دور میں صاحب سند عالی مشہور ہوئے اور اسی لحاظ سے یہ اپنے ہم چشموں میں ممتاز ہیں۔ یعنی انھیں صرف ایک واسطے سے شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ اسی بنا

① منتخب التواریخ ص ۲۹۷۔ طبقات اکبری ص ۳۹۴۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۸۳، ۸۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۱۱، ۲۱۲۔

تاریخ اولیائے دہلی ص ۸۴۔ تذکرۃ الواصلین ص ۱۸۰ تا ۱۸۷۔

پر طلبائے حدیث کا ہجوم ان کے گرد جمع ہو گیا اور اس اعتبار سے یہ اس شرف سے بہرہ ور ہیں جس سے بڑا اہل علم کے نقطہ نظر سے اور کوئی شرف نہیں۔

النور السافر کے مصنف شیخ عبدالقادر حضرمی نے بھی مختلف نشستوں میں ان سے صحیح بخاری کا سماع کیا، وہ اپنے بارے میں لکھتے ہیں۔ ”میں اس زمانے میں کم سن تھا، تاہم شیخ نے بھی مجھے زبانی سند و اجازہ عطا فرمایا۔“ وہ مزید لکھتے ہیں: ”میرے والد نے ان سے درخواست کی کہ منظوم شکل میں اس اجازت کا ذکر فرما دیا جائے تاکہ یہ اپنے قصائد کے ساتھ اسے شامل کر لیں، لیکن اللہ نے اس کا موقع نہ دیا۔“

شیخ عبدالمعطلی مصنف بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں ”کتاب اسماء رجال البخار“ ہے۔ اس کتاب میں شیوخ بخاری سے لے کر راوی حدیث صحابی تک تمام راویوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو وہ مکمل نہ کر پائے۔ صرف ایک ہی ضخیم جلد معرض تصنیف میں لاسکے۔ اگر یہ کتاب مکمل ہو جاتی تو دو جلدوں پر مشتمل ہوتی۔ یہ اپنے موضوع میں بہت مفید کتاب ہے۔

شیخ موصوف شاعر بھی تھے۔ شمع کے بارے میں ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وممشوقة هيفاء لدن قوامها	من البيض تزرى بالمتقفة السمر
اذا اصبحت امست تحد لسانها	تفتق درع الليل من طلعة البدر
قصير سناها قد محى اية الدجى	فصار نهارة ايضاً ساطع الفجر
تمد لسانا طائلا غير ناطق	ومن غير اجفان مد امعها تجرى
و جلبا بها يحكى لجينا بياضه	واحشاؤها ازرت على لهب الجمر
اذا اجمعت تسمع بتصحيفه ولا	تتأحين مناص جاء في محكم الذكر
فدونك لغز او اضحا قد شرحته	و بينته لكن بنوع من الستر

ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

وہ (یعنی شمع) دہلی اور پتلی جسامت والی ہے اور نرم ہے۔ اس کا مادہ سفید ہے جو گندمی رنگ سے ملا ہوا ہے۔

وہ جب صبح کرتی ہے تو اس کی زبان تیز ہو جاتی ہے اور وہ جلوہ ماہتاب سے لباس شب کو چاک کر دیتی ہے۔

اس کا نیزہ بہت مختصر ہے جو تاریکی کا نشان مٹا دیتا ہے اور فجر کا جھپٹنا سفید دن بن جاتا ہے۔

وہ بغیر کچھ بولے اپنی لمبی زبان کو بڑھاتی ہے اور بغیر آنکھوں اور پوٹوں کے اس کے آنسو بہتے ہیں۔

اس کے گھونگھٹ کی سفیدی چاندی سے مشابہ ہے اور اس کے اندر کا حصہ انگارے کے شعلوں سے بازی لے گیا ہے۔

یہ تمام اوصاف جو شمع کے بیان کیے گئے ہیں، اگر جمع ہو جائیں تو تم اس کی تحریر کو سن لو گے۔ تم ایک واضح چیتان کو پلے باندھ لو جس کو میں نے اگرچہ وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے، مگر ایک پردہ خفا باقی رکھ لیا ہے۔

یہ اشعار بھی ان ہی کے ہیں:

و محی بایة نوره ظلم الغسق	قم یاندیم فذا الصباح قد انفلق
و ادر بروقه حکت لون الشفق	فرب صبو حک فالزمان مساعد
والمسک و الکافور فیہا قد عقب	قام سقاہ کئو سہا فی خضرۃ
و بثغرہ مثل المدامۃ بل ارق	قمریدیر الشمس فی کأساتہ
کالسیف واللحظ السہام اذا رشق	قدیحا کی السمہری و مقلۃ
ولذ اقلوب العاشقین غدت درق	قوس الحواجب موتر لقتالنا
صحت خلاخلہ و دملجہ نطق	علق الوشاح بخصرہ و تراہ قد
لکن من الصد المبرح فی ادق	قوت نواظر عاشقیہ بحبہ
ہذا العمر اللہ احسن من خلق	قراء المحب علی صحیفۃ خدہ
اذکان جفن شبیبی فیہ رمق	قد کنت ہمت بحسن و جمالہ
ترک الخلاعة و الصباۃ بی احق	قضیت ایامی سدی و سہللاً
و اعود عنہ عود عبد قد ابق	قد ان ان اثنی العفان عن الهوی
و مضی الشباب کانہ طیف طرق	قدم المشیب فکان ابلغ زاہر

ترجمہ:

اے ندیم، اٹھ جا۔ دیکھ، صبح کی پو پھٹ گئی ہے اور اس کی روشنی نے شب کی تاریکیوں کو مٹا دیا ہے اپنا بادہ صبح گا ہی قریب لا اس لیے کہ وقت اس کا تقاضا کرتا ہے، اور وہ جام شراب گردش میں لا جس کا رنگ شفق سے مشابہت رکھتا ہے۔

ندیم کھڑا ہوا، اور اس نے شراب پلائی، جو سبز رنگ کے جاموں میں تھی اور مشک و کافور کی خوشبو اس میں مہک رہی تھی۔

یہ ایک چاند ہے جو اپنے پیالے میں سورج کو گردش دیتا ہے اور اس کے دانتوں میں شراب بلکہ اس

سے بھی رقیق تر شے موجود ہے۔

قد نیزے کی مانند اور آنکھ خنجر کی طرح ہے اور گھورتا ہے تو نگاہ تیر بن جاتی ہے۔  
ابرو کی کمان ہمیں قتل کرنے کے لیے چلہ چڑھائے ہوئے ہے اور اس کے لیے عاشقوں کے دل ڈھال بن گئے ہیں۔

تلوار کمر سے لگی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ اس کے گھنگرو تو خاموش ہیں اور بازو بند بول رہے ہیں۔  
اس کے عاشقوں کی آنکھیں تو ٹھنڈی ہو جاتی ہیں لیکن تکلیف دہ رکاوٹ کی وجہ سے نینداڑ جاتی ہے۔

عاشق اس کے صحیفہ رخسار پر یہ تحریر پڑھتا ہے کہ خدا کی قسم یہ حسین ترین مخلوق ہے۔  
اس کے حسن و جمال سے کبھی اس وہم میں پڑ جاتا ہوں کہ یہ میری جوانی کی آخری سانس ہیں۔  
میں نے اپنی زندگی بے کار و بے مقصد گزار دی میرے لیے نفسانی خواہشوں کی بندگی اور عشق بازی کو چھوڑ دینا زیادہ صحیح ہے۔

اب وقت آ گیا ہے کہ خواہش نفسانی سے یوں باز آ جاؤں جیسے بھاگا ہوا غلام واپس آ جاتا ہے۔  
بڑھاپا آ گیا جو سب سے زیادہ موثر تشبیہ کرنے والا ہے اور جوانی اس طرح گزر گئی جیسے رات کا خیال خواب۔

شیخ عبدالمعطی مکی گجرات کے شہر احمد آباد میں اقامت گزریں ہو گئے تھے۔ وہیں ۲۷ ذی الحجہ ۹۸۹ھ  
(۲۱ جنوری ۱۵۸۲ء) کو وفات پائی اور اسی شہر میں دفن ہوئے ①۔

## ۱۶۶۔ مفتی عبد الملک امر وہوی

مفتی عبد الملک بن محمود بن عطاء اللہ حسینی امر وہوی اپنے دور کے خطہ ہند کے شیخ اور فقیہ تھے اور اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ عالم اور ذی فہم تھے۔ امر وہہ کی مسند افتا پر ان کے والد مکرم مفتی محمود بن عطاء اللہ حسینی متمکن تھے ان کی وفات کے بعد ۹۱۷ھ (۱۵۱۱ء) کو سلطان سکندر لودھی کے عہد میں یہ منصب اسی عالم دین کے سپرد ہوا جس پر وہ عمر بھر فائز رہے۔ معلوم ہوتا ہے انھوں نے ۹۵۰ھ (۱۵۴۳ء) کو یا اس کے لگ بھگ وفات پائی کیوں کہ ان کے بعد ان کے بیٹے مفتی عبدالغفور اسی سال امر وہہ کی مسند افتا پر متمکن ہوئے تھے ②۔

① النور السافر ص ۳۶۴ تا ۳۷۰۔ شذرات الذهب ج ۸ ص ۲۱۷، ۲۱۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۱۴ تا ۲۱۶۔ ہدیۃ العارفين ج ۱ ص ۶۲۲۔

② نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۱۷، ۲۱۸ بحوالہ نخبۃ التوارخ۔

## ۱۶۷۔ شیخ عبدالملک احمد آبادی

شیخ عبدالملک عباسی احمد آبادی علاقہ گجرات کے عالم دین اور محدث وقت تھے۔ اس دور کے کبار و ممتاز علما میں سے تھے۔ زاد بوم اور خواب گاہ دونوں احمد آباد (گجرات) ہیں۔ اپنے بڑے بھائی شیخ قطب الدین عباسی کے شاگرد تھے، جنہوں نے حدیث کی سند حافظ ابن حجر عسقلانی کے تلمیذ اور مشہور امام صاحب الضوء اللامع شیخ شمس الدین بن محمد مصری سخاوی سے لی تھی۔ تفسیر حدیث، فقہ اور علوم عربیہ میں ماہر تھے اور اس سلسلے میں استاد زمان کے مرتبے کو پہنچ گئے تھے۔ قرآن مجید اور صحیح بخاری کے لفظاً اور معناً حافظ تھے۔ ہمیشہ اپنے حجرے اور مسجد میں وظائف و اوراد اور نماز میں مشغول رہتے، گھر میں بہت کم جاتے تھے۔ کبر سنی کی بنا پر آنکھوں کی روشنی جاتی رہی تھی مگر دل کی روشنی بڑھ گئی تھی۔ تیز ذہن اور تیز فکر عالم تھے۔ تمام علوم کا درس زبانی دیتے۔ توکل اور تجرید میں اس وقت کوئی شخص ان کے مثیل نہ تھا۔ مولانا کمال محمد عباسی گجراتی جو اجتین مالوہ کے مفتی تھے، علم حدیث میں ان کے شاگرد تھے۔ شیخ عبدالملک عباسی نے ۹۷۰ھ (۱۵۶۳ء) کے بعد وفات پائی ①۔

## ۱۶۸۔ شیخ عبدالنبی گنگوہی

شیخ عبدالنبی بن شیخ احمد بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی حنفی المسلک تھے اور ارض ہند کے مشاہیر علما میں سے تھے۔ گنگوہ میں پیدا ہوئے اور علم و فضل کی آغوش میں پرورش پائی۔ علوم قرآن، فقہ اور باقی علوم کی تحصیل گنگوہ اور اس کی گرد و نواح کے فاضل اساتذہ سے کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد حرمین شریفین کے لیے رخت سفر باندھا۔ وہاں مختلف اساتذہ سے جن میں شیخ محمد بن حجر کی بھی شامل ہیں، حدیث کا درس لیا۔ اس سلسلے میں ان کا کئی بار ارض حجاز اور ہندوستان میں آنا جانا ہوا۔ طویل عرصے تک مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے اور بہت سے اساتذہ سے استفادہ کیا۔ علم حدیث میں رسوخ کے بعد ہندوستان کو مراجعت کی۔ ان کے خاندان میں آبا و اجداد سے سماع و تواجد اور انعقاد اعراس کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ نیز ان کے اسلاف مسلک وحدت الوجود سے بھی تعلق و انسلاک رکھتے تھے اور ان تمام رسوم و عوائد پر عامل تھے جو اکثر مشائخ صوفیہ میں مروج ہیں۔ لیکن شیخ عبدالنبی نے ان سب امور کی شدت سے مخالفت کی اور خالص سنت محمدیہ اور طریقہ سلفیہ کی نصرت و اعانت کا علم بلند کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے اپنی تائید میں کتاب و سنت سے دلائل و براہین پیش کیں اور ایسے مقدمات سے استدلال کیا جو فقط فرامین خداوندی اور احکام رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہیں۔ اپنے والد گرامی شیخ احمد بن شیخ عبدالقدوس اور چچاؤں کی مخالفت کی اور ان کے طریق عمل کو ہدف تنقید ٹھہرایا۔ اس صدائے حق کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں مخالفین کی طرف سے سخت اذیتیں پہنچائی گئیں اور سنت رسول ﷺ کی تبلیغ کی

① اذکار برابر ص ۳۱۱۔ نزہۃ النواظر ج ۲ ص ۲۱۸۔ یادایام ص ۶۲۔

پاداش میں کئی قسم کی تکلیفوں میں مبتلا کیا گیا۔ مگر انھوں نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنا معمول ٹھہرایا۔ لیکن ان کے خاندان کے عام لوگوں اور بزرگوں نے ان کو گھر اور وطن سے نکال دیا اور وہ عرصے تک باہر رہے۔

### منصب صدر الصدور:

اسی اثنا میں ان کی زندگی میں ایک زبردست انقلاب آیا اور ان کی علمی شہرت بادشاہ ہند جلال الدین اکبر تک پہنچی۔ اس نے ان کے علم و فضل کی وسعتوں سے متاثر ہو کر ان کو ۱۵۶۳ھ (۱۵۶۳ء) میں مظفر خاں وزیر کی سفارش سے ہندوستان کے منصب صدارت پر فائز کر دیا۔ یہ اس دور کا بہت بڑا اعزاز تھا اور ملک کے تمام علما و قضات ان کے ماتحت تھے۔ شیخ عبدالنبی لمبا عرصہ اس عہدہ جلیلہ پر متمکن رہے۔ ہندوستان میں بہت سے بادشاہوں نے تخت حکومت بچھایا اور بے شمار لوگوں نے صدارت کا منصب سنبھالا، مگر جو عزت و احترام جو وقار و عظمت اور مال و دولت شیخ عبدالنبی کو حاصل ہوا، وہ اور کسی صدر کے حصے میں نہیں آیا۔ جس قدر وظیفے اور امانتیں انھوں نے جاری کیں، اس کا دسواں حصہ بھی کسی صدر نے جاری نہ کیا ہوگا۔ مغل حکمرانوں میں جلال الدین اکبر بہت رعب اور دبدبے کا حکمران تھا، وہ ان کا از حد معتقد تھا اور ان سے اس درجہ تکریم سے پیش آتا کہ ان کی جوتیاں سیدھی کر کے آگے رکھتا تھا، سماع حدیث کے لیے خود ان کے گھر جاتا اور ان کے اشاروں کا منتظر رہتا۔ ملک کے ہر طبقہ و خیال کے لوگوں اور عوام و خواص میں ان کو بڑی عزت و قبولیت حاصل تھی۔

### مسجد کی جگہ مندر کی تعمیر اور ایک ہندو کا قتل:

پھر ایک دور ایسا آیا کہ شاہ ہند جلال الدین اکبر تمام حق پرست علما اور صحیح العقیدہ مشائخ کی مخالفت پر اتر آیا اور مختلف حیلوں اور بہانوں سے انھیں مصائب و مشکلات میں ڈالنا شروع کر دیا۔ شیخ عبدالنبی بھی ان ہی علما کی جماعت میں شامل ہیں۔ اس کی اصل وجہ ملا مبارک اور ان کے بیٹے ابوالفضل اور فیضی تھے، جنھوں نے بادشاہ کو علما کی مخالفت پر اکسایا اور اس کے دل سے ان کے اثر و رسوخ کو ختم کیا۔

ان ہی دنوں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ قاضی عبدالرحیم نے جو متھرا کے منصب قضا پر متعین تھے، صدر الصدور شیخ عبدالنبی کی خدمت میں یہ استغاثہ بھیجا کہ متھرا کے مسلمان ایک مسجد تعمیر کرنا چاہتے تھے، اس کے لیے انھوں نے جگہ کا انتظام بھی کر لیا تھا اور عمارتی سامان بھی وہاں رکھ لیا گیا تھا۔ لیکن یہاں کے ایک سرکش اور سرمایہ دار برہمن نے وہ تمام عمارتی سامان خود اٹھا لیا اور اس مسجد کی جگہ پر اسی سامان سے ایک بت خانے کی تعمیر شروع کر دی۔ میں نے جب اس سے باز پرس کی تو اس نے لوگوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب و شتم کیا۔ اسلام کی اہانت کی اور مسلمانوں کے لیے سخت توہین آمیز الفاظ استعمال کیے۔

ظاہر ہے یہ معاملہ انتہائی سنگین نوعیت کا تھا اور ملک کے صدر الصدور کی حیثیت سے شیخ عبدالنبی کے



لیے اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ شیخ نے اس ہندو کو طلب کیا، مگر وہ حاضر نہ ہوا۔ بالآخر معاملہ بادشاہ تک پہنچا تو اس نے اپنے دربار کی دو بڑی شخصیتوں کو جن میں سے ایک مسلمان تھا ابو الفضل اور دوسرا ہندو تھا پیر برہمٹھرا بھیجا اور حکم دیا کہ وہ اس ہندو کو بادشاہ کی خدمت میں حاضر کریں۔ وہ ہندو تو نہ آیا، لیکن واپس آ کر ابو الفضل نے بادشاہ کے سامنے وہ سب کچھ بیان کیا جو اس نے لوگوں نے سنا تھا اور کہا کہ اس بات کی تحقیق ہو گئی ہے کہ مٹھرا کے ہندو نے رسول اللہ ﷺ پر سب و شتم کیا ہے، اسلام کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کیے ہیں اور مسلمانوں کی توہین کی ہے۔

شاتم رسول کی سزا۔ علما کے دو گروہ:

اس برہمن کو تو جیل میں ڈال دیا گیا مگر سوال یہ پیدا ہوا کہ اس کو اس جرم کی کیا سزا دی جائے؟ اس پر علما کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا اور دوسرے نے اس کی تشہیر اور جرمانے وغیرہ پر زور دیا۔ بحث زیادہ طول پکڑ گئی تو شیخ عبدالنبی نے بادشاہ سے اس کے قتل کی اجازت طلب کی اور اس پر اصرار کیا۔ بادشاہ نے صاف لفظوں میں تو اجازت نہ دی، البتہ یہ کہا کہ شرعی سزاؤں کا معاملہ آپ سے متعلق ہے۔ ہم سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ شیخ نے بادشاہ سے کئی مرتبہ اس کے قتل کے لیے کہا، مگر وہ بدستور شیخ کو یہی الفاظ کہہ کر ٹالتا رہا کہ شرعی سزاؤں کے سلسلے میں ہم دخل دینا نہیں چاہتے۔ اس کا تعلق آپ کی ذات اور علم سے ہے۔ برہمن اس جھگڑے میں مدتوں قید میں پڑا رہا۔ شاہی حرم میں ہندو عورتیں بھی موجود تھیں، انھیں واقعہ کا علم ہوا تو وہ بادشاہ سے اس برہمن کی رہائی کے لیے سفارشیں کرنے لگیں۔ بادشاہ سب کچھ سنتا لیکن خاموش رہتا، کیوں کہ اس کو شیخ عبدالنبی کا بہت لحاظ تھا۔ نہ وہ صاف لفظوں میں اس کے قتل کی اجازت دیتا تھا اور نہ رہائی کا حکم جاری کرتا تھا۔

اب شیخ نے بادشاہ سے پھر اس کے قتل کے لیے کہا تو اس نے جواب دیا، ہم تو آپ سے کہہ چکے ہیں کہ جو مناسب سمجھتے ہیں کریں، ہم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ بادشاہ کی یہ بات سن کر شیخ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا مگر جب بادشاہ کے علم میں یہ بات آئی تو اسے سخت غصہ آیا۔ ادھر ہندو رانیوں نے جو شاہی حرم میں داخل تھیں اور ہندو مصاحبوں نے جو دربار سے تعلق رکھتے تھے، بادشاہ کو بھڑکانا شروع کیا اور کہا کہ ان ملاؤں کو آپ نے اپنی مہربانیوں اور نرم رویے سے سر پر چڑھا لیا ہے۔ اب یہ یہاں تک جری ہو گئے ہیں کہ ان کو بادشاہ کی مرضی اور پسند کا بھی کوئی خیال نہیں رہا۔ وہ آپ کے حکم اور منظوری کے بغیر ہی اپنا اختیار اور دبدبہ جتانے کے لیے لوگوں کو قتل کرنے لگے ہیں۔ نہ ان کو آپ کی پروا ہے اور نہ رعایا کے احساسات کا کوئی خیال.....! غرض بعض عناصر نے بادشاہ کے اس طرح کان بھرے کہ اس کے لیے مزید تحمل ممکن نہ رہا، معاملہ اس کی قوت برداشت سے باہر ہو گیا اور جو مادہ مدت سے اندر ہی اندر پک رہا تھا، پھوٹ کر بہہ نکلا۔

ایک رات انوپ تلاؤ کی محفل میں بادشاہ نے یہ معاملہ دربار کے نئے نئے مفتیوں کے سامنے پیش کیا

اور اس مسئلے سے متعلق ان کی رائے طلب کی۔ یہاں مختلف قسم کے لوگ موجود تھے ہر ایک نے اپنی فکری اور ذہنی بساط کے مطابق اس بحث میں حصہ لیا۔ کسی نے کہا اس مقدمے میں نہ تو گواہوں پر کما حقہ جرح کی گئی ہے اور نہ ان کی پوری تعدیل کی گئی ہے۔ شیخ عبدالنبی اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں شمار کرتے ہیں، حالاں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے ماتحت کافر اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدزبانی کریں تو ان کی یہ حرکت نقض عہد اور ابرائے ذمہ کا باعث نہیں بن سکتی۔ یہ بات حنفی فقہ کی کتابوں میں وضاحت سے موجود ہے۔ حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ شیخ کو اپنے جد امجد کے مذہب سے کیوں کراختلاف کی جرأت ہوئی۔

ملا عبدالقادر سے اکبر کا استفسار:

اس موقع پر ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں کہ اس مجلس میں میں بھی موجود تھا اور بادشاہ سے کسی قدر دور تھا۔ دوران بحث میں ناگہاں دور سے بادشاہ کی نظر مجھ پر پڑی۔ وہ میری طرف متوجہ ہوا اور میرا نام لے کر بلایا اور کہا:

”آگے آؤ۔“

میں قریب گیا تو پوچھا:

کیا تم نے بھی یہ مسئلہ سنا ہے کہ ایک شخص کے قتل پر ننانوے روایتیں ہوں اور رہائی کے لیے صرف ایک روایت ملتی ہو تو مفتی کو اس ایک روایت کو ترجیح چاہیے ①۔

میں نے کہا: ”ہاں ایسا ہی ہے جیسا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ان الحدود والعقوبات تندرء بالشبهات۔ میں نے اس کا مطلب فارسی میں سمجھایا (کہ شبہات حدود اور سزاؤں میں کمی کر دیتے ہیں) میری یہ بات سن کر بادشاہ نے افسوس کے ساتھ پوچھا۔

مگر شیخ عبدالنبی بریں مسئلہ مطلع نہ بود کہ آن برہمن بیچارہ را بکشت وایں خود چگونہ باشد۔

کیا شیخ عبدالنبی کو اس مسئلے کا علم نہ تھا۔ اس نے بیچارے برہمن کو قتل کرادیا۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟

میں نے کہا۔ شیخ خود بڑے عالم ہیں۔ وہ ضرور جانتے ہوں گے۔ اس روایت کے باوجود اگر انھوں

نے حکم دیا ہے تو ضرور کوئی مصلحت ہوگی۔

فرمودند مصلحت چیست؟

بادشاہ نے پوچھا: کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟

میں نے کہا۔ ”فتنہ وفساد کی روک تھام اور عوام کی دلیری کا سدباب۔“ یہاں ملا عبدالقادر لکھتے ہیں:

میں نے اس سلسلے میں قاضی عیاض کی شفا کی ایک روایت جو میری نظر سے گزر چکی تھی بیان کی، لیکن حاضرین

① ایسی کوئی روایت ہمیں نہیں ملی، جس کے یہ الفاظ ہوں یا اس سے ملتے جلتے ہوں۔

مجلس میں سے بعض خبیث الفنس لوگوں نے کہا:

قاضی عیاض مالکی است، سخن اور دیار حنفی سند نیست۔

قاضی عیاض مالکی مسلک کے حامل ہیں، ان کی بات حنفی ملک میں سند نہیں بن سکتی۔

ان کے اس اعتراض پر بادشاہ نے مجھ سے پوچھا: تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ میں نے کہا: وہ یقیناً مالکی ہیں، لیکن اگر کوئی محقق اور مفتی سیاسی مصلحت کی بنا پر ان کے فتوے پر عمل کرے تو شرعاً جائز ہے۔

ملا عبدالقادر رقم طراز ہیں کہ میری یہ بات وہاں موضوع بحث بن گئی اور بحث خاصا طول پکڑ گئی۔ بادشاہ اس وقت بہت غصے میں تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں:

وموئے سبلت شہنشاہی رادراں وقت مردمی دیدند کہ چوں موئے شیر بر خاستہ بود۔ واز عقب سر مرا مانع بحث می آمدند۔ یکبارگی اعراضی شدہ۔

یعنی لوگوں نے دیکھا کہ شہنشاہ کی مونچھوں کے بال اس وقت شیر کے بالوں کی طرح کھڑے ہو گئے تھے اور حاضرین مجلس پیچھے سے میرا دامن کھینچ کر مجھے بحث سے روک رہے تھے۔ اتنے میں بادشاہ نے جھلّا کر مجھ سے کہا:

ایں نامعقول است کہ می گوئی

تم یہ نامعقول باتیں کر رہے ہو۔

میں فوراً تسلیمات بجالایا اور واپس آ کر اپنی صف میں کھڑا ہو گیا۔ اس دن سے میں نے پیش قدمی اور کسی معاملے میں سبقت کرنا چھوڑ دیا اور بحث و مباحثے سے کنارہ کشی کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ بس کبھی کبھی کورنش بجالاتا اور اپنے کام میں مشغول رہتا۔

اس واقعہ کے بعد شیخ عبدالنبی کو برابر زوال آتا گیا۔ ان کے اور بادشاہ کے درمیان ایک حجاب سا حائل ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے سے ملاقات اور گفتگو سے گریز کرنے لگے۔ یہاں تک کہ شیخ نے دربار میں جانا بالکل بند کر دیا اور ۹۸۶ھ (۱۵۷۸ء) میں وہ عہدہ صدارت سے معزول ہو گئے

ملا مبارک کی تجویز:

اسی اثنا میں ملا مبارک کسی سلسلے میں بادشاہ کو مبارک باد دینے کے لیے آگرہ سے فتح پور گئے۔

بادشاہ نے ان سے سارا واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا: ”آپ خود مجتہد دوراں اور امام زماں ہیں، شرعی اور ملکی احکام کے اجرا میں ان ملاؤں کے محتاج کیوں بنتے ہیں، جو بجز جھوٹی شہرت کے ذرہ برابر بھی علم سے لگاؤ نہیں رکھتے۔“

بادشاہ نے ملا مبارک سے کہا: ”تم ہمارے استاد ہو، ہم تم سے سبق پڑھتے رہیں گے، کسی طرح ہمیں ان لوگوں کے دباؤ سے نکالو۔“

بادشاہ کی یہ بات سن کر ملا مبارک کو پرانی دشمنیوں کا بدلہ لینے کا خوب موقع ملا۔ اس نے نہایت بدباطنی کے ساتھ بادشاہ سے کہا: ”آپ اجتہاد کا دعویٰ کر دیں اور اس دعوے پر علماء سے محضر لکھوائیں۔“ اس سے آگے بدایونی لکھتے ہیں:

یہی وہ واقعہ تھا جس کی بنیاد پر ملا مبارک نے بادشاہ کے اجتہاد اور تمام مجتہدوں پر اس کی افضلیت کے متعلق محضر تیار کیا اور ضمیر فروشوں کی اس مجلس میں شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری کو زبردستی سے پکڑ کر لایا گیا۔ کسی نے ان کی تعظیم نہ کی۔ بے چارے جوتیوں کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ پھر ان پر ایسی سختی کی گئی کہ ان سے بہ جبر واکراہ اس محضر پر دستخط کرائے گئے<sup>①</sup>۔

### شیخ عبدالنبی کا غرور و تکبر:

ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ میں اپنے عہد اور دور اکبری کے جن علما کا ذکر کرتے ہیں، ان سے وہ ذاتی طور پر واقف ہیں، ان کے اخلاق و کردار سے آگاہ ہیں اور ان کی زندگی کا ہر پہلو ان کے سامنے ہے۔ وہ ان کی علمی حیثیت کو بھی پہچانتے ہیں اور ذاتی کردار کے مختلف گوشوں پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری اور صدر الصدور شیخ عبدالنبی کے علم و فضل کے مداح ہیں، لیکن ساتھ ہی ان کی زندگی کے ایسے گوشوں کی نشان دہی بھی کرتے ہیں جو ان کے علم و فضل سے قطعی ہم آہنگ نہیں ہیں۔ ایک عالم دین کو بہر حال ایسی چیزوں سے محترز رہنا چاہیے اور صاف ستھری زندگی بسر کرنے کی سعی کرنا چاہیے۔

بادشاہ ہند جلال الدین اکبر ابتدا میں شیخ عبدالنبی کا بے حد قدردان تھا، اس نے ان کو بہت سے اختیارات دے رکھے تھے جن کی وجہ سے ان میں بڑا غرور اور تکبر پیدا ہو گیا تھا اور اس درجہ رعونت آگئی تھی کہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، ان کے محکمے میں کھلے بندوں رشوت لی اور دی جاتی تھی اور مملکت کے بڑے بڑے اہل کار بھی ان کے سامنے دم مارنے کی جرات نہ کرتے تھے۔ اس ضمن میں بدایونی کی مندرجہ ذیل سطور قابل مطالعہ ہیں:

بادشاہ نے حکم دیا کہ جب تک ممالک محروسہ کے تمام آئمہ اپنے وظائف اوقاف اور معاش کے فرامین پر صدر شیخ عبدالنبی کی مہر نہ کرائیں، کروڑی ان کی رقوم کا اجرانہ کریں۔ اس

① تفصیل کے لیے دیکھیے منتخب التواریخ ص ۳۰۵ تا ۳۰۷۔

فرمان شاہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے مشرقی کنارے سے لے کر بھکرتک کے اہل غرض شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ ان میں سے جن کی سفارش کسی امیر اور مقرب نے کر دی، اس کا کام حسب منشا تکمیل پا گیا اور جن کو کسی کی سفارش میسر نہ آئی، وہ بے چارے سید عبدالرسول اور شیخ کے دیگر کارندوں کے ہاں دھکے کھاتے رہے، نہ صرف ان کو بلکہ شیخ کے فراشوں، دربانوں، سائیسوں اور حلال خوروں تک کو بھاری رشوتیں دینا پڑتیں، جب کہیں ان کا کام بنتا۔ جو یہ نہ کر پاتے وہ دربانوں کے ڈنڈے کھاتے رہتے۔ ایسا بھی ہوا کہ بہت سے بدنصیب اس ہجوم اور بھاگ دوڑ میں گرمی کی شدت کی تاب نہ لا کر وہیں جاں بحق ہو گئے۔ یہ بات بادشاہ کے علم میں بھی آ چکی تھی، لیکن وہ اس صدر عالی قدر کی تعظیم کے علاوہ کچھ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

جب شیخ اپنی مسند جاہ و جلال پر متمکن ہوتا اور عالی مرتبت امیر مختلف اہل علم کو ساتھ لے کر سفارش کے لیے اس کی خدمت میں حاضری دیتے تو اس کے تیور دیکھنے کے لائق ہوتے تھے۔ اس موقع پر تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کہ شیخ کسی کو تعظیم و تکریم سے پیش آتا، بلکہ وہ ہر ایک کو نہایت سخت الفاظ میں مخاطب ہوتا اور ڈانٹ ڈپٹ پر اتر آتا تھا۔ جب بے چارے اسائل انتہائی عاجزی اور خوشامد کا اظہار کرتا تو ان علمائے کرام کے لیے جو فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ اور دیگر منتہی کتابوں کا درس دیتے تھے، سو بیگھے کے لگ بھگ اراضی منظور کر کے باقی زمین جس پر وہ مدت دراز سے قابض تھے، ان کے نام سے قلم زد کر دیتا تھا۔ ان کے مقابلے میں جاہلوں، کمینوں بلکہ ہندوؤں تک کو بہترین زمینیں عطا کر دیتا۔ اس طرح اس کے ہاتھوں علم اور اہل علم کی قدر و منزلت روز بروز گھٹتی چلی گئی۔

اس سے آگے بدایونی لکھتے ہیں:

اپنے اجلاس میں دوپہر کے بعد جب شیخ نہایت غرور و تکبر سے کرسی پر بیٹھا وضو بناتا تو اس کے مستعملہ پانی کے چھینٹے بڑے بڑے امیروں اور خاص خاص مصاحبوں کے سروں اور کپڑوں پر گرتے اور اس کو ذرہ بھر بھی اس کا احساس نہ ہوتا۔ وہ لوگ بھی اہل علم اور فقرا کا کام نکالنے کے لیے سب کچھ برداشت کرتے اور خوشامد چا پلوسی اور اس کی دل جوئی کی خاطر طرح طرح کی ذلتیں اٹھاتے۔ پورے شاہی عہد میں کسی صدر الصدور کا یہ اثر اور دبدبہ نہیں رہا جتنا کہ شیخ عبدالنبی کو حاصل ہو گیا تھا۔

اس سے بڑی بات کیا ہو سکتی ہے کہ خود بادشاہ تعظیم و احترام کے جذبات کے ساتھ کبھی کبھی حدیث سننے کے لیے اس کے گھر جاتا۔ ایک دو مرتبہ تو بادشاہ نے اس کی جوتیاں بھی سیدھی کیں۔ بڑے شہزادے کو بھی تعلیم کے لیے اسی کے حجرے میں بٹھایا گیا تھا، وہ عموماً مولانا عبدالرحمن جامی کی چہل حدیث کا درس دیا کرتا تھا۔

## تصنیفات:

شیخ عبدالنبی تصنیفی ذوق بھی رکھتے تھے اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے جن میں ایک رسالہ حرمت سماع سے متعلق ہے۔ یہ رسالہ انھوں نے اپنے والد مکرم شیخ احمد گنگوہی کے اس رسالے کے رو میں لکھا تھا جس میں انھوں نے سماع کو ضروری قرار دیا تھا۔

ایک اور رسالہ فقال مروزی شافعی کے ان اعتراضات کے رد اور جواب میں تحریر کیا جو انھوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر وارد کیے ہیں۔

ان کے علاوہ وظائف فی الادعیۃ الماثورۃ اور سنن الہدی فی متابعة المصطفیٰ بھی ان کی تصنیفات میں سے ہے۔

معلوم ہوتا ہے ان کی تصنیفات اور بھی ہیں، لیکن ان کا ہمیں علم نہیں ہو سکا۔

اکبر کے حکم سے حجاز کو روانگی:

مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری اور صدر الصدور شیخ عبدالنبی گنگوہی اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود بہت بڑے عالم تھے اور دونوں کے درمیان شدید معاصرانہ رقابت تھی۔ ایک وقت تھا کہ جلال الدین اکبر مخدوم الملک کو بے حد احترام کی نظر سے دیکھتا تھا، یہاں تک کہ شیخ عبدالنبی کو ممالک محروسہ کا صدر الصدور بنا دیا گیا اور ان کا مرتبہ اعزاز انتہائی بلندیوں کو چھونے لگا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا (جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے) بادشاہ ہند کے دل میں شیخ عبدالنبی کے متعلق تنفر کے جذبات ابھر آئے۔ چوں کہ بادشاہ ان سے نفرت کرنے لگا تھا اس لیے وزرا و امرا کے گروہ میں بھی ان کا کوئی حامی نہ رہا اور یہ دونوں بزرگ عبدالنبی اور عبداللہ انصاری اپنی علمی ہمہ گیری کے باوصف اپنے ہی ملک میں اجنبی ہو کر رہ گئے۔ اکبر نے تو نیا دین ایجاد کر لیا تھا اور اسے ان کی طرف سے مخالفت کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، دوسرے وہ ان دونوں کی روز روز کی مخالفت اور معاصرانہ چپقلش سے تنگ آ گیا تھا لہذا اس نے ان دونوں کو دیار ہند سے نکل جانے اور مکہ معظمہ چلے جانے کا حکم دیا۔ اور اس دور میں حکمران لوگ بطور سزا کے بھی مخالفین کو حرمین بھیجتے تھے۔ چنانچہ یہ کچھ عرصہ وہاں رہے۔ بعد ازاں شیخ عبدالنبی رجب ۹۸۹ ہجری (اگست ۱۵۸۱ء) کو بادشاہ سے اجازت حاصل کیے بغیر وارد ہند ہوئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے شیخ کو اپنے خرچ سے ۹۸۸ھ (۱۵۸۰ء) میں مکہ معظمہ بھیجا تھا۔

## وفات:

ایک روایت کے مطابق بادشاہ نے ان کو محاسبہ و باز پرس کے لیے اپنے وزیر راجا ٹوڈرل کے حوالے کر دیا تھا، اس نے ان کو جیل میں ڈال دیا اور شدید تکلیفیں پہنچائیں، جن کی تاب نہ لا کر وہ ۹۹۱ھ (۱۵۸۳ء) میں وفات پا گئے۔

دوسری روایت کے مطابق بادشاہ نے ان کا معاملہ ملا ابوالفضل کے سپرد کر دیا۔ وہ بھی راجا ٹوڈرل کی طرح پہلے سے ان سے شدید مخالفت و عداوت رکھتا تھا۔ اس نے ان کو مجبوس کر کے بہت سی ذہنی اور جسمانی اذیتوں میں مبتلا کیا اور بالآخر گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا ①۔

ملا بدایونی ان کی وفات کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

شیخ عبدالنبی مکہ مکرمہ سے اکبر کے پاس فتح پور پہنچے۔ اکبر کے سامنے انھوں نے نہایت تلخ گفتگو کی اور اسے بہت برا بھلا کہا۔ ان کی باتیں سن کر اکبر کو بھی غصہ آ گیا اور ان کے بے باکانہ اسلوب کلام کو گستاخی پر محمول کیا۔ اس نے شیخ کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا۔ شیخ نے چلا کر کہا۔ ”ایک ہی بار چھری مار کر میرا کام تمام کیوں نہیں کر دیتے؟“ اکبر نے راجا ٹوڈرل کے حوالے کر دیا اور حکم دیا کہ شیخ سے اس ستر ہزار روپے کا حساب لیا جائے جو مکہ معظمہ جاتے وقت انھیں دیا گیا تھا۔ کروڑیوں نے ان کو کچھری کی حوالات میں طویل عرصے تک مقید رکھا۔ آخر ایک رات گلا گھونٹ کر ان کو زندگی کی قید سے رہائی دلا دی۔ کس درجہ عبرت کی بات ہے کہ شیخ عبدالنبی جیسے مقتدر شخص کا یہ حشر ہوا کہ قتل کے دوسرے دن مناروں والے میدان میں اس کی لاش ظہر کی نماز تک بے گور و کفن پڑی رہی۔ یہ واقعہ ۹۹۲ھ (۱۵۸۴ء) میں رونما ہوا۔ ان کی تاریخ ”شیخ کنہی“ سے نکالی گئی اور یہ شعر کہا گیا۔

گرچہ الشیخ کالنبی گفتند  
کالنبی نیست شیخ ما کنہی است ②

شیخ اور ان کا خاندان:

شیخ عبدالنبی ولد شیخ احمد ولد شیخ عبدالقدوس کا اصل وطن اندری علاقہ گنگوہ تھا۔ ان کا تعلق ایک مشہور خاندان مشائخ سے تھا۔ مکہ اور مدینہ جا کر علم حدیث کی تحصیل کی۔ واپس آ کر تصوف کے مسلک کو ترک کر دیا اور علوم دین کی تدریس میں مصروف ہو گئے۔ ۹۷۲ھ یا ۹۷۱ھ (۱۵۶۵ء) میں جب کہ مظفر خاں وزیر کل تھا، شیخ دربار میں آئے اور مظفر خاں کی سفارش پر صدر الصدور بنائے گئے۔ شیخ عبدالنبی کو دراصل ملا مخدوم الملک (مولانا عبداللہ انصاری سلطان پوری) کا اثر گھٹانے کے لیے یہ اعزاز و ترقی دی گئی تھی۔ اکبر ابتدا میں شیخ کا نہایت

① تفصیل کے لیے دیکھیے: منتخب التواریخ، ص ۲۲۰، ۲۲۱، ۳۰۵ تا ۳۰۷۔ طرب الاماثل بتراجم الافاضل ص ۲۱۸ تا ۲۲۰۔

نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۱۹ تا ۲۲۲۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۳۴۔ دربار اکبری ص ۳۲۰ تا ۳۲۷ نیز ملاحظہ ہو۔ ص ۳۳۵ تا

۳۳۷ (در حالات شیخ مبارک) رود کوثر ص ۹۴ تا ۱۰۷۔ تذکرہ مولانا آزاد۔ بزم تیموریہ ص ۹۳، ۹۴۔ مآثر الامرا۔ ج ۳

ص ۲۵۶، ۲۵۷، ۳۲۸، ۳۲۹۔

② منتخب التواریخ، ص ۲۲۱ تا ۲۲۳۔

معتقد تھا اور ان کے گھر جا کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اس نے ان کی جوتیاں تک سیدھی کیں۔ ۹۸۵ھ (۱۵۷۷ء) تک فیضی اور ابوالفضل بھی دربار میں آچکے تھے۔ ان دونوں نے اکبر کو اس طرح قابو کر لیا کہ وہ الحاد و بے دینی کی طرف مائل ہو گیا اور علماء کی قدر اس کے دل سے جاتی رہی۔ شیخ کے زوال اور عبرت ناک انجام کا باعث دراصل یہی دو بھائی تھے۔ معتمد خان نے اقبال نامہ میں صاف لکھا ہے کہ ابوالفضل نے بادشاہ کے اشارے سے شیخ کو مروا ڈالا۔ ان کی تاریخ وفات کے بارے میں جو شعر لکھا ہے اس کے دوسرے مصرع ”کنہی“ کا لفظ ”کنب“ سے لیا گیا ہے جس کے معنی بھنگ کے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہمارا شیخ بھنگ نوش ہے۔ بے چارے کو مرنے کے بعد بھی لوگوں نے نہیں بخشا اور طنز و طعن سے نہیں چونکے ①۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اخبار الاخیار میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے حالات کے ضمن میں

شیخ عبدالنبی کا ذکر کیا ہے ②۔

شیخ محمد اکرام کا تجزیہ:

شیخ محمد اکرام مرحوم نے اپنی تصنیف رود کوثر میں مخدوم الملک شیخ عبداللہ سلطان پوری اور صدر الصدور شیخ عبدالنبی کا خاصی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور ان کی زندگی کے مختلف گوشوں کی وضاحت کی ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ملا عبدالقادر بدایونی کی طرح مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی تذکرہ میں اکبر کی تبدیلی مذہب اور علماء سے نفرت کا باعث مخدوم الملک اور صدر الصدور کی شخصی کوتاہیوں کو قرار دیا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی نے اکبری دور کے بعض علماء کو جو ”علمائے سوء“ قرار دیا ہے تو اس سے مخدوم الملک عبداللہ اور شیخ عبدالنبی مراد لیے ہیں۔ شیخ محمد اکرام نے عہد اکبری کے ان دو علماء کے کردار کا تجزیہ بڑے محتاط انداز میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

بدایونی کے علاوہ عہد مغلیہ میں علماء کے جتنے بھی تذکرے لکھے گئے اور جن کا ماخذ منتخب التواریخ نہیں ان میں بالعموم شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک کی تعریف کی گئی ہے۔

مثلاً حضرت مجدد کے شاگرد اور خلیفہ (اور ان کی مشہور سوانح عمری حضرات القدس کے مصنف) جنہیں سترہ سال مرشد کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا، سنوالات الاتقیاء (قلمی) میں شیخ عبدالنبی کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

شیخ عبدالنبی بن شیخ احمد حنفی رضی اللہ عنہ عالم و محدث بود..... تسرع بر کمال داشت و در اتباع سنت و رفع بدعت رسوخ تمام نصیب وقت اوشده بود۔ و در امر معروف و نہی منکر بر سلاطین و امر اشادت کردے۔ صاحب تصانیف شریفہ است۔ ازاں جملہ وظائف النبی است۔ در سنہ نہ صد و نو دو یک در عہد عرش آشیانہ شہادت یافت ع

① منتخب التواریخ، ص ۵۰۲ (اردو ترجمہ)

② اخبار الاخیار، ص ۲۲۲-۲۲۳۔



### صاحب فیض گفت سالتش عقل ①

(یعنی شیخ عبدالنبی بن شیخ احمد حنفی رضی اللہ عنہ عالم و محدث تھے..... مرتبہ کمال پر فائز تھے۔ اتباع سنت اور رفع بدعت میں بڑے تیز تھے اور ان کا تمام وقت اسی کام پر صرف ہوتا تھا۔ سلاطین و امرا سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سختی کا برتاؤ کرتے تھے..... بہترین تصانیف کے مصنف تھے جن میں ایک وظائف النبی ہے۔ ۹۹۱ھ (۱۵۸۳ء) کو عہد اکبری میں شہادت پائی۔ تاریخ وفات اس مصرعے سے نکلتی ہے (صاحب فیض گفت سالتش عقل)

اکرام مرحوم اس سے آگے لکھتے ہیں:

اخبار الاصفیا (قلمی) میں جو ابو الفضل کے بھانجے عبدالصمد نے اسی زمانے میں لکھی (شیخ عبدالنبی کے بارے میں) اسی طرح کا اظہار خیال کیا ہے۔

شیخ عبدالنبی بن شیخ احمد بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی، عنوان صحیفہ دین و دانش

(یعنی شیخ عبدالنبی بن شیخ احمد بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی، عنوان صحیفہ دین و دانش اور فہرست جریدہ

علم و عمل تھے۔ عنقوان شباب میں..... حریم شریفین چلے گئے تھے اور اسی ارض مقدس میں شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ.....

سے سماعت حدیث کی۔ وطن واپس آ کر ارکان شریعت غرا کی ترویج و اشاعت کے لیے کمر بستہ ہوئے.....

آخری آرام گاہ فتح پور ہے۔ ان کی تصنیفات میں سے ایک کتاب سنن الہدیٰ ہے)

اکرام صاحب مرحوم مزید لکھتے ہیں:

دوسرے معاصرانہ تذکروں میں بھی (مثلاً مرآة العالم میں سوائے ان کے جنہوں نے

طبقات شاہ جہانی کی طرح بدایونی پر انحصار کیا ہے) شیخ عبدالنبی بلکہ مخدوم الملک کا ذکر

بھی تعریف کے ساتھ کیا گیا ہے اور بالخصوص حضرت مجدد کے شاگرد اور سوانح نگار خواجہ

بدر الدین سرہندی شیخ عبدالنبی کی تعریف کے بعد یہ قیاس کہ حضرت مجدد نے انہیں

”علمائے سوء“ میں شمار کیا ہوگا، صحیح نہیں معلوم ہوتا ②۔

اس عبارت کا مطلب بالکل ظاہر ہے۔ یعنی مولانا ابوالکلام تذکرہ میں واضح الفاظ میں کہتے ہیں کہ

مجدد الف ثانی نے ”علمائے سوء“ مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری اور صد الصدور شیخ عبدالنبی کو قرار دیا ہے

لیکن اکرام صاحب اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ ”علمائے سوء“ سے مجدد صاحب کی مراد ملا

مبارک کے دونوں بیٹوں ابوالفضل اور فیضی ہیں۔ اس ضمن میں اکرام صاحب کا یہ استدلال بڑا وزنی ہے کہ خود

مجدد صاحب کے شاگرد اور سوانح نگار خواجہ بدر الدین سرہندی جنہوں نے سترہ سال کا طویل عرصہ اپنے عظیم

① رود کوثر، ص ۹۷۔ اس تاریخ وفات کا بدایونی کے بیان سے مقابلہ کیا جائے تو اندازہ کیجیے دونوں میں کتنا بعد ہے۔

② رود کوثر، ص ۹۸۔

مرشد کی خدمت میں بسر کرنے کی سعادت حاصل کی، اپنی تصنیف سنوالات الاتقیاء میں اور ابوالفضل کے بھانجے شیخ عبدالصمد اپنی کتاب اخبار الاصفیاء میں شیخ عبدالنبی کی تعریف میں ایسے بہترین الفاظ استعمال کرتے ہیں (جو اوپر سے گزر چکے) تو ان کو مجدد صاحب کے الفاظ ”علمائے سوء“ کا منطوق کیوں کر قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر اکرام صاحب کے نزدیک مجدد صاحب کا مشار ”الیہ ابوالفضل اور فیضی ہیں نہ کہ مخدوم الملک اور صدر الصدور۔“ اکرام صاحب لکھتے ہیں:

حضرت مجدد نے ”علمائے سو“ کی وضاحت نہیں کی، لیکن اس معاملے میں مولانا محمد ناظم ندوی کی رائے ہمیں صحیح معلوم ہوتی ہے جنہوں نے تعلیمات مجددیہ کے پیش لفظ میں ”علمائے سو“ سے ”مبارک ناگوری کے دونوں ذہین و طباع بیٹے ابوالفضل اور فیضی اور تاج الدین دہلوی (کذا) مراد لیے ہیں۔ شاید ان کے علاوہ قاصی خاں بدخشی کی طرف بھی اشارہ ہو، جنہوں نے بادشاہ کے لیے سجدہ تہیت جائز قرار دیا ①۔

### بدایونی کی وجہ مخالفت:

ملا عبدالقادر بدایونی شیخ عبدالنبی کے معاصر ہیں اور نہایت طنز مورخ ہیں۔ ان کے قلم کا نشتر انتہائی تیز ہے۔ بہت کم لوگ ان کے طنز و تعریض سے محفوظ رہے ہوں گے۔ اتفاق سے یہ دونوں بزرگ اکبر کے دربار سے منسلک تھے اور بدایونی کو بعض معاملات میں ان سے واسطہ بھی پڑا تھا۔ بدایونی کا ذریعہ معاش محدود تھا اور ان کو خزانہ شاہی سے اتنی مالی مدد نہ ملتی تھی، جس کے یہ متمنی تھے۔ اس کا انہوں نے اکبر سے کئی مرتبہ اظہار بھی کیا مگر ناکام رہے۔ ان کے خیال میں اس میں شیخ عبدالنبی بھی رکاوٹ ڈالتے تھے چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

اس مختصر معاش پر بھی شیخ عبدالنبی نے کہا، ہم نے تمہارے گروہ کے آدمیوں میں سے کسی کو اتنی امداد نہیں دی ②۔

ممکن ہے بدایونی کی طرف سے شیخ کی مخالفت کی ایک وجہ ان کا اپنا ذاتی معاملہ ہو۔ یہ بھی امکان ہے کہ لوگوں نے شیخ کی مخالفت اس لیے شروع کر دی ہو کہ بادشاہ وقت ان کا مخالف ہو گیا تھا ③۔

فیضی کے اشعار:

شیخ عبدالنبی اپنے دور اقتدار میں اہل علم کے نزدیک نہایت عزت و احترام کے مالک تھے۔ اس کا

① رود کوثر، ص ۹۷۔ قاضی خاں بدخشی سے نظام الدین بدخشی مراد ہیں، جن کو اکبر نے پہلے قاضی خاں اور پھر غازی خاں کا خطاب دیا تھا۔

② منتخب التواریخ (اردو ترجمہ) ص ۲۳۸۔

③ شیخ عبدالنبی کے حالات میں النور السافر، ص ۳۷۹، ۳۸۰ بھی دیکھیے۔ نیز ملاحظہ ہو طبقات اکبری، ص ۳۹۰۔

اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ۹۸۳ھ (۱۵۷۵ء) کو دہلی میں انھوں نے ایک مسجد تعمیر کی۔ تذکرہ علمائے ہند کے مترجم جناب محمد ایوب قادری رقم طراز ہیں کہ اس پر جو کتبہ نصب ہے، وہ فیضی نے لکھا اور وہ ان اشعار پر مشتمل ہے۔ ان اشعار میں شیخ کی بے حد تعریف کی گئی ہے:

فی زمان الخلیفة الاکبر  
قد بنی بقعة مقدسة  
شیخ الاسلام ظاہر الحرمین  
شیخ عبدالنبی نعمانی  
سال تاریخ ایس بنا فیضی  
اید اللہ ذاته النفع  
مثلها لایکون فی الاقطاع  
شیخ اهل الحدیث بالا جماع  
معدن العلم منبع الانفع  
سال العقل قال خیر بقاع<sup>①</sup>

یعنی خلیفہ جلال الدین اکبر کے زمانے میں جس کی ذات ایسی سود مند ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائیدات اس کے شامل حال ہوں۔

انھوں نے ایک ایسا بقعہ مقدس تعمیر کیا ہے کہ جس کی نظیر اقطاع عالم میں نہیں ملتی اور یہ وہ ہیں جن کو حرمین میں شیخ الاسلام کہا جاتا ہے اور جن کو متفقہ طور پر اہل حدیث کا شیخ قرار دیا جاتا ہے۔

وہ شیخ عبدالنبی نعمانی ہیں جو معدن علم اور سرچشمہ برکات ہیں۔

اس کی تعمیر تاریخ فیضی نے عقل سے پوچھی تو اس نے کہا۔ ”خیر بقاع“

ان اشعار سے پتا چلتا ہے کہ اپنے دور صدر الصدور میں خود فیضی کے نزدیک وہ کس درجہ قدر و منزلت کے حامل تھے۔

شاتم رسول کی سزا:

اوپر گزر چکا ہے کہ شیخ عبدالنبی گنگوہی نے ایک ہندو شاتم رسول (ﷺ) کو قتل کی سزا دی تھی اور بادشاہ ہند جلال الدین اکبر نے یہ مسئلہ علما کی مجلس میں پیش کیا تھا اور پھر اس کو جس انداز سے موضوع بحث ٹھہرایا گیا، اس میں شرعی اعتبار سے شیخ کے فیصلے کو سراسر غلط قرار دیا گیا تھا۔ یہ مسئلہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اختصار کے ساتھ اس کی شرعی حیثیت اور ائمہ دین کے نقطہ نظر کی وضاحت کر دی جائے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے الصارم المسلمول میں اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ان من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من مسلم او کافر فانه یجب قتله۔ هذا مذهب علیہ عامة اهل العلم۔ قال ابن المنذر اجمع عوام

① تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۳۲۶

اهل العلم على ان حد من سب النبي صلى الله عليه وسلم القتل، و ممن قاله مالك والليث و احمد و اسحق، وهو مذهب الشافعي ①۔  
جو شخص رسول اکرم ﷺ کو گالی دیتا ہے وہ مسلمان ہو یا کافر اس کو قتل کر دینا واجب ہے یہ عامہ اہل علم کا مذہب ہے۔ ابن المنذر کہتے ہیں عوام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتا ہے اس پر حد قتل نافذ کر دی جائے۔ امام مالک، لیث، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔

اس ضمن میں امام احمد بن حنبل کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے امام بن تیمیہ لکھتے ہیں:  
كل من شتم النبي صلى الله عليه وسلم او تنقصه، مسلما كان او كافرا، فعليه القتل ②۔

جو شخص رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتا ہے یا آپ کی تنقیص کرتا ہے وہ مسلمان ہو یا کافر اسے قتل کر دیا جائے۔

ساتھ ہی مرقوم ہے: ليس على هذا المطوا العهد والذمه۔  
یہ معاملہ اس قدر سنگین ہے کہ اس پر عہد اور ذمہ کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں۔  
ابوالصفراء کہتے ہیں:

سألت ابا عبد الله عن رجل من اهل الذمة شتم النبي صلى الله عليه وسلم، ماذا عليه؟ قال عليه يقتل من شتم النبي صلى الله عليه وسلم، مسلما كان او كافرا ③۔

میں نے امام احمد سے سوال کیا، اگر کوئی ذمی آنحضرت ﷺ کو گالی دے تو اس کو کیا سزا دی جائے؟ فرمایا، جب اس کے خلاف ثبوت فراہم ہو جائے کہ وہ نبی ﷺ کو گالی دینے کا مرتکب ہوا ہے تو وہ مسلمان ہو یا کافر اسے قتل کر دیا جائے۔

اسی طرح امام ابن تیمیہ مختلف اہل علم اور اصحاب امام احمد کے مسلک کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وذكروا ان سابه يقتل و ان كان ذميا وان عهده ينتقض ④۔

① الصارم المسلمون على شاتم الرسول، ص ۳۔

② ایضاً ص ۴۔

③ الصارم المسلمون على شاتم الرسول، ص ۴۔

④ الصارم المسلمون على شاتم الرسول، ص ۶۔

نبی ﷺ کو گالی دینے والے کو قتل کر دیا جائے گا، اگر وہ ذمی ہو تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔

امام مالک اور اہل مدینہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

وان كان ذميا فانه يقتل ايضاً في مذهب مالك و اهل المدينة..... و هو مذهب احمد و فقهاء الحديث ①۔

اگر شاتم رسول ذمی ہو جب بھی اسے مذہب امام مالک اور مذہب اہل مدینہ کے مطابق قتل کر دیا جائے گا..... امام احمد اور اہل حدیث کا یہی مذہب ہے۔

امام شافعی سے شاتم رسول کے بارے میں منقول ہے:

ان عهده ينتقض بسب النبي صلى الله عليه وسلم و انه يقتل ②  
رسول اللہ ﷺ پر سب و شتم کی وجہ سے اس کا مسلمانوں سے عہد ٹوٹ جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔

امام شافعی کتاب الام میں فرماتے ہیں کہ ذمیوں سے شرائط صلح لکھتے وقت یہ عہد لینا چاہیے کہ وہ نبی ﷺ، کتاب اللہ اور دین اسلام کے بارے میں توہین آمیز الفاظ استعمال نہیں کریں گے۔ اگر کریں گے تو عہد ٹوٹ جائے گا اور ان کے مال و جان کی حفاظت کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔ اس ضمن میں امام شافعی رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

اذا اراد لا مام ان يكتب كتاب الصلح على الجزية، كتب و ذكر الشروط، الى ان قال۔ و على ان احدا منكم ان ذكر محمدا صلى الله عليه وسلم او كتاب الله او دينه بما لا ينبغي ان يذكره فقد برئت منه ذمة الله ثم ذمة امير المسلمين و جميع المسلمين، و نقض ما اعطى من الامان، و حل لا مير المؤمنين مالهودمه كما تحل اموال اهل الحزاب و دمائمهم ③۔

جب امیر المؤمنین، جزیہ کے بارے میں اہل ذمہ سے صلح نامہ معرض کتابت میں لانے لگے تو باقاعدہ ان شرائط کو ضبط تحریر میں لائے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص رسول ﷺ کی شان اقدس میں یا قرآن مجید اور اللہ کے دین کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کرے گا تو وہ

① الصارم المسلمول، ص ۴۔

② ایضاً، ص ۸۔

③ الصارم المسلمول، ص ۸۔

اللہ کی ذمہ داری پھر امیر المومنین اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری کے حلقے سے باہر نکل جائے گا اور جو امان اسے دی گئی ہے وہ ٹوٹ جائے گی اور امیر المومنین کے لیے اس کا جان و مال اسی طرح حلال قرار پائے گا جس طرح کہ اہل حرب کے مال و جان حلال قرار پاتے ہیں۔

اس سے آگے امام شافعی فرماتے ہیں اگر کوئی ذمی مسلمان عورتوں کی عزت کو ملحوظ نہیں رکھے گا یا کسی مسلمان پر ڈاکا ڈالے گا یا اس کے دین کے سلسلے میں رکاوٹ پیدا کرے گا یا ان لوگوں کی اعانت کرے گا جو مسلمانوں کے محارب اور ان سے برسر پیکار ہیں یا ان کو اہل سلام کے رازوں سے آگاہ کرے گا اور ان کے راز انھیں بتائے گا تو اسے یاد رکھنا چاہیے۔

فقد نقض عہدہ و حل دمہ و مالہ ①۔

اس نے اپنا عہد توڑ دیا اور اس کا خون اور مال مسلمانوں پر حلال ہو گیا۔

امام شافعی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے مال اور عزت کو نقصان پہنچانے کی جو کوشش بھی کرے گا اس کوشش کو نقض عہد پر محمول ٹھہرایا جائے گا اور اس سے ابرائے ذمہ ہو جائے گا۔

ثم قال فہذہ الشرط اللازمۃ ان رضیہا فبہا و ان لم یرضہا فلا عقدلہ ولا جزیۃ ②۔

یہ بنیادی شرائط ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ ان پر رضامند ہے تو بہتر ورنہ عہد اور جزئیہ کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔

بہر حال اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ شاتم رسول ﷺ کی سزا قتل ہے اور ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے: ان الساب ان کان مسلماً فانہ یکفر و یقتل بغير خلاف و هو مذہب الائمة الاربعۃ و غیرہم ③۔

نبی ﷺ کو گالی دینے والا اگر مسلمان ہو تو وہ دائرہ کفر میں داخل ہو جاتا ہے اور بلا اختلاف اس کی سزا قتل ہے۔ ائمہ اربعہ اور دیگر اہل علم کا یہی مذہب ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ذمی یا کافر گالی دے تو اس کا کیا کیا جائے؟ اس ضمن میں مختصر الفاظ میں امام احمد امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا مذہب بیان ہو چکا۔ وہ اس کے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نقطہ نظر ان سے قدرے مختلف ہے:

① الصارم المسلمول ص ۸۔

② الصارم المسلمول ص ۸۔

③ ایضاً ص ۸۔

واما ابو حنیفة واصحابہ فقالوا لا یتقض العہد بالسب ولا یقتل الذمی  
بذلك لکن یعزر علی اظہار ذلك كما یعزر علی اظہار المنکرات التی  
لیس لہم فعلہا من اظہار اصواتہم بکتاہم و نحو ذلك ①۔

امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو گالی دینے سے ذمی کا عہد  
نہیں ٹوٹتا اور نہ اس سے اس کو قتل کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے اظہار پر اسے تعزیر کی سزا  
دی جائے گی (حد کی نہیں) جیسے کہ ان منکرات کے اظہار پر تعزیر کی سزا دی جاتی ہے، جن  
کا ان کی مذہبی کتاب کی رو سے زبان سے اظہار کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔

نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے جن شائمان رسول کو قتل کیا یا قتل کا حکم دیا، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسے  
مصلحت و سیاست پر محمول کرتے ہیں تاکہ لوگ اس پر جری نہ ہو جائیں اور فتنے کا دروازہ نہ کھل جائے۔

و یحملون ما جاء عن النبی ﷺ و اصحابہ من القتل و مثل ہذہ  
الجرائم علی اند رأی المصلحة فی ذلك و یسمونہ القتل سیاسة  
و کان حاصلہ ان لہ یعزر بالقتل فی الجرائم التی تغلظت بالتکرار و  
شرع القتل فی جنسہا ②۔

اس قسم کے جرائم میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سے جو قتل منقول ہے وہ مصلحت  
پر مبنی ہے اور وہ اس کو ایسا قتل قرار دیتے ہیں جو سیاسی وجوہ کی بنا پر ضروری ہو اور اس کا حاصل  
یہ ہے کہ اس کو تعزیر یا قتل کی سزا ان جرائم میں دی جائے گی، جن کا ارتکاب بکثرت اور بتکرار  
کرنے سے ان جرائم میں اضافہ ہو جائے اور اس قسم کے جرائم میں قتل مشروع ہو۔  
اس کے بعد امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

وہذا افتی اکثرہم بقتل من اکثر من سب النبی صلی اللہ علیہ  
ولسم من اهل الذمة وان اسلم بعد اخذہ و قالوا یقتل سیاسة  
ولہذا متوجہ علی اصولہم ③۔

اسی بنیاد پر ان میں سے اکثر نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر ذمی کثرت سے نبی ﷺ کو گالی  
دیتا ہے تو اس کو سیاستاً قتل کر دیا جائے، اگرچہ وہ گرفتاری یا مواخذہ کے بعد اسلام قبول کر  
لے اور یہ بات ان کے اصول کے مطابق ہے۔

① الصارم المسلول ص ۱۰

② ایضاً ص ۱۱۰

③ ایضاً ص ۱۱

حاصل کلام یہ کہ شاتم رسول ﷺ کے باب میں اصولی طور پر ائمہ اربعہ کا ایک ہی نقطہ نظر ہے اور وہ یہ کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ امام ابن تیمیہ نے کتاب و سنت صحابہ کرام اور ائمہ دین کے اقوال و ارشاد کی روشنی میں اس مسئلے پر تفصیل سے بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ از روئے شریعت شاتم رسول قابل قتل ہے۔

## ۱۶۹۔ شیخ عبدالوہاب اکبر آبادی

شیخ عبدالوہاب اکبر آبادی اکبر آباد (آگرہ) کے رہنے والے تھے۔ شیخ ابوالفتح مکی اکبر آبادی کے بڑے بیٹے تھے اور شیخ بدھا کے عرف سے معروف تھے۔ حسن صوت اور عمدہ سیرت سے آراستہ اور دانش و بینش سے پیراستہ تھے۔ کتب درسیہ اور فنون کی تحصیل میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ بالخصوص تفسیر اور حدیث میں مہارت رکھتے تھے۔ شیخ مبارک بن شہاب الدین گوپاموی وغیرہ علما سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس و تدریس اور افادہ طلباء میں مصروف ہو گئے تھے۔ وعظ و تلقین سے گریزاں رہتے تھے۔ نیکی اور صالحیت کا یہ عالم تھا کہ ان کو دیکھ کر اور ان کی مجلس میں بیٹھ کر خدا یاد آتا تھا۔ بندگان خدا کے حالات و کوائف کے سوا دوسری باتوں میں بہت ہی کم دلچسپی لیتے۔ تاریخ و سیرت کے بے شمار عبرت آموز واقعات زبانی یاد تھے۔ ان واقعات کو بڑے ناصحانہ انداز میں بیان کرتے۔ جواں مردی اور سخاوت ان کے خمیر میں داخل تھی۔ اگر کوئی چیز پاس نہ ہوتی اور ضرورت مند آجاتا تو گھر کے مال اسباب میں سے جو کچھ ہاتھ پڑتا اہل خانہ سے چھپا کر اس کو دے دیتے۔ بسا اوقات لوگوں سے قرض لے کر بھی دوسروں کی ضرورتیں پوری کرتے۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ آگرہ کے حاکم نے ان کی ہمت اور وسعت قلبی کا امتحان لینے کے لیے باشندگان شہر کو حکم دے دیا تھا کہ اس درویش عالم دین کو کوئی شخص کچھ بھی بطور قرض نہ دے کیوں کہ سب کچھ غربا میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ مگر بایں ہمہ لوگوں نے نہایت تعجب کے ساتھ دیکھا کہ ان کے مہمان خانے کا خرچ پہلے سے بھی بڑھ گیا ہے اور ان کا دسترخوان مزید بہتر اور وسیع ہو گیا ہے۔ روزانہ بے شمار سائل ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کامیاب واپس جاتے۔ ان کے دروازے سے کبھی کوئی ناکام اور خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔

شیخ عبدالوہاب اکبر آبادی علوم ظاہری کے بھی بہت بڑے عالم تھے اور تصوف و طریقت کے بھی ماہر تھے۔ چنانچہ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ ذکر و شغل کی تلقین اور معارف و حقائق تصوف کی تعلیم کا سلسلہ بھی ان کے ہاں جاری تھا۔

برصغیر پاک و ہند کے اس بلند کردار عالم نے ۱۴ شعبان ۹۷۰ھ (۱۸ اپریل ۱۵۶۳ء) کو آگرہ (اکبر آباد)

میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے ①۔

① اذکار برابر ص ۲۸۴۔ زبہ الخواطر ج ۴ ص ۲۲۲



## ۱۷۰۔ مولانا عبدالوہاب کشمیری

مولانا عبدالوہاب بن مفتی فیروز کشمیر میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے عصر کے مشاہیر اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ دسویں صدی ہجری کے برصغیر کے معروف شیخ و عالم اور فقیہ تھے۔ علومِ حکمیہ میں بھی عبور رکھتے تھے اور تصنیفی ذوق سے بھی بہرہ ور تھے۔ شرح شمسہ اور شرح المواقف پر تعلیقات و حواشی تحریر کیے<sup>①</sup>۔

افسوس ہے اس سے زیادہ ان کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

## ۱۷۱۔ مولانا عزیز اللہ ردولوی

مولانا عزیز اللہ بن اسماعیل بن صفی الدین بن نصیر الدین ردولوی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ اپنے والد گرامی شیخ اسماعیل سے کتبِ درسیہ کی تحصیل کی۔ ان کا شمار اپنے دور کے جید علما میں ہوتا تھا اور مسند تدریس پر فائز تھے۔ فقہ و اصول اور علومِ عربیہ میں بڑی شہرت پائی۔ بے شمار علما و طلبا نے ان سے اخذ علم کیا<sup>②</sup>۔

## ۱۷۲۔ مولانا عزیز اللہ تلنہی

مولانا عزیز اللہ تلنہی ملتانی، اپنے دور کے معروف عالم، محقق اور فاضل بزرگ تھے۔ مختلف علوم و فنون میں مہارت رکھتے تھے بلکہ کہنا چاہیے کہ درجہ امامت پر فائز تھے۔ ذہین و ذکی اور تیز فکر تھے۔ ساتھ ہی عابد و زاہد متقی اور پرہیزگار بھی تھے۔ لوگوں سے بہت کم میل جول رکھتے تھے اور تنہائی پسند تھے۔ کتابوں پر استحضار کا یہ عالم تھا کہ تدریس کے وقت کتابِ بنی اور مطالعہ کی ضرورت محسوس نہ کرتے اور مشکل سے مشکل مسائل آسانی سے کتاب دیکھے بغیر حل کر دیتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ امتحان کی غرض سے دقیق اور الجھے ہوئے مسائل لے کر علما و طلباء ان کے پاس آئے اور انھوں نے پوری تفصیل سے مسئلے کی وضاحت کر دی۔ فیاض اور سخی تھے۔ طلبا پر بہت مہربان اور ان کے مشفق تھے۔ ان کی ضروریات خود فراہم کرتے۔

مولانا عزیز اللہ درحقیقت ضلع ملتان کے قصبہ تلنبہ کے رہنے والے تھے۔ سکندر لودھی کے عہد میں دہلی گئے۔ وہاں سے عازم سنبھل ہوئے اور پھر وہیں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور عمر بھر یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ان سے بے شمار علما نے کسب علم کیا، جن میں شیخ نظام الدین خیر آبادی اور شیخ حاتم سنبھلی کے اسمائے گرامی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔

مولانا عزیز اللہ تلنہی نے ۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) کو وفات پائی<sup>③</sup>۔

① حدائق الحنفیہ ص ۳۸۲ بضمن حالات مفتی فیروز کشمیری۔ لطائف قدوسی ص ۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۲۵

② نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۲۵۔

③ منتخب التواریخ ص ۸۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۲۵، ۲۲۶۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۳۹، ۱۴۰۔

## ۱۷۳۔ مولانا علاء الدین لاہوری

مولانا علاء الدین بن منصور لاہوری مہد علم و فضل میں پیدا ہوئے اور معرفت و تصوف کے ماحول میں پرورش پائی۔ اپنے زمانے کے عالم و فاضل اور برگزیدہ شخص تھے۔ علوم و فنون پر عمیق نگاہ رکھتے تھے اور اس ضمن میں اپنے اقران و معاصرین سے فائق تر تھے۔ تصنیفی اور تدریسی ذوق سے بہرہ ور تھے۔ ملا سعد اللہ تفتازانی کی شرح العقائد پر حاشیہ سپرد قلم کیا۔ عرصے تک خان خاناں کی رفاقت میں رہے۔ پھر بادشاہ ہند جلال الدین اکبر سے تقرب پیدا ہوا اس نے ان کے علم و فراست سے متاثر ہو کر اپنے ندما و مصاحبین کی جماعت میں شامل ہونے کی درخواست کی مگر انھوں نے انکار کر دیا اور تمام معاملات دنیوی سے منقطع ہو کر درس و تدریس کو اپنا مشغلہ قرار دے لیا۔ ان کی تمام مساعی طلباء کی خدمت کے لیے وقف تھیں۔ جو چیز کہیں سے حاصل ہوتی، طلباء کے حوالے کر دیتے۔ خود تکلیف اٹھاتے مگر اپنے تلامذہ کو حتی الامکان کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہونے دیتے۔ ان کے لیے بے حد مہربان اور سخی تھے۔

زندگی کے آخری دور میں حجاز تشریف لے گئے تھے۔ حج و زیارت کی سعادت حاصل کی اور وہیں

وفات پائی ①۔

## ۱۷۴۔ شیخ علی متقی بن حسام الدین برہان پوری

شیخ علی متقی بن حسام الدین بن عبد الملک بن قاضی خاں۔ ان کا لقب متقی تھا۔ ان کے آبا و اجداد درحقیقت جون پور کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے علاقہ دکن کے شہر برہان پور میں جا کر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

شیخ علی کی ولادت ۸۸۵ھ (۱۴۸۰ء) کو برہان پور میں ہوئی۔ عفت و طہارت کی گود اور زہد و تقویٰ کی آغوش میں پرورش پائی۔ ابھی سات آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ والد مکرم شیخ حسام الدین ان کو شاہ باجن چشتی کی خدمت میں لے گئے جو اس زمانے میں برہان پور میں مقیم تھے۔ باپ نے اپنے اس بیٹے کو اس کے حلقہ ارادت میں داخل کرادیا۔ اس سے چند روز بعد والد بزرگ واران انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کے بعد علی کچھ عرصہ غیر علمی مشاغل میں مشغول رہے۔ نوجوانی کے زمانے میں ماٹو میں ایک بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لی اور اس اثنا میں کچھ دولت بھی جمع کی۔ ملازمت کے دور میں ان پر کچھ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ دنیوی معاملات سے نفرت پیدا ہو گئی اور دنیا کی بے ثباتی کا ایسا نقش دل میں بیٹھا کہ ہر طرف سے دامن سمیٹ کر شاہ باجن کے فرزند شیخ عبد الحکیم کی خدمت میں جا پہنچے۔ چوں کہ طبعی طور پر نیک تھے اور فطرت میں پرہیزگاری کے

① منتخب التواریخ ص ۳۳۱۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۴۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۳۱۔

نشوونما کا غلبہ تھا، لہذا ملتان کا قصد کیا اور وہاں شیخ حسام الدین متقی کے حلقے میں شامل ہو گئے۔ دو سال ان کے پاس رہے۔ اس عرصے میں ان سے تفسیر بیضاوی اور کتاب عین العلم کا مذاکرہ کیا۔ ملتان سے عازم حرین شریفین ہوئے اور مکہ معظمہ کے شیخ الحدیث شیخ ابوالحسن شافعی بکری کی خدمت میں حاضری دی۔ ان سے احادیث کی کتابیں پڑھیں اور تصوف و طریقت کے بعض سلسلوں کا درس لیا۔ شیخ محمد بن محمد سخاوی مصری سے بھی اخذ طریقت کیا۔ اس اثناء میں حصول علم کی طرف بھی پوری توجہ مبذول کیے رکھی اور شیخ ابوالحسن شافعی بکری کے علاوہ شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی سے اخذ علم حدیث کیا۔ عرصے تک مکہ مکرمہ میں قیام رہا۔ وہاں پہلے تو خود حصول علم میں مشغول رہے، بعد ازاں حدیث و تصوف کے موضوع سے متعلق کتابوں کی تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گئے۔

### قیام ملتان کے زمانے میں:

قیام ملتان کے زمانے میں شیخ علی متقی کبھی ایک جگہ مستقل طور پر سکونت نہ رکھتے تھے۔ مختلف علاقوں اور قصبوں میں گھومتے رہتے۔ جہاں نیک اور متدین لوگوں کی چھوٹی بڑی جماعت دیکھتے، وہاں مقیم ہو جاتے اور اللہ کی عبادت اور ذکر و فکر کا سلسلہ شروع کر دیتے۔ ان کا معمول تھا کہ سفر میں دو تھیلے اپنے ساتھ رکھتے۔ ایک میں ضروریات اور کھانے پینے کا سامان ہوتا، مثلاً چاول، ماش، تیل، گندم، نمک اور کھانے پکانے کے لیے چند برتن وغیرہ۔ دوسرے میں قرآن مجید، چند کپڑے اور مطالعہ کی ضروری کتابیں۔ جنگل سے خود لکڑی کاٹتے اور اسی کو استعمال میں لاتے۔ دو دن کا سامان چار روز تک چلاتے۔ کبھی مسجد میں نہ ٹھہرتے، کرایہ کے مکان میں رہتے۔ وضو کے لیے لوٹا اور پانی کا مشکیزہ ساتھ رکھتے۔ سب کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ کسی سے اپنے ذاتی کام کے لیے نہ کہتے۔ اگر مجبور ہو کر کہتے بھی تو پہلے اس کو اجرت عطا فرما دیتے۔

شیخ علی متقی جس زمانے میں ملتان میں قیام پذیر تھے، شیخ حسام الدین متقی ملتانی ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

دران ہنگام کہ ایٹاں بملتان در صحبت شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ می بوند در خلوت نشستہ می بودند۔ شیخ حسام الدین کتابہارا بر سر خود نہادہ بدر حجرہ می آمدند وہ استیذان می نمودند و می گفتند حسام آمدہ است چہ می فرمایند؟ یک دوبار ہمیں نوع می گفتند اگر در حجرہ می کشادند می نشستند و با ہم مذاکرہ تفسیر بیضاوی می نمودند آں مقدار کہ وقت خدمت شیخ اتساع داشت، می نشستند۔ و اگر در نمی کشادہ بازی گشتند ①۔

یعنی شیخ علی اپنے قیام ملتان کے زمانے میں جب کہ وہ شیخ حسام الدین کی صحبت میں رہ رہے تھے، خلوت نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ شیخ حسام الدین کی کیفیت یہ ہوتی کہ وہ

سر پر کتابیں اٹھائے، شیخ علی کے دروازے پر آ کر کھڑے ہو جاتے اور اندر آنے کے لیے ان الفاظ میں اجازت طلب کرتے۔ ”حسام الدین حاضر ہے۔ کیا ارشاد ہے؟“ ایک دو بار اسی طرح کہتے۔ اگر شیخ حجرے کا دروازہ کھول دیتے تو وہ بیٹھ جاتے اور دونوں اتنی دیر تک تفسیر بیضاوی کے بارے میں مذاکرہ فرماتے، جب تک کہ وقت کی گنجائش ہوتی۔ اگر شیخ حجرے کا دروازہ نہ کھولتے تو شیخ حسام الدین واپس تشریف لے جاتے۔

## گجرات میں:

شیخ علی متقی گجرات میں بھی مقیم رہے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو تخت گجرات پر سلطان بہادر متمکن تھا۔ اس کو شیخ کے اوصاف و کمالات کا علم ہوا تو ان کے حلقہ معتقدین میں داخل ہو گیا۔ اس نے ان کو کئی دفعہ مختلف قسم کے انعامات سے نوازا نا چاہا اور جاگیریں عطا کرنے کی کوشش کی، مگر شیخ نے ہمیشہ انکار کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ان کے عقیدت مندوں کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا اور لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان کی مجلس میں بیٹھنے کو سعادت سمجھتے تھے۔ لیکن شیخ کا معمول یہ تھا کہ دروازہ بند کر کے حجرے میں بیٹھ جاتے اور کسی سے کوئی تعلق نہ رکھتے۔ ان ہی دنوں سندھ کے ایک عالم و فاضل اور متقی و صالح بزرگ شیخ عبداللہ سندھی گجرات تشریف لائے۔ وہ حج کو جاتے ہوئے اپنے اہل و عیال سمیت چند روز کے لیے گجرات ٹھہرے۔ شیخ علی متقی سے ان کو بڑے عقیدت تھی۔ والی گجرات سلطان بہادر سے بھی ان کے مراسم تھے۔ سلطان نے ان سے کہا، وہ شیخ علی سے ملاقات کرنے اور ہم کلام ہونے کا خواہاں ہے، مگر وہ اس کا موقع نہیں دیتے۔ اگر شیخ اس کو حاضر خدمت ہونے کا شرف بخشیں تو ان کی عنایت ہوگی۔ شیخ عبداللہ نے شیخ علی متقی سے بات کی مگر شیخ نے معذرت کر دی۔ شیخ عبداللہ نے ان سے یہ بھی کہا کہ آپ سلطان سے بالکل ہم کلام نہ ہوں، خاموشی سے بیٹھے رہیں، ہم خود اس سے باتیں کرتے رہیں گے۔ شیخ نے فرمایا بادشاہ کا لباس اور وضع قطع غیر شرعی ہے۔ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ میں اس کو دیکھوں اور پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کروں۔ اس پر کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ خود مناسب الفاظ میں بادشاہ کو نصیحت کریں گے، آپ صرف یہ مہربانی فرمائیں کہ اس کو حاضر ہونے کی اجازت دے دیں۔ خاصی رو قدح کے بعد سلطان کو حاضری کا موقع دیا گیا اور شیخ کے معتقدین نے اس کو وعظ و نصیحت کی۔

اس ملاقات کے دوسرے دن سلطان نے ایک کروڑ سکہ گجراتی بطور تحفہ شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ تمام رقم شیخ نے عبداللہ سندھی کے حوالے کر دی اور فرمایا:

چوں باعث ملاقات و واسطہ حصول میں مبلغ شتا بودید، میں مبلغ ہم بشما تعلق داشته باشد ①۔

چوں کہ بادشاہ کی ملاقات آپ کی وساطت سے ہوئی اور وہ آپ کے ذریعے سے

یہاں آیا تھا اور اس رقم کے حصول کا باعث بھی آپ ہیں۔ لہذا اس کے حق دار بھی آپ ہی ہیں۔

ایک وزیر کی دعوت میں شرکت:

شیخ علی متقی سے ملوک و سلاطین اور وزراء و امرا بے حد عقیدت مندانہ جذبات رکھتے تھے اور ان کو اپنے ہاں تشریف لانے کی دعوت دیتے اور اس پر اصرار کرتے تھے مگر وہ ان کے گھر جانے سے صاف لفظوں میں انکار کر دیتے۔

ایک مرتبہ ایک وزیر بے حد مصر ہوا کہ وہ اس کے مکان پر تشریف لے جائیں اور وہاں جا کر اس کے لیے دعا فرمائیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

یکے از وزرائے آں جاایشاں را تکلیف ضیافت کرد یک بار بہ خانہ بندہ تشریف آرند تا دروی برکتے باشد۔ فرمودند معذور دارید ازیں جا دعائے بکنیم، خدائے تعالیٰ شمارا برکتے دہد۔ چوں آں شخص اصرار بسیار کرو۔ فرمودند پس می آیم اما بہ سہ شرط۔  
یکے آں کہ ہر جا کہ خواہیم بشینیم، مارا تکلیف نہ کنند کہ بالاتر بیایند و بر صدر بنشینند، گفت ہم چنین باشد۔ ہر جا کہ حضرت را خوش آید بشینند۔

دوم آں کہ تکلیف نکلند کہ ایں بخورید و یا آں بخورید، ہر چہ مارا خوش آید بخوریم۔  
سوم آں کہ ہر گاہ کہ خوش آید بر خیزم و بیایم۔ تکلیف نکلند کہ یک ساعت دیگر بنشینند ①۔  
یعنی ایک دفعہ (مملکت گجرات کے) ایک وزیر نے شیخ کو دعوت طعام دی اور عرض کی کہ ایک بار غریب خانے پر تشریف لے جا کر بندہ کو شکر گزار فرمائیں، اور دعائے برکت کریں۔ فرمایا، مجھے گھر پر جانے سے معذور سمجھیے۔ فقیر یہیں بیٹھے ہوئے دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے گا۔ لیکن اس نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا، میں آ جاؤں گا مگر تین شرطوں کے ساتھ۔  
پہلی شرط یہ ہے کہ جہاں چاہوں گا، بیٹھوں گا۔ آپ مجھے بلند جگہ اور صدر مقام پر بیٹھنے کے لیے اصرار نہیں کریں گے۔ اس نے کہا، اسی طرح ہوگا۔ جہاں آپ کا جی چاہے تشریف رکھیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس پر اصرار نہ کیا جائے کہ یہ کھائے اور وہ کھائے۔ میں جو چاہوں گا، کھاؤں گا۔

تیسری یہ کہ جب چاہوں گا، آپ کی مجلس سے اٹھ کھڑا ہوں گا اور واپس آ جاؤں گا۔ آپ

اصرار نہ کریں گے کہ تھوڑی دیر اور ٹھہریے۔

اس سے آگے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقم فرماتے ہیں:

آن شخص ہمہ این شرائط ازیشاں قبول کرد و وعدہ کردند کہ فردا خوبیایم۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ چوں فردا شد نان پارہ در خریطہ کہ دائم در گردن خود آویختہ می داشتند، انداختند و تنہا بمنزل وے آمدند و ہم نزدیک در بنشند۔ آں مرد فر شہا بتکلف انداختہ و جائے ملوکانہ ساختہ بود۔ گفت این جا بشینید، بالاتر بشینید۔ گفتند آخر نہ شرط است کہ ہر جا کہ خوش آید بشینیم۔ آں شخص ملزم شد۔ چیزے نتوانست، گفت، گفتند زود باشید کہ وقت تنگ است۔ طعامہا کشیدند۔ ایشاں نان پارہ کہ داشتند از خریطہ خود بر آوردند و بخورند۔ آں شخص التماس کرد کہ ازین طعامہا چیزے بچسید۔ گفتند آں چناں بود کہ ہر چہ خوش آید بخوریم۔ دیگر برخاستند و وداع کردند کہ شرط بود ہر گاہ کہ خواہیم بر آئیم۔ والسلام ①۔

یعنی اس وزیر نے شیخ کی یہ تینوں شرطیں منظور کر لیں تو فرمایا، ان شاء اللہ تعالیٰ، کل آئیں گے چنانچہ دوسرے دن روٹی کے چند ٹکڑے اس تھیلی میں ڈالے جس کو ہمیشہ گردن میں آویزیں رکھتے تھے اور تنہا اس وزیر کے گھر پہنچے اور دروازے کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ حالاں کہ اس نے بطریق شاہانہ بڑے تکلف کے ساتھ فرش آراستہ کیے تھے اور شاہی انداز سے نشست کا انتظام کیا تھا۔ وزیر نے عرض کیا، یہاں تشریف رکھیے اور اونچی جگہ پر بیٹھیے۔ فرمایا شرط یہ طے پائی ہے کہ جہاں جی چاہے گا بیٹھیں گے۔ چنانچہ وہ شرط یاد کر کے خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا۔ جلدی کرو وقت بہت کم ہے، چنانچہ دسترخوان پر نوع بنوع کھانے چنے گئے۔ لیکن شیخ نے اپنی تھیلی سے روٹی کے چند ٹکڑے نکالے اور کھانے لگے۔ وزیر نے بہت خوشامد کی کہ ان کھانوں میں سے بھی کچھ چکھیے۔ فرمایا، شرط یہ تھی کہ جو مرضی ہوگی، کھائیں گے۔ اس کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا، شرط یہ تھی کہ جب چاہیں گے آجائیں گے۔ پھر السلام علیکم کہہ کر محل سے باہر نکل گئے۔

حلال ذریعے کی کمائی ضائع نہیں جاتی:

شیخ علی متقی جہاں بہت بڑے عالم و فقیہ تھے، وہاں تقویٰ و صالحیت میں بھی بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔ فرمایا کرتے، حلال ذریعے سے جو چیز کمائی جائے وہ کبھی ضائع نہیں جاتی۔ اگر ایسی چیز گم بھی ہو جائے تو دوبارہ مل جاتی ہے۔

اس سلسلے میں وہ خود اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم چند آدمی سمندر کے سفر میں کشتی پر سوار تھے۔ اچانک سمندر میں طوفانی لہریں اٹھیں اور کشتی پاش پاش ہو گئی۔ ہم میں سے کئی آدمی ایک ایک تختے کے سہارے ساحل پر پہنچے۔ ہمارے پاس کتابیں بھی تھی جو بالکل بھیک گئی تھیں۔ سمندر سے باہر نکلنے کے بعد ہم

لوگ پیدل سفر کر رہے تھے اور یہ عرب کی سرزمین تھی۔ پیدل سفر کی وجہ سے ان کتابوں کو ساتھ لے جانا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ ہم نے اللہ کا نام لے کر ایک گڑھا کھودا، ان میں کتابیں دفن کیں، اس پر ایک علامت قائم کی اور مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے۔ راستے میں سخت پیاس لگی مگر عرب کے صحرا میں پانی کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ رفقائے سفر نے شدت پیاس سے مجبور ہو کر کہا، اب وقت دعا ہے۔ میں نے کہا میں اللہ سے دعا کرتا ہوں، آپ آمین کہتے جائیے۔ چنانچہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اتنا پانی برسا کہ ہم سب نے خوب جی بھر کر پیا اور اپنے مشکیزے بھی بھر لیے۔ چند روز بعد مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ کعبۃ اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ اس اثنا میں چند دیہاتی عرب آئے اور انھوں نے ہم سے کہا، ہمارے پاس کچھ کتابیں ہیں۔ اگر آپ خریدنا چاہیں تو حاضر ہیں۔ ہم نے دیکھا تو وہی کتابیں تھیں جنھیں ہم جنگل میں دفن کر آئے تھے۔ ہم نے وہ کتابیں خرید لیں۔ بھیگ کر سوکھنے کی وجہ سے ان کے اوراق ایک دوسرے سے چپک گئے تھے۔ ہم نے ان کو پانی لگا کر اس طرح الگ الگ کیا کہ ایک حرف بھی ضائع نہیں ہوا اور وہ سب دوبارہ قابل استفادہ ہو گئیں ①۔

### سلطان محمود گجراتی کی عقیدت:

والی گجرات سلطان محمود، شیخ علی متقی کا بہت عقیدت مند تھا اور اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ لیکن چوں کہ وہ غیر مسنون لباس زیب تن کرتا تھا، اس لیے شیخ اس کی طرف نظر التفات اور عنان توجہ مبذول نہ فرماتے۔ ایک روز وہ صلحا کا سالباں پہن کر آیا تو شیخ نے اس کو رضا مندی کی نگاہ سے دیکھا۔ اس سے سلطان بہت خوش ہوا اور اپنے مکان پر تشریف لے جانے کی درخواست کی تاکہ اس کے سب اہل خانہ شیخ کے نقش قدم پر چلیں اور ان کے فرمان پر عمل پیرا ہوں۔

منقول ہے کہ سلطان محمود پانی پینے میں بہت شکی مزاج تھا اور دیکھ دیکھ کر گلاس لبوں سے لگاتا اور گھونٹ حلق سے نیچے اتارتا تھا۔ شک کی یہ کیفیت اس کے دل سے نکلتی نہ تھی۔

شیخ علی متقی کو معلوم ہوا تو پانی سے بھرا ہوا ایک طشت منگایا، اس میں اپنی ٹوپی دھوئی اور پانی پھینک دیا۔ یہ عمل تین مرتبہ کیا۔ چوتھی مرتبہ اس طشت میں صاف و شفاف پانی بھرا کر سلطان سے فرمایا۔

بابا محمود۔ اس آجے است کہ در شریعت مطہرہ پاک و لطیف است و شک کردن دریں معنی از وسواس است و وسواس کار شیطان است، اس آجے آب را بخورید و بیچ شبہ را بخورد راہ نہ ہید ②۔

بابا محمود! شریعت مطہرہ کی رو سے یہ پانی پاک و صاف ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک کرنا وسواس ہے اور وسواس شیطانی کام ہے۔ پانی پی لو اور کوئی وسوسہ دل میں نہ لاؤ۔

① اخبار الاخیار ص ۲۶۳۔

② اخبار الاخیار ص ۲۶۳۔

چنانچہ سلطان محمود نے وہ پانی پیا اور اس کے پیتے ہی سلطان کے دل سے وسوسے اور شک کی بیماری دور ہو گئی۔

شیخ جب دوسری مرتبہ مکہ مکرمہ سے وارد ہند ہوئے تو گجرات میں سکونت اختیار کی۔ ان دنوں گجرات کا فرمان روا سلطان محمود شاہ تھا جو شیخ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا۔ شیخ نے اس کو شریعت پر عمل پیرا ہونے اور ملک میں احکام شرع کے نفاذ کی تلقین کی۔ چنانچہ اس نے اپنے تمام وزراء و امرا کے نام حکم جاری کر دیا کہ خلاف شرع رسوم و عوائد کو ختم کر دیا جائے اور مملکت میں حدود شرعی کی تنفیذ کی جائے۔

مکہ مکرمہ میں:

شیخ طویل عرصے تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور ان کی وفات بھی اسی ارض پاک میں ہوئی۔ شعرانی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ ۹۲۷ھ (۱۵۲۱ء) میں مکہ مکرمہ میں شیخ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ میں ان کے پاس جایا کرتا تھا۔ وہ بھی میرے ہاں آتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ورع و تقویٰ اور زہد و عبادت کے زیور سے آراستہ عالم دین تھے۔ کم خوری بلکہ بھوک کی وجہ سے اس درجہ نحیف البدن تھے کہ جسم پر چند اوقیہ سے زیادہ گوشت نظر نہ آتا تھا۔ خاموشی اور عزلت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ صرف نماز جمعہ کے لیے گھر سے نکلتے اور حرم میں آتے۔ بیت اللہ کے ایک کونے میں آ کر بیٹھ جاتے اور نماز سے فارغ ہو کر تیزی سے باہر نکل جاتے۔

شعرانی مزید لکھتے ہیں: میں ان کے گھر گیا۔ میں نے وہاں دیکھا کہ فقراء و صادقین کی ایک جماعت بیٹھی ہے۔ ان میں سے کوئی قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے، کوئی مطالعہ کتب میں مصروف ہے، کوئی متوجہ الی اللہ ہو کر عبادت الہی میں مستغرق ہے اور کوئی ذکر و مراقبہ کی کیفیت میں ہے۔ مکہ مکرمہ میں اس وقت اپنی نوعیت کی وہ واحد مجلس تھی جس سے میں بے حد متاثر ہوا۔

قیام مکہ کے دوران میں شیخ علی متقی کی شہرت علمی اور ادائے عبادت و زہد دور دور تک پہنچ گئی تھی۔ یہاں تک کہ ترکی کے عثمانی حکمران سلطان سلیمان کو بھی اس کا علم ہوا۔ وہ بڑا شجاع اور نیک خُو بادشاہ تھا۔ وہ ان کے گونا گوں اوصاف سے مطلع ہوا تو اس کے دل میں ان کی قدر و منزلت نے کروٹ لی اور ایک مکتوب کے ذریعے سے ان سے دعائے خیر کی التجا کی۔

علمی و تصنیفی خدمات:

شیخ علی متقی کی علمی اور تصنیفی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ وہ یا تو مطالعہ کتب اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے یا عبادت اور ذکر الہی میں اپنا وقت صرف کرتے۔ وہ قلیل النوم، قلیل الطعام اور قلیل الکلام بزرگ تھے۔ ہمہ وقت لکھنے پڑھنے میں مشغول رہنے کی وجہ سے ان کی جسمانی حالت اس درجہ کمزور ہو گئی تھی کہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچا ہو کر رہ گئے تھے۔ مکہ معظمہ چلے گئے تھے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کی



تصنیفات کی تعداد سو سے اوپر ہے جن میں سے اہم اور مشہور کتابیں یہ ہیں۔

① شئون المنزلات: یہ قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ اس میں انھوں نے مستند اور مسلمہ حوالوں سے مختلف آیات قرآنی کی شان نزول اور محل نزول کا تذکرہ کیا ہے، نیز بعض الفاظ و آیات کی نحوی اور لسانی نقطہ نظر سے وضاحت کی ہے۔ یہ کتاب آیت بہ آیت پورے قرآن مجید کی تفسیر نہیں ہے، بلکہ صرف ان آیات کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے جو صرف و نحو بیان و معانی اور سبب نزول کی وجہ سے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں اور جن کے مطالب کی وضاحت ان کے نزدیک ضروری تھی۔

② کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال: اہل علم کے نزدیک شیخ علی متقی کی یہ ایک نہایت مشہور کتاب ہے۔ یہ کتاب کس طرح معرض تصنیف میں آئی، اس کو سمجھنا ضروری ہے۔ امام سیوطی نے ایک کتاب مرتب کی، جس کا نام جمع الجوامع رکھا۔ یہ کتاب احادیث رسول ﷺ کا بہترین مجموعہ ہے۔ اس کتاب کی ترتیب یہ رکھی تھی کہ تمام قولی احادیث حدیث کے پہلے لفظ کے اعتبار سے اور فعلی احادیث راویوں کے نام کے اعتبار سے مرتب کی گئی تھیں۔ یہ کتاب بہت ضخیم ہو گئی تھی، چنانچہ سیوطی نے الجامع الصغیر کے نام سے اس کو تلخیص کیا، جس میں افعال رسول کو چھوڑ دیا اور صرف مختصر اقوال رسول شامل کیے۔ شیخ علی متقی نے جمع الجوامع کی تمام احادیث کو کتب فقہ کی ترتیب کے مطابق مختلف عنوانات کے تحت مرتب کیا۔ سب سے پہلے جامع الصغیر کی احادیث مرتب کیں اور ان کا نام منہاج العمال فی سنن الاقوال رکھا۔ اس کے بعد جمع الجوامع کی بقیہ قولی احادیث کو اکمال منہاج العمال کے نام سے ترتیب دیا۔ پھر ان دونوں مجموعوں کو ایک کتاب کی شکل دی اور اس کو غایۃ العمال کے نام سے موسوم کیا۔ کچھ عرصہ بعد شیخ علی متقی نے جمع الجوامع کی فعلی احادیث کو بھی ایک مجموعے کی صورت میں مرتب کیا اور اس کا نام مستدرک الاقوال رکھا۔ بعد میں انھوں نے ان تینوں مجموعوں کو یک جا کر دیا اور اس کو کنز العمال کے نام سے موسوم فرمایا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ کنز العمال شیخ علی متقی کی وہ کتاب ہے جو غایۃ العمال اور مستدرک الاقوال کا مجموعہ ہے اور غایۃ العمال میں منہاج العمال فی سنن الاقوال اور اکمال منہاج العمال دونوں شامل ہیں۔

کنز العمال کی ترتیب یہ ہے کہ پوری کتاب چند حصوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ ہر حصے کا نام کتاب رکھا ہے اور ان کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے۔ پہلا حصہ یا کتاب غایۃ الکمال پر مشتمل ہے جو کئی ابواب میں منقسم ہے۔ دوسرے حصے یا کتاب کے تحت مستدرک کو شامل کیا گیا ہے۔ غایۃ العمال میں پہلے منہاج اور اس کے بعد اکمال کو شامل کیا۔ یہ دونوں الگ الگ کتاب کے تحت نہیں بلکہ کتاب کے ذیلی ابواب کے تحت شامل کی گئی ہیں۔

کنز العمال سب سے پہلے آٹھ جلدوں میں حیدرآباد دکن (ہندوستان) میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء میں حلب (شام) سے اٹھارہ جلدوں میں چھپی۔ جن میں سے دو آخری جلدیں فہرست مضامین پر مشتمل ہیں۔ فہرست مضامین نہایت عمدہ اور آسان ہے۔ تمام احادیث پر نمبر لگائے گئے

ہیں۔ اس میں مندرج احادیث کی تعداد ۴۶۱۸۰ ہے۔ حدیث کے مطالعہ اور حوالے کے لیے یہ بڑی مفید اور اہم کتاب ہے۔ شیخ علی متقی کے استاد شیخ ابوالحسن بکری شافعی اس کتاب کے بارے میں کہا کرتے تھے۔

للسیوطی ستۃ علی العلمین و للمتقی منۃ علیہ۔

کہ امام سیوطی نے جمع الجوامع مرتب کر کے ساری دنیا پر احسان کیا اور علی متقی نے کنز العمال کے نام سے اس کو دوبارہ ترتیب دے کر خود سیوطی پر احسان کیا ہے۔

تلخیص البیان فی علامات مہدی اخر الزمان: یہ کتاب بھی عربی زبان میں ہے اور ان احادیث کا مجموعہ ہے جو مہدی منتظر کے بارے میں مروی ہیں۔ اس کی وجہ تالیف سید محمد جون پوری متوفی ۹۱۰ھ (۱۵۰۵ء) کے معتقدین کو راہ ہدایت دکھانا ہے اس لیے کہ سید محمد جون پوری نے مہدویت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ ان کی کوئی خاص تصنیف نہیں ہے بلکہ امام سیوطی کی عرف الوردی فی اخبار المہدی کی تلیض ہے۔ سیوطی نے اس کو باقاعدہ مرتب کر کے ابواب میں تقسیم نہیں کیا تھا، شیخ علی متقی نے اس کو تراجم و ابواب میں مرتب کر دیا ہے۔ نیز اس میں سیوطی کی جمع الجوامع اور عقد الدرر فی اخبار المہدی المنتظر سے بھی بعض احادیث شامل کی گئی ہیں۔ یہ کتاب ایک مقدمے اور تیرہ ابواب پر محتوی ہے۔ مقدمہ کتاب میں شیخ علی متقی نے یہ وضاحت کی ہے کہ سید محمد جون پوری مہدی نہ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علی متقی، سید محمد جون پوری کو ولی تو مانتے تھے مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ بعض اوقات ولی بھی مرتکب خطا ہو جاتا ہے۔ مبرہ عن الخطا ہونا صرف انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے۔ اس مجموعے میں مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت احادیث مرتب کی گئی ہیں:

کرامات مہدی

اس کا سلسلہ نسب

حلیہ

ظہور مہدی سے قبل کے حالات

علامات مہدی

مہدی کی بیعت کس طرح کی جائے گی

معاونین مہدی

فتوحات مہدی

حضرت عیسیٰ سے مہدی کی ملاقات

مہدی کے قیام کی مدت

## وفات

مدعیان مہدویت کا ذکر

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علماء کا فتویٰ

۴

جو امع الکلم فی المواعظ الحکم: یہ کتاب اخلاقی نصح اور متصوفانہ اقوال پر مشتمل ہے۔ اس میں کم و بیش تین ہزار نصح جمع کی گئی ہیں جن میں سے پانچ سو اقتباسات قرآن مجید سے درج کیے گئے ہیں۔ پانچ سو احادیث رسول اکرم ﷺ سے ماخوذ ہیں اور ان کے ساتھ بطور تمہید ہم معنی تشریحی فقرات بھی مندرج ہیں۔ علاوہ ازیں تین سو اقوال ابو عطا اسکندری متوفی ۷۰۹ھ (۱۳۱۰ء) کے اور ایک سو اقوال ان کے شاگرد کے ہیں۔ باقی حصہ متقدمین کے اقوال پر محیط ہے۔

یہ تمام مواد مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق تقریباً ۸۰ ابواب کے تحت حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ یہ کتاب صرف ان لوگوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہے جو حافظ مفسر یا محدث ہیں۔ نیز تصوف سے بھی شغف رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان کی تصنیفات یہ ہیں جن میں بعض تصوف و سلوک کے موضوع سے متعلق ہیں اور بعض مختلف مسائل کے بارے میں بعض اہل علم کے جواب میں لکھی گئی ہیں:

البرہان الجلی فی معرفة الولی۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔

المواہب العلیة فی الجمع بین الحکم القرآنیة والحديثیة

العنوان فی سلوک النسوان

تبویب شرح الحکم العطائیہ المسمی بالتنبیہ

زاد الطالبین

اسرار العارفين

نعم المعیارو المقیاس لمعرفة مراتب الناس

فتح الجواد

نظم الدرر

النبج الاتم فی ترتیب الحکم

الوسيلة الفاخرة فی سلطة الدنيا والاخرة۔

تلقین الطریق۔

ایک رسالہ سید محمد جون پوری کے دعوائے مہدویت کے ابطال میں ہے۔

تلامذہ:

شیخ علی متقی کے تلامذہ و مسترشدین کا حلقہ بہت وسیع تھا، جن میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محمد بن طاہر پٹنی اور شیخ عبدالوہاب بن ولی اللہ خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔ شیخ عبدالحق دہلوی اور شیخ محمد بن طاہر پٹنی اسلامی ہند کے بہت بڑے عالم اور محدث و فقیہ تھے۔ یہ دونوں بزرگ متعدد کتابوں کے مصنف اور اپنے عصر کے عظیم انسان تھے۔ اسی طرح شیخ عبدالوہاب بھی اپنے دور کے جلیل القدر بزرگ اور بہت سے اوصاف و کمالات کے حامل تھے۔

شیخ کے حالات و سوانح میں عبدالقادر بن احمد فاہمی نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جو القول النقی فی مناقب المتقی کے نام سے موسوم ہے۔

وفات:

شیخ علی متقی نے ستاسی اور ایک روایت کے مطابق نوے برس کی عمر پا کر منگل کی شب سحری کے وقت ۲ جمادی الاولیٰ ۹۷۵ھ (۵ نومبر ۱۵۶۷ء) کو مکہ مکرمہ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور صبح کو قبرستان معللہ میں دفن کیے گئے۔

ان کی تاریخ قرآن مجید کے ان الفاظ سے نکلتی ہے۔ قضیٰ نحبہ ①۔

## ۱۷۵۔ مولانا عمر جاموی

مولانا عمر بن ابو عمر جاموی، حنفی المسلمک تھے۔ اپنے عصر کے شیخ اور فاضل بزرگ تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ تمام عمر درس و تدریس اور افادہ طلباء میں مصروف رہے۔ شیخ محمد بن ابوسعید حسینی ترمذی کالپوی اور بہت سے علما و طلباء نے ان سے اخذ علم کیا ②۔

دسویں صدی ہجری کی سرزمین ہند کے اس عالم و فقیہ کے حالات افسوس ہے اس سے زیادہ معلوم نہیں ہو سکے۔

① اشذرات الذہب ج ۸ ص ۳۷۹۔ اخبار الاخیار ص ۲۵۷ تا ۲۶۹۔ مرآت سکندری ص ۲۹۶۔ خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۴۲۹۔

② ۴۳۱۔ مفتاح التواریخ ص ۱۷۷۔ ابجد العلوم ص ۸۹۵۔ مآثر الکرام ج ۱ ص ۱۷۶ تا ۱۷۹۔ تاریخ برہان پور ص ۱۱۶۔

۱۱۹۔ مرآت احمدی ص ۸۷ تا ۸۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۳۲ تا ۲۴۴۔ رود کوثر ص ۳۵۳ تا ۳۵۵۔ سبحة المرجان ص ۴۳۔

تذکرہ علمائے ہند ص ۱۴۶ تا ۱۴۷۔ ہدیۃ العارفین ج ۲ ص ۴۶ تا ۴۸۔ معجم الموفین ج ۷ ص ۵۹ ج ۱۳ ص ۶۰۳۔

حدائق الحنفیہ ص ۳۸۲، ۳۸۳۔ اتحاف العیال ص ۳۲۶، ۳۲۷۔ کشف الظنون ج ۱ ص ۹۹۔ کشف الظنون ج ۲ ص

۱۵۱۸، ۲۰۳۰۔ الاعلام ج ۵ ص ۷۹، ۱۲۴۔ النور السافر ص ۳۱۳ تا ۳۱۹۔ اذکار ابرار ص ۴۰۲، ۴۰۳۔ ایضاً المکنون

الذیل علی کشف الظنون۔ یادایام ص ۴۰۳۔

② نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۵۰۔

## ف

## ۱۷۶۔ شیخ فخر الدین اکبر آبادی

شیخ فخر الدین بن داؤد بن شیخ شاہ صدیقی اکبر آبادی، صالح عالم دین اور شیخ زمان تھے۔ ان کا شمار اس دور کے زہاد و عباد فقہا اور بلند مرتبت علما میں ہوتا تھا۔ شیخ حسام الدین متقی ملتانی اور شیخ اللہ داد بن صالح سرہندی سے تحصیل علوم کی۔ پھر بہار گئے وہاں شیخ اللہ داد چندھوسی بہاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اخذ فیض کیا۔ بعد ازاں اس دور کے مشہور بزرگ سید جمین ہیلسوی سے منسلک ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔ پھر آگرہ کا قصد فرمایا اور سید رفیع الدین محدث کے جوار میں سکونت اختیار کی۔

دیار ہند کے اس عالم و فقیہ نے ایک سو سینتالیس سال عمر پا کر جمعہ المبارک کے روز ۱۹ جمادی الاخریٰ ۹۷۰ھ (۱۴ جنوری ۱۵۶۳ء) کو آگرہ میں داعی اجل کو لبیک کہا<sup>①</sup>۔

## ۱۷۷۔ شیخ فخر الدین جون پوری

شیخ فخر الدین بن کبیر الدین جون پوری، جون پور میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی اور اپنے عصر کے مشہور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ عابد و زاہد اور عالم و فقیہ تھے۔ تصوف و طریقت سے بھی لگاؤ تھا اور سلسلہ سہروردیہ سے تعلق رکھتے تھے بلکہ سلسلہ تصوف کے مشائخ میں سے تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد دس سال درس و تدریس اور افادہ طلبا میں مصروف رہے۔ پھر خدمت دین کے اس پہلو سے کنارہ کش ہو کر زہد و عبادت میں مشغول ہو گئے۔ ان سے فیض حاصل کرنے والوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ۲۲ شعبان ۹۹۴ھ (۲۹ جولائی ۱۵۸۶ء) کو وفات پائی<sup>②</sup>۔

## ۱۷۸۔ قاضی فضل اللہ دیوبندی

قاضی فضل اللہ دیوبند کے رہنے والے تھے۔ فقہی مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے۔ شیخ وقت اور عالم کبیر تھے۔ دسویں صدی ہجری کے مشاہیر فقہا میں سے تھے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے معاصر تھے<sup>③</sup>۔

افسوس ہے اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

① اذکار ابرار ص ۲۸۱ تا ۲۸۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۵۶۔

② نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۵۷۔ بحوالہ گنج ارشدی۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۵۹۔ بحوالہ لطائف قدوسی۔

## ۱۷۹۔ مولانا فضل اللہ رہتکی

مولانا فضل اللہ درحقیقت ہندوستان کے علاقہ گجرات کے باشندے تھے۔ اپنے عصر کے شیخ اور فاضل بزرگ تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ کسی زمانے میں ترک وطن کر کے گجرات سے نکلے تو اثنائے سفر میں مشرقی پنجاب کے شہر رہتک پہنچے۔ وہاں سے آگے نہ بڑھ سکے۔ مجبوراً وہیں بود و باش اختیار کرنا پڑی اور نسبت وطن کے اعتبار سے رہتکی مشہور ہوئے۔ اس نواح کے بے مثل عالم دین تھے۔ متوکل علی اللہ اور عبادت گزار تھے۔ ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہتے۔ کسی سے کوئی چیز قبول نہ کرتے۔ کہتے ہیں ایک تاجر ان کے مریدوں میں سے تھا۔ ایک روز اپنا تمام اثاثہ اٹھایا اور شیخ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مگر انھوں نے قبول کرنے سے معذرت کر دی اور کسی شے کو ہاتھ نہ لگایا۔ اس جلیل القدر عالم نے دسویں صدی ہجری کے نصف اول میں وفات پائی ①۔

اس سے زیادہ نہ ان کے حالات کا علم ہو سکا ہے اور نہ ان کی علمی اور تدریسی سرگرمیوں کا پتا چل سکا ہے۔

## ق

## ۱۸۰۔ شیخ قاسم بن یوسف سندھی

شیخ قاسم بن یوسف بن رکن الدین بن شہاب الدین شہابی سندھی، سرزمین سندھ میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی اور اسی نواح میں تحصیل علم کی۔ پھر ۹۵۰ھ (۱۵۴۳ء) میں سندھ سے گجرات گئے اور مختلف بلاد و امصار میں گھومے پھرے۔ حدیث اور فقہ کے ماہر علما میں سے تھے۔ درس و تدریس اور افادہ علما و طلبا ان کا مشغلہ تھا۔ ان سے خلق کثیر نے اخذ علم کیا۔ بعض کتابوں کے مصنف بھی تھے، لیکن ان کتابوں کے ناموں کا علم نہیں ہو سکا۔ ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء) ہجری میں وفات پائی ②۔

## ۱۸۱۔ مولانا قاسم دیوان سندھی

مولانا قاسم دیوان سندھی، عظیم المرتبت عالم اور شیخ تھے۔ شیخ میران سندھی سے علم حاصل کیا۔ علم معانی و بیان کی معروف کتاب، مطول ان ہی سے پڑھی۔ بعد ازاں مزید تحصیل کے لیے ارض فارس کا قصد کیا۔ وہاں کے علما سے خوب استفادہ کیا۔ پھر اپنے وطن واپس آگئے اور درس و افادہ طلبا کے لیے کمر ہمت باندھی۔ اپنے دور کے معروف مدرس اور عالم تھے۔ ان کی فراوانی علم و فضل کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب سلطان محمود خاں حکومت سیوی پر مامور ہوا تو اس نے مولانا قاسم دیوان کو اپنی رفاقت کے لیے منتخب کیا۔

① اذکار ابرار، ص ۲۴۰۔ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۲۵۹۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۶۲۔ بحوالہ بحر زار۔

ان سے باقاعدہ قرآن مجید پڑھا اور بعض دیگر کتابوں کے لیے بھی ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مولانا ممدوح بھکر میں مقیم تھے اور وہاں اشاعت علم کرتے تھے۔

دسویں صدی ہجری کے جن علما و فقہاء کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے، مولانا قاسم دیوان سندھی بھی ان ہی میں شامل ہیں۔ ان کا سال وفات ۹۷۷ھ (۱۵۶۹ء) ہے ①۔

## ۱۸۲۔ قاضی قاضن بھکری سندھی

قاضی قاضن بن ابوسعید بن زین الدین بھکری عالم و فقیہ اور شیخ وقت تھے۔ شہر بھکر میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ پہلے قرآن مجید حفظ کیا اور قرأت و تجوید سیکھی۔ پھر حصول علم میں مشغول ہو گئے اور تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، علوم عربیہ اور انشا وغیرہ میں مہارت پیدا کی، یہاں تک کہ ان کا شمار اپنے دور کے جلیل القدر علما اور مشہور شیوخ میں ہونے لگا۔

قاضی قاضن سفر و سیاحت کے بہت شائق تھے۔ جرین شریفین گئے اور حج و زیارت کا شرف حاصل کیا۔ ان کی صحبت سے مستفیض ہوئے اور علم و ادراک کی نعمت حاصل کی۔ بعد ازاں واپس سندھ آئے تو والی سندھ مرزا شاہ حسین نے ان کو شہر بھکر کا قاضی مقرر کر دیا۔ کافی عرصہ اس منصب پر فائز رہے۔ پھر مدعی مہدویت سید محمد جون پوری کے حلقہ تبعیین میں داخل ہو گئے۔ اس پر علما نے ان کو مطعون گردانا اور مرزا شاہ حسین نے عہدہ قضا سے معزول کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق خود ہی کبر سنی کی بنا پر اس منصب سے مستعفی ہو گئے تھے اور ان کی جگہ ان کے برادر صغیر قاضی نصر اللہ کو قاضی مقرر کر لیا گیا تھا۔

قاضی قاضن امرائے سندھ کے نزدیک انتہائی قابل احترام شخصیت تھے۔ جب ۱۱ محرم ۹۲۶ھ (۲ جنوری ۱۵۲۰ء) کو ٹھٹھہ کے مقام پر جام فیروز اور امیر شاہ بیگ کے درمیان جنگ ہوئی اور شاہی بیگ اس میں فتح یاب ہوا تو ۲۰ محرم تک اس کا لشکر ٹھٹھہ میں لوٹ مار اور قتل و غارت کرتا رہا۔ اس اثنا میں بہت سے معزز گھرانوں کے اہل و عیال اسیر ہوئے۔ جام فیروز کے بیٹے بھی شہر میں رہ گئے تھے۔ چنانچہ شاہی بیگ کو اس کا پتا چلا تو اس نے چند ممتاز لوگوں کو جام فیروز کی حویلی پر ان کی حفاظت کے لیے مامور کیا اور ان کی بدرجہ غایت عزت کی اور ان کی حفاظت کا اہتمام کیا۔ شہر میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا جو بازار گرم تھا، وہ اس وقت کے جید عالم اور معروف فاضل قاضی قاضن کی کوشش سے سرد ہوا۔ خود قاضی موصوف کے اہل و عیال کو گرفتار کر کے زنداں میں ڈال دیا گیا تھا اور یہ ان کی تلاش کے لیے شہر ٹھٹھہ کے گلی کوچوں میں دیوانوں کی طرح گھومتے پھرتے تھے۔ لیکن جب ان کو تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو ایک خط میں ٹھٹھہ کی حالت زار کا نقشہ کھنچا۔ یہ خط حافظ محمد شریف امام نے شاہی بیگ کو پیش کیا۔ وہ اس سے بہت متاثر ہوا اور اس نے منادی کرادی کہ آئندہ ٹھٹھہ کے مال و اسباب

① مآثر جمی ج ۲ ص ۳۳۸۔ تاریخ معصومی ص ۳۳۲۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۶۳۔

کو کوئی شخص ہاتھ نہ لگائے اور نہ کسی کو قتل کرے۔ اس کے بعد اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر قاضی کے حوالے کیا اور اپنے آدمی ان کے ساتھ بھیج کر حکم دیا کہ جس شخص کی طرف یہ اشارہ کریں اسے ان کے حوالے کر دیا جائے<sup>①</sup>۔

شاہی بیگ ان کی اس درجہ تکریم کرتا اور ان پر اعتماد کرتا تھا کہ اس نے ایک موقع پر ان کو دریا خاں کے بیٹے محمود کے پاس بھیجا کہ وہ اسے وعظ و نصیحت کے ذریعے اس کی مخالفت سے روکیں، لیکن جب وہ وہاں پہنچے تو ان لوگوں نے ان سے ملنا تک گوارا نہ کیا<sup>②</sup>۔ قاضی قاضن نے ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ء) میں وفات پائی<sup>③</sup>۔

ک

### ۱۸۳۔ شیخ کبیر الدین جون پوری

شیخ کبیر الدین بن جہاں گیر جون پوری، صالح عالم دین اور مشہور مشائخ میں سے تھے۔ فقہ اور تصوف میں یگانہ روزگار، پیکر زہد و قناعت اور مجسمہ ایثار و توکل تھے۔ ابھی بارہ سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ والد مکرم انتقال کر گئے۔ ان کے بعد حصول علم کی طرف متوجہ ہوئے اور فضل و کمال میں مرتبہ بلند تک پہنچے۔ یہاں تک کہ جون پور کی مسند مشیخت پر فائز ہوئے۔

شیخ کبیر الدین سے بہت سے علما و مشائخ نے کسب فیض اور اخذ علم کیا۔ تریسٹھ سال عمر پا کر ۲۸ شعبان ۹۶۲ھ (۱۸ اگست ۱۵۵۵ء) کو اس دنیا سے فانی سے عالم جاودانی کو روانہ ہوئے<sup>④</sup>۔

### ۱۸۴۔ مولانا کریم الدین سندھی

مولانا کریم الدین سندھی، دسویں صدی ہجری کے علاقہ سندھ کے عالم و فاضل اور شیخ تھے۔ حنفی المسلبک تھے اور ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے۔ فقہ و اصول، منطق و حکمت اور نحو و لغت میں مہارت رکھتے تھے اور اپنے دور کے نامور علما میں سے تھے۔ ورع و تقویٰ میں بھی عدیم المثال تھے۔ تمام عمر درس و تدریس اور افادہ طلباء میں مصروف رہے<sup>⑤</sup>۔

① تاریخ معصومی ۱۵۶، ۱۵۵۔ تحفۃ الکرام ص ۱۷۵۔ ماثر رحیمی ج ۲ ص ۲۹۱۔

② تاریخ معصومی ص ۱۵۹۔

③ تاریخ معصومی ص ۲۷۶، ۲۷۷۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۶۶، ۱۶۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۶۵، ۲۶۶۔ تحفۃ الکرام ص ۲۳۳۔ اذکار ابرار ص ۲۷۵۔

④ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۷۳۔ بحوالہ گنج ارشدی۔ تاریخ شیراز ہند جون پور ص ۶۶۹۔

⑤ تاریخ معصومی ص ۲۹۸۔ تحفۃ الکرام ص ۶۶۰۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۷۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۷۴۔



— م —

## ۱۸۵۔ شیخ مبارک بناری

شیخ مبارک بن ارزانی عمری بناری اپنے دور کے عالم و فاضل اور محدث تھے۔ ان کا اصل وطن صوبہ ہریانہ کا شہر ہتک تھا۔ وہاں سے ان کے آبا و اجداد بنارس منتقل ہو گئے تھے اور اس کے جنوب میں ایک قریہ میں سکونت اختیار کر لی تھی جس کا نام بکھرہ تھا۔ شیر شاہ سوری اور اس کے بیٹے سلیم شاہ سوری کے عہد میں یہ عرصے تک مسند وزارت پر فائز رہے۔ علم حدیث میں ماہ رجب ۹۵۲ھ میں مدارج الاخبار کے نام سے ایک کتاب مرتب کی۔ اس میں شیخ حسن صغانی لاہوری کی مشہور کتاب مشارق الانوار کی احادیث کو مصابیح کے انداز سے ترتیب دیا۔

شیخ مبارک بناری حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ انھوں نے ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء) میں وفات پائی ①۔

## ۱۸۶۔ قاضی مبارک گوپاموی

قاضی مبارک بن شہاب الدین بن علاء الدین عمری گوپاموی شیخ مبارک ناصحی بلخی کی اولاد سے تھے۔ گوپامو میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت پائی۔ شیخ نظام الدین ایٹھوی سے علم حاصل کیا۔ ان کی نیکی اور حصول علم میں رغبت کی بنا پر شیخ نظام الدین ایٹھوی ان سے بہت محبت رکھتے تھے۔ اپنے عصر کے عالم اور فقیہ تھے۔ صاحب طریقت بھی تھے۔ گوپامو کے منصب قضا پر متعین تھے۔ کثیر الدرس اور کثیر الافادہ عالم دین تھے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا جن میں شیخ عبدالوہاب بن ابوالفتح اکبر آبادی اور شیخ محی الدین حسینی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ یہ وہ جلیل القدر عالم و فقیہ تھے جو تمام عمر مسند قضا پر فائز رہے اور زندگی کے آخری لمحے تک طلباء کو درس دیتے رہے ②۔

## ۱۸۷۔ شیخ مبارک جھنجھانوی

شیخ مبارک بن عبدالمتقدر بن فاضل علوی جھنجھانوی ثم جون پوری اپنے زمانے کے معروف فقیہ تھے اور زہد و طریقت کی دولت سے مالا مال تھے۔ چونکہ تصوف میں مقام عالی پر فائز تھے اس لیے بالادست کے لقب سے معروف تھے۔ یعنی شیخ مبارک بالادست۔ شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی کے بھتیجے اور رضائی بھائی تھے۔ شیخ

① نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹ بحوالہ گنج ارشدی۔

② منتخب التواریخ ص ۳۲۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۷۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۷۹۔

علی بن قوام الدین شطاری جون پوری سے علم طریقت حاصل کیا اور ان کی صحبت میں رہے اس لیے جون پوری کہلائے۔ اس عالم و فقیہ کی زاد بوم بھی جھنجنھانہ ہے اور خواب گاہ بھی وہیں ہے ①۔

## ۱۸۸۔ شیخ مبارک سندھی

شیخ مبارک بن ابوالمبارک پاتری سندھی علاقہ سندھ کے ایک مقام موضع پاتری میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ شیخ عباس بن جلال سندھی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور کافی عرصہ ان کی خدمت میں رہے یہاں تک کہ فقہ اصول کلام اور علوم عربیہ میں مہارت حاصل کی۔ بعد ازاں نوشتہ تقدیر نے احمد آباد میں لاڈالا۔ وہاں ناصر الملک کی مسجد میں سکونت پذیر ہوئے اور کئی سال مسند تدریس پر فائز رہے۔ پھر برہان پور تشریف لے گئے اور قصبہ چوڑہ کے منصب قضا پر متعین ہوئے۔ بہت سال یہ عہدہ ان کے سپرد رہا۔ ان دنوں صوبہ برار کا وزیر اعظم تقاول خاں تھا۔ اس کے کہنے پر ایچ پور کا قصد کیا۔ تقاول خاں ان کا بہت مداح تھا اور بے حد احترام کرتا تھا۔ اس نے ان کو ایچ پور کی مسند تدریس پیش کی جس پر خاصا عرصہ متمکن رہے۔ پھر عازم علاقہ گجرات ہوئے۔ وہاں شیخ لشکر محمد عارف سے اخذ طریقت کیا۔ وہاں سے دوبارہ برہان پور گئے۔ اپنے وقت کے عالم و فاضل اور عابد و زاہد بزرگ تھے۔ خوف الہی سے آنکھوں سے آنسو جاری رہتے۔ شب و روز کا زیادہ حصہ بیداری میں کثرتاً اور اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے۔ بیدار رہنے سے یوں سمجھیے کہ ان کے نزدیک شب ہم رنگ دن ہو گئی تھی۔ ان کے اور شیخ طاہر بن یوسف سندھی کے درمیان گہری دوستی تھی۔

شیخ مبارک سندھی کے حلقہ تلامذہ میں اس زمانے کی مشہور علمی شخصیتوں کے نام تذکروں میں مرقوم ہیں جن میں شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی کا اسم گرامی بھی موجود ہے۔ یہ ان کے برہان پور کے دور قیام کے تلمیذ ہیں۔ انھوں نے ان سے علوم مروجہ کی تحصیل کی۔ شیخ مبارک نے ۹۷۸ھ (۱۵۷۰ء) کو جمعہ کے روز وفات پائی اور شیخ ابراہیم بن عمر سندھی کے حظیرہ میں دفن ہوئے ②۔

## ۱۸۹۔ شیخ مبارک الوری

شیخ مبارک بن ابوالمبارک الوری حنفی المسلک تھے اور دسویں صدی ہجری کے دیار ہند کے عالم و فقیہ تھے۔ زہد و صلاح کے زیور سے آراستہ تھے۔ منقول ہے کہ وہ اولاد بنی ہاشم سے تھے۔ اسی وجہ سے افغانوں میں انھیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ خود سلطان سلیم شاہ سوری ان کی مجلس میں حاضر ہوتا ان سے دعا و برکت حاصل کرتا اور اپنے ہاتھوں سے ان کی جوتیاں ان کے سامنے رکھتا تھا اور احتراماً شاہ مبارک کہا کرتا تھا۔

① اذکار ابرار ص ۲۳۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۷۹۔

② اذکار ابرار ص ۳۱۵، ۳۱۶۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۸۱، ۲۸۰۔

افغانوں کے نزدیک شیخ مبارک الوری کی عزت و توقیر کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب شیخ سلیم بن بہاء الدین چشتی سیکروی افغانوں کے ہاتھوں بتلائے آلام ہوئے اور رتھنپور کے قلعہ میں محبوس کیے گئے تو انھوں نے شیخ سلیم کی سفارش کی جس کے نتیجے میں انھیں قید سے رہائی حاصل ہوئی اور وہ دوبارہ عازم مکہ مکرمہ ہوئے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ء) میں ان کو دیکھا تھا۔ ان کی صحیح تاریخ وفات کا تو علم نہیں ہو سکا، مگر بدایونی کے بقول وہ نوے سال عمر پا کر تقریباً اسی زمانے میں فوت ہوئے جس زمانے میں ان کو دیکھنے کا موقع ملا تھا ①۔

## ۱۹۰۔ شیخ محبت اللہ سدھوری

شیخ محبت اللہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: محبت اللہ بن خواجگی بن خیر الدین بن علی بن نظام الدین انصاری ہروی، ثم ہندی سدھوری۔ ان کے اسلاف دراصل ایران کے شہر ہرات کے باشندے تھے اور وہاں سے وارد ہند ہوئے تھے۔ یہاں آ کر انھوں نے علاقہ اودھ کے ایک قریہ سدھور میں سکونت اختیار کی۔ شیخ محبت اللہ کی ولادت اسی گاؤں میں ہوئی اور یہیں پرورش پائی اور اپنے والد سے تحصیل علم کی۔ ان کے والد مولانا خواجگی اپنے عصر کے معروف عالم دین تھے۔ لائق بیٹے نے ان سے خوب فیض حاصل کیا۔ مولانا خواجگی تصوف و طریقت سے بھی بہرہ ور تھے، شیخ محبت اللہ کو بھی اس سے دلچسپی پیدا ہوئی اور یہ علم بھی ان سے اخذ کیا۔ والد کی وفات کے بعد ان کی جگہ مسند مشیخت پر فائز ہوئے۔ شیخ محبت اللہ سدھوری اپنے علاقے کے مشاہیر فقہاء میں سے تھے۔ ان سے خلق کثیر نے استفادہ کیا ②۔

## ۱۹۱۔ علامہ محمد بن احمد فاہی

علامہ محمد بن احمد بن علی فاہی مکی کی کنیت ابوالسعادات تھی اور ابوالسعادات گجراتی کے نام سے معروف تھے۔ بہت بڑے عالم اور شیخ وقت تھے۔ فقہی مسلک کے اعتبار سے حنبلی تھے۔ عبدالقادر حضرمی نے النور السافر میں انھیں کبار علما میں سے گردانا ہے۔

علامہ محمد بن احمد ۹۲۳ھ (۱۵۱۷ء) میں پیدا ہوئے اور مذاہب اربعہ کے مسائل و احکام کی کتابیں وقت نظر سے پڑھیں۔ یہی وجہ ہے کہ علوم مروجہ پر انھیں پوری دسترس حاصل تھی۔ ان کے شیوخ میں اکابر علما اور مشاہیر وقت محققین شامل ہیں جن میں علامہ ابوالحسن بکری، شیخ ابن حجر پیشمی اور شیخ محمد بن خطاب کے اسمائے گرامی لائق تذکرہ ہیں۔ انھوں نے مکہ مکرمہ، حضر موت اور زبید وغیرہ کے اساتذہ سے اخذ علم کیا۔ منقول ہے کہ

① منتخب التواریخ، ص ۳۱۵، ۳۱۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۲۸۱۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۲۸۲۔

جن اہل علم کے سامنے انھوں نے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور سند و اجازہ سے بہرہ ور ہوئے ان کی تعداد نوے سے زائد ہے۔ باقاعدہ اساتذہ سے اتنی کتابیں پڑھیں کہ ان کو حیضہ شمار میں لانا ناممکن ہے۔ جو کتابیں حفظ یاد کیں ان میں از بعین نوویہ، عقائد نسفیہ، فقہ حنبلی کی المقتنع، اصول فقہ کی جمع الجوامع، علم نحو کی الفیہ ابن مالک، معانی و بیان کی تخلص المفتاح، فن قرأت کی الشاطبیہ اور سیر و تاریخ سے متعلق ابن سید الناس کی نور العیون شامل ہیں۔ قرآن مجید کے حافظ تھے اور قرأت سبعہ کے ساتھ تجوید سے قرآن پڑھتے تھے۔

علامہ موصوف، مصنف بھی تھے۔ کئی عمدہ رسائل تصنیف کیے جن میں ایک آیۃ الکرسی کے متعلق ہے۔ اس میں آیۃ الکرسی کے متعلق بعض نہایت مفید نکات بیان کیے ہیں۔ ایک کتاب فقہ شافعی کے موضوع پر ہے جس کا نام نور الابصار ہے۔ یہ کتاب مختصر الانوار کی شرح ہے۔ ایک رسالہ نعت کے بارے میں ہے۔ ایک بڑی اہم کتاب سلاطین کے متعلق ہے۔

خوش مزاج اور حاضر جواب عالم تھے۔ خود بیان کرتے ہیں کہ میں وزرا کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا کہ استفہام انکاری کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ ایک اہل علم نے اس کی مثال دیتے ہوئے بطور طنز و تعریض میری طرف اشارہ کر کے یہ آیت پڑھی:

اتَّامِرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ①۔

میں اس کی تعریض کو فوراً سمجھ گیا اور جلدی سے اس کو مخاطب کر کے یہ آیت پڑھی اور کہا، استفہام انکاری یہ ہے۔

أَفَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ \* وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ②۔

یہ آیت سن کر وہ صاحب بڑے شرمندہ ہوئے۔

صاحب النور السافر عبدالقادر حضرمی کہتے ہیں، شیخ محمد بن احمد کو میرے والد شیخ الاسلام کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ وہ بہت فراخ دست اور سخی تھے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے، کوئی شخص ان سے زیادہ سخی نہ تھا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ جو عالم سرزمین عرب یا کسی اور ملک سے آتا اس کی ہر ممکن طور پر امداد کرتے اور کوئی شے اس

① سورہ البقرہ آیت ۴۴۔ ترجمہ: یہ کیا بات ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہو حالانکہ تم (اللہ کی) کتاب بھی پڑھتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟

② سورہ الجاثیہ۔ آیت نمبت ۲۳۔ ترجمہ: بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا، جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے بوجھنے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) خدا نے (بھی) اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اب خدا کے سوا کون اس کو راہ ہدایت پر لاسکتا ہے۔ بھلا تم کیوں نصیحت نہیں پکڑتے؟

سے چھپا کر نہ رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ مقروض رہتے تھے۔ دوسروں کی امداد کے لیے لوگوں سے اس منت و سماجت سے قرض لیتے کہ ان کے بعض رفقا سے تملق سے تعبیر کرتے۔

وہ پہلی مرتبہ ہندوستان آئے تو مدت مدید تک یہاں رہے۔ پھر ۹۵۷ھ (۱۵۵۰ء) میں اپنے وطن مالوف مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ اس سال حج کیا۔ دوسرے سال بھی یہ سعادت حاصل کی اور ۹۶۰ھ (۱۵۵۳ء) میں واپس ہندوستان آئے۔ پھر زندگی کی آخری سانس تک یہیں اقامت گزیر رہے۔

ان کے فاضل تلمیذ شیخ عبداللطیف الدبیر نے ان کی مدح میں یہ قصیدہ کہا:

یا علامۃ الدنیا و یا علم غذا  
و من لاح مثل الصبح فضل کمالہ  
و یا ایہا البحر الخضم لعلمہ  
و فاکہۃ الدنیا ینہاہ ذا الہنا  
اب لسعادات و اصل محامد  
تباہت لہ گجرات لماثوی بہا  
یقصر عن غایاتہ فی العلاء البدر  
فضاء بہ الاقطار و افتخر العصر  
و بالرفق للطلاب یا ایہا البر  
و جمع علوم فاح من طیبہا النشر  
فمن امہ بالنجح ال کذا الیسر  
فان فخرت یوما یحق لہا الفخر

ترجمہ: اے وہ شخص جو موجودہ حالات کو بھی جانتا ہے اور مستقبل سے بھی باخبر ہے اور وہ جس کی بلندیوں کو پانے سے چاند بھی قاصر ہے۔ اور وہ جس کا فضل و کمال سپیدہ صبح کی طرح روشن ہوا، اقطار عالم اس سے چمک اٹھتا ہے اور زمانہ اس پر ناز کرتا ہے۔ اے علم کے بحر فیاض اور اے طالبان علم کے لیے حسن سلوک کے بر عظیم۔

وہ دنیا کا ایسا پھل ہے جو اپنی خوش گواری میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے، اس کے جمع علم کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔

وہ سخاوتوں کی اساس اور فضائل و مناقب کی جڑ ہے، جو شخص حصول کامرانی کے لیے اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو یسر و کامرانی اس کی طرف چل پڑتی ہے۔

گجرات اس پر نازاں ہے، کیوں کہ وہ اس کی آرام گاہ ہے اور اگر وہ اس پر ناز کرے تو یہ نازاں سے زیب دیتا ہے۔

شیخ محمد بن احمد فاہمی نے جمعہ کے روز ۲۱ جمادی الاولیٰ ۹۹۲ھ (۲۱ مئی ۱۵۸۴ء) کو شہر احمد آباد میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے<sup>①</sup>۔

## ۱۹۲۔ شیخ محمد بن احمد نہروالی

شیخ محمد بن احمد بن محمد بن محمود نہروالی۔ ان کا لقب قطب الدین اور والد کا علاء الدین تھا اور چوں کہ

① النور السافر فی اخبار القرن العاشر، ص ۴۰۷، ۴۰۸۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۲۸۳، ۲۸۵۔

یہ اپنے زمانے کے مفتی تھے اس لیے مفتی قطب الدین بن علاء الدین مکی کے نام سے معروف تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور انشا و شعر کے ماہر علما میں سے تھے۔

۹۱۷ھ (۱۵۱۱ء) کو لاہور میں پیدا ہوئے اور عمر کی کچھ منزلیں طے کرنے کے بعد اپنے والد مکرم شیخ احمد ملقب بہ علاء الدین سے حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ بعد ازاں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں خطیب معمر احمد محبت الدین بن ابوالقاسم محمد العقیلی نویری مکی، محدث یمن وجیہ الدین عبدالرحمن بن علی دبیج شیبانی زبیدی، شیخ شہاب الدین احمد بن موسیٰ بن عبدالغفار مغربی مصری نزیل حرین، شیخ محمد بن محمد بن عبدالرحمن خطاب مالکی اور ان کے والد شیخ محمد بن عبدالرحمن سے مختلف علوم مروجہ کی تحصیل کی۔ ۹۳۳ھ (۱۵۲۷ء) میں عازم مصر ہوئے۔ وہاں ابو عبداللہ محمد بن یعقوب عباسی متوکل علی اللہ متوفی ۹۵۰ھ (۱۵۲۳ء) سے ملے۔ مصر اس زمانے میں مرکز علمائے عظام اور منبع فضلاء فحاش تھا۔ وہاں اونچے درجے کے مشائخ کرام موجود تھے جن کے رشد و ہدایت کی بدولت پورا ملک بقعہ نور بنا ہوا تھا۔

شیخ قطب الدین محمد بن احمد کو تصوف و طریقت سے بھی لگاؤ تھا۔ اس سلسلے میں وہ شیخ علاء الدین کرمانی نقشبندی متوفی ۹۳۹ھ (۱۵۳۳ء) سے غالباً سفر مصر سے قبل مستفیض ہوئے۔

شیخ محمد نہروالی کو یہ شرف حاصل تھا کہ اپنے زمانے میں ان کی صحیح بخاری کی سند ساری دنیا میں عالی تھی۔ وہ اس طرح کہ انھوں نے اپنے والد شیخ علاء الدین احمد بن محمد نہروالی سے انھوں نے حافظ نور الدین ابو الفتوح احمد بن عبداللہ طاؤسی شیرازی سے انھوں نے شیخ معمر بابا یوسف ہروی سے انھوں نے محمد بن شابخت فارسی فرغانی سے انھوں نے شیخ ابولقمان یحییٰ بن عمار بن مقبل بن شاہان ختلانی سے سماعت کی انھوں نے محمد بن یوسف فربری سے اور انھوں نے امام عالی مقام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری سے روایت کی۔ ایک روایت کے مطابق شیخ قطب الدین محمد نہروالی نے اپنے والد شیخ علاء الدین احمد بن محمد کے واسطے کے بغیر براہ راست حافظ نور الدین ابو الفتوح طاؤسی سے بھی صحیح بخاری کی روایت کی ہے۔

شیخ محمد نہایت فصیح و بلیغ شخص تھے اور عربی کے بلند پایہ ادیب تھے۔ ترکی کے عثمانی حکمران اور عام ترک ان کی بے حد تکریم کرتے تھے۔ وہ حج کو جاتے تو رسوم حج کی ادائیگی میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے اور اس باب میں کسی دوسرے عالم کو قابل اعتنا قرار نہ دیتے۔ ترک حجاج ان کی مالی امداد بھی دل کھول کر کرتے۔ ان سے انھیں جو رقوم وصول ہوتیں اس سے یا تو کتابیں خریدتے یا پھر محتاجوں اور مستحق افراد کو دے دیتے۔ مکہ مکرمہ اور اس میں ان کے احترام کا یہ عالم تھا کہ جدھر نکل جاتے، علما و ادبا کی جماعت ان کے ساتھ ہوتی۔

شیخ قطب الدین محمد بن احمد نے اپنی کتاب تاریخ مکہ میں خود اپنے حالات میں لکھا ہے کہ والی گجرات سلطان احمد شاہ نے مکہ مکرمہ میں حرم محترم کے قریب جو مدرسہ قائم کیا تھا، اس کا انتظام ان کے ہاتھ میں تھا۔ ممکن ہے ان کے والد شیخ علاء الدین احمد بن محمد نے ان کو حجاز بھیجا ہو اور والد کی وفات کے بعد اس کی تولیت خود

قطب الدین محمد بن احمد کے سپرد ہو گئی ہو۔

انہوں نے دو مرتبہ قسطنطنیہ کا سفر کیا۔ ایک مرتبہ ۹۶۵ھ (۱۵۵۸ء) میں قسطنطنیہ گئے جب عثمانی حکمران سلطان سلیمان بن سلیم نے انہیں خلعت عطا کی۔ سلطان مذکور نے مکہ مکرمہ میں مدارس قائم کیے تو شام کے اوقاف سے ان مدارس کے مدرسین، طلباء، خدام، بواب اور فراش کے لیے وظائف مقرر کیے۔ شیخ قطب الدین محمد نے وہاں کے مدرسہ سلیمانیہ میں ہدایہ پورا، کچھ حصہ کشاف کا اور کچھ حصہ مفتی ابوالسعود عمادی کی تفسیر کا پڑھا۔ اس مدرسے میں خود انہوں نے حدیث، اصول حدیث اور علم طب کے کچھ اسباق پڑھائے۔ پھر وہ ابن ہمام کی شرح الہدایہ بھی اس مدرسے میں پڑھاتے رہے جس کی تکمیل مولانا شمس الحق احمد قاضی زادہ نے کی۔

عثمانی حکمران سلطان سلیم بن سلیمان بھی ان کا بے حد احترام کرتا تھا اور وہ اپنے زمانہ ولی عہدی میں بھی اور خود مختار حکمران ہونے کے بعد بھی ان پر احسان و اکرام کرتا اور انہیں باقاعدہ ہر سال خلعت خاص سے نوازتا رہا۔ اسی طرح اس کے بیٹے سلطان مراد کے دل میں بھی ان کا احترام جاگزیں رہا اور اس نے ہمیشہ ان کی طرف عنان توجہ مبذول کیے رکھی۔ سلطان مراد نے ان کو مکہ مکرمہ کے منصب افتا پر متعین کیا اور بیت اللہ کی خطابت ان ہی کے سپرد کی۔ مدرسہ سلیمانیہ کی تدریس کے لیے ان کو اور ان کی اولاد کو مقرر کیا۔ اس نے صفا کے مقام پر مدرسہ عثمانیہ کے نام سے ایک مدرسے کی تاسیس کی۔ اس کی مسند تدریس پر بھی ان ہی کو متعین کیا۔ اس مدرسے میں یہ حدیث اور فقہ کا درس دیتے تھے۔

شیخ قطب الدین محمد بن احمد جہاں بہت بڑے عالم اور مدرس تھے وہاں اپنے دور کے عظیم مصنف بھی تھے۔ ان کی تصنیفات یہ ہیں:

① الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام: یہ کتاب مکہ معظمہ کی مفصل تاریخ ہے جو ایک مقدمے، دس ابواب اور ایک ضمیمے پر مشتمل ہے۔ مقدمے میں مصنف نے اپنی اس کتاب کے ماخذ کی فہرست بھی دی ہے اور لکھا ہے کہ مکہ کا قدیم ترین مورخ عبدالولید محمد بن عبدالکریم الارزقی ہے۔ اس کتاب کی فہرست ابواب درج ذیل ہے۔ اس سے کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

باب اول: مکہ مکرمہ اور کعبہ کا جغرافیائی بیان۔

باب دوم: کعبہ کی بنا اور تعمیر

باب سوم: عہد جاہلیت اور آغاز اسلام میں مسجد الحرام کی کیفیت۔

باب چہارم: عہد عباسیہ میں مسجد الحرام میں کیا اضافہ کیا گیا۔

باب پنجم: جو تعمیر منصور کے عہد میں شروع ہوئی اور اس کے بیٹے مہدی کے عہد میں مکمل ہوئی، اس کی تفصیل۔ نیز

آئندہ چل کر عہد عباسیہ میں جو اہم اضافے ہوئے ان کا تذکرہ۔

باب ششم: چراکسہ کے عہد میں مسجد الحرام کی مرمت۔

- باب ہفتم: مسجد الحرام عہد عثمانیہ میں۔  
 باب ہشتم: مسجد الحرام سلیم اول کے عہد حکومت میں۔  
 باب نہم: مسجد الحرام سلیم دوم کے عہد میں۔  
 باب دہم: مسجد الحرام سلطان مراد کے عہد میں۔  
 ضمیمہ: مکہ کے مقامات مقدسہ۔

تاریخ کعبہ کی مکمل وضاحت کی غرض سے مصنف شہیر نے عہد رسالت سے لے کر خود اپنے زمانے تک مسلمانوں کی تاریخ کا ایک سرسری خاکہ پیش کیا ہے۔  
 مغربی علما نے اس کتاب کو اپنے موضوع میں بہت اہم قرار دیا ہے اور اس قسم کی دوسری کتابوں کے ساتھ اسے بھی ووٹن فلڈ نے مرتب کیا ہے۔

البرق الیمانی فی الفتح العثماني: اس کتاب کو الفتوحات العثمانیہ للا قطار الیمنیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب ان واقعات کی تاریخ ہے جو دسویں صدی ہجری کے آغاز سے لے کر ۹۷۸ھ (۱۵۷۱ء) تک رونما ہوئے۔ یہ تین ابواب اور خاتے پر مشتمل ہے۔ پہلا باب تیرہ فصلوں میں منقسم ہے جس میں دسویں صدی ہجری کے آغاز سے عثمانی ترکوں کی فتح یمن تک یعنی بادشاہوں کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ دوسرا باب سینتیس فصول پر محیط ہے۔ اس میں یمن پر ترکوں کے قابض ہونے سے لے کر سلطان سلیمان کے عہد حکومت تک کے واقعات درج کیے گئے ہیں۔ تیسرے باب میں چھ فصلیں ہیں اور اس میں ان واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے جو سلطان سلیم کے عہد حکومت میں پیش آئے۔ خاتمہ کتاب چار فصلوں کو محتوی ہے۔ اس میں سان پاشا کی مصر کو واپسی اور اس کی تونس اور گولیتا کی فتوحات کا حال بیان کیا گیا ہے۔

منتخب التواریخ فی الترجمة۔

تمثال الامثال النادرة والتمثيل والمحاضرة بالابیات المفردة النادرة۔

الکنز الاسمی فی فن المعمی۔

شیخ قطب الدین محمد شاعر بھی تھے۔ عثمانی حکمران سلطان مراد کی مدح میں انھوں نے یہ اشعار کہے:

اللہ فی الارض باہر السلطان

الارض لفظا وجاء عین المعانی

ملك صیغ من صیغۃ الانسان

وقوی فی حکمہ سیان

لحلق العد وبتدران

ان سلطانا مراد لظل

ملك صار من ماضی من ملوك

ملك وهو فی الحقیقة عندی

ملك عادل فكل ضعيف

سیفہ والمنون طرفا رھان



کمل المسجد الحرام بناءً فاق في العالمين كل المباني  
هكذا هكذا والا فلا انما الملك في بني عثمان

ترجمہ: مراد ہمارا سلطان ہے جو زمین پر اللہ کا سایہ ہے اور اس کی حکومت سب پر فائق ہے۔ وہ ایسا فرماں روا ہے جو واقعی و معنوی لحاظ سے فرماں روا ہے اور جو دیگر فرماں روا روئے زمین پر گزرے ہیں وہ صرف ظاہری و لفظی فرماں روا تھے۔

وہ ہے تو۔ ملک (فرماں روا) لیکن میرے نزدیک وہ انسانی شکل میں فرشتہ ہے۔

وہ ایسا عادل فرماں روا ہے کہ قوی اور ضعیف دونوں اس کی نگاہ میں برابر ہیں۔

اس کی تلوار اور موت گھوڑ دوڑ کے ایسے دو گھوڑے ہیں جو دشمن کو ختم کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کو دوڑ پڑتے ہیں۔

اس نے مسجد حرام کی تعمیر مکمل کر دی جو ساری دنیا کی عمارتوں پر فوقیت رکھتی ہے۔

بلاشبہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ یہ ملک (مراد) بنی عثمان میں سے ہے۔

امام شوکانی نے البدر الطالع میں شیخ قطب الدین محمد بن احمد نہر والی کی تاریخ وفات ۹۸۸ھ

(۱۵۸۰ء) تحریر کی ہے اور عصامی کی روایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ انھوں نے ہفتے کے روز ۲۷ ربیع الثانی

۹۹۰ھ (۲۱ مئی ۱۵۸۲ء) کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی ①۔

## ۱۹۳۔ شیخ محمد بن اسحاق سندھی

شیخ محمد بن اسحاق سندھی، صالح عالم دین اور شیخ وقت تھے۔ بلاد سندھ میں واقع اعمال سیستان کے ایک گاؤں لاکدہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ شیخ عبدالرشید سندھی سے تحصیل کی اور فقہ اصول فقہ اور علوم عربیہ میں اپنے اقران و معاصرین سے فوقیت لے گئے۔ علاوہ ازیں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ جام نظام الدین والی سندھ کے عہد کے عالم و فقیہ تھے۔ ان کا شمار دسویں صدی ہجری کے باعمل ہندی علما میں ہوتا تھا۔ لوگوں کے کام کرانے میں بہت تیز تھے اور ان کی سفارش کے لیے امرا اور ارکان حکومت کے پاس کثرت سے جاتے تھے ②۔

ان کے حالات اس سے زیادہ معلوم نہیں ہو سکے۔ یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کس سن میں پیدا

ہوئے اور کب عالم جاودانی کو شریف لے گئے۔

① البدر الطالع ج ۲ ص ۵۷، ۵۸۔ النور السافر ص ۳۸۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۸۵ تا ۲۹۰۔ یادایام ص ۶۳، ۶۵۔

② تحفۃ الکرام ص۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۹۰۔

## ۱۹۴۔ علامہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی

شیخ محمد بن طاہر بن علی پٹنی، دسویں صدی ہجری کے دیار ہند کے بہت بڑے عالم، محدث، لغوی، مبلغ اور مصنف تھے۔ گجرات (کاٹھیاواڑ) کے شہر نہروالا کے باشندے تھے جو بعد کو پٹن کے نام سے موسوم ہوا اور اسی مناسبت سے یہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی کہلائے۔ ان کا لقب جمال الدین بھی تھا اور مجد الدین بھی!

شیخ ممدوح ۹۱۴ھ (۱۵۰۸ء) کو شہر پٹن میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ ابتدائے عمر ہی سے حصول علم میں مصروف ہو گئے اور سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے کہ اپنے علاقے کے مختلف اساتذہ سے علم حاصل کرنے لگے جن میں ملاہنہ، شیخ ناگوری، شیخ برہان الدین سمہوی اور مولانا ید اللہ سوہی وغیرہ شامل ہیں۔ کم وبیش پندرہ سال حصول علم میں مصروف رہے اور مختلف علوم و فنون میں اپنے اقران و معاصرین سے سبقت لے گئے۔ تیس سال کی عمر کو پہنچے تو ۹۴۴ھ (۱۵۳۷ء) میں حرین شریفین کا قصد کیا۔ حج و زیارت سے بہرہ مند ہوئے اور ایک مدت تک وہاں مقیم رہے۔ اس دوران میں حرین شریفین کے مشاہیر اساتذہ سے بھی اخذ علم کیا، جن میں شیخ ابوالحسن بکری شافعی، صاحب الصواعق المحرقہ شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مصری ثم مکی، شیخ علی مدنی، شیخ جار اللہ بن فہد مکی، شیخ عبید اللہ سرہندی، شیخ عبداللہ عیدروس، شیخ عبداللہ زبیدی، سید عبداللہ عدنی، شیخ عبداللہ حضرمی اور شیخ برخوردار سندھی شامل ہیں۔ ان دنوں شیخ علی متقی بھی وہاں اقامت گزین تھے۔ شیخ محمد بن طاہر نے ان سے بھی اخذ علم کیا اور ان سے مستفید ہوئے۔ اب انھوں نے فضل و علم میں کامل و مکمل ہو کر وہاں سے ہندوستان کو مراجعت فرمائی اور اپنے وطن پٹن کو اپنا مستقر ٹھہرایا جو اس زمانے میں علاقہ گجرات کا ایک اہم مقام تھا۔

شیخ محمد بن طاہر علاقہ گجرات کی بوہرہ برادری سے تعلق رکھتے تھے جو برصغیر کی مال دار اور تجارت پیشہ برادری تھی۔ بوہرے دو جماعتوں میں منقسم تھے۔ کچھ لوگ شیعہ اسماعیلیہ تھے جو مہدویہ کہلاتے تھے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو محمد المہدی بن عبداللہ بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کے پیرو بتاتے ہیں اور محمد بن عبداللہ کو مہدی آخر الزمان مانتے ہیں۔ کچھ لوگ جماعت اہل سنت سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ محمد بن طاہر نے بوہروں کی اصلاح کا عزم کیا اور ان میں جو بدعات و رسوم پیدا ہو گئی تھیں، ان کو ختم کرنے کی ٹھانی۔ نیز اپنے علاقے میں تعلیم عام کرنے اور لوگوں کو جہالت کی تاریکی سے نکالنے کا تہیہ کیا۔ انھوں نے ایک ایسی اصلاحی تحریک شروع کی جس کا بنیادی مقصد سنت رسول ﷺ اللہ کی ترویج، احکام شریعت کا نفاذ اور منکرات کا انسداد تھا۔

النور السافر میں عبدالقادر حضرمی رقم طراز ہیں کہ شیخ محمد بن طاہر اپنے باپ کی طرف سے بہت سے مال و دولت کے وارث ہوئے تھے۔ وہ خود روشنائی بنانے کا کام کرتے تھے۔ اس طرح علم و فضل کی فراوانی کے ساتھ ساتھ انھیں گجرات کی ایک مال دار شخصیت سمجھا جاتا تھا۔ اپنا مال تعلیم و تبلیغ پر خرچ کرتے تھے۔ ان کا

معمول تھا کہ لڑکوں کے مدرسے کے معلم کے ذریعے ذکی اور فہیم لڑکوں کو اپنے ہاں طلب کرتے۔ اگر لڑکا مال دار ہوتا تو اسے علم حاصل کرنے کی تاکید فرماتے۔ اگر تنگ دست ہوتا تو اس کے اور اس کے گھر والوں کے مصارف کا بوجھ خود برداشت کرتے اور اس کو تعلیم میں مشغول رہنے کی ترغیب دیتے۔ اسی طرح غربا و مساکین اور مستحقین میں مال و دولت تقسیم کرتے اور ہر ایک کو ضرورت کے مطابق باقاعدہ وظیفہ دیتے اور کوشاں ہوتے کہ لوگ فکر معاش سے بے نیاز ہو کر اللہ کے دین کی خدمت کو اپنا مقصد حیات ٹھہرائیں۔

شیخ محمد بن طاہر نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک ان کی قوم بدعات و منکرات کو ترک نہیں کر دیتی اور سنت پر عامل نہیں ہو جاتی وہ سر پر عمامہ نہیں باندھیں گے۔ قریب تھا کہ ان تمام بدعات کا قطعی طور سے خاتمہ ہو جاتا جو بلاد گجرات میں مروج تھیں کہ مغل حکمران جلال الدین اکبر نے ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء) میں گجرات فتح کیا۔ اکبر سے شیخ کی ملاقات ہوئی تو اس نے عمامہ نہ باندھنے کی وجہ دریافت کی۔ انھوں نے وجہ بتائی تو اکبر نے کہا بدعات کا قلع قمع کرنا دین کی نصرت اور سنت کا نفاذ عمل میں لانا میرے فرائض میں ہے۔ اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ آپ ان امور کی پروا نہ کریں۔ چنانچہ اکبر نے اپنے ہاتھوں سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور ساتھ ہی والی گجرات مرزا عزیز الدین کو کہہ کر جو اکبر کا رضاعی بھائی تھا، شیخ کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کا حکم دیا۔ منقول ہے کہ اس نے اس سلسلے میں شیخ کی پوری اعانت کی اور ممکن حد تک رسوم و بدعات کے ازالے کی سعی کی۔ لیکن جب مرزا عزیز الدین کو کہہ کر معزول کر کے اس کی جگہ عبدالرحیم خان خانان کو مقرر کیا گیا تو اس نے بوہروں کے عقیدہ مہدویت کی حمایت کرنا شروع کر دی جس کے نتیجے میں وہ تمام مہدوی جو گوشہ عزلت میں چلے گئے تھے دوبارہ باہر نکل آئے اور شیخ کی تحریک اصلاح بڑی حد تک دب گئی۔

شیخ کو اس کا بڑا قلق ہوا، انھوں نے دوبارہ عمامہ سر سے اتارا اور اکبر سے ملنے کی غرض سے آگرہ کا قصد کیا۔ دراصل ان کا مقصد اکبر کو اس کا وعدہ یاد دلانا اور اس ضمن میں جو کام ہو چکا تھا اس کی اطلاع دینا تھا، نیز عزیز الدین کو کہہ کر معزولی اور عبدالرحیم خان خانان کے تقرر کے نتیجے میں جو تغیر رونما ہو گیا تھا، اس کی تفصیلات سے اکبر کو آگاہ کرنا تھا۔ مگر اس کا انھیں موقع نہ ملا۔ وہ گجرات سے چلے تو کچھ لوگ جو فرقہ مہدویہ سے تعلق رکھتے تھے ان کے تعاقب میں نکلے۔ جب شیخ اجین کے نواح میں پہنچے تو انھوں نے موقع پا کر ان کو قتل کر ڈالا۔ یہ حادثہ ۹۸۶ھ (۱۵۷۸ء) کو پیش آیا۔ شیخ کے رفقاء سفر ان کے جسد خاکی کو وہاں سے پٹن لے آئے اور انھیں ان کے آبائی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ شیخ محمد بن طاہر پٹنی متعدد علمی کتابوں کے مصنف تھے جن میں سے بہت اہم اور اہل علم میں زیادہ مقبول و معروف کتابیں یہ ہیں:

① مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل و لطائف الاخبار: یہ حدیث کا ایک لغت ہے جو نہایت اہمیت اور جامعیت کا حامل ہے اور دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ شیخ نے یہ معجم اپنے مرشد استاد شیخ علی متقی کے نام معنون کیا ہے۔ یہ بڑی ضخیم کتاب ہے جو ۱۶۶۸ صفحات پر مشتمل ہے

اور اس کی کتابت بہت گنجان ہے۔ اس کو حروف مصادر کی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔ جو الفاظ احادیث میں استعمال ہوئے ہیں ان کے مصادر اور مشتقات اس لغت میں موجود ہیں اور احادیث کا متن بھی اس میں درج کیا گیا ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف الفاظ کے معنی لکھنے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ متعلقہ حدیث کے بارے میں وضاحت طلب نکات کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ اس لغت سے پہلے اس قسم کے جتنے بھی لغت مرتب کیے گئے ہیں وہ اس کے مقابلے میں بہت کم اہمیت کے نظر آتے ہیں۔ اہل علم میں یہ کتاب بڑی مقبول ہے۔

تذکرۃ الموضوعات: یہ موضوع احادیث سے متعلق ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کے مقدمہ میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کی ہے کہ کسی حدیث کو محض اس لیے موضوع نہیں قرار دے دینا چاہیے کہ کسی نے اسے موضوع کہا ہے۔ اس کا فیصلہ اس سلسلے کی مستند کتب سے رجوع کے بعد کیا جائے۔ اس کی مثال دیتے ہوئے شیخ نے لکھا ہے کہ امام ابن جوزی نے اپنی کتاب الموضوعات میں بعض ان احادیث کو بھی موضوع قرار دیا ہے جو دراصل حسن کا درجہ رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں بعض ضعیف احادیث کو بھی انہوں نے موضوع ٹھہرایا ہے۔ اس کے بعد شیخ نے ان احادیث پر عالمانہ و ناقدانہ بحث کی ہے جنہیں کسی نہ کسی عالم نے موضوع سے تعبیر کیا ہے۔ اس مسئلے سے متعلق یہ بہت مفید کتاب ہے۔ یہ کتاب مصر میں چھپ چکی ہے اور مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالجلیل سامردوی نے بڑی محنت سے اس کی تصحیح کی ہے۔

المغنی فی ضبط اسماء الرجال:

قانون الموضوعات فی ذکر الضعفاء و الوضاعین: یہ کتب مصر میں طبع ہو گئی ہے۔ اس کے مقدمے میں مرقوم ہے کہ مصنف علام نے اس کو تذکرۃ الموضوعات کے بعد تصنیف کیا۔

اس کتاب میں مصنف نے ان راویوں کو حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کر دیا ہے جو موضوع حدیثیں وضع کرتے یا بیان کرتے تھے۔ آخری دو فصلوں میں ان کی کنیتیں اور نسب بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب کے بالکل آخر میں مولانا عبدالجلیل سامردوی مرحوم نے ترجمۃ المؤلف کے عنوان سے شیخ محمد بن طاہر کے حالات و سوانح تحریر کیے ہیں۔

فاضل نے وضاع راویوں کے نام اور اوصاف باقاعدہ حوالوں کے ساتھ درج کیے ہیں اور ان کا ساقط الاعتبار یا غیر مستند ہونا متقدمین کی کتابوں سے ثابت کیا ہے۔ اس کا انداز اس قسم کا ہے۔ مثلاً:

غالب بن عبید اللہ الجزری۔ لیس بشئی۔

غریب بن عبدالواحد القرشی۔ مجہول۔

غسان بن ابان الحنفی۔ یروی عجائب۔

غیاث بن ابراہیم - کذاب -

خلیل بن مجد - وضاع -

الفرع بن فضالہ - ضعیف -

الفرات بن السائب - متروک -

الفضل بن حرب البجلی - غیر محفوظ -

الفضل بن عبداللہ بن مسعودیشکری - لا یجوز احتجاج بہ وغیرہ وغیرہ -

⑤ کفایۃ المفروطین: یہ شافیہ کی شرح ہے۔ اس کا ایک نسخہ احمد آباد میں پیر محمد شاہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔

دسویں صدی ہجری کے اس عظیم المرتبت عالم اور محدث و فقیہ نے ۹۸۶ھ میں اجین اور سارنگ پور کے درمیان جام شہادت نوش کیا اور ان کے ساتھیوں اور خواہر زادہ شیخ نور محمد نے میت کو پٹن لاکران کے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیا ①۔

## ۱۹۵۔ شیخ محمد بن عاشق چریاکوٹی

شیخ محمد بن عاشق موضع چریاکوٹ میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت پائی۔ کچھ بڑے ہوئے تو اپنے علاقے کے علمائے عظام سے تحصیل علم کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے وطن چریاکوٹ میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ شیخ محی الدین عباسی چریاکوٹی کے لقب سے ملقب تھے۔ فاضل بزرگ تھے اور فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی تصانیف میں التفسیر الحمدی، الجواہر العربیہ فی الفنون الادبیۃ، اصول فقہ کی مشہور کتاب تلوح پر حاشیہ اور فرائض و مواریث میں اللوکب الدری شامل ہیں۔ اس عالم و فقیہ اور مصنف نے ۹۷۲ھ (۱۵۶۵ء) میں وفات پائی۔ ان کا تذکرہ احمد مکرم چریاکوٹی نے اپنی تاریخ میں کیا ہے ②۔

① النور السافر فی اخبار القرن العاشر، ص ۳۶۱، ۳۶۲۔ اخبار الاخیار، ص ۲۷۲۔ شذرات الذہب ج ۸ ص ۴۱۰۔ الرسالة المستطرفہ ص ۱۱۳۔ الفوائد الیسیہ حاشیہ ص ۱۶۳، ۱۶۵۔ معجم المؤمنین ج ۱۰ ص ۱۰۰۔ ہدیۃ المعارفین ج ۲ ص ۲۵۵۔ کشف الظنون۔ ایضاح المکنون۔ اتحاف البلاء ص ۳۹۷ تا ۴۰۰۔ ابجد العلوم ص ۸۹۵، ۸۹۶۔ مآثر الکرام ص ۱۷۹ تا ۱۸۱۔ سبحة المرجان ص ۲۳ تا ۲۵۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۹۵، ۱۹۶۔ حدائق الحنفیہ ص ۳۸۵ تا ۳۸۷۔ الاعلام ج ۷ ص ۲۲، ۲۳۔ مرآت احمدی ج ۳ ص ۱۱۶، ۱۱۷۔ اذکار ابرار ص ۳۲۲ تا ۳۲۴۔ رود کوثر ۳۹۲، ۳۹۴۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۲۳۶، ۲۳۷۔ تذکرہ علامہ شیخ محمد بن طاہر محدث پٹنی ترجمہ رسالہ مناقب۔ مولفہ شیخ عبدالوہاب اقصی القضاة متوفی ۱۰۸۶ھ (۱۶۷۵ء)۔ ترجمہ سید ابوظفر ندوی۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۳۰۲۔

## ۱۹۶۔ شیخ محمد بن عبد الملک قاری خالدی

شیخ محمد بن عبد الملک خالدی اپنے عصر کے مشہور قاری، فقیہ اور شیخ تھے۔ ساتھ ہی جو دو سخا سے متصف! کتب درسیہ اپنے والد مکرم شیخ عبد الملک سے پڑھیں۔ قرأت و تجوید کا علم بھی ان ہی سے سیکھا۔ پھر ذکر و عبادت میں مشغول ہو گئے اور علما و طلبا کی ایک بڑی جماعت ان کے گرد جمع ہو گئی۔ تمام عمر درس و تدریس اور اہل علم کو علمی فائدہ پہنچانے میں صرف کر دی۔ توکل و عفاف ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا اور طبیعت کو قناعت بالیسیر کا ایسا عادی بنا لیا تھا کہ ضرورت سے زیادہ کوئی چیز حاصل کرنے کی خواہش ہی دل میں باقی نہ رہی تھی۔ سخت تکلیف کے وقت بھی ملوک و امرا کے دروازے پر نہیں گئے۔ نہ کسی کے آگے کبھی ہاتھ پھیلا یا اور نہ تنگ دستی کا شکوہ کیا۔ دسویں صدی ہجری کے اس ہندی عالم دین اور فقیہ و قاری نے ۱۲ رجب ۹۸۴ھ (۱۱ اکتوبر ۱۵۷۶ء) کو آگرہ میں وفات پائی ①۔

## ۱۹۷۔ شیخ محمد بن عمر بحرق حضری

شیخ محمد بن عمر بن مبارک بن عبد اللہ بن علی حمیری حضری، بحرق کے نام سے مشہور تھے۔ شافعی المسلک تھے۔ علامہ زماں اور محدث دوراں تھے۔ ان کا شمار اپنے عصر کے علمائے محققین اور فضلاء مدققین میں ہوتا تھا۔ لقب جمال الدین تھا۔ ۱۵ شعبان کی شب ۸۶۹ھ (۱۲ اپریل ۱۴۶۵ء) کو حضرموت میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی اور اسی نواح کے علما سے اخذ علم کیا۔ پھر مزید تعلیم کے لیے زبید چلے گئے۔ وہاں شیخ زین الدین محمد بن عبد اللطیف شرجی سے حدیث کا درس لیا اور شیخ جمال الدین محمد بن ابوبکر صالح فقیہ سے اصول کی کتابیں پڑھیں۔ تصوف و طریقت کے لیے مختلف مشائخ کی خدمت میں گئے اور اس علم سے بہرہ ور ہوئے۔ ۸۹۴ھ (۱۴۸۹ء) میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور حافظ شمس الدین سخاوی سے کسب فیض کیا۔

حصول علم کے بعد درس و تدریس اور افادہ طلبا کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ حضرموت میں ان سے فقیہ محمد بن احمد باجر فیل نے تحصیل علم کی اور عدن میں ان کے سامنے عبد اللہ بن احمد مخرمہ نے زانوئے تلمذتہ کیے۔ طلبا پر نہایت مہربان اور اہل خیر کے لیے بدرجہ غایت کرم فرماتے تھے۔ حق و صداقت کے علم برادر تھے۔ شہر کی مسند قضا پر بھی متعین رہے۔ پھر اس منصب سے الگ ہو گئے اور عدن چلے گئے۔ وہاں کے امیر مرجان عامری کے نزدیک انھیں بڑی عزت و قبولیت حاصل ہوئی اور بے حد عز و جاہ کے حامل ہوئے۔

بعد ازاں دیار ہند کے لیے رخت سفر باندھا اور والی گجرات سلطان مظفر بن محمود بیگرہ کے پاس آئے۔ یہ حکمران ان سے نہایت تعظیم سے پیش آیا اور بے حد قدر و منزلت کی۔ اس نے اپنی قلمرو میں ان کی آمد

① اذکار ابرار ص ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۳۰۴۔

کو مغتتم جانا اور ان سے اخذ علم کیا۔

شیخ محمد بن عمر بحر قکئی کتابوں کے مصنف تھے جن میں ایک کتاب ”تبصرة الحضرة الشاهية الاحمدية بسيرة النبوية الاحمدية“ ہے۔ یہ کتاب انھوں نے ہندوستان آ کر فرماں روئے گجرات سلطان مظفر کے دربار سے مندرجہ ہونے کے بعد لکھی اور اسی بادشاہ کے نام منسوب کی۔ اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور آپ کے حالات و سوانح بیان کیے گئے ہیں۔<sup>①</sup> اس کے علاوہ انھوں نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کیں۔

① الحسام المسلول علی مبغضی اصحاب الرسول۔

② ترتیب السلوك الى ملك الملوك۔

③ متعة الاسماع باحكام السماع۔

④ المختصر من كتاب الامتاع۔

⑤ مواهب القدوس فی مناقب العیدروس۔

⑥ اختصار شرح لامیة العجم للصفدی۔

⑦ الاسرار النبویہ فی اختصار الاذکار النوویہ۔

⑧ ذخیرة الاخوان المختصر من كتاب الاستغناء بالقران۔

⑨ النبذة المنتخبة فی كتاب الاوائل للعسکری۔

⑩ المتعة المختصرة فی الخصال المكفرة للذنوب المقدمه والموخره۔

⑪ الحديقة الانیقة بشرح العروة الوثیقه۔

اس کتاب کا ذکر کشف الظنون میں بھی ہے مگر مصنف کا نام درج نہیں ہے<sup>②</sup>۔ لیکن ایضاً امکانوں میں بتایا گیا ہے کہ یہ مصنف کے ایک قصیدہ العروة الوثیقه کی شرح ہے جو خود مصنف نے کی ہے<sup>③</sup>۔

⑫ الحواشی المفیده علی ابیات الیافعی فی العقیدة: منقول ہے کہ شیخ عبداللہ بن اسعد

یافعی کے ابیات پر انھوں نے تین شرحیں سپرد قلم کیں۔ ایک مفصل، دوسری متوسط اور تیسری مختصر۔

⑬ مختصر المقاصد الحسنة۔

⑭ وصیة البنات والبنین فی ما یحتاج الیه من امر الدین۔

⑮ لامیة العجم۔ اس کی دو شرحیں لکھیں۔

⑯ شرح علی الملحة۔

① ایضاً امکانوں فی الذیل علی کشف الظنون ج ۱ ص ۲۲۱۔

② کشف الظنون ج ۱ ص ۶۲۵۔

③ ایضاً امکانوں فی الذیل علی کشف الظنون ج ۲ ص ۹۹۔ نیز دیکھیے ج ۱ ص ۳۹۷۔

- ۱۷ رسالۃ فی الحساب۔  
 ۱۸ رسالۃ فی الفلک وغیرہ۔  
 ۱۹ مختصر الترغیب و الترهیب للمندری۔  
 ۲۰ عقدة الدرر فی الایمان بالقضاء والقدر۔  
 شیخ بقرق شاعر بھی تھے۔ یہ شعرا ان ہی کے ہیں:

انا فی سلوة علی کل حال  
 ان ابانی الحیب او ان اتانی  
 اغنم الوصل ان دنا فی امان  
 واذا ماناً اعش بالامانی

میرا دوست میرے پاس آنے سے انکار کرے یا آجائے میں دونوں صورتوں میں مطمئن  
 اور خوش ہوں۔

اگر وہ حالت اطمینان میں میرے پاس ہو تو میں لذت وصل سے بہرہ یاب ہوں گا اور اگر  
 دور ہو تو آرزوؤں میں زندگی گزار دوں گا۔

درج ذیل اشعار بھی ان ہی کے ہیں:

یا من اجاد عذاة انشد مقولا  
 ان كنت ممتحنی بذاك فانی  
 واذا تبادرت الجیاد بحلبة  
 قسما بآیات البدیع و ماحوی  
 لو كنت مفتخرا بنظم قصیدة  
 من كل قافية یروق سما عها  
 وترى لیبدا كم بلبدا قلبه  
 و علی جریر تحبر مطرف تیہها  
 ولئن تنبأ ابن الحسین فانی  
 اظننت ان الشعر یصعب صوغه  
 ابدی العجائب ان برزت مفاخرا  
 لكننی رجل اصون بضاعتی  
 و افاد من احسانه و تفضلا  
 لست الهیوبة حیثما قیل انزلا  
 یوم النزال رأیت طرفی اولا  
 من صنعته موشحا و مسلسلا  
 لبنیت فی هام المحبرة منزلا  
 و یعید سبحان الفضاحة باقلا  
 حصرا وینقلب الفردق اخطلا  
 وتیہسها نیبلا نسحج مهلهلا  
 ساکون فی تلك الصناعة مرسلا  
 عندی و قد اضحی لدی مذلا  
 او مادحا للقوم او متغزلا  
 عمن یساوم نجسها متبذلا



واری من العرم العظیم خریدہ حسناء تہدی للیثم و تجتلا  
ماکت احسب عقربا تحتک با لافعی ولا جزعا یزاحم بزلا  
وانا الغریب و انت ذلک و بیننا رحم یحق لمثلها ان تو صلا

اے وہ جس نے صبح بڑی عمدہ بات کہی اور اپنے حسن کلام سے بے حد فائدہ پہنچایا  
اگر تو اس بات سے میرا امتحان لینا چاہتا ہے تو میں ڈرنے والا نہیں خواہ کہیں بھی مجھے  
ٹھہرنے کو کہا جائے۔

جب میدان جنگ میں عمدہ گھوڑے دوڑ رہے ہوں تو میرے اصیل گھوڑے کو سب سے  
اول پاؤ گے۔

ان آیات بدیع کی قسم کھاتے ہوئے اور ان چیزوں کی قسم کھاتے ہوئے کہ جس میں توشیح و  
تسلسل پنہاں ہے۔

(میں کہتا ہوں) اگر کوئی قصیدہ منظوم کرنے پر مجھے ناز ہوتا تو میں کہکشاں کے مغز میں ٹھکانا  
بناتا۔

اس میں ہر وہ قافیہ ہوتا جو ذوق سماعت کو بھلا لگتا اور جس سے سحبان فصاحت انگڑائی لینے  
لگتا۔

اور اپنے لبید کو دیکھو گے کہ اس کا دل بلید اور گنگ ہو گیا ہے اور فرزدق ہزل گو بن گیا ہے۔  
اور تم دیکھو گے کہ جریر اپنے فخر و ناز کی چادر سمیٹے ہوئے چلا جا رہا ہے اور دیکھو گے کہ اس  
میں مہلہل کا اسلوب بھی نمایاں ہے۔

اور اگر ابن الحسین دعوائے نبوت کرتا ہے تو میں شعر گوئی میں مدعی رسالت ہو سکتا ہوں۔  
کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے لیے شعر کہنا کوئی مشکل کام ہے۔ یاد رکھو میرے سامنے اس فن  
نے گھٹنے ٹیک دیے ہیں۔

سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ تم یا تو فخر کرتے ہوئے نکلتے ہو یا قوم کی مدح سرائی  
کرتے ہو یا عشق بازی سے دل بہلاتے ہو۔

لیکن میں تو ایسا آدمی ہوں کہ اپنی پونجی ان لوگوں سے محفوظ رکھتا ہوں جو اس کی قیمت کم  
لگانے میں چھچھور پن کا اظہار کرتے ہیں۔

میں دوشیزہ شعر کو کسی کمینے کے سامنے ہدیہ پیش کرنا یا اسے دکھانا جرم عظیم تصور کرتا ہوں۔  
مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ کوئی بچھو سانپ یا بچہ بڑا اونٹ کا مقابلہ کرے گا۔

میں پردیسی ہوں اور تم بھی پردیسی ہو اور ہمارے تمہارے درمیان ایسا رشتہ رحم ہے جسے

بہر حال جوڑے رکھنا چاہیے۔

عامر بن عبدالوہاب نے زبید میں مدارس کی تاسیس شروع کی تو اس پر شیخ محمد بن عمر بحر قحظی نے

یہ شعر کہے:

ابی اللہ الا ان تحوز المفاخر ا فسمّاك من بین البریة عامرا  
 عمرت رسوم الدین بعد دروسها فاحییت اثار الاله الدواثرا  
 فانّت صلاح الدین لاشك هذا شواهد تبدو علیك ظواہرا  
 اللہ تو چاہتا ہی تھا کہ تم قابل فخر باتوں کو سمیٹ لو اس لیے اس نے اپنی مخلوق میں تمہارا نام  
 عامر رکھ دیا۔

تم نے مراسم دین کو اس وقت قائم کیا جب کہ وہ مٹ چکے تھے گویا کہ تم نے اللہ کی مردہ  
 نشانیوں کو زندہ کیا۔

تم بلاشبہ صلاح الدین (مصلح دین) ہو اور اس کے شواہد و آثار تم پر ظاہر ہو کر رہیں گے۔

اس عظیم عالم دین اور فقیہ عصر نے ۲۰ شعبان کی رات ۹۳۰ھ (۳ جون ۱۵۲۲ء) کو گجرات میں وفات

پائی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات زہر کی وجہ سے ہوئی۔ سلطان ان کی بے حد تکریم کرتا تھا جس سے بعض وزرا  
 کے دل میں ان سے حسد پیدا ہوا اور انھوں نے زہر دے کر ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا ①۔

## ۱۹۸۔ شیخ محمد بن فخر الدین جون پوری رہتاسی

شیخ محمد بن فخر الدین جون پوری ثم رہتاسی کا شمار اس دور کے کبار علما میں ہوتا تھا۔ تمام عمر درس و افادہ

میں مصروف رہے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے اپنے رسائل میں ان کی بہت تعریف کی ہے اور انھیں علامہ عصر قرار دیا

ہے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمیری زبدۃ المقامات میں شیخ عبدالاحد سرہندی کے حالات کے ضمن میں رقم طراز ہیں کہ شیخ محمد

بن فخر الدین رہتاسی طلباء کو درس دیتے تھے اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالاحد نے

ان سے رہتاس میں ملاقات کی اور ان کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ اس وقت وہ طلباء کو قاضی شہاب الدین دولت

آبادی کی شرح المصباح کا درس دے رہے تھے اور اپنے تلامذہ کے سامنے اس کتاب پر ایسے اعتراضات وارد

① ظفر الوالہ ص ۱۱۸ تا ۱۲۰۔ شذرات الذهب ج ۸ ص ۱۷۶ تا ۱۷۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۰۶ تا ۳۰۹۔ النور السافر ص

۱۳۳ تا ۱۵۲۔ کشف انظنون ج ۲ ص ۱۵۳۶ تا ۱۵۳۸۔ ایضاً المکنون میں ان کی تصنیفات کا ذکر متعدد مقامات میں

موجود ہے۔ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۳۸۹ تا ۱۸۲۔ ہدیۃ العارفین ج ۲ ص ۲۳۰ تا ۲۳۱۔ معجم المؤلفین ج ۱۱

ص ۹۰ تا ۸۹۔

کر رہے تھے جو مصنف کے کلام اور مفہوم کے بالکل خلاف تھے اور علمی اعتبار سے اس پر وارد نہیں ہو سکتے تھے۔ شیخ عبدالاحد نے پہلے تو ارادہ کیا کہ معقولیت اور دلائل کی روشنی میں قاضی شہاب الدین کا دفاع کریں اور شیخ محمد بن فخر الدین کو بتائیں کہ یہ اعتراضات و ایرادات واقعاتی اعتبار سے صحیح نہیں ہیں، لیکن بعد کو اس بنا پر خاموشی اختیار کر لی کہ وہ مسافر ہیں، سیاحت کے لیے گھر سے نکلے ہیں اور آگے جا رہے ہیں، اگر بحث و مباحثہ کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اس نے طول پکڑ لیا تو سفر میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ مگر وہ کہتے ہیں، یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب شیخ محمد بن فخر الدین درس سے فارغ ہوئے تو ان پر حقیقت حال منکشف ہو گئی اور طلبا کے سامنے صاف الفاظ میں اعتراف کیا کہ قاضی شہاب الدین کے پیش نظر کلام کے بارے میں جو کچھ وہ بیان کر رہے تھے، صحیح نہ تھا اور ان کے کلام کے بالکل خلاف تھا۔ اس کے ساتھ ہی قاضی ممدوح کے کلام کا صحیح محل بھی بیان کر دیا۔ قاضی عبدالاحد فرماتے ہیں، ان کے اس علمی انصاف اور صاف بیانی سے میں بہت متعجب اور خوش ہوا۔

شیخ محمد بن فخر الدین کئی کتابوں کے مصنف تھے، جن میں ایک توضیح الحواشی شرح المصباح ہے۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے کافیہ پر جو حواشی تحریر کیے، ان کی شرح بھی انھوں نے سپرد قلم کی۔ شیخ محمد کی وفات کب ہوئی، اس کا صحیح طور سے پتا نہیں چل سکا۔ البتہ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے بعض علما کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ مولانا محمد ایک روز علما کے جم غفیر کے ساتھ ایک باغ میں موجود تھے، جو شہر سے باہر واقع تھا۔ وہاں وہ ان کی آنکھوں سے ایسے اوجھل ہوئے کہ دوبارہ واپس نہ آئے اور نہ کہیں سے ان کے بارے میں کسی قسم کی معلومات فراہم ہوئیں۔ ان کے متعلق کئی دن لوگ باتیں کرتے رہے، لیکن ان کا وجود بہر حال لوگوں کے احاطہ علم سے باہر ہی رہا<sup>①</sup>۔

## ۱۹۹۔ شیخ محمد بن مبارک جون پوری

شیخ محمد بن مبارک جون پوری، حنفی المسلمک تھے اور دسویں صدی ہجری کے عالم و فقیہ تھے۔ ان کا شمار کلام و اصول اور علوم عربیہ کے علمائے تبحرین میں ہوتا تھا۔ شیخ رکن الدین محمد گنگوہی نے لطائف قدوسی میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں شیخ محمد بن مبارک، سلیم الفطرت اور نیک عالم دین تھے۔ اثنائے بحث میں اگر ان پر حقیقت حال منکشف ہو جاتی تو بلا تکلف اپنے قول سے رجوع کر لیتے۔ وہ لکھتے ہیں، ایک مرتبہ شاہ آباد میں ان کے اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے درمیان علم کلام کے اس مسئلے پر بحث ہوئی کہ کسی شخص معین کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ اہل جنت میں سے ہے یا اہل دوزخ میں سے جائز ہے یا نہیں؟ شیخ محمد بن مبارک کا موقف یہ تھا کہ چوں کہ ہم کسی خاص شخص کے متعلق یہ نہیں جانتے کہ اللہ اور بندوں کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کیا ہے، لہذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اہل جنت میں سے ہے یا اہل دوزخ میں سے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ دائرہ کفر سے نکلنے

① لطائف قدوسی، ص ۲۴، ۲۵۔ نزہۃ النواظر، ج ۲، ص ۳۰۹، ۳۱۰۔

کے لیے طہارت عقیدہ یعنی ایمان ضروری ہے اور دہنی دخول جنت کی شرط ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ نمازی کی صحت نماز کے لیے طہارت جسمانی شرط ہے۔ اگر کوئی شخص ایمان سے محروم ہے یا اس کے ایمان میں شک ہے تو کیا اسے دخول جنت کا مستحق قرار دیا جائے گا؟ جب کہ طہارت جسمانی کے مشکوک ہونے کی صورت میں صحت نماز کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ بات یہ ہے کہ طہارت جسمانی اور طہارت عقیدہ دو شرطیں ہیں اور صحت نماز اور دخول جنت ان کے ساتھ مشروط ہے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کہتے تھے کہ یہ کہنا کہ نماز اسی صورت میں جائز ہوگی جب کہ طہارت میں کسی نوع کا شک نہ ہو یعنی جوازِ صلوہ کی بنیاد طہارت میں عدم شک ہے اسی طرح یہ کہنا کہ دخول جنت کا جواز اسی وقت پیدا ہوگا جب ایمان شک و شبہ سے بالا ہوگا۔ یعنی دخول جنت کا حکم ایمان میں عدم شک پر مبنی ہے تو بات یہ ہے کہ کسی اہل اسلام کے ایمان کا معاملہ چوں کہ عند الناس بالکل ظاہر اور عیاں ہے لہذا اس کے ایمان میں شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے لیے حکم ظاہری کی بنا پر دخول جنت کا فیصلہ دیا جاسکتا ہے۔ لیکن عند اللہ معاملے کی نوعیت کیا ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ ہمیں اس کا علم نہیں اور اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے اس لیے کہ اس کا تعلق ان امور سے ہے جو ہمارے احاطہ علم سے باہر ہیں صاحب شریعت کے علاوہ کوئی شخص اس ضمن میں قطعی بات نہیں کہہ سکتا۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے مزید کہا کہ اس کی مثال ایسی ہی جیسے ایمان کے بارے میں استثنا یعنی ان شاء اللہ کہنا۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے: انا مؤمن ان شاء اللہ۔ (میں ان شاء اللہ مؤمن ہوں) تو اس استثنا کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ ایمان کا معاملہ مغیبات میں سے ہے اور یہ لفظ اللہ کی کبریائی اور اس کی عظمت سے خوف کی بنا پر کہا گیا ہے۔ ورنہ یہ بات نہیں ہے کہ العیاذ باللہ ایمان میں شک یا ارتباب کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ استثنا درست نہیں ہے۔ ایک صاحب ایمان کو کہنا چاہیے: انا مؤمن حقا (میں یقیناً مؤمن ہوں) اس لیے کہ وہ اپنے ایمان کا تحقق اس وقت کر رہا ہے اور یہ الفاظ کامل وثوق کے ساتھ اس آن زبان سے ادا کر رہا ہے جب کہ ایمان باللہ اس کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے اور یہ رب کریم اور غفور و رحیم کے ساتھ مال و انجام کے اعتبار سے حسن ظن کی بنا پر ہے۔ ہاں انجام کا معاملہ چوں کہ مبہم ہے لہذا اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کی جاسکتی۔ لیکن نماز کی یہ شکل نہیں۔

دونوں میں بڑا فرق ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق کے ذیل میں آتا

ہے۔

شیخ محمد بن مبارک نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا یہ عقیدہ کہ ایمان خوف اور رجا کے درمیان ہوتا ہے صحت ایمان کے لیے شرط ہے اور کسی کے ایمان کے انجام کے بارے میں ایک قطعی حکم لگا دینے سے یہ شرط (کہ ایمان خوف و رجا کی درمیانی کیفیت ہے) فوت ہو جاتی ہے اور شرط کے فوت ہونے سے مشروط بھی فوت

ہو جاتا ہے اور یہ بات ہی غلط ہو جاتی ہے، کیوں کہ بندوں کے یقین سے خوف زائل نہیں ہوتا، اس لیے کہ اسی یقین کے ذریعے نجات و فلاح کا علم ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب عند اللہ بھی اس یقین کا علم ہو جائے اور یہ ظاہر ہے کہ اس کا کوئی یقینی علم نہیں۔ نیز اس لیے بھی کہ انسانی یقین صحت ایمان کے لیے لازمی ہے۔ اس لیے کہ یہ عقیدہ کہ ایمان خوف ورجا کے درمیان ہے، صحت ایمان کے لیے شرط ہے۔ لہذا مطلقاً غیر یقینی سے کیفیت رجا فوت ہو جاتی ہے۔ پس شرط کے فوت ہونے سے مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے۔ نیز مطلق نماز جو ظاہری طہارت کے ساتھ ہو بلا شک و شبہ صحیح ہوگی، بخلاف ایمان کے۔ یعنی ایمان کے دو پہلو ہیں، ظاہری اور باطنی۔ ظاہری تو ایسی شرط کے ساتھ مشروط ہے، جس کا تعلق حسن ظاہری سے ہے۔ ظاہراً دخول جنت کے جواز کے لیے اس کے سوا اور کوئی شرط نہیں۔ رہا باطنی پہلو تو وہ قلب سے تعلق رکھتا ہے اور اسی سے عند اللہ دخول جنت کا حکم متعلق ہے، لہذا ایمان اور نماز دو جداگانہ چیزیں ہیں۔

شیخ رکن الدین محمد کہتے ہیں کہ جب ان کے چچا عزیز اللہ بن اسماعیل ردولوی نے یہ بحث سنی تو لکھ بھیجا کہ جنت اسلام کا اور دوزخ کفر کا ثمرہ ہے۔ جب ہم کسی کے اسلام یا کفر کا مشاہدہ کر لیتے ہیں اور حسی طور پر معلوم کر لیتے ہیں کہ اس کی موت اسلام کی حالت میں ہوئی یا کفر کی حالت میں۔ یعنی جب اس کی موت واقع ہوئی تو مرتے وقت اس کی زبان سے اسلام کا کلمہ نکلتا رہا یا کفر کا، تو ہم ایسا ہی حکم لگا دیتے ہیں اور عند الناس یہ گواہی دے دیتے ہیں کہ وہ جنتی ہے یا دوزخی۔ اور کتابوں میں جو یہ مرقوم ہے کہ انجام مبہم ہوتا ہے اور کسی خاص شخص کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ جنتی ہے یا دوزخی تو اس کا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ یہ اسی حد تک مبہم ہے جس حد تک اللہ کے علم و حکمت نے ازل سے اس کے حق میں لکھ دیا ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کے نزدیک بھی وہ یقینی اور قطعی طور پر جنتی ہے یا دوزخی۔ واللہ اعلم۔

دسویں صدی ہجری کے اس جلیل القدر ہندی عالم و فقیہ کی تاریخ ولادت اور سن وفات کا علم نہیں ہو

سکا ①۔

## ۴۰۰۔ شیخ محمد بن محمد ایچی

شیخ محمد بن محمد ایچی گجراتی، کا لقب مجد الدین تھا۔ اپنے دور کے علامہ محدث اور شیخ تھے۔ یوں تو تمام علوم مروجہ کے عالم تھے لیکن حدیث اور رجال کے خاص طور سے ماہر تھے اور اس موضوع کے کبار و مشاہیر علما میں سے تھے۔ سلطان محمود شاہ کے عہد میں گجرات آئے۔ اس نے ان کی بے حد تعظیم کی، اپنی مجلسوں میں اہم مقام عطا کیا، قربت سلطانی سے نوازا، اپنے بیٹے مظفر کا اتالیق مقرر کیا اور ان کے علم و فضل کی وسعت و فراوانی سے متاثر ہو کر انھیں رشید الملک کا خطاب دیا۔

① لطائف قدوسی، ص ۴۲ تا ۴۴۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۰۱ تا ۳۱۲۔

اس کے بعد جب مظفر شاہ حلیم سریر آرائے مملکت گجرات ہوا تو ۹۱۷ھ (۱۵۱۱ء) میں اس نے ان کو اپنے کبار امرا پر تقدم کا شرف بخشا، انھیں اپنا وزیر مقرر کیا اور خداوند خاں کا لقب مرحمت کیا۔ چودہ سال مسند وزارت پر فائز رہے۔ پھر جب عنان حکومت مظفر شاہ کے بیٹے بہادر شاہ کے ہاتھ میں آئی تو اس نے ان کو منصب نیابت عطا کیا۔ اس منصب پر پندرہ سال متمکن رہے۔ بعد ازاں جب سلطنت گجرات میں انقلاب کی لہریں چلیں اور بہادر شاہ دیو کی طرف نکلا اور بلاد گجرات میں مغل حکمران ہمایوں فتح کا جھنڈا لہراتا ہوا داخل ہوا تو اس نے شیخ محمد بن محمد ایچی خداوند خاں کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد انھیں ہمایوں سے ملایا گیا تو وہ ان کی گفتگو اور علم و فضل سے بہت متاثر ہوا، ان پر بڑی نوازشیں کیں اور اپنے ندما و جلسا میں شامل کیا۔ پھر وہ انھیں آگرہ لے گیا اور وہ ایک مدت تک ان کے پاس رہے۔ جب ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ایران کی طرف بھاگ گیا اور ہندوستان کی زمام حکومت شیر شاہ سوری کے ہاتھ میں آئی تو اس نے ان کو گجرات جانے کی اجازت دے دی۔ اس زمانے میں گجرات کا حکمران محمود شاہ صغیر تھا۔ وہ احمد آباد گئے اور وہیں وفات پائی۔ ان کی تاریخ وفات کا علم نہیں ہو سکا ①۔

## ۲۰۱۔ شیخ محمد بن محمد گجراتی

شیخ محمد کا سلسلہ نسب یہ ہے: محمد بن محمد بن محمد بن شاہو بن تکو در بن جام نندہ قرشی سندھی۔ ۱۲ ربیع الاول ۸۶۱ھ (۷ فروری ۱۴۵۷ء) کو گجرات (کاٹھیا واڑ) میں پیدا ہوئے اور اپنے عصر کے مشاہیر اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ حصول علم کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اپنے دور کے علامہ، مفتی اور مستند عالم دین تھے اور علامہ حمید الملک شمس الدین بن رکن الدین بن تاج الدین گجراتی کے نام سے معروف تھے۔ ان کا شمار فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر علما میں ہوتا تھا۔ ان سے خلق کثیر نے استفادہ کیا۔ ان کے بیٹے شیخ عبدالعزیز نے بھی ان ہی سے کسب علم کیا۔ یکم صفر ۹۳۲ھ (۱۷ نومبر ۱۵۲۵ء) کو گجرات میں فوت ہوئے۔ شیخ ابن حجر مکی نے ان کے حالات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے ②۔

## ۲۰۲۔ شیخ محمد بن محمد مالکی مصری

شیخ محمد بن محمد بن عبدالرحمن بن حسن جلال الدین مصری، علامہ عصر تھے اور فقہی مسلک کی رو سے مالکی تھے۔ ان کی ماں ام ولد تھیں۔ شیخ عبدالقادر حضرمی نے النور السافر میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ۱۷ شعبان ۸۵۶ھ

① نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۳۱۲، ۳۱۳۔

② نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۱۳، بحوالہ ظفر الوالہ۔

(۲ ستمبر ۱۲۵۲ء) کو پیدا ہوئے۔ اپنے والد کی آغوش تربیت میں قرآن مجید حفظ کیا اور مشہور اصولی و فروعی ابن حاجب کا الفیہ زبانی یاد کیا جو علم نحو کی معروف کتاب ہے۔ کچھ اور کتابیں بھی ان سے پڑھیں۔ اپنے باپ کے پاس زیادہ عرصہ نہیں رہے۔ باپ کی طرف سے بہت سے مال و دولت کے وارث بنے تھے، لیکن یہ تمام دولت بہت ہی کم مدت میں ضائع کر دی۔ پھر تنگ دست ہو گئے اور صعید چلے گئے۔ بعد ازاں مکہ معظمہ کا قصد کیا۔ وہاں حافظ شمس الدین سخاوی سے موطا، مسند امام شافعی، سنن ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ کتابوں کا درس لیا۔ نیز ان کو ان کی شرح الفیہ اور دیگر تصانیف باقاعدہ سنائیں اور عرصے تک ان کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل کیا۔ خود حافظ سخاوی نے اپنی تاریخ الضوء اللامع میں اس کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں، شیخ محمد بن محمد مالکی بے حد ذکی اور ذہین تھے۔ حفظ و ذکاوت میں سب سے تیز تھے۔ بہت سی کتابیں انھیں مستحضر تھیں اور قادر الکلام تھے، لیکن ان کی سیرت کے بعض پہلو پسندیدہ نہ تھے۔ یمن بھی گئے اور زیلع جا کر درس و تدریس اور احادیث پڑھانے کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر عازم کنباہیت ہوئے اور اس کے والی سے ملے۔

شیخ جار اللہ بن فہد کہتے ہیں، وہ ہندوستان آئے تو ان بلاد میں ان کی بدرجہ غایت تعظیم و توقیر کی گئی اور علاقہ گجرات کے حکمران سلطان محمود شاہ کے دربار میں ان کو تقرب حاصل ہوا۔ ان کی معرفت حدیث اور فصاحت و بلاغت کی وجہ سے سلطان محمد نے ان کو ملک الحمدین کا خطاب عطا کیا۔ اور یہ پہلا خطاب تھا جو ان بلاد میں کسی اہل علم کو دیا گیا۔ گجرات میں وزرائے مملکت اور اکابر دولت کے مرکز توجہ قرار پائے اور انھیں بے پناہ عزت و تکریم حاصل ہوئی۔ سلطان محمود کی زندگی میں ان کی یہ حالت تھی کہ ان کے ذریعے و طائف و صلوات کا سلسلہ حریم شریفین تک جاری تھا۔ سلطان محمود کی وفات کے بعد تخت گجرات کا وارث اس کا لڑکا سلطان مظفر حلیم بنا تو بعض وزرانے ان کے خلاف اس کے کان بھرنا شروع کیے جس سے متاثر ہو کہ وہ ذہنی طور سے ان سے دور ہو گیا اور کچھ و طائف بھی بند کر دیے۔ پھر اسی اثنا میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ظفر الوالہ میں بتایا گیا ہے کہ حافظ سخاوی الضوء اللامع میں رقم طراز ہیں کہ انھوں نے مختلف شیوخ سے شیخ محمد بن مالکی کے لیے چالیس احادیث جمع کیں اور اس کتاب کو "فتح المبین الہانی لعلو سند ملک الحمدین القاضی جلال الدین الکنانی" کے نام سے موسوم کیا۔ اس کتاب کی ان بہت سے مشائخ نے جنھوں نے ان سے کوئی فائدہ حاصل کیا، نظم و نثر میں تعریف کی اور اس تعریف میں حافظ سخاوی کو بھی شامل کیا اور ان کو بھی! یہ سب چیزیں حافظ سخاوی نے ان کو بھیج دیں، جس سے وہ بہت خوش ہوئے اور اس کی وجہ سے ان کی بڑی توصیف کی اور لوگوں کو اس کے مندرجات سے آگاہ کیا۔

اس عالم دین نے ۹۲۹ھ (۱۵۲۳ء) کو احمد آباد میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے ①۔

① ظفر الوالہ ج ۱ ص ۱۱۷-۱۱۸۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۳۱۳-۳۱۵۔

## ۲۰۳۔ شیخ محمد بن محمود ٹھٹھوی سندھی

شیخ محمد بن محمود بن ابوسعید ٹھٹھوی سندھی عالم کبیر اور بلاد سندھ کے شیخ تھے۔ ان کا شمار فقہائے حنفیہ میں ہوتا تھا۔ ۹۷۰ھ (۱۵۶۳ء) میں فوت ہوئے<sup>①</sup>۔

## ۲۰۴۔ سید محمد بن منتخب امر وہوی

سید محمد بن منتخب بن کبیر بن چاند بن منتخب حسینی امر وہوی میر عدل کے نام سے معروف تھے۔ سید شرف الدین حسینی نقوی کی اولاد سے تھے۔ امر وہہ میں پیدا ہوئے وہیں پلے بڑھے اور حصول علم کے لیے سنبھلی کا عزم کیا۔ وہاں شیخ حاتم بن ابو حاتم سنبھلی کے مدرسے میں داخل ہوئے۔ ان سے خاصی مدت منسلک رہے اور کتب درسیہ پڑھیں۔ حدیث اور دیگر علوم کی تحصیل سید جلال الدین بدایونی سے کی اور ان کی خدمت میں رہ کر علوم میں مہارت پیدا کی اور فتویٰ و تدریس کی مسند پر فائز ہونے کے لائق ٹھہرے۔

ان کے علم و فضل سے متاثر ہو کر مغل حکمران جلال الدین اکبر نے ان کو امارت عدل کے عہدے پر فائز کر دیا تھا اور یہ میر عدلی کے لقب سے معروف ہو گئے تھے۔ یہ خدمت انھوں نے طویل عرصے تک انجام دی اور نہایت وقار و عظمت کے ساتھ اس کی نازک ذمہ داریوں کو نبایا۔ اپنی ذات میں متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے اور حدود اللہ کو قائم کرنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اپنی مثال آپ تھے۔ دین کے معاملے میں انتہائی متصلب، منکرات کے دشمن۔ اہل ہوی اور غلط کردار لوگوں پر شدید نکیر کرتے تھے اور اس ضمن میں کسی کی قطعاً پروا نہ کرتے۔ ان کے عہد میں بے دین اور ملاحدہ کو کسی امر شرعی میں مداخلت کرنے اور کسی کو دھوکا دینے کی جرات نہ تھی۔ حتیٰ کہ قاضی القضاة بھی قضا و عدل کے معاملے میں دخل دینے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

ایک مرتبہ حاجی ابراہیم سرہندی نے ان کی موجودگی میں دربار میں بادشاہ کے سامنے زعفرانی اور سرخ لباس پہننے کا فتویٰ دیا تو سید موصوف نے ان کو سخت الفاظ میں ڈانٹا ان کو تنبیہ کی اور ان کے خلاف فیصلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ خود بادشاہ ان سے مرعوب اور خوف زدہ تھا۔ اسی لیے انھیں ۹۸۴ھ (۱۵۷۶ء) کو بھکر منتقل کر دیا تھا۔ بعد ازاں تھوڑی مدت اس خدمت پر مامور رہے اور ۹۸۶ھ (۱۵۷۸ء) میں وفات پا گئے<sup>②</sup>۔

## ۲۰۵۔ شیخ محمد بن منکن ملانوی

شیخ محمد بن منکن بن داؤد بن شہاب الدین رومی بکری ملانوی ۱۹ محرم ۸۱۰ھ (۲۶ جون ۱۴۰۷ء) کو

① مآثر جمعی ج ۲ ص ۳۲۰۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۳۱۷۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۷۔

② منتخب التواریخ ص ۳۰۴۔ طبقات اکبری ص ۳۸۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۳۱۷۔ ۳۱۸۔



پانی پت میں پیدا ہوئے اور ہوش سنبھالا تو ملا محمد سعید کے حلقہ درس میں شمولیت کی۔ ان سے فارسی کے کچھ رسائل، صرف و نحو کی چند کتابیں اور عربی میں فقہ کی بعض مختصرات پڑھیں۔ پھر لاہور آئے۔ لاہور سے ملتان کا عزم کیا اور وہاں زاویہ شیخ بہاء الدین زکریا میں سکونت اختیار کی۔ ملتان کے زمانہ قیام میں تمام کتب درسیہ اور کتب احادیث کی تحصیل مولانا حسین ملتانی سے کی۔ پھر عازم حجاز ہوئے۔ سعادت حج بیت اللہ حاصل کی اور مشائخ مکہ سے علم حدیث حاصل کیا۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ گئے۔ وہاں ایک سال سات مہینے مقیم رہے۔ پھر ہندوستان واپس آئے اور پانی پت میں شادی کی۔ اس کے بعد مشرقی ہند کے سفر پر روانہ ہوئے۔ اس سفر کے دوران لکھنؤ میں شیخ محمد اعظم حسینی کرناٹی اور ان کے مرشد شیخ محمد مینا اور شیخ سعد الدین سے ملاقات کی۔ وہاں سے شہر اودھ گئے جسے اب اجودھیا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ وہاں شیخ احمد صوفی راوتی سے ملے۔ ان کے حلقہ بیعت میں داخل ہوئے اور سات سال ان سے منسلک رہے۔ اب تصوف و طریقت کی طرف مائل ہو چکے تھے اور اپنے آپ کو اخذ فیض کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں مختلف مقامات پر گئے اور متعدد مشائخ کی خدمت میں حاضری دی۔ خاصہ عرصہ ان کی صحبت و ملازمت اختیار کیے رکھی اور ان سے اخذ فیض کیا۔ سلاطین و امرا کے نزدیک بھی انھیں قدر و منزلت حاصل تھی۔ چنانچہ ہندوستان کا فرماں رواں سکندر لودھی دہلی آ کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے حکم سے اس کے لڑکے سلطان ابراہیم لودھی نے دہلی میں ان کا استقبال کیا۔ یہ دونوں لودھی حکمران ان کے نہایت عقیدت مند تھے۔

انھوں نے ایک سو ستائیس سال عمر پا کر یکم رجب ۹۳۷ھ (۱۹ فروری ۱۵۳۱ء) کو وفات پائی۔ ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ تحصیل علم کے بعد اپنے آپ کو تصوف و طریقت کے حوالے کر دیا تھا۔ درس و تدریس اور دیگر علمی مشاغل سے منقطع ہو گئے تھے ①۔

## ۲۰۶۔ سید محمد جون پوری

سید محمد بن یوسف جون پوری اپنے دور کے بہت بڑے عالم تھے۔ اور دسویں صدی ہجری کے دیار ہند کی وہ شخصیت تھے جنھوں نے مہدویت کا دعویٰ کیا اور اس کے نتیجے میں نہ صرف ہندوستان کے اہل علم میں بلکہ بیرونی دنیا کے پڑھے لکھے لوگوں میں بحث و مذاکرے کا ایک نیا باب واہو گیا اور فکر و نظر کے حلقوں میں حرکت و جنبش کی عجیب و غریب لہریں اٹھنے لگیں۔

سید محمد جون پوری ۸۴۷ھ (۱۴۴۳ء) کو جون پور میں پیدا ہوئے۔ شیخ دانیال بن حسن عمری بلخی سے قرآن مجید حفظ کیا اور دیگر علوم کے لیے بھی پہلے پہل ان ہی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ ابتدائے عمر ہی میں فضائل علم سے بہرہ ور ہو گئے تھے۔ ابھی پندرہ سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ مباحثہ و مناظرہ کے میدان میں اتر آئے اور بڑے بڑے اہل علم سے نہایت جرأت اور اعتماد کے ساتھ دقیق سے دقیق علمی مسائل پر گفتگو کرنے لگے۔

① نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۳۱۸ تا ۳۲۰ بحوالہ مصباح العاشقین۔

اسی لیے اس نواح کے علما اور علم دوست حضرات نے ان کو ”اسد العلماء“ کا خطاب دیا تھا۔ بے حد ذکی ذہین، معاملہ فہم، حاضر جواب اور صاحب مطالعہ تھے۔ طویل مدت تک درس و تدریس اور افادہ طلبا میں مصروف رہے۔ مختلف علوم و فنون پر گہری نظر رکھتے تھے اور وعظ و تذکیر اور بیان و تقریر میں اس دور کی عدیم المثال شخصیت تھے۔ تصوف و طریقت سے بھی لگاؤ پیدا ہوا اور شیخ دانیال سے کسب فیض کیا۔ کئی سال ریاضت و مشاہدہ میں مشغول رہے، بعد ازاں وطن و علاقہ کو خیر باد کہا اور اہل و عیال و تلامذہ و رفقا کے ساتھ پہاڑوں کی چوٹیوں اور غاروں کو اپنا مسکن قرار دے لیا اور مدت مدید تک انزاد علیحدگی کی زندگی اختیار کیے رکھی۔

اب ان کی زندگی نے نیا موڑ کاٹا اور اثنائے سفر میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر چندیری آئے جو بلاد مالوہ کا ایک بڑا شہر تھا۔ وہاں وعظ و خطابت کے سلسلے کا آغاز کیا اور بہت سے لوگ ان کے حلقہ عقیدت میں شامل ہو گئے۔ اس دعوے کے نتیجے میں طبقہ علما و مشائخ میں اختلاف و نزاع کا ہدف بن گئے اور حاکمان شہر کو ان کے اخراج پر مجبور کیا گیا۔ چنانچہ وہ چندیری کی سکونت ترک کر کے مالوہ کے دار الحکومت مانڈو چلے گئے۔ وہاں مالوہ کا حکمران غیاث الدین خلجی ان کا معتقد ہو گیا اور شیخ اللہ داد نے ان کی بیعت کی۔ مانڈو میں ان کی بڑی تعظیم کی گئی اور ان کے مرتبہ و منزلت میں بے حد اضافہ ہوا۔ وہاں سے علاقہ گجرات کے ایک شہر جانا پیر میں منتقل ہو گئے۔ جانا پیر میں امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور رشد و ہدایت کا سلسلہ نہایت شد و مد سے شروع کیا۔ عوام کو زہد و عبادت کی ترغیب دیتے، ترک دنیا کی تلقین کرتے اور شریعت غرا کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیتے۔ ان کی شہرت اور نیکی سے اثر پذیر ہو کر مملکت گجرات کے حکمران سلطان محمود بیگرہ نے بھی ان کی مجلس میں حاضر ہونے کا قصد کیا، مگر علمائے گجرات نے اس کو ان کے پاس جانے سے روکا اور ان کی نکیر کی۔ اس کے بعد وہ برہان پور اور دولت آباد سے ہوتے ہوئے احمد نگر پہنچے۔ اس سفر میں بعض مشہور شیوخ و علما نے ان کی بیعت کی۔ پھر وہ گلبرگہ (دکن) گئے اور وہاں سے حرمین شریفین کا عزم کیا۔ مکہ مکرمہ پہنچے اور وہاں جا کر دوسری مرتبہ اپنی مہدویت کا اعلان کیا اور کہا: من تبعنی فهو مؤمن (جو میری اتباع کرے گا وہ مؤمن ہے) یہ ۹۰۱ھ (۱۴۹۶ء) کا واقعہ ہے۔ اس موقع پر سب سے پہلے شیخ نظام اور قاضی علاء الدین نے ان کی تصدیق کی اور ان کے دعویٰ مہدویت کو تسلیم کیا۔

مکہ مکرمہ سے مراجعت ہند کی اور گجرات کے شہر احمد آباد میں اقامت گزین ہوئے۔ وہاں بھی اپنے معمول کے مطابق تذکیر و موعظت میں مصروف ہو گئے۔ بے شمار لوگوں نے ان سے بیعت کی۔ احمد آباد میں ۹۰۳ھ (۱۴۹۸ء) کو تیسری مرتبہ علی رؤس الاشہاد اعلان مہدویت کیا۔ اس موقع پر علمائے احمد آباد نے متفقہ طور پر ان کو شہر سے نکال دینے کا فتویٰ دیا۔ چنانچہ والی گجرات سلطان محمود نے ان کو شہر بدر کر دیا اور وہ ایک موضع سولہ سانچ چلے گئے۔ پھر پٹن اور وہاں سے برلی کا قصد کیا جو پٹن سے تین میل کی مسافت پر واقع تھا۔ یہاں چوتھی مرتبہ اپنے دعویٰ مہدویت کا اعلان کیا۔ اس کے منکر کو کافر ٹھہرایا۔ علما نے اس باب میں ان کی تعقیب کی اور

ان سے باقاعدہ مباحثہ کیا۔ بالآخر یہاں سے بھی ان کو نکال دیا گیا۔

اب وہ گجرات سے نکلے اور سندھ کی راہ لی۔ سندھ کے لوگ ان سے بے حد متاثر ہوئے اور ایک جم غفیر نے ان کے مذہب میں شمولیت اختیار کی۔ ان کی سرگرمیوں اور کثرتِ قبعین کو دیکھ کر والی سندھ سخت پریشان ہوا اور ان کے قتل کا فیصلہ کیا، مگر اس کے وزرا وندمانے اس کو اس اقدام سے روک دیا اور صرف علاقہ سندھ سے اخراج کے حکم کو کافی سمجھا۔ سندھ سے وہ اپنے آٹھ سو رفقا کے ساتھ خراسان اور پھر قندھار گئے۔ قندھار کے والی مرزا شاہی بیگ نے شہر کی جامع مسجد میں علما کا محضر طلب کر کے ان کو اس محضر میں پیش کیا۔ شیخ نے علما کے محضر میں ایک تقریر کی، جس میں وہ خود بھی روئے اور لوگوں کو بھی رُلا یا۔ شاہی بیگ اس تقریر سے بہت متاثر ہوا اور حکم دیا کہ یہ جہاں جی چاہے جائیں، ان کو کسی قسم کی مزاحمت نہ کی جائے۔ قندھار سے وہ ایک شہر گئے جس کا نام فراہ تھا۔ اس شہر کا امیر ذوالنون ان کے پاس آیا اور انھیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اس نے شاہ خراسان سلطان حسین مرزا کے پاس آدمی بھیجا اور دریافت کیا کہ سید محمد جون پوری کے بارے میں کیا قدم اٹھایا جائے؟ اس کے جواب کے انتظار میں ان کو پورے نو مہینے میں وہاں ٹھہرنا پڑا لیکن سلطان مذکور کی طرف سے کوئی جواب آنے سے قبل ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ جمعرات کے روز ۹۱۰ھ (۱۵۰۴ء) کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد ان کے پیروکار مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے لگے۔

شیخ محمد جون پوری بہت بڑے عالم بھی تھے اور بہت بڑے مجاہد اور جنگ جو بھی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ سلطان حسین شرقی جو جون پور کا آخری بادشاہ تھا اور سلطان بہلول لودھی کے ہاتھوں اپنا تخت و تاج کھو بیٹھا تھا، جب جون پور کے تحت حکومت پر قابض تھا تو آخری دور میں مہدویوں کی روایت کے مطابق وہ والی گوڑھ راجا دلپ رائے کا خراج گزار تھا۔ سید محمد نے وعظ و نصیحت کے ذریعے اس سے کہا کہ وہ اس غیر مسلم کو خراج دینے سے انکار کر دے اور اس سے لڑائی کرے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سید محمد نے پندرہ سو پیراگی جو ان ملازم رکھے تھے۔ جب لڑائی کا بازار گرم ہوا تو مسلمان فوج کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن سید محمد جون پوری اپنے پندرہ سو پیراگی جوانوں کے سمیت میدان میں ڈٹے رہے۔ بلکہ سید محمد نے خود آگے بڑھ کر دلپ رائے کو تہ تیغ کیا اور شکست کو فتح میں بدل دیا۔

مہدویوں کی روایت ہے کہ جب سید موصوف نے راجا دلپ رائے پر زور سے وار کیا اور ان کی تلوار راجہ کا سر کاٹی ہوئی سینے تک پہنچی تو دلپ رائے کا دل باہر نکل آیا۔ انھوں نے دیکھا کہ مقتول راجا جس بت کی پوجا کرتا تھا، اس کی شکل اس کے دل پر کندہ ہے۔ یہ دیکھ کر ان پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی اور سطحِ ذہن پر یہ بات ابھر آئی کہ اگر جھوٹے معبودوں کا اتنا اثر ہو سکتا ہے تو حقیقی معبود کا کس درجہ ہوگا۔ یہ کیفیت ان پر بارہ برس تک طاری رہی۔ جب اس سے افاقہ ہوا تو چالیس برس کی عمر میں وطن سے ہجرت کر کے جنگل کی راہ لی اور عرصے تک مختلف علاقوں اور شہروں میں گھومتے پھرے۔

سید محمد جون پوری کے بارے میں مختلف حضرات نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ بعض انھیں صاحب مقامات عالیہ اور کثوف و کرامات کا حامل قرار دیتے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ ان کا دعویٰ مہدویت کشف پر مبنی تھا اور اس دعوے میں وہ غلطی پر تھے۔ بعض کے نزدیک وہ مبتدع اور ایک جدید مذہب کے بانی تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ عارف باللہ تھے، لیکن دعویٰ مہدویت میں سچے نہ تھے۔ بعض کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ درحقیقت صادق تھے ان کی نیت نیک تھی، لیکن اس معاملے میں برسر حق نہ تھے۔ وہ غلط فہمی کی بنا پر اپنے آپ کو مہدی قرار دیتے تھے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ”تذکرہ“ میں ان کا اور ان کے تبعین کا ذکر کیا ہے اور ان کے علم و فضل کی تعریف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”میرا خیال یہ ہے کہ سید محمد اپنے دعویٰ میں سچے تھے کہ وہ مہدی ہیں اور ملک کی جو حالت اس وقت ہو رہی تھی وہ یقیناً ایک مہدی کے ظہور کی مقتضی و منتظر تھی نہ کہ ایک مضل و دجال کی۔ البتہ غلطی یہ ہوئی کہ مہدی کو انھوں نے مہدی آخر الزمان سمجھ لیا۔ چوں کہ شہرت و انتظار عام طور پر اسی مہدی کی نسبت ہے اور جب لفظ مہدی بولا جاتا ہے تو سب سے پہلے ذہن اسی طرف منتقل ہوتا ہے اور یہ رائے بھی اسی صورت میں ہے جب کہ خود ان کی نسبت مہدی آخر الزمان کا مدعی ہونا قطعی طور پر ثابت ہو جائے ورنہ بہت ممکن ہے کہ ان کے قلب پر جو واردہ گزرا ہو وہ صرف یہ کہ انت المہدی۔ اسی کا انھوں نے اظہار کیا ہو اور معتقدین نے شہرت عام کی بنا پر مہدی آخر الزمان سمجھ کر تمام علائم و آثار مرویہ کو ان پر چسپاں کرنا شروع کر دیا ہو۔“<sup>①</sup>

مولانا ابوالکلام نے سید محمد جون پوری اور فرقہ مہدویہ کے بارے میں خاصی تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

”یہ فرقہ سید محمد جون پوری کی طرف منسوب ہے جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ مہدی ہونے کے مدعی تھے۔ اگرچہ آگے چل کر اس فرقہ کے عقائد میں بہت سی نئی نئی باتیں اور حد غلو سے بھی گزرے ہوئے اعتقادات شامل ہو گئے، لیکن میرا خیال ہے کہ اس کی بنیاد صداقت و حق پرستی پر پڑی تھی، یعنی دعوت و تبلیغ حق و احیائے شریعت و قیام فرض امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اس کا مقصد اصلی تھا اور خود سید محمد اور ان کے پیروں کی پہلی جماعت کے اکثر بزرگ بڑے ہی پاک باز اور خدا پرست لوگ تھے۔ اس قسم کے معاملات ہمیشہ ابتدا میں کچھ اور ہوتے ہیں اور آگے چل کر کچھ اور بن جاتے ہیں۔ اور فتنہ غلو و تاویل پچھلی امتوں کی طرح اس امت کی ہر جماعت کے لیے بھی ایک بڑا فتنہ رہا ہے۔ یہی حالت اس جماعت کو بھی پیش آئی اور رفتہ رفتہ اس کی بنیادی

① تذکرہ حاشیہ ص ۷۰۔

صداقت، اخلاف کے غلو و محدثات میں گم ہو گئی ①۔

آگے چل کر اس زمانے کے ہندوستان کی طوائف الملوکی، بدعات و منکرات کی کثرت، لوگوں کی احکام شرع سے رد گردانی اور امور دینی سے انحراف کا ذکر کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

”نویں صدی ہجری کا وہ زمانہ جو اکبر سے پہلے گزرا، ہندوستان میں سخت بد امنی اور طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ روز بادشاہتیں بنتی اور بگڑتی تھیں، اور کوئی مرکزی حکومت باقی نہ رہی تھی جو احکام شرع کے اجرا و قیام کی ذمہ دار ہوتی۔ علمائے حقانی بہت کم تھے اور علمائے دنیا ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ دنیا طلبی اور مکر و زور کی گرم بازاری تھی، اور سب سے زیادہ یہ کہ جاہل صوفیوں کی بدعات و منکرات نے ایک عالم کو گمراہ کر رکھا تھا۔ یہ حال دیکھ کر سید موصوف نے احیائے شریعت اور قیام امر بالمعروف کا غلغلہ بلند کیا اور لوگوں سے کہا کہ اب نہ کسی مجاہدے کی ضرورت ہے اور نہ ذکر و شغل کی۔ سب سے بڑا مجاہدہ یہی ہے کہ خلق اللہ کو سیدھی راہ پر لگاؤ اور احکام شرعیہ کے قیام کی راہ میں اپنی جانیں تک لڑاؤ۔ عشق کی صداقت اور قلب کی پاکی نے ان کی دعوت و تذکیر میں ایسی تاثیر بخشی تھی کہ تھوڑے ہی عرصے میں ہزاروں آدمی حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور متعدد سلاطین وقت نے ان کی بیعت کی۔ ان لوگوں کے طور طریق کچھ عجیب عاشقانہ و والہانہ تھے، اور ایسے تھے کہ صحابہ کرام کے خصائص ایمانی کی یاد تازہ کرتے تھے۔ عشق الہی کی ایک جان سپار جماعت تھی، جس نے اپنے خون کے رشتوں اور وطن و زمین کی فانی الفتوں کو ایمان و محبت کے رشتے پر قربان کر دیا تھا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر راہ حق میں ایک دوسرے کے رفیق و غم گسار بن گئے تھے۔ امیر و فقیر، اعلیٰ و ادنیٰ، سب ایک حال اور ایک رنگ میں رہتے اور بجز خلق اللہ کی ہدایت و خدمت اور احکام شرع کے اجرا و قیام کے اور کسی کام سے واسطہ نہ رکھتے ②۔

سید محمد جون پوری نے اپنے متبعین و معتقدین کے لیے آٹھ اصول مقرر کیے تھے۔ (جن کا ذکر آگے آ رہا ہے) کہ وہ ان پر عمل کریں اور اپنی زندگیوں کو ان اصولوں کے قالب میں ڈھالیں، مگر انھوں نے ان کو قوانین شرع کی حیثیت دے دی اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو کافر ٹھہرایا۔ مثلاً ان اصولوں میں سے ایک یہ تھا کہ مال و دولت سے تعلق محبت منقطع کر لیں اور اس حد تک ایثار کا ثبوت دیں کہ اسے ضرورت مندوں اور مستحقین میں تقسیم کر دیں، لیکن ان کے معتقدین نے اس کو یہاں تک بڑھایا کہ سب مال سب کا مشترک ہے اور کسی ایک کی ملک نہیں تو پھر ورثے اور ترکے کا کیا مطلب؟ کسی کے اعزہ و اقارب کو اس میں سے کچھ بھی نہیں ملنا چاہیے۔ یعنی انھوں نے اس کو قانون توریت کے مقابلے میں ایک قانون شرعی سے تعبیر کیا۔ اس طرح اور بھی بہت سے امور فرقہ مہدویہ نے اپنے مذہب میں داخل کر لیے تھے اور اس میں بہت آگے بڑھ گئے تھے۔

سید محمد جون پوری کی بعض حضرات نے مخالفت کی اور بعض نے موافقت۔ ان کے مخالفین میں بڑے

① تذکرہ ص ۵۲۔

② تذکرہ ص ۵۳، ۵۴۔

بلند مرتبہ لوگوں کے نام تذکروں میں مرقوم ہیں، جن میں شیخ علی متقی، شیخ ابن حجر مکی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شیخ اسد مکی لائق تذکرہ ہیں، مگر ان میں سے کسی نے ان کی تکفیر نہیں کی۔ شیخ وجیہ الدین گجراتی کے سامنے جو اس دور کے بہت بڑے عالم تھے، جب سید محمد اور ان کے بعض تابعین کی تکفیر کا فتویٰ پیش کیا گیا تو انھوں نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ شیخ علی متقی نے مہدویہ کے غلو اور محدثات کے رد میں رسالہ لکھا، لیکن وہ خود سید موصوف کی نسبت لکھتے ہیں کہ کف لسان اولیٰ ہے۔ سید رفیع الدین محدث جو بہ یک واسطہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد تھے اور شیخ بڈھا دانا پوری جو اس عہد کے استاذ الاساتذہ تھے، ملا عبد القادر بدایونی ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”بامہدویہ حسن ظن داشتند“

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

”حضرت شاہ ولی اللہ کا قول شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک مکتوب میں نقل کیا ہے کہ سید محمد عالم حق اور واصل باللہ تھے۔ بعض خواطر و واردات ان پر ایسے گزرے کہ ان کے درک و فہم میں درماندہ و عاجز رہ گئے اور خود اپنے مقام کی نسبت دھوکے میں پڑ گئے۔ یہ بات نہ تھی کہ انھوں نے دانستہ غلط دعویٰ کیا ہو۔ حضرت مجدد صاحب اور مرزا مظہر جان جاناں سے بھی ایسا ہی منقول ہے ①۔“

بہر حال اکثر مشائخ وقت اور علمائے حق یا تو ان سے حسن ظن رکھتے تھے یا افکار ان کے بارے میں توقف اور سکوت سے کام لیتے تھے۔

فرقہ مہدویہ، نظم و نسق کی مضبوط لڑی میں منسلک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سید محمد جون پوری کی وفات کے بعد بھی ان کی دعوت کا سلسلہ جاری رہا اور بے شمار علما و صلحا اور اپنے دور کے متقی و بااثر لوگ اس جماعت یا تحریک میں شامل ہوئے۔ کچھ اہل علم نے ان کی شدید مخالفت کی، جن میں علمی اعتبار سے شیخ علی متقی کا نام قابل ذکر ہے۔ انھوں نے ان کے رد میں باقاعدہ کتاب لکھی مگر انھیں کافر کہنے سے سکوت اختیار کیا۔ اسی طرح سیاسی اعتبار سے مخدوم الملک عبداللہ انصاری نے ان کو ہدف تنقید ٹھہرایا اور مہدویوں کے اثر و رسوخ کی راہ میں رکاوٹ بنے۔

مہدویہ جماعت کا ایک خاص نقطہ فکر تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ فرائض و واجبات قرآنی دو قسم کے ہیں۔ پہلی قسم میں وہ احکام شامل ہیں، جن کا تعلق نبوت اور شریعت سے ہے۔ ان احکام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلسان شریعت مفصل بیان فرما دیا ہے۔ دوسری قسم ان احکام کو محیط ہے جو ولایت محمدیہ سے متعلق ہیں۔ اب مشیت الہی کو منظور ہوا کہ ان احکام کی تبلیغ بھی ہو جائے۔ لہذا حضرت سید محمد مہدی مبعوث ہوئے، جو دافع ہلاکت امت محمدیہ، ناصر شریعت محمدی اور مبلغ ولایت محمدی ہیں۔ مقام ولایت میں جو امور فرض ہیں اور ارکان دین کا درجہ رکھتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

- ① ترک دنیا
- ② صحبت صادقین
- ③ عزت از خلق
- ④ توکل علی اللہ
- ⑤ طلب دیدار الہی
- ⑥ عشر
- ⑦ ذکر کثیر
- ⑧ ہجرت

ان اصولوں کی پیروی مہدویوں کے نزدیک ایک خاص انداز اختیار کر گئی تھی، جس کی وجہ سے کئی مرتبہ حکومت وقت سے ان کا تصادم بھی ہوا، اور ان میں تشدد و تصلب کا رنگ غالب آیا۔ اس ضمن میں انھوں نے بارہا علمائے حق کی مخالفت کی اور اس میں حد سے تجاوز کر گئے ①۔

## ۲۰۷۔ شیخ محمد بن یوسف برہان پوری

شیخ محمد بن یوسف بن کمال الدین قرشی ماوندی، کا لقب قطب الدین تھا اور شیخ بھکاری کے نام سے معروف تھے۔ اپنے دور کے عالم و فقیہ تھے۔ تصوف سے بھی لگاؤ تھا اور ان کا شمار کبار مشائخ میں ہوتا تھا۔ ان کے جد امجد شیخ کمال الدین ہندوستان آئے اور رنٹھبور میں سکونت گزین ہوئے۔ وہیں شادی کی اور اللہ نے اولاد عطا فرمائی جن میں ایک لڑکے کا نام شیخ یوسف تھا، جو بعد کو شیخ تاج الدین کے عرف سے معروف ہوئے۔ شیخ یوسف کی ولادت ۸۸۵ھ (۱۴۸۰ء) میں ہوئی۔ جوانی کو پہنچے تو ماٹھو میں ان کی شادی کی گئی۔ شیخ قطب الدین محمد ۹۰۲ھ (۱۴۹۷ء) کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے علم ظاہری و باطنی کی تعلیم شیخ ابراہیم بن معین الدین حسین ایرجی سے حاصل کی اور خود ان سے قاضی ضیاء الدین عثمانی نیوتنی اور بہت سے علما و مشائخ نے اخذ علم اور کسب فیض کیا۔

شیخ قطب الدین محمد بن یوسف عرف بھکاری اپنے دور کے فقیہ بھی تھے اور صاحب طریقت بزرگ بھی۔ انھوں نے ۱۲ ربیع الاول ۹۷۲ھ (۱۱ اکتوبر ۱۵۶۴ء) کو برہان پور میں وفات پائی۔ تصوف کے موضوع پر ان کی تصنیفات بھی ہیں، جن میں ایک کتاب کا نام جواہر الاسرار ہے ②۔

① تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: منتخب التواریخ، حاشیہ ص ۲۷۱ تا ۲۷۲۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۹۷ تا ۲۰۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۲۲ تا ۳۲۶۔ رد کوثر، ص ۲۳ تا ۳۲۔ تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد، تاریخ معصومی، ص ۲۷۷۔ ائمہ تلبیس، حصہ دوم، ص ۲۹۳ تا ۳۱۸۔ تاریخ شیراز ہند، جون پور، ص ۶۸۳ تا ۶۸۷۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۲۶۔ بحوالہ مجمع الابرار۔

## ۲۰۸۔ شیخ محمد اوچی

شیخ محمد بن محمد اوچی اپنے عصر کے علمائے مشاہیر میں سے تھے۔ فقہ اور دیگر علوم کے ماہر تھے۔ مدعی مہدویت شیخ محمد بن یوسف جون پوری والی سندھ جام نظام الدین کے عہد میں سندھ گئے تو وہ ان کے قتل کے درپے تھا، مگر شیخ محمد بن محمد اوچی نے ان کو ان کے قتل سے باز رکھا۔ جب علاقہ ملتان میں فسادات پھیلے تو شیخ محمد بن محمد اوچی سے بھکر چلے گئے تھے اور وہاں سے ٹھٹھہ منتقل ہو گئے۔ مرزا شاہ حسین والی سندھ نے ان کو قاضی شکر اللہ سندھی کی جگہ قاضی مقرر کیا۔ انھوں نے مرزا عیسیٰ کے ایام حکومت میں وفات پائی اور مرزا عیسیٰ ۹۶۲ھ (۱۵۵۵ء) کو تخت سندھ پر متمکن ہوا تھا ①۔

## ۲۰۹۔ مولانا مفتی محمد لاہوری

مولانا مفتی محمد لاہوری شیخ وقت عالم کبیر محدث عصر اور بہ اتفاق علماء صاحب فضل و کمال تھے۔ لاہور کے منصب افتا پر فائز تھے۔ کثیر الدرس اور کثیر الافادہ عالم دین تھے۔ اپنے حلقہ درس میں صحیح بخاری اور مشکوٰۃ المصابیح کے اختتام کے موقع پر وسیع پیمانے پر دعوت طعام کا اہتمام کرتے، جس میں تمام علماء و مشائخ کو بلا تے اور لذیذ و عمدہ کھانوں سے ان کی تواضع فرماتے۔ عمر بھر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ نوے سال کی عمر کو پہنچ کر کبرسنی کی بنا پر سلسلہ درس ترک کرنا پڑا ②۔

## ۲۱۰۔ شیخ محمد ناطلی فقیہ

شیخ محمد بن ابو محمد ناطلی، شافعی المسلك تھے اور اپنے دور کے عالم و فقیہ تھے۔ علم فقہ پر ان کے عبور کا یہ عالم تھا کہ لفظ فقیہ ان کے نام کا جز ہو گیا تھا اور یہ فقیہ محمد ناطلی کے نام سے معروف تھے۔ ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالا تو حجاز تشریف لے گئے۔ شیخ علی متقی سے اخذ علم کیا۔ سال میں چھ مہینے مکہ مکرمہ میں سکونت رکھتے اور چھ مہینے مدینہ طیبہ رہتے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان سے ملاقات کی تھی۔ انھوں نے اپنی کتاب زاد المتقین میں ان کا ذکر کیا ہے۔ شیخ محمد فقیہ ناطلی نے مدینہ منورہ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے ③۔

① تحفۃ الکرام، ص ۶۵۵، ۵۹۳، تاریخ معصومی، ص ۲۸۰۔ مآثر رحیمی، ج ۲، ص ۳۲۰۔ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۳۲۶۔

② منتخب التواریخ، ص ۳۳۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۱۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۳۲۷۔

③ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۳۲۸۔ بحوالہ زاد المتقین۔



## ۲۱۱۔ قاضی محمد تھانیسری

قاضی محمد بن ابو محمد حنفی تھانیسری، کبار علمائے حنفیہ میں سے تھے۔ اپنے دوز کے عالم دین اور فقیہ تھے۔ شیخ رکن الدین محمد بن عبدالقدوس گنگوہی نے لطائف قدوسی میں ان کا ذکر کیا ہے ①۔

## ۲۱۲۔ مولانا محمد حسین یزدی

شیخ محمد حسین یزدی اپنے دور کے مشاہیر و کبار علما میں سے تھے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور قرأت میں ممتاز درجے پر پہنچے۔ تفسیر اور حدیث کے ماہر تھے۔ تحصیل علم کے بعد وارد ہند ہوئے تو دہلی میں سکونت اختیار کی۔ صاحب تصنیفات تھے۔ شمائل ترمذی پر ایک بسیط و مفصل شرح سپرد قلم کی۔ شمائل پر ایک منظوم رسالہ بھی تحریر کیا۔ ۹۸۱ھ (۱۵۷۳ء) کو دہلی میں وفات پائی ②۔

## ۲۱۳۔ مولانا محمد درویش جون پوری

مولانا محمد درویش حسینی واسطی جون پوری، نواح غازی پور کے ایک قریہ نونہرہ میں پیدا ہوئے۔ عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو حصول علم کے لیے جون پور کا قصد کیا۔ وہاں شیخ مبارک بن خیر الدین جون پوری کے زاویہ میں رہنے لگے اور علوم میں مہارت و پختگی کے مرتبے کو پہنچے۔ شیخ وقت اور فاضل بزرگ تھے۔ ان کا شمار صالح اور متقی علمائے دین میں ہوتا تھا۔ سلسلہ نسب سولہ واسطوں سے حضرت زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم تک منتہی ہوتا ہے۔ بحث و اشتغال کی ماہر تھے اور افتاء و تدریس کی مسند پر فائز تھے۔ شیخ مبارک جون پوری نے اپنی بیٹی ان کے عقد میں دے دی تھی۔ جون پور میں سکونت اختیار کر لی تھی، تمام عمر وہاں درس و تدریس میں مصروف رہے۔ ۱۰۱۷ھ (۱۵۹۰ء) کو اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہوئے ③۔

## ۲۱۴۔ مولانا محمد سعید خراسانی المعروف میر کلاں

مولانا محمد سعید بن مولانا خواجہ خراسانی، میر کلاں کے نام سے معروف تھے۔ اپنے دور کے شیخ عالم دین اور محدث تھے۔ وسعت معلومات کی بنا پر کبار علما میں گردانے جاتے تھے۔ علامہ عصام الدین ابراہیم بن عرب شاہ اسفرائینی اور دیگر علمائے عصر سے اخذ علم کیا۔ پھر سید نسیم الدین میرک شاہ بن جمال الدین حسینی ہروی

① لطائف قدوسی، ص ۲۴، ۲۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۳۰۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۳۱، بحوالہ تحفۃ الکریم۔

③ تاریخ شیراز ہند جون پور، ص ۲۶، ۲۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۳۱۔

سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں حرمین شریفین کے سفر پر روانہ ہوئے اور حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔ مکہ مکرمہ میں خاصی مدت اقامت اختیار کیے رکھی۔

یوں تو سب علوم مروجہ کے ماہر تھے۔ لیکن حدیث میں بالخصوص ید طولی حاصل تھا اور اس کے تمام پہلوؤں پر عمیق نگاہ رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں طریقت و تصوف اور رشد و صلاح کی راہوں پر بھی گامزن تھے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا، جن میں مشکوٰۃ کے شارح شیخ ملا علی قاری ہروی صاحب مرقاۃ، سید غضنفر بن جعفر نہروالی اور بے شمار علماء شامل ہیں۔ کثیر الفوائد بزرگ تھے۔

یہ وہ ہندی عالم دین ہیں جن کے سامنے محدث دوراں اور صاحب تصانیف کثیرہ ملا علی قاری نے زانوئے تلمذتہ کیا۔ ان کی فراوانی علم و فضل کی بنا پر بادشاہ ہند جلال الدین اکبر نے ان کو شہزادہ نور الدین محمد جہاں گیر کا اتالیق مقرر کیا تھا اور وہ ان سے بدرجہ غایت تعظیم و توقیر سے پیش آتا تھا۔

مولانا میر کلاں فرشتہ خصلت انسان تھے۔ والدہ کے اس درجہ فرماں بردار تھے کہ اس خیال سے شادی نہیں کی کہ کہیں بیوی ان کی نافرمان نہ نکلے۔ وہ سیدہ اپنے بیٹے کے انتقال کے وقت زندہ تھیں اور ان کی نیکی کا یہ عالم تھا کہ جب بیٹے کا انتقال ہوا، قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھیں۔ عزیزوں نے سعادت مند بیٹے کی وفات کی اطلاع دی اور تجہیز و تکفین کی اجازت طلب کی تو اس نیک بخت خاتون نے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا، اور اجازت دی اور تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہو گئیں۔ لخت جگر کی موت پر زبان سے کسی قسم کی بے قراری اور حزن و ملال کا اظہار نہیں کیا۔

دسویں صدی ہجری کے اس عظیم المرتبت ہندی عالم نے ۸۰ سال عمر پا کر ۹۷۱ھ (۱۵۶۳ء) کو آگرہ میں وفات پائی ①۔

## ۲۱۵۔ قاضی محمد معین لاہوری

قاضی محمد معین لاہوری، مشہور و پر تاثیر واعظ، شیخ وقت اور زیور علم سے آراستہ تھے۔ اپنے عصر کے ممتاز فقہا میں سے تھے۔ معارج النبوة کے مصنف ان کے پوتے تھے۔ لاہور کے منصب قضا پر فائز تھے۔ طویل مدت تک اس مندر پر متمکن رہے اور کبر سنی کی وجہ سے اس سے الگ ہوئے۔ عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے میں بہت مشہور تھے۔ ان کا اصل مشغلہ یہ تھا کہ مختلف کتابوں کی کتابت کرتے، ان کی تصحیح فرماتے اور پھر پڑھنے کے لیے طلباء کو دے دیتے۔ وہ اس پر اپنی گرہ سے رقم خرچ کرتے تھے۔ فیصلوں کے بارے میں منقول ہے کہ اپنے زمانہ قضا میں ایک مقدمہ بھی فیصل نہیں کیا۔ اگر مدعی فیصلے پر اصرار کرتا تو اسے انتہائی عاجزی سے کہتے، خدا را تم دونوں آپس میں صلح کر لو تا کہ میں تمہارے جھگڑے میں اللہ کے نزدیک پکڑا نہ جاؤں اور مجھے اس

① منتخب التواریخ، ص ۳۱۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۳۱، ۳۳۲۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۳۰، ۲۳۱۔ حدائق الحنفیہ، ص ۳۷۵۔

کے دربار میں شرم سار نہ ہونا پڑے۔ فریقین سے کہتے، تم دونوں دانا ہو مجھ ایک نادان کو دو داناؤں سے سابقہ آ پڑا ہے۔ خدا راتم دونوں مجھے اللہ کی بارگاہ میں شرمندہ نہ کرو۔

اگر کوئی عورت شوہر کے غائب ہونے کی بنا پر تفریق کا مطالبہ کرتی تو وہ تاحدا مکان اپنے پاس سے اس کو خرچ دیتے اور کہتے یہ رقم لو اور شوہر کا انتظار کرو۔ اس سے علیحدگی اختیار نہ کرو۔

اپنی آمدنی جو اس زمانے میں بہت معقول تھی، تمام تر کتابوں پر خرچ کر دیتے۔ مختلف کتابوں سے قیمتی اور عمدہ کتابیں لکھواتے، ان کا مقابلہ تصحیح کراتے اور پھر جلد بندھوا کر طالب علموں کو مفت تقسیم کر دیتے۔ زندگی بھر ان کا یہی مشغلہ رہا اور لوگوں کو ہزاروں کتابیں بخش دیں۔

انتقال کے بعد ان کے دو بیٹے تھے، ایک پہلوانی میں اور دوسرا کبوتر بازی میں مشہور تھا۔ بادشاہ ہند جلال الدین اکبر کی مجلس میں بھی ان کے مشاغل کا ذکر آیا۔ اس نے دونوں کو بلایا اور ان کے کھیل تماشے دیکھے۔ اس عالم دین اور نامور فقیہ نے ۹۹۵ھ (۱۵۸۷ء) کو لاہور میں انتقال کیا<sup>①</sup>۔

## ۲۱۶۔ میرک محمود بن ابوسعید سندھی

شیخ محمود بن ابوسعید ٹھٹھوی سندھی، میرک محمود کے نام سے مشہور تھے۔ حنفی المسلمک تھے۔ اپنے وقت کے شیخ اور عالم تھے۔ نقل احکام میں ممتاز اور علم فتویٰ میں اپنے دور کے منفرد عالم تھے۔ نہایت خوش خط تھے اور خط نستعلیق میں بالخصوص مہارت رکھتے تھے۔ حسن اخلاق میں یکتا، میل جول میں بے نظیر، بے حد نرم مزاج اور منکسر و متواضع بزرگ تھے۔ زہد و عبادت اور جودت و سخا میں اپنی مثال آپ تھے۔ والی سندھ مرزا شاہ حسین نے ان کے اوصاف گونا گوں اور علمی و طبعی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر ان کو سر زمین سندھ کا شیخ الاسلام مقرر کر دیا تھا۔ تمام عمر اس منصب پر فائز رہے۔

اس بلند مرتبت عالم و فقیہ نے ۹۶۲ھ (۱۵۵۵ء) میں وفات پائی۔ بعض علما نے ان کی تاریخ وفات ”رفت میرک آہ آہ“ سے نکالی ہے<sup>②</sup>۔

## ۲۱۷۔ قاضی محمود بن احمد ناطلی

قاضی محمود بن احمد بن ابو محمد ناطلی بیجاپوری، شیخ عصر اور فقیہ تھے۔ علم ظاہری اور سلوک و طریقت سے بہرہ مند تھے۔ مدت تک منصب قضا پر فائز رہے۔ پھر سفر حج پر روانہ ہوئے، وہاں علم کی دولت حاصل کی۔ بعد

① منتخب التواریخ، ص ۳۱۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۲۸۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۳۲، ۳۳۳۔

② تاریخ معصومی، ص ۲۷۳۔ تحفۃ الکریم، ص ۳۳۶۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۱۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۳۳۔ مآثر جمعی،

ج ۲، ص ۳۱۹، ۳۲۰۔

ازاں واپس بیجا پور آئے اور وہیں عالم آخرت کو روانہ ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ۹۹۴ھ (۱۵۸۶ء) میں ان کے بیٹے رضی الدین مرتضیٰ مسند قضا پر متعین ہوئے۔ غالباً قاضی محمود بن احمد نائٹی کی وفات ۹۹۴ھ (۱۵۸۶ء) کو ہوئی ①۔

## ۲۱۸۔ شیخ محمود بن بابو گجراتی

شیخ محمود کا نسب نامہ یہ ہے: محمود بن بابو بن صدر الدین بن جلال الدین بن الیاس عمری۔ شیخ قطب الدین محمود گجراتی کے نام سے مشہور تھے۔ ۸۵۶ھ (۱۴۵۲ء) کو گجرات میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ سید محمد بن عبداللہ بن محمود حسینی بخاری گجراتی سے علم حاصل کیا۔ بہت بڑے عالم و فقیہ تھے اور صالح علما میں سے گردانے جاتے تھے۔ اپنے علاقے کی مسند مشیخت پر فائز تھے۔ ان سے خلق کثیر نے استفادہ کیا۔ ۱۰ جمادی الاخریٰ ۹۴۳ھ (۲۵ اکتوبر ۱۵۳۶ء) کو فوت ہوئے اور جان پور میں دفن کیے گئے ②۔

## ۲۱۹۔ ملک محمود بن پیارو گجراتی

ملک محمود گجراتی کے والد ملک پیارو برہان پور کے وزیر تھے۔ ۹۴۴ھ (۱۵۳۷ء) میں انھیں قتل کر دیا گیا تھا۔ اس حادثے کے بعد ان کے بیٹے محمود گجرات گئے اور وہاں سید عرب شاہ حسینی بخاری گجراتی کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ ان سے اخذ طریقت کیا اور حرمین شریفین چلے گئے۔ حج و زیارت کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے اور واپس ہندوستان آ گئے۔ بہت بڑے عالم اور فاضل بزرگ تھے۔ گجرات کے مشاہیر فضلا میں سے تھے۔ چوں کہ حکمران طبقے سے تعلق رکھتے تھے اس لیے ملک محمود کے نام سے معروف تھے۔ تفسیر حدیث، فقہ اور علوم عربیہ کے جلیل القدر عالم تھے۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد جلال الدین اکبر کے پاس آگرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ فصیح اللسان، مدبر اور دانش ور تھے۔ اسی بنا پر بادشاہی محفلوں میں اکبر کی میزبانی کا انھیں شرف حاصل تھا۔ اولیاء اللہ کے بڑے معتقد تھے اسی اعتقاد کی وجہ سے اکبر نے ان کو شیخ معین الدین چشتی کے مرقد کا متولی مقرر کر دیا تھا۔ بعد ازاں اس منصب سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ ۹۸۵ھ (۱۵۷۷ء) میں اکبر سے گجرات جانے کی درخواست کی۔ اکبر ان کے اخلاص، حسن نیت، علم و فضل اور عذوبت کلام سے بہت متاثر تھا، لہذا اجازت دینے پر آمادہ نہ تھا۔ بالآخر بڑے پس و پیش کے بعد اجازت دینا پڑی اور وہ احمد آباد چلے گئے۔ وہاں توکل و قناعت اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔ فارسی پر عبور رکھتے تھے اور شاعر بھی تھے۔ یہ شعر ان ہی کا ہے:

① نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۳۳ بحوالہ تاریخ النواظ

② نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۳۴۔

دارم دلی گرداں کہ من قبلہ نمای خوانمش روسوئے ابرویش کند ہر ہر چند می گردانمش  
ارض ہند کے اس عالم و فقیہ نے ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۲ء) کو احمد آباد میں وفات پائی اور وہیں دفن  
ہوئے ①۔

## ۲۲۰۔ قاضی محمود بن حامد گجراتی

قاضی محمود بن حامد بن محمد علوی پیر پوری گجراتی، شیخ وقت فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔ پہلے احمد آباد میں  
سکونت پذیر تھے۔ بعد کو ۹۲۰ھ (۱۵۱۴ء) میں احمد آباد کے قریب ایک گاؤں میں منتقل ہو گئے تھے جس کا نام  
پیر پور تھا۔ وہاں گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ عالم دین ہونے کے ساتھ صاحب طریقت بھی تھے۔ ۶۷  
سال کی عمر پا کر ۱۳ ربیع الثانی ۹۴۱ھ (۲۲ اکتوبر ۱۵۳۴ء) کو پیر پور میں فوت ہوئے۔ ان کے والد قاضی حامد  
گجراتی، قاضی چاندہ کے نام سے معروف تھے ②۔

## ۲۲۱۔ مفتی محمود بن عطاء اللہ امر وہوی

مفتی محمود کا سلسلہ نسب یہ ہے: محمود بن عطاء اللہ بن میراں بن خطیر بن محمود بن عثمان بن مودود بن  
خطیر حسینی مودودی امر وہوی، شیخ عصر عالم باعمل اور فقیہ تھے۔ سلطان بہلول لودھی ان کی بے حد تکریم کرتا تھا۔  
اس نے ان کو شہر امر وہہ کی مسند قضا پر فائز کیا اور ان کے علم و فضل کی وسعت سے متاثر ہو کر ۸۷۰ھ  
(۱۴۶۶ء) میں اعلم العلماء اور ملک العلماء کے دو خطاب عطا کیے۔ تمام عمر امر وہہ کے منصب افتا پر متمکن رہے۔  
ہند کے اس عالم دین نے ۹۱۷ھ (۱۵۱۱ء) میں انتقال کیا ③۔

## ۲۲۲۔ قاضی محمود گجراتی

قاضی محمود بن ابو محمود مورپی گجراتی، ایک قریہ مورپ میں پیدا ہوئے، جو اعمال گجرات میں واقع تھا۔  
وہیں پلے بڑھے اور علم حاصل کیا، یہاں تک کہ علوم مروجہ میں راسخ ہو گئے اور خطہ ہند کے بہت بڑے عالم فقیہ  
اور شیخ شمار کیے گئے۔ طریقت سے بھی تعلق تھا۔ یہ علم شیخ لشکر محمد عارف سے اخذ کیا۔ شیخ لشکر نے ان سے فقہ کی  
مشہور کتاب ہدایہ کا درس لیا اور انھوں نے شیخ لشکر سے نقد النصوص اور مرآة العارفين وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ شیخ  
محمود کافی عرصہ درس و تدریس میں بھی مصروف رہے۔ زمانہ تدریس میں ان سے مولانا موسیٰ سندھی اور حکیم

① منتخب التواریخ، ص ۳۲۶۔ اذکار ابرار، ص ۳۹۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۳۳۲، ۳۳۵۔

② اذکار ابرار، ص ۳۳۶، ۳۳۷۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۳۳۵، ۳۳۶۔

③ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۳۳۷۔

عثمان سندھی نے علوم عربیہ اور علم نحو کی تحصیل کی۔

دسویں صدی ہجری کے اس ہندی عالم کے سن ولادت اور سن وفات کا علم نہیں ہو سکا ①۔

## ۲۲۳۔ میر مرتضیٰ شریفی شیرازی

میر سید مرتضیٰ شریفی شیرازی شیعہ تھے اور اپنے دور کے شیخ اور فاضل بزرگ تھے۔ سید شریف زین الدین علی جرجانی کی اولاد سے تھے۔ منطق و حکمت، ریاضی، انشا و شعر اور دیگر علوم پر مجتہدانہ عبور رکھتے تھے۔ نہایت اعتماد کے ساتھ ان علوم کی تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ آگرہ میں ان کا سلسلہ درس جاری تھا جس میں بے شمار علما نے استفادہ کیا۔

میر مرتضیٰ نے منطق و حکمت کی تحصیل شیخ عبدالصمد بنداری سے کی اور حدیث کے لیے سید میرک شاہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اسماعیل صفوی کے دور حکومت میں خراسان کی مسند صدارت پر متمکن ہوئے اور کافی عرصہ یہ خدمت انجام دی۔ بعد ازاں حج و زیارت کا قصد کیا اور مکہ مکرمہ میں شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی سے حدیث کی سند لی۔ پھر عازم ہند ہوئے اور دکن میں سکونت اختیار کی۔ دکن سے عازم آگرہ ہوئے۔ وہاں نہایت سکون کی زندگی بسر کی۔ علم نحو میں منظومۃ الکافیہ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ فارسی کے شاعر تھے اور شریفی تخلص کرتے تھے۔ ان کا ایک دیوان بھی ہے۔ ۹۷۴ھ (۱۵۶۷ء) کو دہلی میں وفات پائی ②۔

میر مرتضیٰ شریفی کو دہلی میں امیر خسرو کے قریب دفن کیا گیا تھا۔ جب لوگوں نے صدر الصدور قاضی شہر اور شیخ الاسلام سے کہا کہ امیر خسرو ہندی اور سنی ہیں اور میر مرتضیٰ عراقی اور شیعہ ہیں اس لیے دونوں کی روح ایک دوسرے سے اذیت محسوس کرے گی

روح را صحبت نا جنس عذابست الیم

تو شاہی حکم کے مطابق ان کی نعش وہاں سے نکال کر مشہد لے جائی گئی۔ اس ضمن میں تذکرہ علمائے ہند کے فارسی الفاظ یہ ہیں:

چوں صدور و قاضی و شیخ الاسلام بعرض رسانیدند کہ امیر خسرو ہندی است و سنی و میر مرتضیٰ

عراقی است و شیعہ درینکہ روح ہر دو از صحبت یک دیگر متاؤدی باشند شکی نیست:

روح را صحبت نا جنس عذابست الیم

پس بموجب حکم عالی نعش او ازاں جا کشیدہ بہ مشہد بردند۔

① اذکار ابرار ص ۳۶۹۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۳۲۸، ۳۲۹

② منتخب التواریخ ص ۳۳۷۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۲۳، ۲۲۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۳۵۰۔

میر محسن رضوی نے یہ تاریخ وفات نکالی:

رفت تا میر مرتضیٰ از دہر علم گویا ز نسل آدم رفت  
بہر تاریخ رحلتش محسن گفت علامہ ز عالم رفت  
میری مرتضیٰ فارسی کے شاعر تھے۔ یہ شعر ان ہی کا ہے:  
خاطر جمعے از اسباب میسر نہ شد تخم جمعیت دل تفرہ اسباب است  
انہوں نے ۹۷۴ھ (۱۵۶۷ء) میں وفات پائی ①۔

## ۲۲۲۔ مولانا مرشد الدین صفوی

مولانا مرشد الدین بن رفیع الدین محدث حسینی صفوی شیرازی ثم اکبری آبادی، شیخ وقت اور صالح عالم دین تھے۔ علم و طریقت کی آغوش میں تربیت پائی اور اونچے مرتبے کو پہنچے۔ اپنے والد گرامی شیخ رفیع الدین محدث شیرازی سے اخذ علم کیا اور ان کی وفات کے بعد مسند تدریس کو زینت بخشی۔ نہایت سخی، بے حد فیاض اور پیکر جو دو کرم تھے۔ اکبر آباد (آگرہ) میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔ دسویں صدی ہجری کے اس ہندی عالم دین کی تاریخ ولادت و وفات کا علم نہیں ہو سکا ②۔

## ۲۲۵۔ شیخ مصطفیٰ بن عبدالستار سہارن پوری

شیخ مصطفیٰ بن عبدالستار بن عبدالکریم انصاری سہارن پوری، اپنے دور کے فقیہ اور شیخ و زاہد تھے۔ ان کا شمار کبار علمائے ہند میں ہوتا تھا۔ مدت مدید تک درس و افادہ میں مصروف رہے۔ بحر تصوف و طریقت کے شناور تھے اور اس سلسلے میں شیخ رکن الدین گنگوہی کے فیض یافتہ تھے۔ ۴ شعبان ۱۰۰۰ھ (۶ مئی ۱۵۹۲ء) کو فوت ہوئے ③۔

## ۲۲۶۔ شیخ مصلح الدین لاری

شیخ مصلح الدین لاری، حنفی المسلک تھے۔ فاضل عصر اور علامہ دوراں تھے۔ علوم عربیہ اور معارف حکمیہ میں اپنے اقران و معاصرین میں منفرد حیثیت رکھتے تھے۔ طویل مدت تک درس و افادہ میں مصروف

① منتخب التواریخ، ص ۳۷۳۔ طبقات اکبری، ص ۳۸۹، ۳۹۰۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۳۲۳، ۳۲۴۔ زہدۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۵۰

② اذکار ابراز، ص ۳۱۶۔ زہدۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۵۰

③ زہدۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۵۲، بحوالہ مرآت عالم۔

رہے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا جن میں والی سندھ مرزا شاہ حسین بھی شامل تھا۔ بے شمار علما و طلبانے ان سے اخذ علم کیا۔ ۹۶۰ھ (۱۵۵۳ء) میں مکہ مکرمہ گئے اور پھر واپس ہندوستان آئے۔ اونچے درجے کے مصنف بھی تھے۔ مندرجہ ذیل کتابیں ان کی تصنیفات ہیں۔

① شمائل ترمذی کی بسیط و مفصل شرح۔

② تفسیر بیضاوی پر تعلیقات

③ شرح المنطق۔ یہ کتاب فارسی میں ہے۔

④ الرسائل فی بحث تمام المشترك۔

⑤ الرسائل فی بحث القدرة والارادة۔

⑥ الرسائل فی بحث الحركة۔

⑦ الرسائل فی تحقیق المعاد والمبدء۔

⑧ شرح تہذیب المنطق۔

⑨ شرح ہدایۃ الحکمتہ۔

ماثر جیمی میں ان کے حالات میں درج ذیل الفاظ مرقوم ہیں۔

مولانا مصلح الدین لاری علوم عربیہ را خوب می دانستہ۔ بافادہ درس مرزا شاہ حسین مشغول بودہ و در نہصد و شصت بمکہ رفت۔ شرح شمائل نبوی و حاشیہ تفسیر بیضاوی و شرح منطق و دیگر رسائل مشہور دارد۔ یعنی مولانا مصلح الدین لاری علوم عربیہ پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ مرزا شاہ حسین والی سندھ کے استاد تھے۔ ۹۶۰ھ (۱۵۵۳ء) میں مکہ مکرمہ کا سفر کیا۔ شرح شمائل نبوی، حاشیہ تفسیر بیضاوی، شرح منطق اور دیگر رسائل ان کی تصنیفات ہیں۔

تاریخ معصومی میں ان کے حالات میں جو الفاظ لکھے گئے ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے:

مولانا مصلح الدین لاری انتہائی دانش مند اور تبحر عالم تھے اور علوم عربیہ میں اچھی مہارت رکھتے تھے۔ کچھ عرصہ مرزا شاہ حسین کو بھی درس دیتے رہے۔ ۹۶۱ھ (۱۵۵۴ء) میں اجازت لے کر حج کے ارادے سے مکہ معظمہ گئے۔ شرح شمائل نبوی، حاشیہ تفسیر بیضاوی، شرح منطق اور دیگر رسالے ان کی تصانیف میں سے ہیں۔

اپنے دور کے اس جلیل القدر عالم دین نے ۹۷۹ھ (۱۵۷۱ء) کو وفات پائی ①۔

① ماثر جیمی، ج ۲، ص ۳۲۰۔ تاریخ معصومی، ص ۲۸۱، ۲۸۰۔ زبہ الخواطر، ج ۴، ص ۳۵۴، ۳۵۵۔ عربی ادبیات میں پاک ہند کا حصہ، ص ۳۵۵۔



## ۲۲۷۔ سلطان مظفر حلیم والی گجرات

والی گجرات سلطان مظفر بن محمود اپنے دور کا وہ بادشاہ تھا جو بیک وقت متعدد اوصاف کا حامل تھا۔ عالم و فاضل بھی تھا اور عادل و مصنف بھی، محدث و فقیہ بھی تھا اور منکسر و متواضع بھی، جنگ جو بھی تھا اور حلیم الطبع بھی، ماہر حرب و ضرب بھی تھا اور صلح کل بھی، فاتح و کشور کشا بھی تھا اور رحم دل بھی، بہادر و جری بھی تھا اور انتہائی نیک و متقی بھی، مجاہد بھی تھا اور کریم النفس بھی۔ علما کا بدرجہ غایت قدر دان اور علم پرور بادشاہ تھا۔ جمعرات کے روز ۲۰ شوال ۸۷۵ھ (۱۱ اپریل ۱۴۷۱ء) کو ارض گجرات میں پیدا ہوا۔ سلطنت و حکومت کے ماحول اور علم و فضل کی آغوش میں تربیت پائی۔ سلطان محمود نے اپنے اس بیٹے کی تعلیم کے لیے بہتر اساتذہ کا انتخاب کیا۔ ابتدائی تعلیم علامہ مجد الدین محمد بن محمد ابی اور دیگر علمائے عصر سے حاصل کی۔ کتب احادیث ان سے بھی پڑھیں اور وقت کے مشہور شیخ و محدث جمال الدین محمد بن عمر بن مبارک حمیری حضرمی المعروف بہ بحر ق کے سامنے بھی زانوائے تلمذ تہہ کیے۔ سلطان مظفر حلیم تمام مروجہ اصناف علم کا ماہر اور اخلاق حمیدہ کا پیکر تھا۔ انتہائی نرم خو اور متحمل مزاج تھا۔ اپنے علم کی بنا پر وہ مظفر حلیم کے نام سے معروف ہو گیا تھا۔ یعنی لفظ ”حلیم“ اس کے نام کا مستقل جز بن گیا تھا۔ علم و ادب اگرچہ اول دور ہی سے اس کے خاندان میں موجود تھا، مگر اس نے باقاعدہ اساتذہ وقت سے تعلیم حاصل کی اور اس سلسلے میں اپنے اسلاف سے سبقت لے گیا۔

مظفر حلیم بیالیس سال کی عمر پا کر منگل کے روز ۳ رمضان المبارک ۹۱۷ھ (۲۴ نومبر ۱۵۱۱ء) کو اپنے باپ کی وفات کے بعد گجرات کے تخت حکومت پر متمکن ہوا اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کا آغاز کیا۔ تقویٰ و طہارت، عزیمت و شجاعت اور عفو و درگزر میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ لوگوں کی غلطیاں دیکھتا اور نظر انداز کر دیتا۔ اس معاملے میں ہمیشہ تسامح سے کام لیتا۔ اونچے درجے کا خوش نویس تھا۔ ہر قسم کے مروجہ رسم الخط کا ماہر تھا۔ خط نسخ، خط ثلث اور خط رقاع میں مہارت رکھتا تھا۔ قرآن مجید کی کتابت اپنے ہاتھ سے کرتا اور حرمین شریفین بھیجتا۔ قرآن سے اس کو بے حد لگاؤ تھا۔ اپنے باپ کی زندگی میں عالم شباب میں حافظ قرآن ہوا۔

اتباع سنت کا یہ حال تھا کہ ہر قول و فعل میں آثار سنت نبویہ کو ملحوظ رکھتا اور نصوص حدیث پر عمل کی بنیادیں استوار کرتا۔ موت کو کثرت سے یاد کرتا اور اس کے ڈر سے آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔ علما و مشائخ کی تعظیم و تکریم میں مبالغے کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔

ہر وقت با وضو رہتا، نماز باجماعت کی پابندی کرتا، رمضان کے روزے رکھتا، مکروہات و محرمات سے دامن کشاں رہتا۔ اپنے آپ کو اسراف و تبذیر سے محفوظ رکھتا اور فضول خرچی کا تصور بھی دل میں نہ لاتا۔ گزشتہ دور کے ملوک و سلاطین کے حالات کا مطالعہ کرتا، عام طور پر دن اور رات کو بھیس بدل کر شہر میں گھومتا اور رعیت

کے حالات سے بذات خود مطلع ہونے کی کوشش کرتا۔

اس کی زندگی کے بہت سے عجیب و غریب واقعات کتب تاریخ میں مرقوم ہیں۔ معدلت گستری اور عدل پروری میں اس کا کوئی حریف نہ تھا۔ ملک کی حفاظت اور اس کی سرحدوں کے تحفظ و دفاع میں انتہائی تیز تھا۔ گجرات کے اس عالم و فاضل اور محدث و فقیہ سلطان نے کم و بیش پندرہ سال اورنگ سلطنت پر متمکن رہنے کے بعد ۲ جمادی الاولیٰ ۹۳۲ھ (۱۴ فروری ۱۵۲۶ء) کو وفات پائی ①۔

## ۲۲۸۔ قاضی منجھلہ جون پوری

قاضی منجھلہ جون پوری، شیخ اور فقیہ تھے۔ چوں کہ فقہ اور علوم عربیہ میں دسترس رکھتے تھے لہذا انھیں جون پور کا قاضی مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس منصب پر وہ طویل عرصے تک فائز رہے۔ بعد ازاں طبیعت تصوف کی طرف مائل ہوئی تو شیخ علی بن قوام الدین حسینی جون پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اخذ طریقت کیا ②۔

## ۲۲۹۔ شیخ منجھن کمال پوری

شیخ منجھن شطاری کمال پوری، عالم اور صالح بزرگ تھے، متورع اور متقی فقیہ تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں شدت سے کام لیتے اور سختی سے لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے ③۔

## ۲۳۰۔ شیخ منصور لاہوری

شیخ منصور بن ابو منصور حنفی لاہوری، اپنے دور کے فاضل بزرگ تھے۔ علوم عربیہ، علم نحو اور اکثر مروجہ علوم و فنون میں شہرت و مہارت رکھتے تھے۔ شیخ سعد اللہ لاہوری کے داماد تھے اور ان علوم کی تکمیل ان ہی سے کی تھی۔ اس زمانے کے ایک اور عالم دین شیخ اسحاق بن کاکو کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیے اور کئی سال ان سے استفادہ کرتے رہے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد خود مسند تدریس پر متمکن ہوئے اور علما و طلبا کو مستفید فرمایا۔ خوش مزاج اور سلیم الطبع تھے۔ بحث و مناظرہ میں علم و دلائل کے زور سے حریف پر چھا جاتے۔ ان کی گرفت استدلال بڑی مضبوط تھی۔

① تفصیلات کے لیے دیکھیے: مرآت احمدی، ج ۱، ص ۶۱، ۶۲۔ تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۳۱۳ تا ۳۲۴۔ مرآت سکندری، ص ۱۳۵ تا

۱۹۴۔ مآثر جمی، ج ۲، ص ۱۵۱ تا ۱۶۴۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۳۶۶ بحوالہ عاشقہ۔

③ ایضاً، ص ۳۶۷۔

کچھ عرصہ مالوہ کے قاضی القضاة بھی رہے۔ امرائے سلطنت اور ارکان حکومت کے نزدیک معزز و محترم تھے۔ جس زمانے میں جلال الدین اکبر بادشاہ لاہور میں مقیم تھا، یہ مالوہ سے آ کر اس سے ملے، اس نے ان کو بجواڑہ اور کوہستانی سرحدوں کے نظم و نسق پر مامور کر دیا تھا۔ بادشاہ ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ شیخ منصور کے ایک بیٹے کا نام علاء الدین تھا۔ یہ بھی عالم دین تھے۔ تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ شیخ علاء الدین لمبا عرصہ خان خاناں کے پاس رہے۔ بادشاہ کے دربار میں جاتے تو وہ نہایت عزت سے پیش آتا۔ بادشاہ نے ان کو فوجی ملازمت اختیار کرنے کی بارہا پیش کش کی لیکن انھوں نے اسے قبول نہ کیا اور درس و تدریس کو ترجیح دی۔ شیخ علاء الدین لاہوری بہت فیاض، سخی اور ایثار پیشہ تھے جو کچھ ان کو اپنی جاگیر سے حاصل ہوتا، طلباء پر صرف کر دیتے۔ مصنف بھی تھے علامہ سعد الدین تفتازانی کی شرح عقائد پر حاشیہ لکھا جو بہت مشہور ہے۔ حج کے لیے گئے اور وہیں وفات پائی ①۔

### ۲۳۱۔ قاضی من اللہ کا کوروی

قاضی من اللہ بن نعیم اللہ بن تاج الدین بن شہاب الدین صدیقی کا کوروی عالم دین اور فقیہ تھے۔ دسویں صدی ہجری کے مشہور علما میں ہوتے تھے۔ تصوف و سلوک سے بھی تعلق تھا اور یہ علم انھوں نے علامہ سعد الدین بن بدھن بن محمد خیر آبادی سے حاصل کیا تھا جو مجمع السلوک کے مصنف تھے ②۔

### ۲۳۲۔ شیخ میران سندھی

شیخ میران بن مولانا یعقوب سندھی، کبار علمائے سندھ میں سے تھے۔ صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ میں مشہور اور علوم معقول و منقول کے جامع تھے۔ ساہا سال درس و تدریس میں مصروف رہے اور بہت سے طلباء نے ان سے علم حاصل کیا۔ علوم مروجہ میں ماہر تھے۔ مرزا شاہ حسین والی سندھ نے کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ اس عالم دین نے ۹۴۹ھ (۱۵۴۲ء) میں ٹھٹھہ میں عالم آخرت کو رحلت کی۔ تاریخ وفات وارث الانبیاء سے نکلتی ہے ③۔

### ۲۳۳۔ قاضی مینا بن یوسف مندوی

قاضی مینا بن یوسف بن حامد بن ابو الفاخر بن یسین مندوی، مانڈو میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش

① منتخب التواریخ، ص ۳۳۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۴۱، ۲۷۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۲۳۱، ۳۶۷۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۳۶۸۔

③ تاریخ معصومی، ص ۲۷۸۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۱۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۳۷۰۔

پائی۔ بچپن ہی میں چندیری کے سفر پر روانہ ہوئے اور مشہور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ شیخ عصر اور عالم و فقیہ تھے۔ ان کا شمار اس دور کے ممتاز علما میں ہوتا تھا، علوم عقیلہ و نقلیہ کے ماہر تھے۔ جب رانا سانگانے چندیری پر حملہ کیا تو یہ دوسرے لوگوں کے ساتھ وہاں سے نکل کر چھترہ چلے گئے تھے۔ وہاں کافی عرصہ مقیم رہے۔ پھر قادر شاہ مالوی کے عہد میں واپس ماٹو گئے۔ ان کے پردادا یسین، محمود شاہ خلجی کے زمانے میں ماٹو کے منصب قضا پر متعین رہے تھے۔ قاضی مینا نے قادر شاہ سے ملاقات کی تو اس نے ماٹو کا قاضی مقرر کر دیا اور اپنے مشیروں اور ندیموں میں شامل کیا۔ ان کی تاریخ ولادت و وفات کا علم نہیں ہو سکا ①۔

## ۲۳۴۔ شیخ میاں جیو گجراتی

شیخ میاں جیو بن داؤد پٹنی گجراتی۔ علاقہ گجرات کے شہر پٹن میں پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر کے تھے کہ ان کے والد داؤد سلطان ناصر الدین خلجی کے زمانے میں پٹن سے ماٹو آ بسے تھے۔ میاں جیو نے ماٹو ہی میں پرورش پائی۔ پھر حصول علم کی غرض سے برہان پور اور وہاں سے گجرات گئے اور مشہور اساتذہ عصر سے مروجہ کتب درسیہ پڑھیں، یہاں تک کہ علم و فضل کے اونچے مقام پر پہنچے اور اپنے وقت کے شیخ، فقیہ اور بہت بڑے عالم گردانے گئے۔ بعد ازاں شیخ احمد بن جعفر شیرازی اور شیخ صدر الدین ذاکر برودوی سے اخذ طریقت کیا اور کچھ مدت ان سے انسلاک اختیار کیے رکھا اور کبار شیوخ کے ہم سر ہوئے۔

شیخ میاں جیو کی آمدنی کا ذریعہ تجارت تھا، جو کچھ کماتے قرب و جوار کے لوگوں اور مستحقین میں تقسیم کر دیتے۔ اس عالم دین اور مرد درویش نے ۸۰ سال عمر پا کر ۹۸۵ھ (۱۵۷۷ء) کو شہر ماٹو میں انتقال کیا ②۔

ن

## ۳۳۵۔ قاضی نجم الدین گجراتی

قاضی نجم الدین گجراتی، شیخ اور عالم و فقیہ تھے۔ والی گجرات سلطان محمود بیگرہ کے عہد میں گجرات کے قاضی القضاة تھے۔ عدل و انصاف اور امور خیر کی تنفیذ میں نہایت سخت تھے اور لوگوں پر شدید محاسبہ کرتے تھے۔ ان کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک روز ایک شخص کے ہاتھ میں رباب دیکھا جو اس نے سلطان محمود کے لیے بنایا تھا، قاضی ممدوح نے رباب اس کے ہاتھ سے پکڑا اور توڑ ڈالا۔ سلطان کو اس کا علم ہوا تو اس نے مزاح کے انداز میں کہا، قاضی نجم الدین کمزوروں پر تو اس درجہ جری ہیں، صاحب رسول آباد پر ان کے احتساب کا وار کیوں نہیں

① تاریخ معصومی، ص ۲۷۸۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۱۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۷۰۔

② اذکار ابرار، ص ۳۳۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۷۲۔

چلتا جو ریشم کا لباس پہنتے اور غنا سنتے ہیں۔ اس کا اشارہ شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری کی طرف تھا جو علی الاعلان لباس حریر زیب تن کرتے اور سب کے سامنے سماعت غنا کرتے تھے۔ سلطان کی یہ بات قاضی نجم الدین کے کانوں میں پہنچی تو وہ رسول آباد گئے مگر شیخ کو دیکھتے ہی اس درجہ مرعوب ہوئے کہ بولنے کی جرأت نہ کر سکے اور ان کے حلقہ طریقت میں شامل ہو گئے۔ قاضی نجم الدین ۹۱۱ھ (۱۵۰۶ء) میں اس دنیائے دوں سے سفر آخرت پر روانہ ہوئے<sup>①</sup>۔

## ۲۳۶۔ قاضی نصر اللہ بھکری سندھی

قاضی نصر اللہ بن ابوسعید بن زین الدین حنفی بھکری سندھی دسویں صدی ہجری کے شیخ سندھ اور اس نواح کے عالم و فقیہ تھے۔ ان کا شمار اس عصر کے مشاہیر فقہاء میں ہوتا تھا۔ اپنے برادر کبیر قاضی قاضن کے بعد شہر بھکر کی مسند قضا پر متمکن ہوئے<sup>②</sup>۔

## ۲۳۷۔ شیخ نصیر الدین گجراتی

شیخ نصیر الدین بن مجد الدین بن سراج الدین بن کمال الدین عمری گجراتی احمد آباد میں پیدا ہوئے وہیں پلے بڑھے اور اپنے شہر کے اساتذہ سے تحصیل علم کی۔ یہاں تک کہ خطہ گجرات کے شیخ صالح اور فقیہ نام دار مانے گئے۔ ان کے والد شیخ مجد الدین اپنے دور کے صاحب طریقت عالم دین تھے۔ ان کی صحبت میں تصوف و سلوک کی منزلیں طے کیں اور ان کے بعد مسند مشیخت کو زینت بخشی۔ ترک و تجرید اور عبادت و زہد میں اپنے اسلاف کا صحیح نمونہ تھے۔ ۲۷ رجب ۹۱۰ھ (۳ جنوری ۱۵۰۵ء) کو احمد آباد میں فوت ہوئے<sup>③</sup>۔

## ۲۳۸۔ شیخ نظام الدین کا کوری

شیخ نظام الدین بن سیف الدین بن نظام الدین علوی کا کوری، شیخ بھیکہ یا بھیکن کے نام سے مشہور تھے۔ ۸۹۰ھ کو کوری میں پیدا ہوئے جو اعمال لکھنؤ میں واقع تھا۔ اپنے والد شیخ سیف الدین اور شیخ عبداللطیف ہروی سے تحصیل کی۔ شیخ بخاری اور جامع الاصول کے لیے مولانا ضیاء الدین محدث کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیا۔ یہ کتابیں انھوں نے نہایت غور و فکر اور محنت کے ساتھ پڑھیں۔ سرزمین ہند کے اس عالم کبیر نے شیخ ابراہیم بن معین الدین حسینی ارجی سے اخذ طریقت کیا۔ پھر کوری واپس آئے اور درس و افادہ

① نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۳۷۳۔

② تاریخ معصومی، ص ۲۷۷۔ تحفہ الکرام، ص ۴۳۳، ۴۳۴۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۳۷۴۔

③ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۳۷۴۔

میں مشغول ہو گئے۔ ساہا سال علما و طلباء کو علوم مروجہ سے مستفید فرماتے رہے۔ بعد ازاں عازم کالپی ہوئے اور وہاں شیخ ابراہیم بن احمد بن حسن شریف حسینی گیلانی سے کسب فیض کیا۔ کچھ عرصے بعد کاکوری کی راہ لی اور واپس آ کر تدریس و تلقین کا سلسلہ شروع کیا۔ نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔

حافظ قرآن اور قرأت سب سے ماہر تھے۔

شیخ نظام الدین کاکوری مصنف بھی تھے۔ اصول حدیث سے متعلق المنہج اور تصوف و طریقت کے بارے میں المعارف اور شرح المہمات القادر یہ ان کی تصانیف میں سے ہیں۔

انھوں نے ۹۸۱ھ (۱۵۷۳ء) میں اس دنیائے فانی سے رحلت کی ①۔

### ۳۳۹۔ شیخ نظام الدین ایٹھوی

شیخ نظام الدین کا سلسلہ نسب یہ ہے: نظام الدین بن محمد یسین بن فخر الدین بن ابوالفضل بن تاج الدین عثمانی ایٹھوی۔ کبار مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ اور شیخ سری سقطی عثمانی کی نسل سے تھے۔ ۹۰۰ھ (۱۴۹۵ء) کو ایٹھی میں پیدا ہوئے جو ہندوستان میں اجودھیا کے قریب ایک مشہور شہر ہے اور جسے علم و علما کے قدیم مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ بچپن ہی سے حصول علم میں مشغول ہو گئے تھے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے جون پور گئے۔ وہاں شیخ معروف بن عبدالوسع جون پوری کے حلقہ درس میں داخل ہوئے اور کئی سال ان کے زیر تعلیم رہے۔ شیخ معروف مولانا اللہ داد شارح کافیہ کے مرید تھے۔ پھر عازم مانک پور ہوئے اور شیخ نور الدین بن حامد حسینی مانک پوری سے اخذ طریقت کیا۔ وہاں سے واپس جون پور اور پھر ایٹھی گئے۔ بہت بڑے فقیہ، شیخ عالم دین، زاہد و عابد اور متقی تھے۔ ہمیشہ درس و تدریس اور تلقین و تذکیر کی شمع روشن کیے رکھی۔ ان سے بے شمار علما و طلباء نے استفادہ کیا۔ صحیح معنوں میں علمائے ربانی میں سے تھے۔ کبھی کسی نے ان کو گھر یا مسجد کے باہر نہیں دیکھا۔ ہندوستان میں تین شہروں کے علاوہ سفر پر نہ جاتے۔ یا تو شیخ نظام الدین حسینی خیر آبادی کی ملاقات کے لیے خیر آباد کا قصد کرتے، یا شیخ عبدالغنی بن حسام الدین فتح پوری کی خدمت میں حاضری کے لیے فتح پور کا عزم فرماتے یا پھر شیخ مبارک بن شہاب الدین گوپاموی کی مزاج پرسی کی غرض سے گوپامو کے سفر پر روانہ ہوتے۔

بلاشبہ بہت بڑے عارف اور صوفی تھے، لیکن ان کی عادت تھی کہ کسی پر اسرار معرفت وانہ کرتے اور اس مسئلے پر ہمیشہ خاموشی کو ترجیح دیتے۔ سلوک و طریقت کے موضوع پر احیاء علوم الدین، عوارف المعارف، الرسالة المملیہ اور آداب المریدین وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کرتے۔ ایک مرتبہ شیخ ابوالفتح نظام الدین خیر آبادی کے ہاتھ میں ابن عربی کی فصوص الحکم دیکھی تو چھین لی اور مطالعہ کے لیے انھیں کوئی دوسری کتاب عطا کی۔

① منتخب التورخ، ص ۲۸۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۳۷۷۔ کشف المتوازی۔

نماز جمعہ سے پہلے بطور احتیاط چار رکعت نماز پڑھتے۔ خطبے میں سلاطین میں سے کبھی کسی کا نام نہ لیتے۔ کسی کو حتی الامکان حلقہ بیعت میں داخل نہ کرتے۔ اپنے اصحاب و مریدین میں سے کسی کو اشتغال و اوراد پر کار بند ہونے کے لیے نہ کہتے نہ کسی کو وظائف کی تلقین کرتے جو تے سمیت نماز پڑھ لیتے۔ فرمایا کرتے کہ رسول اللہ ﷺ سے جوتا پہن کر نماز پڑھنا ثابت ہے۔ فجر کی نماز غلّس میں پڑھتے سماع سے خود بھی احتراز کرتے اور اپنے مریدین و تلامذہ کو بھی روکتے۔ فرمایا کرتے، اگر کسی مسئلے میں دونوں پہلوؤں کی گنجائش ہو، جواز کی بھی اور عدم جواز کی بھی یا حلت کی بھی اور حرمت کی بھی تو ایسی صورت میں اولیٰ یہ ہے کہ احوط پر عمل کیا جائے۔

شیخ نظام الدین ایٹھوی ۸۰ سال سے زائد عمر پا کر ۲۸ ذی القعدہ ۹۷۲ھ (۲۷ جون ۱۵۶۵ء) کو سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔ محمد غوثی نے گلزار ابرار میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں سال وفات ۹۹۱ھ (۱۵۸۳ء) تحریر کیا ہے ①۔

## ۲۲۰۔ شیخ نظام الدین نارنولی

شیخ نظام الدین بن عبدالکریم نارنولی اپنے زمانے کے نامور عالم تھے۔ کبار مشائخ چشتیہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کا اصل نام اللہ داد تھا اور نظام الدین لقب تھا۔ ان کے والد شیخ عبدالکریم نارنولی، شیخ محمد غوث گوالیاری کے مریدین میں سے تھے۔ شیخ نظام الدین بھی باپ کے ساتھ گوالیار گئے اور وہیں شیخ محمد غوث کی خانقاہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ حصول علم کو مشغلہ ٹھہرایا اور اس درجہ کمال کو پہنچے کہ علوم عالیہ و آلیہ میں اپنے معاصرین سے فوقیت لے گئے۔ نارنول میں ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا، جس میں متواتر چالیس سال تک اس عالم دین نے درس و تدریس کا غلغلہ جاری رکھا۔ اپنے دور کے صاحب طریقت بھی تھے اور شیخ خانون بن علاء الدین ناگوری کے فیض یافتہ تھے۔ ان سے علما و مشائخ کی کثیر تعداد نے استفادہ کیا۔ ۲۸ صفر ۹۹۷ھ (۶ جنوری ۱۵۸۹ء) کو اس دنیائے فانی سے عالم آخرت کو روانہ ہوئے ②۔

## ۲۲۱۔ شیخ نظام الدین خیر آبادی

شیخ نظام الدین خیر آبادی کا سلسلہ نسب یہ ہے: نظام الدین بن سید میرن بن نور بن مدن بن سعید بن قاضی شیخ بن انعام الدین بن رکن الدین بن محمد بن نور بن احمد بن محمود حسینی شیورانی۔ سندیلہ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ شیخ سعد الدین بن قاضی بڈھن خیر آبادی سے بیعت طریقت کی۔ پھر حصول علم کے لیے

① تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو منتخب التواریخ، ص ۲۸۲ تا ۲۸۶۔ اخبار الاخیار، ص ۲۸۲، ۲۸۵۔ اذکار ابرار، ص ۵۷۷ تا

۵۷۹۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۲۰، ۲۲۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۷۸ تا ۳۸۰۔ طبقات اکبری، ص ۳۹۳۔

② اذکار ابرار، ص ۳۹۰، ۳۹۱۔ منتخب التواریخ، ص ۲۸۶، ۲۸۷۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۷۸۔

سنجھ گئے۔ وہاں علامہ عزیز اللہ تنہی کے درس میں شامل ہوئے اور ان کے حلقہ شاگردی میں داخل ہوئے۔ بعد ازاں دیگر بلاد ہند کے مختلف علما سے تحصیل کی۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد خیر آباد واپس آئے اور خود سلسلہ تدریس جاری کیا اور مسند افتاد پر رونق افروز ہوئے۔ ان کی تدریسی سرگرمیوں اور علمی رفعتوں کی وجہ سے اپنے اساتذہ کرام کی زندگی ہی میں ان کا شمار اکابر علما میں ہونے لگا تھا اور ملک کے دور دراز حصوں سے طلباء ان کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے اور ان کے فیوض علمی سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ پھر اثنائے تدریس ہی میں قلب کی دنیا میں ایک اور ہنگامہ بپا ہوا اور جذبہ ربانی کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اسی دوران میں سائین پور کی راہ لی اور وہاں جا کر شیخ صفی الدین عبدالصمد سائین پوری کی صحبت اختیار کر لی اور ان کی رہنمائی میں سلوک و طریقت کی منزلیں طے کرنے لگے۔ پھر خیر آباد گئے اور سب علائق سے الگ ہو کر عبادت الہی اور ذکر و شغل میں مصروف ہو گئے۔ اس جلیل القدر عالم دین اور مسافر راہ طریقت نے ۷ ربیع الاول ۹۹۷ھ (۱۴ جنوری ۱۵۸۹ء) کو داعی اجل کو لبیک کہا ①۔

## ۲۲۲۔ علامہ نظام الدین بدخشی

علامہ نظام الدین بدخشی، حضرت حسن بصری کی اولاد سے تھے۔ اصل وطن بدخشاں تھا۔ وہیں پیدا ہوئے اور مولانا محمد سعید اور علامہ عصام الدین ابراہیم سمرقانی اور دیگر اساتذہ عصر سے علم حاصل کیا۔ کسی زمانے میں ذکر و فکر کی وادی روح پرور میں بھی گھومے پھرے اور اس کی مختلف منزلیں شیخ حسین خوارزمی کی صحبت میں طے کیں۔ مقتدر عالم اور نامور مصنف تھے۔ علمی اعتبار سے بدخشاں اور ماوراء النہر کے تمام علما پر فوقیت رکھتے تھے اور بدخشاں کے شاہی امرا کی جماعت کے اہم رکن تھے۔ ۹۷۲ھ (۱۵۶۵ء) کو ہندوستان آئے اور اسی سال ۹ جمادی الاخریٰ ۱۲ جنوری کو کوخان پور کے مقام پر جو جون پور کے مضافات میں واقع ہے شاہ ہند جلال الدین اکبر سے ملاقات کی۔ اس نے ان کے علم و فضل اور ذہنی و فکری صلاحیتوں سے متاثر ہو کر پہلے قاضی خاں اور پھر غازی خاں کے خطاب سے مفتخر کیا۔ فصیح اللسان اور خوش بیان تھے۔ اکبر نے ان پر خوب عنایات کیں اور بہت سے مناصب جلیلہ سے نوازا۔ تصنیف و تالیف کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ چنانچہ شرع عقائد پر حاشیہ سپرد قلم کیا اور ایک رسالہ تحقیق و تصدیق ایمان کے بیان اور بحث میں لکھا۔

علامہ بدخشی، اکبر کے حاشیہ نشینوں اور مقربین میں سے تھے۔ یہ دربار اکبری کا پہلا شخص ہے جس نے فتح پور میں اکبر کے سامنے سجدہ تحیت ادا کرنے کی رسم ایجاد کی اور اس طرح اپنے علم و فضل کی ساری متاع اور عمل و کردار کا تمام سرمایہ اکبر کے پاؤں میں رکھ دیا۔ اس نے اپنے زور بیان اور قوت گویائی سے بادشاہ کی بے حد خدمت کی اور بالآخر اس کے قدموں میں سر جھکا کر اس کا حق نمک ادا کر دیا۔ نظام الدین بدخشی اور اس قماش

① نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۳۸۰، ۳۸۱ بحوالہ اخبار الاصفیاء۔



کے دربار کے دیگر لوگوں کے علم کلام کی فراوانی اکبر کے لیے بہت مدد ثابت ہوئی اور اس کو مرتبہ الوہیت تک پہنچانے میں ان لوگوں نے اس کو پورا مواد فراہم کیا۔ العیاذ باللہ۔

بدایونی کے الفاظ ہیں: اول کسے کہ اختراع سجدہ پیش بادشاہ کرد در فتح پور اوبود۔

یعنی پہلا شخص جس نے فتح پور میں بادشاہ کو سجدہ تہیت کیا، یہی عالم تھا۔ نظام الدین بدخشی نے ستر برس کی عمر پائی اور ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ء) کو ارض اودھ میں انتقال کیا<sup>①</sup>۔

## ۲۴۳۔ شیخ نوح بن نعمت اللہ سندھی

شیخ نوح بن نعمت اللہ صدیقی سندھی علامہ وقت اور فاضل عصر تھے۔ اعمال سندھ کے ایک مقام ہالہ کندھی میں اقامت گزین تھے۔ اس زمانے کی تمام علمی سرگرمیوں کا مرکز یہی عالم دین تھے۔ قرآن مجید کی نہایت عمدہ تفسیر بیان کرتے تھے اور اس کے معانی دقیقہ کی وضاحت میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ دیار سندھ کے اس عالم دین نے ۲۷ ذی القعدہ ۹۹۸ھ (۱۸ ستمبر ۱۵۹۰ء) کو جمعرات کے دن ہالہ کندھی میں وفات پائی<sup>②</sup>۔

و

## ۲۴۴۔ مولانا وجیہ الدین علوی گجراتی

وجیہ الدین بن نصر اللہ بن عماد الدین علوی گجراتی، ماہ محرم ۹۱۱ھ (جون ۱۵۰۵ء) کو سرزمین گجرات کے ایک گاؤں جانپانیر میں پیدا ہوئے اور اساتذہ عصر سے حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ پھر علامہ عماد الدین محمد بن محمود طاری کے حلقہ درس میں داخل ہوئے۔ ان سے اصول و کلام معانی و بیان اور منطق و فلسفہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں تک کہ تمام علوم مروجہ میں درجہ کمال کو پہنچے۔ علوم عالیہ میں مہارت پیدا کی اور اپنے دور کے عالم کبیر، مفسر و فقیہ اور شیخ و امام گردانے گئے۔ درس و تدریس کے منصب علیا پر فائز ہوئے اور مسند افتا کو زینت بخشی۔ اس کے علاوہ علوم طریقت میں بھی بہرہ وافر حاصل کیا اور شیخ قاضی خاں چشتی نہروالی سے جو شیخ قاضن کے نام سے معروف تھے اور صاحب جوہر الخمسه شیخ محمد غوث گوالیاری سے مستفیض ہوئے۔

شیخ وجیہ الدین گجراتی بہت سے اوصاف کے مالک تھے۔ صاحب صدق و اخلاص، پاک باطن،

① منتخب التواریخ، ص ۳۳۰، ۳۳۱۔ مآثر جمیعی، ج ۳، ص ۲۰، ۱۹۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۴۲، ۲۴۳۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۲۸۱۔

② اذکار ابرار، ص ۳۹۴۔ تحفۃ الکریم، ص ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱۔ تاریخ معصومی، ص ۲۸۲۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۸۳۔

شریف النفس، عابد و زاہد فیاض و جواد اور قانع بالیسیر تھے۔ گوشہ نشینی اور عزالت و تجرد کی زندگی بسر کرتے تھے اور ہمیشہ علوم دینیہ کی تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ وضع و لباس کے معاملے میں سادگی پسند تھے اور عام لوگوں سے کوئی امتیاز نہ رکھتے تھے۔ موٹے جھوٹے کپڑوں پر قانع رہتے۔ جو کچھ کہیں سے حاصل ہوتا، وہ طلبا پر خرچ کر دیتے۔ اللہ نے ان کی دعا میں بڑی تاثیر اور شفا بخشی تھی۔ انھوں نے علائق دنیا سے الگ ہو کر اپنے آپ کو درس و تدریس اور عبادت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ کبھی امرائے دولت اور ارکان حکومت کے دروازے پر دستک نہ دیتے۔ صرف ایک دو مرتبہ کسی رکن حکومت کے پاس جانا پڑا تو بہت ہی جبر اور استکراہ کے ساتھ گئے۔ کسی نے ان کو کبھی اپنے گھر یا مسجد کے علاوہ کہیں نہیں دیکھا۔ یا تو طلبا کے ہجوم میں درس و تدریس میں مصروف ہوتے یا عبادت و ذکر الہی میں منہمک۔

شیخ موصوف مسند افتا پر فائز تھے مگر فتویٰ دینے اور اس پر دستخط کرنے کے بارے میں بے حد محتاط تھے۔ وہ گجرات (کاٹھیا واڑ) میں سکونت پذیر تھے۔ اور والی گجرات سلطان محمود ان کا انتہائی احترام کرتا تھا۔ تحقیق مسائل اور افتا کے باب میں وہ ان ہی سے رجوع کرتا۔ اس سلسلے کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ سلطان مذکور کے عہد میں شیخ محمد غوث گوالیاری گجرات گئے تو صاحب کنز العمال شیخ علی متقی نے جو اس عہد کے بہت بڑے عالم اور دربار سلطانی میں بڑے اثر و اقتدار کے مالک تھے، بعض مسائل میں اختلاف کی بنا پر شیخ محمد غوث کے قتل کا فتویٰ صادر کر دیا۔ جب سلطان محمود کے پاس یہ فتویٰ پہنچا تو اس نے اس پر عمل درآمد کو اس وقت تک ملتوی کر دیا جب تک کہ شیخ وجیہ الدین اس کی تصدیق نہ کر دیں۔ شیخ وجیہ الدین چوں کہ شیخ محمد غوث کے افکار و خیالات سے آگاہ تھے اس لیے انھوں نے فتویٰ دیکھتے ہی پھاڑ کر پھینک دیا۔ شیخ علی متقی کو اس کا علم ہوا تو وہ شیخ وجیہ الدین کے گھر آئے اور اپنے کپڑے پھاڑ دیے اور مضطرب ہو کر کہا، آپ آخر کس بدعت اور دین میں رخنہ اندازی کے حامی بن گئے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا، ظاہر شریعت کی رو سے ان پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ چنانچہ شیخ وجیہ الدین کے اس عمل سے شیخ محمد غوث پھانسی سے بچ گئے۔ اس واقعہ کے بعد شیخ وجیہ الدین اکثر اپنی مجلسوں میں کہا کرتے تھے۔

ظواہر شریعت پر ایسی ہی نظر ہونی چاہیے، جیسی شیخ علی متقی کی ہے اور حقائق پر ایسی جیسی کہ شیخ محمد غوث کی ہے۔

شیخ وجیہ الدین بہت بڑے مصنف، شارح اور محشی بھی تھے، انھوں نے مختلف علوم و فنون پر مشتمل کم و بیش ستائیس اہم درسی اور غیر درسی کتابوں پر شروح اور حواشی تحریر کیے جو اہل علم میں مقبول ہوئے اور لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ ان کتابوں کے نام درج ذیل ہیں

- ① حاشیہ تفسیر بیضاوی: یہ قرآن مجید کی مشہور تفسیر ہے اور اس کا ابتدائی حصہ داخل درس ہے۔
- ② حاشیہ علی شرح نخبۃ الفکر: اس کا نام نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر ہے۔ اصول حدیث کی کتاب ہے۔

صاحب فتح الباری حافظ ابن حجر عسقلانی کی تصنیف ہے اور شامل نصاب ہے۔

۳ حاشیہ ہدایہ: یہ فقہ کی اہم اور مشہور کتاب ہے اور باقاعدہ مدارس عربیہ میں پڑھائی جاتی ہے۔

۴ حاشیہ شرح وقایہ: یہ بھی فقہ کے مشہور متون میں سے ہے اور نصاب میں شامل ہے۔

۵ حاشیہ علی العصدی

۶ حاشیہ علی اصول البزدوی

۷ حاشیہ علی المطول

۸ حاشیہ علی مختصر المعانی

۹ حاشیہ علی التلویح

۱۰ حاشیہ علی شرح التجرید

۱۱ حاشیہ علی شرح العقائد النسفی: العقائد النسفی اصول دین میں ایک مختصر رسالہ ہے۔ اس کے مصنف

شیخ نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد متوفی ۵۳۷ھ (۱۱۴۳ء) ہیں اس کی مختلف علما نے شرحیں لکھیں جن

میں ایک شرح علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۲ھ (۱۳۹۰ء) نے سپرد قلم کی جو مدارس دینیہ میں

متداول ہے۔ شیخ وجہیم الدین گجراتی نے علامہ تفتازانی کی شرح پر حاشیہ لکھا۔

۱۲ حاشیہ علی الحاشیۃ القدیمۃ لمحقق الدوانی: یہ شیخ جلال الدین محقق دوانی کے حاشیہ پر حاشیہ ہے۔

۱۳ حاشیہ علی شرح المواقف للجرجانی۔

۱۴ حاشیہ علی حکمتہ العین: یہ کتاب علم منطق میں ہے۔

۱۵ حاشیہ علی شرح المقاصد۔

۱۶ حاشیہ علی شرح چغمینی۔

۱۷ حاشیہ شرح قطبی۔

۱۸ حاشیہ علی شرح الشمیۃ للرازی۔

۱۹ حاشیہ علی شرح جامی۔

۲۰ حاشیہ علی شرح الارشاد: یہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب الارشاد کی شرح پر حاشیہ ہے۔

یہ کتاب علم نحو سے متعلق ہے۔

۲۱ شرح رسالہ ملا علی قوشچی: یہ رسالہ علم ہیئت کے موضوع پر ہے۔

۲۲ شرح ابیات التہلیل۔

۲۳ شرح اللوائح۔

۲۴ شرح جام جہاں نما: یہ رسالہ علم تصوف میں ہے۔

②۵ شرح کلید مخازن: رسالہ کلید مخازن شیخ محمد غوث گوالیاری کی تصنیف اور حقیقت مبداء و معاد کے موضوع پر ہے۔ شیخ وجیہ الدین نے اس کی شرح قلم بند کی۔

②۶ رسالہ حقیقت محمدیہ۔

②۷ شرح تحفہ شاہی: تحفہ شاہی علامہ قطب الدین محمود بن مسعود شیرازی متوفی ۷۱۰ھ (۱۳۱۰ء) کی

تصنیف ہے جو انھوں نے وزیر امیر شاہ محمد بن صدر السعید تاج الدین ابن معتر کے لیے لکھی، کتاب ایک جلد اور چار ابواب پر مشتمل ہے۔ شیخ وجیہ الدین اس کی شرح ضبط تحریر میں لائے۔

ارض ہند کے اس عظیم المرتبت عالم و فقیہ اور مصنف نے ۹۹۸ھ (۱۵۹۰ء) کو احمد آباد میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ①۔

۵

## ۲۴۵۔ علامہ ہبۃ اللہ شیرازی

علامہ ہبۃ اللہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: ہبۃ اللہ بن عطاء اللہ بن لطف اللہ بن سلام اللہ بن روح اللہ حسینی شیرازی شاہ میر کے نام سے معروف تھے۔ شیراز میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت پائی۔ حصول علم کے لیے مختلف علمائے عصر کی خدمت میں حاضری دی۔ کتب احادیث اپنے نانا حافظ نور الدین ابو الفتوح طاووسی سے پڑھیں اور اپنے زمانے کے علامہ اور فاضل کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔

تصوف و طریقت میں بھی بلند مرتبے کو پہنچے۔ سلطان محمود بیگرہ کے عہد میں گجرات آئے اور جاناپور میں سکونت اختیار کی اور علم و فضل اور صالحیت و تدین کی بنا پر اس درجہ شہرت حاصل کی کہ ملک کے مختلف بلاد و امصار سے طلبائے علم اور مسترشدین کثیر تعداد میں حاضر خدمت ہونے لگے۔

علامہ ہبۃ اللہ مصنف بھی تھے اور تصنیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ ان کی تصنیفات یہ ہیں:

① اسنی الکواشف فی شرح المواقف۔

- ① مجموعہ حالات حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی، ص ۷۱ تا ۷۵۔ مآثر رحیمی، ج ۳ ص ۱۷ تا ۸۸۔ مرآت سکندری ص ۲۹۶۔ مرآت احمدی، ج ۳ ص ۶۸ تا ۷۰۔ منتخب التواریخ ص ۳۹۲، ۳۹۳۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۳۹، ۲۵۰۔ مفتاح التواریخ، ص ۱۹۳۔ ابجد العلوم، ص ۸۹۶، ۸۹۷۔ مآثر الکرام، ص ۱۸۱، ۱۸۲۔ اذکار ابرار، ص ۲۰۵، ۲۰۹۔ نزہۃ النواظر، ج ۳ ص ۳۸۵، ۳۸۶۔ طبقات اکبری، ص ۳۹۵۔ حدائق الحنفیہ، ص ۳۸۸، ۳۸۹۔ معجم المولفین، ج ۱۳ ص ۱۶۰۔ الاعلام، ج ۹ ص ۱۲۳، ۱۲۵۔ مقدمہ عمدۃ الرعاہ فی حل شرح الوقایہ، ص ۲۶۔ رود کوثر، ص ۳۹۳، ۳۹۴۔ یادایام، ص ۶۵، ۶۶۔

- ② لوامع البرهان فی قدم القران۔
  - ③ شرح تہذیب المنطق و الکلام۔
  - ④ المحاکمہ علی شرح الشمسیۃ فی المنطق۔
  - ⑤ رسالہ فی الہئیۃ۔
  - ⑥ رسالۃ فی اصول الحدیث۔
  - ⑦ رسالۃ فی المسلسلات ①۔
- دسویں صدی ہجری کے اس عالم دین کے اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

— ی —

## ۲۳۶۔ مولانا یار محمد سندھی

مولانا یار محمد بن عبدالعزیز ابہری ثم کاہانی سندھی، شیخ اور عالم کبیر تھے۔ ان کا شمار اپنے دور کے جید علما میں ہوتا تھا۔ ۹۲۸ھ (۱۵۲۲ء) میں جام فیروز کے عہد حکومت میں شیخ عبدالعزیز ابہری کے ساتھ ہرات سے سندھ آئے اور کاہان میں اقامت گزین ہوئے جو نواح سیوستان میں ایک قریہ تھا۔ وہاں درس و تدریس اور افادہ طلبا کا غلغلہ بلند کیا۔

مولانا یار محمد، جلیل القدر عالم، خوش اخلاق بزرگ، نرم مزاج اور متواضع انسان تھے۔ انھوں نے اپنے باپ سے اخذ علم کیا اور خود ان سے خلق کثیر نے استفادہ کیا۔ کاہان میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ②۔

## ۲۳۷۔ شیخ یحییٰ بن ابوالفیض احراری

شیخ یحییٰ کا سلسلہ نسب یہ ہے: شیخ یحییٰ بن ابوالفیض بن عبداللہ بن شیخ عبید اللہ احرار احراری سمرقندی۔ جلال الدین اکبر کے عہد کے صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔ شیخ عصر اور عالم و فقیہ تھے۔ فن طب میں مہارت رکھتے تھے۔ خوش خطی میں اپنے دور کے لاثانی تھے۔ کتابت کی رو سے لفظ ”سبع“ نہایت عمدگی سے لکھتے۔ ساتھ ہی خوش اخلاق، خوش خصال، کریم النفس اور ایثار پیشہ تھے۔ جو کچھ کہیں سے حاصل ہوتا لوگوں پر خرچ کر دیتے اور ان کو فائدہ پہنچانے کی کوشش میں رہتے۔

دربار اکبری میں جب فتنہ پردازان دین کا عمل دخل بہت بڑھ گیا اور پرانی علمی و دینی محفلیں اجڑ گئیں تو دربار شاہی سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور بادشاہ سے حجاز جانے کی درخواست کی۔ بادشاہ نے ان کو قافلہ حجاج

① اذکار ابرار، ص ۲۳۸-۲۳۹۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۸۸-۳۸۹۔

② مآثر جمعی، ج ۲، ص ۲۷۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۳۹۲۔ تحفۃ الکرام، ص ۴۲۲۔ تاریخ معصومی، ص ۲۰۶۔ تذکرہ علمائے ہند،

کا امیر مقرر کیا اور کافی خرچ دے کر رخصت کیا۔ حرین شریفین گئے حج کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے اور واپس آگرہ آگئے۔ آگرہ میں ان کا زیادہ وقت ریاضت و عبادت میں گزرتا تھا۔ اسی شہر میں ۹۹۹ھ (۱۵۹۱ء) کو راہی ملک بقا ہوئے<sup>①</sup>۔

## ۲۲۸۔ سید یسین سامانوی

شیخ یسین بن ابویسین سامانوی، شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی کے تلمیذ اور صالح عالم دین تھے۔ حجاز گئے سعادت حج حاصل کی اور وہاں کے مشائخ سے کتب احادیث پڑھیں۔ پھر واپس ہندوستان آئے اور عرصے تک بعض امرائے دولت کے پاس لاہور میں قیام پذیر رہے۔ اس کے بعد ان پر ایسا دور آیا کہ مشائخ و فقرا کا سا لباس پہنا اور امور دنیا سے منقطع ہو گئے اور یاد خدا اور ذکر الہی کو شب و روز کا مشغلہ ٹھہرا لیا۔ سرہند میں گوشہ نشین ہو گئے تھے اور مریدین و سالکین کی خدمت کو اپنا معمول بنا لیا تھا۔ ابتدا میں شیخ وجیہہ الدین کی صحبت میں گجرات رہے۔ دوسری مرتبہ پھر وہیں جانا چاہتے تھے۔ وہاں سے عازم حجاز ہونے کے متمنی تھے مگر اس کا موقع نہیں ملا۔ البتہ بنگال گئے اور بہار کے ایک گوشے میں مدت تک مقیم رہے۔ ان سے خلق کثیر نے استفادہ کیا۔ عہد اکبری کے عالم دین تھے۔ ان کی تاریخ وفات کا علم نہ ہو سکا<sup>②</sup>۔

## ۲۲۹۔ قاضی یعقوب مانک پوری

قاضی یعقوب بن ابویعقوب مانک پوری، قاضی کمال الدین مانک پوری کے نام سے معروف تھے۔ اکبری دور کے مشہور علما میں سے تھے۔ علم فقہ اور اصول میں مہارت رکھتے تھے۔ حنفی المسلك تھے اور قاضی فضیلت کے داماد تھے۔ ان کی وفات کے بعد منصب قضا پر متعین ہوئے۔ خوش مزاج اور شگفتہ بیان تھے۔ مزاحاً عربی شعر ہندی بحروں میں کہتے۔ ابتدائی دور میں بادشاہ ہند جلال الدین اکبر کے مقررین میں سے تھے۔ چند سال ہندوستان کے قاضی القضاة رہے۔ منقول ہے کہ اس زمانے میں وہ مقوی و مہی معجون بہت کھاتے تھے۔ ایک روز اکبر کی مجلس میں اکل و شرب کی سرور انگیز چیزیں لائی گئیں۔ بادشاہ نے قاضی کو دعوت شرکت دی۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا۔ تم کس قسم کا نشہ کرتے ہو؟“ ایک ہندی مصاحب فوراً بولا۔ ”پارہ کھاتے ہیں۔“ ان کو قاضی القضاة کے عہدہ سے معزول کر کے بنگال کے محکمہ قضات پر متعین کر دیا گیا تھا۔ لیکن جب معصوم کابلی نے اکبر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو اس کے معاون ہو گئے۔ اکبر نے اس جرم کی پاداش میں منصب قضا سے معزول کر کے قلعہ گوالیار میں محبوس کرنے کا حکم دیا۔ مگر وہاں پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں انتقال

① منتخب التواریخ، ص ۳۱۲۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۳۹۳۔ مہر جہانتاب۔

② منتخب التواریخ، ص ۲۲۸، ۲۲۹۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۵۲۔ نزہۃ الخواطر ج ۲، ص ۳۹۳، ۳۹۴۔

کر گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھیں قتل کر دیا گیا تھا۔ یہ تقریباً ۹۹۸ھ (۱۵۹۰ء) کا واقعہ ہے۔ انھوں نے آگرہ اور فتح پور کے نواح میں بلند و بالا عمارتیں تعمیر کرائیں، نہریں کھدوائیں، حوض بنائے اور کئی باغ لگائے۔ ایک بہت بڑا حوض موضع ہسوہ میں بنایا جو اس زمانے میں فتح پور کے قریب ایک قریہ تھا<sup>①</sup>۔

## ۲۵۰۔ مولانا یوسف بن احمد گجراتی

یوسف بن احمد بن محمد بن عثمان حسینی گجراتی، دسویں صدی ہجری کے دیار ہند کے مشہور افاضل میں سے تھے۔ ان کی بہت بڑی علمی خدمت یہ ہے کہ انھوں نے والی گجرات سلطان محمود بیگرہ کے لیے ابن خلکان کی مشہور تاریخ، دفیات الاعیان کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام منظر الانسان ترجمہ تاریخ ابن خلکان رکھا۔ غالباً یہ ترجمہ انھوں نے ۸۸۹ھ (۱۴۸۴ء) میں کیا تھا۔ کہتے ہیں یہ نہایت عمدہ اور ادیبانہ ترجمہ ہے۔ اس سے ان کی علمی قابلیت اور زبان و انداز بیان پر عبور کا پتا چلتا ہے<sup>②</sup>۔

## ۲۵۱۔ مولانا یوسف سندھی

مولانا یوسف بن ابو یوسف سندھی، شیخ وقت اور صالح عالم دین تھے۔ علوم شرعیہ میں ماہر، معارف ادبیہ میں ممتاز، تیز ذہن اور روشن فکر تھے۔ علمی و تحقیقی معاملات میں خطا و صواب میں خوب امتیاز کرتے تھے۔ والی سندھ مرزا محمد باقی کے عہد کے صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔ مآثر جمی کا مصنف ان کے تقویٰ اور علوم میں مہارت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

مولانا یوسف بغایت پرہیزگار و در علوم شرعیہ و فنون بے مثل زمان خود بود<sup>③</sup>۔

یعنی مولانا یوسف نہایت پرہیزگار اور اپنے زمانے میں علوم شرعیہ اور فنون میں عدیم المثال تھے۔

## ۲۵۲۔ علامہ یونس سمرقندی

علامہ یونس بن ابو یونس سمرقندی ثم سندھی، علوم حکمیہ کے کبار اور ماہر علما میں سے تھے۔ مرزا شاہ حسین کے عہد میں ماوراء النہر سے سندھ تشریف لائے۔ ارض سندھ میں علمی اعتبار سے ان کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور

① منتخب التواریخ، ص ۳۰۵۔ طبقات اکبری، ص ۳۹۱۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۵۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۲۹۳، ۲۹۵۔

② نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۳۹۵۔

③ مآثر جمی، ج ۲، ص ۳۲۷۔ نیز ملاحظہ ہو: تاریخ معصومی، ص ۲۹۹۔ تحفۃ الکرام، ص ۵۷۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص

درجہ مشیخت پر فائز تھے۔ ان کی علمی رفعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ والی سندھ مرزا شاہ حسین نے ان کے حضور زانوئے تلمذتہ کیا اور جرجانی کی شرح المواقف اور بعض دیگر کتابیں باقاعدہ سبقاً سبقاً پڑھیں۔ بھکر کے صحیح النسب سید تھے اور بھکر کی مسند مشیخت و ولایت ہمیشہ اس عالم دین کے خاندان کے ذی علم حضرات کی طرف منتقل ہوتی رہی۔ سندھ کا یہ عالم کبیر ۹۵۱ھ (۱۵۴۴ء) میں سفر آخرت پر روانہ ہوا<sup>①</sup>۔



① مآثر جیمی ج ۲ ص ۳۲۰، ۳۲۱۔ تاریخ معصومی ص ۲۸۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۳۹۸۔



## مراجع و مصادر

اس کتاب کی تصنیف میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا:

- 1- آئین اکبری: شیخ ابوالفضل۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۸۹۳ء۔
- 2- ابجد العلوم: نوب صدیق حسن خاں۔ مطبع صدیقیہ، بھوپال۔ ۱۲۹۵ھ
- 3- اتحاف النبلا: نواب صدیق حسن خاں۔ مطبع نظامی، کان پور۔ ۱۲۸۸ھ
- 4- اخبار الاخیار: شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ مطبع مجتہائی، دہلی۔ ۱۳۳۲ھ
- 5- ادبی دنیا لاہور۔ کشمیر نمبر۔ مضامین عبداللہ قریشی۔ شماره مارچ، اپریل۔ ۱۹۶۶ء
- 6- اذکار ابرار اردو ترجمہ گلزار ابرار: محمد غوثی شطاری مانڈوی۔ ترجمہ فضل احمد جیوری مطبع مفید عام، آگرہ۔ ۱۳۲۶ھ
- 7- اردو دائرہ معارف اسلامیہ: دانش گاہ پنجاب، لاہور
- 8- الاعلام: خیرالدین زرکلی۔ طبع ثانی۔ بیروت
- 9- الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام: قطب الدین نہروالی المکی۔ لیرگ۔ بروکلین۔ ۱۸۵۹ء۔
- 10- انوار العارفین: حافظ محمد حسین مراد آبادی۔ مطبع نول کشور۔ لکھنؤ۔ ۱۸۷۶ء۔
- 11- ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون: اسماعیل پاشا۔ مطبع بیہ، استنبول۔ ۱۹۳۵ء۔ ۱۳۶۳ھ
- 12- البدر الطالع: جلد اول، ثانی۔ امام محمد بن علی شوکانی۔ مطبعة السعادة، طبع اول قاہرہ مصر، ۱۳۲۸ھ
- 13- برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ: محمد اسحاق بھٹی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ ۱۹۷۳ء۔
- 14- برہان پور کے سندھی اولیا المعروف بہ تذکرہ اولیائے سندھ: سید محمد مطیع اللہ راشد برہان پوری۔ سندھی ادبی بورڈ، کراچی۔ ۱۹۵۷ء
- 15- بزم تیموریہ: سید صباح الدین عبدالرحمن۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ۔
- 16- تاریخ تحفۃ الکرام: جلد اول، دوم، سوم۔ مطبع حسینی اثنا عشری۔ محلہ فراش خانہ وزیر گنج لاہور، ۱۳۰۴ء۔ و مطبع ناصری، واقع دہلوانی۔
- 17- تاریخ داؤدی: عبداللہ۔ بہ صبح پروفیسر شیخ عبدالرشید۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ ۱۹۵۴ء۔
- 18- تاریخ شیراز ہند جون پور: سید اقبال حسین۔ ادارہ شیراز ہند پبلسنگ ہاؤس جون پور۔ ۱۹۶۳ء۔
- 19- تاریخ طاہری: سید طاہر محمد نیسانی ٹھٹھوی۔ سندھی ادبی بورڈ۔ حیدرآباد سندھ، ۱۳۸۴ھ۔ ۱۹۶۴ء۔

- 20- تاریخ ظفرہ: گردھاری لعل احقر۔ مطبوعہ حکیم برہم۔ گورگھ پور۔ ۱۳۲۶ھ۔ ۱۹۲۷ء۔
- 21- تاریخ فرشتہ: محمد قاسم فرشتہ۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۹۳۳ء۔
- 22- تاریخ کشمیر اعظمی۔ خواجہ محمود اعظم دیدہ مری کشمیری۔ ناشر، غلام محمد نور محمد، تاجران کتب سری نگر۔
- 23- تاریخ معصومی۔ میر محمد معصوم بھکری۔ سندھی ادبی بورڈ، کراچی۔ ۱۹۵۹ء
- 24- تحفۃ الکریم: میر علی شیر قانع۔ سندھی ادبی بورڈ، کراچی۔ ۱۹۵۹ء
- 25- تحقیقات چشتی۔ مولوی نور احمد چشتی۔ پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور۔ ۱۹۶۳ء
- 26- تذکرہ: مولانا ابوالکلام آزاد۔ مکتبہ احباب، لاہور۔
- 27- تذکرہ صوفیائے بنگال: اعجاز الحق قدوسی۔ مرکز اردو بورڈ، لاہور۔ ۱۹۶۵ء
- 28- تذکرہ عالم: بلاقی داس۔ میور پریس، دہلی۔ ۱۹۰۸ء
- 29- تذکرہ علمائے ہند: مولوی رحمان علی۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۹۱۳ء
- 30- تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ، محمد ایوب قادری) پاکستان ہٹاریکل سوسائٹی کراچی۔ ۱۹۶۱ء
- 31- تذکرہ علامہ شیخ محمد بن طاہر محدث پٹی (ترجمہ رسالہ مناقب) تالیف شیخ عبدالوہاب اقصی القضا، متوفی ۱۰۸۶ھ۔ ترجمہ سید ابوظفر ندوی۔ ندوۃ المصنفین، دہلی۔ ۱۳۷۳ھ۔ ۱۹۵۳ء
- 32- تزک بابری: فارسی ترجمہ، خان خانان بیرم خاں۔ چتر پربھا پریس، بمبئی۔ ۱۳۰۸ھ
- 33- تعلیمات مجددیہ: ملک حسن علی جامعی۔ انجمن اشاعت التوحید والسنتہ، شرق پور ۱۹۶۵ء۔
- 34- چار باغ پنجاب: گینش داس وڈیرا۔ مرتبہ پروفیسر کرپال سنگھ، امرتسر۔ ۱۹۶۵ء
- 35- حیوۃ العلماء: مولانا سید محمد عبدالباقی سہوانی۔ مطبع نور کشور، لکھنؤ۔ ۹۲۲۔ ۱۳۲۰ھ
- 36- حدائق الحنفیہ۔ مولوی فقیر محمد جہلمی۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء
- 37- خزینۃ الاصفیاء: مفتی غلام سرور لاہوری۔ مطبع نامی گرامی مہراج پنڈت بیچناتھ، الموسوم بہ شہر ہند، لکھنؤ۔ ۱۲۹۰ھ
- 38- خلاصۃ التواریخ: لالہ سبحان رائے بٹالوی۔ تصحیح ظفر احسن۔ مطبع جی اینڈ سنز، دہلی۔ ۱۹۱۸ء
- 39- دربار اکبری: محمد حسین آزاد۔ دارالاشاعت پنجاب، لاہور۔ مطبع رفاہ عام لاہور۔ ۱۸۹۸ء۔
- 40- رود کوثر: شیخ محمد اکرام۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔ ۱۹۷۵ء۔
- 41- سبحة المرجان فی آثار ہندوستان: غلام علی آزاد بلگرامی۔ طبع بمبئی۔ ۱۳۰۳۔
- 42- سفینۃ الاولیاء: داراشکوہ۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۸۸۳ء
- 43- سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات: خلیق احمد نظامی۔ ندوۃ المصنفین، دہلی۔ ۱۳۷۷ھ۔ ۱۹۵۸ء۔
- 44- سیر العارفین: جلال الدین جمالی مطبع رضوی دہلی۔ ۱۳۱۱ھ
- 45- سیر المتاخرین: غلام حسین خاں طباطبائی۔ نول کشور، لکھنؤ۔

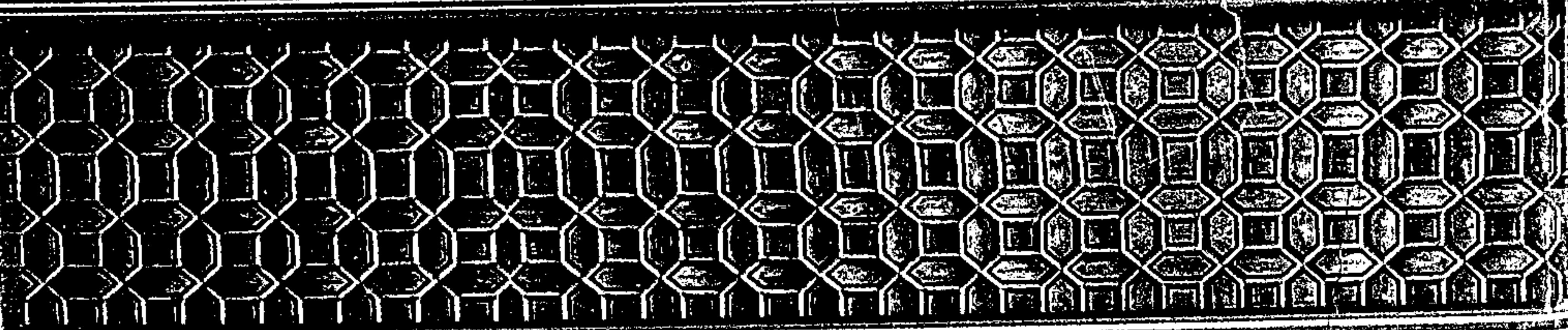
- 46- شذرات الذهب، جلد ۸۔ ابو الفلاح عبدالحی بن العماد جبلی۔ مکتبہ القدوسی قاہرہ، مصر۔ ۱۳۵۱ھ
- 47- الصارم المسلول علی شاتم الرسول: امام ابن تیمیہ۔ ترتیب محی الدین عبدحمید، دارالفکر، بیروت۔
- 48- الضوء اللامع: حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سخاوی۔
- 49- طبقات اکبری: نظام الدین ہروی۔ طابع، نول کشور۔ طبع گرامی قدراودھ اخبار، لکھنؤ۔ ۱۲۹۲ھ۔ ۱۸۷۵ء
- 50- ظفر الوالہ بمظفر وآلہ: جلد اول، عبداللہ محمد بن عمر آل صفی العثمانی۔ طبع لندن۔ ۱۹۱۰ء۔
- 51- ظفر الوالہ بمظفر وآلہ جلد ثانی، عبداللہ محمد بن عمر آل صفی العثمانی۔ طبع لندن۔ ۱۹۲۱ء۔
- 52- عربی ادبیات میں! پاک و ہند کا حصہ: (دی کنزی بیوشن آف انڈیا ٹودی عربک لٹریچر از ڈاکٹر زبید احمد) ترجمہ۔ شاہد حسین رزاقی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ ۱۹۷۳ء۔
- 53- الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ مع التعليقات البینتہ: علامہ عبدالحی لکھنوی۔ طبع اول۔ مصر۔ ۱۳۲۳ھ
- 54- قضاء الارب من ذکر علماء النخو والادب: ذوالفقار احمد۔ مطبع فیض منبع مفید عام آگرہ۔ ۱۳۱۶ھ
- 55- کشف الظنون: جلد اول۔ حاجی خلیفہ۔ مطبع بہیہ۔ استنبول ۱۹۲۱ء/۱۳۶۰ھ۔
- 56- کشف الظنون، جلد ثانی۔ حاجی خلیفہ۔ مطبع بہیہ استنبول۔
- 57- کشمیر سلاطین کے عہد میں: (کشمیر انڈر سلطاز، از پروفیسر محبت الحسن) ترجمہ، پروفیسر علی حماد عباسی۔ دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔ ۱۹۶۷ء/۱۳۸۶ھ۔
- 58- لطائف قدوسی (مشمول بر حالات و مقالات شیخ عبدالقدوس گنگوہی) از شیخ رکن الدین بن عبدالقدوس گنگوہی۔ مطبع مجتہائی دہلی۔ ۱۳۱۱ھ
- 59- مائتو: غلام یزدانی (ترجمہ، مرزا محمد بشیر ایم۔ اے) مفید عام پریس لاہور۔ ۱۹۳۱ء
- 60- مآثر الامراء: جلد سوم، نواب صمصام الدولہ نواز خاں۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ۔ ۱۸۹۱ء۔
- 61- مآثر جمہی: جلد اول، دوم، سوم۔ ملا عبدالباقی نہاوندی۔ تصحیح محمد ہدایت حسین۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ، طبع جلد اول ۱۹۲۳ء۔ جلد دوم ۱۹۲۵ء۔ جلد سوم ۱۹۳۱ء۔
- 62- مآثر الکرام: غلام علی آزاد بلگرامی۔ مکتبہ احیاء العلوم الشرقیہ لاہور۔ ۱۹۷۱ء
- 63- مجموعہ حالات حضرت شاہ وجیہ الدین گجراتی علوی: مطبع شہابی بھنڈی بازار بمبئی۔
- 64- محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن: عبدالجبار خاں صوفی۔ مطبع نامی فخر نظامی۔ حیدرآباد دکن۔
- 65- مرآت احمدی۔ جلد اول۔ مرزا محمد حسن الملقب بہ علی محمد خان بہادر۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۵ء۔
- 66- مرآت احمدی: جلد دوم۔ مرزا محمد حسن الملقب بہ علی محمد خان بہادر، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۷ء۔
- 67- مرآت سکندری: سکندر بن محمد عرف منجو ابن اکبر۔ تصحیح و تنقیح۔ ڈاکٹر سیتیش چند مصرا، محمد لطف الرحمن، جامعہ مہاراجہ سیاہ جی راؤ۔ بڑودہ۔ مہاراجہ سیاہ جی یونیورسٹی پریس، بڑودہ ۱۹۶۱ء۔

- 68- مرآت عالم: بختاور خان (قلمی نسخہ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور)
- 69- مصباح العاشقین: از شیخ بہاؤ الدین بن محمود بن ابراہیم نبیرہ قاضی شیخ حمید الدین ناگوری (قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور)
- 71- معجم المؤلفین: عمر رضا کمالہ۔ المکتبۃ العربیہ دمشق۔ مطبعۃ الترنی۔ دمشق ۱۹۵۷ء۔
- 71- مفتاح التوارخ: منشی دانشور۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۲۸۴ھ۔
- 72- مقدمہ (بر کتاب المتانہ فی مرمتہ الخزانہ تصنیف علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی) مولانا ابوسعید غلام مصطفیٰ قاسمی سندھی، سندھی ادبی بورڈ، کراچی۔ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء۔
- 73- مقدمہ مرقات شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری۔
- 74- مکتوبات قدوسی: شیخ عبدالقدوس گنگوہی۔ مطبع احمدی، دہلی۔
- 75- منتخب التوارخ۔ ملا عبدالقادر بدایونی۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۲۷۴ھ۔
- 76- منتخب اللباب: جلد اول، محمد ہاشم الخطاب بہ خانی خاں۔ ایشیا ٹیک سوسائٹی بنگال، کلکتہ۔ ۱۸۶۹ء۔
- 77- نزہتہ الخواطر، جلد ۴۔ علامہ سید عبدالحی حسنی لکھنوی۔ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن۔ ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء۔
- 78- النور السافر فی اخبار القرن العاشر: عبدالقادر بن عبداللہ عیدروسی۔ ناشر المکتبۃ العربیہ بغداد۔ مطبعۃ الفرات، بغداد۔ ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء۔
- 79- ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین و آثار المصنفین: جلد اول۔ اسماعیل پاشا بغدادی۔ مطبع بیہ استنبول۔ ۱۹۵۱ء۔
- 80- ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین و آثار المصنفین: جلد ثانی۔ اسماعیل پاشا بغدادی۔ مطبع بیہ استنبول۔ ۱۹۵۵ء۔
- 81- ہفت اقلیم: جلد سوم۔ امین احمد رازی۔ تصحیح و تعلق جواد فاضل، ناشر۔ کتاب فروشی علی اکبر و کتاب فروشی ادبیہ طہران۔
- 82- یادایام: مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی۔ مطبع انسٹی ٹیوب علی گڑھ کالج ۱۹۱۹ء/۱۳۳۷ھ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# فتاویٰ ہند

محمد اسحاق صاحب



دار النوادر